عقائد اہل سنت پر لاجواب دلائل

جاء الحق

مخالفین کے منہ بند کردینے والی لاجواب تصنیف

تصنیف لطیف

مفسرِ شہیر حضرت علامہ مفتی

احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

تقلید کی بحث

تقلید کے باب میں پانچ باتیں خیال میں رہنا ضروری ہیں۔

۱) تقلید کے معنی اور اس کی قسمیں
۲) تقلید کونسی ضروری ہے اور کونسی منع
۳) تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں
۴) تقلید کے واجب ہونے کے دلائل
۵) تقلید پر اعتراضات اور اُنکے مکمل جوابات۔ اس لئے اس بحث کے پانچ باب کئے جاتے ہیں۔

باب اوّل

تقلید کے معنی اور اس کے اقسام

تقلید کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی' دوسرے شرعی۔ لغوی معنی ہیں۔ قلادہ در گردن بستن گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا۔ تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول وفعل کو اپنے پر لازم شرعی جاننا یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لئے حجت ہے۔ کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔ جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول وفعل اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

حاشیہ حسامی باب متابعت رسول اللہ ﷺ میں صفحہ ۸۶ پر شرح مختصر المنار سے نقل کیا اور یہ عبارت نور الانوار بحث تقلید میں بھی ہے۔

اَلتَّقْلِیْدُ اِتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَیْرَہٗ فِیْمَا سَمِعَہٗ یَقُوْلُ اَوْفِی فِعْلِہٖ عَلٰی زَعْمٍ اَنَّہٗ مُحِقٌّ بِلَا نَظَرٍ فِی الدَّلِیْلِ.

تقلید کے معنی ہیں کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا اس میں جو اس کو کہتے ہوئے یا کرتے ہوئے سن لے یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے۔ بغیر دلیل میں نظر کئے ہوئے۔

نیز امام غزالی کتاب المستصفیٰ جلد دوم صفحہ ۳۸۷ میں فرماتے ہیں **اَلتَّقْلِیْدُ ھُوَ قَبُوْلُ قَوْلٍ بِلَا حُجَّتَہٖ.** مسلم الثبوت میں ہے **اَلتَّقْلِیْدُ اَلْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَیْرِ مِنْ غَیْرِ حُجَّتِہٖ.** ترجمہ وہی جو اوپر بیان ہوا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انکا ہر قول وفعل دلیل شرعی ہے تقلید میں ہوتا ہے۔ دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ لہٰذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد۔ اسی طرح صحابہ کرام وآئمہ دین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد۔ اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا یہ فتویٰ غلط تھا' کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے بخلاف قول امام ابو حنیفہ ؓ کے کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مسئلہ فرمادیں تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا۔ یہ فرق ضرور یاد رہے۔

تقلید دو طرح کی ہے۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے روزے' نماز' زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں آئمہ دین کی اطاعت کی جاتی ہے اور تقلید غیر شرعی دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا ہے۔ جیسے طبیب لوگ علم طب میں بو علی سینا کی اور شاعر لوگ داغ' امیر یا مرزا غالب کی یا نحوی وصرفی لوگ سیبویہ اور خلیل کی پیروی کرتے ہیں اسی طرح ہر پیشہ ور اپنے پیشہ میں اس فن کے ماہرین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تقلید دنیاوی ہے۔

صوفیائے کرام جو وظائف واعمال میں اپنے مشائخ کے قول وفعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لئے کہ یہ شرعی مسائل حرام وحلال میں تقلید نہیں۔ ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کام ہے۔

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف میں ہے تو حرام ہے اگر خلاف اسلام نہ ہو تو جائز ہے بوڑھی عورتیں اپنے باپ داداؤں کی ایجاد کی ہوئی شادی غمی کی ان رسموں کی پابندی کریں جو خلاف شریعت ہیں تو حرام ہے اور طبیب لوگ جو طبی مسائل میں بو علی سینا وغیرہ کی پیروی کریں جو کہ مخالف اسلام نہ ہوں تو جائز ہے۔ اسی پہلی قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآنِ کریم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے اور ایسی تقلید کرنے والوں کی برائی فرماتا ہے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا. (پارہ ۱۵ سورۃ الکہف آیت ۲۸)

اور اس کا کہا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

وَاِن جَاھَدٰکَ عَلٰی اَن تشرِکَ بِی مَالَیسَ لکَ بِہٖ عِلمٌ فَلاَ تُطِعھُمَا. (پارہ ۲۱ سورہ لقمان آیت ۱۵)

اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرا اس کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔

وَاِذَا قِیلَ لَھُم تَعَالَوا اِلٰی مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلٰی الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجدنَا عَلَیْہِ اٰبَآئَنَا اَوَلَوکَانَ اٰبَاؤُھُمْ لاَیَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّلاَ یَھتَدُوْنَ. (پارہ ۷ سورہ ۵ آیت ۱۰۴)

اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس طرف جو اللہ نے اُتارا اور رسول کی طرف کہیں ہم کو وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اگر چہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانیں اور نہ راہ پر ہوں۔

وَاِذَا قِیلَ لَھُمْ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَل نَتَّبِعُ مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآئَنَا. (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۷۰)

اور جب ان سے کہا جاوے کہ اللہ کے اُتارے ہوئے پر چلو تو کہیں گے ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔

ان میں اور ان جیسی آیتوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ داداؤں کے حرام کاموں میں کی جاوے کہ چونکہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے ہم بھی ایسا کریں گے۔ چاہے یہ کام جائز ہو یا ناجائز۔ رہی شرعی تقلید اور ائمہ دین کی اطاعت اس سے ان آیات کو کوئی تعلق نہیں ان آیتوں سے تقلید ائمہ کو شرک یا حرام کہنا محض بے دینی ہے۔ اُس کا بہت خیال رہے۔

دوسرا باب

کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے کن میں نہیں

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل تین طرح کے ہیں۔ ۱) عقائد ۲) وہ احکام جو صراحۃً قرآنِ پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو۔ ۳) وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔

عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ تفسیر روح البیان آخر سورہ ہود زیر آیت نَصِیبَھُم غَیرَ مَنقُوصٍ میں ہیں۔ وَفِی الاٰیَۃِ ذَمُّ التَّقلِیدِ وَھُوَ قَبُولُ قَولِ الغَیرِ بِلاَ دَلِیلٍ وھو جائز فی الفُرُوعِ وَالعَمِلَیَاتِ وَلاَ یَجُوزُ فی اُصُولِ الدِّینِ وَالاعتِقَادِیَّاتِ بَل لَّابُدَّ مِنَ النَّظرِ وَالاستِدلاَلِ. اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ توحید و رسالت وغیرہ تم نے کیسے مانی تو یہ نہ کہا جاویگا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمانے سے یا کہ فقہ اکبر سے بلکہ دلائلِ توحید و رسالت سے۔ کیونکہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ مقدمہ شامی بحث تقلید المفضول مع الافضل میں ہے۔

(عَن مُعتَقَدِنَا) اَی عَمَّ نَعتَقِدُہ مِن غَیرِ المَسَائِلِ الفَرعِیَۃِ مِمَّا یَجِبُ اِعتِقَادُہ عَلٰی کُلِّ مُکَلَّفٍ بِلاَ تَقلِیدٍ لِاَحَدٍ وَّھُوَ مَا عَلَیْہِ اَھلُ السُّنَّۃِ وَالجَمَاعَۃِ وَھُمُ الاشَاعِرۃُ وَالمَا تُرِیدِیَّۃُ

یعنی جن کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں فرعی مسائل کے علاوہ کہ جن کا اعتقاد رکھنا ہر مکلف پر بغیر کسی کی تقلید کے واجب ہے وہ عقائد وہ ہی ہیں جن پر اہلسنت و جماعت ہیں اور اہلسنت اشاعرہ اور ماتریدیہ ہیں۔

نیز تفسیر کبیر پارہ دس زیر آیت فاجرہ حتیٰ یسمع کلام اللہ میں ہے۔ ھٰذِہ الایۃ تدل عَلٰی اَنَّ التقلید غیر کافٍ فی الدین وانہ لا بدمن النظر والاستدلال. صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں۔ پانچ نمازیں، نماز کی رکعتیں، تیس روزے، روزے میں کھانا پینا حرام ہونا یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت نص سے صراحۃً ہے اس لئے یہ نہ کہا جائے گا کہ نمازیں پانچ اس لئے ہیں یا روزے ایک ماہ کے اس لئے ہیں کہ فقہ اکبر میں لکھا ہے یا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے بلکہ اس لئے قرآن و حدیث سے دلائل دیئے جائیں گے۔

جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماعِ امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں۔ ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے۔ مسائل کی جو ہم نے تقسیم کردی اور بتادیا کہ کون سے مسائل تقلید یہ ہیں اور کون سے نہیں اس کا بہت لحاظ رہے بعض موقعہ پر غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں کہ مقلد کو حق نہیں ہوتا کہ دلائل سے مسائل کو نکالے پھر تم لوگ نماز روزے کے لئے قرآنی آیتیں یا احادیث کیوں پیش کرتے ہو اس کا جواب بھی اس امر میں آ گیا کہ روزہ و نماز کی فرضیت تقلیدی مسائل سے نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سوائے احکام خبر وغیرہ میں تقلید نہ ہوگی۔ جیسے کہ مسئلہ کفر یزید وغیرہ۔ نیز قیاسی مسائل میں فقہا کا قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرنا صرف مانے ہوئے مسائل کی تائید کیلئے ہوتا ہے۔ وہ مسائل پہلے ہی سے قولِ امام سے

مانے ہوئے ہوتے ہیں تو بلانظر فی الدلیل کے یہ معنی نہیں کہ مقلد دلائل دیکھے ہی نہیں بلکہ یہ دلائل سے مسائل حل نہ کرے۔

تیسرا باب

کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں

مکلّف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد، دوسرے غیر مجتہد۔ مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علم لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات و رموز سمجھ سکے اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے اس سے مسائل نکال سکے۔ ناسخ و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف و نحو بلاغت وغیرہ میں اس کو پوری مہارت حاصل ہو احکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو دیکھو تفسیرات احمدیہ وغیرہ جو کہ اس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لئے تقلید منع۔ مجتہد کے چھ طبقے ہیں۔

۱) مجتہد فی الشرع

۲) مجتہد فی المذہب

۳) مجتہد فی المسائل

۴) اصحاب التخریج

۵) اصحاب الترجیح

۶) اصحاب التمیز (مقدمہ شامی بحث طبقات الفقہاء)

۱) مجتہد فی الشرع وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے۔ جیسے چاروں امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین

۲) مجتہد فی المذہب وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں اور ان اصول سے مسائلِ شرعیہ فرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں۔ جیسے امام ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ اجمعین۔ کہ یہ قواعد میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد۔

۳) مجتہد فی المسائل وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائلِ فرعیہ دونوں میں مقلد ہیں۔ مگر وہ مسائل جن کے متعلق ائمہ کی تصریح نہیں ملتی۔ ان کو قرآن و حدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں۔ جیسے امام طحاوی اور قاضی خان، شمس الائمہ سرخسی وغیرہم۔

۴) اصحاب تخریف وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے، ہاں ائمہ میں سے کسی کے مجمل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں جیسے امام کرخی وغیرہ۔

۵) اصحاب ترجیح وہ حضرات ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دو قول روایت میں آئے تو ان میں سے کس کو ترجیح دیں۔ یہ وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں کہ ہٰذا اولیٰ یا ہٰذا اصح وغیرہ جیسے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ۔

۶) اصحاب تمیز وہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات نادرہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقویٰ میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوالِ مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں۔ اور صحیح روایات اور معتبر قول کو لیں۔ جیسے کہ صاحب کنز اور صاحب درمختار وغیرہ۔

جن میں ان چھ وصفوں میں سے کچھ بھی نہ ہوں۔ وہ مقلد محض ہیں۔ جیسے ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کہ ان کا صرف یہ ہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتا دیں۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مجتہد کو تقلید کرنا حرام ہے۔ تو ان چھ طبقوں میں جو صاحب ہیں جس درجہ کے مجتہد ہوں گے۔ وہ اس درجہ سے کسی کی تقلید نہ کریں گے۔ اور اس سے اوپر والے درجہ میں مقلد ہوں گے جیسے امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کہ یہ حضرات اصول اور قواعد میں تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں چونکہ خود مجتہد ہیں۔ اس لئے ان میں مقلد نہیں۔

ہماری اس تقریر سے غیر مقلدوں کا یہ سوال بھی اُٹھ گیا کہ جب امام ابو یوسف و محمد علیہما الرحمۃ حنفی ہیں اور مقلد ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جگہ جگہ مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ تو یہ ہی کہا جاوے گا کہ اصول و قواعد میں یہ حضرات مقلد ہیں۔ اس میں مخالفت نہیں کرتے اور فرعی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں اس میں خود مجتہد ہیں۔ وہ کسی کے مقلد نہیں۔

یہ سوال بھی اُٹھ گیا کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہو اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو چھوڑتے ہو پھر تم حنفی کیسے؟ جواب آ گیا کہ بعض درجہ کے فقہاء اصحاب ترجیح بھی ہیں جو چند قولوں میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں اسی لئے ہم کو ان فقہاء کا ترجیح دیا ہوا جو قول ملا اس پر فتویٰ دیا گیا یہ سوال بھی اُٹھ گیا کہ تم اپنے کو حنفی پھر کیوں کہتے ہو۔ یوسفی یا محمدی یا ابن مبارکی کہو! کیونکہ بہت سی جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے ہو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول چھوڑ کر۔ جواب یہ ہی ہوا کہ چونکہ ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے

اصول اور قوانین پر بنے ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی بھی قول کو لینا درحقیقت امام صاحب ہی کے قول کو لینا ہے جیسے حدیث پر عمل درحقیقت قرآن پر ہی عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔ اب اگر کوئی محقق فی المذاہب کوئی صحیح حدیث پا کر اس پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہوگا۔ بلکہ حنفی رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا یہ پوری بحث دیکھو مقدمہ شامی مطلب **صَحَّ مَنَ الامام اذا صِحَّ الحدیثُ فھو مذھبی.** امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب بنی یعنی ہر مسئلہ اور ہر حدیث میں میں نے بہت جرح قدح اور تحقیق کی ہے تب اسے اختیار کیا چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مسئلہ کی بڑی چھان بین ہوتی تھی۔ مجتہد شاگردوں سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا۔

اگر یہ مختصری تقریر خیال میں رکھی گئی تو بہت مشکلوں کو ان شاء اللہ عزوجل حل کر دے گی اور بہت کام آویگی بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہم میں اجتہاد کرنے کی قوت ہے۔ لہٰذا ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ اس کے لئے بہت طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اجتہاد کے لئے کس قدر علم کی ضرورت ہے اور ان حضرات کو وہ قوت علمی حاصل ہے یا نہیں۔

حضرت امام رازی، امام غزالی وغیرہ امام ترمذی وامام ابوداؤد وغیرہ حضور غوث پاک۔ حضرت بایزید بسطامی، شاہ بہاء الحق نقشبند اسلام میں ایسے پایہ کے علماء اور مشائخ گزرے کہ ان پر اہل اسلام جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔ مگر ان حضرات میں سے کوئی صاحب بھی مجتہد نہ ہوئے بلکہ سب مقلد ہی ہوئے۔ خواہ امام شافعی کے مقلد ہوں۔ یا امام ابوحنیفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ زمانہ موجودہ میں کون ان کی قابلیت کا ہے جب ان کا علم مجتہد بننے کیلئے کافی نہ ہوا۔ تو جن بے چاروں کو ابھی حدیث کی کتابوں کے نام لینا بھی نہ آتے ہوں وہ کس شمار میں ہیں۔

ایک صاحب نے دعویٰ اجتہاد کیا میں نے ان سے صرف اتنا پوچھا کہ سورۃ تکاثر سے کس قدر مسائل آپ نکال سکتے ہیں اور اس میں حقیقت، مجاز، صریح وکنایہ ظاہر ونص کتنے ہیں۔ ان بیچارے نے ان چیزوں کے نام بھی نہ سنے تھے۔

چوتھا باب

تقلید واجب ہونے کے دلائل

اس باب میں ہم دو فصلیں لکھتے ہیں۔ پہلی فصل میں تو مطلقاً تقلید کے دلائل ہیں۔ دوسری تقلید شخص کے دلائل۔

فصل اوّل:

تقلید کا واجب ہونا قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور عمل امت اور اقوال مفسرین سے ثابت ہے۔ تقلید مطلقاً بھی اور تقلید مجتہدین بھی ہر ایک تقلید کا ثبوت ہے۔

اھدنـا الـصِّـراط الـمستقیم صراط الَّذِین اَنعمت علیھم. (پارہ۱ سورہ۱ آیت۵)

ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔ (سورۂ فاتحہ)

اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے۔ جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں اور تمام مفسرین محدثین فقہاء اولیاء اللہ غوث قطب وابدال اللہ کے نیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلد گزرے۔ لہٰذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا۔ کوئی محدث ومفسر، ولی غیر مقلد نہ گزرا۔ غیر مقلد وہ ہے جو مجتہد نہ ہو۔ پھر تقلید نہ کرے۔ جو مجتہد ہو کر تقلید نہ کرے۔ وہ غیر مقلد نہیں کیونکہ مجتہد کو تقلید کرنا منع ہے۔

لا یُکَلِّفُ اللہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا. (سورہ بقر)

اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ کام کی خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ تو جو شخص اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن سے مسائل نہ نکال سکے۔ اس سے تقلید نہ کرانا اور اس سے استنباط کرانا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہے۔ جب غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں تو بے علم پر مسائل کا استنباط کرانا کیونکر ضروری ہوگا۔

اَطیعُوا اللہَ وَاطیعُوا الرَّسُول وَ اُولِے الامر منکم. (پارہ۵ سورہ۴ آیت۵۹)

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حکم والوں کی جو تم میں سے ہوں۔

اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی (قرآن) رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (حدیث) امر والوں کی (فقہ واستنباط کے علماء) مگر کلمہ اطیعوا دو جگہ لایا گیا۔ اللہ کے لئے ایک اور رسول علیہ السلام اور حکم والوں کے لئے ایک۔ کیونکہ اللہ کی صرف اس کے فرمانے میں ہی اطاعت کی جائے گی نہ کہ اس کے فعل میں اور نہ اس کے سکوت میں۔ وہ کفار کو روزی دیتا ہے کبھی ان کو ظاہری فتح دیتا ہے وہ کفر کرتے ہیں۔ مگر ان کو فوراً

عذاب نہیں بھیجتا۔ ہم اس میں رب تعالیٰ کی پیروی نہیں کر سکتے کہ کفار کی امداد کریں بخلاف نبی علیہ السلام وامام مجتہد کے کہ ان کا ہر حکم ان کا ہر کام اور ان کا کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہونا۔ تینوں چیزوں میں ان کی پیروی کی جاوے گی۔ اس فرق کی وجہ سے دوجگہ اطیعوا بولا اگر کوئی کہے کہ امر والوں سے مراد سلطان اسلامی ہے تو سلطانِ اسلامی کی اطاعت شرعی احکام میں کی جاویگی نہ کہ خلاف شرع چیزوں میں اور سلطان وہ شرعی احکام علماء مجتہدین ہی سے معلوم کرے گا حکم تو سب میں فقیہ کا ہوتا ہے۔ اسلامی سلطان محض اس کا جاری کرنے والا ہوتا ہے۔ تمام رعایا کا حاکم بادشاہ اور بادشاہ کا حاکم۔ عالم مجتہد لہٰذا نتیجہ وہ ہی نکلا کہ اولی الامر علمائے مجتہدین ہی ہوئے اگر بادشاہِ اسلامی بھی مراد لو۔ جب بھی تقلید تو ثابت ہو ہی گئی۔ عالم کی نہ ہوئی بادشاہ کی ہوئی۔

یہ بھی خیال رہے کہ آیت میں اطاعت سے مراد شرعی اطاعت ہے۔

ایک نکتہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ احکام تین طرح کے ہیں۔ صراحۃً قرآن سے ثابت جیسے کہ جس عورت غیر حاملہ کا شوہر مرجائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے ان کے لئے حکم ہوا اطیعوا اللہ دوسرے وہ جو صراحۃً حدیث سے ثابت ہیں۔ جیسے کہ چاندی سونے کا زیور مرد کو پہننا حرام ہے اس کے لئے فرمایا گیا واطیعوا الرسول تیسرے وہ جو نہ تو صراحۃً قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث سے جیسے کہ چاول میں سود کی حرمت قطعی ہے۔ اس کے لئے فرمایا گیا اُولی الامر منکم تین طرح کے احکام اور تین علم۔

فَاسئَلوا اَھلَ الذکر ان کنتم لاتعلمون.

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو۔ وہ اہلِ علم سے دریافت کرے۔ وہ اجتہادی مسائل جن کے نکالنے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ مجتہدین سے دریافت کئے جائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تاریخی واقعات ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی آیت سے ثابت ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس آیت کے کلمات مطلق بغیر قید کے ہیں اور پوچھنے کی وجہ ہے نہ جاننا تو جس چیز کو ہم نہ جانتے ہوں اس کا پوچھنا لازم ہے۔

واتَّبع سبیل من اناب الیَّ.

اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے یہ حکم بھی عام ہے کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجِنَا وَذُرِّیتِنَا قُرَّۃَ اَعیُنٍ وَّاجعَلنا للمتقین اماما. (پارہ ۱۹ سورہ ۲۵ آیت ۷۴)

اور وہ جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں میں ٹھنڈک اور ہم کو پرہیز گاروں کی پیشوا بنا۔

اس آیت کی تفسیر میں معالم التنزیل میں ہے۔

فنقتدی بالمتقین ویقتدی بنا المتقون.

ہم پرہیزگاروں کی پیروی کریں اور پرہیزگار ہماری پیروی کریں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی پیروی اور ان کی تقلید ضروری ہے۔

یوم ندعوا کل اُناسٍ بامامھم. (پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت ۷۱)

جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائینگے۔

اس کی تفسیر روح البیان میں اس طرح ہے۔

او مُقَدَّمٍ فی الدِّینِ فَیُقَالُ یَاحَنفِیُّ یا شافِعِیُّ.

یا امام دینی پیشوا ہے۔ پس قیامت میں کہا جاوے گا کہ اے حنفی اے شافعی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جاوے گا۔ یوں کہا جاویگا کہ: اے حنفیو اے شافعیو اے مالکیو چلو! تو جس نے امام ہی نہ پکڑا اس کو کس کے ساتھ بلایا جائے گا۔ اس کے بارے میں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی امام نہیں اس کا امام شیطان ہے۔

واذا قیل امنوا کما امن النَّاس قالُوا اَنُؤمنُ کما امن السُّفَھاءُ.

یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسا ایمان لاؤ جیسا کہ مخلص مومن ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف ایمان لائے۔

معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہ ہی معتبر ہے جو صالحین کا سا ہو۔ تو مذہب بھی وہ ہی ٹھیک ہے۔ جو نیک بندوں کی طرح ہو اور وہ تقلید ہے۔

دوسری فصل تقلید شخصی کے بیان میں

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ میں بحوالہ مسلم ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

من اتاكم وامر كم جميعٌ علىٰ رجلٍ واحدٍ يريدُ ان يَّشُقَّ عصاكم ويفرِّق جماعتكم فاتقلوه.

جو تمہارے پاس آوے حالانکہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو وہ چاہتا ہو کہ تمہاری لاٹھی توڑ دے اور تمہاری جماعت کو متفرق کر دے تو اس کو قتل کر دو۔

اس میں مراد امام اور علماء دین ہی ہیں۔ کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز نہیں ہے۔

مسلم نے کتاب الامارۃ میں ایک باب باندھا **باب وجوب طاعته الامراء فی غیر معصیته.** یعنی امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی کی اطاعت ضروری ہے۔

مشکوٰۃ شریف کتاب البیوع باب الفرائض میں بروایت بخاری ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت ابن مسعود کے بارے میں فرمایا **لاتسئلُوا فی مادام هذا الحبرُ فیکم** جب تک کہ یہ علامہ تم میں رہیں۔ مجھ سے مسائل نہ پوچھو۔ معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت نہ کرے اور ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔

من تولّیٰ امر المسلمین شیئًا فاستعمل علیهم رجُلاً وَّیعلم ان فیهم من هو اولیٰ بذالک و اعلم منه بکتاب الله وسنّة رسولهٖ فقد خان الله ورسوله وجماعتة المُسلمین.

جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا مالک ہو پھر ان پر کسی کو حاکم بنائے حالانکہ جانتا ہو وہ مسلمانوں میں اس سے زیادہ مستحق اور قرآن و حدیث کا جاننے والا ہے تو اس نے اللہ و رسول علیہ السلام اور عام مسلمانوں کی خیانت کی۔

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل اوّل میں ہے۔

من مات ولیس فی عنقهٖ بیعةٌ مّتَ میتةً جاهلیةً.

جو مر جائے حالانکہ اس کے گلے میں کسی کی بیعت نہ ہو۔ وہ جہالت کی موت مرا۔

اس میں امام کی بیعت یعنی تقلید اور بیعت اولیاء سب ہی داخل ہیں ورنہ بتاؤ فی زمانہ وہابی کس سلطان کی بیعت میں ہیں۔

یہ تو چند آیات واحادیث تھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اُسی پر قناعت کی گئی۔ اب امت کا عمل دیکھو۔ تو تبع تابعین کے زمانہ سے اب تک ساری امت مرحومہ اس ہی تقلید کی عامل ہے کہ جو خود مجتہد نہ ہو۔ وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے اور اجماع امت پر عمل کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ضروری ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

ومن یُّشاقِقِ الرَّسُولَ من بعد ما تبیَّن لَهُ الهُدٰی ویتَّبِع غیرَ سَبیلِ المُؤمنین نولِّهٖ ماتولّٰے و نصلهٖ جهنَّم وساعت مصیراً.

اور جو رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راستہ چلے ہم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے اور اس کو دوزخ میں داخل کرینگے۔ اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جو راستہ عام مسلمانوں کا ہو اس کو اختیار کرنا فرض ہے اور تقلید پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلیدِ شخصی ہی کو اچھا جانتے آئے اور مقلد ہی ہوئے آج بھی عرب و عجم میں مسلمان تقلیدِ شخصی ہی کرتے ہیں اور جو غیر مقلد ہوا وہ اجماع کا منکر ہوا اگر اجماع کا اعتبار نہ کرو تو خلاف صدیقی وفاروقی کس طرح ثابت کروگے تو اجماع لغت سے ہی ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ جو شخص ان دونوں میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے۔ دیکھو شامی وغیرہ اسی طرح تقلید پر بھی اجماع ہوا۔

تفسیر خازن زیر آیت **وکُونُوا مع الصَّادِقِیْنَ** ہے کہ ابو بکر صدیق ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ قرآن شریف نے مہاجرین کو صادقین کہا **اُولٰئکَ هُمُ الصّٰدِقُونَ** پھر فرمایا **وَکُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ** سچوں کے ساتھ رہو۔ لہٰذا تم بھی علیحدہ خلافت نہ قائم کرو۔ ہمارے ساتھ رہو ایسے ہی ہیں غیر مقلدوں سے کہتا ہو کہ سچوں نے تقلید کی ہے تم بھی ان کے ساتھ رہو۔ مقلد بنو۔

عقلی دلائل:

دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کرسکتا۔ ہر ہنر اور علم کے قواعد۔ سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ دین کا معاملہ تو دنیا سے کہا زیادہ مشکل ہے۔ اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوگی۔ علم حدیث میں بھی تقلید ہے کہ فلاں حدیث اس لئے ضعیف

ہے کہ بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ اس کا قول ماننا یہ ہی تو تقلید ہے۔ قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے کہ فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے قرآن کے اعراب آیات سب ہی تقلید ہی تو ہے نماز میں جب جماعت ہوتی ہے۔ تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں۔ حکومتِ اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ریل میں بیٹھتے ہیں تو ایک انجن کی ساری ریل والے تقلید کرتے ہیں۔ غرضیکہ انسان ہر کام میں مقلد ہے اور خیال رہے کہ ان سب عورتوں میں تقلیدِ شخصی ہے۔ نماز کے امام دو نہیں۔ بادشاہ اسلام دو نہیں۔ تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب اداب السفر میں ہے۔

اِذَا کَانَ ثَلٰثَۃٌ فِی سَفَرٍ فَلیُؤَمِّرُوا احدھُم.

جبکہ تین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں۔

پانچواں باب

تقلید پر اعتراضات اور جوابات کے بیان میں

مسئلہ تقلید پر مخالفین کے اعتراضات دو طرح کے ہیں۔ ایک واجبات طعنے اور تمسخران کے جوابات ضروری نہیں۔ دوسرے وہ جن سے مقلدین کو غیر مقلد دھوکا دیتے ہیں۔ اور عام مقلدین دھوکا کھا لیتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں:

سوال (۱): اگر تقلید ضروری تھی تو صحابۂ کرام کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے؟

جواب: صحابۂ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں کہ ائمہ دین امام ابوحنیفہ وشافعی وغیرہ وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پیروی کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے:

اَصحَابِی کَالنُّجُومِ بِاَیِّھِم اِقتَدَیتُم اِھتَدَیتُم.
عَلَیْکُم بَسُنَّتِی وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِین.

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جن کی پیروی کرو گے ہدایت پالو گے۔ تم لازم پکڑو میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو۔

یہ سوال تو ایسا ہے کہ جیسے کوئی کہے ہم کسی کے امتی نہیں۔ کیونکہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کے امتی نہ تھے تو امتی نہ ہونا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ اس سے یہ ہی کہا جاوے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو خود نبی ہیں سب آپ کی امت ہیں وہ کس کے امتی ہوتے۔ ہم کو امتی ہونا ضروری ہے ایسے ہی صحابۂ کرام تمام کے امام ہیں۔ ان کا کون مسلمان امام ہوتا؟

نہر سے پانی اس کھیت کو دیا جاوے گا جو دریا سے دور ہو۔ مکبرین کی آواز پر وہ ہی نماز پڑھے گا جو امام سے دور ہو لب دریا کے کھیتوں کو نہر کی ضرورت نہیں۔ صفِ اوّل کے مقتدیوں کو مکبرین کی ضرورت نہیں صحابۂ کرام صفِ اوّل کے مقتدی ہیں۔ وہ بلاواسطہ سینہ پاکِ مصطفیٰ ﷺ سے فیض لینے والے ہیں۔ ہم چونکہ اس بحر سے دور ہیں لہٰذا کسی نہر کے حاجتمند ہیں۔ پھر سمندر سے ہزار ہا دریا جاری ہوتے ہیں۔ جن سب میں پانی تو سمندر ہی کا ہے مگر ان سب کے نام اور راستے جدا ہیں کوئی گنگا کہلاتا ہے کوئی جمنا ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ رحمت کے سمندر ہیں۔ اس سینہ میں سے جو نہر امام ابوحنیفہ ﵁ کے سینہ سے ہوتی ہوئی آئی اسے حنفی کہا گیا جو امام مالک کے سینہ سے آئی وہ مذہب مالکی کہلایا۔ پانی سب کا ایک ہے مگر نام جداگانہ اور ان نہروں کی ہمیں ضرورت پڑی نہ کہ صحابہ کرام کو جیسے حدیث کی اسناد ہمارے لئے ہے صحابۂ کرام کے لئے نہیں۔

سوال (۲): رہبری کے لئے قرآن وحدیث کافی ہیں۔ ان میں کیا نہیں جو کہ فقہ سے حاصل کریں قرآن فرماتا ہے کہ:

وَلا رطبٍ وَّلا یَابِسٍ اِلَّا فِی کِتَابٍ مُّبِیْنٍ ولقد یَسَّرنا الْقُراٰنَ لِلذِکرِ فَھَلْ مِن مُّدَّکِرٍ.

اور نہ ہے کوئی تر اور خشک چیز جو ایک روشن کتاب میں تھی نہ ہو اور بیشک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لئے آسان فرمادیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب ہے اور قرآن سب کے لئے آسان بھی ہے پھر کس لئے مجتہد کے پاس جاویں؟

جواب: قرآن وحدیث بیشک رہبری کے لئے کافی ہیں۔ اور ان میں سب کچھ ہے۔ مگر ان سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونی چاہئے۔ سمندر میں موتی ہیں۔ مگر ان کو نکالنے کے لئے غوطہ خور کی ضرورت ہے۔ ائمہ دین اس سمندر کے غوطہ زن ہیں۔ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے۔ مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اور اس سے نسخہ تجویز کرانا ضروری ہے۔ ائمہ دین طبیب ہیں وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ میں فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لئے آسان کیا ہے۔ نہ کہ اس سے مسائل استنباط کرنے کے لئے۔ اگر مسائل نکالنا آسان ہیں تو پھر حدیث کی بھی کیا ضرورت ہے۔ قرآن میں سب کچھ ہے اور قرآن آسان ہے نیز پھر قرآن سکھانے کے لئے نبی کیوں آئے؟ قرآن میں ہے وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ

اور وہ نبی ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن وحدیث روحانی دوائیں ہیں، امام روحانی طبیب۔

سوال (۳):

ہوتے ہوئے مصطفی کی گفتار مت مان کسی کا قول و قرار
دین حق راچار مذہب ساختند فتنہ در دین نبی انداختند!

جواب:

یہ شعر اصل میں چکڑالویوں کا ہے:

ہوتے ہوئے کبریا کی گفتار مت مان نبی کا قول و کرار

دوسرا شعر بھی اس طرح ہے۔

مسجد دوخشت علیحدہ ساختند فتنہ در دین نبی انداختندہ

چار مذہب کا جواب ہم نے اپنے دیوان میں دو شعروں میں اس طرح دیا ہے:

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک و باد سب کا انہی سے ہے چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

شاباش

چار کا عدد تو خدا کو بڑا ہی پیارا ہے۔ کتابیں بھی چار بھیجیں۔ اور دین بھی چار ہی بتائے انسان کا خمیر بھی چار ہی چیزوں سے کیا وغیرہ وغیرہ۔ جب مقصود کے چاروں راستے گھر گئے تو پھر وہاں پہنچنا ناممکن کیونکہ راستے چار ہی ہو سکتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے اردگرد چار طرف نماز ہوتی ہے۔ مگر رخ سب کا کعبہ کو ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو کعبہ ایمان ہیں۔ چاروں مذہبوں نے چاروں راستے گھیر لئے۔ وہابی کس راستے سے وہاں پہنچیں گے؟

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

مذہب چار چوں چہار راہ اند بہر منت جو جادہ پیمائی
خود یکے بینی از چہار طرف کعبہ راچوں تو سجدہ بنمائی

جس طرح قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے اسی طرح حدیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی ضرورت ہے۔ فقہ قرآن وحدیث کی تفسیر ہے اور جو حکم کہ ہم کو نہ حدیث میں ملے نہ قرآن میں اس کو فقہ ہی بیان فرماتا ہے۔

آخر میں، میں منکرین قیاس سے دریافت کرتا ہوں کہ جن چیزوں کی تصریح قرآن وحدیث میں نہ ملے یا بظاہر احادیث میں تعارض واقع ہو وہاں کیا کرو گے؟ مثلاً ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے؟ اسی طرح اگر جمعہ کی نماز میں رکعت اوّل میں جماعت تھی۔ رکعت دوم میں جماعت پیچھے سے بھاگ گئی اب ظہر پڑھیں یا جمعہ؟ اسی طرح دیگر مسائل قیاسیہ میں کیا جواب ہوگا؟ اس لئے بہتر ہے کہ کسی امام کا دامن پکڑ لو۔ اللہ عزوجل توفیق دے۔

بحث علم غیب

اس میں ایک مقدمہ ہے اور دو باب اور ایک خاتمہ بمنہ و کرمہ

مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

پہلی فصل

غیب کی تعریف اور اس کی اقسام کے بیان میں

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے۔ جس کو انسان نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداہۃً عقل میں آسکے لہذا پنجاب والے کے لئے بمبئی نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا ہے کہ بمبئی ایک شہر ہے۔ یہ حواس سے علم ہوا۔ اسی طرح کھانوں کی لذتیں اور ان کی خوشبو وغیرہ غیب نہیں کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ آنکھ سے چھپی ہیں۔ مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں جن اور ملائکہ اور جنت و دوزخ ہمارے لئے اس وقت غیب نہیں ہیں۔ کیونکہ نہ انکو حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ بلا دلیل عقل سے۔ غیب دو طرح کا ہے ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے۔ یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے دوسرا وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں پہلے غیب کی مثال جیسے جنت دوزخ اور خدائے پاک کی ذات و صفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآن کی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی۔ انسان کب مریگا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، بد بخت ہے یا نیک بخت کہ ان کو دلائل سے بھی معلوم نہیں کر سکتے۔ اسی دوسرے غیب کو مفاتح الغیب کہا جاتا ہے اور اس کو پروردگار عالم فرمایا فَلاَ یُظھِرُ عَلےٰ غَیبِہٖ اَحَدًا اِلاَّ مَنِ ارتَضٰی مِن رَّسُول تفسیر بیضاوی یُؤمِنُونَ بِالغَیبِ کے ماتحت ہے۔

وَالمُرَادُ بِہٖ الخَفِیُّ الَّذِی لاَ یُدرِکُہُ الحِسنُ وَلاَ تَقتَضِیہِ بَدَاھَۃُ العَقلِ

”غیب سے مراد وہ چھپی ہوئی چیز ہے جسکو حواس نہ پاسکیں اور نہ بداہۃً اس کو عقل چاہے۔“

تفسیر کبیر سورہ بقر کے شروع میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَولُ جَمھُورِ المُفَسِّرِینَ اَنَّ الغَیبَ ھُوَ الَّذِی یَکُونُ غَائِباً عَنِ الحَاسَّۃِ ثُمَّ ھٰذَا یَنقَسِمُ اِلیٰ مَا عَلَیہِ دَلِیل“ وَاِلیٰ مَا لاَ دَلِیلٌ عَلَیہِ

عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو۔ پھر غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جس پر دلیل ہے دوسرے وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔

تفسیر روح البیان میں شروع سورہ بقر یُؤمِنُون بِا لغیبِ کے ماتحت ہے۔

وھُوَ مَا غَابَ عَنِ الحِسّ ِ وَالعَقلِ غَیبَۃً کَامِلَۃً بِحیثُ لاَ یُدرَکَ بِوَاحِدٍ مِّنھَا اِبتِدَاءً بِطَرِیقِ البَدَاھَۃِ وَھُوَ قِسمَانِ قِسمٌ لاَ دَلِیلَ عَلَیہِ وَھُوَ الَّذِی اُرِیدَ بِقَولِہٖ عِندَہ مَفَاتِحِ الغَیبِ وَقِسمٌ نُصِبَ عَلَیہِ دَلِیلٌ کَاَ الصَّانِعِ وَ صِفَا تِہٖ وَھُوَ المُرَادُ

”غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا چھپا ہوا ہو اس طرح کہ کسی ذریعہ سے بھی ابتداء کھلم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم جس پر کوئی دلیل نہ ہو وہ ہی اس آیت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ دوسری قسم وہ جس پر دلیل قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ اور اسکی صفات وہ ہی اس جگہ مراد ہے۔“

فائدہ رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ بو ناک سے سونگھی جاتی ہے اور لذت زبان سے اور آواز کان سے محسوس ہوتی ہے۔ تو رنگت زبان و کان کے لئے غیب ہے اور بو آنکھ کے لئے غیب اگر کوئی اللہ کا بندہ بو اور لذت کو ان کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے وہ بھی علم غیب اضافی ہے جیسے اعمال قیامت میں مختلف شکلوں میں نظر آئیں گے۔ اگر کوئی ان شکلوں کو یہاں دیکھ لے تو یہ بھی علم غیب ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَمَا مِنھَا شُھُورًا وَدُھُورٌ تَمُرُ وَتَنقَضِی اِلَّا اَتَالِی

”کوئی مہینہ اور کوئی زمانہ عالم میں نہیں گزرتا مگر وہ ہمارے پاس ہو کر اجازت لے کر گزرتا ہے۔“

اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آسکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب۔

جیسے حضور علیہ السلام نے آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کو ملاحظہ فرمالیا یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہاوند میں حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے دیکھ لیا اور ان تک اپنی آواز پہنچادی۔ اسی طرح کوئی پنجاب میں بیٹھ کر مکہ معظمہ یا دیگر دور دراز ملکوں کو مثل کف دست کے دیکھے یہ سب غیب ہی میں داخل ہیں۔

بذریعہ آلات کے جو چھپی ہوئی چیز معلوم کی جاوے وہ علم غیب نہیں۔ مثلاً کسی آلہ ذریعہ سے عورت کے پیٹ کا بچہ کا معلوم کرتے ہیں۔ یا کہ ٹیلیفون اور ریڈیو سے دور کی آواز سن لیتے ہیں۔ اس کو علم غیب نہ کہیں گے۔ کیونکہ غیب کی تعریف میں عرض کر دیا گیا کہ جو حواس معلوم نہ ہو سکے۔ اور ٹیلیفون یا ریڈیو میں سے جو آواز نکلی۔ وہ آواز حواس سے معلوم ہونے کے قابل ہے آلہ سے جو پیٹ کے بچہ کا حال معلوم ہوا۔ یہ بھی غیب کا علم نہ ہوا۔ جبکہ آلہ نے اس کو ظاہر کر دیا تو اب غیب کہاں رہا۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی آلہ چھپی ہوئی چیز کو ظاہر کر دے۔ پھر ظاہر ہو چکنے کے بعد ہم اس کو معلوم کرلیں تو علم غیب نہیں۔

دوسری فصل ضروری فوائد کے بیان میں

علم غیب کے مسئلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے چند باتیں خوب خیال رکھی جاویں تو بہت فائدہ ہوگا اور بہت سے اعتراضات خود بخود ہی دفع ہو جائیں گے۔

۱۔ نفس علم کسی چیز کا بھی ہو برا نہیں۔ ہاں بری باتوں کا کرنا کرنے کے لئے سیکھنا برا ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض علم دوسرے علموں سے زیادہ افضل ہوں۔ جیسے علم عقائد۔ علم شریعت۔ علم تصوف دوسرے علموں سے افضل ہیں مگر کوئی علم فی نفسہٖ برا نہیں جیسے بعض آیات قرآنیہ بعض سے زیادہ ثواب رکھتی **قُلْ هُوَاللّٰهُ** میں تہائی قرآن کا ثواب ہے مگر **تَبَّتْ يَدَا** میں یہ ثواب نہیں (دیکھو روح البیان زیر آیت) **وَلَو كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا** لیکن کوئی آیت بری نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی علم برا ہوتا تو خدا کو بھی وہ حاصل نہ ہوتا کہ خدا ہر برائی سے پاک ہے نیز فرشتوں کو خدا کی ذات وصفات کا علم تو تھا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کو عالم کی ساری اچھی بری چیزوں کا علم دیا۔ اور وہ ہی علم ان کی افضیلت کا ثبوت ہوا۔ اس علم کی وجہ سے وہ ملائکہ کے استاد قرار پائے اگر بری چیزوں کا علم برا ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام کو علم دے کر استاد نہ بنایا جاتا۔ نیز دنیا میں سب سے بدتر چیز ہے کفر و شرک۔ مگر فقہا فرماتے ہیں کہ علم حسد بغض اور الفاظ کفریہ شرکیہ کا جاننا فرض ہے تا کہ اس سے بچے۔ اسی طرح جادو سیکھنا فرض ہے دفع جادو کے لئے شامی کے مقدمہ میں ہے۔

وَعِلْمُ الرِّيَاءِ وَعِلْمُ الْحَسَدِ وَالْعُجْبِ وَعِلْمُ الْاَلْفَاظِ الْمُحَرَّمَةِ وَالْمُكَفِّرَةِ وَ لَعَمْرِى هٰذَا مِنْ اَهَمِّ الْمُهِمَّاتِ (ملخصاً)

”یعنی علم ریا اور حسد وحرام اور کفریہ کلموں کا سیکھنا فرض ہے اور واللہ یہ بہت ہی ضروری ہے۔“

اسی مقدمہ شامی بحث علم نجوم ورمل میں فرماتے ہیں۔ **وَفِى ذَخِيرَةِ النَّظْرِ تَعَلُّمُه فَرْضٌ لِرَدِّ سَاحِرِ اَهْلِ الْحَرْبِ**

”ذخیرہ ناظرہ میں لکھا ہے کہ جادو سیکھنا فرض ہے اہل حرب کے جادو کو دفع کرنے کے لئے۔“

احیاء العلوم جلد اول باب اول فصل سوم برے علوم کے بیان میں ہے علم کی برائی خود علم ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ بندوں کے حق میں تین وجوں سے ہے الخ۔

اس بیان سے بخوبی واضح ہوا کہ نفس علم کسی شے کا برا نہیں۔ اب منکرین کا وہ سوال اٹھ گیا کہ حضور علیہ السلام کو بری چیزوں، چوری، زنا، جادو، اشعار کا علم نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا جاننا عیب ہے۔ بتاؤ خدا کو بھی ان کا علم ہے یا نہیں؟ اسی لئے انہوں نے شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ مانا یہ تو ایسا ہوا، جیسے مجوسی کہتے ہیں کہ خدائے پاک بری چیزوں کا خالق نہیں ہے کیونکہ بری چیزوں کا پیدا کرنا بھی برا ہے۔ نعوذ باللہ۔ اگر علم جادو برا ہے تو اس کی تعلیم کے لئے رب کی طرف سے دو فرشتے ہاروت وماروت کیوں زمین پر اترے؟ موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں نے جادو کے علم کے ذریعہ سے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت پہچانی اور آپ پر ایمان لائے۔ دیکھو علم جادو ایمان کا ذریعہ بن گیا۔

۲۔ سارے انبیاء اور ساری مخلوق کے علوم حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ اس کو مولوی محمد قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں مانا ہے۔ جس کے سارے حوالے آتے ہیں تو جس چیز کا علم کسی مخلوق کو بھی ہے وہ حضور علیہ السلام کو ضرور ہے بلکہ سب کو جو علم ملا وہ حضور علیہ السلام ہی کی تقسیم سے ملا۔ جو علم شاگرد استاد سے لے ضروری ہے کہ استاد بھی اس کا جاننے والا ہو۔ انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ اس لئے ہم حضرت آدم وحضرت خلیل اللہ علیہما السلام کے علم سے بھی بحث کریں گے۔

۳۔ قرآن اور لوح محفوظ میں سارے واقعات کل ماکان ومایکون میں ہیں اور اس پر ملائکہ اور بعض اولیاء وانبیاء کی نظریں ہیں اور ہر وقت وہ حضور علیہ السلام کے پیش نظر ہے۔ اس کے حوالہ بھی آتے ہیں۔ اس لئے ہم لوح محفوظ اور قرآنی علوم کا بھی ذکر کردیں گے۔ اسی طرح کاتب تقدیر فرشتہ

کے علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔

یہ تمام بحثیں علم مصطفیٰ علیہ السلام کے ثابت کرنے کو ہوں گی۔

تیسری فصل

علم غیب کے متعلق عقیدہ اور علم غیب کے مراتب کے بیان میں

علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں (از خالص الاعتقاد صفحہ ۵)

۱۔ اللہ عزوجل عالم بالذات ہے۔ اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

۲۔ حضور علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

۳۔ حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم و خلیل علیہما السلام اور ملک الموت و شیطان بھی خلقت ہیں۔ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا انکار کفر ہے۔

۱) قسم دوم اولیائے کرام کو بھی بالواسطہ انبیائے کرام کچھ علوم غیاب ملتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی پانچ غیبوں میں سے بہت جزئیات کا علم دیا۔ جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ گمراہ اور بد مذہب ہے کہ صدہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔

۱) قسم سوم حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ کب ہوگی۔

۲۔ تمام گزشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں ان کا بلکہ ان سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

۳۔ حضور علیہ السلام کو حقیقت روح اور قرآن کے سارے متشابہات کا علم دیا گیا۔

چوتھی فصل جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلائل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ (ازاحۃ الغیب صفحہ ۴)

۱۔ وہ آیت قطعی الدلالت ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔

۲۔ اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی نفی ہو کہ ہم نے نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام فرمادیں مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔

۳۔ صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرمانا کافی نہیں ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصلحت سے ظاہر نہ کیا ہو اسی طرح حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ خدا ہی جانے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا مجھے کیا معلوم وغیرہ کافی نہیں کہ یہ کلمات کبھی علم ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔

۴۔ جس کے لئے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہوا اور قیامت تک کا ہو ورنہ کل صفات الٰہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعوے نہیں کرتے یہ چار فصلیں خوب خیال میں رکھی جائیں۔

پہلا باب

علم غیب کے ثبوت کے بیان میں

اس میں چھ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں آیات قرآنیہ سے ثبوت۔ دوسری میں احادیث سے ثبوت تیسری میں احادیث کے شارحین کے۔ چوتھی میں علمائے امت اور فقہا کے اقوال۔ پانچویں میں خود منکرین کی کتابوں سے ثبوت۔ چھٹی میں عقلی دلائل اولیاء اللہ کے علم غیب کا بیان۔

پہلی فصل آیات قرآنیہ میں۔

۱) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُم عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت ۳۱)

''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کیں۔''

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَ مَعنیٰ تعلِیمِهٖ اَسمَآ ءَ المُسَمَّیَاتِ اَنّه تَعَالیٰ اَرَاهُ الاجنَاسَ اَلّتِی خَلَقَهَا وَعَلَّمَه اَنَّ هٰذَا اِسمُه فَرَسٌ وَهٰذَا اِسمُه بَعِيرٌ وَهٰذَا اِسمُه كَذَا وَعَن اِبنِ عَبَّاسٍ عَلّمَه اِسمَ كُلِّ شَئٍ حَتّٰى القَصعَةَ الغَرفَةَ

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ نے انکو وہ تمام جنسیں دکھا دیں جس کو پیدا کیا ہے اور انکو بتا دیا کہ اس کا نام گھوڑا اور اس کا نام اونٹ اور اس کا نام فلاں ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے۔ یہاں تک کہ پیالی اور چلو کے بھی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت میں یہ ہی مضمون بیان فرمایا اتنا اور بھی زیادہ فرمایا۔

وَقِيلَ عَلَّمَ اٰدَمَ اَسمَآءَ المَلٰئِكَةِ وَقِيلَ اَسمَآءَ ذُرِّيَتِہٖ وَقِيلَ عَلَّمَہ اللُّغَاتَ كُلَّهَا

’’کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں کے نام سکھادیئے اور کہا گیا کہ ان کی اولاد کے نام اور کہا گیا کہ ان کو تمام زبانیں سکھادیں۔‘‘

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَولُہ اَی عَلَّمَہ صِفَاتَ الاَشيآءِ وَنُعُوتَهَا وَهُوَ المَشهُورُ اَنَّ المُرَادَ اَسمَآءُ كُلِّ شَيئٍ مِن خَلقٍ مِن اَجنَاسِ المُحدَثَاتِ مِن جَمِيعِ اللُّغَاتِ المُختَلِفَةِ الَّتِی يَتَكَلَّمُ بِهَا وُلدُ اٰدَمَ اليَومَ مِنَ العَرَبِيَةِ وَالفَارِسِيَةِ وَالرُّومِيَةِ وَغَيرِهَا

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھادیئے اور یہ ہی مشہور ہے کہ مراد مخلوق میں سے ہر حادث کی جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہونگے۔ جنکو اولادِ آدم آج تک بول رہی ہے عربی۔ فارسی۔ رومی وغیرہ۔

تفسیر ابوالسعود میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقِيلَ اَسمَآءَ مَاكَانَ وَمَا يَكُونُ وَقِيلَ اَسمَآءَ خَلقِہٖ مِنَ المَعقُولَاتِ وَ المَحسُوسَاتِ وَ المُتَخَيَّلَاتِ وَالموهُومَاتِ وَاَلهَمَہ مَعرِفَةَ ذَوَاتِ الاَشيَآءِ وَاَسمَآءَهَا وَخَوَاصَهَا وَ مَعَارِفَهَا اُصُولَ العِلمِ وَقَوَانِينَ الصَّنعَاتِ وَتَفَاصِيلَ اٰلَاتِهَا وَكَيفِيَةَ اِستِعمَالَاتِهَا

’’کہا گیا کہ حضرت آدم کو گزشتہ اور آئندہ چیزوں کے نام بتادیئے اور کہا گیا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کے نام بتادیئے عقلی، حسی، خیالی، وہمی چیزیں بتادیں ان چیزوں کی ذات، ان کے نام ان کے خاصے ان کی پہچان، علم کے قواعد، ہنروں کے قانون، ان کے اوزاروں کی تفصیل اور انکے استعمال کے طریقے کا علم حضرت آدم کو الہام فرمایا۔‘‘

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَعَلَّمَہ اَحوَالَهَا وَ مَا يَتَعَلَّقُ بِهَا مِنَ المَنَافِعِ الدِّينِيَةِ وَالدُّنيوِيَّةِ وَعَلَّمَ اَسمَآءَ المَلٰئِكَةِ وَ اَسمَاءَ ذُرِّيَتِہٖ وَ اَسمَآءُ الحَيوَانَاتِ وَالحَمَادَاتِ وَصَنعَةَ كُلِّ شَيئٍ وَ اَسمَآءَ المُدنِ وَالقُرٰی وَ اَسمَآءُ الطَّيرِ وَالشَّجَرِ وَمَا يَكُونُ وَ اَسمَآءَ كُلِّ شَيئٍ يَخلُقُهَا اِلٰی يَومِ القِيٰمَةِ وَ اَسمَآءَ المَطعُومَاتِ وَ المَشرُوبَاتِ وَ كُلِّ نَعِيمٍ فِي الجَنَّةِ وَ اِسمَآءَ كُلِّ شَيئٍ وَ فِي الخَبرِ عَلَّمَہ سَبعَ مَائَةِ اَلفِ لُغَاتٍ

’’اور حضرت آدم کو چیزوں کے حالات سکھاتے اور جو کچھ ان میں دینی و دنیاوی نفع ہیں وہ بتائے اور انکو فرشتوں کے نام انکی اولاد اور حیوانات اور جمادات کے نام بتائے اور ہر چیز کا بنانا بتایا تمام شہروں اور گاؤں کے نام پرندوں اور درختوں کے نام جو ہوچکا یا جو کچھ بھی ہوگا ان کے نام اور جو قیامت تک پیدا فرمائیگا ان کے نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام جنت کی ہر نعمت غرضیکہ ہر چیز کے نام بتادیئے حدیث میں ہے کہ حضرت آدم کو سات لاکھ زبانیں سکھائی گئیں۔‘‘

ان تفسیروں سے اتنا معلوم ہوا ماکان اور مایکون کے سارے علوم حضرت آدم علیہ السلام کو دیئے گئے زبانیں چیزوں کے نفع وضرر بنانے کے طریقے۔ آلات کا استعمال سب دکھادئے۔ لیکن اب میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم تو دیکھو۔ حق یہ ہے کہ یہ علم آدم میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرہ ہیں۔ شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ باب دہم میں فرماتے ہیں۔

اَوَّلُ نَائِبٍ كَانَ لَہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَ خَلِيفَتُہ اٰدَمُ عَلَيهِ السَّلَامُ

’’حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب آدم علیہ السلام ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک سے قبل سارے انبیاء حضور علیہ السلام کے نائب تھے یہ مولوی قاسم صاحب نے بھی تحذیر الناس میں لکھا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کریں گے خلیفہ کے علم کا یہ حال ہے۔ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں ہے۔

اِنَّہ عَلَيهِ السَّلَامُ عُرِضَت عَلَيهِ الخَلَائِقُ مِن لَّدُن اٰدَمَ اِلٰی قِيَامِ السَّاعَةِ فَعَرَفَهُم كُلَّهُم كَمَا عَلَّمَ اٰدَمَ الاَسمَآءَ كُلَّهَا

’’حضور علیہ السلام پر ساری مخلوقات از حضرت آدم تا روز قیامت پیش کی گئیں پس ان سب کو پہچان لیا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب نام

سکھائے۔‘‘

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کو جانتے پہچانتے ہیں۔

۲) وَ یَکُونَ الرَّسُو لُ عَلیکُم شَہِیدًا (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۴۳) ’’اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں۔‘‘

تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

رسول علیہ السلام مطلع است بنور نبوت بر دین ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس اوے شناسد گناہان شمارا و درجاتِ ایمان شمارا و اعمال بد و نیک شمارا و اخلاق و نفاق شمارالہذ اشہادت او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول واجب العمل است۔

’’حضور علیہ السلام اپنے بنور نبوت کی وجہ سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو پہچانتے ہیں لہذا ان کی گواہی دنیا میں بحکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔‘‘

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

هَـذا مَبنِیّ عَلیٰ تَصنمِینِ الشَہِیدِ مَعنَی الرَّقِیبِ وَ المُطلّعِ وَالوَجهُ فِی اِعتِبَارِ تَصنِمِینِ الشَّہِیدِ الا شَارَۃُ اِلیٰ اَنَّ التَّعدِیلَ وَ التَّذ کِیَۃَ اِنَّمَا یَکُونُ عَن خُبرَۃٍ وَ مُرَاقَبَۃٍ بِحالِ الشَّاهِدِ. وَ مَعنَی شَهَادَۃِ الرَّسُول عَلَیهِم اِطّلَاعُه رُتبَۃَ کُلِّ مُتَدَیِّنٍ بِدِینِهٖ فَهُوَ یَعرِفُ ذُنُو بَهُم وَ حَقِیقَۃَاِیمانِهِم وَ اَعمَالِهِم وَحَسَنَاتِهِم وَ سَیِّئَاتِهِم وَ اِخلاصِهِم وَنِفَاقِهِم وَغَیرِ ذٰلِکَ بِنُورِ الحَقِّ وَ اُمَّتُه یَعرِفُونَ ذٰلِکَ مِن سَائِرِ الاُمَمِ بِنُورِهٖ عَلَیهِ السَّلامُ

’’یہ اس بنا پر ہے کہ کلمہ شہید میں محافظ اور خبردار کے معنے بھی شامل ہیں اور اس معنٰی کے شامل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو عادل کہنا اور صفائی کی گواہی دینا گواہ کے حالات پر مطلع ہونے سے ہوسکتا ہے۔ اور حضور علیہ اسلام کی مسلمانوں پر گواہی دینے کے معنے یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر دیندار کے دینی مرتبہ کو پہچانتے ہیں پس حضور علیہ السلام مسلمانوں کے گناہوں کو انکے ایمان کی حقیقت کو ان کے اچھے برے اعمال کو ان کے اخلاص اور نفاق وغیرہ کو نور حق سے پہچانتے ہیں اور حضور علیہ السلام کی امت بھی قیامت میں ساری امتوں کے یہ حالات جانے کی مگر حضور علیہ السلام کے نور سے۔‘‘

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ثُمَّ یُو تیٰ بِمُحَمَّدٍ عَلَیهِ السَّلَامُ فَیَسئَالُه عَن اُمَّتِهٖ فَیُزَ کّیهِم وَیَشهَدُ بِصِدقِهِم

’’پھر قیامت میں حضور علیہ السلام کو بلایا جاویگا پس رب تعالیٰ حضور علیہ السلام سے آپ کی امت کے حالات پوچھے تو آپ انکی صفائی کی گواہی دیں گے اور انکی سچائی کی گواہی دینگے۔‘‘

تفسیر مدارک پارہ ۲ سورہ بقر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَیُؤتیٰ بِمُحَمَّدٍ فَیُسئَالُ عَن حَالِ اُمَّتِهٖ فَیُزَکّیهِم وَ یَشهَدُ بِعَدَ الَتِهِم وَ یُزَ کِّیهِم وِ یَعلَمُ بِعَدَ الَتِکُم

’’پھر حضور علیہ السلام کو بلایا جاویگا اور آپکی امت کے حال پوچھے جائیں گے پس آپ اپنی امت کی صفائی بیان کرینگے اور انکے عادل ہونیکی گواہی دینگے لہذا حضور علیہ السلام تمہاری عدالت کو جانتے ہیں۔‘‘

اس آیت اور ان تفاسیر میں یہ فرمایا گیا کہ قیامت کے دن دوسرے انبیائے کرام کی امتیں بارگاہ الٰہی میں عرض کرینگی کہ ہمارے پاس تیرا کوئی پیغمبر نہ پہنچا۔ ان امتوں کے نبی عرض کریں گے کہ خدایا ہم ان میں گئے، تیرے احکام پہنچائے مگر ان لوگوں نے قبول نہ کئے۔ رب تعالیٰ کا انبیاء کو حکم ہوگا کہ چونکہ تم مدعی ہو اپنا کوئی گواہ لاؤ۔ وہ اپنی گواہی کے لئے امت مصطفٰی علیہ السلام کو پیش فرمائینگے مسلمان گواہی دیں گے کہ خدایا تیرے پیغمبر سچے ہیں، انہوں نے تیرے احکام پہنچائے تھے۔

اب دو باتیں تحقیق کے لائق ہیں۔ اول یہ کہ مسلمان گواہی کے قابل ہیں یا نہیں (فاسق وفاجر اور کافر کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ مسلمان پرہیزگار کی گواہی قبول ہوتی ہے) دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے اپنے سے پہلے پیغمبروں کا زمانہ دیکھا نہ تھا۔ پھر گواہی کس طرح دے رہے ہیں مسلمان عرض کریں گے کہ خدایا ہم سے تیرے محبوب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ پہلے پیغمبروں نے تبلیغ کی تھی اس کو سن کر ہم گواہی دے رہے ہیں تب حضور علیہ السلام کو بلایا جاویگا اور

حضور علیہ السلام دو باتوں کی گواہی دیں گے ایک یہ کہ لوگ فاسق یا کافر نہیں تا کہ ان کی گواہی قبول نہ ہو۔ بلکہ مسلمان اور پرہیز گار ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہاں ہم نے ان سے کہا تھا کہ پہلے نبیوں نے اپنی قوم تک احکام الٰہیہ پہنچائے تب ان پیغمبروں کے حق میں ڈگری ہوگی۔

اس واقعہ سے چند باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام قیامت تک کے مسلمان کے ایمان اعمال روزہ، نماز و نیت سے بالکل خبر دار ہیں ورنہ پہلی یعنی صفائی کہ گواہی کیسی ممکن نہیں کہ ایک مسلمان کا بھی کوئی حال آپ سے چھپا رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی آنے والی نسل کا حال معلوم فرمالیا کہ خدایا ان کی اولاد بھی اگر ہوئی تو کافر ہوگی وَلَا یَلِدُوْ وااِلّا فَا جِرًا كَفَّارًا لہذا تو ان کو غرق کر دے حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل فرمایا اس کا آئندہ حال معلوم کر لیا تھا کہ آئندہ اگر زندہ رہا تو سرکش ہوگا تو سیّد الانبیاء علیہ السلام پر کسی کا حال کیونکر چھپ سکتا ہے دوسرے یہ کہ گزشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے حالات حضور علیہ السلام نے بنور نبوت دیکھے تھے اور آپ کی گواہی دیکھی ہوئی تھی اگر سنی ہوئی ہوتی تو ایسی گواہی تو اس سے پہلے مسلمان بھی دے چکے تھے سنی گواہی کی انتہا دیکھی گواہی پر ہوتی ہے تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ تو جانتا ہے کہ سچے نبی ہیں مگر پھر بھی گواہیاں لے کر فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام مقدمات میں تحقیق فرمادیں اور گواہیاں وغیرہ لیں تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضور علیہ السلام کو خبر نہ ہو۔ بلکہ مقدمات کا قاعدہ یہ ہی ہوتا ہے اور زیادہ تحقیق اس کی دیکھا ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمان من آیات القرآن میں دیکھو اس گواہی کا ذکر آئندہ آیت میں بھی ہے۔

۳) وَجِئنَا بِکَ عَلیٰ ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیدًا (پارہ ۵ سورہ النساء آیت ۴۱)

’’اور اے محبوب تم کو ان سب پر نگہبان بنا کر ہم لادینگے۔‘‘

تفسیر نیشاپوری میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لِاَنَّ رُوحَه عَلَیهِ السَّلَامُ شَا هِدٌ عَلیٰ جَمِیعِ الا روَاحِ وَالقُلُوبِ وَالنُّفُوسِ بِقَولِه عَلَیهِ السَّلَامُ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِی

’’اس لئے حضور علیہ السلام کی روح مبارک تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کے دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَاعلَم انَّهُ یُعرَضُ عَلَی النَّبِی عَلَیهِ السَّلَامُ اَعمَالُ اُمَّتِهِ غدوةً وَعَشِیَةً فَیعرِفُهُم اَ عمَالَهُم فَلِذٰلِکَ یَشهَدُ عَلَیهِم

’’حضور علیہ السلام پر آپ کی اُمت کے اعمال صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں لہذا آپ امت کو اُنکی علامات سے جانتے ہیں اور انکے اعمال کو بھی اس لئے آپ ان پر گواہی دینگے۔

اَیٔ شَاھِدًا عَلیٰ مَن اٰمَنَ بِالایمَانِ وَعَلیٰ مَن کَفَرَ بِالکُفرِ وَعَلیٰ مَن نَا فَقَ بِالنِّفَاقِ

’’حضور علیہ السلام گواہ ہیں مومنوں پر انکے ایمان کے کافروں پر ان کے کفر کے منافقوں پر ان کے نفاق کے۔‘‘

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام از اول تا روز قیامت تمام لوگوں کے کفر و ایمان و نفاق و اعمال وغیرہ سب کو جانتے ہیں اسی لئے آپ سب کے گواہ ہیں یہ ہی تو علم غیب ہے۔

۴) مَن ذَاالَّذِی یَشفَعُ عِندَه اِلّا بِاِذنِهٖ یَعلَمُ

وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اسکے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

یعلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ مَا بَینَ اَیدِیهِم مِن اَوَّلِیَّاتِ الاَ مرِ قَبلَ الخَلاَئِقِ وَمَا خَلفَهُم مِن اَحوَالِ القِیَامَةِ

’’حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے اول معاملات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال ہیں وہ بھی جانتے ہیں۔‘‘

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یَعلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ مَا بَینَ اَیدِیهِم مِنَ الاُمُورِ الاَ وَّلِیَّاتِ قَبلَ الخَلاَئِقِ وَ مَا خَلفَهُم مَن اَ حوَالِ القِیَامَةِ وَ فَزَ عِ الخَلقِ وَ غَضَبِ الرَّبِّ

’’حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کرنیکے پہلے کے واقعات اور انکے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں قیامت کے احوال مخلوق کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ۔‘‘

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی میں مَن ذَالَّذِی سے لیکر اِلَّا بِمَا شَآءَ تک تین صفات حضور علیہ السلام کے بیان

ہوئے۔ باقی اول و آخر میں صفات الٰہیہ ہیں۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس کوئی بغیر اجازت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا اور جن کو شفاعت کی اجازت ہے وہ حضور علیہ السلام ہیں اور شفیع کے لئے ضروری ہے کہ گنہگاروں کے انجام اور ان کے حالات سے واقف ہوتا کہ نا اہل کی شفاعت نہ ہو جاوے اور مستحق شفاعت سے محروم نہ رہ جائیں جیسے طبیب کے لئے ضروری ہے کہ قابل علاج اور لا علاج مریضوں کو جانے تو فرمایا گیا

يَعْلَم مَا بَيْنَ اَيْدِيهِم کہ جس کو ہم نے شفیع بنایا ہے۔ اس کو تمام کا علم بھی دیا ہے کیوں کہ شفاعت کبریٰ کے لئے علم غیب لازمی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قیامت میں منافقین کو نہ پہچانیں گے۔ یا حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہیں کہ میرا کیا انجام ہوگا محض غلط اور بے دینی ہے جیسا کہ آئندہ آتا ہے **وَلَا يُحِيطُونَ بِشَىءٍ مِن عِلمِهِ اِلَّا بِمَاشَآءَ** اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں مگر جتنا وہ چاہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَحتَمِلُ اَن تَكُونَ الهَاءُ كِنَايَةٌ عَنهُ عَلَيهِ السَّلَامُ يَعنِى هُوَ شَاهِدٌ عَلىٰ اَحوَالِهِم يَعلَمُ مَا بَينَ اَيدِيهِم مِن سِيَرِهِم وَ مُعَامَلَاتِهِم وَ قَصَصِهِم وَ مَا خَلفَهُم مِن اُمُورِ الاٰ خِرَةِ وَ اَحوَالِ اَهلِ الجَنَّةِ وَالنَّارِ وَ هُم لَا يَعلَمُونَ شَيئاً مِّن مَعلُو مَاتِهِ اِلَّا بِمَا شَآءَ مِن مَعلُومَاتِهِ عِلمُ الاَ ولِيَآءِ مِن عِلمِ الاَ نبِيَآ ءِ بِمَنزِلَةِ قَطرَةٍ مِن سَبعَةِاَبحرٍ وَعِلمُ الاَ نبِيَأءِ مِن عِلمِ نَبِيِّنَا عَلَيهِ السَّلَامُ بِهٰذِهِ المَنزِ لَةِ فَكُلُّ رَسُو لٍ وَ نَبِیٍّ وَ وَ لِیٍّ ا خِذُونَ بِقَدرِ القَابِلِيَةِ وَ الاستِعدَادِ مِمَّا لَدَ يهِ وَ لَيسَ لِاَحَدٍ اَن يَّعدُوهُ اَو يَتَقَدَّمَ عَلَيهِ

احتمال یہ بھی ہے اس ضمیر سے حضور علیہ السلام مراد ہوں یعنی حضور علیہ السلام لوگونکے حالات کو مشاہدہ فرمانے والے ہیں اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں انکے اخلاق انکے معاملات اور انکے قصے وغیرہ اور انکے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں آخرت کے احوال جنتی و دوزخی لوگوں کے حالات اور وہ لوگ حضور علیہ السلام کے معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جانتے مگر اسی قدر جتنا کہ حضور چاہیں اولیاء اللہ کا علم علم انبیاء کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور انبیاء کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے سامنے اسی درجہ کا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام کا علم رب العٰلمین کے سامنے اسی درجہ کا۔ پس ہر نبی اور ہر رسول اور ہر ولی اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق حضور سے ہی لیتے ہیں اور کسی کو یہ ممکن نہیں کہ حضور علیہ السلام سے آگے بڑھ جائے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعنِى اَن يَطَّلِعَهُم عَلَيهِ و هُمُ الاَنبِيَاءُ وَ الرُّسُلُ وَ لِيَكُونَ مَايُطلِعَهُم عَلَيهِ من عِلمِ غَيبِهٖ دَلِيلاً عَلىٰ نُبُوَّتِهِم كَمَا قَالَ اللهُ تَعَا لىٰ فَلاَ يُظهِرُ عَلىٰ غَيبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ار تَضىٰ من رَّسُو لٍ

”یعنی خدا تعالیٰ انکو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے اور وہ انبیاء و رسول ہیں تا کہ ان کا علم غیب پر مطلع ہونا انکی نبوت کی دلیل ہو جیسے رب نے فرمایا ہے کہ پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب خاص پر کسی کو سوائے اس کے رسول جس سے رب راضی ہے۔“

تفسیر معالم التنزیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعنِى لاَ يُحِيطُونَ بِشَئٍ مِن عِلمِ الغَيبِ اِلَّا بِما شَآ ءَ مِمَّا اَ خبَرَبِهِ الرُّسُلُ

”یعنی یہ لوگ علم غیب کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر کہ خدا چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی۔“

اس آیت اور ان تفاسیر سے اتنا معلوم ہوا کہ اس آیت میں یا تو خدا کا علم مراد ہے خدا کا علم کسی کو حاصل نہیں ہاں جس کو رب ہی دینا چاہے تو اس کو علم غیب حاصل ہوتا ہے اور رب تو انبیاء کو دیا اور انبیاء کے ذریعہ سے بعض مومنین کو دیا۔ لہذا ان کو بھی بہ عطائے الٰہی علم غیب حاصل ہوا۔ کتنا دیا اس کا ذکر آئندہ آوے گا۔

یا یہ مراد ہے کہ حضور علیہ السلام کے علم کو کوئی نہیں پا سکتا۔ مگر جس کو حضور علیہ السلام ہی دینا چاہیں تو عطا فرمادیں۔ لہذا از حضرت آدم تا روز قیامت جس کو جس قدر علم ملا۔ وہ حضور علیہ السلام کے علم دیا کے دریا کا قطرہ ہے اس میں حضرت آدم اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت ہم **عَلَّمَ اٰدَمَ** کی آیت کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

۵) وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطلِعَكُم عَلىٰ الغَيبِ وَ لٰكِنَّ اللهَ يَجتَبِى مِن رُسُلِهٖ مَن يَّشَاءُ (پارہ ۴ سورہ ۳ آیت ۱۷)

”اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو تم کو غیب کا علم دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔“

تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُؤْتِيَ اَحَدَكُم عِلمَ الغَيبِ فَيَطَّلِعُ عَلىٰ مَا فِي القُلُوبِ مِن كُفرٍ وَّ اِيمَانٍ وَلٰكِنَ اللّٰهَ يَجتَبِي لِرَسَالَتِهٖ مَن يَّشَاءُ فَيُوحِيَ اللّٰهُ وَيَخبِرَهٗ بِبَعضِ المُغَيَّبَاتِ اَو يُنصِبُ لَهٗ مَا يَدُلُّ عَلَيهِ.

”خدا تعالٰی تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر و ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے لیکن اللہ اپنی پیغمبری کیلئے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اسکی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیوب کی ان کو خبر دیتا ہے یا ان کیلئے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں۔“

تفسیر خازن میں ہے۔

لٰكِنَّ اللّٰهَ يَصطَفِي وَ يَختَارُ مِن رُسُلِهٖ مَن يَّشَآءُ فَيُطلِعَهٗ عَلىٰ بَعضِ عِلمِ الغَيبِ

”لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پس انکو خبردار کرتا ہے بعض علم غیب پر۔“

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَاَمَّا مَعرِفَةُ ذٰلِكَ عَلىٰ سَبِيلِ الاِعلَامِ مِنَ الغَيبِ فَهُوَ مِن خَوَاصِّ الاَنبِيَآءِ (جمل) اَلمَعنىٰ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجتَبِي اَن يَصطَفِيَ مِن رُّسُلِهٖ مِن يَّشَآءُ فَيُطلِعُهٗ عَلَى الغَيبِ (جلالين) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطلِعَكُم عَلَى الغَيبِ فَتَعرِفُوا المُنَافِقَ قَبلَ التَّمِيزِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجتَبِي وَ يَختَارُ مَن يَّشَآءُ فَيُطلِعُ عَلىٰ غَيبِهٖ كَمَا اَطلَعَ النَّبِيَّ عَلَيهِ السَّلَامُ عَلىٰ حَالِ المُنَافِقِين

”لیکن ان باتوں کا بطریق غیب پر مطلع ہونیکے جان لینا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔ (جمل) معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس ان کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔ خدا تعالٰی تم کو غیب پر مطلع نہیں کریگا تا کہ فرق کرنے سے پہلے منافقوں کو جان لو۔ لیکن اللہ جسکو چاہتا ہے چھانٹ لیتا ہے تو اسکو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کو منافقین کے حال پر مطلع فرمایا۔“

روح البیان میں ہے۔

فَاِنَّ غَيبَ الحَقَائِقِ وَالاَحوَالِ لَا يَنكَشِفُ بِلَا وَاسِطَةِ الرَّسُولِ.

”کیونکہ حقیقتوں اور حالات کے غیب نہیں ظاہر ہوتے بغیر رسول علیہ السلام کے واسطے سے۔“

ان آیت کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہو کہ خدا تعالٰی کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے جو فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علم الٰہی کے مقابلہ میں بعض اور کل ماکان و ما یکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے۔

٢) وَعَلَّمَكَ مَالَم تَكُن تَعلَم وَكَانَ فَضلُ اللّٰهِ عَلَيكَ عَظِيما اَى مِنَ الاَحكَامِ وَالغَيبِ اَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيكَ الكِتَابَ وَالحِكمَةَ وَاَطلَعَكَ عَلىٰ اَسرَارِهِمَا وَوَاقَفَكَ عَلىٰ حَقَائِقِهِمَا. يَعنِى مِن اَحكَامِ الشَّرعِ وَاُمُورِ الدِّينِ وَقِيلَ عَلَّمَكَ مِن عِلمِ الغَيبِ مَالَم تَكُن تَعلَمُ وَقِيلَ مَعنَاهُ عَلَّمَكَ مِن خَفِيَّاتِ الاُمُورِ وَاَطلَعَكَ عَلىٰ ضَمَائِرِ القُلُوبِ وَعَلَّمَكَ مِن اَحوَالِ المُنَافِقِينَ وَكَيدِهِم مِن اُمُورِ الدِّينِ وَالشَّرَائِعِ اَو مِن خَفِيَّاتِ الاُمُورِ وَضَمَائِرِ القُلُوبِ

”اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (جلالین) یعنی احکام اور علم غیب (تفسیر کبیر) اللہ نے آپ پر قرآن اتارا اور حکمت اتاری اور آپکو ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا اور انکی حقیقتوں پر واقف کیا۔ (خازن) یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں اور کہا گیا ہے کہ آپکو علم غیب میں وہ وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ آپکو چھپی چیزیں سکھائیں اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا اور منافقین کے مکر و فریب آپ کو بتا دیئے (مدارک) دین اور شریعت کے امور سکھائے اور چھپی ہوئی باتیں دلوں کے راز بتائے۔“

تفسیر حسینی بحر الحقائق سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں۔

”آں علم ما کان و ما یکون ہست کہ حق سبحانہ، در شب اسرا بداں حضرت عطا فرمود۔ چنانچہ در حدیث معراج ہست کہ من در زیر عرش بودم قطرہ در حلق من ریختند فَعَلِمتُ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ جامع البیان قَبلَ نُزُولِ ذَالِكَ مِن خَفِيَاتِ الاُمُورِ یہ ما کان اور ما یکون کا علم ہے کہ حق تعالٰی نے شب معراج میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ چنانچہ معراج شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا پس ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لئے یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتا دیں جو قرآن کے نزول سے پہلے

آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت اوران تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دے دی گئی۔ کلمہ ما عربی زبان میں عموم کے لئے ہوتا ہے تو آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام دنیا کے سارے واقعات، لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں تھا سب ہی بتادیا اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں اپنی طرف سے قید ہے جو قرآن وحدیث اور امت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

۷) مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ اِنَّ الْقُرانَ مُشتَمِلٌ عَلىٰ جَمِيعِ الاَ حوَالِ (خازن)

’’ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا قرآن کریم تمام حالات پر شامل ہے۔ (خازن)‘‘

تفسیر انوار التنزیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعنِى اللَّو حَ المَحفُوظَ فَاِنَّه مُشتَمِلٌ عَلىٰ مَا يَجرِى فِى العَالَمِ مِن جَلِيلٍ وَّ دَقِيقٍ لَم يُهمَل فِيهِ اَمر حَيَوَانٍ وَلاَ جَمَادٍ

’’کتاب سے مرادلوح محفوظ ہے کیونکہ یہ لوح محفوظ ان باتوں پر مشتمل ہے جو عالم میں ہوتا ہے ہر ظاہر اور باریک اس میں کسی حیوان اور جماد کا معاملہ چھوڑا نہ گیا۔‘‘

تفسیر عرائس البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَى مَا فَرَّطنَا فِى الكِتَاب ذِكرَ اَحَدٍمِنَ الخَلقِ لَكِن لَّا يبصُرُ ذِكرَ فِى الكِتَابِ اِلَّا المُؤيَّدُونَ بِاَنوَارِ المَعرِفَةِ

’’یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہ چھوڑا ہے لیکن اس ذکر کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہ جنکی معرفت کے انوار سے تائید کی گئی ہو۔‘‘

امام شعرانی طبقات کبرٰے میں فرماتے ہیں۔ ماخوذ از وخال الستان صفحہ ۵۵

لَو فَتَحَ اللهُ عَن قُلُوبِكُم اَقفَالَ المسُدَدِ لَا طَّلعتم عَلىٰ مَا فِى القُرانِ مِنَ العُلُومِ وَاستَغنيتم عَنِ النَّظرِ فِى سِوَاهُ فَاِنَّ فِيهِ جَمِيعَ مَارُقِمَ فِى صَفحَاتِ الوُجُودِ قَالَ اللهُ تَعَالىٰ مَا فَرَّطنَا فِي الكِتَابِ مِن شَيْءٍ

’’اگر خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کے بند قفل کھول دے تو تم ان علموں پر مطلع ہو جاؤ جو قرآن میں ہیں اور تم قرآن کے سوا دوسرے چیز سے بے پرواہ ہو جاؤ۔‘‘

کیونکہ قرآن میں تمام وہ چیزیں ہیں جو وجود کے صفحوں میں لکھی ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَافَرَّطنَا فِي الكِتَابِ مِن شَيْءٍ

اس آیت اوران تفاسیروں سے معلوم ہوا کہ کتاب میں دنیا وآخرت کے سارے حالات موجود ہیں اب کتاب سے مراد یا تو قرآن ہے یا لوح محفوظ۔ اور قرآن بھی حضور علیہ السلام کے علم میں ہے اور لوح محفوظ بھی جیسا کہ آئندہ آوے گا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دنیا وآخرت کے حالات حضور علیہ السلام کے علم میں ہوئے۔ کیونکہ سارے علوم قرآن اور لوح محفوظ میں ہیں۔ اور قرآن ولوح محفوظ حضور کے علم ہیں۔

۸) وَلَا رَطبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۵۹)

(روح البیان) هُوَالّلوحُ المَحفُوظُ فَقَد ضَبَطَ اللهُ فِيهِ جَمِيعَ المَقدُورَاتِ الكَونِيَةِ لِفَوَائِد تَرجِعُ اِلَى العِبَادِ يَعرفُهَا العُلَمَآءُ بِاللهِ (تفسیر کبیر یہ ہی آیت) وَفَائِدَةُ هٰذَاالكِتَابِ اُمُورٌاَحَدُهَا اَنَّه تَعَالىٰ كَتَبَ هٰذِهِ الاَحوَالَ فِي اَلّلوحِ المَحفُوظِ لِتَقِفَ المَلٰئِكَةُ عَلىٰ نَفَاذِ عِلمِ اللهِ فِى المَعلُومَاتِ فَيَكُونُ ذٰلِكَ عِبرَةًتَامَّةًكَامِلَةً لِلمَلٰئِكَةِ المُوَكَّلِينَ بِاللَّوحِ المَحفُوظِ لِاَنَّهُم يُقَابِلُونَ بِهِ مَا يَحدُثُ فِى صَحِيفَةِ هٰذَا العَالَمِ فَيَجِدُونَه مُوَافِقًالَه (تفسیر خازن ہی آیت) وَالثَّانِى اَنَّ المُرَادَ بِالكِتَابِ المُبِينِ هُوَ اَللَّوحُ المحفُوظُ لِاَنَّ اللهَ كَتَبَ فِيهِ عِلمَ مَايَكُونُ وَمَاقَد كَانَ قَبلَ اَن يَخلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ وَفَائِدَةُ اِحصَاءِ الاَشيَآءِ كُلِّهَا فِى هٰذَاالكِتَابِ لِتَقِفَ المَلٰئِكَةُ عَلىٰ اِنفَاذِعِلمِهِ

’’وہ لوح محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ساری ہوسکنے والی چیزیں جمع فرمادیں ان فائدوں کی وجہوں سے جو بندوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ انکو علمائے ربانی جانتے ہیں اس لکھنے میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حالات کو لوح محفوظ میں اس لئے لکھا تھا۔ تاکہ ملائکہ خبردار ہو جائیں ان معلومات میں علم الٰہی جاری ہونے پر پس یہ بات ان فرشتوں کے لئے پوری پوری عبرت بن جائے جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں کیونکہ وہ فرشتے ان واقعات کا اس تحریر سے مقابلہ کرتے ہیں جو عالم میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں تو اس کو لوح محفوظ کے موافق پاتے ہیں دوسری توجہ یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ ہوگا اور جو کچھ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکا سب کا علم لکھ دیا

اوران تمام چیزوں کے لکھنے سے اس کتاب میں فائدہ یہ ہے کہ فرشتے اسکے علم کے جاری کرنے پر واقف ہوجائیں۔"

تفسیر مدارک یہ ہی آیت **هُوَ عِلْمُ اللهِ اَوِ اللَّوحِ** "وہ کتاب یا تو علم الٰہی ہے یا لوح محفوظ۔"

تفسیر تنویر المقیاس میں تفسیر ابن عباس میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

کُلُّ ذٰلِکَ فِی اللَّوحِ المَحفُوظِ مُبِینٌ مِقدَارُهَا وَ وَقتُهَا

"یہ تمام چیزیں لوح محفوظ میں ہیں کہ ان کی مقدار اور ان کا وقت بیان کر دیا گیا ہے۔"

اس آیت اوران تفاسیر سے معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں ہر خشک وتر ادنیٰ واعلیٰ چیز ہے اور لوح محفوظ کو فرشتے اوراللہ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفیٰ علیہ السلام ان سب کو محیط ہے لہٰذا یہ تمام علوم علم مصطفیٰ علیہ السلام کے دریا کے قطرے ہیں۔

۹) نَزَّلنَا عَلَیکَ الکِتَابَ تِبیَاناً لِّکُلِّ شَئٍ (پارہ ۱۴ سورہ ۱۶ آیت ۸۹)

"اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔"

تفسیر حسینی یہ ہی آیت **نَزَّلنَا فرستادیم عَلَیکَ الکِتَابَ بر تو قرآن تِبیَاناً لِّکُلِّ شَئٍ بیان روشن برائے همه چیز از امور دین و دنیا تفصیل و اجمال** (تفسیر روح البیان یہ ہی آیت) **یَتَعَلَّقُ بِاُمُورِ الدِّینِ مِن ذَالِکَ اَحوَالُ الاُمَمِ وَاَنبِیَآءِهِم** (تفسیر اتقان یہ ہی آیت) **قَالَ المُجَاهِدُ یَومًا مَا مِن شَئٍ فِی العَالَمِ اِلَّا هُوَ فِی کِتَابِ اللهِ فَقِیلَ لَه فَاینَ ذِکرُ الخَانَاتِ فَقَالَ فِی قَولِهٖ لَیسَ عَلَیکُم جُنَاحٌ اَن تَدخُلُوا بُیُوتاً غَیرِ مَسکُونَةٍ فِیهَا مَتَاعٌ لَّکُم**

"ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن دین ودنیا کی ہر چیز کا روشن بیان بنا کر بھیجی تفصیلی واجمالی۔ اس کے بیان کیلئے جو دینی چیزوں سے تعلق رکھتی ہوں اور اس میں سے امتوں اور انکے پیغمبروں کے حالات ہیں حضرت مجاہد نے ایک دن فرمایا کہ علام میں کوئی شے ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو تو ان سے کہا گیا کہ سرایوں کا ذکر کہاں ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت میں ہے کہ تم پر گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور تمہارا وہاں سامان ہو۔"

اس آیت اوران تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ہر ادنیٰ واعلیٰ چیز ہے اور قرآن رب تعالیٰ نے محبوب علیہ السلام کو سکھایا **اَلرَّحمٰنُ عَلَّمَ القُرآنَ** یہ تمام چیزیں علم مصطفیٰ علیہ السلام میں آئیں۔

۱۰) وَتَفصِیلَ الکِتَابِ لَا رَیبَ فِیهِ (پارہ ۱۱ سورہ ۱۰ آیت ۳۷)

"اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں۔"

(جلالین یہ ہی آیت) **تَفصِیلَ الکِتَابِ تُبَیِّنُ مَا کَتَبَ اللهُ تَعَالٰی مِنَ الاَحکَامِ وَغَیرِهَا** (جمل یہ ہی آیت) **اَی فِی اللَّوحِ المَحفُوظِ** (روح البیان یہ ہی آیت) **ای و تَفصِیلَ مَا حُقِّقَ وَ اُثبِتَ مِنَ الحَقَائِقِ وَ الشَّرَائِعِ وَ فِی التَّاوِیلَاتِ النَّجمِیَةِ اَی تَفصِیلَ الجُملَةِ الَّتِی هِیَ المُقَدَّرُ المَکتُوبُ فِی الکِتٰبِ الَّذِی لَا یَتَطَرَّقُ اِلَیهِ المُحوُ وَالاِثبَاتُ لِاَنَّه اَزَلِیٌّ اَبَدِی**

یہ تفصیلی کتاب ہے اس میں وہ احکام اوران کے سوا دوسری چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیں۔ یعنی لوح محفوظ میں تفصیل ہے۔ یعنی یہ قرآن ان شرعی اور حقیقت کی چیزوں کی تفصیل ہے جو ثابت کی جا چکی ہیں اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس تمام کی تفصیل ہے جو تقدیر میں آچکی ہیں اور اس کتاب میں لکھی جا چکی ہیں جس میں رد و بدل نہیں ہوتا کیونکہ وہ کتاب ازلی وابدی ہے۔

اس آیت میں سارے تفسیر سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم میں احکام شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ قرآن میں سارے لوح محفوظ کی تفصیل ہے اور لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ **وَلَا رَطبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِی کِتَابٍ مُّبِینٍ** اور قرآن حضور علیہ السلام کے علم میں ہے۔ **اَلرَّحمٰنُ عَلَّمَ القُراٰنَ** لہٰذا سارا لوح محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں ہے کیونکہ قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔

۱۱) مَا کَانَ حَدِیثاً یُّفتَرٰی وَلٰکِن تَصدِیقَ الَّذِی بَینَ یَدَیهِ وَتَفصِیلَ کُلِّ شَئٍ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۱۱۱)

(تفسیر خازن یہ ہی آیت) **يَعنِی فِی هٰذَا القُرآنِ المُنَزَّلِ عَلَیکَ یَا مُحَمَّدُ تفصِیلُ کُلِّ تحتاجُ اِلَیهِ مِنَ الحَلَالِ وَ الحَرَامِ وَ الحُدُودِ وَالاَحکَامَ وَ القَصَصِ وَ المَوَاعِظِ وَالاَمثَالِ وَغَیرِ ذٰلِکَ مِمَّا یَحتَاجُ اِلَیهِ العِبَادُ فِی اَمرِ دِینِهِم وَدُنیَاهُم** تفسیر حسینی میں ہے **وَتفصِیلُ کُلِّ شَئی مَا مِن شَئٍ فِی العَالَمِ اِلَّا هُوَ فِی کِتَابِ اللّٰہ تَعَالےٰ** ”یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہمہ چیز ہا کہ محتاج باشد در دین و دنیا۔“

۱۲) **الرَّحمٰنُ ۝ عَلَّمَ القُرانَ ۝ خَلَقَ الانسَانَ ۝ عَلَّمَه البَیَانَ ۝** (پارہ ۲۷ سورہ ۵۵ آیت ۱ تا ۴)

تفسیر معالم التنزیل و حسینی یہ ہی آیت **خَلَقَ الانسَانَ اَی مُحَمَّدًا عَلَیهِ السَّلامُ عَلَّمَهُ البَیَانَ یَعنِی بَیَانَ مَاکَانَ وَمَا یَکُونَ**

”یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں اپنے سے اگلی کلاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔ یعنی اس قرآن میں جو آپ پر اتارا گیا۔“ اے محمد ﷺ ہر اس چیز کی تفصیل ہے جسکی آپ کو ضرورت ہو حلال اور حرام سزائیں اور احکام اور قصے اور نصیحتیں اور مثالیں۔ ان کے علاوہ اور وہ چیزیں جن کی بندوں کو اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں ضرورت پڑتی ہے۔ یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہے جسکی دین و دنیا میں ضرورت ہو۔ (کتاب الاعجاز لابن سراقہ میں ہے) عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ما کان و ما یکون کا بیان اس کو سکھایا۔ اللہ نے انسان یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی پچھلی باتوں کا بیان سکھا دیا۔

تفسیر خازن ہی آیت۔ **قِیلَ اَرَادَ بِالانسَانِ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ البَیَانَ یَعنِی بَیَانَ مَا کَانَ وَمَایَکُونُ لِاَنَّه عَلَیهِ السَّلامُ نَبَّیءَ عَن خَبَرِ الاَوَّلِینَ وَالاٰخِرِینَ وَعَن یَومِ الدِّینِ**

”کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو اگلے پچھلے امور کا بیان سکھا دیا گیا کیونکہ حضور علیہ السلام کو اگلوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے دن خبر دے دی گئی۔“

(روح البیان یہ ہی آیت) **وَعَلَّمَ نَبِیَّنَا عَلَیهِ السَّلامُ القُرانَ وَاَسرَارَ الاُلُوهِیَّةِ کَمَا قَالَ وَعَلَّمَکَ مَالَم تَکُن تَعلَمُ**

”یعنی ہمارے نبی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے قرآن اور اپنی ربوبیت کے بھید سکھا دیئے جیسا کہ خود رب تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو سکھا دیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے۔ انسان سے مراد جنس انسانی ہے یا آدم علیہ السلام یا حضور علیہ السلام۔“

(معالم التنزیل یہ آیت) **وَقِیلَ الانسَانُ هٰهُنَا مُحَمَّدٌ عَلَیهِ السَّلامُ وَبَیَانُه عَلَّمَکَ مَالَم تَکُن تَعلَمُ**

”کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ تمام باتیں سکھائیں جو نہ جانتے تھے۔“

تفسیر حسینی یہ ہی آیت یا وجود محمد راہیا موزانید وے یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کی ذات کو اور سکھایا ان کو جو ہو چکا ہے یا ہوگا۔ ان آیتوں اور تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سارا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا گیا۔

۱۳) **مَا اَنتَ بِنِعمَةِ رَبِّکَ بِمَجنُونٍ** (تفسیر روح البیان یہ ہی آیت) **اَی لَیسَ بِمستُورٍ عِلماً کَانَ فِی الاَزَلِ وَ مَا سَیکُونُ اِلیٰ الاَبَدِ لِاَنَّ الجَنَّ هُوَالسَّترُبَل اَنتَ عَالِمٌ بِمَا کَانَ وَخَبِیرٌ بِمَا سَیکُونُ**

”تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔ یعنی آپ سے وہ باتیں چھپی ہوئی نہیں ہیں جو ازل میں تھیں اور وہ جو ابد تک ہونگی۔ کیونکہ جن کے معنی ہیں چھپنا بلکہ آپ اس کو جانتے ہیں جو ہو چکا اور خبردار ہیں اس سے جو ہوگا۔“

اس آیت و تفسیر سے علم غیب کلی ثابت ہوا۔

۱۴) **وَلَئِن سَاَلتَهُم لَیَقُولُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوضُ وَ نَلعَبُ** (پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت ۶۵)

”اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے کہ ہم یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے۔“

(تفسیر درمنشور طبری یہ ہی آیت) **عَن مُجَاهِدٍ اَنَّه قَالَ فِی قَولِهٖ تَعَالےٰ وَلَئِن سَاَلتَهُم الخ قَالَ رَجُلٌ مِنَ المُنَافِقِینَ یُحَدِّثُنَا مُحَمَّدٌ اَنَّ نَاقَةَ فُلَانٍ بِوَادِ کَذَاوَ کَذَاوَمَایُدرِیهِ بِالغَیبِ**

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اس آیت کے نزول کے بارے میں **وَلَئِن سَاَلتَهُم** کہ ایک منافق نے کہا تھا کہ محمد ﷺ خبر دیتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں جنگل میں ہے ان کو غیب کی کیا خبر۔

اس آیت اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے غیب کا انکار کرنا منافقین کا کام تھا۔ جس کو قرآن نے کفر قرار دیا۔

۱۵) فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (پارہ ۲۹ سورہ ۷۲ آیت ۲۶)

"تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔"

(تفسیر کبیر یہ ہی آیت)

اَیْ وَقْتَ وَقُوْعِ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْغَیْبِ الَّذِیْ لَایُظْهِرُہٗ اللّٰہُ لِاَحَدٍ فَاِنْ قِیْلَ فَاِذَا اَحْمَلْتُمْ ذٰلِکَ عَلَی الْقِیٰمَةِ فَکَیْفَ قَالَ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مَعَ اَنَّهٗ لَا یُظْهِرُ هٰذَاالْغَیْبَ لِاَحَدٍ قُلْنَا بَلْ یُظْهِرُہٗ عِنْدَقَرِیْبِ الْقِیٰمَةِ

"یعنی قیامت کے آنے کا وقت ان غیبوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر نہیں فرماتا پس اگر کہا جاوے کہ جب تم نے اس غیب کو قیامت پر محمول کر لیا تو اب رب تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا! مگر پسندیدہ رسولوں کو حالانکہ یہ غیب تو کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا جاتا تو ہم کہیں گے کہ رب تعالیٰ قیامت کے قریب ظاہر فرما دیگا۔"

تفسیر عزیزی صفحہ ۱۷۳۔ آنچہ بہ نسبت ہمہ مخلوقات غائب است غائب مطلق است مثل وقت آمدن قیامت و احکام تکوینیہ و سرعیہ باری تعالیٰ در ہر روز و ہر شریعت و مثل حقائق ذات و صفات او تعالیٰ علیٰ سبیل التفصیل ایں قسم را غیب خاص او تعالیٰ نیز می نامند **فَلَا یُظْهِرُہٗ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا** پس مطلع نمی کند بر غیب خاص خود ہیچکس را مگر کسی را کہ پسند میکند و آں کس رسول باشد خواہ از جنس ملک و خواہ از جنس بشر مثل حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام و اظہار بعضے از غیوب خاصہ خود نی فرمائد۔

(تفسیر خازن یہ ہی آیت) **اِلَّا مَنْ یَّصْطَفِیْهِ لِرِسَالَتِهٖ وَنُبُوَّتِهٖ فَیُظْهِرُہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنَ الْغَیْبِ حَتّٰی یُسْتَدَلَّ عَلٰی نُبُوَّتِهٖ بِمَا یُخْبِرُ بِهٖ مِنَ الْمُغَیَّبَاتِ فَیَکُوْنُ ذٰلِکَ مُعْجِزَةً لَّهٗ**

جو چیز تمام مخلوقات سے غائب ہو وہ غائب مطلق ہے جیسے قیامت کے آنے کا وقت اور روزانہ اور ہر چیز کے پیدائشی اور شرعی احکام اور جیسے پروردگار کی ذات و صفات بر طریق تفصیل اس قسم کو رب تعالیٰ کا خاص غیب کہتے ہیں پس اپنے خاص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ اس کے سوا جس کو پسند فرماوے اور وہ رسول ہوتے ہیں خواہ فرشتے کی جنس سے ہوں یا انسان کی جنس سے جیسے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام ان کو اپنے بعض خاص غیب ظاہر فرماتا ہے۔ سوا اس کے جس کو اپنی نبوت اور رسالت کیلئے چن لیا پس ظاہر فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے غیب تاکہ انکی نبوت پر دلیل پکڑی جاوے ان غیب چیزوں سے جس کی وہ خبر دیتے ہیں پس یہ ان کا معجزہ ہوتا ہے۔

(روح البیان یہ ہی آیت) **قَالَ ابْنُ الشَّیْخِ اَنَّهٗ تَعَالٰی لَا یُطْلِعُ عَلَی الْغَیْبِ الَّذِیْ یَخْتَصُّ بِهٖ تَعَالٰی عِلْمُهٗ اِلَّا لِلْمُرْتَضَی الَّذِیْ یَکُوْنُ رَسُوْلًا وَّمَالَا یَخْتَصُّ بِهٖ یُطْلِعُ عَلَیْهِ غَیْرَالرَّسُوْلِ**

ابن شیخ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اس غیب پر جو اس سے خاص ہے کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسول کے اور جو غیب کہ رب سے خاص نہیں اس پر غیر رسول کو بھی مطلع فرما دیتا ہے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علم غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا اب کیا شے ہے جو علم مصطفیٰ علیہ السلام سے باقی رہ گئی۔

۱۶) فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی "اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔"

مدارج النبوۃ جلد اول وصل رویۃ الٰہی میں ہے۔

فَاَوْحٰی الآیۃ بتمام علوم علوم و معارف و حقائق و بشارات و اشارات، اخبار و آثار و کرامات و کمالات در احیطہ ایں ابہام داخل است و ہمہ را شامل و کثرت و عظمت اوست کہ مبہم آورد و بیان نہ کرد اشارات بآنکہ جز علم علام الغیوب و رسول محبوب بہ آں محیط نتواند شد مگر آں چہ آں حضرت بیان کردہ۔ معراج میں رب نے حضور علیہ السلام پر جو سارے علوم اور معرفت اور بشارتیں اور اشارے اور خبریں اور کرامتیں و کمالات وحی فرمائے وہ اس ابہام میں داخل ہیں اور سب کو شامل ہیں انکی زیادتی اور عظمت ہی کی وجہ سے ان چیزوں کو بطور ابہام ذکر کیا بیان نہ فرمایا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان علوم غیبیہ کو سوائے رب تعالیٰ اور محبوب علیہ السلام کے کوئی نہیں احاطہ کر سکتا۔ ہاں جس قدر حضور نے بیان فرمایا وہ معلوم ہے۔

اس آیت اور عبارت سے معلوم ہوا کہ معراج میں حضور علیہ السلام کو، وہ علوم عطا ہوئے جن کو نہ کوئی بیان کر سکتا ہے اور نہ کسی کے خیال میں آسکتے ہیں ماکان و ما یکون تو صرف بیان کے لئے ہے ورنہ اس سے بھی کہیں زیادہ کی عطا ہوئی۔

۱۷) وَمَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ "اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔"

یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کو علم غیب ہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ السلام لوگوں کو اس سے مطلع فرمادیتے ہوں۔

(معالم التنزیل یہ ہی آیت) عَلَى الغَيبِ وَخَبرِ السَّمَآ ءِ وَمَا اطُّلِعَ عَلَيهِ مِنَ الاَ خبَارِ وَالقَصَصِ بِضَنَينٍ اى بَخِيلٍ يَقُولُ اِنَّه يَاتِيهِ عِلمُ الغَيبِ فَلا يَبخَلُ بِهٖ عَلَيكُم بَل يُعَلِّمُكُم وَيُخبِرُكُم وَلَا يَكتُمُه كَمَا يَكتُمُ الكَاهِنُ (خازن یہ ہی آیت) يَقُولُ اِنَّه عَلَيهِ السَّلَامُ يَاتِيهِ عِلمُ الغَيبِ فَلا يَبخَلُ بِهٖ عَلَيكُم بَل يُعَلِّمُكُم

حضور علیہ السلام غیب پر اور آسمانی خبروں پر اور ان خبروں وقصوں پر بخیل نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے پس وہ اس میں تم پر بخل نہیں کرتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں جیسے کہ کاہن چھپاتے ہیں ویسے نہیں چھپاتے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے تو تم پر اس میں بخل نہیں فرماتے۔ بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔

اس آیت وعبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام لوگونکو علم غیب سکھاتے ہیں۔ اور سکھائے گا وہ ہی جو خود جانتا ہے۔

۱۸) وَعَلَّمنٰهُ مِن لَّدُنَّا عِلمًا ”اور ان کو اپنا علم لدنی عطا کیا یعنی حضرت خضر کو۔“

(بیضاوی میں یہ ہی آیت) اَى مِمَّا يَختَصُّ بِنَاه لَا يَعلَمُ اِلَّا بِتَو قِيفِنَا وَهُوَ عِلمُ الغَيبِ

”حضرت خضر کو وہ علم سکھائے جو ہمارے ساتھ خاص ہیں بغیر ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے۔“

تفسیر ابن جریر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے۔

قَالَ اِنَّكَ لَن تَستَطِيعَ مَعِىَ صَبرًا كَانَ رَجُلًا يَعلَمُ عِلمَ الغَيبِ قَد عَلِمَ ذٰلِكَ

”حضرت خضر نے فرمایا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے وہ خضر علم غیب جانتے تھے کہ انہوں نے جان لیا۔“

(روح البیان یہ ہی آیت) هُوَ عِلمُ الغُيُوبِ وَالِا خبَارُ عَنهَا بِاِذنِهٖ تَعَالٰے كَمَا ذَهَبَ اِلَيهِ ابنُ عَبَّاسٍ

”حضرت خضر کو جو لدنی علم سکھایا گیا وہ علم غیب ہے اور اس غیب کے متعلق خبر دینا ہے خدا کے حکم سے جیسا کہ اس طرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے ہیں۔“

(تفسیر مدارک یہ ہی آیت) يَعنِى الاِخبَارَ بِالغُيُوبِ وَقِيلَ العِلمُ اللُّدُنّى مَا حَصَلَ لِلعَبدِ بِطَرِيقِ الالهَامِ

”یعنی حضرت خضر کو غیب کی خبریں اور کہا گیا ہے کہ علم لدنی وہ ہوتا ہے جو بندے کو الہام کے طریقہ پر حاصل ہو۔“

(تفسیر خازن یہ ہی آیت) اَى عِلمَ البَاطِنِ اِلهَامًا ”یعنی حضرت خضر کو علم باطن الہام کے طریقہ پر عطا فرمایا۔“

اس آیت وتفسیری عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضر کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا جس سے لازم آیا کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق الٰہی سے زیادہ عالم ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی مخلوق ہیں۔

۱۹) وَكَذٰلِكَ نُرِى اِبرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ (پارہ۷ سورہ۶ آیت۷۵)

”اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔“

(تفسیر خازن یہ ہی آیت) اُقِيمَ عَلٰى صَخرَةٍ وَكُشِفَ لَه عَنِ السَّمٰوٰتِ حَتّٰى رَاَى العَرشَ وَالكُرسِىَّ وَ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَكُشِفَ لَه عَنِ الاَرضِ حَتّٰى نَظَرَ اِلٰى اَسفَلَ الاَرضِينَ وَرَاٰى مَا فِيهَا مِنَ العَجَائِبِ.

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صخرہ پر کھڑا کیا گیا اور ان کیلئے آسمان کھول دیئے گئے۔ یہانتک کہ انہوں نے عرش وکرسی اور جو کچھ آسمانوں میں ہے دیکھ لیا اور آپ کیلئے زمین کھولدی گئی یہانتک کہ انہوں نے زمینونکی نیچی زمین اور ان عجائبات کو دیکھ لیا جو زمینوں میں ہیں۔“

(تفسیر مدارک یہ ہی آیت) قَالَ مُجَاهِدٌ فُرِجَت لَه السَّمٰوٰتُ السَّبعُ فَنَظَرَ اِلٰى مَافِيهِنَّ حَتّٰى انتَهٰى نَظرُه اِلَى العَرشِ وَفُرِجَت لَهُ الاَرضُونَ السَّبعُ حَتّٰى نَظَرَ اِلٰى مَافِيهِنَّ

”روح البیان یہ ہی آیت“ عجائب وبدائع آسمانہا وزمین ہا از ذروہ عرش تا تحت الثریٰ بروے منکشف ساختہ۔ مجاہد نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے ساتوں آسمان کھول دیئے گئے پس انہوں نے دیکھ لیا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ یہاں تک کہ ان کی نظر عرش تک پہنچ گئی اور ان کے لئے سات زمینیں کھولی گئیں کہ انہوں نے وہ چیزیں دیکھ لیں جو زمینوں میں ہیں۔ ابراہیم کو آسمان وزمین کی عجائبات وغرائبات دکھائے اور عرش کی بلندی سے تحت الثریٰ تک کھول دیا۔

تفسیر ابن جریر ابن حاتم میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اِنَّہ جَلَّ لَہُ الاَمرُ سِرُّہ وَعَلاَنِیَتُہ فَلَم یَخفَ عَلَیہِ شَئیٌ مِن اَعمَالِ الخَلاَئِقِ.

''حضرت ابراہیم پر کھلی و پوشیدہ تمام چیزیں کھل گئیں پس ان پر مخلوق کے اعمال میں سے کچھ بھی چھپا نہ رہا۔''

(تفسیر کبیر یہ ہی آیت) اِنَّ اللہَ شَقَّ لَہ السّمٰوٰتِ حَتّٰی رَاَی العَرش وَالکُرسِیَّ وَالیٰ حَیثُ یَنتَھِی اِلَیہِ فَو قِیَةُ العَالَمِ الجِسمَالی وَرَاَی مَافِی السّمٰوٰتِ مِنَ العَجَائِبِ وَالبَدَائِعِ وَرَاَی مَافِی بَطنِ الاَ رضِ مِنَ العَجَائِبِ وَالغَرَائِبِ

''اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم کیلئے آسمانوں کو چیر دیا یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جہاں تک جسمانی علم کی فوقیت ختم ہوتی ہے دیکھ لیا۔ اور وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو آسمانوں میں ہیں۔ اور وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو زمین کے پیٹ میں ہیں۔''

اس آیت اور ان تفسیری عبارات سے معلوم ہوا کہ از عرش تا تحت الثریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی ان کو خبر دی گئی اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم عطا ہوئے۔

خیال رہے کہ عرش کے علم میں لوح محفوظ بھی آ گئی اور لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے۔ لہذا ما کان و ما یکون کا علم تو ان کو بھی حاصل ہوا اور علم ابراہیمی اور علم حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے۔

۲۰) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا لاَ یَا تِیکُمَا طَعَامٌ تُرزَقَانِہٖ اِلّاَ نَبَّاتُکُمَا بِتَاوِیلِہٖ اس کی تفسیر روح البیان و کبیر و خازن میں ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ میں تمہیں کھانے کے گذشتہ و آئندہ کے سارے حالات بتا سکتا ہوں کہ غلہ کہاں سے آیا اور اب کہاں جائے گا۔ تفسیر کبیر نے تو فرمایا کہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ کھانا نفع دے گا یا نقصان۔ یہ چیزیں وہ ہی بتا سکتا ہے جو ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہو پھر فرماتے ہیں۔

ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِی رَبِّی (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت ۳۷) یہ علم تو میرے علوم کا بعض حصہ ہے۔

اب بتاؤ کہ حضور علیہ السلام کا علم کتنا ہوگا۔ علم یوسفی تو علم مصطفٰی کے سمندر کا قطرہ ہے اور عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا۔

وَاُنَبِّئُکُم بِمَاتَاکُلُونَ وَمَاتَدَّخِرُونَ فِی بُیُوتِکُم (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۴۹)

''میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے اور اور جو کچھ جمع کرتے ہو۔''

دیکھو کھانا گھر میں کھایا اور رکھا گیا۔ جہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام موجود نہیں تھے اور اسکی خبر آپ باہر دے رہے ہیں یہ علم غیب۔

۲۱) یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُو الاَ تَسئَلُوا عَن اَشیَاءَ اِن تُبدَلَکُم تَسُؤکُم (پارہ ۷ سورہ ۵ آیت ۱۰۱)

''اے ایمان والو! ایسی باتیں ہمارے محبوب سے نہ پوچھو کہ اگر تم پر ظاہری جاویں تو تمہیں ناگوار ہوں۔''

بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کی عَن اِبنِ عَبّاس قَالَ کَانَ قُومٌ یَساءَ لُونَ رَسُولَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم اِستِھزَاءً فَیَقُولُ الرَّجُلُ مَن اَبِی وَیَقُولُ الرَّجُلُ اَینَ نَاقَتِی فَاَنزَلَ اللہُ فِیھِم ھٰذِہِ الاٰ یَة یَااَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُو لاَ تَساءَ لُوا عَن اَشیَاءَ

تتمہ مخالفین سے ان دلائل کے جواب کچھ نہیں بنتے صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ جن آیات میں کُلَّ شَئی کا ذکر ہوا یا فرمایا گیا مَالَم تَکُن تَعلَم ان میں مراد شریعت کے احکام ہیں نہ کہ اور چیزیں اس کے لئے چند دلائل لاتے ہیں۔

(۱) کُلُّ شَئی غیر متناہی (بے انتہا) ہیں اور غیر متناہی چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو ہونا منطقی قاعدے سے بالکل باطل ہے دلیل تسلسل سے۔

(۲) بہت سے مفسرین نے بھی کُلُّ شَئی کے معنے لئے ہیں مِن اُمورِ الدّین یعنی دین کے احکام جیسے جلالین وغیرہ۔

(۳) قرآن پاک میں بہت جگہ کُلُّ شَئی فرمایا گیا ہے مگر اس سے بعض چیزیں مراد ہیں جیسے وَاُوتِیَت مِن کُلِّ شَئیٍ بلقیس کو کُلُّ شَئیٌ دی گئی۔ حالانکہ بلقیس کو بعض چیزیں ہی دی گئی تھیں۔

مگر یہ دلائل نہیں صرف غلط فہمی ہے اور دھوکا۔ ان کے جوابات یہ ہیں۔

عربی زبان میں کلمہ کل اور کلمہ مَا عموم کے لئے آتے ہیں۔ اور قرآن کا ایک ایک کلمہ قطعی ہے اس میں کوئی قید لگانا محض اپنے قیاس سے جائز نہیں۔ قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث احاد سے بھی خاص نہیں بنا سکتے۔ چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے۔

(۱) كُلَّ شَئٍ غیر متناہی نہیں۔ بلکہ متناہی ہیں۔ تفسیر کبیر زیر آیت وَاَحصٰی كُلَّ شَئٍ عَدَدًا ہے۔

قُلنَا لاَ شَکَّ اِن اِحصَاءَ العَدَدِ اِنَّمَا یَکُونُ فِی المُتَنَاهِی فَاَمَّا لَفظَة کُلِّ شَیْءٍ فَاِنَّهَا لا تَدُلُّ عَلیٰ کَونِهٖ غَیرَ مُتَنَاهٍ لِاَنَّ الشَّئَی عِندَنَا هُوَ المَوجُودَاتُ وَالمَوجُودَاتُ مُتَنَاهِیَةٌ فِی العَدَدِ اس میں شک نہیں کہ عدد سے شمار کرنا متناہی چیز میں ہوسکتا ہے لیکن لفظ كُلُّ شَئٍ اس شئی کے غیر متناہی ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ہمارے نزدیک شَئٌ موجودات ہی ہیں اور موجود چیزیں متناہی میں شمار ہیں۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت وَاحصٰی کُلَّ شَئٍ کے ماتحت فرمایا۔

وَهٰذِهِ الاٰیَةُ مِمَّا یُستَدَلُّ عَلیٰ اَنَّ المَعدُومَ لَیسَ بِشَئٍ لِاَنَّهٗ لَو کَانَ شَیئًا لَکَانَتِ الاَشیَآءُ غَیرَ مُتَنَاهِیَةٍ وَکَونُهٗ اَحصٰی عَدَدَهَا یَقتَضِی کَونَهَا مُتَنَاهِیَةً اِحصَاءَ العَدَدِ اِنَّمَا یَکُونُ فِی المُتَنَاهِی

اس آیت سے اس پر بڑی دلیل پکڑی جاتی ہے کہ معدوم (غیر موجود) شئی نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بھی شئی ہوتی تو چیزیں غیر متناہی (بے انتہا) ہوجاتیں۔ اور چیزوں کا شمار میں آنا چاہتا ہے کہ چیزیں متناہی ہوں کیونکہ عدد سے شمار متناہی ہوسکتی ہے۔

(۲) اگر بہت سے مفسرین نے كُلُّ شَئٍ سے صرف شریعت کے احکام مراد لئے ہیں تو بہت سے مفسرین نے کلی علم غیب بھی مراد لیا ہے اور جبکہ بعض دلائل نفی کے ہوں۔ اور بعض ثبوت کے۔ تو ثبوت والوں کو ہی اختیار کیا جاتا ہے۔

نوالانوار بحث تعارض میں ہے۔ وَالمُثبِتُ اَولیٰ مِنَ النَّافِی ثابت کرنے والے دلائل نفی کرنے والے سے زیادہ بہتر ہیں۔ تو جن تفسیروں کے حوالہ ہم پیش کرچکے ہیں۔ چونکہ ان میں زیادہ کا ثبوت ہے لہذا وہ ہی قابل قبول ہیں۔ نیز كُلُّ شَئٍ کی تفسیر خود احادیث اور علمائے امت کے اقوال سے ہم بیان کریں گے کہ کوئی ذرہ کوئی قطرہ ایسا نہیں جو حضور علیہ السلام کے علم میں نہ آگیا ہو اور ہم مقدمہ کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالحدیث اور تفسیروں سے بہتر ہے لہذا احدیث ہی کی تفسیر مانی جاوے گی۔

نیز مفسرین نے امور دین سے تفسیر کی انہوں نے بھی دوسری چیزوں کی نفی تو نہ کی۔ لہذا تم نفی کہاں سے نکالتے ہو؟ کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے اس کی نفی کیسے ہوگی۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ تَقِیکُمُ الحَرَّ یعنی تمہارے کپڑے تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔ تو کیا کپڑے سردی سے نہیں بچاتے؟ مگر ایک چیز کا ذکر نہ فرمایا۔ نیز دین تو سب ہی کو شامل ہے۔ عالم کی کون سے چیز ایسی ہے۔ جس پر دین کے احکام حرام حلال وغیرہ جاری نہیں ہوتے تو ان کا یہ فرمانا کہ دینی علم مکمل کردیا سب کو شامل ہے۔

(۳) بلقیس وغیرہ کے قصہ میں جو كُلُّ شَئٍ آیا ہے۔ وہاں قرینہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں كُلُّ شَئٍ سے مراد سلطنت کے کاروبار کی چیزیں ہیں۔ اس لئے وہاں گویا مجازی معنی مراد لئے گئے یہاں کونسا قرینہ ہے۔ جس کی وجہ سے كُلُّ شَئٍ کے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد لئے جاویں خیال رہے۔ کہ قرآن کریم نے ہدہد کا قول نقل فرمایا کہ اس نے کہا اُوتِیَت مِن كُلِّ شَئٍ بلقیس کو ہر چیز دی گئی خود رب نے یہ خبر نہ دی۔ ہدہد سمجھا کہ بلقیس کو دنیا کی تمام چیزیں مل گئیں۔ مگر مصطفیٰ علیہ السلام کے لئے خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ تِبیَانًا لِکُلِّ شَئٍ ہدہد غلطی کرسکتا ہے رب کا کلام غلط نہیں ہوسکتا اس نے تو یہ بھی کہا وَلَهَا عَرشٌ عَظِیمٌ کیا تخت بلقیس عرش عظیم تھا۔ بلکہ قرآن کی اور آیتیں تو بتا رہی ہیں کہ كُلُّ شَئٍ سے مراد یہاں عالم کی تمام چیزیں ہیں۔ فرماتا ہے۔ وَلَا رَطبٍ وَّیَابِسٍ اِلَّا فِی کِتَابٍ مُّبِینٍ کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ یا قرآن کریم میں نہ ہو پھر آنے والی احادیث اور علماء اور محدثین کے قول بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز کا حضور علیہ السلام کو علم دیا گیا۔ ہم حاضر وناظر کی بحث میں انشاء اللہ بتائیں گے کہ تمام عالم ملک الموت کے سامنے ایسا ہے۔ جیسا ایک طشت۔ اور ابلیس آن کی آن میں تمام زمین کا چکر لگالیتا ہے۔ اور یہ دیوبندی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ساری مخلوقات سے زیادہ حضور علیہ السلام کا علم ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کو بھی ان چیزوں کا علم ہو۔ حضرت آدم اور کاتب تقدیر فرشتہ کا علم ہم علوم خمسہ کی بحث میں بتائیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ سارے علوم خمسہ ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام تو ساری مخلوق سے زیادہ عالم لہذا حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم بلکہ اس سے زیادہ ماننا پڑیں گے۔ ہمارا مدعیٰ ہر حال میں ثابت ہے، والحمد للہ۔

دوسری فصل

علم غیب کی احادیث کے بیان میں

اس فصل میں ہم نمبروار احادیث بیان کرتے ہیں۔ پھر اسی نمبروں کی ترتیب سے تیسری فصل میں ان حدیثوں کی شرح بیان کریں گے۔

(۱) بخاری کتاب بدء الخلق اور مشکوٰۃ جلد دوم باب بدء الخلق وذکر الانبیاء میں حضرت فاروق سے روایت ہے۔

قَامَ فِینَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخبَرَنَا عَن بَدءِ الخَلقِ حَتّٰی دَخَلَ اَھلُ الجَنَّۃِ مَنَازِلَھُم وَاَھلُ النَّارِ مَنَازِلَھُم حَفِظَ ذٰلِکَ مَن حَفِظَہ وَنَسِیَہ مَن نَسِیَہ

’’حضور علیہ السلام نے ایک جگہ قیام فرمایا پس ہم کو ابتداء پیدائش کی خبر دے دی۔ یہاں تک کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنی میں جس نے یاد رکھا۔ اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔‘‘

اس جگہ حضور علیہ السلام نے دو قسم کے واقعات کی خبر دی (۱) عالم کی پیدائش کی ابتداء کس طرح ہوئی (۲) پھر عالم کی انتہا کس طرح ہوگی۔ یعنی از روز اول تا قیام قیامت ایک ایک ذرہ بیان کر دیا۔

(۲) مشکوٰۃ باب المعجزات میں مسلم سے بروایت عمرو ابن اخطب اسی طرح منقول ہے مگر اس میں اتنا اور ہے۔

فَاَخبَرَنَا بِمَا ھُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَومِ القِیٰمَۃِ فَاَعلَمُنَا اَحفَظُنَا

’’ہم کو تمام ان واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔ پس ہم میں بڑا عالم وہ ہے جو ان باتوں کا زیادہ حافظ ہے۔‘‘

(۳) مشکوٰۃ باب الفتن میں بخاری و مسلم سے بروایت حضرت حذیفہ ہے۔

مَا تَرَکَ شَیئًا یَکُونُ مَقَامِہٖ اِلٰی یَومِ القِیٰمَۃِ اِلَّا حَدَّثَ بِہٖ حَفِظَہ وَنَسِیَہ مَن نَسِیَہ

’’حضور علیہ السلام نے اس جگہ قیامت تک کی کوئی چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دے دی جس نے یاد رکھا یاد رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔‘‘

(۴) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں مسلم سے بروایت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الاَرضَ فَرَءَیتُ مَشَارِقَ الاَرضِ وَمَغَارِبَھَا

’’اللہ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی پس میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔‘‘

(۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں عبد الرحمٰن بن عائش سے روایت ہے۔

رَءَیتُ رَبِّی عَزَّوَجَلَّ فِی اَحسَنِ صُورَۃٍفَوَضَعَ کَفَّہ بَینَ کَتِفَیَّ فَوَجَدتُّ بَردَھَا بَینَ ثَدیَیَّ فَعَلِمتُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ

’’ہم نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ پر رکھا۔ جسکی ٹھنڈک ہم نے اپنے قلب میں پائی پس تمام آسمان و زمین کی چیزوں کو ہم نے جان لیا۔

(۶) شرح مواہب لدنیہ للزرقانی میں حضرت عبد اللہ ابن عمر کی روایت سے ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ رَفَعَ لِیَ الدُّنیَا فَاَنَا اَنظُرُ اِلَیھَا وَاِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ فِیھَا اِلٰی یَومِ القِیٰمَۃِ کَاَنَّمَا اَنظُرُ اِلٰی کَفِّی ھٰذَا

’’اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرما دیا پس ہم اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں۔‘‘

(۷) مشکوٰۃ باب المساجد بروایت ترمذی ہے۔

فَتَجَلّٰی لِی کُلُّ شَیئٍ وَعَرَفتُ ’’پس ہمارے لئے ہر چیز ظاہر ہوگئی اور ہم نے پہچان لی۔‘‘

(۸) مسند امام احمد بن حنبل میں بروایت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

مَاتَرَکَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ مِن قَائِدِ فِتنَۃٍ اِلٰی اَن تَنقَضِیَ الدُّنیَا یَبلُغُ مِن ثَلٰثِ مِائَۃٍ فَصَاعِدًا قَد سَمَّاہُ لَنَا بِاِسمِہٖ وَاِسمِ اَبِیہِ وَاِسمِ قَبِیلَتِہٖ رَوَاہُ اَبُودَاؤدَ

’’نہیں چھوڑا حضور علیہ السلام نے کسی فتنہ چلانے والے کو دنیا کے ختم ہونے تک جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تک پہنچے گی مگر ہم کو اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلے کا نام بتا دیا۔‘‘

(۱۰) مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء میں بخاری سے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

خُفِّفَ عَلٰی دَاوٗدَ القُراٰنُ فَکَانَ یَامُرُ دَوَآبَّہٗ فَتُسرَجُ فَیَقرَءُ القُراٰنَ قَبلَ اَن تُسرَجَ

’’حضرت داؤدعلیہ السلام پرقرآن (زبور) کواس قدر ہلکا کردیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو زین لگانے کا حکم دیتے تھے تو آپ ان کی زین سے پہلے زبور پڑھ لیتے تھے۔‘‘

یہ حدیث اس جگہ اس لئے بیان کی گئی کہ اگر حضور علیہ السلام نے ایک وعظ میں از اول تا آخر واقعات بیان فرمادیئے تو یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔ جیسا کہ حضرت داؤد آن کی آن میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔

(۱۱) مشکوٰۃ باب مناقب اہل البیت میں ہے۔

تَلِدُ فَاطِمَۃُ اِن شَآءَ اللّٰہُ غُلَامًا یَکُونُ فِی حَجرِکَ.

’’حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ فاطمہ زہرا کے فرزند پیدا ہوگا۔ جو تمہاری پرورش میں رہے گا۔‘‘

(۱۲) بخاری باب اثبات عذاب القبر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے۔

مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ بِقَبرَینِ یُعَذَّبَانِ فَقَالَ اِنَّھُمَا یُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِی کَبِیرٍ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَا یَستَنزِہُ مِنَ البَولِ وَاَمَّا الاٰخَرُ فَکَانَ یَمشِی بِالنَّمِیمَۃِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِیدَۃً رَطبَۃً فَشَقَّھَا بِنِصفَینِ ثُمَّ غَرَزَ فِی کُلِّ قَبرٍ وَّاحِدَۃً وَّقَالَ لَعَلَّہٗ اَن یُّخَفَّفَ عَنھُمَا مَالَم یَیبَسَا

’’حضور علیہ السلام دو قبروں پر گزرے جن میں عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا کہ ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جارہا ہے اور کسی دشوار بات میں عذاب نہیں ہو رہا ہے ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا پھر ایک تر شاخ کو لے کر اسکو آدھا آدھا چیرا پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں سے عذاب میں کمی کی جاوے گی۔‘‘

(۱۳) بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ اور تفسیر خازن میں زیر آیت **لَا تَسئَلُوا عَن اَشیَآءَ اِن تُبدَلَکُم** ہے۔

قَامَ عَلَی المِنبَرِ فَذَکَرَ السَّاعَۃَ وَذَکَرَ اَنَّ بَینَ یَدَیھَا اُمُورًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَا مِن رَّجُلٍ اَحَبَّ اَن یَّسئَالَ عَن شَیئٍ فَلیَسئَلُ عَنہُ فَوَاللّٰہِ لَا تَسئَلُونِی عَن شَیئٍ اِلَّا اَخبَرتُکُم مَا دُمتُ فِی مَقَامِی ھٰذَا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ اَینَ مُدخَلِی قَالَ النَّارُ فَقَامَ عَبدُ اللّٰہِ ابنُ حُذَافَۃَ فَقَالَ مَن اَبِی قَالَ اَبُوکَ حُذَافَۃُ ثُمَّ کَثُرَ اَن یَّقُولَ سَلُونِی سَلُونِی

’’حضور علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے قسم خدا کی جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھوگے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں عبداللہ اب حذافہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے فرمایا حذافہ۔ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔‘‘

خیال رہے کہ جہنمی یا جنتی ہونا علوم خمسہ میں سے ہے کہ سعید ہے یا شقی اسی طرح کون کس کا بیٹا ہے یہ ایسی بات ہے کہ جس کا علم سوائے اس کی ماں کے اور کسی کو نہیں ہوسکتا قربان ان نگاہوں کے جو کہ اندھیرے اجالے، دنیا و آخرت سب کو دیکھتی ہیں۔

(۱۴) باب مناقب علی میں ہے۔

قَالَ یَومَ خَیبَرَ لَاُعطِیَنَّ ھٰذِہِ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا یَّفتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیہِ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ.

’’حضور علیہ السلام نے خیبر کے دن فرمایا کہ ہم کل یہ جھنڈا اس کو دیں گے جسکے ہاتھ پر اللہ خیبر فتح فرمادیگا اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔‘‘

(۱۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

عُرِضَت عَلَیَّ اَعمَالُ اُمَّتِی حَسَنُھَا وَسَیِّئُھَا فَوَجَدتُّ فِی مَحَاسِنِ اَعمَالِھَا الاَذٰی یُمَاطُ عَنِ الطَّرِیقِ

’’ہم پر ہماری امت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے بھی اور برے بھی ہم نے انکے اچھے اعمال میں وہ تکلیف وہ چیز بھی پائی جو راستے سے ہٹادی جائے۔‘‘

(۱۶) مسلم جلد دوم کتاب الجہاد باب غزوہ بدر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ ھٰذَا مَصرَعُ فُلَانٍ یَضَعُ یَدَہ عَلَی الاَرضِ ھٰھُنَا ھٰھُنَاقَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُھُم عَن مَوضِعِ یَدِرَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ

’’حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور اپنے دست مبارک کو ادھر ادھر زمین پر رکھتے تھے راوی نے فرمایا کہ کوئی بھی مقتولین میں سے حضور علیہ السلام کے ہاتھ کی جگہ سے ذرا بھی نہ ہٹا۔‘‘

خیال رہے کہ کوکس جگہ مرے گا۔ یہ علوم خمسہ میں سے ہے۔ جس کی خبر حضور علیہ السلام جنگ بدر میں ایک روز پہلے دے رہے ہیں۔

(۱۷) مشکوٰۃ باب المعجزات میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

فَقَالَ رَجُل تَاللّٰہِ اِن رَئَیتُ کَالیَومِ ذِئبٌ یَتَکَلَّمُ فَقَالَ الذِّئب اَعجَبُ مِن ھٰذَا رَجُلٌ فِی النَّخلَاتِ بَینَ الحَرَّتَینِ یُخبِرُکُم بِمَا مَضٰی وَمَا ھُوَ کَائِنٌ بَعدَکُم

’’شکاری آدمی نے کہا کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کر رہا ہے تو بھیڑیا بولا کہ اس سے عجیب بات یہ ہے کہ ایک صاحب (حضور) دو میدانوں کے درمیانی نخلستان (مدینہ) میں ہیں اور تم کو گذشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں۔‘‘

(۱۸) تفسیر خازن پارہ ۴ زیر آیت **مَاکَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ المُؤمِنِینَ عَلیٰ مَااَنتُم عَلَیہِ** ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ عَلَیہِ السَّلَامُ عُرِضَت عَلَیَّ اُمَّتِی فِی صُوَرِھَا فِی الطِّینِ کَمَا عُرِضَت عَلیٰ اٰدَمَ وَ اُعلِمتُ مَن یُؤمِنُ وَمَن یَّکفُرُ بِی فَبَلَغَ ذٰلِکَ المُنَافِقِینَ قَالُو ا استِھزَاءً زَعَمَ مُحَمَّدٌ اَنَّہ یَعلَمُ مَن یُؤمِنُ بِہٖ وَمَن یَکفُرُ مِمَّن لَم یُخلَق بَعدُ وَنَحنُ مَعَہ وَمَایَعرِ فُنَا فَبَلَغَ ذٰلِکَ رَسُولُ اللّٰہِ عَلَیہِ السَّلَامُ فَقَامَ عَلیٰ المِنبَرِ فَحَمِدَاللّٰہَ وَاَثنیٰ عَلَیہِ ثُمَّ قَالَ مَابَالُ اَقوَامٍ طَعَنُوا فِی عِلمِی لَا تَسئَلُو نِی عَن شَیئٍ فِیمَابَینَکُم وَبَینَ السَّاعَۃِ اِلَّاَ نَبَّاتُکُم بِہٖ

’’حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت پیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جسطرح کہ حضرت آدم پر پیش ہوئی تھی ہم کو بتادیا گیا کون ہم پر ایمان لاویگا اور کون کفر کریگا۔ یہ خبر منافقین کو پہنچی تو وہ ہنس کر کہنے لگا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کو لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مومن کی خبر ہوگئی ہم تو ان کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہچانتے یہ خبر حضور علیہ السلام کی پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعنے کرتے ہیں اب سے قیامت تک کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم ہم سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔‘‘

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم میں طعنے کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ دوسرے یہ کہ قیامت تک کہ واقعات سارے حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ کتاب الفتن باب الملاحم فصل اول میں مسلم سے بروایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

اِنِّی لَاَعرِفُ اَسمَآءَ ھُم وَاَسمَآءَ اٰبَاءَ ھِم وَ اَلوَانَ خُیُولِھِم خَیرُ فَوَارِسَ اَومِن خَیرِ فَوَارِسَ عَلیٰ ظَھرِ الاَرضِ

’’ہم ان کے (دجال سے جہاد کی تیاری کرنیوالوں) نام ان کے باپ دادوں کے نام ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں وہ روئے زمین پر بہترین سوار ہیں۔‘‘

(۲۰) مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ کیا کوئی ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں فرمایا ہاں وہ عمر ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کی پوری خبر ہے اور آسمانوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیلی علم ہے۔ حالانکہ بعض بعض تارے اب تک فلاسفہ کو سائنسی آلات سے بھی معلوم نہ ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابری یا کمی بیشی وہ ہی بتا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدار بھی معلوم ہو۔

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی قدر پر کفایت کی گئی ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور ﷺ

کے سامنے اس طرح ہے جیسے اپنی کف دست۔ خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسواء اللہ کو تو عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان عالم ملائکہ، عرش و فرش غرضیکہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے اور عالم میں لوح محفوظ بھی ہے۔ جس میں سارے حالات ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں۔ تیسرے یہ معلوم ہوا کہ تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر جو کام کئے جاویں وہ بھی نگاہ مصطفیٰ ﷺ سے پوشیدہ نہیں کہ عبداللہ کے والد حذیفہ کو بتادیا۔ چوتھے یہ معلوم ہوا کہ کون کب مرے گا۔ کہاں مرے گا۔ کس حال میں مرے گا۔ کافر یا مومن، عورت کے پیٹ میں کیا ہے یہ بھی میرے حضور علیہ السلام پر مخفی نہیں غرضیکہ ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے۔

تیسری فصل

شارحین احادیث کے اقوال میں، دربارہ، علم غیب

(۱) عینی شرح بخاری۔ فتح الباری ارشاد الساری شرح بخاری۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ا کے ماتحت ہے۔

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلىٰ اَنَّه اَخبَرَ فِى المَجلِسِ الوَاحِدِ بِجَمِيعِ اَحوَالِ المَخلُوقَاتِ مِن اِبتَدَآء هَا اِلىٰ اِنتِهَائِهَا

اس حدیث میں دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں ساری مخلوقات کے سارے حالات کی از ابتداء تا انتہا خبر دے دی۔

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شرح شفا لملا علی قاری و زرقانی شرح مواہب۔ نسیم الریاض شرح شفا میں حدیث نمبر ۴ میں ہے۔

وَحَاصِلُـه اَنَّه طُوِىَ لَهُ الاَرضُ وَجَعَلَهَا مَجمُوعَةً كَهَيئَةِ كَفٍ فِيهِ مِرءَ ةٌ يَنظُرُ اِلىٰ جَمعِهَا وَطوَاهَا بِتَقرِيبِ بَعِيدِهَا اِلىٰ قَرِيبِهَا حَتّٰى اِطَّلَعتُ عَلىٰ مَافِيهَا

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کیلئے زمین سمیٹ دی گئی اور اسکو ایسا جمع فرمادیا گیا جیسے ہاتھ میں آئینہ ہو اور وہ شخص اس پورے آئینے کو دیکھتا ہے اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور والی کو قریب کر دیا اسکے قریب کیطرف۔ یہاں تک کہ ہم نے دیکھ لیا ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۵ کے ماتحت ہے۔

فَعَلِمتُ بِسَبَبِ وَصُولِ ذٰلِكَ الفَيضِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ يَعنِى مَا اَعلَمَهُ اللّٰهُ مِمَّا فِيهِمَا مِنَ المَلٰئِكَةِ وَالاَشجَارِ وَغَيرِهَا وَهُوَعِبَارَةٌعَن سِعَةِ عِلمِهٖ اَلَّذِى فَتَحَ اللّٰهُ وَقَالَ اِبنُ حَجَرٍاَى جَمِيعَ الكَائِنَاتِ الَّتِى فِى السَّمٰوٰتِ بَل وَمَا فَوقَهَا كَمَا يُستَفَادُ مِن قِصَّةِ المِعرَاجِ وَالاَرضِ هِىَ بِمَعنىٰ الجِنسِ وَجَمِيعَ مَا فِى الاَرضِينَ السَّبعِ بَل وَمَا تَحتَهَا كَمَا اَفَادَهٗ اِخبَارُهٗ عَلَيهِ السَّلَامُ عَنِ الثَّورِ وَالحُوتِ الَّذِى عَلَيهِمَا الاَرضُون

’’اس فیض کے پہنچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان لیں جو آسمانوں اور زمیں میں ہیں یعنی آسمان و زمین میں وہ چیزیں جو اللہ نے بتائیں فرشتے اور درخت وغیرہ یہ آپ کے اس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر فرمایا۔ ابن حجر نے فرمایا کہ جان لی وہ تمام مخلوقات جو آسمانوں (بلکہ جو اس کے اوپر ہے) جیسا کہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے اور زمین میں ہے اور تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمین بلکہ جو اس سے نیچے ہیں جیسا کہ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے جن میں حضور علیہ السلام نے گائے اور مچھلی کی خبر دی جن پر زمینیں قائم ہیں۔‘‘

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث ۵ کے ماتحت ہے۔

’’عبارت است از حصول تمام علوم جزوی وکلی واحاطہ آں‘‘ یہ حدیث تمام جزئی وکلی علموں کے حاصل ہونے اور اسکے احاطہ کا بیان ہے۔

(۷) اشعۃ اللمعات میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت بیان فرمایا۔

’’پس ظاہر شد مرا ہر چیز از علوم وشناختم ہمہ را‘‘ ہم پر ہر قسم کا علم ظاہر ہو گیا اور ہم نے سب کو پہچان لیا۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں اسی حدیث نمبر ۷ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَى اُظهِرَ وَكُشِفَ لِىَ الدُّنيَا بِحَيثُ اَحَطتُ بِجَمِيعِ مَا فِيهَا فَاَنَا اَنظُرُ اِلَيهَا وَاِلىٰ مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا اِلىٰ يَومِ القِيٰمَةِ كَاَنَّمَا اَنظُرُ اِلىٰ كَفِّى هٰذِهٖ اِشَارَةٌ اِلىٰ اَنَّه نَظَرَ حَقِيقَةً دُفِعَ بِهٖ اَنَّه اُرِيدَ بِالنَّظَرِ العِلمُ

’’یعنی ہمارے سامنے دنیا ظاہر کی گئی اور کھولی گئی کہ ہم نے اسکی تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا پس ہم اس دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا

ہے اسطرح دیکھ رہے ہیں جیسے کہ اس میں اسطرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حقیقۃً ملاحظہ فرمایا یہ احتمال دفع ہوگیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔

(۸) امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں زیر حدیث نمبر ۸ فرماتے ہیں۔

وَلَا شَکَّ اَنَّ اللہَ قَد اَطلَعَه اَزیَدَ مِن ذٰلِکَ وَاَلقٰی عَلَیهِ عِلمَ الاَوَّلِینَ وَالاٰخِرِینَ

''اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور کو اس سے بھی زیادہ پر مطلع فرمایا اور آپکو سارے اگلے پچھلے حضرات کا علم دیا۔''

ملا علی قاری مرقاۃ میں حدیث نمبر ۱۷ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

یُخبِرُکُم بِمَا مَضیٰ اَی سَبَقَ مِن خَبرِ الاَوَّلِینَ مِن قَبلِکُم وَمَا هُوَ کَائِنٌ بَعدَکُم اَی مِن نَبَا الاٰخِرِینَ فِی الدُنیَا وَمِن اَحوَالِ الاَجمَعِینَ فِی العُقبٰی

''تم کو حضور علیہ السلام اگلوں کی گذری ہوئی خبریں دیتے ہیں اور جو کچھ تمہارے بعد پچھلوں کی خبریں ہیں وہ بھی بتاتے ہیں۔ دنیاوی حالات اور آخرت کے سارے حالات۔''

(۹) مرقاۃ میں حدیث نمبر ۱۹ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فِیهِ مَعَ کَونِهٖ مِنَ المُعجِزَاتِ دَلَالَةٌ عَلیٰ اَنَّ عِلمَه عَلَیهِ السَّلَامُ مُحِیطٌ بِالکُلِیَّاتِ وَ الجُزئِیَاتِ مِنَ الکَائِنَاتِ وَغَیرِهَا

اس حدیث میں معجزہ ہونیکے ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم کلی اور جزئی واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔

محدثین کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کو اور اس میں ازل تا ابد ہونے والے واقعات کو اس طرح ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ جیسے کوئی اپنے ہاتھ میں آئینہ لے کر اس کو دیکھتا ہے اس عالم میں لوح محفوظ بھی ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ تمام اولین و آخرین یعنی انبیاء و ملائکہ و اولیاء کا علم آپ کو عطا فرمایا گیا۔ انبیاء میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت خضر علیہم السلام داخل ہیں۔ اور ملائکہ میں حاملین عرش اور حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں اور انکا علم تو سارے ماکان وما یکون کو محیط ہے۔ تو حضور کے علم کا کیا پوچھنا۔ اس وسعت علم میں علوم خمسہ بھی آگئے۔

چوتھی فصل

علمائے امت کے اقوال کے بیان میں دربارہ علم غیب

مدارج النبوۃ کے خطبہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

هُوَ الاَوَّلُ وَالاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ وَهُوَ بِکُلِّ شَیئٍ عَلِیمٌ (پارہ ۲۷ سورہ ۵۷ آیت ۳)

''وہ ہی اول ہے وہ ہی آخر وہ ہی ظاہر وہ ہی پوشیدہ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔''

یہ خدا کی حمد بھی ہے اور نعت مصطفیٰ علیہ السلام بھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ''وے صلی اللہ علیہ وسلم دانا است بہمہ چیز از شیونات واحکام الٰہی واحکام و صفات حق و اسماء و افعال و آثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودہ و مصداق فَوقَ کُلِّ ذِی عِلمٍ عَلِیم شد'' حضور علیہ السلام تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں اور انہوں نے خدائے پاک کی شانیں اس کے احکام حق تعالیٰ کے صفات اور افعال اور سارے ظاہری باطنی اول و آخر کے علوم احاطہ فرمالیا ہے۔

اسی مدارج جلد اول باب پنجم در ذکر فضائل آنحضرت صفحہ ۱۴۴ میں ہے۔ ''از زمان آدم تا نفخہ اولیٰ بروے علیہ السلام منکشف ساختند تا ہمہ احوال او وا از اول و آخر معلوم گردو و یاران خو درا نیز بعضے احوال خبر داد۔

حضرت آدم سے صور پھونکنے تک تمام حضور علیہ السلام پر ظاہر فرمادیا تاکہ اول سے آخر تک کے سارے حالات آپکو معلوم ہوجائیں اور حضور ﷺ نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔

علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔

وَقَد تَوَاتَرَتِ الاَخبَارُ وَاتَّفَقَت مَعَانِیهَا عَلیٰ اِطِّلَاعِهٖ عَلَیهِ السَّلَامُ عَلَی الغَیبِ وَلَا یُنَافِی الاٰیٰتِ الدَّالَّةِ عَلیٰ اَنَّه لَا یَعلَمُ الغَیبَ اِلَّا اللہُ لِاَنَّ المَنفِیَّ عِلمُه عَلَیهِ السَّلَامُ مِن غَیرِ وَاسِطَةٍ اَمَّا اِطِّلَاعُه عَلَیهِ بِاِعلَامِ اللہِ فَمُحَقَّقٌ بِقَولِهٖ تَعَالیٰ اِلَّا مَنِ ارتَضیٰ مِن رَّسُولٍ

احادیث اس پر متواتر ہیں اور انکے معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسئلہ ان آیتوں کے خلاف نہیں جو اس دلالت کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا کیونکہ جس غیب کی نفی ہے وہ علم بغیر واسطہ ہے (ذاتی) لیکن حضور کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے وہ

ثابت ہے، رب کے اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسول کے۔

شفا شریف میں قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ماخوذ از خرپوتی شرح قصیدہ بُردہ)۔

خَصَّ اللّٰہُ تَعَالیٰ بِہٖ عَلَیہِ السَّلَامُ بِالاِطِّلَاعِ عَلیٰ جَمِیعِ مَصَالحِ الدُّنیَا وَالدِّینِ وَمَصَالحِ اُمَّتِہٖ وَ کَانَ فِی الاُمَمِ وَمَاسَیکُونُ فِی اُمَّتِہٖ مِنَ النَّقِیرِ وَالقِطمِیرِ وَعَلیٰ جَمِیعِ فُنونِ المَعَارِفِ کَاَحوَالِ القَلبِ وَ الفَرَائِضِ وَ العِبَادَۃِ وَالحِسَابِ

’’اللہ نے حضور علیہ السلام کو خاص فرمایا تمام دینی ودنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرما کر اور اپنی امت کے مصلحت اور گذشتہ اُمتوں کے واقعات اور اپنی امت کے ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ پر خبردار فرمادیا۔ اور تمامی معرفت کے فنون پر مطلع فرمادیا جیسے دل کے حالات، فرائض عبادات اور علم حساب۔‘‘

فَاِنَّ مِن جُودِکَ الدُّنیَا وَضَرَّتَھَا وَمِن عُلُومِکَ عِلمُ اللَّوحِ وَالقَلَم

’’دنیا وآخرت آپ ہی کے کرم سے ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے۔‘‘

شرح قصیدہ بردہ مصنفہ علامہ ابراہیم بیجوری میں اس شعر کے ماتحت ہے۔

فَاِن قِیلَ اِذَا کَانَ عِلمُ اللَّوحِ وَالقَلَمِ بَعضَ عُلُومِہٖ عَلَیہِ السَّلَامُ فَمَا البَعضُ الاٰ خَرُ اُجِیبَ بِاَنَّ البَعضَ الاٰخَرَ ھُوَ مَااَخبَرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰے مِن اَحوَالِ الاٰ خِرَۃِ لِاَنَّ القَلَمَ اِنَّمَا کَتَبَ فِی اللَّوحِ مَاھُوَ کَائِنٌ اِلیٰ یَومِ القِیٰمَۃِ

’’اگر کہا جاوے کہ جب لوح وقلم کا علم حضور کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کون سے علوم ہیں جواب دیا جاویگا کہ وہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبردی کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہ ہی لکھا ہے جو قیامت تک ہونے والا ہے۔‘‘

ملا علی قاری حل العقد شرح قصیدہ بردہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَکَونُ عُلُومِھِمَا مِن عُلُومِہٖ عَلَیہِ السَّلَامُ اَنَّ عُلُومَہ تَتَنَوَّعُ اِلیٰ الکُلِیَّاتِ وَالجُزئِیَّاتِ وَ حَقَائِقَ وَ مَعَارِفَ وَعَوَارِفَ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَعِلمُھُمَا یَکُونُ نَھر اًمِن بُحورِ عِلمِہٖ وَحَرفًا مِن سُطُورِ عِلمِہٖ

’’اور لوح وقلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لئے ہیں کہ حضور کے علوم منقسم ہیں جزئیات اور کلیات اور حقائق اور معرفت اور ان معرفتوں کی طرف جس کا تعلق ذات اور صفات سے ہے لہذا لوح وقلم کا علم حضور کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور حضور علیہ السلام کے علم کی سطروں کا ایک حرف۔‘‘

ان عبارتوں نے فیصلہ فرمادیا کہ وہ لوح وقلم جن کے علوم کو قرآن نے فرمایا کہ۔

وَلَا رَطبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِی کِتَابٍ مُّبِینٍ ’’کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔‘‘

اس کے علوم علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندروں کا ایک قطرہ ہے تو معلوم ہوا کہ مَا کَانَ وَمَا یَکُون کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دفتر کا ایک نقطہ ہے۔

امام بوصیری صاحب قصیدہ بردہ اپنے دوسرے قصیدہ اُمّ القراط میں فرماتے ہیں۔

وَسَعَ العَالَمِینَ عِلمًا وَّ حِلمًا فَھُوَ بَحرٌ لَّم تَعِیھَا الاَعیَاء

’’حضور علیہ السلام نے اپنے علم واخلاق سے جہانوں کو گھیر لیا۔ پس آپ ایسے سمندر ہیں کہ اس کو گھیرنے والے نہ گھیر سکے۔‘‘

شیخ سلیمان جمل اس شعر کی شرح میں فتوحات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

اَی وَسَعَ عِلمُہ عُلُومَ العٰلَمِینَ الانسِ وَالجِنِّ وَالمَلٰٓئِکَۃِ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ اَطلَعَہ عَلَی العَالَمِ کُلِّہٖ فَعَلَّمَ عِلمَ الاَوَّلِینَ وَ الاٰ خِرِینَ وَمَا کَانَ وَ مَا یَکُونُ وَحَسبُکَ عِلمُہ عِلمُ القُراٰنِ وَقَد قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ مَا فَرَّطنَافِی الکِتٰبِ مِن شَیئٍ

’’یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن وانسان اور فرشتوں کے علم کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرمایا پس اگلے پچھلوں کا علم سکھایا اور ماکان وما یکون بتایا اور حضور علیہ السلام کے علم کے لئے علم قرآنی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔‘‘

امام ابن حجر مکی اس شعر کی شرح میں افضل القدیٰ میں فرماتے ہیں۔

لِاَنَّ اللہَ تَعَالٰے اطلَعَه عَلَی العَالَمِ فَعَلِمَ الاَوَّلِینَ وَ الاٰخِرِینَ وَمَا کَانَ وَمَایَکُونُ۔

’’کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جہان پر خبردار فرمایا پس آپ نے اولین و آخرین کو اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اس کو جان لیا‘‘ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ سارے جہان والوں کا علم حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ جہان والوں میں حضرت آدم و ملائکہ اور ملک الموت اور شیطان وغیرہ سب ہی ہیں۔ اور ملک الموت و شیطان کے لئے علم غیب تو دیوبندی بھی مانتے ہیں۔

امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

وَکُلُّهُم مِنَ رَّسُو لِ اللہِ مُلتَمِسٌ غَرفًا مِنَ البَحرِ اَدرَ شفًا مِنَ الدِّیَمِ

’’تمام رسول حضور علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں سمندر سے ایک چلّو یا تیز بارش سے چھینٹا۔‘‘

علامہ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اِنَّ جَمِیعَ الاَنبِیَآءِ کُلّ وَاحِدمِّنهُم طَلَبُوا وَاَخَذُ والعِلمَ مِن عِلمِهٖ عَلَیهِ السَّلَامُ اَلَّذِی کَالبَحرِ فِی السِّعةِوَالکَرَمِ مِن کَرَمِهٖ عَلَیهِ السَّلَامُ الَّذِی هُوَ کَالدِّیَمِ لِاَنَّه عَلَیهِ السَّلَامُ مُفِیضٌ وَهُم مُستَفَاضُونَ لِاَنَّه تَعَالیٰ خَلَقَ اِبتِدَاءً رُوحَه عَلَیهِ السَّلَامُ وَوَضَعَ عُلُومَ الاَنبِیَاءِ وَعِلمَ مَاکَانَ وَ مَایَکُونُ ثُمَّ خَلَقَهُم فَاَخَذُ و ا عُلُومَهُم مِنهُ عَلَیهِ السَّلَامُ

’’ہر نبی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور لیا جو وسعت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے کرم حضور ﷺ کے اس کرم سے حاصل کیا جو تیز بارش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فیض دینے والے ہیں اور وہ نبی فیض لینے والے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے اوّلاً حضور علیہ السلام کی روح پیدا فرمائی پھر اس روح میں نبیوں کے اور ماکان و مایکون کے علم رکھے پھر ان رسولوں کو پیدا فرمایا پس ان سب نے اپنے علوم حضور ﷺ سے لئے۔

حافظ سلیمان ابریز شریف صفحہ ۲۵۸ میں فرماتے ہیں۔

یَعلَمُ عَلَیهِ السَّلَامُ مِنَ العَرشِ اِلیٰ الفَرشِ وَیَطلِعُ عَلیٰ جَمِیعِ مَا فِیهَا وَهٰذَا العُلُومُ بِالنِسبَةِ اِلَیهِ عَلَیهِ السَّلَامُ کَاَلِفٍ مِن سِتِّینَ جُزءُ اَلَّتِی هِیَ القُراٰنُ العَزِیزُ

حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک کو جانتے ہیں اور جو کچھ ان میں ہے اسکی خبر رکھتے ہیں اور یہ سارے علوم حضور علیہ السلام کی نسبت سے ایسے ہیں جیسے الف ۶۰ جزو کی نسبت سے جو قرآن کریم ہیں۔

امام قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں۔

اَلنُبُوَّةُ مَاخُوذَةٌمِن النَّبَابِمَعنی الخَبَرِ اَی اَطلَعَه اللہُ عَلیَ الغَیبِ

’’نبوت بنا سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں خبر یعنی اللہ نے ان کو غیب پر خبردار فرمایا۔‘‘

مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۱۹۲ القسم الثانی فِیمَا اَخبَرَ بِهٖ عَلَیهِ السَّلَامُ مِنَ الغُیُوبِ میں ہے۔

لَا شَکَّ اَنَّ اللہَ تَعَالیٰ قَد اَطلَعَه عَلَی اَزیَدَمِن ذٰلِکَ وَاَلقیٰ عَلَیهِ عِلمَ الاَوَّلِینَ وَالاٰخِرِینَ

’’اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ پر اطلاع دی اور آپ پر اگلوں پچھلوں کا علم پیش کر دیا۔‘‘

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات شریف جلد اول مکتوب ۳۱۰ میں فرماتے ہیں۔

ہر علم کہ مخصوص بہ اوست سبحانہ، خاص رسل را اطلاع مے بخشد ’’مدارج النبوۃ جلد اول میں ہے۔‘‘ از بعضے صلحا از اہل فضل شنیدہ شدہ کہ بعضے از عرفا کتابے نوشتہ اثبات کردہ اند کہ آں حضرت را تمام علوم الٰہی معلوم ساختہ بودند وایں سخن بظاہر مخالف بسیارے از ادلہ است تا قائل آنچہ قصد باشد۔

جو علم رب تعالیٰ کیساتھ خاص ہے اس پر خاص رسولوں کو اطلاع دیتے ہیں۔ بعض علمائے صالحین میں سے سنا گیا ہے کہ بعض عارفین نے کوئی کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو تمام علوم الٰہیہ معلوم کرا دیئے گئے تھے۔ یہ کلام بظاہر تو بہت سے دلائل کے خلاف ہے نہ معلوم کہ قائل نے اس سے کیا مراد لی ہے۔

یہ عبارت اس لئے پیش کی گئی کہ بعض لوگوں نے حضور علیہ السلام کا علم خدا کے علم کے برابر مانا اور فرق صرف ذاتی اور عطائی کا جانا۔ مگر شیخ عبدالحق نے ان کو مشرک نہ مانا۔ بلکہ عارف کہا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم غیب ماننا شرک نہیں۔ میر زاہد رسالہ کے خطبہ میں ہے۔ کَانَ صَوَادِقُ التَّصدِیقَاتِ بِطَبَائِعِهَامُتَوَجِّهَةًاِلیٰ حَضرَتِهِ الاَقدَسِ وَحَقَائِقُ التَّصَوُّرَاتِ بِاَنفُسِهَا مَائِلَةً اِلیٰ جَنَابِ المُقَدَّسِ فَرُوجُه المعَلیٰ مَرکَزَالمَعقُولَاتِ تَصَوُّرَاتِهَا وَتَصدِیقَاتِهَا وَنَفسُه العُلیَا

مَنبَعِ العَقلِیَّاتِ نَظرِیَّاتِھَا وَفِطرِیَّا تِھَا اس کی شرح لواء الہدیٰ مصنفہ غلام یحیٰی میں اس عبارت کے ماتحت ہے **فَـدَاتُہ عَلَیہِ السَّلاَمُ جَامِعٌ بَیـنَ جَمِیعِ اَنحاءِ العُلُومِ** سبحان اللہ اس عبارت نے پردے اٹھادیئے۔ منطقیوں نے بھی بارگاہ نبوت میں پیشانی رگڑ دی۔

مولانا بحر العلوم عبد العلی لکھنوی علیہ الرحمۃ خطبہ حواشی میر زاہد رسالہ میں فرماتے ہیں۔

عَلَّـمَہ عُلُوماً مَاحتَوٰی عَلَیہِ العِلمُ الاَ علیٰ وَمَا استَطَاعَ عَلیٰ اِحَاطَتِھَا اللَّوحُ الاَ وفی لَم یَلِدِ الدَّھرُ مِثلَہ مِنَ الاَ زَلِ وَلَم یُولَد اِلَی الاَبَدِفَلَیسَ لَہ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ کُفُوًا اَحَدٌ

’’حضور علیہ السلام کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علم اعلیٰ بھی مشتمل نہیں اور جس کے گھیرے نے پر لوح محفوظ قادر نہیں نہ تو آپ کی مثل زمانے میں پیدا ہوا ازل سے اور نہ ابد تک ہو اور آسمانوں و زمین میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔‘‘

علامہ شنوائی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں۔

قَد وَرَدَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ لَم یُخرِجِ النَّبِیَّ عَلَیہِ السَّلاَمُ حَتّیٰ اَطلَعہ عَلیٰ کُلِّ شَیٔ۔

’’یہ وارد ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے نہ نکالا یہاں تک کہ آپکو ہر چیز پر مطلع فرمادیا۔‘‘

شرح عقائد نفسی صفحہ ۱۷۵ میں ہے۔

بِـالجُـملَةِ العِـلـمُ بِالغَیبِ اَمرٌ تَفَرَّدَبِہ اللّٰہُ تَعَالیٰ لاَ سَبِیلَ اِلَیہِ لِلعِبَادِ اِلاَّ بِاعلاَمٍ مِنہ اَواِلھَامًا بِطَرِیقِ المُعجِزَةِ اَوِالکَرَامَةِ

’’خلاصہ یہ ہے کہ غیب جاننا ایک ایسی بات ہے، جو خدا سے خاص ہے بندوں کو اس تک کوئی راہ نہیں بغیر رب کے بتائے یا الہام فرمائے معجزے یا کرامت کے طریقہ پر۔‘‘

درمختار شروع کتاب الحج میں ہے۔

فُـرِضَ الـحَـجُّ سَـنَةَ تِسعٍ وَاِنَّمَا اَخَّرَہ عَلَیہِ السَّلاَمُ بِعَشَرٍ لِعُذرٍ مَعَ عِلمِہ بِبَقَاءِ حَیَاتِہ لِیَکمَلَ التَبلِیغُ

’’حج سنہ ۹ھ میں فرض ہوا اور حضور علیہ السلام نے اس کو سنہ ۱۰ھ تک موخر فرمایا کسی عذر کی وجہ سے اور حضور علیہ السلام کو اپنی زندگی پاک کے باقی رہنے کا علم بھی تھا۔ تاکہ تبلیغ پوری ہو جائے۔‘‘

اس عبارت سے معلوم کہ کب وفات ہوگی اس کا جاننا علوم خمسہ سے ہے مگر حضور علیہ السلام کو اپنی وفات کی خبر تھی۔ کہ سنہ ۹ھ میں نہ ہوگی۔ اسی لئے اس سال حج نہ فرمایا۔ ورنہ حج فرض ہوتے ہی اس کا ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ ہم کو موت کی خبر نہیں۔

خرپوتی نے شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت بیان فرمایا۔

وَوَاقِفُونَ لَـدَیـہِ عِندَ حَدِّ ھِم وَفِی حَدِیثٍ یُروی عَن مُعَاوِیَةَ اَنَّہ کَانَ یَکتُبُ بَینَ یَدَیہِ عَلَیہِ السَّلاَمُ فَقَـالَ لَـہ اَلـقِ الـدَّوَاةَ حَرِّفِ القَلَمَ وَ اَقِمِ البَاءَ وَفَرِّقِ السِّینَ وَلاَ تُعَوِّرِ المِیمَ مَعَ اَنَّہ عَلَیہِ السَّلاَمُ لَم یَکتُب وَلَم یَقرَءِ مِن کِتَابِ الاَوَّلِینَ

’’حضرت امیر معاویہ سے حدیث مروی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے سامنے لکھا کرتے تھے۔ پس حضور علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ دوات اس طرح رکھو۔ قلم کو پھیرا، ب کو سیدھا کرو، سین میں فرق کرو۔ اور میم کو ٹیڑھا کرو۔ باوجودیکہ حضور علیہ السلام نے لکھنا نہ سیکھا اور نہ اگلوں کی کتاب پڑھی۔‘‘

تفسیر روح البیان میں زیر آیت **وَلاَ تَخُطُّ بِیَمِینِکَ** ہے۔

حضور علیہ السلام خطوں کو جانتے تھے اور اسکی خبر بھی دیتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام علم خط بھی بخوبی جانتے تھے۔ اسکی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن بآیات القرآن میں دیکھو۔

مثنوی شریف میں ہے۔

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء　　تا بہ بینی ز ابتدا تا انتہا
کاملاں از دور نامت بشنوند　　تابقعر تار و پودت در روند
بلکہ پیش از زادن تو سالہا　　دیدہ باشندت بچندیں حالہا

حال تو دانیک یک موبمو　　زانکہ پر ہستند از اسرار ہُو

اسی مثنوی شریف میں مولانا کفار قیدیوں کا ایک واقعہ نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

بنگرم سر عالم بینم نہاں　　آدم و حوا نرستہ از جہاں
من شمارا وقت ذرات الست　　دیدہ پابستہ و منکوس و پست
از حدوث آسمان بے عمد　　آنچہ دانستہ بدم افزوں نہ شد

یعنی ہم سارے جہان کو اس وقت سے دیکھ رہے ہیں جب آدم وحوا پیدا بھی نہ ہوئے تھے اے کافر قیدیوں ہم نے تمہیں یثاق کے دن مومن اور نمازی دیکھا تھا۔ اس لئے تمہیں قید کیا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ بے ستون آسمان کی پیدائش ہم نے دیکھی ہے اس کچھ نہ زیادہ ہوا۔ علمائے کرام کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے سارے انبیاء ملائکہ سے زیادہ علوم عطا فرمائے لوح محفوظ وقلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علموں کا قطرہ ہے اور عالم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس چشم حق بین سے مخفی رہی ہو۔

پانچویں فصل

مخالفین کی تائید کے بیان میں

اب تک تو موافقین کی عبارات سے علم، غیب حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کیا گیا۔ اب مخالفین کے اکابر کی وہ عبارات پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے مسئلہ علم غیب بخوبی حل ہو جاتا ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحب شمائم امدادیہ صفحہ ۱۱۰ میں فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء واولیاء کو نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں۔ دریافت وادراک مغیبات کا ان کو ہوتا ہے۔ اصل میں یہ علم حق ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کو حدیبیہ اور حضرت عائشہ کے معاملات کی خبر نہ تھی۔ اس کو دلیل اپنے دعوٰی کی سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے۔ (ماخوذ از انوار غیبیہ صفحہ ۲۵)

مولوی رشید احمد گنگوہی لطائف رشیدیہ صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہ السلام کو ہر دم مشاہدہ امور غیبیہ اور تیقظ (حضور حق تعالیٰ کا رہتا ہے) كَمَا قَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامَ لَو تَعلَمُونَ مَا اَعلَمُ لَضَحِکتُم قَلِیلاً وَّلَبَکَیتُم کَثِیرًا اور فرمایا اِنِّی اَریٰ مَا لاَ تَرَونَ (انوار غیبیہ صفحہ ۳۲)

مولوی اشرف علی تھانوی تکمیل الیقین مطبوعہ ہندوستان پرنٹنگ پریس صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل واولیاء غیب اور آئندہ کی خبر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب خدا غیب اور آئندہ کے حوادثات کو جانتا ہے اس لئے کہ ہر حادث اس کے علم سے اسی کے ارادے کے متعلق ہونے سے اسی کے فعل سے پیدا ہوتا ہے تو پھر اس سے کون امر مانع ہو سکتا ہے۔ کہ یہ ہی خدا ان رسل واولیاء میں سے جسے چاہے اسے غیب یا آئندہ کی خبر دے دے۔ اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں کہ فطرت انسانی کا یہ مقتضٰی نہیں کہ وہ بذاۃ اور خود مغیبات میں سے کسی شے کو جان سکے لیکن اگر خدا کسی کو بتادے تو اس کو کون روک سکتا ہے۔ پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ خدا کے بتائے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ اوروں کو خبر دیتے ہیں۔ ان میں سے ایسا کوئی نہیں جو بذاۃ علم غیب کا دعوٰی کرتا ہو۔ چنانچہ شریعت محمدیہ بالذات علم غیب کے دعوٰی کرنے کو اعلیٰ درجہ کے ممنوعات میں شمار کرتی ہے۔ اور جو اس کا دعوٰی کرے اس کو کافر بتاتی ہے۔

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی تحذیر الناس کے صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں۔ علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علم رسول اللہ میں مجتمع ہیں۔ اسی طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء بالعرض ہیں۔

اس آخری عبارت پر غور کرنا چاہیئے کہ مولوی قاسم صاحب نے حضور علیہ السلام میں اولین اور آخرین کا علم جمع مانا ہے۔ اور اولین میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت ابراہیم علیہم السلام اسی طرح سارے ملائکہ حاملان عرش وحاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ان سب کے علوم سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہونا چاہیئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

چھٹی فصل

علم غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علم غیب کے بیان میں

چند عقلی دلائل سے بھی علم ماکان وما یکون کا ثابت ہے وہ دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الٰہیہ کے وزیر اعظم بلکہ اعظم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔ تو حضور علیہ السلام اس سلطنت کے خلیفہ اعظم اور زمین میں نائب رب العٰلمین ہیں۔ اور سلطنت کے مقرر کردہ حاکم میں دو وصف لازم ہیں۔ ایک تو علم دوسرے اختیارات۔ اس دنیاوی سلطنت کے حکام جس قدر بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی قدر ان کی معلومات اور اختیارات زیادہ ہوتے ہیں۔ کلکٹر کو سارے ضلع کا علم واختیارات۔ وائسرائے کو سارے ملک کے متعلق علم واختیارات ضروری ہیں کہ ان دوصفوں کے بغیر وہ حکومت کر ہی نہیں سکتا۔ اور سلطانی قانون رعایا میں جاری ہی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرات انبیاء میں جن کا جس قدر بڑا درجہ اسی قدر ان کے اختیارات اور علم زیادہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کو رب العالمین نے ان کے علم ہی سے ثابت فرمایا کہ چونکہ ان کو اتنا وسیع علم دیا ہے وہ ہی خلافت الٰہیہ کے لئے موزوں ہیں پھر ملائکہ سے سجدہ کرانا ان کے اختیارات خصوصیہ کا ثبوت تھا کہ ملائکہ بھی ان کے سامنے جھک گئے۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم کے نبی اور عرش وفرش کے لوگ آپ کے امّتی ہیں۔ لہذا ضروری تھا کہ آپ کو تمام انبیاء سے زیادہ علم اور زیادہ اختیارات دیئے جاویں۔ اسی لئے بہت سے معجزات دکھائے گئے۔ چاند اشارے سے پھاڑا۔ ڈوبا ہوا سورج واپس فرمایا۔ بادل کو حکم دیا۔ پانی برسا، پھر حکم دیا۔ کھل گیا۔ یہ سب اپنے خداداد اختیارات کا اظہار تھا۔

۲) مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں لکھا ہے کہ انبیاء امّت سے علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ رہا عمل۔ اس میں بظاہر کبھی امّتی نبی سے بڑھ جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ عمل میں امّتی نبی سے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر علم میں نبی کا زیادہ ہونا ضروری ہے اور حضور علیہ السلام کے امّتی تو ملائکہ بھی ہیں لِيَكُونَ لِلعٰلَمِينَ نَذِيراً تو علم میں حضور علیہ السلام کا ملائکہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے ورنہ پھر حضور علیہ السلام کس وصف میں امّت سے افضل ہوں گے اور ملائکہ حاضرین لوح محفوظ کو تو ماکان وما یکون کا علم ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ علم ہو۔

۳) چند سال کامل استاد کی صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام قبل ولادت پاک کروڑوں برس رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہے تو حضور کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ روح البیان نے لَقَد جَاءَكُم کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت جبریل نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ایک ستر ہزار سال بعد چمکتا تھا۔ اور میں نے اسے بہتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا۔ فرمایا وہ تارا ہم ہی تھے۔ حساب لگالو۔ کتنے کروڑ برس دربار خاص میں حاضری رہی۔

۴) اگر شاگرد کے علم میں کچھ کمی رہے تو اس کی صرف چار ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اولاً تو یہ کہ شاگرد نا اہل تھا۔ استاد سے پورا فیض لے نہ سکا۔ دوم یہ کہ استاد کامل نہ تھا کہ مکمل سکھا نہ سکا۔ سوم یہ کہ استاد یا بخیل تھا کہ پورا پورا علم اس شاگرد کو نہ دیا یا اس زیادہ کوئی اور پیارا شاگرد تھا کہ اس کو سکھانا چاہتا ہے۔ چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی وہ ناقص تھی۔ ان چار وجہوں کے سوا اور کوئی وجہ ہو سکتی ہی نہیں یہاں سکھانے والا پروردگار سیکھنے والے محبوب ﷺ۔ کیا سکھایا قرآن اور اپنے خاص علوم بتاؤ آیا رب تعالیٰ کامل استاد نہیں۔ یا رسول اللہ علیہ السلام لائق شاگرد نہیں؟ حضور علیہ السلام سے زیادہ کوئی اور پیارا ہے؟ یا کہ قرآن مکمل نہیں؟ جب ان میں سے کوئی بات نہیں۔ رب تعالیٰ کامل عطا فرمانے والا محبوب علیہ السلام کامل لینے والے۔ قرآن کریم کامل کتاب۔ اَلرَّحمٰنُ عَلَّمَ القُرآن وہ ہی سب سے زیادہ مقبول بارگاہ۔ پھر علم کیوں ناقص۔

۵) رب تعالیٰ نے ہر بات لوح محفوظ میں کیوں لکھی۔ لکھنا تو اپنی یادداشت کے لئے ہوتا ہے کہ بھول نہ جائیں۔ یا دوسروں کے بتانے کے لئے رب تعالیٰ تو بھول سے پاک لہذا اس نے دوسروں ہی کے لئے لکھا اور حضور علیہ السلام تو دوسروں سے زیادہ محبوب لہذا وہ تحریر حضور کے لئے ہے۔

۶) غیبوں کی غیب رب تعالیٰ کی ذات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا فرمائی تو فرما دیا گیا۔ لَن تَرَانِي تم ہم کو نہ دیکھ سکو گے۔ جب محبوب علیہ السلام نے رب ہی کو معراج میں اپنی ان ظاہری مُبارک آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو عالم کیا چیز ہے جو آپ سے چھپ سکے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا　　جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

دیدار الٰہی کی بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الایمان بالقدر فصل اوّل کے آخر میں ہے۔

كَمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ رَاٰهُ فِي الدُّنيَا لِا نقِلَابِهٖ بِهٖ نُورًا

’’حضور علیہ السلام نے دنیا میں رب کو دیکھا۔ کیونکہ خود نور ہو گئے تھے۔‘‘

۷) شیطان دنیا کا گمراہ کرنے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہادی۔ گویا شیطان وبائی بیماری ہے۔ اور نبی علیہ السلام طبیب مطلق۔ رب تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے اتنا وسیع علم دیا کہ دنیا کا کوئی شخص اس کی نگاہ سے غائب نہیں۔ پھر اسے یہ بھی خبر ہے کہ کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں۔ اور جو گمراہ ہو سکتا ہے۔ وہ کس حیلہ سے۔ ایسے ہی وہ ہر دین کے ہر مسئلہ سے خبردار ہے اس لئے ہر نیکی سے روکتا ہے۔ ہر برائی کراتا ہے۔ اس نے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ **لَاُغْوِ یَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ** جب گمراہ کرنے والے کو اتنا علم دیا گیا۔ تو ضروری ہے کہ دنیا کے طبیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دینے کے لئے اس کہیں زیادہ علم والے ہوں کہ آپ ہر شخص کو اس کی بیماری کو اس کی استعداد کو اس کے علاج کو جانیں۔ ورنہ ہدایت مکمل نہ ہو گی۔ اور رب تعالیٰ پر اعتراض پڑے گا کہ اس نے گمراہ کرنے والے کو قوی کیا اور ہادی کو کمزور رکھا۔ لہٰذا گمراہی تو کامل رہی اور ہدایت ناقص۔

۸) رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے خطاب سے پکارا **یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ** اور نبی کے معنی ہیں۔ خبر دینے والا۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو ہر مولوی نبی ہے اور اگر دنیا کے واقعات مراد ہوں تو ہر اخبار۔ ریڈیو، خط، تار بھیجنے والا نبی ہو جاوے۔ معلوم ہوا کہ نبی میں خبریں معتبر ہیں یعنی فرشتوں کی اور عرش کی خبر دینے والا جہاں تار، اخبار کام نہ آسکیں۔ وہاں نبی کا علم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل ہے۔ یہاں تک تو حضور علیہ السلام کے علم غیب کی بحث تھی۔ اب یہ بھی جاننا چاہئے کہ حضور علیہ السلام کے صدقے سے اولیائے کرام کو بھی علم غیب دیا جاتا ہے۔ مگر ان کا علم نبی علیہ السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور ان کے علم کے سمندر کا قطرہ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تالیف شیخ ابو عبداللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔

اَلْعَبْدُ یَنقُلُ فِی الْاَحْوَالِ حَتّٰی یَصِیْرَ اِلٰی نَعْتِ الرُّوْحَانِیَّۃِ فَیَعْلَمُ الْغَیْبَ

بندہ حالات میں منتقل ہوتا رہتا ہے یہانتک کہ روحانیت کی صفت پالیتا ہے۔ پس غیب جانتا ہے۔

اسی کتاب مرقاۃ میں کتاب عقائد سے نقل فرمایا۔

یَطَّلِعُ الْعَبْدُ عَلٰی حَقَائِقِ الْاَشْیَاءِ وَیَتَجَلّٰی لَہُ الْغَیْبُ وَغَیْبُ الْغَیْبِ.

’’کامل بندہ چیزوں کی حقیقتوں پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس پر غیب اور غیب الغیب کھل جاتے ہیں۔‘‘

مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۶ **بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ وَفَضْلِھَا** میں فرماتے ہیں۔

اَلنُّفُوْسُ الزَّکِیَّۃُ الْقُدْسِیَّۃُ اِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِیَّۃِ عَرَجَتْ وَاتَّصَلَتْ بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰی وَلَمْ یَبْقَ لَہٗ حِجَابٌ فَتَرَی الْکُلَّ کَالْمُشَاھِدِ بِنَفْسِھَا اَوْ بِاِخْبَارِ الْمَلَکِ لَھَا

’’پاک وصاف نفس جبکہ بدنی علاقوں سے خالی ہو جاتے ہیں تو ترقی کر کے بزم بالا سے مل جاتے ہیں اور ان پر کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ پس وہ تمام چیزوں کا مثل محسوس وحاضر کے دیکھتے ہیں خواہ تو اپنے آپ یا فرشتہ کے الہام سے۔‘‘

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی سورہ جن میں فرماتے ہیں۔ ’’اطلاع بر لوح محفوظ و دیدن نقوش نیز از بعضے اولیاء بتواتر است۔‘‘ ’’لوح محفوظ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بھی بطریق تواتر منقول ہے۔

امام ابن حجر کی کتاب الاعلام میں اور علامہ شامی سل الحسام میں فرماتے ہیں۔

اَلْخَوَاصُّ یَجُوْزُ اَنْ یَعْلَمَ الْغَیْبَ فِیْ قَضِیَّۃٍ اَوْ قَضَاءٍ کَمَا وَقَعَ لِکَثِیْرٍ مِّنْھُمْ وَاشْتَھَرَ

’’جائز ہے کہ خاص خاص حضرات کسی معاملہ یا فیصلے میں غیب جان لیں جیسا کہ بہت سے اولیاء اللہ سے واقع ہوا اور یہ مشہور بھی ہو گیا۔‘‘

شاہ ولی اللہ صاحب الطاف القدس میں فرماتے ہیں۔

’’نفس کلیہ بجائے جسد عارف مے شود و ذات و عارف بجائے روح او وہمہ عالم بعلم حضوری مے بیند۔‘‘

عارف کا نفس بالکل جسم بن جاتا ہے اور عارف کی ذات بجائے روح کے ہو جاتی ہے وہ تمام عارف کو علم حضوری سے دیکھتا ہے۔

زرقانی شرح مواہب جلد ۷ صفحہ ۲۲۸ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ فِیْ لَطَائِفِ الْمِنَنِ اِطِّلَاعُ الْعَبْدِ عَلٰی غَیْبٍ مِّنْ غُیُوْبِ اللہِ بِدَلِیْلِ خَبَرِ اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَۃِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللہِ لَا یُسْتَغْرَبُ وَھُوَ مَعْنٰی کُنْتُ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ فَمَنَ الْحَقِّ بَصَرُہٗ فَاِطِّلَاعُہٗ عَلَی الْغَیْبِ لَا یُسْتَغْرَبُ

‘‘لطائف المنن میں فرمایا کہ کامل بندے کا اللہ کے غیبوں میں سے کسی غیب پر مطلع ہو جانا عجیب نہیں اس حدیث کی وجہ سے کہ مومن کی دانائی سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور یہ ہی اس حدیث کے معنےٰ ہیں کہ رب فرماتا ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس اسکا دیکھنا حق کی طرف سے ہوتا ہے لہذا اس غیب پر مطلع ہونا کچھ عجیب بات نہیں۔’’

امام شعرانی الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں۔

لِلمُجتَهِدِینَ القَدَمُ عُلُومِ الغَیبِ ‘‘غیبی علوم میں مجتہدین کا قدم مضبوط ہے۔’’

حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

نَظَرتُ اِلیٰ بِلاَدِ اللهِ جَمسعًا

‘‘ہم نے اللہ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا۔’’

کَخَر دَلَته عَلیٰ حُکمِ اِتِّصالی

‘‘جیسے چندرائی کے دانہ ملے ہوئے ہوں۔’’

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ذبدۃ الاشرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

قَا لَ رَضِیَ اللهُ عَنهُ یَا اَبطَالُ یَااَبطَالُ هَلُمنُووَخُذُ واعَن هٰذَا البَحرِ الَّذی لاَ سَاحِلَ له وَعِزَّةِ رَبِّی اِنَّ السُعَدَاءَ وَالاَشقِیَاءَ یُعرَضُونَ عَلَیَّ وَاَنَّ بُو بُو ءَ ةَعَینِی فِی اللَّوحِ المَحفُوظِ وَاَنَاْغَائِضٌ فِی بِحارِ عِلم اللهِ

‘‘اے بہادر اے فرزندو! آؤ اس دریا سے کچھ لے لو۔ جسکا کنارہ ہی نہیں۔ قسم ہے اپنے رب کی کہ تحقیق نیک بخت اور بد بخت لوگ مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں اور ہمارا گوشہ چشم لوح محفوظ رہتا ہے اور میں اللہ کے علم کے سمندروں میں غوطے لگا رہا ہوں۔’’

مولانا جامی نفحات الانس میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیہ قدس سرہٗ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ گفتہ اند کہ زمین در نظر این طائفہ چوں سفرہ ایست و ما می گویم کہ چوں ناخنے است ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست۔

‘‘حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اس گروہ اولیاء کی نظر میں زمین دسترخوان کی طرح ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی طرح ہے کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔’’

امام شعرانی کبریت احمر میں فرماتے ہیں۔

وَاَمَّاشَیخُنَا السَّیِّدُعَلیُ الخَوَّاصُ رَضِیَ اللهُ عَنه فَسَمِعتُه یَقُولُ لاَ یَکمُلُ الرَّجُلُ عِندَنَا حَتّٰی یَعلَمَ حَرَکَاتِ مُرِیدِهٖ فِی اِنتِقَالِهٖ فِی الاَصَلاَبِ وَهُوَ مِن یَومِ اَلَستُ اِلیٰ اِستِقرَارِهٖ فِی الجَنَّةِ اَو فِی النَّارِ

‘‘ہم نے اپنے شیخ سید علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کوئی مرد کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مرید کی حرکات نسبی کو نہ جان لے۔ یوم میثاق سے لے کر اس کے جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک کو۔’’

شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اِنَّه یَنجَذِبُ اَلیٰ حَبِّزِ الحَقِ فَیَصِیرُ عَبدَ اللهِ فَیَتَجَلّیٰ لَه کُلُّ شَیٔی

‘‘پھر وہ مرد عارف بارگاہ حق کیطرف جذب ہو جاتے ہیں پس وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں اور انکو ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔’’

مشکوٰۃ جلد اول کتاب الدعوات باب ذکر اللہ والتقرب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بروایت بخاری۔

فَاِذَا اَحبَبتُه فَکُنتُ سَمعَهُ الَّذِی یَسمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِی یَبصُرُبِهٖ وَیَدَهُ الَّذِی یَبطِشُ بِهَاوَ رِجلَهُ الَّذِی یَمشِی بِهَا

‘‘رب تعالیٰ فرماتا ہے پس جبکہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے چلتا ہے۔’’

یہ بھی خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام والیاس علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں۔ اور یہ حضرات اب امت مصطفیٰ علیہ السلام کے ولی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے وہ بھی اس امت کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے۔ ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی امت کے اولیاء کے علوم ہیں۔

دوسرا باب

علم غیب پر اعتراضات کے بیان میں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل ان آیات قرآنیہ کے بیان میں جو مخالفین پیش کرتے ہیں دوسری فصل احادیث کے بیان میں تیسری فصل اقوال علماء فقہا کے بیان میں۔ چوتھی فصل عقلی اعتراضات کے بیان میں۔

اس بات کے شروع سے پہلے بطور چند ضروری بحثیں قابل غور ہیں۔

۱) جن آیات واحادیث یا اقوال فقہاء میں حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی ہے ان میں یا تو ذاتی علم مراد ہے یا تمامی معلومات یعنی رب تعالیٰ کے معلومات کے برابر عطائی علم کی نفی نہیں ورنہ پھر آیات واحادیث میں جو ہم اثبات میں بیان کر چکے ہیں مطابقت کیوں کر ہو گی۔

علامہ ابن حجر فتاوی حدیثیہ میں اس قسم کے تمام دلائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔

مَعنَاھَا لَا یَعلَمُ ذٰلِکَ اِستِقلَالاً وَّعِلمَ اِحَاطَۃٍ اِلَّا اللّٰہُ تَعَالیٰ اَمَّا المُعجِزَاتُ وَالکَرَامتُ فَبِاِعلَامِ اللّٰہِ تَعَالیٰ

”ان کے معنے یہ ہیں کہ مستقل طور پر (ذاتی) اوراحاطہ کے طور پر کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن معجزات اور کرامات پس وہ خدا کے بتانے سے ہوتے ہیں۔“

مخالفین کہتے ہیں کہ جن دلائل میں علم غیب کا ثبوت ہے اس سے مراد مسائل دینیہ کا علم ہے۔ اور جن میں نفی ہے ان سے مراد باقی دنیاوی چیزوں کے علوم ہیں۔ مگر یہ توجیہ ان آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ واقوال علمائے امت کے خلاف ہے۔ جو ہم نے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا علم۔ اسی طرح لوح محفوظ کا علم سب ہی چیزوں کو شامل ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ تمام عالم ہمارے سامنے مثل ہاتھ کے ہے لہذا یہ توجیہ بالکل باطل ہے۔

۲) مخالفین کے پیش کردہ دلائل کہ رب فرماتا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا حضور فرماتے ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا یا فقہا فرماتے ہیں کہ جو غیر خدا کے لئے علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ وہ خود مخالفین کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض علوم غیبیہ کے تو وہ بھی قائل ہیں۔ صرف جمیع ما کان وما یکون میں اختلاف ہے ان آیات واقوال فقہا سے تو یہ بھی نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ اگر ایک بات کا بھی علم مانا۔ ان دلائل کے خلاف ہوا۔ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ ان دلائل میں کل علم غیب کی نفی ہے نہ کہ بعض کی تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ کیونکہ ما کان وما یکون علم الٰہی کے سمندروں کا قطرہ ہے۔ ہم بھی حضور علیہ السلام کے لئے علوم الٰہیہ کے مقابلہ میں بعض ہی علم کے قائل ہیں۔

۳) مخالفین کہتے ہیں کہ علم غیب خدا کی صفت ہے لہذا غیر خدا کے لئے ماننا کفر ہے اس کفر میں وہ بھی داخل ہو گئے۔ کیونکہ صفت الٰہیہ میں اگر ایک میں شرکت مانی تو کفر ہوا جو شخص عالم کی ایک چیز کا خالق کسی بندے کو مانے وہ بھی بے دین ہے۔ تمام عالم کا خالق کسی کو مانے تو بھی کافر اور وہ بھی بعض علم غیب تو حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ پھر کفر سے کیسے بچے ہاں یہ کہو کہ ذاتی علم خدا کی صفت عطائی علم حضور علیہ السلام کی صفت لہذا شرک نہ ہوا، یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

پہلی فصل

آیات قرآنیہ کے بیان میں

ا) قُل لَّا اَقُولُ لَکُم عِندِی خَزَائِنُ اللہِ وَلَا اَعلَمُ الغَیبَ (پارہ۷سورہ۶ آیت۵)

''تم فرمادو کہ تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہو کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔''

اس آیت کی چار توجیہیں مفسرین نے کی ہیں اولاً تو یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔ دوم یہ کہ کل علم کی نفی ہے۔ تیسرے یہ کہ کلام تو صغ انکسار کے طور پر بیان فرمادیا گیا ہے۔ چہارم یہ کہ آیت کے معنٰی یہ ہیں میں دعوے نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعوٰی علم غیب کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی،

ملاحظہ ہوں تفاسیر۔

تفسیر نیشا پوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

یَحتَمِلُ اَن یَّکُونَ وَلَا اَعلَمُ الغَیبَ عَطفًا عَلٰی لَا اَقُولُ لَکُم اَی قُل لَّا اَعلَمُ الغَیبَ فَیَکُونُ فِیہِ دَلَالَۃُ اَنَّ الغَیبَ بِا لا ستِقلَالِ لَا یَعلَمُہ اِلَّا اللہُ

''اس آیت میں یہ احتمال بھی ہے کہ لا اعلم کا عطف لا اقول پر ہو یعنی اے محبوب فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا تو اس میں دلالت اس پر ہوگی کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔''

تفسیر بیضاوی یہ ہی آیت۔

لا اعلَمُ الغَیبَ مَالَم یُوحَ اِلَیَّ اَولَم یَنتَصِب عَلَیہِ دَلِیلٌ

''میں غیب نہیں جانتا جب تک اسکی مجھ پر وحی نہ کی جاوے یا کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔''

یا اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَولُہ لا اَعلَمُ الغَیبَ یَدُلُ عَلٰی اِعتِرَافِہٖ بِاَنَّہ غَیرُ عَالِمٍ بِکُلِّ ِ المَعلُومَاتِ

''یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے۔''

یا یہ کلام بطور تواضع وانکسار فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَاِنَّمَا نَفٰی عَن نَفسِہِ الشَّرِیفَۃِ ھٰذِہٖ الاَشیَاءَ تَوَاضُعًا تَعَالٰی وَاِعتِرَافًا لَلعُبُودِیَۃِ فَلَستُ اَقوَلُ شَیئًا مِن ذَالِکَ وَلَا اَدَّعِیہِ

''حضور علیہ السلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کریمہ سے نفی فرمائی رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار فرماتے ہوئے یعنی میں اسمیں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعوٰی نہیں کرتا۔''

تفسیر عرائس البیان میں ہے۔

وَتَوَاصَنَع حِینَ اَقَامَ نَفسَہ مَقَامَ الا نسَانِیَۃِ بَعدَ اَن کَانَ اَشرَفَ خَلقِ اللہِ مِنَ العَرشِ اِلَی الثَّرٰی وَ اَطھَرَ مِنَ الکَرُ وبِیِّنَ وَالرُّ وحَانِیِّینَ خُضُوعًا لِجَبَرُوتِہٖ وَخُشُوعًا لِمَکُوتِہٖ

''حضور علیہ السلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیت کی جگہ میں رکھا ورنہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق میں اشرف ہیں اور ملائکہ اور روحانیین سے زیادہ ستھرے ہیں۔ حق تعالٰی کی شان جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر اسکی سطوت کے سامنے پستی کے اظہار کے طریقہ پر یہ فرمایا۔ یہ دعوٰی علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعوٰی نہیں کرتا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے۔

اَی لا اَدَّعِی القُدرَۃَعَلٰی کُلِّ المَقدُورَاتِ وَالعِلمَ بِکُلِّ ِ المَعلُومَاتِ

''یعنی میں تمام مقدورات پر قدرت رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعوٰی نہیں کرتا۔''

تفسیر کبیر یہ ہی آیت۔

اَی لا اَدَّعِی کُونِی مَوصُوفًابِعِلمِ اللہِ وَ بِمَجمُوعِ ھٰذَینِ الکَلَامینِ حَصَلَ اَنَّہ لا یَدَّعِی الاِلٰھِیَۃَ

''یعنی میں اللہ کے علم سے متصف ہونیکا دعوٰی نہیں کرتا اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا ہونیکا دعوٰی نہیں کرتا۔''

روح البیان یہ ہی آیت۔

عَطفٌ عَلیٰ عِندی خزائنُ اللہِ وَلاَ مُذَکَّرۃٌ للنفیِ ای وَلاَ اَدَّعِی اَنّی عِندِی وَلٰکِن لاَّ اَقُولَ لَکُم فَمَن قَالَ اِنَّ نَبِیَّ اللہِ لاَ یَعلَمُ الغَیبَ فَقَداَخطَافِیمَا اَصَابَ اس کا عطف عِندِی خَزَائِنُ اللہ پر ہے اور لاَ زائدہ ہے نفی کا یاد دلانے والا یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا کے افعال میں غیب جانتا ہوں اس بنا پر کہ خزائن اللہ میرے پاس تو ہیں مگر میں یہ کہتا نہیں۔ تو جو شخص یہ کہے کہ نبی اللہ غیب نہیں جانتے تھے اس نے غلطی کی اس آیت میں جسمیں یہ مصیب تھا۔

تفسیر مدارک یہ ہی آیت۔

ومَحلُّ لاَ اَعلَمُ الغَیبَ النَّصبُ عَطفًا عَلیٰ مَحلِّ عِندِی خَزَائِنُ اللہِ لِانَّہ مِن جُملَۃِ المَقُولِ کَانَّہ قَالَ لاَ اَقُولُ لَکُم ھٰذَا القَولَ وَلاَ ھٰذَاالقَولَ وَلاَ اعلَمُ الغَیبَ

” وَلاَاَعلَمُ الغَیبَ اعراب زبر ہے عِندِی خَزَائِنُ اللہ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ۔“

تفسیر نیشاپوری اَی قُل لاَ اَعلَمُ الغَیبَ فَیکُونُ فِیہِ دَلاَلَۃٌعَلیٰ اِنَّ الغَیبَ بِاستِقلاَلٍ لاَیَعلَمُ اِلاَّ اللہ

نکتہ اس آیت میں لاَاَقُول دوجگہ ہے پہلے لاَاَقُول کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے لاَاَقُول کے بعد صرف ایک چیز کا ذکر ہے میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس لئے کہ پہلے دو میں تو دعویٰ کی نفی ہے اور مدعیٰ کا ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعیٰ دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ اور مدعیٰ دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے۔ اُوتِیتُ مَفَاتِیحِ خَزَائِنِ الاَرضِ (مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین) یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی اور علم غیب کی احادیث ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور نہ میں واقع میں فرشتہ ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکتہ نہیں۔ تو ایک ہی جگہ لاَاَقُولُ کافی تھا۔ دوجگہ کیوں لایا گیا اگر ہماری بیان کا ہوئی توجیہیں نہ کی جاویں تو یہ آیت مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب تو وہ بھی مانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل نفی کر رہی ہے۔ نیز یہاں لَکُم میں کفار سے خطاب ہے یعنی اے کافروں میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں تم تو چور ہو۔ چوروں کو خزانے نہیں بتائے جاتے۔ تم شیطانوں کی طرح اسرار کی چوری نہ کرلو۔ رب تعالیٰ نے بھی شیطان کو آسمان پر جانے سے اسی لئے روکا کہ وہ چور ہے۔ یہ تو صدیق سے کہا جاویگا کہ مجھے خزائن الٰہیہ کی کنجیاں سپرد ہوئیں نیز یہاں عندی فرما کر بتایا کہ خزانہ میرے پاس نہیں میری ملک میں ہیں۔ کیونکہ خزانہ خزانچی کے پاس اور مالک کی ملک میں ہوتا ہے۔ میں خزانچی نہیں کیا نہ دیکھا کہ ان کے اشارہ پر بادل برسا۔ ان کی انگلیوں سے چشمے جاری ہوئے۔

۲) وَلَو کُنتُ اَعلَمُ الغَیبَ لاَ ستَکثَرتُ مِنَ الخَیرِ (پارہ ۹ سورہ ۷ آیت ۱۸۸)

”اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی۔“

اس آیت کے بھی مفسرین نے تین مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ کلام بطور انکسار کے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں تمام معلومات الٰہیہ جاننے کی نفی کرنا مقصود ہے۔ تیسرے یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔

نسیم الریاض میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَولُہ وَلَو کُنتُ اَعلَمُ الغَیبَ فَاِنَّ المَنفِیَّ عِلمُہ مِن غَیرِ وَاسِطَۃٍ وَاَمَّا اِطِّلاَعُہ عَلَیہِ السَّلاَمُ بِاِعلاَمِ اللہِ تَعَالیٰ فَامرٌ مُتَحَقِّقٌ بِقَولِہٖ تَعَالیٰ فَلاَ یُظہِرُ عَلیٰ غَیبِہٖ اَحَدًا اِلاَّ مَنِ ارتَضیٰ مِن رَّسُولٍ

علم غیب کا ماننا اس آیت کے منافی نہیں کہ وَلَو کُنتُ اَعلَمُ الغَیبَ الخ کیونکہ نفی علم بغیر واسطہ کی ہے لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے واقع ہے رب تعالیٰ کے اس فرمان کہ وجہ سے

فَلاَ یُظہِرُ عَلیٰ غَیبِہٖ الخ کل معلومات الٰہیہ جاننے کی نفی ہے۔

شرح مواقف میں میر سید شریف فرماتے ہیں۔

اَلاَ طِّلَاعُ عَلٰی جَمِیعِ الْمُغَیَّبَاتِ لَا یَجِبُ لِلنَّبِیِّ وَ لِذَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ (الْاٰیَۃُ) وَجَمِیعُ مُغَیَّبَاتٍ غَیرُ مُتَنَاھِیَۃٍ

صاوی حاشیہ جلالین میں ہے یہ ہی آیت۔

اِنْ قُلْتَ اَنَّ ھٰذَا یَشْکِلُ مَعَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ اَنَّہٗ اُطْلِعَ عَلٰی جَمِیعِ مُغَیَّبَاتِ الدُّنیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَالْجَوَابُ اَنَّہٗ قَالَ ذٰلِکَ تَوَاضُعًا

تمام غیبوں پر مطلع ہونا نبی کیلئے ضروری نہیں اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ الآیۃ تمام غیب غیر متناہی ہیں۔ (یہ کلام انکسار کے طور پر ہے اگر تم کہو کہ یہ آیت گذشتہ کلام کے خلاف ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی غیبوں پر مطلع کر دیا گیا تو جواب یہ ہے کہ یہ کلام لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ بطور انکسار فرمایا گیا ہے۔

تفسیر خازن میں جمیل حاشیہ جلال سے اسی آیت کے ماتحت نقل کیا۔

فَاِنْ قُلْتَ قَدْ اَخْبَرَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنِ الْمُغَیَّبَاتِ قَدْجَاءَ ت اَحَادِیثُ فِی الصَّحِیحِ بِذٰلِکَ وَھُوَ مِنْ اَعْظَمِ مُعجِزَاتِہٖ فَکَیفَ الْجَمْعُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ قَوْلِہٖ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ قُلْتُ یَحتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ قَالَہٗ تَوَاضُعًا وَّاَدَبًا وَالْمَعْنٰی لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اَنْ یُّطْلِعَنِی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ یُقَدِّرَہٗ لِی وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ قَالَ ذٰلِکَ قَبْلَ اَنْ یُّطْلِعَہُ اللّٰہُ عَلَی الْغَیْبِ فَلَمَّا اَطْلَعَہُ اللّٰہُ اَخْبَرَبِہٖ

پس اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام نے بہت سے غیبوں کی خبر دی ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ اور علم غیب تو حضور علیہ السلام کا بڑا معجزہ ہے تو ان باتوں میں اور اس آیت میں لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ میں مطابقت کس طرح ہوگی تو میں کہوں گا کہ یہاں احتمال یہ ہے کہ یہ کلام انکسار کے طریقہ پر فرمایا ہو اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا بغیر خدا کے بتائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام غیب پر مطلع ہونے سے پہلے کا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو غیب پر مطلع فرما دیا تو خبریں دیں۔

علامہ سلیمان جمل نے فتوحات الٰہیہ حاشیہ جلالین جلد دوم صفحہ ۲۵۸ میں اسی کی مثل فرمایا۔

اَیْ قُلْ لَّا اَعْلَمُ الْغَیْبَ فَیَکُوْنُ فِیْہِ دَلَالَۃٌ عَلٰی اَنَّ الْغَیْبَ بِاسْتِقْلَالٍ لَا یَعْلَمُ اِلَّا اللّٰہُ

”یعنی فرما دو کہ میں غیب نہیں جانتا الخ پس آیت میں اس پر دلالت ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا۔“

تفسیر صاوی یہ ہی آیت

اَوْ اَنَّ عِلْمَہٗ بِالْمُغَیَّبِ کَلَاعِلْمٍ مِنْ حَیْثُ اَنَّہٗ لَا قُدْرَۃَ لَہٗ عَلٰی تَغْیِیرِ مَاقَدَّرَ اللّٰہُ فَیَکُوْنُ الْمَعْنٰے حِیْنَئِذٍ لَوْ کَانَ عِلْمٌ حَقِیْقِیٌّ بِاَنْ اَقْدِرَ عَلٰی مَا اُرِیْدُ وُقُوْعَہٗ لَاَ سْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ

”حضور علیہ السلام کا علم غیب جاننا تو نہ جاننے کی طرح ہے۔ کیونکہ آپ کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما دیں۔ تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا اس طرح کہ میں اپنی مراد کے واقع کرنے پر قادر ہوتا تو خیر بہت سی جمع کر لیتا۔“

یہ توجیہ نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتی اور صرف کسی چیز کا جاننا خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لئے کافی نہیں جب تک کہ خیر کے حاصل کرنے اور مصیبت سے بچنے پر مستقل قدرت نہ ہو۔ مجھ کو علم ہے کہ بڑھاپا آویگا اور اس کے بعد مجھ کو یہ تکالیف پہنچیں گی۔ مگر بڑھاپے کے دفع کرنے پر قدرت نہیں۔ مجھے آج خبر ہے کہ غلہ چند روز کے بعد گراں ہو جاوے گا۔ کہ میرے پاس آج روپیہ نہیں کہ بہت سا غلہ خرید لوں خرید نہیں سکتا۔ معلوم ہوا کہ خیر حاصل کرنا مصیبت سے بچنا علم اور قدرت دونوں پر موقوف ہے اور یہاں قدرت کا ذکر نہیں۔ تو علم غیب سے وہ علم مراد ہے جو قدرت حقیقی کے ساتھ ہو یعنی علم ذاتی جو لازم الوہیت ہے جس کے ساتھ قدرت حقیقی لازم ہے ورنہ آیت کے معنی نہیں درست ہوتے۔ کیونکہ مقدم اور تالی میں لزوم نہیں رہتا اور اس کے بغیر قیاس درست نہیں ہوتا۔

نیز دیوبندی تو اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر میں غیب جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی مصیبت نہ پہنچتی۔ مگر چونکہ نہ میرے پاس خیر

ہے اور نہ میں مصیبت سے بچا لہذا غیب نہیں جانتا۔

ہم یہ ترجمہ کرسکتے ہیں کہ غور کرلو اگر میرے پاس خیر ہو اور میں مصیبت سے بچوں تو سمجھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے میرے پاس بہت خیر تو ہے۔

مَن یُؤتَ الحِکمَۃَ فَقَد اُوتِیَ خَیرًا کَثِیرًا نیز اِنَّا اَعطَینٰکَ الکَوثَر نیز یُعَلِّمُھُمُ الکِتٰبَ وَالحِکمَتَہ اور میں مصیبت سے بھی محفوظ کہ رب تعالیٰ نے فرمایا وَاللہُ یَعصِمُکَ مِنَ النَّاسِ لہذا مجھے علم غیب بھی ہے۔ یہ آیت تو علم غیب کے ثبوت میں ہے نہ کہ انکار میں۔

روح البیان یہ ہی آیت

وَقَد ذَھَبَ بَعضُ المَشَائخِ اِلیٰ اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیہِ السَّلَامُ کَانَ یَعرِفُ وَقتَ السَّاعَۃِ بِاِعلَامِ اللہِ وَھُوَ لَایُنَافِی الحَصرَ فِی الاٰیَۃِ کَمَالَا یَخفٰے

’’بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حق کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔‘‘

۳) وَعِندَہٗ مَفَاتِحُ الغَیبِ لَایَعلَمُھَا اِلَّا ھُوَ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۵۹)

’’اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی ان کو وہ ہی جانتا ہے۔‘‘

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مُفَاتِحُ الغَیب (غیب کی کنجیوں) سے مراد یا تو غیب کے خزانے ہیں۔ یعنی سارے معلومات الٰیہہ کا جاننا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا۔ کیونکہ کنجی کا کام یہ ہی ہوتا ہے کہ اس سے قفل کھولا جائے اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کردی جائے اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگار ہی کو ہے۔

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَکَذٰلِکَ ھٰھُنَا لَمَّا کَانَ عَالِمًا بِجَمِیعِ المَعلُومَاتِ عَبرَ ھٰذَا المَعنیٰ بِالعِبَارَۃِ المَذکُورَۃِ وَعَلَی التَّقدِیرِ الثَّانِی المُرَادُ مِنہُ القُدرَۃُ عَلیٰ کُلِّ المُمکِنَات

’’جبکہ پروردگار تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے۔‘‘

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقَلَمُ تَصوِیرِ ھَا الَّذِی ھُوَ مِفتَاحٌ یُفتَحُ بِہٖ بَابُ عِلمِ تکوِینِھَا عَلیٰ صُورَتِھَا وَکَونُھَا ھُوَ المَلکُوتُ فَبِقَلَمِ مَلکُوتِ کُلُّ شَیئٍ یَکُونُ کُلِّ شَیئٍ وَقَلَمُ المَلکُوت بِیَدِ اللہِ لِاَنَّ الغَیبَ ھُوَ عِلمُ التَّکوِینِ

’’ان چیزوں کے نقش باندھنے کا قلم جو ایسی کنجی ہے جس سے ان چیزوں کے پیدائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے (انکی مناسب صورتوں پر) وہ ہی ملکوت ہے، پس ہر چیز کے ملکوت کے قلم سے ہر چیز کی ہستی ہوتی ہے اور ملکوت کا قلم اللہ کا ہاتھ میں ہے اسلئے کہ غیب سے مراد پیدا کرنیکا جاننا ہے۔‘‘

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لِاَنَّ اللہَ تَعَالیٰ لَمَّا کَانَ عَالِمًا بِجَمِیعِ المَعلُومَاتِ عَبرَ ھٰذَا المَعنیٰ بِھٰذَا العِبَادَۃِ وَعَلَی التَّفسِیرِ الثَّانِی یَکُونُ المَعنیٰ وَعِندَہ خَزَائِنُ الغَیبِ وَالمُرَادُ مِنہُ القُدرَۃُ الکَامِلَۃُ عَلیٰ کُلِّ المُمکِنَاتِ

’’کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس کے معنیٰ کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری تفسیر پر اسکے معنےٰ یہ ہونگے کہ اس کے نزدیک غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد ہے ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ۔‘‘

یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تعلیم الٰہی کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر عرائس البیان میں ہے۔

قَالَ الحَرِیرِیُّ لَا یَعلَمُھَا اِلَّا ھُوَ وَمَن یُطلِعُہ عَلَیھَا مِن خَلِیلٍ وَحَبِیبٍ اَی لَا یَعلَمُھَا الاَوَّلُونَ وَ الاٰخِرُونَ قَبلَ اِظھَارِہٖ تَعَالیٰ ذٰلِکَ لَھُم

’’حریری نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔‘‘

تفسیر عنایت القاضی یہ ہی آیت

وَجهُ اِختِصَاصِهَابِهٖ تَعَالیٰ اَنَّه لاَ یَعلَمُهَا کَمَاهِیَ اِبتِدَاءً اِلاَّهُوَ

’’ان غیب کی کنجیوں کے خداتعالیٰ کے ساتھ خاص ہونیکی وجہ یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اسطرح ابتداء خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔‘‘

اس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں۔ اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔

نکتہ بعض صاحبوں نے مجھ سے فرمایا کہ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے اس جگہ ایک نکتہ لکھا ہے وہ یہ کہ اس آیت میں ہے۔ عِنـدَه مَفَـاتِح الغَیبِ دوسری میں ہے لَـه مَقَالِیدُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرَضِ مفاتح اور مقالید دونوں کے معنے ہیں کنجیاں اور اگر مفاتح کا اول و آخر یعنی م، ح، لو اور مقالید کا اول و آخر حرف یعنی م، د لو تو بنتا ہے مُحَمَّد (ﷺ) جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ذات رسول اللہ ہی ظہور عالم کی کنجی ہے

لاَ یَعلَمُهَا اِلاَّ هُوَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام جیسے ہیں ویسا کوئی نہیں جانتا۔ حقیقت محمدیہ کو رب ہی جانے مَفَاتِحِ جمع اس لئے بولا کہ آپ کی ہر ادا رحمت الٰہی کی کنجی ہے آپ کا نور عالم کی کنجی کُـلُ الـخَـلقِ مِن نُورِی قیامت میں آپ کا سجدہ شفاعت کی کنجی ہے جنت میں آپ کا نام ہر نعمت کی کنجی اور جنت میں آپ کا جانا سب کے لئے جنت کے کھلنے کی کنجی ہے۔ دیکھو ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن۔

نکتہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اب یہ سوال ہے کہ کنجی سے کسی کے لئے دروازہ غیب کھولا بھی گیا یا نہیں؟ یا کسی کو کوئی کنجی دی گئی یا نہیں؟ اس جواب قرآن وحدیث سے پوچھو قرآن فرماتا ہے۔ اِنَّـا فَتَـحـنَـالَـکَ فَتحًا مُّبِنًا ہم نے آپ کے لئے ظاہر پر کھول دیا۔ کیا کھول دیا؟ اس کی نفیس توجیہیں ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن میں دیکھو۔ قفل اور کنجی میں وہ ہی چیز رکھی جاتی ہے۔ جو کھول کر نکالنی ہو اور جسے نکالنا نہ ہو۔ وہ زمین میں دفن کر دی جاتی ہے۔ پتہ لگا کہ غیب کسی کو دینا تھا اس لئے کنجی بھی بھیجی۔

حدیث میں ہے۔ اُوتِیتُ مَفَاتِیحَ خَزَائِنِ الاَرَضِ مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو کنجی دی بھی گئی آپ کے لئے فتح باب بھی ہوا۔

۴) قُل لاَ یَعلَمُ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرَضِ لغَیبَ اِلاَّاللّٰهُ (پارہ ۲۰ سورہ ۲۷ آیت ۶۵)

’’تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے وہ آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔‘‘

اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان فرمائے غیب ذاتی کوئی نہیں جانتا۔ کلی غیب کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر الموودج جلیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَعنَاهُ یَعلَمُ الغَیبَ بِلاَ دَلِیلٍ اِلاَّ اَو بِلاَ تَعلِیم اَو جَمِیعَ الغَیبِ

’’اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ بغیر دلیل یا بغیر بتائے یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔‘‘

تفسیر مدارک یہ ہی آیت

وَالغَیب مَالَم یَقُم عَلَیهِ دَلِیلٌ وَّلاَ اُطلِعَ عَلَیهِ مَخلُوقٌ

’’غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق کو اس پر مطلع نہ کیا گیا ہو۔‘‘

مدارک کی اس توجیہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو علم عطائی ہو وہ غیب نہیں کیا جاتا غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ جن آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی ہے، اس آیت کے پچھے آگے ہے۔ مَـامِـن غَـائِب فِی الاَرض وَلاَ فِی السَّمَاءِ اِلاَّ فِی کِتٰبٍ مُّبِین جس سے معلوم ہوا کہ ہر غیب لوح محفوظ یا قرآن میں محفوظ ہے۔

فتاویٰ امام نووی

مَـامَـعـنـیٰ قَـولِ اللّٰهِ لاَ یَـعلَمُ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَ اَشبَاهِ ذٰلِکَ مَعَ اَنَّه قَد عَلِمَ مَا فِی غَدٍ وَ الجَوَابُ مَعنَاهُ لاَ یَعلَمُ ذٰلِکَ اِستِقلاَلاً وَاَمَّا المُعجِزَاتُ وَالکَرَامَاتُ فَحَصَلَت بِاِعلاَمِ اللّٰهِ لاَ اِستِقلاَلاً

آیت لاَ یَعلَمُ مَنُ فِی السَّمٰوٰتِ وغیرہ کے کیا معنیٰ ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام آئندہ کی باتیں جانتے ہیں جواب اس کے معنے یہ ہیں کہ غیب کو مستقل طور پر (ذاتی) کوئی نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات پس یہ رب کے بتانے سے حاصل ہوئے نہ کہ بالاستقلال۔

امام ابن حجر مکی فتاوی حدیثیہ میں فرماتے ہیں۔

مَاذَکَرنَاہُ فِی الأٰیٰتِ صَرَّحَ بِہِ النَوَوِیُ فِی فَتَاوَاہُ فَقَالَ لَا یَعلَمُ ذٰلِکَ اِستِقلالاً وَعِلمَ اِحَاطَۃٍ بِکُلِّ المَعلُومَاتِ

شرح شفاء خفاجی میں ہے۔ ھٰذَا لَا یُنَافِی الأٰیٰتِ الدَّالَّۃِ عَلیٰ اَنَّہ یَعلَمُ الغَیبَ اِلَّا اللّٰہُ فَاِنَّ النَّفیَ عِلمًا مِن غَیرِ وَاسِطَۃٍ اَمَّا اِطِّلَاعُہ عَلَیہِ بِاِعلَامِ اللّٰہِ فَامرٌ مُتَحَقِّقٌ

ہم نے اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہا اسکی امام نووی نے اپنے فتاوی میں تصریح کی ہے انہوں نے کہا کہ غیب مستقل طور پر سارے معلومات الٰہیہ کو کوئی نہیں جانتا یہ کلام ان آیات کے خلاف نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ نفی بے واسطہ علم کی ہے لیکن اللہ کی تعلیم سے جاننا یہ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے یہ مطلب نہ مانے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی بعض غیبوں کا علم حضور علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اور اس میں بالکل نفی ہے۔ نیز انہوں نے شیطان و ملک الموت کو علم غیب مانا ہے دیکھو براہین قاطعہ صفحہ ۵ پھر اس آیت کا کیا مطلب بتائیں گے قرآن کریم میں ہے اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہ حکم خدا کے سوا کسی کا نہیں لَہ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الأَرضِ خدا کی ہی وہ تمام چیزیں ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں وَکَفیٰ بِاللّٰہِ شَھِیدًا اللہ کافی گواہ ہے وَکَفیٰ بِاللّٰہِ وَکِیلاً اللہ کافی وکیل ہے وَکَفیٰ بِاللّٰہِ حَسِیبا اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حکومت، ملکیت، گواہی، وکالت، حساب لینا سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اب بادشاہ کو حاکم، ہر شخص کو اپنی چیزوں کا مالک، مشرکین کو وکیل محاسب اور عام لوگوں کو مقدمات کا گواہ مانا جاتا ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان آیات میں حکومت ملکیت وغیرہ سے حقیقی اور ذاتی مراد ہے اور دوسروں کے لئے یہ اوصاف بہ عطائے الٰہی مانے گئے اسی طرح آیات غیب میں توجیہ کرنا لازم ہے کہ حقیقی کی غیر سے نفی ہے اور عطائی کا ثبوت۔

۵) وَمَاعَلَّمنَاہُ الشِّعرَوَمَا یَنبَغِی لَہ اِن ھُوَ اِلَّا ذِکرٌوَّقُراٰنٌ مُّبِینٌ (پارہ ۲۳ سورہ یٰسٓ آیت ۶۹)

”اور ہم نے اس کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ انکی شان کے لائق ہے وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔“

مفسرین نے اس آیت کے تین مطلب بتائے ہیں اولاً یہ کہ علم کے چند معنی ہیں۔ جاننا بلکہ (مشق و تجربہ وغیرہ) اس جگہ علم کے دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا نہ یہ کہ ان کو اچھا برا صحیح غلط شعر پہچاننے کا شعور نہ دیا۔ دوسرے یہ کہ شعر کے دو معنی ہیں ایک تو وزن و قافیہ والا کلام (غزل) دوسرے جھوٹی اور وہمی یعنی ہم نے ان کو جھوٹی اور وہمی باتیں نہ سکھائیں وہ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔ تیسرے یہ کہ شعر سے مراد اس جگہ اجمالی کلام ہے۔ یعنی ہم نے ان کو ہر چیز کی تفصیل بتائی ہے نہ کہ معمے اور جمالی باتیں وَتَفصِیلاً لِکُلِّ شَیئٍ علم بمعنی ملکہ قرآن کریم فرماتا ہے وَعَلَّمنٰہُ صَنعَۃَ لَبُوسٍ لَّکُم اور ہم نے ان کو تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا۔

دیلمی نے حضرت جابر سے روایت کیا۔

عَلِّمُوا اَبنَائَکُم الرَّمیَ یعنی اپنی اولاد کو تیر اندازی سکھاؤ۔

وَالاَصَحُّ اَنَّہ کَانَ لَا یُحسِنُہُ وَلٰکِن کَانَ یُمَیِّزُ جَیِّدَ الشِّعرِوَرَدِیَّہ

”زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ شعر بخوبی پڑھتے نہ تھے لیکن اچھے اور ردی شعر میں فرق فرما لیتے تھے۔“

روح البیان یہ ہی آیت اِنَّالمُحَرَّمَ عَلَیہِ اِنَّمَاھُوَ اِنشَاءُ الشِّعرِ آپ کے لئے شعر بنانا منع تھا۔ شعر کے معنے ہیں جھوٹا کلام کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم شعر ہے اور حضور علیہ السلام شاعر ہیں۔ بَل ھُوَ شَاعِر اس شعر سے مراد تھی جھوٹا کلام تو ان کے اس بکواس کی تردید اسی آیت نے کر دی کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ اِن ھُوَاِلَّاذِکرٌوَّقُراٰنٌ مُّبِین وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن یہاں اگر شعر سے مراد منظوم کلام ہو تو اس عبارت سے آیت کا کیا تعلق ہوگا۔

مدارک یہ ہی آیت

اَی مَاعَلَّمنَا النَّبِیَّ عَلَیہِ السَّلَامُ قَولَ الشِّعرِ اَومَا عَلَّمنَاہُ بِتَعلِیمِ القُراٰنِ الشِّعرَ عَلیٰ مَعنیٰ اَنَّ القُراٰن لَیسَ بِشِعرٍ

”یعنی ہم نے نبی علیہ السلام کو شعر کہنا نہ سکھایا یا ہم نے ان کو قرآن کی تعلیم سے شعر نہ سکھایا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں۔“

خازن یہ ہی آیت۔

وَلَمَّانَفیٰ اَن یَکُونَ القُراٰنُ مِن جِنسِ الشِّعرِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اِن ھُوَ اِلَّا ذِکرٌوَّقُراٰنٌ مُّبِینٌ

”جبکہ اس کی تردید فرمادی کہ قرآن کریم شعر کی جنس سے ہو تو رب تعالیٰ نے فرمادیا کہ نہیں ہے وہ مگر نصیحت اور روشن کتاب۔“

قِیلَ اِنَّ کُفَّارَ قُرَیشٍ قَالُو اِنَّ مُحمَّدًا شَاعِرٌ وَمَا یَقُولُہ شِعرٌ فَاَنزَلَ اللّٰہُ تَکذِیبًا لَّھُم وَمَا عَلَّمنَاہُ الشِّعرِ

”کہا گیا ہے کہ کفار قریش نے کہا تھا کہ حضور علیہ السلام شاعر ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں (قرآن) وہ شعر ہے اس کی تکذیب کیلئے رب تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔“

تنبیھہ اس جگہ مخالفین یہ سوال کرتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی زبان پاک شعر کے موافق نہ تھی یعنی آپ کوئی شعر پڑھتے تھے تو وزن بگڑ جاتا۔

دیکھو اسی خازن میں ہے۔

اَی مَا یَسھَلُ لَہ ذٰلِکَ وَمَا یُصلِحُ مِنہُ بِحیث لَواَرَادَنَظمَ شِعرٍ لَم یَتَاتَّ لِذٰلِکَ مدارک اَی جَعَلنَاہُ بِحیثُ لو اَرَادَ قِرءَ ۃَ شِعرٍلَم یَتَسَھَّل

”یعنی آپ کو شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ سے درست نہ ادا ہوتا تھا اگر کسی شعر کو نظم فرمانیکا ارادہ فرماتے تو نہ ہوسکتا تھا یعنی ہم نے آپ کو اس طرح کیا ہے کہ اگر آپ شعر پڑھنے کا ارادہ فرمادیں تو آسان نہ ہو۔“

تفسیر کبیر وَمَا یَتَسَھَّلُ لَہ حَتّٰی اَنَّہ اِنْ تَمَثَّلَ لَہ بَیتُ شِعرٍ سُمِعَ مِنہُ مُزَاحَفًا

”آپ کو شعر آسان نہیں۔ یہانتک کہ اگر کسی کو ادا فرمانے کا ارادہ فرمادیں تو آپ سے ٹوٹا ہوا سنا جاتا ہے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ شعر کا علم اور ہے شعر کا پڑھنا اور بڑے بڑے شعرا اور علماء گا کر پڑھ نہیں سکتے بہت سے نعت خواں اور قوال علم شعر نہیں رکھتے مگر شعر پڑھنے پر پورے قادر ہوتے ہیں۔ آپ روٹی پکانا جانتے نہیں مگر اچھی بری، موٹی باریک خوب جان لیتے ہیں۔

آپ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو شعر پڑھنے کا ملکہ اور مشق نہ تھی۔ نہ کہ شعر کی پہچان نہ تھی۔ یہ ہی ہم نے کہا تھا۔ حضور علیہ السلام کو بعض شعر پسند تھے اور بعض ناپسند۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

کَانَ اَحَبُّ الحَدِیثِ عَلَیہِ السَّلَامُ الشِّعرُوَاَیضًا کَانَ اَبغَضُ الحَدِیثِ اِلَیہِ عَلَیہِ السَّلَامُ الشِّعرُ

”حضور علیہ السلام کو شعر بہت پسند بھی تھا اور نہایت ناپسند بھی۔“

نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض شعراء کے شعر پڑھے ہیں اور ان کی تعریف فرمائی جیسے کہ لَاکُلُّ شَیْئٍ مَاخَلَااللّٰہُ بَاطِلٌ اگر اچھے برے شعر کی پہچان نہیں تو یہ تعریف فرمانا کیسا؟ شعر سے مراد اجمالی یعنی غیر مفصل کلام اور معمے ہیں۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ الشَّیخُ الاَکبَرُ اِعلَم اَنَّ الشِّعرِ مَحلٌّ لِلاجمَالِ وَاللُّغزِ وَالتَّورِیَۃِ اَی مَارَمَزنَا مُحمَّدًا عَلَیہِ السَّلَامُ شَیئًا وَّلاَ اَلغَزنَا وَلاَ خَطَبنَاہُ بِشَیْیٍ وَّنَحنُ نُرِیدُ شَیئًا وَلاَ جَعَلنَا لَہُ الخِطَاب حَیثُ لَم یَفھَم

”جاننا چاہیئے کہ شعر اجمالی اور پھسلنے اور اشاروں کا مقام ہے یعنی ہم نے حضور علیہ السلام کے لئے کسی چیز کے اشارے نہ کئے اور نہ یہ کیا کہ ہم ارادہ کچھ فرمائیں اور خطاب کچھ کریں اور ان سے اس طرح اجمالی کلام نہ فرمایا کہ سمجھ میں نہ آوے۔“

۶) مِنھُم مَن قَصَصنَا عَلَیکَ وَمِنھُم مَن لَّم نَقصُص عَلَیکَ (پارہ ۲۴ سورہ ۴۰ آیت ۷۸)

”ان نبیوں میں سے کسی کا احوال تم سے بیان فرمایا اور کسی کا احوال نہ بیان فرمایا۔“

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے چند توجیہیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں تمام انبیاء کے حالات کا علم دینے کی نفی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں صراحۃً ذکر کی نفی ہے۔ یعنی بعض انبیاء کے واقعات صراحۃً بیان نہ فرمائے۔ دوسرے یہ کہ ذکر تفصیلی کی نفی ہے۔ اور اجمالی ذکر سب کا فرمایا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ وحی ظاہر میں سب کا بیان نہ ہوا۔ وحی خفی میں سب کا ذکر فرمایا گیا۔

تفسیر صاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اِنَّ النَّبِیَّ عَلَیهِ السَّلاَمُ لَم یَخرُجَ مِنَ الدُّنیَا حَتّٰی عَلِمَ جَمِیعَ الاَ نبیآءِ تَفصِیلاً کَیفَ لاَ وَهُم مُخلَقُونَ مِنهُ وَخَلَّفَهُم لَیلَةَ الا سرَآءِ فِی بَیتِ المُقَدَّسِ وَلٰکِنَّه العِلمُ المَکنونُ وَاِنَّمَا تَرَکَ بَیَانَ قَصَصِهِم لِاُمَّتِهٖ رَحمَة بِهِم فَلَم یُکَلِّفهُم اِلَّا بِمَا کَانُو ایُطِیقُونَ

’’حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ تمام انبیاء کو تفصیلاً جان لیا۔ کیونکر نہ جانیں وہ سب پیغمبر آپ ہی سے پیدا ہوئے اور شب معراج بیت المقدس میں آپ کے مقتدی بنے لیکن یہ علم مکنون ہے اور ان پیغمبروں کے قصے چھوڑ دیئے امت کے لئے ان پر رحمت فرماتے ہوئے پس انکو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔‘‘

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۵۰ میں ہے۔

هٰذَالاَیُنَافِی قَولَه تَعَالٰے مِنهُم مَن لَّم تَقصُص عَلَیکَ لِاَنَّ المَنفِیَّ هُوَ التَفصِیلُ وَالثَّابِتُ هُوَ الاجمَالُ اَوِالنَّفیُ مُقَیَّدٌ بِالوَ حِی الجَلی وَالثُّبوتُ مُتَحَقِّقٌ بِالوَحیِ الخَفِیِّ

یہ کلام اس آیت کے خلاف نہیں کہ مِنهُم مَن لَّم نَقصُصُ عَلَیکَ کیونکہ نفی تو علم تفصیلی کی ہے اور ثبوت علم اجمالی کا ہے یا نفی وحی ظاہر (قرآن) کی ہے۔ اور ثبوت وحی خفی (حدیث) کا ہے۔

قرآن فرماتا ہے کُلّاً نَقُصُّ عَلَیکَ مِن اَنبَاءِ الرُسُلِ مَانُثَبِّت بِهٖ فُؤادَکَ

’’اور سب کچھ ہم تم کو رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔‘‘

۷) یَومَ یَجمَعُ اللهُ الرُسُلَ فَیَقُولُ مَاذَا اُجِبتُم قَالُوْ الاَ عِلمَ لَنَا اِنَّکَ اَنتَ عَلَّامُ الغُیُوبِ (پارہ ۷ سورہ ۵ آیت ۱۰۹)

’’جس دن اللہ جمع فرمادیگا رسولوں کو۔ پھر فرمادیگا کہ تم کو کیا جواب ملا۔ عرض کرینگے ہمیں کچھ علم نہیں بے شک تو ہی غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔‘‘

مفسرین نے اس آیت کریمہ کی دو توجہیں فرمائی ہیں اولاً یہ کہ خدایا تیرے علم کے مقابلہ میں ہم کو علم نہیں۔ دوسرے یہ کہ ادباً یہ عرض کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ قیامت میں جس وقت نفسی نفسی فرمانے کا وقت ہوگا اس وقت انبیائے کرام یہ فرمائیں گے۔ بعد میں پھر عرض کریں گے ہم نے اپنی قوم کو تبلیغ احکام کی مگر انہوں نے نہ مانا۔ وہ کفار کہیں گے کہ ہم کو احکام نہ پہنچے۔ جس پر امت مصطفیٰ علیہ السلام انبیائے کرام کی گواہی دے گی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَعَلیٰ هٰذَاالقَولِ اِنَّمَا نَفُو االعِلمَ عَن اَنفُسِهِم وَاِن کَانُو اعُلَمَآءَ لاَنَّ عِلمَهُمُ صَارَ کَلاعِلمِ عِندَ عِلمِ الله

’’پس اس قول کی بناء پر پیغمبروں نے اپنی ذات سے علم کی نفی کی اگرچہ وہ جانتے تھے کیونکہ علم اللہ کے علم کے سامنے مثل نہ ہونے کے ہوگیا۔‘‘

مدارک قَالُو اذٰلِکَ تَاَدُّبًا اَی عِلمُنَا سَاقِطٌ مَعَ عِلمِکَ فَکَاَنَّه لاَ عِلمَ لَنَا

’’ان انبیاء نے یہ عرض کیا ادباً یعنی ہمارا علم تیرے علم کے ساتھ ساقط ہے پس گویا ہم کو علم ہی نہیں۔‘‘

تفسیر کبیر یہ ہی آیت۔ اِنَّ الرُسُلَ عَلَیهِم السَّلاَمُ لَمَّا عَلِمُو اَنَّ اللهَ عَالِمٌ لاَ یَجهَلُ حَلِیمٌ لاَ یَسفَه عَادِلٌ لاَ یَظلِم عَلِمُوا اَنَّ قَولَهُم لاَ یُفِیدُ خیرًا وَّلاَ یَد فَعُ شرًّا فَالاَ دَبُ فِی السُّکُوتِ وَ تَفوِیضِ الاَمرِ اِلیٰ الله وَعَدَ لِه فَقَالُوا لاَ عِلمَ لَنَا بیضاوی یہ ہی آیت وَقِیلَ اَلمَعنٰے لاَعِلمَ لَنَا اِلیٰ جَنبِ عِلمِکَ

’’ (از خازن) انبیائے کرام نے جب جان لیا کہ اللہ عالم ہے بے علم نہیں۔ حلیم ہے سفیہ نہیں۔ انصاف والا ہے ظالم نہیں تو وہ سمجھ گئے کہ ان کی بات نہ تو بھلائی کا فائدہ دیگی اور نہ مصیبت کو دفع کریگی۔ پس ادب خاموشی میں ہے اور معاملہ کو اللہ کے عدل کیطرف سپرد کردینے میں ہے لہذا انہوں نے عرض کردیا کہ ہم کو علم نہیں کہا گیا ہے کہ آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم کو تیرے علم کے مقابل علم نہیں۔‘‘

روح البیان یہ ہی آیت اِنَّ هٰذَا الجَوَابَ یَکُونُ فِی بَعضِ مَوَاطِنِ القِیٰمَةِ وَتَرجِعُ عُقُولُهُم اِلَیهِم فَیَشهَدُونَ عَلیٰ قَومِهِم اَنَّهُم بَلَّغُواالرِّسَالَةَ وَاَنَّ قَومَهُم کَیفَ رَدُّوا عَلَیهِم

یہ جواب قیامت کے بعض موقعوں میں ہوگا۔ اور اس کے بعد حواس قائم ہوں گے تو اپنی قوم پر گواہی دیں گے کہ ہم نے رسالت کی تبلیغ فرمادی اور ہمارے قوم نے کیا جواب دیا (ملخصاً)۔

۸) وَمَا اَدرِی مَایُفعَلُ بِی وَلاَ بِکُم ”اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاویگا اور تمہارے ساتھ کیا۔“

اس سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی۔ نہ کسی اور کی کہ قیامت میں ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ لیکن اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں روائیت کی نفی ہے نہ کہ علم کی۔ ورائت اٹکل اور قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں۔ یعنی میں بغیر وحی اپنے قیاس سے یہ امور نہیں جانتا۔ وحی سے جانتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانے سے پہلے کی ہے۔ لہٰذا یہ منسوخ ہے۔

تفسیر صاوی میں ہے یہ ہی آیت۔

مَاخَرَجَ عَلَیہِ السَّلاَمُ مِنَ الدُّنیاحَتّٰی عَلَّمَهُ اللّٰهُ فِی القُراٰنِ مَایُعمَلُ بِهٖ وَبِالمُؤمِنِینَ فِی الدُّنیَا وَ الاٰخِرَۃِ اِجمَالاً وَّتفصِیلاً

”کہ ان سے اور مومنین سے اور کافروں سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا جاویگا۔ کہ ان سے اور مومنین سے اور کافروں سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا جاوے گا۔“

ملا عبدالرحمان محمد دمشقی رسالہ ناسخ و منسوخ میں فرماتے ہیں۔ وَمَا اَدرِی مَایُفعَلُ بِی وَلاَ بِکُم نُسِخَ بِقَولِهٖ اِنَّا فَتَحنَالکَ آیت مَااَدرِی منسوخ ہے اِنَّافَتَحنَالکَ سے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لَمَّا نَزَلَت هٰذِهِ الاٰیۃُ فَرِحَ المُشرِکُونَ فَقَالُوا وَ الّٰلاتِ وَالعُزّٰی مَااَمرُنَا وَاَمرُ مُحَمَّدٍ اِلاَّ وَاحِدٌ اوَمَالَه عَلَینَا مِن مَّزِیَّۃٍ وَفضلٍ لَولاَ اَنَّه مَا ابتَدَعَ مَایَقُولُه لاَ خبَرَهُ الَّذِی بَعَثَه بِمَا یُفعَل بِهٖ فَاَنزَلَ اللّٰهُ عَزَّوجَلَّ لِیَغفِرَلکَ اللّٰهُ مَاتَقدَّمَ مِن ذَنبِکَ (الاٰیۃِ) فَقَالَتِ الصَّحَابَۃُ هَنِیئًا لکَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ قَد عَلِمتَ مَایُفعَلُ بِکَ فَمَاذَایُفعَلُ بِنَا فَاَنزَلَ اللّٰهُ لِیُدخِلَ المُؤمِنِینَ وَالمُؤمِنَاتِ جَنّٰتٍ (الاٰیۃِ) وَاَنزَلَ وَبَشِّرِ المُؤمِنِینَ بِاَنَّ لَهُم مِنَ اللّٰهِ فَضلاً کَبِیرًا وَهٰذَاقَولُ اَنسٍ وَقَتَادَۃَ وَعِکرَمَۃَ قَالُو اِنَّمَا هٰذَا قَبلَ اَن یُخبَرَ بِغُفرَانِ ذَنبِهٖ وَاِنَّمَا اُخبِرَ بِغُفرَانِ ذَنبِهٖ عَامَ الحُدَیبِیَۃِ فَنَسَخَ ذٰلِکَ

”جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ لات و عزیٰ کی قسم ہمارا اور حضور علیہ السلام کا تو یکساں حال ہے انکو ہم پر کوئی زیادتی اور بزرگی نہیں اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ کر نہ کہتے ہوتے تو ان کو بھیجنے والا خدا نہیں بتا دیتا کہ ان سے کیا معاملہ کریگا تو رب نے یہ آیت اتاری لِیَغفِرَلکَ اللّٰهُ مَاتَقدَّمَ پس صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو آپ نے تو جان لیا جو آپ کے ساتھ ہوگا ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا تو یہ آیت اتری کہ داخل فرمائیگا اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنتوں میں (آلایۃ) اور یہ آیت اتری کہ مسلمانوں کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے یہ حضرت انس اور قتادہ و عکرمہ کا قول ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے جبکہ حضور علیہ السلام کو ان کی مغفرت کی خبر دی گئی مغفرت کی خبر آپکو حدیبیہ کے سال دی گئی تو یہ آیت منسوخ ہوگئی۔

اگر کوئی کہے کہ آیت لاَاَدرِی خبر ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتی تو اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بہت سے علماء نسخ خبر جائز کہتے ہیں۔ جیسے وَاِن تُبدُوا (الآیۃ) لاَ یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفسًا سے منسوخ ہے ایسے ہی لاادری کو ابن عباس و انس و ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اِنَّا فَتَحنَالکَ سے منسوخ مانا (تفسیر کبیر در منثور و ابو السعود) دوسرے یہ کہ یہاں گویا فرمایا گیا۔ قُل لاَ اَدرِی اور قل امر ہے۔ نسخ کا تعلق اسی سے ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض آیات صورت میں خبر اور معنیً میں حکم ہیں جیسے کُتِبَ عَلَیکُم الصِّیَامُ بِاللّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ البَیت وغیرہ ان جیسی خبروں کا نسخ جائز ہے چوتھے یہ کہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ ان تفاسیر اور احادیث پر ہے جس سے نسخ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے مذکور بالا مطلب نہ بیان کئے جاویں تو صدہا احادیث کی مخالفت ہوگی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن لِوَاءُ الحَمد ہمارے ہاتھ میں ہوگا آدم و آدمیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ شفاعت کبریٰ ہم فرمائیں گے۔ ہمارا حوض ایسا ہوگا۔ اس کے برتن اس طرح ہوں گے وغیرہ وغیرہ ابوبکر جنتی ہیں۔ حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔ فاطمہ زہرا خواتین جنت کی سردار ہیں۔ کسی کو فرمایا کہ تو جہنمی ہے۔ ایک آدمی بہت اچھا جہاد کر رہا ہے صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ آخر کار اس نے خودکشی کی۔ اگر معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہ ہو تو اپنی اور دیگر حضرات کی یہ خبریں کس طرح سنا رہے ہیں وہ تو جس کے ایمان کی رجسٹری فرما دیں۔ وہ کامل

مومن ہے۔ اس جگہ بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر کفایت کرتا ہوں، خدا درست سمجھ عطا فرمادے آمین۔

۹) لَا نَعلَمُهُم نَحن نَعلَمُهُم (پارہ ۱۱ سورہ ۹ آیت ۱۰۱) ”تم ان کو نہیں جانتے ہم انکو جانتے ہیں۔“

اس آیت سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام دربار میں آنے والے منافقوں کو نہ پہچانتے تھے پھر علم غیب کیسا؟ مگر مفسرین نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس آیت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی وَلَتَعرِفَنَّهُم فِي لَحنِ القَولِ اور ضرور تم ان کو بات کے طریقہ سے پہچان لوگے لہذا یہ آیت منسوخ ہے یا یہ توجیہ ہے کہ بغیر ہمارے بتائے انکو نہیں پہچانتے۔

جمل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَاِن قُلتَ كَيفَ نُفِيَ عَنهُ عِلمٌ بِحالِ المُنَافِقِينَ وَ اَثبَتَه فِي قَولِهٖ تَعَالىٰ وَلَتَعرِفَنَّهُم فِي لَحنِ القَولِ فَالجَوَاب اَنَّ اٰيَةَ النَّفىَ نَزَلَت قَبلَ اٰيَةِ الاثبَاتِ

اسی جمل میں زیر آیت۔ وَلَتَعرِفَنَّهُم فِي لَحنِ القَول ہے فَكَانَ بَعدَذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ مُنَافِقٌ عِندَ النَّبِيِّ عَلَيهِ السَّلَامُ اِلَّا عَرَفَه وَيَستَدِلُ عَلىٰ فَسَادِ بَاطِنِهٖ وَنِفَاقِهٖ

اسی جمل میں زیر آیت۔ وَلَتَعرِفَنَّهُم فِي لَحنِ القَول ہے فَكَانَ بَعدَ ذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ مُنَافِقٌ عِندَ النَّبِيِّ عَلَيهِ السَّلَامُ اِلَّا عَرَفَه وَيَستَدِلُ عَلىٰ فَسَادِ بَاطِنِهٖ وَنِفَاقِهٖ

اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام کے منافقین کا حال جاننے کی نفی کیوں کی گئی حالانکہ آیت وَلَتَعرِفَنَّهُم فِي لَحنِ القَولِ میں اس کے جاننے کا ثبوت ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت ثبوت کی آیت سے پہلے اتری ہے اس آیت کے بعد کوئی بھی منافق حضور علیہ السلام کی حرفت میں کلام نہ کرتا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام ان کو پہچان لیتے تھے اور اس کے فساد باطن اور نفاق پر دلیل پکڑتے تھے۔

تفسیر بیضاوی یہ ہی آیت۔

خَفِيَ عَلَيكَ حَالُهُم مَعَ كَمَالِ فِطنَتِكَ وَصِدقِ فَرَاسَتِكَ

”آپ پر ان کا حال باوجود آپ کی کمال سمجھ اور سچی مردم شناسی کے مخفی رہ گیا۔“

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں اندازے سے پتہ لگالینے کی نفی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ توجہیں نہ کی جاویں تو ان احادیث کی مخالفت ہوگی جن سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام منافقوں کو پہچانتے تھے۔ مگر پردہ پوشی سے کام لیتے تھے۔

عینی شرح بخاری جلد صفحہ ۲۲۱ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

خَطَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّم يَومَ الجُمعَةِ فَقَالَ اُخرُج يَافُلَانُ فَاِنَّكَ مُنَافِقٌ فَاَخرَجَ مِنهُم نَاسًا فَفَضَحَهُ

”حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھا۔ پس فرمایا کہ اے فلاں نکل جا کیونکہ تو منافق ہے ان میں سے بہت سے آدمیوں کو رسوا کر کے نکال دیا۔“

شرح شفا ملا علی قاری جلد اول صفحہ ۲۴۱ میں فرماتے ہیں۔

عَن اِبنِ عَبَّاسٍ كَانَ المُنَافِقُونَ مِنَ الرِّجَالِ ثَلٰثَةَ مِائَةٍ وَّمِنَ النِّسَاءِ مِائَةً وَّسَبعِينَ

”ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منافقین مرد تین سو تھے اور عورتیں ایک سو ستر۔“

ہم اثبات علم غیب میں ایک حدیث پیش کر چکے ہیں۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم پر ہماری امت پیش کی گئی۔ لہذا ہم نے منافقوں اور کفار اور مومنین کو پہچان لیا۔ اس پر منافقین نے اعتراض کیا اور قرآن کی آیت ان کے جواب کے لئے آئی۔ ان سب دلائل میں مطابقت کرنے کے لئے یہ توجیہ کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کلام اظہار غضب کے لئے ہوتا ہے اگر بچہ کو باپ مارنے لگے اور کوئی باپ سے بچائے تو وہ کہتا ہے کہ اس خبیث کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ اس سے علم کی نفی نہیں۔

۱۰) رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَا تُصَلِّ عَلٰیٓ اَحَدٍ مِّنْھُم مَّاتَ اَبَدًا** حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق کی نماز جنازہ یا تو پڑھ لی یا پڑھنا چاہی فاروق اعظم نے منع کیا۔ مگر ان کی عرض نہ سنی تب یہ آیت اتری۔ جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ سے روکا گیا۔ اگر علم غیب تھا تو منافق کا جنازہ کیوں پڑھا؟

جـــــواب اس منافق کا حضرت عباس پر کچھ احسان پر تھا اور اس کا فرزند مخلص مومن تھا اور خود اس منافق نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضور پڑھائیں۔ اس وقت تک اس کی ممانعت نہ تھی۔ لہٰذا دینی مصلحت سے اجازت پر عمل فرمایا۔ تفسیر کبیر وروح البیان نے فرمایا کہ اس کی وصیت علامت توبہ تھی اور شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جس پر حضور علیہ السلام نے عمل فرمایا۔ رب کو منظور نہ تھا کہ حبیب کا دشمن ظاہری عزت بھی پاوے۔ لہٰذا قرآن کریم نے حضرت فاروق کی تائید فرمادی غرضیکہ اس مسئلہ کو علم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا منافق ہونا ظاہر تھا۔ مگر اس نماز میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ کریم کا کرم غیر اختیاری ہوتا ہے۔ اور پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ فاروق اعظم کو پتہ لگ جائے مگر حضور کو پتہ نہ لگے۔

۱۱) **وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا** (پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت ۸۵)

’’اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تم کو علم نہ ملا مگر تھوڑا۔‘‘

مخالفین اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہ تھا کہ روح کیا چیز ہے لہٰذا آپ کو علم غیب کلی نہ ہوا اس میں تین امور قابل غور ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ ہم نے حضور علیہ السلام کو یہ علم نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام نے کہاں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں ملا۔ لہٰذا اس آیت کو نفی علم روح کی دلیل بنانا محض غلط ہے۔ اس میں تو پوچھنے والے کافروں سے فرمایا گیا کہ تم کو علم بہت تھوڑا سا دیا گیا ہے تم کو روح کی حقیقت کا علم نہیں دوسرے یہ کہ **قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ** کے معنی حضرت قبلہ عالم شیخ مہر علی شاہ صاحب فاضل گولڑوی علیہ الرحمۃ نے سیف چشتیائی میں حضرت محی الدین ابن عربی سے یہ نقل فرمایا کہ **قل الروح من امر ربی** فرمادو کہ روح امر رب سے ہے۔ یعنی عالم بہت سے ہیں عالم عناصر، عالم امر، عالم امکان وغیرہ تو روح عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگ عالم عناصر کے تم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے کیونکہ اے کافرو تم کو تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ روح البیان میں زیر آیت **لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ** ہے۔

لِاَنَّہٗ تَجَاوَزَ فِیْ تِلْکَ اللَّیْلَۃِ عَنْ عَالَمِ الْعَنَاصِرِ ثُمَّ عَنْ عَالَمِ الطَّبِیْعَۃِ ثُمَّ عَنْ عَالَمِ الْاَرْوَاحِ حَتّٰی وَصَلَ اِلٰی عَالَمِ الْاَمْرِ وَعَیْنُ الرَّاْسِ مِنْ عَالَمِ الْاَجْسَامِ فَانْسَلَخَ عَنِ الْکُلِّ وَرَاٰی رَبَّہٗ بِالْکُلِّ

’’حضور علیہ السلام معراج کی رات عالم عناصر سے آگے بڑھے پھر عالم طبیعت سے پھر عالم ارواح سے یہاں تک کہ عالم امر تک جا پہنچے اور سر کی آنکھ عالم اجسام سے ہے پس آپ ان تمام چیزوں سے علیحدہ ہوگئے اور رب تعالیٰ کو کل ذات سے دیکھا۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں حضور علیہ السلام نے عالم امر کی سیر ہی نہیں فرمائی بلکہ خود بھی عالم امر میں سے بن گئے۔ اور اپنے رب کو دیکھا۔ اور اسی عالم امر کی روح بھی ہے۔ پھر آپ پر روح کیونکر مخفی رہ سکتی ہے۔ جس طرح ہم جسمو کو جانتے پہچانتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام آدھے بشر اور آدھے روح تھے کیونکہ حضرت مریم تو بشر تھیں اور حضرت جبریل روح **فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا** ہم نے حضرت مریم کے پاس اپنی روح یعنی جبریل کو بھیجا۔ اور آپ کی پیدائش حضرت جبریل کی پھونک سے ہوئی۔ اس لئے دونوں امور آپ میں موجود ہیں۔

فتوحات کلیہ باب ۵۷۵ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں۔

فَکَانَ نصفُہ بَشَرًا وَّ نِصفُہ الاٰ خَرُ رُوْحًا مُطَھَّرًا مَلَکًا لِاَنَّ جِبرِیلَ وَھَبَہ لِمَرْیَم

’’حضرت مسیح نصف بشر اور نصف دوم پاک روح ہیں۔ کیونکہ جبریل نے حضرت مریم کو انہیں بخشا۔‘‘

اور ان کی پیدائش بھی حضور علیہ السلام کے نور سے ہے۔ تو گویا حضور علیہ السلام از سرتا پا روح ہیں۔

روح البیان نے اسی آیت **لَا تُدْرِکُ** کے ماتحت لکھا ہے۔

اَلْحَقِیْقَۃُ الْمُحَمَّدِیَّۃُ ھِیَ حَقِیْقَۃُ الْحَقَائِقِ وَھُوَ الْمَوْجُوْدُ الْعَامُ الشَّامِلُ

’’حقیقت محمدیہ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے اور وہ ہی وجود عام ہے۔‘‘

لہٰذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ روح وہ جو امر یعنی کن سے بلا واسطہ پیدا ہو۔ اور وہ حقیقت محمدیہ ہے۔ کہ بلا واسطہ ان کی پیدائش ان کے نور سے ہے مطلب یہ ہوا کہ عالم کی روح حقیقی میں ہوں۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ یہاں روح سے قرآن یا جبریل مراد ہیں۔ کفار نے سوال کیا تھا کہ قرآن کیا ہے شعر ہے یا کہانت؟ جبریل کون ہیں؟ اور کیسے آتے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ قرآن امر الٰہی ہے نہ شعر ہے نہ جادو۔ جبریل امر الٰہی سے آتے ہیں۔

وَمَا يَتَنَزَّلُ اَلَّا بِاَمرِ رَبِکَ اسی کبیر میں ہے۔ فَاِذَا کَانَ مَعرِ فَتُ اللہِ تَعَالیٰ مُمکِنَۃٌ بَل حَاصِلَۃٌ فَاَیُ مَانِعٍ یَمنَعُ مِن مَعرِ فَۃِ الرُّوحِ ”جب حضور علیہ السلام خدا کو پہچانیں تو روح کو کیوں نہ پہچانیں۔“

تیسرے یہ کہ مفسرین ومحدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم تھا۔

تفسیر خازن نے اسی آیت کے ماتحت لکھا۔

قِیلَ اِنَّ النَّبِیَّ عَلَیہِ السَّلاَمُ عَلِمَ مَعنیٰ الرُّوحِ لکِن لَّم یخبِربِہ لِاَنَّ تَرکَ الاخبَارِ کَانَ عَلَمًا لِنُبُوَّتِہٖ وَالقَولُ الاَصَحُّ اَنَّ اللہَ اِستَاثَرَ بِعِلمِ الرُّوحِ

”کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو حقیقت روح معلوم تھی لیکن اسکی خبر نہ دی کیونکہ یہ خبر دینا آپکی نبوت کی علامت اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم روح سے خاص ہے۔ اس عبارت میں علم روح ماننے والوں کو مشرک نہ کہا گیا اور نہ ان کے قول کو غلط بتایا۔“

تفسیر روح البیان اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

جَلَّ مَنصَبُ حَبِیبِ اللہِ اَن یَکُونَ جَاھِلًا بِالرُّوحِ مَعَ اَنَّہ عالِمٌ بِاللہِ وَقَد مَنَّ اللہُ عَلَیہِ بِقَولِہٖ وَعَلَّمَکَ مَا لَم تَکُن تَعلَم

”حضور علیہ السلام کی شان اس سے بلند ہے کہ آپ روح سے ناواقف ہوں حالانکہ آپ اللہ سے واقف ہیں رب نے آپ پر احسان جتایا کہ فرمایا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ آپ کو بتادیا۔“

تفسیر مدارک یہی آیت۔ وَقِیلَ کَانَ السُّوَالُ عَن خَلقِ الرُّوحِ یَعنِی مَخلُوقٌ اَم لاَ لِقَولِہٖ مِن اَمرِ رَبِّي دَلِیلُ خَلقِ الرُّوحِ فَکَانَ جَوابًا

”کہا گیا ہے کہ سوال روح کی پیدائش سے متعلق تھا کہ روح مخلوق بھی ہے یا نہیں اور رب کا فرمان مِن اَمرِ رَبِّی روح کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے لہذا یہ جواب ہوگیا۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے نہ ہونے سے بحث ہی نہیں ہورہی ہے یہاں تو ذکر مخلوقیت روح کا ہے، مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۴۰ وصل ایذا رسانی کفار فقراء صحابہ را میں شیخ فرماتے ہیں۔

”چہ گونہ جرات کند مومن عارف کہ نفی علم بحقیقت روح از سید المرسلین وامام العارفین کند وداوہ است اوراحق سبحانہ، علم ذات وصفات خود وفتح کردہ برائے او فتح مبین از علوم اولین وآخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جنب جامعیت وے قطرہ ایست از دریا وذرہ ایست از بیدا۔

احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں۔

وَلاَ تَظُنُّ اَنَّ ذٰلِکَ لَم یَکُن مَکشُوفًا لِرَسُولِ اللہِ عَلَیہِ السَّلاَمُ فَاِنَّ مَن لَّم یَعرِف نَفسَہ فَکَیفَ یَعرِفُ اللہَ سُبحٰنَہ فَلاَ یُعَدُّ اَن یَّکُونَ ذٰلِکَ مَکشُوفًا لِبَعضِ الاَولِیآءِ وَالعُلَمآءِ

”مومن عارف یہ ہمت کس طرح کرسکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے حالانکہ رب نے ان کو اپنی ذات وصفات کا علم دیا ہے اور ان پر علوم اولین وآخرین کھول دیئے حضور علیہ السلام کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے وہ تو اس دریا کا ایک قطرہ اور جنگل کا ایک ذرہ ہے۔ تم یہ گمان نہ کرنا کہ روح حضور علیہ السلام کو نہ تھی۔ کیونکہ جو اپنے کو نہ پہچانے گا۔ وہ اللہ کو کس طرح پہچان سکتا ہے یہ بھی بعید نہیں کہ روح بعض اولیاء وعلماء کو ظاہر ہو۔“

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم روح عطا ہوا بلکہ حضور کے صدقے سے بعض علماء واولیاء کو بھی ملا۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا۔ مگر وہ بلا دلیل ہے۔ نیز جب ثبوت ونفی کے دلائل ہوں تو ثبوت کو اختیار کرنا چاہئیے جیسا کہ ہم قاعدہ اصول کا بیان کرچکے ہیں۔

۱۲) **عَفَا اللّٰہُ عَنکَ لِمَا اَذِنتَ لَھُم** غزوہ تبوک میں بعض منافقین نے غلط بہانہ کر کے شرکت نہ کی۔ حضور علیہ السلام کو ان کی حیلہ سازی کا پتہ لگا اور انہیں جہاد میں نہ جانیکی اجازت دے دی اس آیت میں آپ پر عتاب فرمایا گیا کہ کیوں اجازت دی۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا۔ تو اصل حال آپ پر ظاہر ہوتا۔

جواب نہ اس آیت میں آپ پر عتاب ہے اور نہ حضور ان کے فریب سے بے خبر تھے۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے انکی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اجازت دی۔ رب نے فرمایا کہ اے مجرموں کے پردہ پوش! آپ نے ان کو رسوا کیوں نہ کیا؟ عتاب غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کون سے ہوئی تھی؟

عَفَا اللّٰہ کلمہ دعائیہ ہے نہ کے عتاب۔

۱۳) **یَسئَلُونَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرسٰھَا فِیمَ اَنتَ مِن ذِکرٰھَا** (پارہ ۳۰ سورہ ۷۹ آیت ۴۲، ۴۳)

”تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لئے ٹھہری ہوئی ہے تم کو اس بیان سے کیا تعلق۔“

اس آیت سے مخالفین دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہ تھا کہ کب ہوگی۔ لہذا آپ کو علم غیب کلی نہ ہوا۔ جواب صحیح یہ ہے کہ رب تعالی نے حضور علیہ السلام کو یہ بھی عطا فرمایا۔ مفسرین نے اس آیت کی چند توجیہیں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آیت علم قیامت عطا کرنے سے پہلے کی ہے دوم یہ کہ اس سے مقصود سائلین کو جواب دینے سے روکنا ہے نہ کہ آپکے علم کی نفی۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں فرمایا گیا۔ **اَنتَ مِن ذِکرٰھَا** آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہیں آپ کو دیکھ کر ہی جان لینا چاہیے کہ قیامت قریب ہے۔ چوتھے یہ کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں آپ یہ باتیں بتانے نہیں بھیجے گئے۔

تفسیر صاوی یہ ہی آیت۔

وَھٰذَا قَبلَ اِعلَامِہٖ بِوَقتِھَا فَلَایُنَا فِی اَنَّہ عَلَیہِ السَّلَامُ لَم یَخرُج مِنَ الدُّنیَا حَتّٰی اَعلَمَہُ اللّٰہُ بِجَمِیعِ مَغیَبَاتِ الدُّنیَا وَالاٰخِرَةِ

”یہ آیت حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے لہذا یہ اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام دنیا سے نہ گئے یہانتک کہ اللہ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم دے دیے۔“

روح البیان یہ ہی آیت۔

قَد ذَھَبَ بَعضُ المَشَائِخِ اِلٰی اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیہِ السَّلَامُ کَانَ یَعرِفُ وَقتَ السَّاعَةِ بِاِعلَامِ اللّٰہِ وَھُوَ لَا یُنَافِی الحَصرَ فِی الاٰیَة

”بعض مشائخ ادھر گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کے وقت جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور یہ قول اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔“

روح البیان میں یہ ہی آیت پارہ ۹ زیر آیت **یَسئَلُونَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنھَا** میں بھی ہے اور وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا کی کل عمر ۷۰ ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیح ثابت ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔

تفسیر خازن یہ ہی آیت **وَقِیلَ مَعنَاہُ فِیمَ اِنکَارٌلِسُوَالِھِم اَی فِیمَ ھٰذَا السُّوَالُ ثُمَّ قَالَ اَنتَ یَا مُحَمَّدُ مِن ذِکرٰھَا اَی مِن عَلَامَتِھَا لِاَنَّکَ اٰخِرُ الرُّسُلِ فَکَفَاھُم ذٰلِکَ دَلِیلاً عَلٰی دُنُوِّھَا**

”کہا گیا ہے کہ **فِیمَا** کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی ان کا سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں پس ان کو دلیل کافی ہے قیامت قریب ہونے پر۔“

تفسیر مدارک یہ ہی آیت **اَو کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ عَلَیہِ السَّلَامُ لَم یَزَل یَذکُرُ السَّاعَةَ وَیُسئَلُ عَنھَا حَتّٰی نَزَلَت فَھُوَ تَعَجُّبٌ مِن کَثرَةِ ذِکرِھَا**

”یا حضور علیہ السلام قیامت کا بہت ہی ذکر فرماتے تھے اور اسکے بارے میں سوال کیے جاتے تھے یہانتک کہ آیت اتری پس یہ آیت تعجب ہے آپ کے زیادہ ذکر قیامت فرمانے پر۔“

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کس قدر ذکر قیامت فرماتے ہیں۔

مدارک یہ ہی آیت **اَوفِیمَ اِنکَارٌ لِسُوَالِہِم عَنھَا اَی فِیمَ ھٰذَا السُّوَالُ ثُمَّ قَالَ اَنتَ مِن ذِکرَھَا وَاَنتَ اٰخِرَ الاَنبِیَآءِ عَلَامَۃٌ مِن عَلَا مَا تِھَا فَلَا مَعنےٰ لِسُوَالِہِم عَنھَا**

’’یا فیما کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی یہ سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں۔ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہیں اب انکے قیامت کے پوچھنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔‘‘

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا قیامت کے متعلق پوچھنا لغو ہے آپ خود اس کی علامت ہیں وہ کیوں پوچھتے ہیں۔

مدارک یہ ہی آیت۔

قِیلَ فِیمَ اَنتَ مِن ذِکرٰھَا مُتَصِلٌ بِالسُّوَالِ اَی یَسئَلُونَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُر سٰھَا وَیَقُولُونَ اَین اَنتَ مِن ذِکرٰھَا ثُمَّ استَانَفَ فَقَالَ اِلیٰ رَبِّکَ

’’اور کہا گیا ہے کہ **فِیمَا اَنت** سوال سے ملا ہوا ہے یعنی کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا قیام کب ہوگا؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا علم کہاں سے آیا پھر رب تعالیٰ نے اپنی بات شروع کی **اِلـــیٰ رَبِّکَ** اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار نے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے ہے۔ رب نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے تو یہ آیت علم قیامت کا ثبوت ہے۔

مدارک یہ ہی آیت **اِنَّمَا اَنتَ مُنذِرُ مَن یَّخشٰھَا اَی لَم تُبعَث لِتُعلِمَھُم بِوَقتِ السَّاعَۃِ اِنَّمَا اَنتَ الخ**

’’یعنی آپ اس لئے نہیں بھیجے گئے کہ ان کو قیامت کے وقت کی خبر دیں۔‘‘

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر آپ قیامت کی خبر دے دیں تو آپ نبی ہیں ورنہ نہیں۔ محض بیہودہ ہے کیونکہ قیامت کی خبر دینا نبوت کے فرائض میں سے نہیں۔ نبی کے لئے تبلیغ احکام ضروری ہے۔

مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۰ وصل ایذا رسانی کفار فقراء صحابہ را میں ہے۔

وبعضے علماء علم ساعت نیز مثل ایں معنیٰ گفتہ اند ’’یعنی بعض علماء نے روح کی طرح حضور کو قیامت کا علم بھی مانا۔‘‘

۱۴) **یَسئَلُونَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنھَا قُل اِنَّمَا عِلمُھَا عِندَاللہ** **(پارہ ۹ سورہ ۷ آیت ۱۸۷)**

’’تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسکو خوب تحقیق کر رکھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔‘‘

مخالفین اس آیت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں دیا۔ اس میں تو یہ ہے کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ دینے کی نفی نہیں۔ دوم یہ کہ علم قیامت دینے سے قبل کی آیت ہے۔

تفسیر صاوی یہ ہی آیت **وَالَّذِی یَجِبُ الاِیمَانُ بِہٖ اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیہِ السَّلَامُ لَم یَنتَقِل مِنَ الدُّنیَا حَتّٰی اَعلَمَہُ اللہُ بِجَمِیعِ المُغَیَّبَاتِ الَّتِی تَحصُلُ فِی الدُّنیَا وَالاٰخِرَۃِ فَھُوَ یَعلَمُھَا کَمَا ھِیَ عَینَ یَقِینٍ لِمَاوَرَدَ رُفِعَت لِیَ الدُّنیَا فَاَنَا اَنظُرُ فِیھَا کَمَا اَنظُرُ اِلیٰ کَفِّی ھٰذِہٖ وَوَرَدَ اَنَّہٗ اُطلِعَ لِیَ الجَنَّۃُ وَمَا فِیھَا وَالنَّارُ وَمَا فِیھَا وَغَیرِ ذٰلِکَ مِمَّا تَوَاتَرَتِ الاَخبَارُ وَلٰکِن اُمِرَ بِکِتمَانِ بَعضِھَا**

’’جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ رب نے آپ کو وہ تمام چیزیں بتا دیں جو دنیا اور آخرت میں آیا کہ ہمارے سامنے دنیا پیش کی گئی۔ پس ہم اس میں اسطرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ میں یہ بھی آیا ہے کہ ہم کو جنت اور وہاں کی نعمتوں اور دوزخ اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی علاوہ ازیں اور متواتر خبریں ہیں لیکن بعض کے چھپانیکا حکم دیا گیا۔‘‘

تفسیر خازن میں اس آیت میں ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ **یسلونک عنھا کانک حفی** یعنی یہ لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ ان پر بڑے مہربان ہیں۔ اور آپ ان کو بتا ہی دیں گے حالانکہ یہ اسرار الٰہی میں سے ہے اغیار سے چھپانا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے مگر اظہار کی اجازت نہیں۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت ۶۳)

”لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“

جواب تفسیر صاوی یہ ہی آیت **اِنَّمَا وَقْتَ السُّوَالِ وَاِلَّا فَلَمْ يَخْرُجْ نَبِيُّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَمِيْعِ الْمُغَيَّبَاتِ وَمِنْ جُمْلَتِهَا السَّاعَةُ**

”یعنی اس قیامت پر کوئی مطلع نہیں اور یہ سوال کے وقت تھا ورنہ نبی علیہ السلام تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے تمام غیبوں پر مطلع فرمادیا۔ جن میں سے قیامت بھی ہے۔“

روح البیان یہ ہی آیت۔ **وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِ النَّبِيِّ اَنْ يَعْلَمَ الْغَيْبَ بِغَيْرِ تَعْلِيْمٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى**

”اور نبی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے بغیر بتائے غیب جانے۔“

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں لہذا اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جاننے پر دلیل پکڑنا غلط ہے۔

تفسیر صاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَلْمَعْنٰى لَا يُفِيْدُ عِلْمَهٗ غَيْرُهٗ تَعَالٰى فَلَا يُنَافِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اُطْلِعَ عَلٰى مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَمَا هُوَ كَائِنٌ وَمِنْ جُمْلَتِهٖ عِلْمُ السَّاعَةِ

”معنی یہ ہیں کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے۔ یہاں تک کہ رب تعالٰی نے ان کو سارے اگلے پچھلے واقعات پر مطلع فرمادیا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔“

مخالفین علم قیامت کی نفی کی دلیل میں شروع مشکوٰۃ کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا **اَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ** مجھے قیامت کے متعلق خبر دیجئے تو فرمایا۔ **مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ** یعنی اس بارے میں ہم سائل سے زیادہ جاننے والے نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں۔

مگر یہ دلیل بھی محض لغو ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اس میں حضور علیہ السلام نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی بلکہ زیادتی علم کی نفی کی۔ ورنہ فرماتے **لَا اَعْلَمُ** ”میں نہیں جانتا“ اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی؟ اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اے جبریل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو بھی خبر ہے اور تم کو بھی اس مجمع میں یہ پوچھ کر راز ظاہر کرانا مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ جواب سن کر حضرت جبریل نے عرض کیا۔ **فَاَخْبِرْ عَنْ اَمَارَاتِهَا** تو قیامت کی نشانیاں ہی بتا دیجئے اس پر حضور علیہ السلام نے چند نشانیاں بیان فرمائیں کہ اولاد نافرمان ہوگی او کمین لوگ عزت پائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ جس کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو۔ ان سے نشان پوچھنا کیا معنی؟ نشان اور پتہ تو جاننے والے سے پوچھا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے قیامت قائم ہونے کا دن بتایا۔

مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ ”قیامت قائم نہ ہوگی مگر جمعہ کے دن۔“

کلمہ اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا۔

بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ ”ہم اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں۔“ (مشکوٰۃ باب خطبہ یوم الجمعہ)

یعنی ہمارے زمانہ کے بعد بس قیامت ہی ہے اور اس قدر علامات قیامت ارشاد فرمائیں۔ کہ ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ آج میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آسکتی کیونکہ نہ ابھی دجال آیا نہ حضرت مسیح و مہدی نہ آفتاب مغرب سے نکلا۔ ان علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرمادیا پھر قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا معنی؟ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ نہ بتایا کہ فلاں سنہ میں قیامت ہوگی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں سنہ مقرر ہی نہ ہوئی تھی۔ سنہ ہجری عہد فاروقی میں مقرر ہوئی کہ ہجرت تو ربیع الاول میں ہوئی مگر سنہ ہجری کا آغاز محرم سے ہوتا ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ سال میں جو کوئی بھی اہم واقعہ ہوا اس سال منسوب کردیا۔ سال فیل، سال فتح، سال حدیبیہ وغیرہ۔ تو سنہ ہجری کس طرح بتایا جاسکتا تھا۔ اس دن کے علامات وغیرہ سب بتا دیئے اور جو ذات اس قدر تفصیلی علامتیں بیان کرے وہ بے علم کس طرح ہوسکتی ہے؟ نیز ہم ثبوت علم غیب میں وہ حدیث پیش کرچکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے من وعن واقعات بیان کردیئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ قیامت کا علم نہ ہو۔ کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا جو آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہ ہی دنیا

کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتداء دو ملی ہوئی چیزوں میں سے ایک کی انتہاء کا علم دوسری کے ابتداء کا علم ہوتا ہے۔ اس پر خوب غور کر لیا جاوے۔ نہایت نفیس تحقیق ہے جو حضرت صدر الافاضل مرشدی استاذی مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے ایک تقریر کے دوران ارشاد فرمائی۔

اعتراض ۱۶ اِنَّ اللّٰہَ عِندَہٗ عِلمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الغَیثَ وَیَعلَمُ مَا فِی الاَرحَامِ وَمَا تَدرِی نَفسٌ مَّاذَا تَکسِبُ غَدًا وَّ مَا تَدرِی نَفسٌ بِاَیِّ اَرضٍ تَمُوتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ (پارہ ۲۱ سورہ ۳۱ آیت ۳۴)

”بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مریگی بیشک اللہ جاننے والا بتانیوالا ہے۔“

اس آیت سے مخالفین کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یہ اللہ کی صفت ہے جو کسی غیر کیلئے ثابت کرے وہ مشرک ہے اسی کو علوم خمسہ کہتے ہیں قیامت کب ہوگی، بارش کب ہوگی، عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا؟ اس آیت کی تائید میں شرح مشکوٰۃ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ فِی خَمسٍ لَا یَعلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ثُمَّ قَرَءَ اِنَّ اللّٰہَ عِندَہٗ عِلمُ السَّاعَةِ یعنی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ہم علوم خمسہ کے بارے میں نہایت منصفانہ تحقیق کرتے ہیں اور ناظرین سے انصاف کی توقع اور اپنے رب سے تمنائے قبول رکھتے ہیں اولاً اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال پھر اس حدیث کے متعلق محدثین کے اقوال پھر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

تفسیرات احمدیہ زیر آیت مذکورہ۔

وَلَکَ اَن تَقُولَ اِنَّ عِلمَ ھٰذِہِ الخَمسَةِ وَاَن لَّا یَعلَمَھَا اَحَدٌ اِلَّا اللّٰہُ لٰکِن یَجُوزُ اَن یُعَلِّمَھَا مَن یَّشَآءُ مِن مُحِبِّیہِ وَ اَولِیَآءِہٖ بِقَرِینَةِ قَولِہٖ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ بِمَعنَی المُخبِر

”اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جائز ہے کہ خدا پاک اپنے ولیوں اور محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے اس قول کے قرینہ سے کہ اللہ جاننے والا بتانے والا ہے خبیر بمعنی مخبر۔“

تفسیر صاوی آیت مَاذَا تَکسِبُ غَدًا کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَی مِن حَیثُ ذَاتِھَا وَاَمَّا بِاِعلَامِ اللّٰہِ لِلعَبدِ فَلَا مَانِعَ مِنہُ کَالاَنبِیَآءِ وَبَعضِ الاَولِیَآءِ قَالَ تَعَالٰی وَلَا یُحِیطُونَ بِشَیئٍ مِّن عِلمِہٖ اِلَّا بِمَاشَآءَ قَالَ تَعَالٰی فَلَا یُظھِرُ عَلٰی غَیبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارتَضٰی مِن رَّسُولٍ فَلَا مَانِعَ مِن کَونِ اللّٰہِ یُطلِعُ بَعضَ عِبَادِہِ الصّٰلِحِینَ عَلٰی بَعضِ المُغَیَّبَاتِ فَتَکُونُ مُعجِزَةً لِلنَّبِیِّ وَ کَرَامَةً لِلوَلِیِّ وَلِذٰلِکَ قَالَ العُلَمَآءُ الحَقُّ اَنَّہٗ لَم یَخرُج نَبِیُّنَا مِنَ الدُّنیَا حَتّٰی اَطلَعَہٗ عَلٰی تِلکَ الخَمسِ

”یعنی ان باتوں کو کوئی اپنے آپ نہیں جانتا لیکن کسی بندے کا اللہ کے بتانے سے جاننا اس سے کوئی مانع نہیں جیسے انبیاء اور بعض اولیاء رب نے فرمایا کہ یہ لوگ خدا کے علم کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر رب چاہے اور فرمایا کہ اپنے غیب پر کسی کو ظاہر نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسولوں کے پس اگر خدا تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کو بعض غیبوں پر مطلع فرمادے تو کوئی مانع نہیں پس یہ علم نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہوگا اسی لئے علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہانتک کہ ان کو ان پانچوں باتوں پر رب نے مطلع فرمادیا۔“

تفسیر عرائس البیان زیر آیت یَعلَمُ مَا فِی الاَرحَامِ ہے۔

سَمِعتُ اَیضًا مِن بَعضِ الاَولِیَآءِ اَنَّہٗ اَخبَرَ مَافِی الرَّحِمِ مِن ذَکَرٍ وَّاُنثٰی وَرَئَیتُ بِعَینِی مَا اَخبَرَ

”ہم نے بعض اولیاء کو سنا کہ انہوں نے پیٹ کے بچہ لڑکی یا لڑکے کی خبر دی اور ہم نے اپنی آنکھوں سے وہی دیکھا جس کی انہوں نے خبر دی تھی۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا رُوِیَ عَنِ الاَنبِیَآءِ وَالاَولِیَآءِ مِنَ الاَخبَارِ عَنِ الغُیُوبِ فَبِتَعلِیمِ اللّٰہِ اِمَّا بِطَرِیقِ الوَحیِ اَو بِطَرِیقِ الاِلھَامِ وَالکَشفِ وَکَذَا اَخبَرَ بَعضُ الاَولِیَآءِ عَن نُزُولِ المَطَرِ وَاَخبَرَ عَمَّا فِی الرَّحِمِ مِن ذَکَرٍ وَّاُنثٰی فَوَقَعَ کَمَا اَخبَرَ ”اور جو غیب کی خبریں انبیاء و اولیاء سے مروی ہیں پس یہ اللہ کی تعلیم سے ہے یا وحی یا الہام کے طریقے سے۔ اور اسی طرح بعض اولیاء نے بارش آنے کی خبر دی اور بعض نے رحم کے بچہ لڑکے یا لڑکی کی خبر دی تو وہ ہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔“

قیامت کے علم کی تحقیق ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ جو علوم خمسہ میں سے ہے۔

ان تفاسیر کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے علوم خمسہ اپنے حبیب علیہ السلام کو دیئے اور اس آیت میں خبیر بمعنی مخبر ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی تفاسیر کی عبارتیں پیش کی جاسکتیں ہیں۔ مگر اس پر اختصار کرتا ہوں اب رہی مشکوٰۃ شروع کتاب الایمان کی حدیث کہ یہ پانچ چیزیں کوئی نہیں جانتا اس کی شرحیں ملاحظہ ہوں امام قرطبی، امام عینی، امام قسطلانی شرح بخاری میں اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اول میں اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فَمَنِ ادَّعٰی شَیْئًی مِنْھَا غَیْرَ مُسْنَدٍ اِلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ کَاذِبًا فِی دعوٰنہٗ

’’پس جو شخص ان پانچوں میں سے کسی چیز کے علم کا دعویٰ کرے حضور علیہ السلام کی طرف بغیر نسبت کئے ہوئے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔‘‘

لمعات میں شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَلْمُرَادُ یَعلَمُ بِدُونِ تَعلِیمِ اللّٰہِ تَعَالیٰ ’’مراد یہ ہے کہ ان پانچوں باتوں کو بغیر اللہ کے بتائے کوئی نہیں جانتا۔‘‘

اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ’’مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل ایںہا را انداعز امور الغیب اند کہ جز خدائے تعالیٰ کسے آں را نداند مگر آنکہ دے تعالیٰ از نزد خود کسے را بوحی والہام بدناند۔‘‘ مراد یہ ہے کہ ان امور غیب کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل کے اندازہ سے کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جس کو اللہ اپنی طرف سے بتا دے۔ وحی یا الہام سے۔

امام قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورہ رعد میں فرماتے ہیں۔

لَا یَعلَمُ مَتیٰ تَقُومُ السَّاعَۃُ اِلَّا اللّٰہُ وَاِلَّا مَنِ ارتَضٰی مِن رَسُولٍ فَاِنَّہ یُطلِعُہ عَلیٰ غَیبِہٖ وَ الوَلِیُّ التَّابِعُ لَہ یَاخُذُہ عَنہُ

’’کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی سوائے اللہ کے اور پسندیدہ رسول کے کیونکہ رب تعالیٰ اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے اور ان کا اتابع ولی ان سے وہ غیب لیتا ہے۔‘‘

انجاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ باب اشراط الساعۃ زیر حدیث **خَمسٌ لَا یَعلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ** ہے۔

اَخبَرَ الصِّدِّیقُ زَوجَتَہ بِنتَ خَارِجَۃَ اَنَّھَا حَامِلَۃُ بِنتٍ فَوَلَدَت بَعدَ وَفَاتِہٖ اُمَّ کُلثُومٍ بِنتَ اَبِی بَکرٍ فَھٰذَا مِنَ الفِرَاسَۃِ وَالظَّنِّ وَیُصَدِّقُ اللّٰہُ فِرَاسَۃَ المُؤمِنِ

’’صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی بنت خارجہ کو خبر دی کہ وہ بیٹی سے حاملہ ہیں۔ لہذا صدیق کی وفات کے بعد ام کلثوم بنت صدیق پیدا ہوئیں پس یہ فراست اور ظن ہے خدا تعالیٰ مومن کی فراست کو سچا کر دیتا ہے۔‘‘

سید شریف عبدالعزیز مسعود تاب الابریز میں فرماتے ہیں۔

ھُوَ عَلَیہِ السَّلَامُ لَا یَخفیٰ عَلَیہِ مِن شَیئٍ مِنَ الخَمسِ المَذکُورَۃِ فِی الاٰیَۃِ وَکَیفَ یَخفیٰ ذٰلِکَ وَالاَقطَابُ السَّبعَۃُ مِن اُمَّتِہِ الشَّرِیفَۃِ یَعلَمُونَھَا وَھُم دُونَ الغَوثِ فَکَیفَ بِالغَوثِ فَکَیفَ بِسَیِّدِالاَوَّلِینَ وَالاٰخِرِینَ الَّذِی ھُوَ سَبَبُ کُلِّ شَیئٍ وَمِنہُ کُلُّ شَیئٍ

’’حضور علیہ السلام پر ان پانچ مذکورہ میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور مخفی کیونکر ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت کے ساتھ قطب ان کو جانتے ہیں پس غوث کا کیا پوچھنا اور پھر سید الانبیاء ﷺ کا کیا کہنا جو ہر چیز کے سبب ہیں اور جن سے ہر چیز ہے۔‘‘

علامہ جلال الدین سیوطی روض النظر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

قَولُہ عَلَیہِ السَّلَامُ اِلَّا ھُوَ مَعنَاہُ بِاَنَّہ لَایَعلَمُھَا اَحَدٌ بِذَاتِہٖ اِلَّا ھُوَ لٰکِن قَد یَعلَمُ بِہٖ بِاِعلَامِ اللّٰہِ فَاِنَّ ثَمَّ مَن یَعلَمُھَا وَقَد وَجَدنَا ذٰلِکَ بِغَیرِ وَاحِدٍ کَمَارَءَ ینَا جَمَاعَۃً عَلِمُوا مَتیٰ یَمُوتُونَ وَعَلِمُوا مَافِی الاَرحَامِ

’’حضور علیہ السلام کا فرمانا **اِلَّا ھُوَ** اس کے معنی یہ ہیں کہ انکو اپنے آپ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن کبھی اللہ کے بتانے سے جان لیتے ہیں کیونکہ یہاں وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں ہم نے متعدد کو ایسا پایا جیسے ہم نے ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ جان لیتے ہیں کہ کب مرینگے اور جانتے ہیں شکم کے بچہ کو۔

یہی علامہ جلال الدین سیوطی خصائص شریف میں فرماتے ہیں۔

عُرِضَ عَلَیہِ مَاھُوَ کَائِنٌ فِی اُمَّتِہٖ حَتّٰی تَقُومَ السَّاعَۃُ

’’حضور علیہ السلام پر تمام وہ چیزیں پیش کر دی گئیں جو آپ کی امت میں قیامت تک ہونیوالی ہیں۔‘‘

علامہ بجوری شرح قصیدہ بردہ صفحہ ۷۴ میں فرماتے ہیں۔

لَم یَخرُجِ النَّبِیُّ عَلَیہِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنیَا اِلَّابَعدَ اَن اَعلَمَه اللّٰہُ بِھٰذِہِ الاُمُورِ الخَمسَةِ

''حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لیگئے مگر اسکے بعد کہ اللہ نے آپکو ان پانچوں چیزوں کا علم بتادیا۔''

جمع النہایہ میں علامہ شنوائی فرماتے ہیں۔

قَدوَرَدَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ یُخرِجِ النَّبِیَّ عَلَیہِ السَّلَامُ حَتّیٰ اَطلَعَهُ اللّٰہُ عَلیٰ کُلِّ شَیئٍ۔

''یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے خارج نہ کیا یہاں تک کہ ہر چیز پر مطلع کردیا۔''

یہ ہی علامہ شنوائی اسی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعضُ المُفَسِّرِینَ لاَ یَعلَمُ ھٰذَالخَمسَ عِلمًا لَدُنِّیًا ذَاتِیًا بِلاَ وَاسِطَةٍ اِلَّا اللّٰہُ فَالعِلمُ بِھٰذَا الصِّفَةِ مِمَّا اختَصَّ اللّٰہُ بِہٖ وَاَمَّا بِوَاسِطَةٍ فَلاَ یَختَصُّ بِہٖ

''بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پانچ باتوں کو ذاتی طور پر بلا واسطہ تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پس اسطرح کا علم خدا سے خاص ہے لیکن علم بالواسطہ وہ خدا سے خاص نہیں۔''

فتوحات وہبیہ شرح اربعین نو وی میں فاضل ابن عطیہ فرماتے ہیں۔

اَلحَقُّ کَمَاجَمعٌ اَنَّ اللّٰہَ لَم یَقبِض نَبِیَّنَا عَلَیہِ السَّلَامُ حَتّیٰ اَطلَعَه عَلیٰ کُلِّ مَا اَبھَمَ عَنهُ اِلَّا اَنَّه اُمِرَ بِکَتمِ بَعضٍ وَالاِعلَامِ بِبَعضٍ

''حق وہ ہی ہے جو ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو وفات نہ دی یہانتک کہ پوشیدہ چیزوں پر خبردار کردیا لیکن بعض کے چھپانے اور بعض کے بتانیکا حکم دیا۔''

شاہ عبدالعزیز صاحب بستان المحدثین صفحہ ۱۱۴ میں فرماتے ہیں۔ ''نقل می کند کہ والد شیخ ابن حجر را فرزند نمی زیست کبیدہ خاطر بحضور شیخ فرمود کہ از پشت تو فرزندے خواہد آمد کہ بعلم خود دنیا را پر کند۔''

نقل ہے کہ شیخ ابن حجر کے والد کا کوئی بچہ نہ جیتا تھا۔ ملول دل ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ نے فرمایا کہ تمہاری پشت سے ایسا فرزند ہوگا کہ اپنے علم سے دنیا کو بھر دے گا۔ یہاں تک کو علوم خمسہ کے نقلی دلائل تھے۔ اسکی عقلی دلیل یہ ہے کہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے۔ جس کا حوالہ ہم تحذیر الناس سے پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں کا علم دیا گیا یا نہیں۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ شکم مادر میں بچہ بننے کا ذکر فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ثُمَّ یَبعَثُ اللّٰہُ اِلَیہِ مَلَکًا بِاَربَعِ کَلِمٰتٍ فَیَکتُبُ عَمَلَه وَاَجَلَه وَرِزقَه وَشَقِیٌّ اَو سَعِیدٌ ثُمَّ یُنفَخُ فِیہِ الرُّوحُ

''یعنی پھر رب تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتیں بتا کر بھیجتا ہے وہ فرشتہ لکھ جاتا ہے اسکا علم اسکی موت اس کا رزق اور یہ کہ نیک بخت ہے یا بد بخت پھر روح پھونکی جاتی ہے۔''

یہ ہی علوم خمسہ ہیں اور تمام موجودہ اور گذشتہ لوگوں کی یہ پانچ باتیں وہ فرشتہ کاتب تقدیر جانتا ہے

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

کَتَبَ اللّٰہُ مَقَادِیرَ الخَلَائِقِ قَبلَ اَن یَّخلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ بِخَمسِینَ اَلفِ سَنَةٍ

''اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں۔''

معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں علوم خمسہ ہیں۔ تو وہ ملائکہ جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء جن کی نظر لوح محفوظ پر رہتی ہے ان کو یہ علوم خمسہ حاصل ہوئے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اولاد آدم کی روحیں سیاہ و سفید رنگ میں دکھادی گئیں کہ سیاہ روحیں کافروں کی ہیں سفید مسلمانوں کی۔ معراج میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح دیکھا کہ ان کے داہنے جانب سفید اور بائیں جانب سیاہ رنگ کی ارواح ہیں یعنی جنتی دوزخی لوگ مومنوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کفار کو ملاحظہ فرما کر غمگین۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے۔ کہ ایک دن حضور علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لئے ہوئے مجمع صحابہ میں تشریف لائے۔ اور داہنے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ نام مع ان کے قبائل کے ہیں۔ اور آخر میں ان ناموں کا ٹوٹل بھی لگا دیا گیا ہے۔ کہ کل کتنے۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا۔ اَلظَّاهِرُ مِنَ الاشَارَاتِ اَنَّهُمَا حِسِّيان وَقِيلَ تَمثِيل. اشارہ سے یہ ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کتابیں دیکھنے میں آ رہی تھیں۔ اسی مشکوۃ باب عذاب القبر میں ہے کہ جو مردہ نکیرین کے امتحان میں کامیاب یا ناکام ہوتا ہے تو نکیرین کہتے ہیں۔ قَدْ كُنَّا نعلَمُ اَنَّكَ تَقُولُ هٰذَا ہم تو پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا۔ معلوم ہوا کہ نکیرین کو امتحان میت سے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کا علم ہوتا ہے۔ امتحان تو فقط پابندی قانون یا معترض کا منہ بند کرنے کو ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی صالح آدمی کی بیوی اس لڑتی ہے تو جنت سے حور پکارتی ہے کہ یہ تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے۔ پھر ہمارے پاس آنیوالا ہے اس جھگڑا نہ کر مشکوۃ کتاب النکاح فی عشرۃ النساء معلوم ہوا کہ حور کو بھی خبر ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے جنگ بدر میں ایک دن پہلے زمین پر نشان لگا کر فرمایا کہ یہاں فلاں کافر مرے گا اور یہاں فلاں۔ موت کی زمین کا علم ہوا۔ (مشکوۃ کتاب الجہاد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ علوم خمسہ کا علم اللہ نے بعض بندوں کو بھی دیا ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا علم ان سب کے علموں کو محیط تو کس طرح ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علوم خمسہ حاصل نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ پانچ علوم عطائی حادث ہو کر خدا کی صفت نہیں۔ ورنہ کسی کو ان میں سے ایک بات کا بھی علم نہ ہوتا۔ صفت الٰہی میں شرکت نہ تو کلا جائز نہ بعضا۔ ان دلائل کے جواب ان شاء اللہ مخالف سے نہ بن سکیں گے۔

اعتراض ۱۷ وَمَا يَعلَمُ تَاوِيلَه اِلَّا اللّٰهُ متشابہات آیات کی تاویل رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات آیات کا علم نہ تھا۔

جواب اس آیت میں یہ کہاں فرمایا گیا کہ ہم نے متشابہات کا علم کسی کو دیا بھی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلرَّحمٰنُ عَلَّمَ القُراٰنَ اپنے حبیب کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ جب رب نے سارا قرآن حضور کو سکھا دیا تو متشابہات بھی سکھا دیے۔ اسی لئے حنفی مذہب کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام متشابہات کو جانتے ہیں ورنہ ان کا نازل کرنا بیکار ہوگا۔ شافعیوں کے نزدیک علماء بھی جانتے ہیں وہ وَالرَّاسِخُونَ فِي العِلم پر وقف کرتے ہیں۔ شوافع کے ہاں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ اور مضبوط علماء کے سوا کسی کو نہیں۔

دوسری فصل

نفی غیب کی احادیث کے بیان میں

مخالفین نفی غیب کے لئے بہت سی احادیث پیش کرتے ہیں ان سب کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے رب نے فلاں چیز کا علم نہ دیا بلکہ کسی میں تو ہے۔ اَللّٰہُ اَعلَمُ کسی میں ہے مجھے کیا خبر کسی میں ہے کہ فلاں بات حضور علیہ السلام نے نہ بتائی۔ کسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فلاں سے یہ بات پوچھی۔ اور یہ تمام باتیں علم کی نفی ثابت نہیں کرتیں۔ نہ بتانا یا پوچھنا یا اَللّٰہُ اَعلَم فرمانا اور بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے بہت سی باتیں خدا نے بندوں کو نہ بتائیں۔ سوال کے باوجود مخفی رکھا۔ بہت سی چیزوں کے متعلق پروردگار عالم فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا اس کو بھی علم نہیں۔ ایک حدیث صحیح قطعی الدلالت ایسی لاؤ۔ جس میں عطائے علم غیب کی نفی ہو۔ مگر ان شاء اللہ نہ لاسکیں گے۔ یہ جواب نہایت کافی تھا مگر پھر بھی ان کی مشہور احادیث عرض کر کے جواب عرض کرتا ہوں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیقِ

اعتراض(۱) مشکوٰۃ باب اعلان النکاح کی پہلی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام ایک نکاح میں تشریف لے گئے جہاں انصار کی کچھ بچیاں دف بجا کر جنگ بدر کے مقتولین کے مرثیہ کے گیت گانے لگیں ان میں سے کسی نے یہ مصرع پڑھا۔

وَفِینَا نَبِیٌّ یَعلَمُ مَا فِی غَدٍ ’’ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔‘‘

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چھوڑ دو۔ وہ ہی گائے جاؤ جو پہلے گا رہی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہیں تھا اگر ہوتا تو آپ ان کو یہ کہنے سے نہ روکتے۔ سچی بات سے کیوں روکا۔

جواب اولاً تو غور کرنا چاہیے کہ یہ مصرع خود ان بچیوں نے تو بنایا ہی نہیں۔ کیونکہ بچیوں کو شعر بنانا نہیں آتا۔ اور نہ کسی کافر و مشرک نے بنایا۔ کیوں کہ وہ حضور علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے تھے لامحالہ یہ کسی صحابی کا شعر ہے۔ بتاؤ وہ شعر بنانے والے صحابی معاذ اللہ مشرک ہیں یا نہیں؟ پھر حضور ﷺ نے نہ تو اس شعر بنانے والے کو برا کہا نہ شعر کی مذمت کی۔ بلکہ ان کو گانے سے روکا۔ کیوں روکا؟ چار وجہ سے اولاً تو یہ کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرے۔ تو بطور انکسار کہتے ہیں۔ ارے میاں! یہ باتیں چھوڑو وہ ہی باتیں کرو۔ یہ بھی انکسار اً فرمایا۔ دوم یہ کہ کھیل کود، گانے بجانے کے درمیان نعت کے اشعار پڑھنے سے ممانعت فرمائی اس کے لئے ادب چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ علم غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے کو ناپسند فرمایا۔ چوتھے یہ کہ مرثیہ کے درمیان نعت ہونا ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ آج کل نعت خواں کرتے ہیں کہ نعت و مرثیہ کو ملا ملا کر پڑھتے ہیں۔

مرقاۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

لِکَرَامَۃِ نِسبَۃِ عِلمِ الغَیبِ اِلَیہِ لاَنَّہ لاَ یَعلَمُ الغَیبَ اِلاَّ اللّٰہُ وَ اِنَّمَا یَعلَمُ الرَّسُولُ مِنَ الغَیبِ مَا اَعلَمَہ اَو لِکَرَامَۃِ اَن یُذکَرَ فِی اَثنَاءِ ضَربِ الدَّفِ وَاَثنَاءِ مَرثِیَۃِ القَتلیٰ لِعُلُوِّ مَنصَبِہٖ عَن ذالِکَ

’’منع فرمایا کہ علم کی نسبت اپنی طرف کرنے کو۔ کیونکہ علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہ ہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے یا یہ ناپسند کیا کہ آپ کا ذکر دف بجانے میں یا مقتولین کے مرثیہ کے درمیان کیا جاوے کہ آپ کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے۔‘‘

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

’’گفتہ اند کہ منع آنحضرت ازیں قول بجہت آں است کہ دروے اسناد علم غیب است بہ آنحضرت را ناخوش آمد و بعضے گویند کہ بجہت آں است کہ ذکر شریف دے درا ثنا لہو مناسب نہ باشد۔‘‘

شارحین نے کہا ہے حضور علیہ السلام کا اس کو منع فرمانا اسلئے ہے کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف ہے۔ لہذا آپکو ناپسند آئی اور بعض نے فرمایا کہ آپ کا ذکر شریف کھیل کود میں مناسب نہیں۔‘‘

اعتراض(۲) مدینہ پاک میں انصار باغوں میں نر درخت کی شاخ مادہ درخت میں لگاتے تھے تاکہ پھل زیادہ دے اس فعل سے انصار کو حضور ﷺ نے منع فرمایا (اس کام کو عربی میں تلقیح کہتے ہیں) انصار نے تلقیح چھوڑ دی۔ خدا کی شان پھل گھٹ گئے اس کی شکایت سرکار دو عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا۔

اَنتُم اَعلَمُ بِاُمُورِ دُنیَاکُم ’’اپنے دنیاوی معاملات تم جانتے ہو۔‘‘

معلوم ہوا کہ آپکو یہ علم نہ تھا کہ تلقیح روکنے سے پھل گھٹ جاوینگے اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا۔

جواب حضور علیہ السلام کا فرمانا اَنتُم اَعلَمُ بِاُمُورِ دُنیَاکُم اظہار ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو۔ جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں بھائی تو جان۔ اس سے نفی علم مقصود نہیں۔

شرح شفاء علی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں۔

وَخَصَّہُ اللّٰہُ مِنَ الاِطِّلَاعِ عَلٰی جَمِیعِ مَصَالِحِ الدُّنیَا وَالدِّینِ وَ استُشکِلَ بِاَنَّہ عَلَیہِ السَّلَامُ وَجَدَ الاَنصَارَ یُلَقِّحُونَ النَّخلَ فَقَالَ لَو تَرَ کتُمُوہُ فَتَرَکُوہُ فَلَم یَخرُج شَیئًا اَو خَرَجَ شِیصًا فَقَالَ اَنتُم اَعلَمُ بِاُمُورِ دُنیَا کُم قَالَ الشَّیخُ السَّنُوسِیُّ اَرَادَ اَن یَحمِلَھُم عَلٰی خَرقِ العَوَائِدِ فِی ذٰلِکَ اِلٰی بَابِ التَّوَکُّلِ وَاَمَّا ھُنَاکَ فَلَم یَمتَثِلُو فَقَالَ اَنتُم اَعرَفُ بِدُنیَا کُم وَلَوِ امتَثَلُو وَتَحَمَّلُو فِی سَنَۃٍ اَو سَنَتَینِ لَکُفُوا اَمرَ ھٰذِہِ المِحنَۃَ

”اللہ تعالٰی نے حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضور نے انصار کو درختوں کی تلقیح کرتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم اسکو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انہوں نے چھوڑ دیا تو کچھ پھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی معاملات تم جانو۔ شیخ سنوسی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلاف عادت کام کر کے باب توکل تک پہنچا دیں۔ انہوں نے نہ مانا تو فرمادیں کہ تم جانو۔ اگر وہ مان جاتے اور دو ایک سال نقصان برداشت کر لیتے تو اس محنت سے بچ جاتے۔“

ملا قاری اسی شرح شفا جلد دوم صفحہ ۲۳۸ میں فرماتے ہیں۔

وَلَو ثَبَتُو اعَلٰی کَلَامِہٖ اَفَاقُو اِنِی الفَنِّ تَقَعُ عَنھُم کُلفَۃُ المُعَالَجَۃِ

”اگر وہ حضرات حضور کے فرمان پر ثابت رہتے تو اس فن میں فوقیت لیجاتے اور ان سے اس تلقیح کی محنت دور ہو جاتی۔“

فصل الخطاب میں علامہ قیصری سے نقل فرمایا۔

وَلَا یَعزُبُ عَن عِلمِہٖ عَلَیہِ السَّلَامُ مِثقَالُ ذَرَّۃٍ فِی الاَرضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ مِن حَیثُ مَرتَبَتِہٖ وَاِن کَانَ یَقُولُ اَنتُم اَعلَمُ بِاُمُورِ دُنیَاکُم

”حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمان میں ذرہ بھر چیز پوشیدہ نہیں اگر چہ آپ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشتکاری نہ کی تھی اور نہ کاشتکاروں کی صحبت حاصل کی۔ مگر زمانہ قحط آنے سے پہلے حکم دیا کہ غلہ خوب کاشت کرو۔ اور فرمایا۔

فَمَا حَصَدتُم فَذَرُوہُ فِی سُنبُلِہٖ ”کہ جو کچھ کاٹو اس کو بالی ہی میں رہنے دو۔“

یعنی گیہوں کی حفاظت کا طریقہ سکھایا۔ آج بھی غلہ کو بھوسے میں رکھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں ان کو کھیتی باڑی کا خفیہ راز کس طرح معلوم ہوا؟ اور فرمایا۔

اِجعَلنِی عَلٰی خَزَائِنِ الاَرضِ اِنِّی حَفِیظٌ عَلِیمٌ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۵۵)

”مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو میں اس کا محافظ اور ہر کام جاننے والا ہوں۔“

یہ ملکی انتظامات وغیرہ کس سے سیکھے؟ تو کیا حضور علیہ السلام کی دانائی اور حضور کا علم حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی کم ہے، معاذ اللہ۔

اعتراض (۳) ترمذی کتاب التفسیر سورہ انعام میں ہے کہ حضرت مسروق عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا یا کسی شئی کو چھپایا وہ جھوٹا ہے۔

وَمَن زَعَمَ اَنَّہ یَعلَمُ فَافِی غَدٍ فَقَد اَعظَمَ الفِریَۃَ عَلَے اللہ

”اور جو کہے کہ حضور علیہ السلام کل کی بات جانتے ہیں اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔“

جواب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی یہ تینوں باتیں اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہیں آپ کے یہ قول اپنی رائے سے ہیں۔ اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرماتیں بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں رب تعالٰی کو دیکھنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت پیش فرمائی۔ اور اب تک جمہور اہل اسلام اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو اس کی تحقیق مدارج اور نسیم الریاض وغیرہ میں ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن سورہ والنجم میں اسی طرح صدیقہ کا فرمانا کہ حضور علیہ السلام نے کوئی چیز نہ چھپائی۔ اس سے مراد احکام شرعیہ تبلیغیہ ہیں۔ ورنہ بہت سے اسرار الٰہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا۔

مشکوٰۃ کتاب العلم دوم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور علیہ السلام سے دو قسم کے علوم ملے۔ ایک وہ جن کی تبلیغ کر دی۔ دوسرے وہ کہ اگر تم کو بتاؤں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسرار الٰہیہ نامحرم سے چھپائے گئے۔ اسی طرح صدیقہ کا یہ فرمان کہ کل کی بات حضور علیہ السلام نہیں جانتے تھے۔ اس سے مراد ہے بالذات نہ جاننا ورنہ صدہا احادیث اور قرآنی آیات کی مخالفت لازم آوے گی۔ حضور علیہ السلام نے قیامت کی، دجال کی، امام مہدی کی اور حوض

کوثر کی شفاعت بلکہ امام حسین کی شہادت کی۔ جنگ بدر ہونے سے پیشتر کفار کے قتل کی۔ اور جگہ قتل کی خبر دی۔ نیز اگر صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے ظاہری معنے بھی کئے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کہ وہ بھی بہت سے غیوب کا علم مانتے ہیں اور اس میں بالکل نفی ہے۔ مجھے آج یقین ہے کہ کل پنجشنبہ ہوگا۔ سورج نکلے گا۔ رات آوے گی۔ یہ بھی تو کل کی بات کا علم ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے معراج جسمانی کا بھی انکار فرمایا۔ مگر یہ ہی کہا جاتا ہے کہ واقعہ معراج انکے نکاح میں آنے سے پیشتر کا ہے۔ جواب تک انکے علم میں نہ آیا تھا۔

اعتـــراض(٤) صدیقہ کا ہار گم ہو گیا۔ جگہ جگہ تلاش کرایا گیا نہ ملا پھر اونٹ کے نیچے سے برآمد ہوا اگر حضور علیہ السلام کو علم تھا تو لوگوں کو اسی وقت کیوں نہ بتا دیا کہ ہار وہاں ہے۔ معلوم ہوا کہ علم نہ تھا۔

جـــواب اس حدیث سے نہ بتانا معلوم ہوا کہ نہ کہ نہ جاننا اور نہ بتانے میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں حضرات صحابہ نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ رب تعالیٰ نے نہ بتایا تو کیا خدائے پاک کو بھی علم نہیں؟ مرضی الٰہی یہ تھی، کہ صدیقہ کا ہار گم ہو، مسلمان اس کی تلاش میں یہاں رک جاویں ظہر کا وقت آجاوے پانی نہ ملے۔ تب حضور علیہ السلام سے عرض کیا جاوے کہ اب کیا کریں تب آیت تیمم نازل ہو جس سے حضرت صدیقہ کی عظمت قیامت تک مسلمان معلوم کرلیں کہ ان کے طفیل ہم کو تیمم ملا۔ اگر اسی وقت ہار بتا دیا جاتا۔ تو آیت تیمم کیوں نازل ہوتی۔ رب کے کام اسباب سے ہوتے ہیں۔ تعجب ہوتا کہ جو آنکھ قیامت تک کے حالات کو مشاہدہ کرے۔ اس سے اونٹ کے نیچے کی چیز کس طرح مخفی رہے۔ شان محبوب علیہ السلام پہچاننے کی خدا کی توفیق دے۔

اعتراض(٥) مشکوٰۃ باب الحوض والشفاء میں ہے۔

لَیَرِ دَنَّ عَلَیَّ اَقوامٌ اَعرِ فُھُم وَیَعرِ فُونَنِی ثُمَّ یُحالُ بَینِی وَبَینَھُم فَاَقُولُ اِنَّھُم مِنِّی فَیقَالُ اِنَّکَ لاَ تَدرِی مَا اَحدَ ثُوابَعدَکَ فَاَقُولُ سُحقًا سُحقًا لِمَن غَیرَ بَعدِی

’’حوض پر ہمارے پاس کچھ قومیں آئینگی جنکو ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے ہیں پھر ہمارے اور ان کے درمیان آڑ کر دی جاوے گی ہم کہیں گے کہ یہ تو ہمارے لوگ ہیں تو کہا جاویگا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کئے پس فرمائیں گے دوری ہو دوری ہو اس کو جو میرے بعد دین بدلے۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت میں بھی اپنے پرائے اور مومن و کافر کی پہچان نہ ہوگی کیونکہ آپ مرتدین کو فرمائیں گے کہ یہ میرے صحابہ ہیں اور ملائکہ عرض کریں گے کہ آپ نہیں جانتے۔

جواب حضور علیہ السلام کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا کہ ان کو آنے دو یہ تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں ملائکہ کا یہ عرض کرنا ان کو سنا کر غمگین کرنے کے لئے ہوگا۔ ورنہ ملائکہ نے ان کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جہنمی کافر سے کہا جاوے گا۔

ذُق اِنَّکَ اَنتَ العَزِیزُ الکَرِیم ’’عذاب چکھ۔ تُو تو عزت کرم والا ہے۔‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ ھٰذَارَبِّی یہ میرا رب ہے۔

پھر غور کی بات تو یہ ہے کہ آج تو حضور علیہ السلام اس سارے واقعہ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں اَعِـرفُھُم ہم ان کو پہچانتے ہیں، کیا اس دن بھول جائیں گے؟ نیز قیامت کے دن مسلمانوں کی چند علامات ہوں گی۔ اعضاء وضو کا چمکنا، چہرا نورانی ہونا یَومَ تَبیَضُ وُجُوہٌ وَتَسوَدُّ داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال کا ہونا۔ پیشانی پر سجدہ کا داغ ہونا۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ اور کفار کی علامت ہوگی ان کے خلاف ہونا۔ اور ان لوگوں کو ملائکہ کا روکنا۔ ان کے ارتداد کی خاص علامت ہوگی جو آج بیان ہو رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اتنی علامات کے ہوتے ہوئے حضور ان کو نہ پہچانیں۔ نیز آج تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنتی و جہنمی لوگوں کی خبر دے دی۔ عشرہ مبشرہ کو بشارت دی۔ دو کتابیں صحابہ کرام کو دکھادیں۔ جن میں جنتی اور جہنمی لوگوں کے نام ہیں وہاں نہ پہچاننے کے کیا معنیٰ؟ حضور علیہ السلام کو خبر نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

یُعرَفُ المُجرِ مُونَ بِسِیمَاھُم نیز فرماتا ہے سِیمَاھُم فِی وُجُوھِھِم مِن اَثَرِ السُّجُودِ معلوم ہوا کہ قیامت میں نیک و بد لوگوں کی علامات چہروں پر ہوں گی۔

مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ میں ہے کہ جنتی مسلمان جہنمی مسلمانوں کو نکالنے کے لئے جہنم میں جائیں گے اور ان کی پیشانی کے داغ سجدہ دیکھ کر ان کو جل چکنے کے بعد نکالیں گے اور ان سے فرمایا جاوے گا۔

فَمَن وَجَدتُّم فِی قَلبِہٖ مِثقَالَ ذَرَّۃٍ مِن خَیرٍ فَاَخرِ جُوہُ

’’جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان پاؤ۔ اس کو نکال لے جاؤ۔‘‘

دیکھو جنتی مسلمان دوزخی مسلمانوں کے دل کے ایمان کو پہچانتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس درجہ کا ایمان ہے۔ دینار کے برابر یا ذرہ کے برابر۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چہرہ دیکھ کر علامات دیکھ کر بھی خبر نہیں ہوئی کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔

اعتراض(٦) بخاری جلد اول کتاب الجنائز میں حضرت ام العلاء کی روایت ہے۔

وَاللہِ مَاادرِی وَاَنَا رَسُو لُ اللہِ یُفعَلُ بِی

"خدا کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بھی خبر نہ تھی کہ قیامت میں مجھ سے کیا معاملہ ہوگا۔

جواب اس جگہ علم کی نفی نہیں۔ بلکہ درایۃً کی نفی ہے۔ یعنی میں اپنے اٹکل وقیاس سے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ بلکہ اس کا تعلق وحی الٰہی سے ہے تو اے ام العلاء تم جو عثمان ابن مظعون کے جنتی ہونے کی گواہی محض قیاس سے دے رہی ہو۔ یہ معتبر نہیں۔ اس غیب کی خبروں میں تو انبیاء کرام بھی قیاس نہیں فرماتے۔ ورنہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ ہم اولاد آدم کے سردار ہیں اس روز لواء الحمد ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم آدمیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہونگے ان کی مطابقت کس طرح کی جاوے گی۔

اعتراض(٧) بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب حدیث افک میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگی۔ آپ اس میں پریشان تو رہے مگر بغیر وحی آئے ہوئے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تہمت صحیح ہے یا غلط اگر علم غیب ہوتا تو پریشانی کیسی؟ اور اتنے روز تک خاموشی کیوں فرمائی۔

جواب اس میں بھی نہ بتانا ثابت ہے نہ کہ نہ جاننا۔ نہ بتانے سے نہ جاننا لازم نہیں آتا۔ خود رب نے بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ اتاریں تو کیا رب کو خبر نہ تھی نیز بخاری کی اسی حدیث میں ہے۔

مَاعَلِمتُ عَلیٰ اَھلی اِلَّا خَیراً "میں اپنی بیوی کی پاکدامنی ہی جانتا ہوں۔"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے، وقت سے پہلے اظہار نہیں اور یہ تو ہوسکتا ہی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ پر بدگمانی ہوئی ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو عتاباً فرمایا۔

لَو لَا اِذ سَمِعتُمُوہُ ظَنَّ المُؤمِنُونَ وَالمُؤمِنَاتُ بِاَنفُسِہِم خَیراً وَقَالُوا ھٰذَا اِفکٌ مُّبِین (پارہ ١٨ سورہ ٢٤ آیت ١٢)

"یعنی مسلمان مردوں وعورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور فوراً کیوں نہ کہا کہ کھلا ہوا بہتان ہے۔"

پتہ لگا کہ نزول براءت سے پہلے ہی مسلمانوں پر نیک گمانی واجب اور بدگمانی حرام تھی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حرام سے معصوم ہیں۔ تو آپ بدگمانی ہرگز نہیں فرما سکتے۔ ہاں آپ کا فوراً یہ فرمانا ھٰذَا اِفکٌ مُّبِینٌ آپ پر واجب نہ تھا کہ کیونکہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا۔ رہی پریشانی اور اتنا سکوت، یہ کیوں ہوا؟ پریشانی کی وجہ معاذ اللہ لاعلمی نہیں ہے۔ اگر کسی عزت وعظمت والے کو غلط الزام لگا دیا جاوے اور وہ خود جانتا بھی ہو کہ یہ الزام غلط ہے۔ پھر بھی اپنی بدنامی کے اندیشہ سے پریشان ہوتا ہے لوگوں میں افواہ کا پھیلنا ہی پریشانی کا باعث ہوا۔ اگر آیات نزول کے انتظار میں نہ فرمایا جاتا۔ اور پہلے ہی عصمت کا اظہار فرمایا جاتا تو منافقین کہتے کہ اپنی اہل خانہ کی حمایت کی۔ اور مسلمانوں کو تہمت کے مسائل نہ معلوم ہوتے اور پھر مقدمات میں تحقیقات کرنے کا طریقہ نہ آتا اور صدیقہ الکبریٰ کو صبر کا وہ ثواب نہ ملتا جواب ملا۔ اس تاخیر میں صدہا حکمتیں ہیں۔ اور یہ تو مسئلہ عقائد کا ہے کہ نبی کی بیوی بدکار نہیں ہوسکتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلخَبِیثَاتُ لِلخَبِیثِینَ وَالخَبِیثُونَ لِلخَبِیثَات (پارہ ١٨ سورہ ٢٤ آیت ٢٦)

"گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے۔"

اس گندگی سے مراد گندگی زنا ہے۔ یعنی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہوسکتی۔ ہاں کافرہ ہوسکتی ہے کہ کفر سخت جرم ہے۔ مگر گھنونی چیز نہیں۔ ہر شخص اس عار نہیں کرتا اور زنا سے ہر طبیعت نفرت اور عار کرتی ہے اسی لئے انبیاء کی بیوی کو کبھی خواب میں احتلام نہیں ہوتا۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الغسل کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر تعجب فرمایا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ اور اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمان میں بھی ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کو عقیدے کا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا کہ صدیقہ سید الانبیاء کی زوجہ پاک ہیں ان سے یہ قصور ہوسکتا ہی نہیں۔ نیز مرضی الٰہی یہ تھی کہ محبوبہ محبوب علیہ السلام کی عصمت کی گواہی ہم براہ راست دیں اور قرآن میں یہ آیات اتار کر قیامت تک کہ مسلمانوں سے تمام دنیا میں ان کی پاکدامنی کے خطبے پڑھوالیں کہ نمازی نمازوں میں ان کی عفت کے گیت گایا کریں اب اگر حضور علیہ السلام خود ہی بیان فرما دیتے تو یہ خوبیاں حاصل نہ ہوتیں غرضیکہ علم تو تھا اظہار نہ تھا۔

لطف یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے تہمت لگائی۔ تو رب تعالیٰ نے ان کی صفائی خود بیان نہ فرمائی بلکہ ایک شیر خوار بچہ کے ذریعہ پاکدامنی سے پاکدامنی فرما دی۔ حضرت مریم کو تہمت لگی۔ تو شیر خوار روح اللہ سے ان کی عصمت ظاہر کی۔ مگر محبوب علیہ السلام کی محبوبہ زوجہ کو الزام لگا تو کسی

بچہ یا فرشتہ سے عصمت کی گواہی نہ دلوائی گئی۔ بلکہ یہ گواہی خود خالق نے دی اور گواہی کو قرآن کا جزو بنایا۔ تا کہ یہ گواہی ایمان کا رکن بنے اور مخلوق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا پتہ چلے۔

تنبیھہ ایک جہل ہے ایک نسیان ایک ذہول۔ جہل نہ جاننا ہے۔ نسیان جان کر حافظہ سے نکل جانا۔ ذہول یہ ہے کہ کوئی چیز حافظہ میں ہو مگر ادھر توجہ نہ رہے۔ ایک شخص قرآن نہ پڑھا دوسرے نے حفظ کر کے بھلا دیا۔ تیسرا شخص حافظ کامل ہے۔ اگر کسی وقت کوئی آیت اس پوچھی تو بتا نہ سکا۔ توجہ نہ رہی۔ پہلا تو قرآن سے جاہل۔ دوسرا ناسی، تیسرا ذاہل ہوا، انبیائے کرام کو بعض وقت کسی خاص چیز کا نسیان ہو سکتا ہے مگر بعد میں اس پر قائم نہیں رہتے۔ قرآن کریم سیدنا آدم علیہ السلام کے لئے فرماتا ہے۔ **فَنَسِیَ وَلَم نَجِدلَہ عَزمًا** وہ بھول گئے ہم نے ان کا قصد نہ پایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نظر لوح محفوظ پر تھی۔ یہ تمام واقعات پیش نظر تھے۔ مگر ارادہ الٰہی کہ کچھ مدت کے لئے نسیان ہو گیا۔ قیامت میں شفیع کی تلاش میں سارے مسلمان جن میں محدثین ومفسرین وفقہاء سب ہی ہیں۔ انبیاء کرام کے پاس جائیں گے کہ آپ شفاعت فرمادیں۔ وہ شفاعت تو نہ کریں گے اور نہ شفیع المذنبین کا صحیح پتہ دیں گے۔ خیال سے فرمادیں گے کہ حضرت نوح کے پاس جاؤ۔ وہاں جاؤ، وہاں جاؤ شاید وہ تمہاری شفاعت کریں۔ حالانکہ دنیا میں سب کا عقیدہ تھا اور ہے کہ قیامت میں شفیع المذنبین حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ یہ ہوا ذہول کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ رہی۔ اگر حضور علیہ السلام کسی وقت کوئی بات نہ بتائیں تو اس کی وجہ ذہول (ادھر توجہ کا نہ ہونا) ہو سکتی ہے۔ بے علمی ثابت نہ ہوگی رب تعالیٰ فرماتا ہے

وَاِن کُنتَ مِن قَبلِہٖ لَمِنَ الغَافِلِین اگرچہ آپ اس سے پہلے واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بے پرواہ تھے غافل فرمایا جاہل نہ فرمایا۔ غافل وہ کہ واقعہ علم میں ہے۔ مگر ادھر دھیان نہیں گلستان میں فرماتے ہیں کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا۔

زمصرش بوئے پیراہن شمیدی چرا در چاہ کنعانش ندیدی !

کہ آپ نے حضرت یوسف کے کرتہ کی خوشبو مصر سے تو پائی۔ مگر کنعان کے کنویں میں رہے۔ تو آپ معلوم نہ کر سکے۔ جواب دیا۔

بگفت احوال ما برق جہاں است دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم ! گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

فرمایا کہ ہمارا حال بجلی کی تڑپ کی طرح ہے کبھی ظاہر کبھی چھپا ہوا۔ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ ماہ کنعان مصر میں تجلی دے رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وَاَعلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا تَعلَمُو نَ (پارہ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۸۶) ''مجھے خدا کیطرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو نہیں معلوم۔''

روح البیان پارہ پارہ۱۲ از یرآیت **وَلَقَد اَرسَلنَا نُوحًا اِلیٰ قَومِہ** میں ہے کہ رب تعالیٰ کو اپنے پیاروں کا رونا بہت پسند ہے حضرت نوح اتنا روئے کہ نام ہی نوح ہوا۔ یعنی نوحہ اور گریہ زاری کرنے والے۔ حضرت یعقوب کے رونے کے لئے فراق یوسف سب ظاہری تھا ورنہ ان کا رونا بلندی درجات کا سبب تھا۔ لہذا ان کا یہ رونا حضرت یوسف سے بے خبری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ **اَلمَجَازُ قَنطَرَۃُ الحَقِیقَتِہ** مثنوی میں ہے۔

عشق لیلیٰ نیست ایں کار منست حسن لیلیٰ عکس رخسار منست
خوش بیاید نالہ شب ہائے تو ذوقہا دارم بیار بہائے تو

بنیامین کو مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک حیلہ سے روک لیا۔ بھائیوں نے اگر قسم کھائی اور قافلے والوں کی گواہی پیش کی کہ بنیامین مصر شاہی قیدی بنا لئے گئے مگر فرمایا۔

بَل سَوَّلَت لَکُم اَنفُسُکُم اَمرًا (پارہ۱۲ سورہ ۱۲ آیت ۱۸) ''کہ تمہارے نفس نے تمہیں حیلہ سکھا دیا۔''

یعنی یوسف کو بھی مجھ سے میری اولاد نے ہی جدا کیا اور بنیامین کو بھی، میری اولاد حضرت یوسف نے حیلہ ہی سے روکا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ کی خبر ہے۔ پھر بظاہر مصر میں یعقوب علیہ السلام کے دو فرزند رہ گئے تھے ایک بنیامین دوسرا یہودا۔ مگر فرماتے ہیں۔

عَسَی اللّٰہُ اَن یَّاتِیَنِی بِھِم جَمِیعًا ''قریب ہے کہ اللہ ان تینوں کو مجھ سے ملائے۔''

تین کون تھے؟ تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی تو تھے۔ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گھر میں بند کر کے بری خواہش کرنا چاہی تو اس بند مکان میں یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور دانت تلے انگلی دبا کر اشارہ کیا کہ ہرگز نہیں۔ اے فرزند یہ کام تمہارا نہیں ہے کہ تم نبی کے بیٹے ہو جس کو قرآن فرماتا ہے۔

وَھَمَّ بِھَا لَو لَا اَن رَّئٰ بُرھَانَ رَبِّہٖ ''وہ بھی زلیخا کا قصد کر لیتے اگر رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔''

یہ بھی خیال رہے کہ برادران یوسف علیہ السلام نے خبر دی کہ ان کو بھیڑیا کھا گیا اور آپ کو قمیض اور بھیڑیئے کی خبر سے ان کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا تھا کہ بھیڑیئے نے عرض کیا تھا کہ ہم پر انبیاء کا گوشت حرام ہے، دیکھو تفسیر خازن، روح البیان سورہ یوسف۔ پھر آپ اپنے فرزند کی تلاش میں جنگل میں کیوں نہ گئے؟ معلوم ہوا کہ باخبر تھے مگر رازدار تھے جانتے تھے کہ فرزند سے مصر میں ملاقات ہوگی۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کو بہت سے موقعے ملے مگر والد اپنی خبر نہ دی معلوم ہوا کہ حکم کا انتظار تھا کنعان سے بیٹھے ہوئے یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں کی ایک ایک بات دیکھ لیں۔ مگر

حضور علیہ السلام اپنی طیبہ طاہرہ صدیق کی بیٹی حضرت صدیقہ کے حالات سے بے خبر ہوں۔ مگر جو رب انکو اتنا علم دیتا ہے طاقت ضبط بھی دیتا ہے کہ دیکھتے ہیں مگر بے مرضی الٰہی راز فاش نہیں کرتے ہیں اَللّٰہُ اَعلَمُ حَیثُ یَجعَلُ رِسَالَتَہ ہماری یہ تقریر اگر خیال میں رہی تو بہت مفید ہوگی۔ ان شاء اللہ

اعتراض(۸) حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعض ازواج کے گھر شہد ملاحظہ فرمایا اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آپ کے دہن پاک سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ تو فرمایا کہ ہم نے مغافیر نہیں استعمال فرمایا۔ شہد پیا ہے۔ پھر حضور نے اپنے پر شہد حرام کرلیا۔ جس پر یہ آیت اتری لِمَ یُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ معلوم ہوا کہ اپنے دہن پاک کی بو کا بھی علم نہ تھا کہ اس بو آرہی ہے یا نہیں۔

جواب اس کا جواب اسی آیت میں ہے۔ تَبتَغِی مَرضَاتَ اَزوَاجِکَ اے حبیب یہ حرام فرمانا آپ کی بے خبری سے نہیں بلکہ ان معترض ازواج کی رضا کے لئے ہے نیز اپنے منہ کی بو غیب نہیں محسوس چیز ہے ہر صحیح الدماغ محسوس کرلیتا ہے کیا دیوبندی انبیاء کے حواس کو بھی ناقص ماننے لگے ان کے حواس کی قوت کو مولانا نے بیان فرمایا۔

نطق آب و نطق خاک و نطق گل ہست محسوس از حواس اہل دل
فلسفی گو منکر حنانہ است از حواس اولیاء بیگانہ است !

اعتراض(۹) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا تو خیبر میں زہر آلود گوشت کیوں کھالیا۔ اگر جانتے ہوئے کھایا تو یہ خودکشی کی کوشش ہے۔ جس سے نبی معصوم ہے۔

جواب اس وقت حضور علیہ السلام کو یہ بھی علم تھا کہ اس میں زہر ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ زہر ہم پر بحکم الٰہی اثر نہ کرے گا۔ اور یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کہ ہم اسے کھالیں تاکہ بوقت وفات اس کا اثر لوٹے اور ہم کو شہادت کی وفات عطا فرمائی جاوے راضی برضا تھے۔

اعتراض(۱۰) اگر حضور علیہ السلام کو علم غیب تھا تو بیر معونہ کے منافقین دھوکے سے آپ سے ستر (۷۰) صحابہ کرام کیوں لے گئے؟ جنہیں وہاں لے جاکر شہید کردیا۔ اس آفت میں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیوں پھنسایا۔

جواب جی ہاں حضور علیہ السلام کو یہ بھی خبر تھی کہ بیر معونہ والے منافقین ہیں اور یہ بھی خبر تھی کہ لوگ ان ستر صحابہ کو شہید کردیں گے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خبر تھی کہ مرضی الٰہی یہی ہے اور ان ستر کی شہادت کا وقت آگیا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بندے کی شان ہے ابراہیم علیہ السلام تو مرضی الٰہی پاکر فرزند پر چھری لے کر تیار ہوگئے کیا یہ بے گناہ پر ظلم تھا؟ نہیں بلکہ رضائے مولیٰ پر رضا تھی۔ اچھا بتاؤ رب تعالیٰ کو تو خبر تھی کہ گوشت میں زہر ہے۔ اور بیر معونہ والے ان ستر کو شہید کردیں گے۔ اس نے وحی بھیج کر کیوں نہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

تیسری فصل

علم غیب کے خلاف عبارات فقہا کے بیان میں

اعتراض(۱) فتاوی قاضی خاں میں ہے۔

رَجُلٌ تَزَوَّجَ بِغَیرِ شُهُودٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالمَرءَة خداورسول را گواہ کردیم قَالُو ایَکُونُ کُفرًا لِاَنَّه اِعتَقَدَاَنَّ رَسُولَ اللهِ عَلَیهِ السَّلاَمُ یَعلَمُ الغَیبَ وَ هُوَ مَاکَانَ یَعلَمُ الغَیبَ حِینَ کَانَ فِی الحیٰوةِ فَکَیفَ بَعدَ المَوتِ

''کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو مرد اور عورت نے کہا ہم خدا اور رسول کو گواہ کیا تو لوگوں نے کہا کے یہ قول کفر ہے کیونکہ اس اعتقاد کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ تو غیب زندگی میں نہ جانتے تھے چہ جائیکہ موت کے بعد۔''

اعتراض(۲) شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَذَکَرَ الحَنفِیَةُ تَصرِیحا بِالتَّکفِیرِ بِاعتِقَادِ اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیهِ السَّلاَمُ یَعلَمُ الغَیبَ لِمُصاوَضَةِ قَولِهٖ تَعَالیٰ قُل لاَ یَعلَمُ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ الغَیبَ اِلاَّ اللهُ

''حنفیوں نے صراحۃً ذکر کیا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے کفر ہے کیونکہ یہ عقیدہ خدائے پاک کے اس فرمان کے خلاف ہے کہ فرمادو آسمانوں اور زمین کا غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا کفر ہے۔

جواب ان دونوں عبارتوں کا اجمالی اور الزامی جواب تو یہ ہے کہ مخالفین بھی حضور علیہ السلام کو بعض علم غیب مانتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی کافر ہوئے کیونکہ ان عبارتوں میں کل یا بعض کا ذکر تو نہیں بلکہ یہ ہے کہ جو بھی حضور علیہ السلام کو علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ خواہ ایک کا مانے یا زیادہ کا۔ تو وہ بھی خیر منائیں مولوی اشرف علی تھانوی نے حفظ الایمان میں بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بعض علم غیب مانا ہے۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ میں شیطان اور ملک الموت کو وسیع علم غیب مانا۔ مولوی قاسم صاحب نے تحذیر الناس میں کمال ہی کر دیا کہ ساری مخلوقات سے حضور علیہ السلام کو علم زیادہ مانا اب ان تینوں صاحبوں پر کیا حکم لگایا جاوے گا؟ تفصیلی جواب یہ ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں ہے قَالُوا لوگوں نے کہا اور قاضی خان وغیرہ فقہاء کی عادت یہ ہے کہ وہ قَالُوا اس جگہ بولتے ہیں جہاں ان کو یہ قول پسند نہ ہو۔ شامی جلد پنجم صفحہ ۳۳۵ میں ہے۔

لَفظَةُ قَالُو اتُذکَرُ فِیمَا فِیهِ خَلاَفٌ ''لفظ قَالُوا وہاں بولا جاتا ہے جہاں اختلاف ہو۔''

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں ہے۔

کَلاَمُ قَاضِی خَان یُشِیرُ اِلیٰ عَدمِ اِختِیَارِهٖ لَه حَیثُ قَالَ قَالُو الاَیُصَلّی عَلَیهِ فِی القَعدَةِ الاَخِیرَةِ فَفِی قَولِهٖ قَالُو اِشَارَةٌ اِلیٰ عَدَمِ اِستِحسَانِهٖ لَه وَ اِلیٰ اَنَّه غَیرُ مَروِیّ عَنِ الاَئِمَّةِ کَمَا قُلنَاهُ فَاِنَّ ذٰلِکَ مُتَعَارَفٌ فِی عِبَارَاتِهِم لِمَن اِستَقرَاَهَا

''قاضی خان کا کلام ان کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا قالوا الخ ان کے قالوا کہنے میں اشارہ ادھر ہے کہ یہ قول پسندیدہ نہیں اور یہ اماموں سے مروی نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا کیونکہ یہ فقہا کی عبارات میں شائع ہے اس کو معلوم ہے جو ان کی تلاش کرے۔''

درمختار کتاب النکاح میں ہے۔

تَزَوَّجَ رَجُلٌ بِشَهَادَةِ اللهِ وَرَسُولِهٖ لَم یَجُزبَل قِیلَ یَکفُرُ

''ایک شخص نے نکاح کیا اللہ اور رسول کی گواہی سے تو نہیں جائز ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جاویگا۔''

اس عبارت کے ماتحت شامی نے تاتارخانیہ سے نقل ہے۔

وَفِی الحُجَّةِ ذُکِرَ فِی المُلتَقَطِ لاَ یَکفُرُ لاَنَّ الاَشیَاءَ تُعرَضُ عَلیٰ رُوحِ النَّبِیِّ عَلَیهِ السَّلاَمُ وَاَنَّ الرُّسُلَ یَعرِفُونَ بَعضَ الغَیبِ قَالَ اللهُ تَعَالیٰ فَلاَ یُظهِرُ عَلیٰ غَیبِهٖ اَحَدًا اِلاَّ مَنِ ارتَضیٰ مِن رَّسُولٍ قُلتُ بَل ذُکِرَ وافِی کُتُبَ العَقَائِدِ اَنَّ مِن جُملَةِ کَرَامَاتِ الاَولِیَآءِ الاِطِّلاَعُ عَلیٰ بَعضِ المُغَیبَاتِ

''ملتقط میں ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ تمام چیزیں حضور علیہ السلام کی روح پر پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب جانتے ہیں رب نے فرمایا ہے کہ

پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب پر کسی کو سوائے پسندیدہ رسول کے میں کہتا ہوں کہ کتب عقائد میں ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات میں سے بعض غیبوں پر مطلع ہونا بھی ہے۔"

شامی باب المرتدین میں مسئلہ بزازیہ ذکر فرما کر فرمایا۔

حَاصِلُه اَنَّ دَعوَی الغَیبِ مُعَارضَۃٌ لِنَصِّ القُراٰنِ یَکفُرُ بِھَا اِلَّا اِذَا اسنَدَ ذٰلِکَ صَرِیحًا اَودَلَالَۃً اِلیٰ سَبَبٍ کَوَحیٍ اَواِلھَامٍ

"اس کا خلاصہ یہ ہے دعوی علم غیب نص قرآنی کے خلاف ہے کہ اس سے کافر ہوگا مگر جبکہ اس کو صراحۃً یا دلالۃً کسی سبب کی طرف نسبت کر دے جیسے کہ وحی یا الہام۔"

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق اور خزانۃ الروات میں ہے۔

وَفِی المُضمَرَاتِ وَالصَّحِیحُ اَنَّه لَا یَکفُرُ لِاَنَّ الاَنبِیَآءَ یَعلَمُونَ الغَیبَ وَیُعرِضُ عَلَیھِم الاَشیَاءُ فَلَا یَکُونُ کُفرًا

"مضمرات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا کیونکہ انبیائے کرام غیب جانتے ہیں اور ان پر چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ پس یہ کفر نہ ہوگا۔"

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عقیدہ علم غیب پر فتوے کفر لگانا غلط ہے۔ بلکہ فقہا کا بھی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا۔

ملا قاری کی عبارت پوری نقل نہیں کی۔ اصل عبارت یہ ہے جو مطلب واضح کرتی ہے۔

ثُمَّ اعلَم اَنَّ الاَنبِیَآءَ لَم یَعلَمُوا المُغَیَّبَاتِ مِنَ الاَشیَآءِ اِلَّا مَا اَعلَمَھُمُ اللّٰهُ وَذَکَرَ الحَنَفِیَۃُ تُصرِیحًا بِالتَّکفِیرِ الخ

"پھر جانو کہ انبیائے کرام غیب چیز وں کو نہیں جانتے سوائے اس کے جو انکو اللہ بتا دیں اور حنفیوں نے کفر کی تصریح کی جو نبی علیہ السلام کو علم غیب جانے۔ الخ"

اب پورا مطلب معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کو علم غیب ذاتی ماننے کو ملا قاری کفر فرما رہے ہیں نہ کہ عطائی۔ کیونکہ عطائی کو تو مان رہے ہیں اور پھر ان کی عبارتیں ہم ثبوت علم غیب میں پیش کر چکے ہیں کہ ملا علی قاری حضور علیہ السلام کو تمام ما کان وما یکون کا علم مانتے ہیں۔

چوتھی فصل

علم غیب پر عقلی اعتراضات کے بیان میں

اعتراض(۱) علم غیب خدا کی صفت ہے اس میں کسی کو شریک کرنا شرک فی الصفت ہے لہذا حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا شرک ہے۔

جواب غیب جاننا بھی خدا کی صفت ہے حاضر چیزوں کا جاننا بھی خدا کی صفت ہے۔ **عَالِمُ الغَیبِ وَالشَّهَادَةِ** اسی طرح سننا دیکھنا زندہ ہونا سب خدا کی صفات ہیں۔ تو اگر کسی کو حاضر چیز کا علم مانا یا کسی کو سمیع یا بصیر یا حی ماناہر طرح شرک ہوا۔ فرق یہ ہی کیا جاتا ہے کہ ہمارا سننا دیکھنا زندہ رہنا خدا کے دینے سے ہے اور حادث ہے۔ خدا کی یہ صفات ذاتی اور قدیم پھر شرک کیسا؟ اسی طرح علم غیب نبی عطائی اور حادث اور متناہی ہے۔ رب کا علم ذاتی قدیم اور کل معلومات غیر متناہیہ کا ہے نیز یہ شرک تو تم پر بھی لازم ہے۔ کیونکہ تم حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب مانتے ہو بعض ہی کا سہی۔ اور خدا کی صفت میں کُلاً وبعضاً ہر طرح شریک کرنا شرک ہے۔ نیز مولوی حسین علی صاحب واں بھچر والے جو مولوی رشید احمد صاحب کے خاص شاگرد ہیں۔ اپنی کتاب بلغتہ الحیر ان زیر آیت **یَعلَمُ مُستَقَرَّهَا وَمُستَودَعَهَا کُلٌّ فِی کِتٰبٍ مُّبِینٍ** میں لکھتے ہیں کہ خدا کو ہر وقت مخلوقات کے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ بندے جب اعمال کر لیتے ہیں۔ تب علم ہوتا ہے۔ اب تو علم غیب خدا کی صفت رہی ہی نہیں۔ پھر کسی کو علم غیب ماننا شرک کیوں ہوگا۔

اعتراض(۳) حضور علیہ السلام کو علم غیب کب حاصل ہوا۔ تم کبھی تو کہتے ہو کہ شب معراج منہ میں قطرہ ٹپکایا گیا اس علم غیب ملا اور کبھی کہتے ہو کہ خواب میں رب کو دیکھا کہ اس اپنا دست قدرت حضور علیہ السلام کے شانہ پر رکھا۔ جس تمام علوم حاصل ہوئے۔ کبھی کہتے ہو کہ قرآن تمام چیزوں کا بیان ہے۔ اس کے نزول ختم ہونے سے علم غیب ملا۔ اس میں کونسی بات درست ہے۔ اگر نزول قرآن سے پہلے علم مل چکا تھا تو قرآن سے کیا ملا۔ تحصیل حاصل محال ہے۔

جواب حضور علیہ السلام کو نفس علم غیب ولادت سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ آپ ولادت سے قبل عالم ارواح میں نبی تھے۔

کُنتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَینَ الطِّینِ وَالمَآءِ اور نبی کہتے ہیں اس کو ہیں جو غیب کی خبر رکھے مگر ما کان وما یکون کی تکمیل شب معراج میں ہوئی۔ لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیاء کو نظر سے مشاہدہ فرمایا۔ پھر قرآن نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا اسی لئے قرآن میں ہے۔

تِبیَانًا لِّکُلِّ شَیئٍ ہر چیز کا بیان، اور معراج میں ہوا **فَتَجَلّٰی لِی کُلُّ شَیئٍ وعَرَفتُ** دیکھنا اور ہے بیان کچھ اور۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر ان کو تمام چیزیں دکھا دیں۔ بعد میں ان کے نام بتائے۔ وہ مشاہدہ تھا اور یہ بیان۔ اگر چیزیں دکھائی نہ گئی تھیں تو **ثُمَّ عَرَضَهُم عَلَی المَلٰئِکَةِ** کے کیا معنے ہوں گے۔ یعنی پھر ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش فرمایا لہذا دونوں قول صحیح ہیں کہ معراج میں بھی علم ہوا۔ اور قرآن سے بھی۔ اگر کہا جاوے کہ پھر نزول قرآن سے کیا فائدہ سب باتیں تو پہلے ہی سے حضور کو معلوم تھیں۔ بتائی جاتی ہے نا معلوم چیز۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن صرف حضور علیہ السلام کے علم کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس ہزار ہا دیگر فائدے ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ اس کی تلاوت وغیرہ نہ ہوگی اگر نزول قرآن حضور علیہ السلام کے علم کے لئے ہے تو بعض سورتیں دوبار کیوں نازل ہوئیں۔

تفسیر مدارک میں ہے۔

فَاتِحَةُ الکِتَابِ مَکِّیَةٌ وَقِیلَ مَدَنِیَةٌ وَالاَصَحُّ اَنَّهَا مَکِّیَةٌ وَمَدَنِیَةٌ نَزَلَت بِمَکَّةَ ثُمَّ نَزَلَت بِالمَدِینَةِ

’’سورۃ فاتحہ مکی ہے اور کہا گیا ہے کہ مدنی ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ یہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی اولاً مکہ میں نازل ہوئی پھر مدینہ میں۔‘‘

مشکوٰۃ حدیث معراج میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو شب معراج میں پانچ نمازیں اور سورۃ بقر کی آخری آیات عطا ہوئیں۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے سوال کیا کہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی اور سورہ بقر مدنی ہے۔ پھر اس کی آخری آیات میں کیسے عطا ہوئیں؟ تو جواب دیتے ہیں۔

حَاصِلُه اَنَّه وَقَعَ تکرَارُ الوَحیِ فِیهِ تَعظِیمًا لَّه و اهتِمَامًا لِّشَانِهٖ وحَیٰ اللّٰهُ اِلَیهِ فِی تِلکَ اللَّیلَةِ بِلاَ وَاسِطَةِ جبرِیلَ

’’خلاصہ یہ ہے کہ اس میں وحی مکرر ہوئی حضور علیہ السلام کی تعظیم اور آپکے اہتمام شان کیلئے۔ پس اللہ نے اس رات بغیر واسطہ جبریل وحی فرمادی۔‘‘

اسی حدیث کے ماتحت لمعات میں ہے۔

نَزَلَت عَلَيهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لَيلَةَ المِعراجِ بِلاَ وَاسِطَةٍ ثُمَّ نَزَلَ بِهَا جِبرِيلُ فَاُثبِتَ فِی المَصَاحِفِ

''شب معراج میں یہ آیات بغیر واسطہ کے اتریں پھر ان جبریل نے اتارا تو قرآن میں رکھیں گئیں۔''

بتاؤ کہ نزول کس لئے ہوا؟ حضور علیہ السلام کو تو پہلے نزول سے علم حاصل ہو چکا تھا۔ نیز ہر سال ماہ رمضان میں جبریل امین حضور علیہ السلام کو سارا قرآن سناتے تھے۔ مقدمہ نور الانوار تعریف کتاب میں ہے۔

لِاَنَّه كَانَ يَنزِلُ عَلَيهِ السَّلاَمُ دَفعَته وَّاحِدَةً فِی كُلِّ شَهرِ رَمضَانَ جُملَتَه

بتاؤ یہ نزول کیوں تھا؟ بلکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو تمام آسمانی کتابوں کا پورا علم تمہارا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰاَهلَ الكِتَابِ قَد جَآءَكُم رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُم كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُم تُخفُونَ مِنَ الكِتَابِ وَيَعفُوا عَن كَثِيرٍ

(پارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۱۵)

''یعنی اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے وہ رسول آگئے جو تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی کتاب کو ظاہر فرماتے ہیں اور بہت سے درگزر فرماتے ہیں۔''

اگر حضور علیہ السلام کے علم میں ساری کتب آسمانی نہیں تو ان کا ظاہر فرمانا یا نہ فرمانا کیا معنے حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اول ہی سے قرآن کے عارف تھے۔ مگر قرآنی احکام نزول سے قبل جاری نہ فرمائے اسی لئے بخاری کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے غار حرا میں پہلی بار آکر عرض کیا اِقرَءْ آپ پڑھیئے یہ نہ عرض کیا کہ فلاں آیت پڑھیئے اور پڑھو اسی سے کہتے ہیں جو جانتا ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِعٍ میں نہیں پڑھنے والا میں تو پڑھانے والا ہوں پڑھ تو پہلے ہی لیا ہے لوح محفوظ میں قرآن ہے اور حضور علیہ السلام کے علم میں پہلے ہی سے ہے۔ آپ ولادت سے پہلے نبی صاحب قرآن ہیں۔ بغیر وحی کے نبوت کیسی؟ لہذا ماننا ہوگا کہ قبل ولادت ہی قرآن کے عارف ہیں۔ آج بھی بعض بچے حافظ پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا اٰتانِیَ الکِتٰبَ رب نے مجھے کتاب دی۔ معلوم ہوا کہ ابھی سے کتاب کو جانتے ہیں بعض پیغمبروں کے لئے فرمایا اٰتَینَاهُ الحُكمَ صَبِيًّا ہم نے انہیں بچپن ہی سے علم وحکمت دی۔ حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے امت کی شفاعت کی۔ حالانکہ سجدہ اور شفاعت حکم قرآنی ہے۔ حضور غوث پاک نے ماہ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ یہ بھی حکم قرآنی ہے۔ نور الانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے یعنی اِنَّ العَمَلَ بالقُراٰنِ كَانَ جَبِلَّته لَه مِن غَيرَ تَكَلُّف معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا حضور ﷺ کی پیدائشی عادت ہے ہمیشہ حلیمہ دائی کا ایک پستان پاک چوسا۔ دوسرا بھائی کے لئے چھوڑا۔ یہ عدل وانصاف بھی قرآنی حکم ہے۔ اگر ابتداء سے قرآن کے عارف نہیں تو یہ عمل کیسے فرما رہے ہیں۔ دیوبندیوں کا ایک مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیتوں کے عموم سے لازم آتا ہے کہ حضور کا علم رب کے برابر ہو۔ مگر ان آیتوں میں قیامت تک کی قید لگاتے ہو مَالَم تَكُن تَعلَم میں نہ تو قیامت کی قید ہے نہ ماکان ومایکون کا ذکر۔ اور ایک دفعہ خاص ہونے سے آئندہ خصوص کا دروازہ کھل جاتا ہے دیکھو کتب اصول۔ لہذا ہم ان آیتوں میں احکام شرعیہ کی قید لگاتے ہیں یعنی اس سے صرف شرعی احکام مراد ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں آیت میں تخصیص نہیں بلکہ عقلی استثنا ہے کیونکہ رب کا علم غیر متناہی ہے مخلوق کا دماغ غیر متناہی علوم نہیں لے سکتا۔ برہان تسلسل وغیرہ سے لہذا متناہی ہوگا۔ احادیث سے پتہ لگا کہ قیامت تک کی حضور نے خبر دی اسی لئے یہ دعوٰی کیا گیا استثنا کا اور حکم ہے اور تخصیص کا حکم دوسرا دیکھو اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ سے بچے دیوانے حائضہ خارج ہیں یہ تخصیص نہیں بلکہ استثنا ہے۔

فقیر نے یہ مختصری تقریر علم غیب کے متعلق کردی۔ اس کی زیادہ تحقیق کرنا ہو تو رسالہ مبارکہ الکلمۃ العلیاء کا مطالعہ کرو۔ جو کچھ میں نے کہا یہ اس بحر کی ایک لہر ہے چونکہ مجھے اور مسائل پر بھی گفتگو کرنا ہے۔ لہذا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيرِ خَلقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ اَجمَعِينَ بِرَحمَتِكَ وَهُوَ اَرحَمُ الرّٰحِمِينَ

حاضر و ناظر کی بحث

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ حاضر و ناظر کی لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق میں

حاضر کے لغوی معنی ہیں سامنے موجود ہونا یعنی غائب نہ ہونا المصباح المنیر میں ہے۔ حاضر حَضَرۃُ مَجلِسِ القَاضِی وحَضَرَ الغَائِبُ حُضُورًا قَدِمَ مِن غَیبَتِہ منتہی الارب میں ہے حاضر حاضر شوندہ۔ ناظر کے چند معنے ہیں۔ دیکھنے والا، آنکھ کا تل، نظر، ناک کی رگ، آنکھ کا پانی۔ المصباح المنیر میں ہے۔ وَالنَّاظِرُ السَّوادُ الاَصغَرُ مِنَ العَینِ الَّذِی یَصُرُبِہ الانسَانُ شَخصَہ' قاموس اللغات میں ہے۔ وَالنَّاظِرُ السَّوَادُ فِی العَینِ اَوِالبَصَرُ بِنَفسِہٖ وعِرقٌ فِی الاَنفِ وَفِیہِ مَاءُ البَصَرِ مختار الصحاح میں ابن ابی بکر رازی کہتے ہیں۔ اَلنَّاظِرُ فِی المَقلَتِہ السَّوَادُ لاَ صغَرُ الَّذِی فِیہِ المَاءُ العَینِ جہاں تک ہماری نظر کام کرے وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جس جگہ تک ہماری دسترس ہو کہ تصرف کرلیں وہاں تک ہم حاضر ہیں۔ آسمان تک نظر کام کرتی ہے وہاں تک ہم ناظر، یعنی دیکھنے والے ہیں مگر وہاں ہم حاضر نہیں۔ کیونکہ وہاں دسترس نہیں۔ اور جس حجرے یا گھر میں ہم موجود ہیں وہاں حاضر ہیں کہ اس جگہ ہماری پہنچ ہے۔ عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجتمندوں کی حاجت روائی کرے۔ یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے ان سب معنی کا ثبوت بزرگان دین کے لئے قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ہے۔

پہلا باب

حاضر وناظر کے ثبوت میں

اس میں پانچ فصلیں ہیں

پہلی فصل آیات قرآنیہ سے ثبوت

۱) یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت ۴۶)

’’اے غیب کی خبریں بتانے والے بیشک ہم نے تم کو بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈرسناتا اور اللہ کی طرف اسکے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔‘‘ شاہد کے معنی گواہ بھی ہوسکتے ہیں اور حاضر اور ناظر بھی، گواہ کو شاہد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ موقعہ پر حاضر تھا۔ حضور علیہ السلام کو شاہد یا تو اس لئے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کو دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں ورنہ سارے انبیاء گواہ تھے یا اس لئے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی عینی گواہی دیں گے یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح آپ کا مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کئے مگر سن کر، حضور علیہ السلام نے دیکھ کر۔ اسی لئے معراج صرف حضور کو ہوئی۔ سراج منیر آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے گھر گھر میں موجود۔ آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر وناظر ہونا ثابت ہے۔

۲) وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّ سَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۴۳)

’’اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔‘‘

۳) فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۴۱)

’’تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تم کو ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔‘‘

ان آیتوں میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے۔ انبیائے کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیئے تھے اور اپنی گواہی کے لئے امت مصطفٰی علیہ السلام کو پیش کریں گے۔ ان کو گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا۔ تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جاویگی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے ایک تو یہ نبیوں نے تبلیغ کی۔ دوسری یہ کہ میری امت والے قابل گواہی ہیں۔ بس مقدمہ ختم۔ انبیاء کرام کے حق میں ڈگری۔ اگر حضور علیہ السلام نے گذشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہ فرمایا تھا تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی؟ جیسی کہ امت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی۔ اس سے آپ کا حاضر وناظر ہونا ثابت ہوا۔ اس آیت کی تحقیق ہم بحث علم غیب میں کر چکے ہیں۔

۴) لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ (پارہ ۱۱ سورہ ۹ آیت ۱۲۸)

’’بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔‘‘

اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر وناظر ہونا ثابت ہے ایک یہ کہ **جَآءَکُمْ** میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور علیہ السلام تشریف لائے جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں تو حضور علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ دوم یہ فرمایا گیا **مِنْ اَنْفُسِکُمْ** تمہاری نفسوں میں سے ہے یعنی ان کا آنا تم میں ایسا ہے جیسے جان کا قالب میں آنا کہ قالب کی رگ رگ اور رونگٹے رونگٹے میں موجود اور ہر ایک سے خبردار رہتی ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر فعل سے خبردار ہیں۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں وہ لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے!

اگر آیت کے صرف یہ معنی ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان ہیں تو **مِنْکُمْ** کافی تھا **مِنْ اَنْفُسِکُمْ** کیوں ارشاد ہوا؟ تیسرے یہ کہ فرمایا گیا **عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ** ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہماری راحت و تکلیف کی ہر وقت حضور کو خبر ہے تب ہی تو ہماری تکلیف سے قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے ورنہ اگر ہماری خبر ہی نہ ہو تو تکلیف کیسی؟ یہ کلمہ بھی حقیقت میں **اَنْفُسِکُمْ** کا بیان ہے کہ جس

طرح جسم کے کسی عضو کو دکھ ہو تو روح کو تکلیف اسی طرح تم کو دکھ ہو تو آقا کو گرانی اس کرم کے قربان۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ

۵) وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡکَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۶۴)

"اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں کی بخشش کی سبیل صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوکر شفاعت مانگیں۔ اور حضور کرم کریمانہ سے شفاعت فرمادیں۔ اور یہ تو مطلب ہو سکتا نہیں کہ مدینہ پاک میں حاضر ہوں۔ ورنہ پھر ہم فقیر پردیسی گنہگاروں کی مغفرت کی کیا سبیل ہوگی۔ اور مالدار بھی عمر میں ایک دو بار ہی پہنچتے ہیں اور گناہ دن رات کرتے ہیں۔ لہذا تکلیف مَا فَوۡقَ الطَّاقَت ہوگی لہذا مطلب یہ ہوا کہ وہ تو تمہارے پاس موجود ہیں تم غائب ہو تم بھی حاضر ہو جاؤ کہ ادھر متوجہ ہو جاؤ۔

یار نزدیک تر از من بمن است   وین عجب بیں کہ من ازوے دورم

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہیں۔

۶) وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ پھر فرماتا ہے۔ وَرَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ

"اور ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔"

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور رحمت جہانوں کو محیط۔ لہذا حضور علیہ السلام جہانوں کو محیط، خیال رہے کہ رب کی شان ہے رب العلمین۔ حبیب کی شان ہے رحمۃ للعلمین معلوم ہوا کہ اللہ جس کا رب ہے۔ حضور علیہ السلام اس کے لئے رحمت۔

۷) مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِیۡهِمۡ (پارہ ۹ سورہ ۸ آیت ۳۳)

"اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔"

یعنی عذاب الہی اس لئے نہیں آتا کہ ان میں آپ موجود ہیں اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ بھی نہ آوے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک ہر جگہ موجود ہیں۔ بلکہ روح البیان میں فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سعید و شقی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کا ذکر تیسری فصل میں آتا ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِیۡکُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ "جان لو کہ تم سب میں رسول اللہ تشریف فرما ہیں۔"

یہ تمام صحابہ کرام سے خطاب ہے، اور صحابہ کرام تو مختلف جگہ رہتے تھے معلوم ہوا کہ حضور سب جگہ انکے پاس ہیں۔

۸) وَکَذٰلِکَ نُرِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ مَلَکُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۷۵)

"اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب نے تمام عالم بچشم سر ملاحظہ کرادیا۔ حضور علیہ السلام کا درجہ ان سے اعلیٰ ہے لہذا ضروری ہے کہ آپ نے بھی عالم کو مشاہدہ فرمایا ہو۔ اس آیت کی تحقیق بحث علم غیب میں گذر گئی۔

۹) اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ (پارہ ۳۰ سورہ ۱۰۵ آیت ۱)

"اے محبوب کیا تم نے دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔"

۱۰) اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ (پارہ ۳۰ سورہ ۸۹ آیت ۶)

"کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے قوم عاد کیساتھ کیا کیا۔"

قوم عاد اور اصحاب فیل کا واقعہ ولادت پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے اَلَمۡ تَرَ کیا آپ نے نہ دیکھا یعنی دیکھا ہے اگر کوئی کہے کہ قرآن کریم کفار کے بارے میں فرماتا ہے۔

اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَهۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۶)

"کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کردیں۔"

کفار نے اپنے سے پہلے کفار کو ہلاک ہوتے نہ دیکھا تھا۔ مگر فرمایا گیا کہ کیا نہ دیکھا انہوں نے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کفار کے اجڑے ہوئے ملک اور تباہ شدہ مکانات کا دیکھنا مراد ہے اور چونکہ کفار مکہ اپنے سفروں میں ان مقامات سے گزرتے تھے اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو ظاہر میں دنیا کی سیاحت فرمائی اور نہ قوم عاد وغیرہ کے اجڑے ہوئے ملکوں کو بظاہر دیکھا۔ اس لئے ماننا ہوگا کہ یہاں نور نبوت سے دیکھنا مراد ہے۔

۱۱) قرآن کریم جگہ جگہ اِذ فرماتا ہے وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَۃِ جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا وَاِذْقَالَ مُوسٰی لِقَومِہ جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا وغیرہ وغیرہ اس جگہ مفسرین محذوف نکالتے ہیں اُذْکُر یعنی اس واقعہ کو یاد کرو۔ اور یاد وہ چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے سے دیکھی بھالی ہو ادھر توجہ نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گذشتہ واقعات حضور کے دیکھے ہوئے ہیں۔ روح البیان نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کے سارے واقعات حضور علیہ السلام مشاہدہ فرمارہے تھے اس کا ذکر آگے آتا ہے، اگر کوئی کہے کہ بنی اسرائیل سے بھی خطاب ہے وَاِذْنَجَّینَا کُم مِنْ اٰلِ فِرعَونَ اس وقت کو یاد کرو۔ جبکہ ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی تھی۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ کے یہودی اس زمانہ میں کہاں تھے مگر مفسرین یہاں بھی اُذْکُرُوا محذوف نکالتے ہیں۔ جواب دیا جاویگا کہ ان بنی اسرائیل کو تاریخی واقعات معلوم تھے۔ کتب تواریخ پڑھی تھیں۔ اس طرف ان کو متوجہ کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے نہ کسی سے پڑھا نہ کتب تاریخ کا مطالعہ فرمایا اور نہ کسی مورخ کی صحبت میں رہے نہ تعلیم یافتہ قوم میں پرورش پائی اب آپ کو بجز نور نبوت علم کا ذریعہ کیا تھا۔

۱۲) اَلنَّبِیُّ اَولٰی بِالْمُؤمِنِینَ مِن اَنفُسِہِم ”نبی مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔“

مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اَولٰی کے معنی قریب تر ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوئے نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام ہیں اور زیادہ قریب چیز بھی چھپی رہتی ہے۔ اسی زیادتی قرب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

تنبیہ اس جگہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم مقلد ہو اور مقلد کو آیات یا احادیث سے دلیل لینا جائز نہیں وہ تو قول امام پیش کرے۔ لہذا تم صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی پیش کرسکتے ہو اس کا جواب چند طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ آپ خود حاضر و ناظر نہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس بارے میں امام صاحب کا قول پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ ہم تقلید کی بحث میں عرض کرچکے ہیں کہ مسئلہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ بلکہ مسائل فقہیہ اجتہادیہ میں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے۔ تیسرے یہ کہ صریح آیات و احادیث سے مقلد بھی استدلال کرسکتا ہے۔ ہاں ان سے مسائل کا استنباط نہیں کرسکتا۔ طحاوی میں ہے۔

وَمَا فُہِمَ الاَحکَامُ مِن نَّحوِ الظَّاھِرِ وَالنَّصِّ وَالمُفَسِّرِ فَلَیسَ مُختَصًّا بِہٖ (اَی بِالمُجتَہِد) بَل یَقدِرُ عَلَیہِ العُلَمَآءُ الاَعَمُّ

”جو احکام ظاہر نص و مفسر سے سمجھے جاویں۔ وہ مجتہد سے خاص نہیں۔ بلکہ اس پر عام علماء قادر ہیں۔“

مسلم الثبوت میں ہے۔ وَاَیضًا شَاعَ وَذَاعَ اِحتِجَاجُہُم سَلَفًا وَّخَلَفًا بِالعُمُومَاتِ مِن غَیرِ نَکِیر نیز عام آیات سے دلیل پکڑنا خلف وسلف میں بغیر کسی انکار کے شائع ہے۔

قرآن بھی فرماتا ہے فَاسئَلُوا اَھلَ الذِّکرِ اِن کُنتُم لَا تَعلَمُونَ اگر تم نہ جانتے ہو تو ذکر والوں سے پوچھو۔ اجتہادی مسائل ہم نہیں جانتے ان میں آئمہ کی تقلید کرتے ہیں اور صریح آیات کا ترجمہ جانتے ہیں اس میں تقلید نہیں۔ چوتھے یہ کہ مسئلہ حاضر و ناظر پر فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال بھی آئندہ فصلوں میں آرہے ہیں دیکھو اور غور کرو حاضر و ناظر کا عقیدہ سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں

اس میں تمام وہ احادیث پیش کی جاویں گی جو مسئلہ علم غیب میں گزر چکی ہیں۔ خصوصاً حدیث نمبر۶، ۷، ۱۸، ۱۹جن کا مضمون یہ ہے کہ ہم تمام عالم کو مثل کف دست دیکھ رہے ہیں۔ ہم پر ہماری امت اپنی صورتوں میں پیش ہوئی اور ہم ان کے نام، ان کے باپ داروں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ جانتے ہیں وغیرہ وغیرہ اسی طرح ان کی شرح میں محدثین کے اقوال گزر چکے ہیں وہ پیش کئے جائیں گے خصوصاً مرقاۃ، زرقانی، وغیرہ کی عبارتیں ان کے علاوہ حسب ذیل احادیث اور بھی پیش کی جاویں گی۔

مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے۔

۱) فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِی هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّد

”نکیرین میت سے پوچھتے ہیں کہ تم انکے (محمد رسول اللہ) کے بارے میں کیا کہتے تھے۔“

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے یعنی ہذا الرجل کہ می گویند آنحضرت رامی خواہند۔ ہذا الرجل سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اشعۃ اللمعات میں یہی حدیث ہے یا باحضار ذات شریف دے درعیانے بہ ایں طریق کہ در قبر مثالے وے علیہ السلام حاضر ساختہ باشد دوردریں جابشارتے است عظیم مرمشتان غمزدہ راہ کہ گر برامید ایں شادی جاں دہندہ زندہ در گور روند جائے دارد یا قبر میں ظاہر ظہور آپکی ذات شریف کو حاضر کرتے ہیں اس طرح کہ قبر میں حضور علیہ السلام کا وجود مثالی موجود کر دیتے ہیں اور اس جگہ مشتاقان غمزدہ کو بڑی خوشخبری ہے کہ اگر اس شادی کی امید پر جان دے دیں اور زندہ قبروں میں چلے جائیں تو اس کا موقعہ ہے۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں یہ ہی حدیث ہے۔ فَقِيْلَ يُكْشَفُ لِلْمَيِّتِ حَتّٰى يَرَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرٰى عَظِيْمَةٌ

”کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ بڑی ہی خوشخبری ہے۔“

قسطلانی شرح بخاری جلد۳صفحہ۳۹۰کتاب الجنائز میں ہے۔

فَقِيْلَ يُكْشَفُ لِلْمَيِّتِ حَتّٰى يَرَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرٰى عَظِيْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِ اِنْ صَحَّ

”کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک وہ نبی علیہ السلام کو دیکھتا ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے بڑی خوشخبری ہے اگر ٹھیک رہے۔“

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہذا الرجل معہود ذہنی کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتے مردہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ جو تیرے ذہن میں موجود ہیں انہیں تو کیا کہتا تھا؟ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو کافر میت سے سوال نہ ہوتا کیونکہ وہ تو حضور علیہ السلام کے تصور سے خالی الذہن ہے۔ نیز کافر اس کے جواب میں یہ نہ کہتا۔ میں نہیں جانتا بلکہ پوچھتا تم کس کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ اس کے **لَا اَدْرِیْ** کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کو آنکھوں سے دیکھ تو رہا ہے مگر پہچانتا نہیں اور یہ اشارہ خارجی ہے۔

اس حدیث اور عبارتوں سے معلوم ہوا کہ قبر میں میت کو حضور علیہ السلام کا دیدار کرا کر سوال ہوتا ہے تو اس شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تیرے سامنے جلوہ گر ہیں۔ کیا کہتا تھا ہذا اشارہ قریب ہے معلوم ہوا کہ دکھا کر قریب کر کے پھر پوچھتے ہیں۔ اسی لئے حضرات صوفیائے کرام اور عشاق موت کی تمنا کرتے ہیں اور قبر کہ پہلی رات کو دولہا کے دیدار کی رات کہتے ہیں۔

اعلیحضرت فرماتے ہیں۔

جان تو جاتے ہی جائیگی قیامت یہ ہے   کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

مولانا آسی فرماتے ہیں۔

آج پھولے نہ سمائیں کفن میں آسی   جس کے جویاں تھے ہے اس گل کی ملاقات کی رات

ہم نے اپنے دیوان میں عرض کیا ہے۔ مرقد کی پہلی شب ہے دولہا کی دید کی شب اس شب پہ عید صدقے اس کا جواب کیسا اسی لئے بزرگان دین کے وصال کے دن کو روز عرس کہتے ہیں، عرس کے معنی ہیں شادی کیونکہ عروس یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولہا کے دیدار کا دن ہے۔

اور ایک وقت میں ہزار ہا جگہ ہزاروں مردے دفن ہوتے ہیں۔ تو اگر حضور علیہ السلام حاضر و ناظر نہیں ہیں تو ہر جگہ جلوہ گری کیسی؟ ثابت ہوا کہ حجاب ہماری نگاہوں پر ہے۔ ملائکہ اس حجاب کو اٹھا دیتے ہیں جیسے کہ دن میں کوئی خیمہ میں بیٹھا ہو اور آفتاب اس کی نگاہ سے غائب ہو کسی نے اس خیمہ کو اوپر سے ہٹا کر سورج دکھایا۔

۲) مشکوٰۃ باب التحریض علی قیام الیل میں ہے۔

اِسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَزِعًا يَقُوْلُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ

وَمَاذَاانُزِلَ مِنَ الفِتَنِ

''ایک شب حضور علیہ السلام گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے فرماتے تھے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر خزانے اور کس قدر فتنے اتارے گئے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے فتنوں کو بچشم ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

۳) مشکوٰۃ باب المعجزات میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

نَعَی النَّبِیُّ عَلَیهِ السَّلَامُ زَیداً جعفرَ وابنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبلَ اَن یَّاتِیَهُم خبرُهُم فَقَالَ اَخذَ الرَّایَةَ زَیدٌ فَاُصِیبَ اِلیٰ حَتّیٰ اَخَذَالرَّایَةَ سَیفَ مِن سُیوفِ اللهِ یَعنی خَالِدَ ابنَ الوَلِیدِ حَتّیٰ فَتَحَ اللهُ عَلَیهِم

''حضور علیہ السلام نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کی ان کی خبر موت آنے سے پہلے لوگوں کو خبر موت دے دی۔ فرمایا کہ اب جھنڈا زید نے لے لیا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہانتک کہ جھنڈا اللہ کی تلوار خالد ابن ولید نے لیا تا آنکہ کہ اللہ نے ان کو فتح دے دی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ موتہ جو کہ مدینہ منورہ سے بہت ہی دور ہے وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو حضور مدینہ سے دیکھ رہے ہیں۔

۴) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات کے بعد باب وفاۃ النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَاِن مَوعِدَکُم الحَوضُ وَاِنِّی لَا نظُرَ اِلَیهِ وَاَنَا فِی مَقَامِی

''تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ میں اس کو اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔''

۵) مشکوٰۃ باب تسویۃ الصف میں ہے۔

اَقِیمُوا صُفُوفَکُم فَاِنِی اَرٰکُم مِن وَّرَائِیُ ''اپنی صفیں سیدھی رکھی کیونکہ ہم تم کو اپنے پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔''

۶) ترمذی جلد دوم باب العلم **بَابُ مَاجَآءَ فِی ذِهَابِ العِلمِ** میں ہے۔

کُنَّامَعَ النَّبِیِّ عَلَیهِ السَّلَامُ فَشَخَصَ بِبَصَرِهٖ اِلیٰ السَّمَآءِ ثُمَّ قَالَ هٰذَااَوَانُ یُختَلَسُ العِلمُ مِنَ النَّاسِ حَتّیٰ لَایَقدِرُوامِنهُ عَلیٰ شَیئِی

''ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے کہ آپ نے اپنی نظر آسمان کیطرف اٹھائی اور فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے جبکہ علم لوگوں سے چھین لیا جاویگا حتیٰ کہ اس پر بالکل قابو نہ پائیں گے۔''

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقاۃ کتاب العلم میں فرماتے ہیں۔

فَکَاَنَّهٗ عَلَیهِ السَّلَامُ لَمَّانَظَرَ اِلیٰ السَّمَآءِ کُوشِفَ بِاِقتَرَابِ اَجَلِهٖ فَاَخبَرَ بِذٰلِکَ

''جب حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا تو آپ پر آپکی موت کا قرب ظاہر ہو گیا تو اسکی خبر دے دی۔''

۷) مشکوٰۃ شروع باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا۔

فَاِنِّی اَرَی الفِتَنَ تَقَعُ خِلَلَ بُیُوتِکُم کَوَقعِ المَطَرِ

''میں تمہارے گھروں میں بارش کیطرح فتنے گرتے دیکھتا ہوں۔''

معلوم ہوا کہ یزیدی وحجازی فتنے جو عرصہ کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بین آئندہ کے واقعات اور دور وقریب کے حالات اور حوض کوثر جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدام کو بھی خدائے قدوس یہ قدرت وعلم عطا فرماتا ہے۔

۸) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر کا سردار ساریہ کو بنا کر نہاوند بھیجا۔

فَبَینَمَا عُمَرُ یَخطُبُ فَجَعَلَ یَصِیغُ یَا سَارِیَةُ اَلجَبَلَ

''عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے پکارنے لگے کہ اے ساریہ پہاڑ کو لو۔''

کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے قاصد آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ ہم نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ ساریہ پہاڑ کو لو۔ تو ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے لیا۔ خدا نے انکو شکست دے دی۔

۹) امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں حارث ابن نعمان اور حارثہ ابن نعمان رضی اللہ عنہما سے

روایت کی کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار نے مجھ سے سوال فرمایا کہ اے حارث تم کس حال میں دن پایا۔ میں عرض کیا کہ سچا مومن ہو کر۔ فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے میں نے عرض کیا۔

وَكَاَنِّیْ اَنظُرُ اِلیٰ عَرشِ رَبِّی بَارِزًاوَ کَاَنِّی اَنظُرِالیٰ اَھلِ الجَنَّۃِ یَتَزَاوَرُونَ فِیھَا وَ کَاَنِّی اَنظُرُالیٰ اَھلِ النَّارِ یَتَضَاغُونَ فِیھَا

’’میں گویا عرش الٰہی کو ظاہر دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔‘‘

اسی قصہ کو مثنوی شریف میں نقل کیا ہے۔

ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من   ہست پیدا ہم چوں بت ایں پیش ہن
یک بیک وامی شناسم خلق را   ہمچو گندم من زجو در آسیا
کہ بہشتی کہ وزیگانہ کی است   پیش من پیدا چو مورو ماہی است
من بگویم یا فرو بندم نفس   لب گزیدش مصطفیٰ یعنی کہ بس

میرے سامنے ۸ بہشت اور ۷ دوزخ ایسے ظاہر ہیں۔ جیسے ہندو کے سامنے بت ہیں ہر ایک مخلوق کو ایسا پہچانتا ہوں جیسے چکی میں جو اور گیہوں۔ کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون۔ میرے سامنے یہ سب مچھلی اور چیونٹی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ اور کہوں۔ حضور نے ان کا منہ پکڑ لیا کہ بس۔

جب اس آفتاب کے زروں کی نظر کا یہ حال کہ جنت و دوزخ، عرش و فرش، جنتی و دوزخی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کونین کی نظر کا کیا پوچھنا ہے۔

۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف جماعت صحابہ کو پڑھائی بحالت نماز ہاتھ اٹھایا جیسے کچھ لینا چاہتے ہیں بعد نماز صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ نماز میں یہ جنبش کیسی تھی۔ فرمایا ہم پر جنت پیش کی گئی چاہا کہ ہم اس کا ایک خوشہ توڑ لیں۔ مگر چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کا علم بالغیب قائم رہے۔ اگر یہ توڑ لیتے تو لوگ تاقیامت اس سے کھاتے رہتے اس سے پتہ لگا کہ حضور مدینہ میں کھڑے ہیں ہاتھ اٹھایا تو جنت میں پہنچا جسم مدینہ میں ہے ہاتھ جنت الفردوس کے باغ کے خوشہ پر یہ ہے حاضر و ناظر کے معنی۔ اسی طرح حضور کا ہاتھ مدینہ منورہ سے ہماری ڈوبتی کشتی پر پہنچ کر بیڑا پار کر سکتا ہے۔

تیسری فصل حاضر وناظر کا ثبوت فقہا اور علماء امت کے اقوال سے

۱) درمختار جلد سوم باب المرتدین بحث کرامات اولیاء میں ہے۔

یَا حَاضِرُ یَانَاظِرُ لَیسَ بِکُفرٍ ’’اے حاضر اے ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔‘‘

شامی میں اسی کے ماتحت ہے۔

فَاِنَّ الحُضُورَ بِمسیَ العِلمِ شَائِعٌ مَایَکُونُ مِن نَجوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُم وَالنَّاظِرُ بِمَعنَی الرُّؤیَۃِ اَلَم یَعلَم بِاَنَّ اللہَ یَرٰی فَالمَعنٰی یَاعَالَمُ مَن رَّی

’’(بزازیہ) کیونکہ حضور بمعنی علم مشہور ہے قرآن میں ہے کہ نہیں ہوتا تین کا مشورہ مگر رب ان کا چوتھا ہوتا ہے اور ناظر بمعنی دیکھنا ہے رب فرماتا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے پس اسکے معنی یہ ہوئے کہ اے عالم اے دیکھنے والے۔‘‘

۲) درمختار جلد اول باب کیفیۃ الصلوٰۃ میں ہے۔

وَیَقصِدُ بِاَلفَاظِ التَّشھُدِ الاِنشَآءَ کَاَنَّہ یُحیِّ عَلَی اللہِ وَیُسَلِّمُ عَلیٰ نَبِیِّہٖ نَفسِہ

’’التحیات کے لفظوں میں خود کہنے کی نیت کرے گویا نمازی رب کو تحیہ اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے۔‘‘

شامی میں اسی عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَی لَا یَقصِدُ الاِخبَارَ وَالحِکَایَۃَ عَمَّا وَقَعَ فِی المِعراجِ مِنہُ عَلَیہِ السَّلَامُ وَمِن رَّبِّہٖ وَمِنَ المَلٰٓئِکَۃِ

’’یعنی التحیات میں معراج کے اس کلام کے قصہ کی نیت نہ کرے جو حضور علیہ السلام اور رب تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان ہوا۔‘‘

فقہاء کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر و ناظر کہنا کفر نہیں ہے اور التحیات میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر سلام عرض کرے التحیات کے متعلق اور بھی عبارات آتی ہیں مجمع البرکات میں شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں۔ ’’وے علیہ السلام بر احوال و اعمال امت مطلع است بر مقربان و

خاصان درگاہ خود مفیض و حاضر و ناظر است۔ ’’حضور علیہ السلام امت کے حالات و اعمال پر مطلع ہیں اور حاضرین بارگاہ کو فیض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ ہزدم مسمٰی بہ سلوک اقرب السبل بالتوجہ سید الرسل میں فرماتے ہیں۔ باچندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت ہست یک کس را دریں مسئلہ خلافی نیست کہ آنحضرت علیہ السلام بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز تو ہم تاویل دائم و باقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظر است و مرطالبان حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و مربی (ادخال السناں) اس اختلاف و مذاہب کے باوجود جو علمائے امت میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام حقیقی زندگی سے بغیر تاویل و مجاز کے احتمال کے باقی اور دائم ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور حقیقت کے طلبگار اور حاضرین بارگاہ کو فیض رساں اور مربی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح فتوح الغیوب صفحہ ۳۳۳ فرماتے ہیں۔ ’’امام الانبیاء علیہم السلام بحیات حقیقی دنیاوی حی و باقی و متصرف ان دریں جا سخن نیست۔ ’’انبیاء علیہم السلام دنیاوی حقیقی زندگی سے زندہ اور باقی و عمل درآمد فرمانے والے ہیں اس میں کوئی کلام نہیں۔

مرقات باب مَایُقَالُ عِندَ حَضرَہ المَوتُ کے آخر میں ہے۔

وَلَاتَبَاعِد عَنِ الاَولِیَاءِ حَیثُ طُوِیَت لَہُم الاَرضُ وحَصَلَ لَہُم اَبدَانٌ مُکتَسِبَۃٌ مُتَعَدِّدَۃٌ وَجَدُوھَا فِی اَمَاکِنِ مُختَلِفَۃٍ فِی اٰنٍ وَّاحِدٍ

’’یعنی اولیاء اللہ ایک آن میں چند جگہ ہو سکتے ہیں اور ان کے بیک وقت چند اجسام ہو سکتے ہیں۔‘‘

شفا میں ہے۔ اِن لَّم یَکُن فِی البَیتِ اَحَدٌ فَقُل السَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ وَرَحمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہ

’’جب گھر میں کوئی نہ ہو تو تم کہو کہ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

اس کے ماتحت ملاعلی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں۔

لِاَنَ رُوحَ النَّبِیِّ عَلَیہِ السَّلَامُ حَاضِرٌفِی بُیُوتِ اَھلِ الاسلَامِ

’’کیونکہ نبی علیہ السلام کی روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے۔‘‘

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں۔ ’’ذکر کن او را و درود بفرست بروے علیہ السلام و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات دمی بینی تو او را متادب با جلال و تعظیم و ہیبت و حیا و بدانکہ وے علیہ السلام می بیند و می شنود کلام ترا زیرا کہ وے علیہ السلام متصف است بصفات الٰہیہ و یکے از صفات الٰہی آں است کہ اَنَاجَلِیسُ مَن ذَکَرَنِی،،’’حضور علیہ السلام کو یاد کرو اور درود بھیجو اور حالت ذکر میں ایسے رہو کہ حضور حالت حیات میں تمہارے سامنے ہیں اور تم ان کو دیکھتے ہو ادب اور جلال اور تعظیم اور ہیبت و حیا سے رہو اور جانو کہ حضور علیہ السلام دیکھتے اور سنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الٰہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں۔

امام ابن الحارج مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب جلد دوم صفحہ ۳۸۷ فصل ثانی زیارۃ قبرہ الشریف میں فرماتے ہیں۔

وَقَد قَالَ عُلَمَآءُ نَالَا فَرقَ بَینَ مَوتِہٖ وَ حَیوتِہٖ عَلَیہِ السَّلَامُ فِی مُشَاھَدَتِہٖ لِاُمَّتِہٖ وَمَعرِفَتِہٖ بِاَحوَالِھِم وَنِیَّاتِھِم وَعَزَائِمِھِم وَخَوَاطِرِھِم وَ ذَالِکَ جَلِیٌّ عِندَہ لَاخَفَاءَ بِہٖ

ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات دنیات اور ارادے اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں یہ آپ کو بالکل ظاہر ہے۔ اس میں پوشیدگی نہیں۔‘‘

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملاعلی قاری فرماتے ہیں۔

وَقَالَ الغَزَالِی سَلِّم عَلَیہِ اِذَادَخَلتَ فِے المَسجِدِ فَاِنَّہ عَلَیہِ السَّلَامُ یَحضُرُ فِی المَسجِدِ

’’امام غزالی نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں جاؤ تم حضور علیہ السلام کو سلام عرض کرو کیونکہ آپ مسجدوں میں موجود ہیں۔‘‘

نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض جلد سوم کے آخر میں ہے۔

اَلاَنبِیَآءُ عَلَیھِم مِن جِھتِہِ الاَجسَامِ وَالظَّوَاھِرِ مَعَ البَشَرِ وَبَوَاطِنُھُم وَقُوَاھُمُ الرُّوحَانِیَۃُ مَلَکِیَۃٌ وَلِذَاتَرٰی مَشَارِقَ الاَرضِ وَ مَغَارِبَھَا تَسمَعُ اَطِیطَ السَّمَآءِ وَتَشَمُّ رَاءِحَۃَ جِبرِیلَ اِذَااَرَادَ النُّزُولَ اِلَیھِم

’’انبیائے کرام جسمانی اور ظاہری طور پر بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں ملکی ہیں اسی لئے وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھتے ہیں اور آسمانوں کی چرچراہٹ سنتے ہیں اور جبریل کی خوشبو پا لیتے ہیں جب وہ ان پر اترتے ہیں۔‘‘

دلائل الخیرات کے خطبہ میں ہے۔

وَقِيلَ لِرَسُولِ اللهِ اَرَءَيتَ صَلوٰةَ الْمُصَلِّينَ عَلَيکَ مِمَّن غَابَ وَمَن يَّاتِے بَعدَکَ مَا حَالُهُمَا عِندَکَ فَقَالَ اَسمَعُ صَلوٰةَ اَهلِ مُحَبتِی وَ اَعرِفُهُم وَتُعرَضُ عَلَیَّ غَيرِهِم عَرضًا ۔

’’حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ سے دور رہنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے درود کا آپ کے نزدیک کیا حال ہے تو فرمایا کہ ہم محبت والوں کے درود تو خود سنتے ہیں اور انکو پہچانتے ہیں اور غیر محبین کا درود ہم پر پیش کر دیا جاتا ہے۔

شفاء قاضی عیاض جلد دوم میں ہے۔

عَن عَلقَمَةَ قَالَ اِذَا دَخَلتُ المَسجِدَ اَقُولُ السَّلَامُ عَلَيکَ اَيُّهَا النَّبِیُّ وَرَحمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُه

’’علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکات۔‘‘ اس کی تائید ابو داؤد وابن ماجہ باب الدعاء عند دخول المسجد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

مدارج النبوۃ صفحہ ۴۵۰ جلد دوم قسم چہارم وسلم حیات انبیاء میں ہے۔ ’’اگر بعد ازاں گوید کہ حق تعالیٰ جسد شریف را حالتے وقدرتے بخشیدہ است کہ در ہر مکانے کہ خواہد تشریف بخشد خواہ بعینہ خواہ بمثال خواہ بر آسمان وخواہ بر زمین خواہ در قبر یا غیر دے صورتے دارد باوجود ثبوت نسبت خاص بقبر در ہمہ حال۔ ‘‘اس کے بعد اگر کہیں کہ رب تعالیٰ نے حضور کے جسم پاک کو ایسی حالت وقدرت بخشی ہے کہ جس مکان میں چاہیں تشریف لے جائیں خواہ بعینہ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ قبر میں تو درست ہے۔ قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے۔ مصباح الہدایت ترجمہ عوارف المعارف مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی صفحہ ۱۶۵ میں ہے۔ ’’بس باید کہ بندہ ہمچناں کہ حق سبحانہ را بپوستہ بر جمیع احوال خود ظاہراً و باطناً واقف و مطلع بیند رسول اللہ علیہ السلام را نیز ظاہر و باطن حاضر داند۔ تا مطالعہ صورت تعظیم ووقات اور ہموارہ بہ محافظت آداب حضرتش دلیل بود از مخالفت دے سراً وعلاناً شرم دارد و ہیچ دقیقہ از دقائق آداب صحبت او فرد نہ گزارد۔‘‘ پس چاہیئے کہ بندہ جس طرح حق تعالیٰ کو ہر حال میں ظاہر و باطن طور پر واقف جانتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کو بھی ظاہر و باطن جانے تاکہ آپ کی صورت کا دیکھنا آپ کی ہمیشہ تعظیم وقار کرنے اور اس بارگاہ کے ادب کی دلیل ہو جاوے اور آپ کی ظاہر و باطن میں مخالفت سے شرف کرے اور حضور علیہ السلام کی صحبت پاک کے ادب کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑے۔

فقہاء فقہاء علماء امت کے ان اقوال سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہوا اب ہم آپکو یہ دکھاتے ہیں کہ نمازی نماز میں حضور ﷺ کے متعلق کیا خیال رکھے اس کے متعلق ہم درمختار اور شامی عبارتیں تو شروع فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ دیگر بزرگان دین کی عبارتیں سنیے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے۔ اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب التشہد اور مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۱۳۵ باب پنجم ذکر فضائل آنحضرت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ ’’وبعضے عرفا گفتہ اند کہ ایں بہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در ذرات مصلیان موجود حاضر است پس مصلی را باید کہ معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نہ بود تا انوار قرب واسرار معرفت منور وفائز گردو۔‘‘ بعض عارفین نے کہا کہ التحیات میں یہ خطاب اس لئے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کئے ہے۔ پس حضور ﷺ نمازوں کی ذات میں موجود حاضر ہیں نمازی کو چاہیئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہوتا کہ قرب کے نور اور معرفت کے بھیدوں سے کامیاب ہو جاوے۔ احیاء العلوم جلد اول باب چہارم فصل سوم نماز کی باطنی شرطوں میں امام غزالی فرماتے ہیں۔

وَاَحضِر فِی قَلبِکَ النَّبِیَّ عَلَيهِ السَّلَامُ وَشَخصَهُ الکَرِيمَ وَقُل اَلسَّلَامُ عَلَيکَ اَيُّهَا النَّبِیُّ وَرَحمَتُه اللهِ وَبَرَکَاتُه اور اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور آپ کی ذات پاک کو حاضر جانو اور کہو اَلسَّلَامُ عَلَيکَ اَيُّهَا النَّبِیُّ وَرَحمَتُه اللهِ وَبَرَکَاتُه اسی طرح مرقاۃ باب التشہد میں ہے۔ مسک الختام میں نواب صدیق حسن خان بھوپالی وہابی صفحہ ۲۴۳ پر وہ ہی عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے ابھی اشعۃ اللمعات کی التحیات کے بارے میں لکھی نمازی کو چاہیئے کہ حضور کو حاضر و ناظر جان کر التحیات میں سلام کرے پھر یہ شعر لکھتے ہیں۔

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست — می بینمت عیان و دعامی فرستمت
عشق کی راہ میں دور و قریب کی منزل نہیں ہے — میں تم کو دیکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں!

علامہ شیخ مجدد فرماتے ہیں۔

وَخُوطِبَ عَلَيهِ السَّلَامُ کَاَنَّه اِشَارَةٌ اَنَّه تَعَالےٰ يَکشِفُ لَه عَنِ المُصَلِّينَ مِن اُمَّتِهٖ حَتّٰے يَکُونَ کَالحَاضِرِ يَشهَدُ لَهُم بِالعَقلِ اَعمَالَهُم وَلِيَکُونَ تَذکُرُ حُضُورِهٖ سَبَبًا لِمَزِيدِ الخُشُوعِ وَالخُضُوعِ

’’حضور علیہ السلام کو نماز خطاب کیا گیا شاید کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت میں سے نمازیوں کا حال آپ پر ظاہر فرما دیتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ مثل حاضر کے ہوتے ہیں اس کے اعمال کو سمجھنے میں اور اس لئے کہ آپ کی حاضرت کا خیال زیادتی خشوع وخضوع کا سبب ہو جاوے۔‘‘

مسئلہ حاضر وناظر پر بعض فقہی مسائل بھی موقوف ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ زوج مشرق میں ہو اور زوجہ مغرب میں اور بچہ پیدا ہو۔ اور زوج کہتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو بچہ اسی کا ہے شاید یہ ولی اللہ ہو اور کرامت سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا ہو۔

دیکھو شامی جلد دوم باب ثبوت النسب شامی جلد سوم باب المرتدین مطلب کرامات اولیاء میں ہے۔

وَطَنُّی الْمَسَافَةِ مِنۃُ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ زُوِیَتْ لِیَ الْاَرْضُ وَیَدُلُّ عَلَیْہِ مَا قَالُوْ فِیْمَنْ کَانَ فِی الْمَشْرِقِ وَتَزَوَّجَ امْرَاۃً بِالْمَغْرِبِ فَاَتَتْ بِوَلَدٍ یَلْحَقُہٗ وَفِیْ انْتَّارِ خَانِیَۃِ اِنَّ ھٰذِہِ الْمَسْئَلَۃَ تُؤَیِّدُ الْجَوَازَ

”اور راستہ طے کرنا بھی اسی کرامت میں سے ہے حضور ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے کہ میرے لئے زمین سمیٹ دی گئی۔ اس پر وہ مسئلہ دلالت کرتا ہے جو فقہا نے کہا کہ کوئی شخص مشرق میں ہو اور مغرب میں رہنے والی عورت سے نکاح کرے پھر وہ عورت بچہ جنے تو بچہ اس مرد سے ملحق ہوگا اور تتارخانیہ میں ہے کہ یہ مسئلہ اس کرامت کے جائز ہونیکی تائید کرتا ہے۔“

شامی یہ ہی مقام۔ وَالْاِنْصَافُ مَاذَکَرَہُ الْاِمَامُ النَّفِفِیُّ حِیْنَ سُئِلَ عَمَّا یُحْکٰی اَنَّ الْکَعْبَۃَ کَانَتْ تَزُوْرُ وَاحِدً مِنَ الْاَوْلِیَآءِ ھَلْ یَجُوْزُ الْقَوْلُ بِہٖ فَقَالَ نَقْضُ الْعَادَۃِ عَلٰی سَبِیْلِ الْکَرَامَۃِ لِاَھْلِ الْوَلَایَۃِ جَائِزٌ اَھْلِ السُّنَّۃِ

”انصاف کی بات وہ ہی ہے جو امام نسفی نے اس وقت کہے جبکہ ان سے سوال کیا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ کعبہ ایک ولی کی زیارت کرنے جاتا ہے کیا یہ کہنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لئے خلاف عادت کام کرامت کے طریقہ پر اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ بھی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کے لئے عالم میں چکر لگاتا ہے۔

تفسیر روح البیان سورہ ملک کے آخر میں ہے۔

قَالَ الْاِمَامُ الْغَزَالِیْ وَالرَّسُوْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَہُ الْخِیَارُ فِیْ طَوَافِ الْعَالَمِ مَعَ اَرْوَاحِ الصَّحَابَۃِ لَقَدْرَاٰہُ کَثِیْرٌ مِنَ الْاَوْلِیَآءِ

”امام غزالی نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں سیر فرمانے کا اپنے صحابہ کرام کی روحوں کے ساتھ اختیار ہے آپ کو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے۔“

انتباہ الاذکیاء فی حیات الاولیاء میں علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں۔

اَلنَّظْرُ فِیْ اَعْمَالِ اُمَّتِہٖ وَالْاِسْتِغْفَارُ لَھُمْ مِنَ السَّیِّئَاتِ وَالدُّعَآءُ بِکَشْفِ الْبَلَاءِ عَنْھُمْ وَالتَّرَدُّدُ فِیْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ وَالْبَرَکَۃِ فِیْھَا وَحُضُوْرُ جَنَازَۃٍ مِنْ صَالِحِیْ اُمَّتِہٖ فَاِنَّ ھٰذِہِ الْاُمُوْرَ مِنْ اَشْغَالِہٖ کَمَا وَرَدَتْ بِذٰلِکَ الْحَدِیْثُ وَالْاٰثَارُ

”اپنی امت کے اعمال میں نگاہ رکھنا ان کے لئے گناہوں سے استغفار کرنا ان سے دفع بلا کی دعا فرمانا اطراف زمین میں آنا جانا اس میں برکت دینا اور اپنی امت میں کوئی صالح آدمی مر جاوے تو اس کے جنازے میں جانا یہ چیزیں حضور علیہ السلام کا مشغلہ ہیں جیسے کہ اس پر احادیث اور آثار آئے ہیں۔“

امام غزالی المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں۔ ”ارباب قلوب مشاہدہ می کنند در بیداری انبیاء وملائکہ راو ہمکلام می شوند باایشاں۔

”صاحب دل حضرات جاگتے ہوئے انبیاء وملائکہ کو دیکھتے ہیں۔ اور ان سے بات چیت کرتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی شرح صدور میں فرماتے ہیں۔

اِنِ اعْتَقَدَ النَّاسُ اَنَّ رُوْحَہٗ وَمِثَالَہٗ فِیْ وَقْتِ قِرَاءَ ۃِ الْمَوْلِدِ وَخَتْمِ رَمَضَانَ وَقِرَاءَ ۃِ الْقَصَائِدِ یَحْضُرُ جَازَ

”اگر لوگ یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کی روح اور آپکی مثال مولود شریف پڑھنے اور ختم رمضان اور نعت خوانی کے وقت آتی ہے تو جائز ہے۔

مولوی عبدالحیٔ صاحب رسالہ ترویح الجنان بتشریح حکم شرب الدخان میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نعت خواں تھا اور حقہ بھی پیتا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم رونق افروز مجلس ہوتے ہیں۔ مگر جب حقہ آ جاتا ہے۔ تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہو جاتے ہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ پاک ہر وقت عالم کی ذرہ ذرہ پر ہے اور نماز تلاوت، قرآن، محفل میلاد شریف اور نعت خوانی کی مجالس میں اسی طرح صالحین کی نماز جنازہ میں خاص طور پر اپنی جسم پاک سے تشریف فرما ہوتے ہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا ہے۔

فَاِنَّہ لَمَّا کَانَ اَوَّلَ مَخلُوقٍ خَلَقَہُ اللّٰہُ کَانَ شَاھِدًا بِوَحدَانِیَتِہِ الحَقِّ وَشَاھِدًا بِمَا اُخرِجَ مِنَ العَدمِ اِلَی الوُجُودِ مِنَ الاَروَاحِ وَالنُّفُوسِ وَالاَجرَامِ وَالاَرکَانِ وَالاَجسَادِ وَالمَعَادِنِ وَالنَّبَاتِ وَ الحَیوَانِ وَالمَلَکِ وَالجِنِّ وَالشَّیطٰنِ وَالانسَانِ وَ غَیرِ ذٰلِکَ لِئَلَّا یَشُذَّ عَنہُ مَایُمکِنُ لِلمَخلُوقِ وَ اسرَارِ اَفعَالِہٖ و. عَجَائِبِہٖ

’’چونکہ حضور علیہ السلام اللہ کی پہلی مخلوق ہیں اس لئے اس کی وحدانیت کے گواہ ہیں اور ان چیزوں کو مشاہدہ کرنے والے ہیں جو عدم سے وجود میں آئے ارواح، نفوس اجسام معدنیات نباتات حیوانات فرشتے اور انسان وغیرہ تاکہ آپ پر رب کے وہ اسرار اور عجائب مخفی نہ رہیں جو کسی مخلوق کے لئے ممکن ہے۔‘‘

اسی جگہ کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

فَشَاھَدَ خَلقَہ وَمَا جَرٰی عَلَیہِ مِنَ الاکرَامِ وَ الاخرَاجِ مِنَ الجَنَّۃِ بِسَبَبِ المُخَالَفَۃِ وَمَاتَابَ اللّٰہُ عَلَیہِ اِلیٰ اٰخِرِ مَاجَرٰی اللّٰہُ عَلَیہِ وَشَاھَدَ خَلقَ اِبلِیسَ وَمَا جَرٰی عَلَیہِ

’’حضور علیہ السلام نے حضرت آدم کا پیدا ہونا انکی تعظیم ہونا اور خطا پر جنت سے علیحدہ ہونا اور پھر توبہ قبول ہونا آخر تک کے سارے معاملات جو ان پر گزرے سب کو دیکھا اور ابلیس کی پیدائش اور جو کچھ اس پر گذرا اس کو بھی دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور نے عالم ظہور میں جلوہ گری سے پہلے ہر ایک کے ایک ایک حالات کا مشاہدہ فرمایا۔

یہ ہی صاحب روح البیان کچھ آگے چل کر اسی مقام پر فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعضُ الکبَارِ اِنَّ مَعَ کُلِّ سَعِیدٍ رَفِیقَہ مِن رُوحِ النَّبِیِّ عَلَیہِ السَّلَامُ ھِیَ الرَّقِیبُ العَتِیدُ عَلَیہِ وَلَمَّا قُبِضَ الرُّوحُ المُحَمَّدِیُّ عَن اٰدَمَ الَّذِی کَانَ بِہٖ دَائِمًا لَا یَضِلُّ وَلَا یَنسیٰ جَرٰی عَلَیہِ مَاجَرٰی مِنَ النِّسیَانِ وَمَا یَتبَعُہ

بعض اکابر نے فرمایا کہ ہر سعید کے ساتھ حضور علیہ السلام کی روح رہتی ہے اور یہ ہی رقیب عتید سے مراد ہے اور جس وقت روح محمدی کی توجہ دائمی حضرت آدم سے ہٹ گئی تب ان سے نسیان اور اس کے نتائج ہوئے۔‘‘

ایک حدیث میں ہے کہ جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے۔

روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایمان سے مراد توجہ مصطفیٰ ہے یعنی جو مومن کوئی اچھا کام کرتا ہے تو حضور کی توجہ کی برکت سے کرتا ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ ان کی بے توجہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی ثابت ہوا۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

وَ اِذَا سَمِعتَ فَعَنکَ قَولًا طَیِّبًا وَ اِذَا نَظَرتُ فَلَا اَریٰ اِلَّاکَ!

جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں
اور جب دیکھتا ہوں تو آپکے سوا کچھ نظر نہیں آتا

چوتھی فصل

حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے

تحذیر الناس صفحہ ۱۰ میں مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کہتے ہیں کہ **اَلنَّبِیُّ اَولٰی بِالْمُؤمِنِینَ مِن اَنفُسِہِم** کو بعد لحاظ صلہ **مِن اَنفُسِہِم** کے دیکھیے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہے۔ ترجمہ صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی صفحہ ۱۳ میں چوتھی ہدایت جب عشقی کے بیان میں کوئلے اور آگ کی مثال دے کر کہتے ہیں۔ ”اسی طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی کوشش اور جذب کی موجیں احدیث کے دریاؤں کی تہ میں کھینچ کر لے جاتی ہے تو **اَنَا الحَق** اور **لَیسَ فِی جُبَّتِی سَوَی اللہ** کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی **کُنتُ سَمعَہُ الَّذِی یَسمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِی یُبصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِی یَبطِشُ بِھَا** اور ایک اور روایت کی رو سے **لِسَانَہُ الَّذِی یَتَکَلَّمُ بِہٖ** اسی حالت کی حکایت ہے۔ اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ تو خدائی طاقت سے دیکھتا سنتا اور چھوتا اور بولتا ہے۔ یعنی عالم کی ہر چیز دیکھتا ہے ہر دور و نزدیک کی چیزوں کو پکڑتا ہے یہ ہی حاضر و ناظر کے معنی ہیں اور جب معمولی انسان فنا فی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جاویں تو سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر فنا فی اللہ کون ہو سکتا ہے تو بدرجہ اولیٰ حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہوئے۔

امداد السلوک صفحہ ۱۰ میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

”ہم مرید بیقین داند کہ روح شیخ مقید بیک مکان نیست پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگرچہ از شیخ دوراست اما روحانیت او دور نیست چوں ایں امر محکم دار و ہر وقت شیخ را بیان دوار رو در ربط قلب پیدا آید و ہر دم مستفید بود۔ شیخ را بقلب حاضر آوردہ بلسان حال سوال کند البتہ روح شیخ باذن اللہ تعالیٰ القاء خواہد کرد مگر ربط تام شرط است وبسبب ربط قلب شیخ را لسان قلب ناطق می شود و بسوئے حق تعالیٰ راہے کشائد و حق تعالیٰ او را محدث می کند۔“

”مرید یہ بھی یقین سے جانے کہ شیخ کی روح ایک جگہ میں قید نہیں ہے مرید جہاں بھی ہو دور ہو یا نزدیک اگرچہ پیر کے جسم سے دور ہے لیکن پیر کی روحانیت دور نہیں جب یہ بات پختہ ہوگئی تو ہر وقت پیر کی یاد رکھے اور دلی تعلق اس سے ظاہر ہو اور ہر وقت اس فائدہ لیتا رہے مرید واقعہ جات میں پیر کا محتاج ہوتا ہے شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبان حال سے اس سے مانگے پیر کی روح اللہ کے حکم سے ضرور القا کریگی۔ مگر پورا تعلق شرط ہے اور شیخ سے اسی تعلق کی وجہ سے دل کی زبان گویا ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف راہ کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اسکو صاحب الہام کر دیتا ہے۔“

اس عبارت میں حسب ذیل فائدے ہیں (۱) پیر کا مریدوں کے پاس حاضر و ناظر ہونا (۲) مرید کا تصور شیخ میں رہنا (۳) پیر کا حاجت روا ہونا (۴) مرید خدا کو چھوڑ کر اپنے پیر سے مانگے (۵) پیر مرید کو القا کرتا ہے (۶) پیر مرید کا دل جاری کر دیتا ہے۔ جب پیر میں یہ طاقتیں ہیں تو جو ملائکہ اور انسانوں کے شیخ الشیوخ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں یہ چھ صفات ماننا کیوں شرک ہے؟ اس عبارت نے تو مخالفین کے سارے مذہب پر پانی پھیر دیا **لِلّٰہِ الحَمد** سب تقویۃ الایمان ختم۔ حفظ الایمان صفحہ ۷ میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ ابویزید سے پوچھا گیا **طَیِّ** زمین کی نسبت۔ تو آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز کمال کی نہیں دیکھو ابلیس مشرق سے مغرب تک ایک لحظہ میں قطع کر جاتا ہے۔

اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ آنا فانا مشرق سے مغرب تک پہنچ جانا اہل اللہ کو تو کیا کفار و شیاطین سے بھی ممکن ہے بلکہ ہوتا رہتا ہے اور یہ حاضر و ناظر کے معنی ہیں۔ تقویۃ الایمان کے لحاظ سے شرک ہے۔ مسک الختام مصنفہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی وہابی کی عبارت ہم بحث ثبوت میں پیش کر چکے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ التحیات میں السلام علیک سے خطاب اس لئے ہے کہ حضور علیہ السلام عالم کے ذرہ ذرہ میں موجود ہیں۔ لہذا نمازی کی ذات میں موجود حاضر ہیں۔ ان عبارات سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہے۔

پانچویں فصل

حاضر وناظر ہونا کا ثبوت دلائل عقلیہ سے

اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جان کمالات ہے یعنی جس قدر کمالات کہ دیگر انبیائے کرام یا آئندہ اولیائے عظام یا کسی مخلوق کو مل چکے یا ملیں گے وہ سب بلکہ ان سے بھی زیادہ حضور علیہ السلام کو عطا فرما دیئے بلکہ حضور ہی کے ذریعہ سے ان کو ملے۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ آپ ان سب کی راہ چلو۔

اس کی تفسیر روح البیان میں ہے۔

فَجَمَعَ اللّٰهُ كُلَّ خَصلَةٍ فِي حَبِيبِهٖ عَلَيهِ السَّلَامُ ”اللہ نے ہر نبی کی خصلت حضور علیہ السلام کو عطا فرمائی۔“

مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نیز مولوی محمد قاسم صاحب تحذیر الناس صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں اور انبیاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر امتوں کو پہنچاتے ہیں۔ غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے اس قاعدے پر بہت سے دلائل قرآن واحادیث واقوال علماء سے پیش کیے جاسکتے ہیں۔ مگر چونکہ مخالفین اس کو مانتے ہیں۔ اس لئے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ تو پہلا قاعدہ یہ مسلم ہے کہ جو صفت کمال کسی مخلوق کو ملی وہ تمام علیٰ وجہ الکمال حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر وناظر ہونا عطا کیا گیا ماننا پڑے گا کہ یہ صفت بھی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر و ناظر ہونا کس کس مخلوق کو عطا ہوا۔ ہم اس بحث حاضر وناظر کے مقدمہ میں عرض کر دیا ہے کہ حاضر وناظر ہونے کے تین معنیٰ ہیں ایک جگہ رہ کر تمام عالم کو مثل کف دست کے دیکھنا۔ ایک آن میں عالم کی سیر کر لینا اور صدہا کوس پر کسی کی مدد کر دینا اس جسم یا جسم مثالی کا متعدد جگہ موجود ہو جانا۔

یہ صفات بہت سی مخلوقات کو ملی ہیں۔

۱) روح البیان اور خازن وتفسیر کبیر وغیرہ تفاسیر میں پارہ ۷ سورہ انعام۔

حَتّٰى اِذَاجَاءَ اَحَدَكُمُ المَوتُ تَوَفَّته رُسُلُنَا جُعِلَتِ الاَرضُ لِمَلَكِ المَوتِ مِثلَ الطَّشتِ يَتَنَاوَلُ مِن حَيثُ شَآءَ

”یعنی ملک الموت کے لئے ساری زمین طشت کی طرح کر دی گئی ہے کہ جہاں سے چاہیں لے لیں۔“

اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے۔

لَيسَ عَلىٰ مَلَكِ المَوتِ صَعُوبَةٌ قَبضِ الاَروَاحِ وَاِن كَثُرت وَكَانَت فِي اَمكِنَةٍ مُتَعَدِّدَةٍ

”ملک الموت پر روحیں قبض کرنے میں کوئی دشواری نہیں اگرچہ روحیں زیادہ ہوں اور مختلف جگہ میں ہوں۔“

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَامِن اَهلِ بَيتِ شَعرٍوَّلَاَمَدَرٍ اِلَّا مَلَكُ المَوتِ يُطِيفُ بِهِم يَومًا مَرَّتَينِ

”کوئی خیمہ اور مکان والے نہیں مگر ملک الموت ہر روز ان کے پاس دو بار جاتے ہیں۔

مشکوٰۃ باب فصل الاذان میں ہے کہ جب اذان اور تکبیر ہوتی ہے تو شیطان ۳۶ میل بھاگ جاتا ہے پھر جہاں یہ ختم ہوئیں کہ پھر موجود اس ناری کی رفتار کا یہ عالم ہے۔

جب ہم سوتے ہیں تو ہماری ایک روح جسم سے نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے جسے روح سیرانی کہتے ہیں جس کا ثبوت قرآن پاک میں ہے۔

وَيُمسِكُ اُخرٰى اور جہاں کسی نے جسم کے پاس کھڑے ہو کر اس کو اٹھایا وہ ہی روح جو ابھی مکہ معظمہ یا مدینہ پاک میں تھی آناً فاناً جسم میں آ کر داخل ہو گئی اور آدمی بیدار ہو گیا۔

روح البیان زیر آیت وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُم بِاللَّيلِ ہے۔

فَاِذَاانتَبَهَ مِنَ النَّومِ عَادَتِ الرُّوحُ اِلىٰ جَسَدِهٖ بِاَسرَعَ مِن لَحظَةٍ

”یعنی جب انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے تو روح جسم میں ایک لحظہ سے بھی کم میں لوٹ آتی ہے۔“

ہمارا نور نظر آن کی آن میں آسمانوں پر جا کر زمین پر آ جاتا ہے ہمارا خیال آن واحد میں تمام عالم کی سیر کر لیتا ہے بجلی تار ٹیلیفون اور لاؤڈ سپیکر کی قوت کا

یہ عالم ہے کہ آدھے سیکنڈ میں زمین کے قطر کو طے کر لیتے ہیں حضرت جبریل کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب آدھے کنویں سے نیچے چلے اور حضرت جبریل سدرہ سے چلے یوسف علیہ السلام ابھی کنویں کی تہ کو نہ پہنچے تھے کہ جبریل سدرہ سے وہاں پہنچ گئے۔ دیکھو تفسیر روح البیان زیر آیت **اَن یَّجعَلُوہُ فِی غِیَابَتِہ الجُب** حضرت خلیل نے حلق اسمٰعیل پر چھری چلائی۔ ابھی چھری روانہ نہ ہوئی تھی کہ جبریل سدرہ سے مع دنبہ خلیل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت سلیمان کے وزیر آصف ابن برخیا نے ایک پلک جھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت یمن سے لا کر شام میں حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر کر دیا جس کا ثبوت قرآن میں ہے کہ **اَنَا اٰتِیکَ بِہٖ قَبلَ اَن یَّرتَدَّ اِلَیکَ طَرفُکَ** معلوم ہوا کہ آصف کو یہ بھی خبر تھی کہ تخت کہاں ہے۔ خیال کرنا چاہیے کہ پلک جھپکنے سے پہلے یمن لوٹ گئے بھی اور لوٹ بھی آئے اور اتنا وزنی تخت بھی لے آئے۔ رہی بحث کہ حضرت سلیمان میں تخت لانے کی طاقت تھی یا نہیں کہ وہ ہم اسی بحث کے دوسرے باب میں بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ معراج میں سارے انبیاء نے بیت المقدس میں حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کی۔ حضور براق پر تشریف لے گئے۔ اور براق کی رفتار کا یہ عالم کی حد نظر اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ مگر رفتار انبیاء کا یہ عالم کہ ابھی بیت المقدس میں مقتدی تھے اور ابھی مختلف آسمانوں پر پہنچ گئے حضور فرماتے ہیں کہ ہم نے فلاں آسمان پر فلاں پیغمبر سے ملاقات کی جس سے معلوم ہوا کہ براق کی یہ رفتاری خراماں تھی کہ دولہا گھوڑے پر سوار ہو کر خراماں ہی جایا کرتے ہیں اور انبیاء کی خدمت گزاری کا وقت تھا۔ ابھی بیت المقدس میں اور ابھی افلاک پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات آخر باب زیارۃ القبور میں فرمایا کہ ہر پنجشنبہ کے دن مردوں کی روحیں اپنے خویش و اقارب کے یہاں جا کر ان سے ایصال ثواب کی تمنا کرتی ہیں۔ اب اگر کسی میت کے خویش و اقربا دوسرے ممالک میں بھی رہتے ہوں تو وہاں ہی پہنچیں گی۔

ہماری اس گفتگو سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ سارے عالم پر نگاہ رکھنا ہر جگہ کی آنا فانا سیر کر لینا ایک وقت میں چند جگہ پایا جانا یہ وہ صفات ہیں کہ رب نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں۔ اس سے دو باتیں لازم آئیں ایک تو یہ کہ کسی بندے کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا شرک نہیں کہ شرک کہتے ہیں۔ خدا کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ماننا۔ یہاں یہ نہیں دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کے خدام میں ہر جگہ رہنے کی طاقت ہے تو حضور علیہ السلام میں بدرجہ اولیٰ یہ صفت ہے۔

۲) دنیا میں پانی اور دانہ ہر جگہ موجود نہیں۔ بلکہ خاص خاص جگہ ہے۔ پانی تو کنویں اور تالاب و دریا وغیرہ میں ہے دانہ کھیت یا گھروں وغیرہ میں۔ مگر ہوا اور دھوپ عالم کے گوشہ گوشہ میں ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک خلا محال ہے ہر جگہ ہوا ہے۔ اس لئے کہ ہوا اور روشنی کی ہر وقت ہر چیز کو ضرورت ہے اور حبیب خدا علیہ السلام کی بھی ہر مخلوق الٰہی کو ہر وقت ضرورت ہے جیسا کہ ہم روح البیان وغیرہ کے حوالے سے ثابت کر چکے تو لازم ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر جگہ جلوہ گری ہے۔

۳) حضور علیہ السلام تمام عالم کی اصل ہیں۔ **وَکُلُّ الخَلقِ مِن نُورِی** اور اصل کا اپنی فرع میں مادہ کا سارے مشتقات میں ایک کا سارے عددوں میں رہنا ضروری ہے۔

ہر ایک ان سے ہے وہ ہر اک میں ہیں وہ ہیں ایک علم حساب کے
بنے دو جہاں کی وہ ہی بناء وہ نہیں جو ان سے بنا نہیں

دوسرا باب

مسئلہ حاضروناظر پر اعتراضات کے بیان میں

اعتراض ۱ ہر جگہ حاضروناظر ہونا خدا کی صفت ہے **عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدًا بِکُلِّ شَیْءٍ مُحِیط** لہذا غیر میں یہ صفت ماننا شرک فی الصفت ہے۔

جواب ہر جگہ حاضروناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ خدائے تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے کتب عقائد میں ہے۔ **لَایَجرِی عَلَیہِ زَمَانٌ وَّلَا یَشتَمِلُ عَلَیہِ مَکَانٌ.** خدا پر نہ زمانہ گزرے کیونکہ زمانہ سفلی اجسام پر زمین میں رہ کر گزرتا ہے انہیں کی عمر ہوتی ہے۔ چاند سورج تارے حور وغلمان فرشتے بلکہ آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام معراج میں حضور علیہ السلام زمانہ سے علیحدہ ہیں اور نہ کوئی جگہ خدا کو گھیرے خدا تعالیٰ حاضر ہے مگر بغیر جگہ کے اسی لئے **ثُمَّ استَوٰی عَلَی العَرشِ** کو متشابہات سے مانا گیا ہے اور **بِکُلِّ شَیْءٍ مُحِیط** وغیرہ آیات میں مفسرین فرماتے ہیں **عِلمًا وَّقُدرَۃ** یعنی اللہ کا علم اور اس کی قدرت عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔

وہی لا مکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشین ہوئے !
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا ہی کی شان ہو سکتی ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو بفرض محال تو بھی حضور علیہ السلام کی یہ صفت عطائی۔ حادث مخلوق قبضہ الہٰی میں ہے اور خدا کی یہ صفت ذاتی قدیم غیر مخلوق ہے کسی کے قبضے میں نہیں اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ جیسے حیوٰۃ سمع بصر وغیرہ فتاوے رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۱ میں ہے۔ ”فخر دو عالم علیہ السلام کو مولود میں حاضر جاننا بھی غیر ثابت ہے اگر باعلام اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو شرک نہیں ورنہ شرک ہے۔“ یہ ہی مضمون براہین قاطعہ صفحہ ۲۳ میں ہے مولوی رشید احمد صاحب نے رجسٹری فرمادی کہ غیر خدا کو ہر جگہ حاضروناظر جاننا بہ عطاء الہٰی شرک نہیں اگر کوئی کہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ خالقیت وجوب قدم وغیرہ دیگر صفات الٰہیہ بھی پیغمبروں کو عطائی مان لو اور حضور کو خالق واجب قدیم کہا کرو تو اس کا جواب یہ ہے کہ چار صفات قابل عطا نہیں کہ ان پر الوہیت کا مدار ہے، وجوب، قدیم، خلق، نہ مرنا دیگر صفات کی تجلی مخلوقات میں بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے سمع بصر حیات وغیرہ مگر ان میں بھی بڑا فرق ہو گا رب کی یہ صفات ذاتی، واجب، نہ ہٹنے والی اور مخلوق کی عطائی، ممکن، فانی۔

جو ہوتی خدائی بھی دینے کے قابل
خدا بن کے آتا وہ بندہ خدا

اعتراض ۲ قرآن کریم نے فرمایا۔ **وَمَا کُنتَ لَدَیھِم اِذ یُلقُونَ اَقلَامَھُم** (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۴۴)

”آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ وہ لوگ اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال رہے تھے۔“ حضرت مریم کے حاصل کرنے کے لئے۔

وَمَا کُنتَ لَدَیھِم اِذاَجمَعُوا اَمرَھُم ”آپ انکے پاس نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنے معاملہ پر اتفاق کیا۔

وَمَا کُنتَ بِجَانِبِ الغَربِیِّ اِذقَضَینَا اِلٰی مُوسیٰ (پارہ ۲۰ سورہ ۲۸ آیت ۴۴)

”آپ مغربی کنارہ میں نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کی طرف حکم بھیجا۔“

وَمَا کُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ اِذنَادَینَا (پارہ ۲۰ سورہ ۲۸ آیت ۲۶)

”آپ طور کی طرف نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کو آواز دی۔“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ گذشتہ زمانہ میں جو یہ مذکورہ واقعات ہوئے اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے صاف ظاہر ہوا کہ حضور ﷺ ہر جگہ حاضروناظر نہیں۔

جواب یہ سوال اس وجہ سے ہے کہ معترض کو حاضروناظر کے معنی کی خبر نہیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حاضروناظر کی تین صورتیں ہیں ایک جگہ رہ کر سارے عالم کو دیکھنا۔ آن کی آن میں سارے عالم سیر کر لینا۔ ایک وقت میں چند جگہ ہونا۔ ان آیات میں فرمایا گیا کہ آپ بایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے ان میں یہ کہاں ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے اس جسد عنصری سے وہاں نہ ہونا اور ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا کچھ اور بلکہ آیات مذکورہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ السلام آپ وہاں بایں جسم موجود نہ تھے لیکن پھر آپ کو ان واقعات کا علم اور مشاہدہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ سچے نبی ہیں یہ آیات تو حضور کا حاضروناظر ہونا ثابت کر رہی ہیں۔

تفسیر صاوی میں **وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ** الآیۃ کی تفسیر میں ہے۔

وھذا بالنظر الی العالم الجسمانی لا قامة الحجة علی الخصم واما بالنظر الی العالم الروحانی فھو حاضر رسالة کل رسول وما وقع من لدن ادم الی ان ظھر بجسمه الشریف (تفسیر صاوی سوره قصص

”یعنی یہ فرمانا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کی جگہ نہ تھے جسمانی لحاظ سے ہے عالم روحانی کی حیثیت سے حضور علیہ السلام ہر رسول کی رسالت اور آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے جسمانی ظہور تک کے تمام واقعات پر حاضر ہیں۔“

نیز ہجرت کے دن غار ثور میں صدیق صدق کو لئے ہوئے جلوہ گر ہیں کہ کفار مکہ دروازہ غار پر آ پہنچے حضرت صدیق پریشان ہوئے تو حضور نے فرمایا۔

لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت ۴۰) ”غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ تو ہے مگر کفار کے ساتھ نہیں لہذا ہر جگہ نہیں کیونکہ کفار بھی تو عالم ہی میں تھے نیز غزوہ احد سے فارغ ہو کر کفار سے خطاب فرمایا۔

اَللّٰهُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ ”اللہ ہمارا مولیٰ تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔“

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی سلطنت و حکومت فقط مسلمانوں پر تو ہے کفار پر نہیں۔ مولیٰ بمعنی والی۔ تو جس طرح ان دونوں کلاموں میں توجیہ کرو گے کہ پہلے کلام سے مراد ہے کہ اللہ رحم و کرم سے ہمارے ساتھ ہے اور جبر و قہر سے کفار کے ساتھ اور دوسری کلام میں مراد ہے کہ مددگار و والی ہمارا ہے اور تمہارا والی تو ہے مگر ناصر اور مہربان نہیں اسی طرح ان آیات میں بھی کہا جائیگا کہ بطریق ظاہر بہ ایں جسد عنصری آپ اس وقت انکے پاس نہ تھے۔

اعتراض۳ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (پارہ ۱۱ سورہ ۹ آیت ۱۰۱)

”اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے۔ نفاق ان کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر نہیں آپ کو منافقین کے اندرونی رازوں کی بھی خبر ہوتی حالانکہ آپ ان سے بے خبر تھے۔

جواب اس کا تفصیلی جواب ہم بحث علم غیب میں اسی آیت کے ماتحت دے چکے ہیں۔

اعتراض٤ بخاری کتاب التفسیر میں ہے زید ابن ارقم نے عبداللہ ابن ابی کی شکایت کی کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے۔

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مسلمانوں کو کچھ خرچ نہ دو۔ عبداللہ ابن ابی نے بارگاہ الٰہی میں آ کر جھوٹی قسم کھائی کہ میں نے یہ نہ کہا تھا **فَصَدَّقَهُمْ وَكَذَّبَنِيْ** حضور علیہ السلام نے ان کو سچا مان لیا اور مجھ کو جھوٹا۔ اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ تو ابن ابی کی غلط تصدیق کیوں کر دی جب آیت کریمہ نے نازل ہو کر زید ابن ارقم کی تصدیق کی تو یہ سچے ہوئے۔

جواب عبداللہ ابن ابی کی تصدیق فرما دینے سے لازم نہیں کہ آپ کو اصل واقعہ کا علم بھی نہ ہو شرعاً مقدمہ میں ضروری ہے کہ یا تو مدعی گواہ پیش کرے۔ ورنہ مدعیٰ قسم کھا کر مقدمہ جیت لیگا۔ کیونکہ قاضی کا فیصلہ مدعی کی گواہی یا مدعا علیہ کی قسم پر ہوتا ہے نہ کہ قاضی کے ذاتی علم پر زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدعی تھے کہ ابن ابی نے توہین کی اور ابن ابی منکر چونکہ حضرت زید کے پاس گواہی نہ تھی عبداللہ کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا۔ پھر جب قرآن نے زید کی گواہی دی تب اس گواہی سے انکی تصدیق ہوئی۔ قیامت میں گذشتہ کفار انبیاء کی تبلیغ کا انکار کریں گے اور انبیاء دعوی۔ رب العلمین امت مصطفیٰ علیہ السلام سے انبیاء کرام کے حق میں گواہی میں لیکر انبیاء کرام کی تصدیق فرمائیگا۔ اسی طرح کفار عرض کریں گے۔

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے تب انکے نامہ اعمال اور ملائکہ اور ان کے اعضاء سے گواہی لے کر ان کے خلاف فیصلہ ہوگا۔ تو کیا رب کو بھی اصل واقعہ کا پتہ نہ تھا۔ ضرور تھا مگر یہ قانون کی پابندی ہے **كَذَّبَنِيْ** کے معنی ہیں کہ میری بات نہ مانی۔ یہ معنی ہیں کہ میری بات نہ مانی۔ یہ معنی نہیں کہ مجھ کو جھوٹا فرمایا۔ کیونکہ جھوٹا فاسق ہوتا ہے اور تمام صحابہ عادل ہیں اور کسی مسلمان کو بلا دلیل فاسق نہیں کہا جا سکتا۔ کبھی دیوبندی کہتے ہیں کہ کیا نبی علیہ السلام گندی جگہ اور دوزخ میں بھی حاضر ہیں۔ ان کو وہاں ماننا بے ادبی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر جگہ حاجر ہونا ایسا ہے جیسے سورج کی شعاع یا نور نظر یا فرشتوں کا ہر جگہ ہونا کہ یہ چیزیں ہر جگہ موجود ہیں۔ مگر گندگی سے گندی نہیں ہوتیں۔ بتاؤ تم رب کو ان سب جگہ حاضر مانتے ہو یا نہیں؟ اگر مانتے ہو تو اس کی بے ادبی ہوئی یا نہیں۔ نور آفتاب گندی جگہ پڑنے سے ناپاک نہیں تو حقیقت محمدیہ جسے رب نور فرمائے اس پر ناپاکی کے احکام کیوں جاری ہونگے۔

اعتراض۵ ترمذی میں ابن مسعود سے روایت ہے۔

لَایُبَلِّغنِي اَحَدٌ مِن اصحَابِی شَیئًا فَاِنِّی اُحِب اَن اُخرُجَ الیکُم وَاَنَّا سَلِیمُ الصَّدر

''کوئی شخص ہم سے کسی صحابی کی باتیں نہ لگائے ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس صاف دل آیا کریں۔''

اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہوتے تو خبر پہنچانے کی کیا ضرورت تھے۔ آپ کو ویسے ہی خبر رہتی۔

جواب انبیائے کرام کے علم شہودی میں ہر وقت ہر چیز رہتی ہے مگر ہر چیز پر ہر وقت توجہ رہنا ضروری نہیں۔ اس کے متعلق ہم بحث علم غیب میں حاجی امداداللہ صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ اب حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم کو لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ دلا کر کسی کی طرف سے ناراض نہ بناؤ۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے ذَرُونِی مَاتَرَکتُکُم جب تک ہم تم کو چھوڑے رہیں تم بھی چھوڑے رہو۔

اعتراض٦ بیہقی میں ہے۔

مَن صَلّٰی عَلَّی عِندَ قَبرِی سَمِعتهُ وَمَن صَلّٰی عَلَّی نَائِیًا اُبلِغتهُ

''جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے تو ہم خود سنتے ہیں اور دور سے بھیجتا ہے تو ہم تک پہنچایا جاتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ دور کی آواز آپ تک نہیں پہنچتی ورنہ پہنچائے جانے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ درود ہم نہیں سنتے۔ مطلب بالکل ظاہر ہے کہ قریب والے کا درود تو صرف خود سنتے ہیں۔ اور دور والے کا درود سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے ہم حاضر و ناظر کے ثبوت میں دلائل الخیرات کی وہ روایت پیش کر چکے ہیں کہ اہل محبت کا درود تو ہم بنفس نفیس خود سن لیتے ہیں۔ اور غیر محبت والوں کا درود پہنچا دیا جاتا ہے تو درود قریب سے مراد دلی دوری قریبی ہے نہ کہ مسافت کے لحاظ سے۔

گر بے منی و پیش در یمنی گر با منی دور یمنی پیش منی

پہنچائے جانے سے لازم نہیں آتا کہ آپ اس کو سنتے ہی نہیں۔ ورنہ ملائکہ بندوں کے اعمال بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں تو کیا رب کو خبر نہیں۔ درود کی پیشی میں بندوں کی عزت ہے کہ درود پاک کی برکت سے ان کا یہ رتبہ ہوا کہ غلاموں کا نام شہنشاہ امام کی بارگاہ میں آ گیا۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فقہاء فرماتے ہیں کہ نبی کی توہین کرنے والے کی توبہ قبول نہیں۔ دیکھو شامی باب المرتدین کیونکہ یہ توہین حق العباد ہے جو توبہ سے معاف نہیں ہوتا اگر توہین کی حضور کو خبر نہیں ہوتی تو یہ حق العبد کیونکر بنی۔ غیبت اسی وقت حق العبد بنتی ہے جب اس کی خبر اس کو ہو جاوے جس کی غیبت کی گئی ورنہ حق اللہ رہتی ہے۔ دیکھو شرح فقہ اکبر مصنفہ ملا علی قاری۔

کتاب جلاء الافہام مصنفہ ابن قیم شاگرد ابن تیمیہ صفحہ ۳۷ حدیث نمبر ۱۰۸ میں ہے۔

لَیسِ مِن عَبدٍ یُصَلّی عَلَیَّ اِلاَبَلَغنِی صَوته حَیثُ کَانَ قُلنَا بَعدَ وَفَاتِکَ قَالَ وَبَعدَ وَفَاتِی

''یعنی کوئی کہیں سے درود شریف پڑھے مجھے اسکی آواز پہنچتی ہے۔ یہ دستور بعد وفات بھی رہیگا۔''

جلا افہام مطبوعہ ادارہ الطباعتہ المنیر یہ صفحہ ۷۳ انیس الجلیس مصنفہ مولانا جلال الدین سیوطی صفحہ ۲۲۲ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اَصحَابِی اِخوَانِی صَلُّو عَلَیَّ فِی کُلِّ یَومِ الاثنِینِ وَ الجُمعَةِ بَعدَ وَفَاتِی فَاِنِّی اَسمَعُ صَلوٰتِکُم بِلاوَاسطةٍ

''یعنی ہر جمعہ و پیر کو مجھ پر درود زیادہ پڑھو میری وفات کے بعد کیونکہ میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں۔''

اعتراض۸ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

مَن قَالَ اِنَّ اَروَاحَ المَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعلَمُ یَکفُرُ ''جو کہے کہ مشائخ کی روحیں حاضر ہیں جانتی ہیں وہ کافر ہیں۔''

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین والوازم الوہیت از علم غیب وشنیدن فریاد ہر کس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند یعنی نبی اور پیغمبروں کے لئے خدائی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سے ہر شخص کی فریاد سننا اور تمام ممکنات پر قدرت ثابت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے۔ کسی اور میں ماننا صریح کفر ہے۔ بزازیہ فقہ کی معتبر کتاب ہے وہ حکم کفر دے رہی ہے۔

جواب فتاویٰ بزازیہ کی ظاہر عبارت کے زد میں تو مخالفین بھی آتے ہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ ہم امداد السلوک مصنفہ مولوی رشید احمد صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے نہایت صفائی سے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جاننے کی تعلیم دی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ بزازیہ کی عبارت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کس جگہ روح مشائخ کو حاضر جانے ہر جگہ یا بعض جگہ اس اطلاق سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مشائخ کی روح کو ایک جگہ بھی حاضر جانے یا ایک بات کا علم بھی مانے تو کافر ہے اب مخالفین بھی ارواح مشائخ کو ان کی قبر یا مقام علیین برزخ وغیرہ جہاں وہ رہتی ہیں۔ وہاں تو حاضر مانیگے ہی۔ بس کہیں بھی ماننا کفر ہوا۔ تیسرے اس لئے کہ ہم اس بحث حاضر و ناظر میں شامی کی عبارت پیش کر چکے

ہیں کہ یہ حاضر یا ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ ہم اشعۃ اللمعات اور احیاء العلوم بلکہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی وہابی کی عبارت بیان کر چکے ہیں۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نمازی اپنے قلب میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر **اَلسَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ** کہے۔ اب ان اکابر فقہاء پر بزازیہ کا فتویٰ جاری ہوگا یا نہیں لہذا ماننا ہوگا کہ بزازیہ میں جس حاضر و ناظر ماننے کو کفر فرمایا جا رہا ہے وہ حاضر و ناظر ہونا ہے جو صفت الہیہ ہے یعنی ذاتی، قدیم، واجب، بغیر کسی جگہ میں ہوئے کہ ایسا حاضر ہونا رب کی صفت ہے وہ ہر جگہ ہے مگر کسی جگہ میں نہیں، پہلے سوال کے جواب میں ہم فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ۹۱ کی عبارت اور براہین قاطعہ صفحہ۲۳ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ مولوی رشید احمد و خلیل احمد صاحبان بھی اس فتوے میں ہم سے متفق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے کہ مشائخ و انبیاء کی قدرت تمام مقدورات الہیہ پر اللہ کی طرف ماننا کفر ہے ورنہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب **وَیَکُونَ الرَّسُولُ عَلَیکُم شَھِیدًا** کے ماتحت حضور علیہ السلام کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ ان کی بحث علم غیب میں اسی آیت مذکورہ کے ماتحت لکھ چکے ہیں۔

اعتراض۸ اگر حضور حاضر بھی ہیں اور نور بھی تو چاہئے کہ رات میں کبھی اندھیرا نہ ہو مگر ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے لہذا یا تو حضور نور نہیں یا نور ہیں مگر ہر جگہ حاضر نہیں۔

جواب اس کے دو ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن مجید نور ہے اور ہر گھر میں بھی نیز فرشتے نور بھی ہیں اور ہر انسان کے ساتھ بھی نیز رب تعالیٰ نور بھی ہے اور ہر ایک کے ساتھ بھی مگر پھر بھی رات کو اندھیرا ہوتا ہے لہذا یا تو فرشتے۔ قرآن مجید۔ خدا تعالیٰ نور نہیں یا حاضر نہیں۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن۔ فرشتوں کی نورانیت ایمانی ہے اور نور کو دیکھنے کے لئے دیکھنے والے میں بصیرت کا نور چاہئے بعض مقبول لوگ وہ نور اب بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

اعتراض۹ بعض مخالفین جب کوئی راستہ نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ابلیس میں ہر جگہ پہنچ جانے کی طاقت مانتے ہیں۔ اسی طرح آصف ابن برخیا اور ملک الموت میں یہ طاقت تسلیم کرتے ہیں مگر یہ نہیں مانتے کہ دیگر مخلوق کے کمالات پیغمبروں میں یا حضور علیہ السلام میں جمع ہیں۔ مولوی قاسم صاحب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ ”رہا عمل اس میں بسا اوقات غیر نبی نبی سے بڑھ جاتے ہیں“ رجوم المذنبین میں مولوی حسین احمد صاحب نے لکھا کہ دیکھو تخت بلقیس لانے کی طاقت حضرت سلیمان میں نہ تھی اور آصف میں تھی ورنہ آپ خود ہی کیوں نہ لے آتے اسی طرح ہدہد نے کہا کہ **اَحَطتُ بِمَالَم تُحِطبِہٖ خَبرًا** اے سلیمان میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جس کی خبر آپکو نہیں نیز ہدہد کی آنکھ زمین کے اندر کا پانی دیکھ لیتی ہے اسی لئے وہ حضرت سلیمان کی خدمت میں رہتا تھا کہ جنگل میں زمین کے اندر کا پانی بتائے اور حضرت سلیمان کو اس کی خبر نہ تھی معلوم ہوا کہ انبیاء کے علم و طاقت سے غیر نبی بلکہ جانوروں کا علم و طاقت زیادہ ہو سکتا ہے۔

جواب غیر نبی میں نبی سے زیادہ یا کسی اور نبی میں حضور علیہ السلام سے زیادہ کمال ماننا صریح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے خود مخالفین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی عبارات ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہ آٹھواں اعتراض خود اپنے مذہب کو چھوڑنا ہے۔ شفاء شریف میں ہے کہ اگر کوئی کہے فلاں کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ وہ کافر ہے۔ کسی بھی کمال میں کسی کو حضور علیہ السلام سے زیادہ ماننا کفر ہے کوئی غیر نبی نبی سے نہ تو علم میں بڑھ سکتا ہے نہ عمل میں۔ اگر کسی کی عمر۸سو سال ہو اور وہ اس تمام مدت میں عبادت ہی کرے اور کہے کہ میری عبادت تو ۸سو سال کی ہے اور حضور علیہ السلام کی عبادت کل پچیس برس کی۔ لہذا عبادت میں حضور سے میں بڑھ گیا وہ بے دین ہے۔ ان کے ایک سجدے کا جو ثواب ہے وہ ہماری لاکھوں برس کی عبادات سے کہیں بڑھ کر ہے صرف یہ ہوا کہ اس کی محنت زیادہ ہوئی مگر قرب الہٰی، درجہ اور ثواب میں نبی سے اس کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ شان نبی تو بہت بلند و بالا ہے۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے کہ میرے صحابی کا تھوڑے جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ شمسون بنی اسرائیل نے ایک ہزار ماہ یعنی ۸۳سال چار ماہ مسلسل عبادت کی۔ مسلمانوں کو اس پر رشک ہوا کہ ہم اس کا درجہ ثواب کیسے پائیں تو آیت کریمہ اتری **لَیلَۃُ القَدرِ خَیرٌ مِن اَلفِ شَھر** شب قدر تو ہزار ماہ سے بھی بہتر ہے۔ یعنی اے مسلمانوں تم کو ہم ایک شب قدر دیتے ہیں کہ اس شب میں عبادت بنی اسرائیل کی ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے تو حضور علیہ السلام کی ایک ایک ساعت لاکھوں شب قدر سے افضل ہے۔ جس مسجد پاک کے ایک گوشہ میں سید الانبیاء آرام فرما ہیں یعنی مسجد نبوی وہاں کی ایک رکعت پچاس ہزار کے برابر ثواب رکھتی ہے۔ جن کے قریب میں ہماری عبادت ایسی پھولتی پھلتی ہے تو ان کی عبادت کا کیا پوچھنا ہے۔

اس طرح یہ کہنا کہ آصف ابن برخیا میں تخت لانے کی طاقت تھی نہ کہ حضرت سلیمان میں محض بیہودہ بکواس ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وَقَالَ الَّذِی عِندَہٗ عِلمٌ مِنَ الکِتَابِ اَنَا اٰتِیکَ بِہٖ قَبلَ اَن یَّرتَدَّ اِلَیکَ طَرفُکَ**

(پارہ۱۹ سورہ۲۷ آیت۴۰)

”اس نے کہا جس کو کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت بلقیس کو آپکے پلک جھپکنے سے پہلے حاضر خدمت کر دونگا۔“

حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث

اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ نبی کی تعریف اور ان کے درجات کے بیان میں

عقیدہ نبی وہ انسان ہیں جن کو اللہ نے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لئے بھیجا (شرح عقائد) لہذا نبی نہ تو غیر انسان ہوا ورنہ عورت۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا اَرسَلنَا مِن قَبلِکَ اِلاَّ رِجَالاً نُوحِی اِلَیھِم (پارہ ۱۷ سورہ ۲۱ آیت ۷)

''اور ہم نے آپ سے پہلے نہ بھیجا مگر ان مردوں کو جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔''

معلوم ہوا کہ جن، فرشتہ، عورت وغیرہ نبی نہیں ہوسکتے۔ عقیدہ نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان اور عالی نسب میں سے ہوتے ہیں اور نہایت عمدہ اخلاق ان کو عطا ہوتے ہیں۔ ذلیل قوم اور ادنیٰ حرکات سے محفوظ (بہار شریعت) بخاری جلد اول کے شروع میں ہے کہ جب ہرقل بادشاہ روم کے پاس حضور ﷺ کا فرمان عالی پہنچا کہ **اَسلِم تَسلِم** اسلام لے آ سلامت رہے گا۔ تو ہرقل نے ابوسفیان کو بلا کر حضور علیہ السلام کے متعلق کچھ سوالات کئے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ **کَیفَ نَسبُہٗ فِیکُم** تم میں ان کا خاندان ونسب کیسا ہے؟ ابوسفیان نے کہا **ھُوَ فِینَا ذُونَسَبٍ** وہ ہم میں نہایت اعلیٰ خاندان والے ہیں یعنی قریشی ہاشمی ومطلبی ہیں **صلی اللہ علیہ وسلم** اس کے جواب میں ہرقل نے کہا **وَکَذٰلِکَ الرُّسُلُ تُبعَثُ فِی قَومِھَا** ہمیشہ انبیائے کرام عالی قوم واعلیٰ خاندان میں بھیجے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام عالی خاندان میں تشریف لاتے ہیں۔

تنبیہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے یعنی معاذ اللہ بھنگیوں، چماروں، ہندوؤں، بدھ اور جینی وغیرہ میں ان ہی کی قوم سے آئے۔ لہذا لال گرو، کرشن، گوتم بدھ وغیرہ چونکہ نبی تھے اس لئے ان کو برا نہ کہو۔ قرآن فرماتا ہے۔ **لِکُلِّ قَومٍ ھَاد** ہر قوم میں ہادی ہیں۔ نیز عورتیں بھی نبی ہوئی ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت مریم کو وحی ہوئی اور جس کو وحی ہو وہ نبی ہے۔ **وَاَوحَینَـا اِلیٰ اُمِّ مُوسیٰ** وغیرہ لہذا یہ عورتیں نبی ہیں۔ مگر یہ دونوں قول غلط ہیں اوّل تو اس لئے کہ وہ آیت پوری نہیں بیان کی اور ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ آیت یہ ہے۔

اِنَّمَا اَنتَ مُنذِرٌ وَّلِکُلِّ قَومٍ ھَاد تم ڈر سنانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہو۔ یعنی ہر قوم کا ہادی ہونا حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء خاص خاص قوموں کے نبی ہوتے تھے اور اے محبوب تم ہر قوم کے نبی ہو۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ اس آیت کے یہ ہی معنیٰ ہیں کہ ہر قوم میں ہادی ہوئے تو یہ کہاں ہے کہ قوم میں اس ہی قوم سے ہادی ہوئے۔ ہوسکتا ہے کہ اشرف قوم میں نبی آئے۔ دیگر قومیں بھی ان کے ماتحت رہیں۔ حضور علیہ السلام قریشی ہیں۔ مگر پٹھان، شیخ، سید غرضیکہ ساری قوموں بلکہ ساری مخلوق کے نبی ہیں نیز لفظ **ھَـــادِی** عام ہے کہ نبی ہو یا غیر نبی۔ تو یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے بعض بعض کے لئے رہبر ہوئے۔ بلکہ مہادیو، کرشن وغیرہ کی ہستی کا بھی شرعی ثبوت نہیں قرآن و حدیث نے ان کی خبر نہ دی۔ صرف بت پرستوں کے ذریعہ ان کا پتہ لگا وہ بھی اس طرح کہ کسی کے چار ہاتھ کسی کے چھ پاؤں۔ کسی کے منہ پر ہاتھی کی سی سونڈ۔ کسی کے چوتڑ پر لنگور کی سی دم۔ ان کے نام بھی گھڑے ہوئے اور ان کی صورتیں بھی۔

رب نے عرب کے بت پرستوں کو فرمایا۔

اِن ھِیَ اِلاَّ اَسمَاءٌ سَمَّیتُمُوھَا اَنتُم وَاٰبَاءُ کُم (پارہ ۲۷ سورہ ۵۳ آیت ۲۳)

''یہ تمہارے اور تمہارے باپ دادوں کے گھڑے ہوئے نام ہیں۔''

جب ان کے ہونے کا ہی یقین نہیں تو انہیں نبی مان لینا کون سی عقلمندی ہے۔

دوسرا قول اس لئے غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے دل میں القاء یا الہام کیا گیا تھا جسے قرآن نے **اَوحَیـنَـا** سے تعبیر کیا وحی بمعنیٰ الہام بھی آتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے **وَاَوحیٰ رَبُّکَ اَلی النَّحلِ** آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی یہاں وحی بمعنیٰ دل میں ڈالنا ہے حضرت مریم کو وہ وحی تبلیغی نہ تھی اور نہ وہ تبلیغ احکام کے لئے بھیجی گئی۔ نیز فرشتے کا ہر کلام وحی نہیں اور ہر وحی تبلیغی نہیں بعض صحابہ نے ملائکہ کے کلام سنے ہیں اور بوقت موت اور قبر وحشر میں سب ہی ملائکہ سے کلام کریں گے حالانکہ سب نبی نہیں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔

عقیدہ کوئی شخص اپنی عبادات واعمال سے نبوت نہیں پاسکتا۔ نبوت محض عطاء الٰہی ہے۔ **اَللہُ اَعلَـمُ حَیثُ یَجعَلُ رِسَالَتَہٗ** اللہ خوب جانتا ہے کہ جہاں اپنی رسالت رکھے اور غیر نبی خواہ غوث ہو یا قطب ابدال یا کچھ اور نہ تو نبی کے برابر ہوسکتا ہے نہ اس سے بڑھ سکے یہ چند امور خیال میں رہیں۔

پہلا باب

اس بیان میں کہ نبی علیہ کو بشر یا بھائی وغیرہ کہنا حرام ہے

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔ جن یا بشر یا فرشتہ نہیں ہوتے یہ دنیاوی احکام ہیں۔ ورنہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ کیونکہ وہ ہی ابوالبشر ہیں اور حضور علیہ السلام اس وقت نبی ہیں جبکہ آدم علیہ السلام آب وگل میں ہیں خود فرماتے ہیں **کُنتُ نَبِیاً وَّادَمُ بَیـنَ الـمَـاءِ والطِّینِ** اس وقت حضور نبی ہیں بشر نہیں سب کچھ صحیح لیکن ان کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا حضور علیہ السلام کو یا محمد یا کہ اے ابراہیم کے باپ یا اے بھائی باوا وغیرہ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے۔ اور اگر اہانت کی نیت سے پکارا تو کافر ہے۔ عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ شخص حضور علیہ السلام کو **هٰذَاالرَّجُل** یہ مرد اہانت کی نیت سے کہے تو کافر ہے بلکہ یارسول اللہ یا حبیب اللہ یا شفیع المذنبین وغیرہ عظمت کے کلمات سے یاد کرنا لازم ہے۔ شعراء جو اشعار میں یا محمد لکھ دیتے ہیں وہ تنگی موقعہ کی وجہ سے ہے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ **صلی علیه وسلم** کہہ لے، اسی طرح جو کہتے ہیں کہ۔

واہ کیا جو دو کرم ہے شہ بطحٰی تیرا

یہ تیرا انتہائی ناز کا کلمہ ہے جیسے اے آقا میں تیرے قربان۔ اے ماں تو کہاں ہے؟ اے اللہ تو ہم پر رحم فرما! اس تو اور تیرے کی حیثیت اور ہے۔

۱) قرآن فرماتا ہے۔

لاَ تَجعَلُوادُعَآءَ الرَّسُولِ بَینَکُم کَدُعَآءِ بَعضِکُم بَعضًا (پارہ ۱۸ سورة ۲۴ آیت ۶۳)

وَلاَ تَجهَرُوالَه بِالقَولِ کَجَهرِ بَعضِکُم لِبَعضٍ اَن تَحبطَ اَعمَالُکُم وَاَنتُم لا تَشعُرونَ (پارہ ۲۶ سورہ ۴۹ آیت ۲)

”رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرالو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جاویں اور تم کو خبر نہ ہو۔“

ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے مدارج جلد اول وصل از جملہ رعایت حقوق اولیت میں ہے ”نخوانید اور ابنام مبارک او چنانکہ می خوانید بعضے از شما بعض را بلکہ بگوئید یارسول اللہ یانبی باتوقیر و توضیح۔“ نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک لے کر نہ بلاؤ جیسے بعض بعض کو بلاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو یارسول اللہ یا نبی اللہ توقیر وعزت کے ساتھ۔

تفسیر روح البیان زیر آیت **لاتَجعَلُوا** ہے۔

وَالمَعنیٰ لاتَجعَلُو نِدَاء کُم اِیَّاهُ وَتَسمِیَتُکُم لَه کَندِ آءِ بَعضِکُم بَعضًا لاِسمِهٖ مِثلُ یَا مُحَمَّدُ وَیَا ابنَ عَبدِ اللهِ وَلٰکِن بَلقَبِهِ المُعَظَّمِ مِثلُ یَانَبِیَّ اللهِ وَیَارَسُولَ اللهِ کَمَا قَالَ اللهُ تَعالیٰ یٰاَیُّهَاالنَّبِیُّ وَ یٰاَیُّهَاالرَّسُولُ

”معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض لوگ بعض کو نام سے پکارتے ہیں جیسے یا محمد اور یا ابن عبداللہ وغیرہ لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو جیسے یا نبی اللہ یارسول اللہ جیسا کہ خود رب تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا النبی یا ایہا الرسول“

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین ومحدثین سے معلوم ہوا کہ کہ حضور علیہ السلام کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جاوے نداء میں، کلام میں، ہر ادا میں۔

۲) دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔ ماں کو والدہ صاحبہ، باپ کو والد ماجد، بھائی کو بھائی صاحب جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اگر کوئی اپنی ماں کو باپ کی بیوی یا باپ کو ماں کا شوہر کہے یا اس کا نام لے کر پکارے یا اس کو بھیا وغیرہ کہے۔ تو اگرچہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب گستاخ کہا جائیگا کہ برابری کے کلمات سے کیوں یاد کیا۔ حضور علیہ السلام تو خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں ان کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے۔ گھر میں بہن ماں بیوی بیٹی سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام وکام واحکام جداگانہ جو ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہہ کر پکارے وہ بے ایمان ہی ہے اور جوان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے ایسے ہی جو نبی کو امتی یا امتی کو نبی کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے دیوبندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا ان کے پیشوا مولوی اسمٰعیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کری دیکھو صراط المستقیم کا خاتمہ۔ معاذ اللہ

۳) رب تعالیٰ جس کو کوئی خاص درجہ عطا فرمائے۔ اس کو عام القاب سے پکارنا اس کے ان مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے اگر دنیاوی سلطنت کی طرف سے کسی کو نواب یا خان بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی یا آدمی کا بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب کو یاد کرنا جرم ہے کہ اسکا مطلب تو یہ ہے کہ تم حکومت کے عطا کئے ہوئے ان خطابات سے ناراض ہو تو جس ذات عالی کو رب کی طرف سے نبی رسول کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔

۴) خود پروردگار عالم نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد یا اخا مومنین کہہ کر نہ پکارا بلکہ یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المزمل یا ایہا المدثر وغیرہ وغیرہ پیارے القاب سے پکارا حالانکہ وہ رب ہے تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔

۵) قرآن کریم نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ وہ انبیاء کو بشر کہتے تھے۔

قَالُو اَمَا اَنتُم اِلَّا بَشَرٌ مِثلُنَا ولَئِن اَطَعتُم بَشَرًا مِثلكُم اِنكُم اِذًالَّخٰسِرُونَ (پارہ ۱۸ سورہ ۲۳ آیت ۱۵)

”کافر بولے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان والے ہو وغیرہ وغیرہ۔“

اس قسم کی بہت سی آیات ہیں اسی طرح مساوات بتانا یا انبیاء کرام کی شان گھٹانا طریقہ ابلیس ہے کہ اس نے کہا۔

خَلَقتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقتَه مِن طِين ”خدایا تو نے مجھے آگ سے اور انکو مٹی سے پیدا فرمایا۔“

مطلب یہ کہ میں ان سے افضل ہوں اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور پیغمبروں میں کیا فرق ہے۔ ہم بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم زندہ وہ مردے یہ سب ابلیسی کلام ہے۔

دوسرا باب

مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے بیان میں

اعتراض نمبر ۱ قرآن فرماتا ہے۔

قُل اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثلُكُم (پارہ ۲۴ سورہ ۴۱ آیت ۶) ”اے محبوب فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔“

اس آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ حضور بھی ہماری طرح بشر ہیں اگر نہیں تو آیت معاذ اللہ جھوٹی ہو جاوے گی۔

جواب اس آیت میں چند طرح غور کرنا لازم ہے ایک یہ کہ فرمایا گیا ہے قُل اے محبوب آپ فرمادو۔ تو یہ کلمہ فرمانے کی صرف حضور علیہ السلام کو اجازت ہے کہ آپ بطور انکسار تواضع فرماویں یہ نہیں کہ قُولُو اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِثلُنَا اے لوگو تم کہا کرو کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ بلکہ قُل میں اس جانب اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہہ دو ہم تو نہ کہیں گے۔ ہم فرمائیں گے۔

شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذنِهٖ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ہم تو فرمائیں گے يَااَيُّهَا المُزَّمِلُ يَااَيُّهَا المُدَّثِر وغیرہ ہم تو آپکی شان بڑھائیں گے آپ انکساراً یہ فرما سکتے ہیں۔ نیز اس آیت میں کفار سے خطاب ہے، چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے لہذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے گھبراؤ نہیں میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی آوازیں نکال کر شکار کرتا ہے۔ اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے اگر دیوبندی بھی کفار میں سے ہی ہیں تو ان سے بھی یہ خطاب ہو سکتا ہے ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا اَيُّكُم مِثلِي طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر اور خود آئینہ کے پیچھے کھڑے ہو کر بولتے ہیں تا کہ طوطا اپنا عکس آئینہ میں دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جنس کی آواز ہے انبیائے کرام رب کا آئینہ ہیں آواز و زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام رب کا۔ گفت من آئینہ مشتول دوست۔ یہ عکس کا لحاظ ہے دوسرے اس طرح کہ مِثلُكُم پر آیت ختم نہ ہوئی بلکہ آگے آرہا ہے۔ يُوحىٰ اِلَيَّ + يُوحىٰ اِلَى کی قید ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ زید دیگر حیوانات کی طرح حیوان ہے مگر ناطق ہے تو ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید سے زید تو اشرف الخلوقات انسان ہوا۔ اور دوسرے حیوانات اور شئے اسی طرح وحی کی صفت نے نبی اور امتی میں بہت بڑا فرق بتا دیا۔ حیوان اور انسان میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے مگر بشریت اور شان مصطفوی میں ۲۷ درجہ کا فرق ہے اولاً بشر پھر شہید پھر متقی پھر ولی پھر ابدال پھر اوتار پھر قطب پھر غوث پھر غوث الاعظم پھر تابعی پھر صحابی پھر مہاجر پھر صدیق پھر نبی پھر رحمۃ للعالمین وغیرہ یہ ۲۷ مراتب کا اجمالی ذکر ہے۔ تفصیل دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمان میں ملاحظہ کرو۔ تو عام بشر اور مصطفیٰ علیہ السلام میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کہے اللہ ہماری طرح موجود ہے۔ اللہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے کیونکہ کلمہ موجود و علیم ہر جگہ بولا جاتا ہے۔ جس طرح ہماری موجودیت اور رب کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایسے ہی ہماری بشریت اور محبوب علیہ السلام کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں۔

مولانا مثنوی میں فرماتے ہیں۔

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر بہر حق سوئے غریباں یک نظر

”حضور علیہ السلام کی بشریت ہزارہا جبریلی حیثیت سے اعلیٰ ہے۔“

تیسرے اس طرح کہ قرآن کریم میں ہے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاح رب کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے۔ اس آیت میں بھی کلمہ مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نورِ خدا چراغ کی طرح روشنی ہے۔

اسی طرح قرآن میں ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةِ الاَرْضِ وَلَاطَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اَمْثَالُكُم (پارہ۷سورہ۶ آیت ۳۸)

”نہیں ہے کوئی جانور زمین میں نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔“

یہاں بھی کلمہ امثال موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے اُلو جیسا ہے ہرگز نہیں نیز اِنّما کا حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی یعنی میں نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح خالص بندہ ہوں جیسے ہاروت ماروت کا کہنا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ

چوتھے اس طرح کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایمان عبادات، معاملات غرضیکہ کسی شے میں ہم جیسے نہیں ہر بات میں فرق عظیم ہے۔ حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے اَنَارَسُوْلُ اللّٰهِ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جاویں۔ حضور علیہ السلام کا ایمان دیکھی ہوئی چیزوں پر کہ رب کو جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرمالیا۔ ہمارا ایمان سنا ہوا ہے ہمارے لئے ارکان اسلام پانچ حضور علیہ السلام کے لئے چار یعنی آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ دیکھو شامی شروع کتاب الزکوٰۃ۔ ہم پر پانچ نمازیں فرض حضور علیہ السلام پر چھ یعنی تہجد بھی فرض وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ہم کو چار بیویوں کی اجازت حضور علیہ السلام کے لئے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں۔ ہماری بیویاں ہمارے مرنے کے بعد دوسرے نکاح کرسکتی ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ کسی کے نکاح میں نہیں آسکتی وَلَاتَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہو حضور کی میراث نہ بٹے ہمارا پیشاب پاخانہ ناپاک۔ حضور ﷺ کے فضلات شریفہ امت کے لئے پاک (دیکھو شامی باب الانجاس) مرقات باب احکام المیاہ فصل اول میں ہے ثُمَّ اَخْتَارَ كَثِيْرٌ مِّنْ اَصْحَابِنَا طَهَارَةَ فُضَلَاتِهٖ اسی مرقاۃ باب الستر کے شروع میں ہے۔ وَلِذَا حَجَمَهٗ اَبُوْطَيْبَةَ فَشَرِبَ دَمَهٗ اسی طرح مدارج النبوۃ میں جلد اول وصل عرق شریف صفحہ ۲۵ میں بھی ہے۔ یہ تو شرعی احکام میں فرق بتائے گئے ورنہ لاکھوں امور میں فرق عظیم ہے۔ ہم کو اس ذات کریم سے کوئی نسبت ہی نہیں یوں سمجھو کہ بے مثل خالق کے بے مثل بندے ہیں۔

بے مثلی حق کے مظہر ہو پھر مثل تمہارا کیونکر ہو
نہیں کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ کوئی تمہارا ہم پایا

اس قدر فرق عظیم کے ہوتے ہوئے مثلیت کے کیا معنی۔

پانچویں اس طرح کہ اس آیت میں ہے بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ نہیں ہے کہ اِنْسَانٌ مِّثْلُكُمْ بشر کے معنے ہیں ذوبشرہ۔ یعنی ظاہری چہرے مہرہ والا۔ بشرہ کہتے ہیں ظاہر کھال کو۔ تو معنیٰ یہ ہوئے کہ میں ظاہر رنگ و روپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ اعضائے بدن دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے يُوْحٰٓى اِلَيَّ ہم صاحب وحی ہیں۔ یہ گفتگو بھی فقط ظاہری طور پر ہے۔ ورنہ ہمارے ظاہری اعضاء کو حضور علیہ السلام کے اعضاء مبارکہ سے کوئی نسبت نہیں۔ قدرت الٰہی تو دیکھو کہ منہ کا لعاب شریف کھاری کنویں میں پڑے پانی کو میٹھا کردے۔ حدیبیہ کے خشک کوئیں میں پڑ جاوے تو پانی پیدا کردے حضرت جابر کی ہانڈی میں پڑ کر شوربا اور بوٹیاں بڑھا دے۔ آٹے میں پڑے تو آٹے میں برکت دے صدیق کے پاؤں میں پہنچ کر سانپ کے زہر کو دفع کرے۔ عبداللہ ابن عتیک کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچ کر ہڈی جوڑ دے۔ حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھ سے لگے تو کحل الجواہر کا کام دے۔ آج ہزار روپیہ کی دوا بھی اس قدر اثر نہیں رکھتی۔ اگر سر پاک سے قدم پاک تک ہر عضو شریف کی برکات دیکھنا ہیں تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمان کا مطالعہ کرو۔ ہمارے ہر عضو کا سایہ حضور ﷺ کے کسی عضو کا سایہ نہیں پسینہ پاک میں مشک و عنبر سے بہتر خوشبو۔

چھٹے اس طرح کہ شیخ عبدالحق مدارج النبوۃ جلد اول باب سوم وصل ازالہ شبہات میں فرماتے ہیں ودر حقیقت متشابہات اند علماء آں را معانی لائقہ تاویلات رائقہ کردہ راجع بحق ساختہ اند۔ ”یہ آیات حقیقت میں متشابہات ہیں کہ علماء نے ان کے مناسب معانی اور بہتر تاویلیں کرکے حق کی طرف پھیرا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یا مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ وغیرہ آیات جو بظاہر شان خداوندی کے خلاف معلوم ہوتی ہے وہ متشابہات ہیں۔ اسی طرح اِنَّمَا بَشَرٌ وغیرہ وہ آیات جو بظاہر شان مصطفیٰ کے خلاف ہیں متشابہات ہیں لہٰذا ان کے ظاہر سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔

ساتویں اس طرح کے روزہ وصال کے بارے میں حضور نے فرمایا اَیُّکُم مِثلِی تم میں ہم جیسا کون ہے؟ بیٹھ کر نفل پڑھنے کے بارے میں فرمایا لٰکِنّی لَستُ کَاَحَدٍ مِنکُم لیکن ہم تمہاری طرح نہیں۔ صحابہ کرام نے بہت موقعوں پر فرمایا اَیُّنَا مِثلُہ ہم میں حضور علیہ السلام کی طرح کون ہے؟ احادیث تو فرمارہی ہیں کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں ان میں مطابقت کرنا ضروری ہے وہ اسی طرح ہوسکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جاوے۔

آٹھویں اس طرح کہ تفسیر سورہ مریم میں کٓھٰیٰعٓصٓ کے ماتحت ہے کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں۔ صورت بشری، صورت حقی، صورت ملکی بشریت کا ذکر اِنَّمَا اَنَا بَشَر حقی کا ذکر ہوا۔ مَن رَاٰنِی فَقَدرَ اَلحَق جس نے ہم کو دیکھا حق کو دیکھا صورت ملکی کا ذکر لِی مَعَ اللّٰہِ وَقتٌ لَایَسَعُنِی فِیہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَانَبِیٌّ مُرسَلٌ بعض وقت ہم کو اللہ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ نہ اس میں مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے نہ مرسل نبی کی۔ معراج میں سدرہ پہنچ کر طاقت جبریلی ختم ہوگئی۔ مگر حضور علیہ السلام کی بشری طاقت کی ابھی ابتداء نہ تھی اس آیت میں محض ایک صورت کا ذکر ہے۔

نویں اس طرح کہ بَشَرٌ مِثلُکُم میں یہ تو فرمایا کہ ہم تم جیسے بشر ہیں یہ نہ فرمایا کہ کس وصف میں تم جیسے ہیں یعنی جس طرح تم محض بندے ہو۔ نہ خدا نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کی صفات سے موصوف اسی طرح عبداللہ ہوں نہ اللہ ہوں نہ ابن اللہ ہوں عیسائیوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسٰی علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا۔ تم ہمارے صدہا معجزات دیکھ یہ نہ کہہ دینا بلکہ عبداللہ ورسولہٗ۔

تفسیر کبیر شروع پارہ ۱۲ زیر آیت فَقَالَ المَلَاءُ الَّذِینَ کَفَرُوا قصہ نوح میں ہے کہ نبی بشر اس لئے ہوتے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوتے تو لوگ ان کے معجزات کو ان کی ملکی طاقت پر محمول کرلیتے۔ آپ جب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں تو ان کا کمال معلوم ہوتا ہے غرضیکہ انبیاء کی بشریت ان کا کمال ہے لہذا آیت کا مقصود یہ ہوا کہ ہم تم جیسے بشر ہو کر ایسے کمالات دکھاتے ہیں۔ تم تو دکھادو۔

دسویں اس طرح کہ بہت سے الفاظ وہ ہیں جو پیغمبر اپنے لئے استعمال فرماسکتے ہیں اور وہ ان کا کمال ہے مگر دوسرا کوئی ان کی شان میں یہ کہے تو گستاخی ہے دیکھو آدم علیہ السلام نے عرض کیا رَبَّنَا ظَلَمنَا اَنفُسَنَا یونس علیہ السلام نے رب سے عرض کیا اِنِّی کُنتُ مِنَ الظّٰلِمِین موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا فَعَلتُھَا اِذًاوَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّینَ لیکن کوئی دوسرا اگر ان حضرات کو ظالم یا ضال کہے تو ایمان سے خارج ہوگا۔ اسی طرح بشر کا لفظ بھی ہے۔

اعتراض ۲ حضور علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا وَاَکرِمُوا اَخَاکُم تم اپنے بھائی کا (ہمارا) احترام کرو جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہمارے بھائی ہیں۔ مگر بڑے بھائی ہیں نہ کہ چھوٹے۔

۳) قرآن فرماتا ہے۔

وَاِلیٰ مَدیَنَ اَخَاھُم شُعَیبًا وَاِلیٰ ثَمُود اَخَاھُم صٰلِحًا والیٰ عَادٍ اَخَاھُم ھُودًا (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت ؟)

''ان آیات میں رب نے انبیائے کرام کو مدین ثمود اور عاد کا بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ انبیاء امتیوں کے بھائی ہوتے ہیں۔''

جواب حضور علیہ السلام نے اپنے کرم کریمانہ سے بطور تواضع وانکسار فرمایا اَخَاکُم اس فرمانے سے ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی؟ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے۔ اسی طرح رب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شعیب وصالح وہود علیہم السلام مدین اور ثمود اور عاد قوموں میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے نہ تھے۔ یہ بتانے کے لئے اَخَاھُم فرمایا یہ کہاں فرمایا کہ ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور ہم پہلے باب میں ثابت کرچکے ہیں کہ انبیائے کرام کو برابری کے القاب سے پکارنا حرام ہے اور لفظ بھائی برابری کا لفظ ہے۔ باپ بھی گوارہ نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا اس کو بھائی کہے۔

اعتراض ٤ قرآن کہتا ہے اِنَّمَا المُؤمِنُونَ اِخوَۃٌ مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور حضور علیہ السلام بھی مومن ہیں لہذا آپ بھی ہم مسلمانوں کے بھائی ہوئے تو حضور علیہ السلام کو کیوں نہ بھائی کہا جاوے۔

جواب پھر تو خدا کو بھی اپنا بھائی کہو کیونکہ وہ بھی مومن ہے قرآن میں ہے اَلمَلِکُ القُدُّوسُ السَّلٰمُ المُؤمِنُ اور ہر مومن آپس میں بھائی۔ لہذا خدا بھی مسلمانوں کا بھائی معاذ اللہ۔ نیز بھائی کی بیوی بھابھی ہوتی ہے اور اس نکاح حلال اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں ان سے نکاح کرنا حرام ہے (قرآن کریم) لہذا نبی ہمارے لئے مثل والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے نہ کے بھائی کی۔ جناب ہم تو مومن ہیں۔ اور حضور علیہ السلام عین ایمان۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

فالصِّدقُ فی الغَارِ وَالصِّدِّیقُ لَم یُرِیَا ”یعنی غار ثور میں صدق بھی تھا صدیق بھی تھے۔“

حضور علیہ السلام اور عام مومنین میں صرف لفظ مومن کا اشتراک ہے جیسے رب اور عام مومنین میں نہ کہ حقیقت مومن میں ہم اور طرح کے مومن ہیں اسکی تفصیل ہم جواب نمبر۱ بیان کر چکے ہیں۔

اعتراض۵ حضور علیہ السلام اولاد آدم ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے اور زندگی گذارتے ہیں بیمار ہوتے ہیں، موت آتی ہے اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے انکو بشر یا اپنا بھائی کیوں نہ کہا جاوے۔

جواب اس کا فیصلہ مثنوی میں خوب فرمادیا ہے۔

گفت ایک مابشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستۂ خوابیم وخور !
ایں نہ دانستد ایشاں از عمٰی ہست فرقے درمیاں بے انتہا
ہر دو یک گل خورد و زنبور و نحل زاں یکے شد نیش زاں دیگر عسل
ہر دو گوں آہو گیا خورد ند و آب زیں یکے سرگیں شد و زاں مشکناب
ایں خورد گرد و پلیدی زیں جدا واں خورد گرد وہمہ نور خدا

کفار نے کہا ہم اور پیغمبر بشر ہیں کیونکہ ہم اور وہ دونوں کھانے سونے میں وابستہ ہیں اندھوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت بڑا فرق ہے۔ بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہے مگر اس سے زہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دونوں ہرن ایک ہی دانہ پانی کھاتے ہیں۔ مگر ایک سے پاخانہ اور دوسرے سے مشک بنتا ہے۔ یہ جو کھاتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے نبی کے کھانے سے نور خدا ہوتا ہے۔

یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میری کتاب اور قرآن یکساں ہیں۔ کیونکہ دونوں ایک ہی روشنائی سے ایک کاغذ پر ایک ہی قلم سے لکھی گئیں۔ ایک ہی قسم کے حروف تہجی سی دونوں بنیں ایک ہی پریس میں چھپیں۔ ایک ہی جلد ساز نے جلد باندھی۔ ایک ہی الماری میں رکھی گئیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے۔ مگر کوئی بیوقوف بھی نہیں کہے گا کہ ان ظاہری باتوں سے ہماری کتاب قرآن کی طرح ہوگئی۔ تو ہم صاحب قرآن کی مثل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہ نہ دیکھا کہ حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے ان کو معراج ہوئی ان کو نماز میں سلام کرتے ہیں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام انبیاء و اولیاء ان کے خدام بارگاہ ہیں۔ یہ اوصاف ماوشما تو کیا ملائکہ کو بھی نہ ملے۔

مُحمَّدٌ بَشَرٌ لاَّ کَالۡبَشَرَ ”حضور علیہ السلام بشر ہیں عام بشر نہیں“
یَاقُوتٌ حجَرٌ لاَ کَالحَجَر ”یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھر نہیں“

بعض دیو بندی کہتے ہیں کہ اگر حضور کو بشر کہنا حرام ہے تو چاہئے کہ انسان یا عبد کہنا بھی حرام ہو کہ ان سب کے معنی قریب قریب ہیں پھر کلمہ میں عَبدُہ وَرَسُولُه کیوں کہتے ہو؟

جواب یہ ہے کہ لفظ بشر کفار بہ نیت اہانت کہتے تھے اور نبی کو رب نے انسان یا عبد بطور تعظیم فرمایا خَلَقَ الانسَانَ عَلَّمَهُ البَیَان اور اَسرٰی بِعَبدِہٖ لَیلاً لہذا یہ الفاظ تعظیماً کہنا جائز ہے اور بشر کہنا حرام ہے جیسے رَاعِنَا اور اُنظُرنَا ہم معنی ہیں۔ مگر رَاعِنَا کہنا حرام ہے کہ طریقہ کفار ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر او سراپا انتظار او منتظر

حضور کی عبدیت سے رب کی شان ظاہر ہوتی ہے اور رب کی عظمت سے ہماری عبدیت چمکی وزیر بھی شاہی خادم ہے اور سپاہی بھی مگر وزیر سے بادشاہ کی شان کا ظہور اور شاہی نوکری سے سپاہی کی عزت۔

اعتراض۶ شمائل ترمذی میں حضرت صدیقہ کی روایت ہے کہ فرماتی ہیں کَانَ بَشَرٌ مِنَ البَشَر حضور علیہ السلام بشروں میں سے ایک بشر تھے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام نے عائشہ صدیقہ کو اپنی زوجیت سے مشرف فرمانا چاہا۔ تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کا بھائی ہوں کیا میری دختر آپ کو حلال ہے۔ دیکھو حضرت عائشہ نے حضور علیہ السلام کو بشر کہا اور صدیق نے اپنے کو حضور کا بھائی بتایا۔

جواب بشر یا بھائی کہہ کر پکارنا یا محاورہ میں نبی علیہ السلام کو یہ کہنا حرام ہے عقیدہ کے بیان یا دریافت مسائل کے اور احکام ہیں۔ حضرت صدیقہ یا صدیق رضی اللہ عنہما عام گفتگو میں حضور علیہ السلام کو بھائی یا بشر نہ کہتے تھے یہاں ضرورتاً اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے صدیقہ الکبریٰ تو یہ فرما رہی ہیں

کہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک نہایت بے تکلفی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گذری کہ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ ہی سے انجام دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر نے مسئلہ دریافت کیا کہ حضور نے مجھے خطاب اخوت سے نوازا ہے کیا اس خطاب پر حقیقی بھائی کے احکام جاری ہونگے یا نہیں؟ اور میری اولاد حضور کو حلال ہوگی یا نہیں؟ ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔ حضرت خلیل نے ایک ضرورت پر حضرت سارہ کو فرمادیا **ھٰـذَا اُختِـی** یہ میری بہن ہیں حالانکہ وہ آپکی بیوی تھیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ حضرت سارہ اب آپکو بھائی کہہ کر پکارتیں۔

ہم ان حضرات کا عام محاورہ دکھاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ السلام رشتہ میں صدیقہ کے زوج اور سیدنا علی کے بھائی حضرت عباس کے بھائی کی اولاد ہیں۔ مگر یہ حضرات جب بھی روایت حدیث کرتے ہیں تو صدیقہ یہ نہیں فرماتیں کہ میرے زوج نے فرمایا، یا حضرت عباس یا حضرت علی رضی اللہ عنہما یہ نہیں کہتے کہ ہمارے بھتیجے یا ہمارے بھائی نے یہ فرمایا۔ سب یہ ہی فرماتے ہیں **قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم** تو جو حضرات رشتہ کے لحاظ سے بھائی ہیں وہ بھی بھائی نہیں کہتے تو ہم کمینوں غلاموں کو کیا حق ہے کہ بھائی کہیں۔

نسبت خود بسگت کردم وبس منفعلم　　زانکہ نسبت بسگت کوئے تو شد بے ادبی است
ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب　　ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

جناب شروع اسلام میں تو یہ حکم تھا کہ حضور علیہ السلام سے کچھ عرض کرنا چاہے۔ وہ پہلے کچھ صدقہ دے بعد میں عرض کرے۔

قرآن فرماتا ہے۔

یاَیُّھَاالَّذِینَ اٰمَنُوااِذَانَا جَیتُم الرَّسُولَ فَقَدِّ مُوابَینَ یَدَی نَجوٰکُم صَدَقَۃً (پارہ ۲۸ سورہ ۵۸ آیت ۱۲)

”یعنی اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو۔ تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو۔“

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مسائل دریافت کئے (تفسیر خازن یہ ہی آیت) پھر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی عظمت شان کا پتہ لگ گیا کہ نماز میں رب سے ہم کلام ہو تو صرف وضو کرو۔ لیکن حضور علیہ السلام سے عرض معروض کرنا ہو تو صدقہ کرو پھر بھائی کہنا کہاں رہا؟

بحث نداء یارسول اللہ یا نعرہ یارسول اللہ

حضور علیہ السلام کو دور یا نزدیک سے پکارنا جائز ہے۔ ان کی ظاہری زندگی پاک میں بھی اور بعد وفات شریف بھی خواہ ایک ہی شخص عرض کرے یا رسول اللہ یا ایک جماعت مل نعرہ رسالت لگائے۔ یارسول اللہ ہر طرح جائز ہے۔ اس بحث کو ہم دو باب میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا باب

نداء یارسول اللہ کے ثبوت میں

حضور علیہ السلام کو نداء کرنا قرآن کریم فعل ملائکہ صحابہ اور عمل امت سے ثابت ہے قرآن کریم نے بہت مقامات میں حضور علیہ السلام کو نداء فرمائی یَـاَیُّهَاالنَّبِیُّ یَااَیُّهَاالرَّسُولُ یَا اَیُّهَاالمُزَّمِّلُ یَااَیُّهَاالمُدَثِّرُ۔ وغیرہ ان تمام آیات میں حضور علیہ السلام کو پکارا گیا ہے۔ ہاں دیگر انبیائے کرام کو ان کے نام سے پکارا یا موسیٰ، یا عیسیٰ، یا یحییٰ، یا ابراہیم، یا آدم وغیرہ مگر محبوب علیہ السلام کو پیارے پیارے القاب سے نداء فرمائی۔

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب
یَا اَیُّهَا النَّبِیّ خطاب محمد است

بلکہ قرآن کریم نے عام مسلمانوں کو بھی پکارا یَـااَیُّهَاالَّذِینَ اٰمَنُوا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کو پکارو مگر اچھے القاب سے لَاتَجعَلُو دُعَآءَ الرَّسُولِ بَینَکُم کَدُعَآءِ بَعضِکُم بَعضًا

اس میں حضور علیہ السلام کو پکارنے سے نہیں روکا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے کہ اوروں کی طرح نہ پکارو۔

قرآن نے فرمایا اُدعُوهُم لِاٰبَآءِ هِم ان کو ان کے باپ کی طرف نسبت کرکے پکارو۔ اس آیت میں اجازت ہے کہ زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پکارو۔ مگر ان کو ابن حارثہ کہو ابن رسول اللہ نہ کہو۔ اسی طرح کفار کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے مددگاروں کو اپنی امداد کیلئے بلالیں وَادعُوا شُهَدَآءَ کُم دُونِ اللّٰهِ اِن کُنتُم صٰدِقِینَ

مشکوٰۃ کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے عرض کیا یَـامُـحَـمَّدُ اَخبِرنِی عَنِ الاسلَامِ ندا پائی گئی۔ مشکوٰۃ باب وفات النبی میں ہے بوقت وفات ملک الموت نے عرض کیا۔ یَـامُـحَـمَّـدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرسَلَنِی اِلَیکَ نداء پائی گئی۔ ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجہ میں حضرت عثمان ابن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر طالب دعا ہوئے ان کو یہ دعا ارشاد ہوئی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیَ اَسئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیکَ بِمُحَمَّدٍنَبِیِّ الرَّحمَةِ یَامُحَمَّدُ اِنِّی قَد تَوَجَّهتُ بِکَ اِلٰی رَبِّی فِی حَاجَتِی هٰذِهٖ لِتُقضِیَ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعهُ فِیَّ قَالَ اَبُو اِسحٰقَ هٰذَاحَدِیثٌ صَحِیحٌ

’’اے اللہ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں اور تیری طرف حضور علیہ السلام نبی الرحمتہ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں یا محمد ﷺ میں نے آپکے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کی تاکہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ میرے لئے حضور کی شفاعت قبول فرما ابو اسحٰق نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔‘‘

یہ دعا قیامت تک کے مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے اس میں ندا بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے مدد بھی مانگی ہے۔

عالمگیری جلد اول کتاب الحج آداب زیارت قبر نبی علیہ السلام میں ہے۔

ثُمَّ یَقُولُ السَّلَامُ عَلَیکَ یَانَبِیَّ اللّٰهِ اَشهَدُ اَنَّکَ رَسُولُ اللّٰهِ

’’اے نبی آپ پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔‘‘

پھر فرماتے ہیں وَیَقُولُ السَّلَامُ عَلَیکَ یَا خَلِیفَتَه رَسُولِ اللّٰهِ عَلَیکَ یَاصَاحِبَ رَسُولِ اللّٰهِ فِی الغَارِ

پھر فرماتے ہیں فَیَقُولُ السَّلَامُ عَلَیکَ یَااَمِیرَ المُومِنِینَ اَلسَّلَامُ عَلَیکَ یَامُظهِرَ الاسلَامِ اَلسَّلَامُ عَلَیکَ یَامُکَسِّرَ الاَصنَامِ یعنی صدیق اکبر کو یوں سلام پیش کرے کہ آپ پر سلام ہو اے رسول اللہ کے سچے جانشین۔ آپ پر سلام ہو اے رسول اللہ ﷺ کے غار کے ساتھی۔ اور حضرت فاروق کو یوں سلام کرے آپ پر سلام ہو اے مسلمانوں کے امیر آپ پر سلام ہو۔ اے اسلام کو چمکانے والے آپ پر سلام ہو اے بتوں کو توڑنے والے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اس میں حضور علیہ السلام کو بھی نداء ہے اور حضور کے پہلو میں آرام فرمانے والے حضرت صدیق وفاروق کو بھی۔ اکابر امت اولیاء ملت مشائخ و بزرگان دین اپنی دعاؤں اور وظائف میں یارسول اللہ کہتے ہیں۔

قصیدہ بردہ میں ہے۔

یَا اَکرَم الخَلقِ مَالی مَن اَلُو ذُبِہٖ   سِوَاکَ عِندَ حُلُولِ الحَادِثِ العَمَمٖ
’’اے بہترین مخلوق آپکے سوا میرا کوئی نہیں‘‘   ’’کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں‘‘

امام زین العابدین فرماتے ہیں اپنے قصیدہ میں۔

یَا رَحمَتہ لِلعٰلَمِینَ اَدرِک لِذَینِ العَابِدینَ   مَحبُوسُ اَیدِی الظّٰلِمینَ فِی مَوکَبِ المُزدِھِمٖ
’’اے رحمتہ للعالمین زین العابدین کی مدد کو پہنچو‘‘   ’’وہ اس اژدھام میں ظالموں کی قید میں ہے‘‘

مولانا جامی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

زمہجوری بر آمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم   نہ آخر رحمتہ للعالمینی زمحر و ماں چرا فارغ نشینی !

جدائی سے عالم کی جان نکل رہی ہے۔ یا نبی اللہ رحم فرماؤ۔ کیا آخر آپ رحمتہ للعالمین نہیں ہیں پھر ہم مجرموں سے فارغ کیوں ہو بیٹھے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

یَا سَیِدَ السّٰادَاتِ جِئتُکَ قَاصِدًا   اَرجُورِ ضَاکَ وَ احتَمِی بِجِمَاکَ

اے پیشواؤں کے پیشوا میں دلی قصد سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کے رضاء کا امیدوار ہوں۔ اور اپنے کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

ان اشعار میں حضور کو ندا بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے استعانت بھی اور یہ ندا دور سے بعد وفات شریف ہے۔ تمام مسلمان نماز میں کہتے ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ وَرَحمَتہُ اللہِ وَبَرَکَاتُہ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ کو پکارنا واجب ہے۔ التحیات کے متعلق ہم شامی اور اشعتہ اللمعات کی عبارتیں حاضر و ناظر کی بحث میں پیش کر چکے ہیں وہاں دیکھو یہ گفتگو تھی تنہا یا رسول اللہ کہنے کہ۔ اگر بہت لوگ مل کر نعرہ رسالت لگائیں تو بھی جائز ہے کیونکہ جب ہر شخص کو یا رسول اللہ کہنا جائز ہوا تو ایک ساتھ ملکر بھی کہنا جائز ہے چند مباح چیزوں کو ملانے سے مجموعہ مباح ہی ہوگا جیسے بریانی حلال ہے۔ اس لئے حلال چیزوں کا مجموعہ ہے نیز اس کا ثبوت صراحتہً یہی ہے۔

مسلم آخر جلد دوم باب حدیث الھجرۃ میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ پاک داخل ہوئے۔

فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ فَوقَ البُیُوتِ وَتَفَرَّقَ الغِلمَانُ وَالخَدَمُ فِی الطُّرقِ یُنَادُونَ یَامُحَمَّدُ یَا رَسُولَ اللہِ یَامُحَمَّدُ یَارَسُولَ اللہ

’’تو عورتیں اور مرد گھر کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہو گئے نعرے لگاتے پھرتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔‘‘

اس حدیث مسلم سے نعرہ رسالت کا صراحتہً ثبوت ہوا اور معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام نعرہ لگایا کرتے تھے۔ اسی حدیث ہجرت میں ہے کہ صحابہ کرام نے جلوس بھی نکالا ہے اور جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر سے واپس مدینہ پاک تشریف لاتے تو اہل مدینہ حضور علیہ السلام کا استقبال کرتے اور جلوس نکالتے (دیکھو مشکوٰۃ و بخاری وغیرہ) جلسہ کے معنٰی ہیں بیٹھک یا نشست، جلوس اس کی جمع ہے جیسے جلدہ کی جمع جلود۔ بمعنی کوڑہ نماز ذکر الہٰی کا جلسہ ہے کہ ایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے اور حج کا ذکر جلوس کہ اس میں گھوم پھر کر ذکر ہوتا ہے قرآن سے ثابت ہے کہ تابوت سکینہ کو ملائکہ بشکل جلوس لائے۔ بوقت ولادت پاک اور معراج میں فرشتوں نے حضور کا جلوس نکالا۔ اور اچھوں کی نقل کرنا بھی باعث ثواب ہے۔ لہٰذا یہ مروج جلوس اس اصل کی نقل ہے اور باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

ندا، یارسول اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلاَ تَدعُ مِن دُونِ اللّٰہِ مَالاَیَنفَعُکَ وَلا یَضُرُّکَ (پارہ ۱۱ سورہ ۱۰ آیت ۱۰۶)

"اللہ کے سوا ان کو نہ پکارو جو تم کو نفع و نقصان نہ پہنچا سکیں۔"

معلوم ہوا کہ غیر خدا کا پکارنا منع ہے۔

وَیَدعُونَ مِن دُونِ اللّٰہِ مَا لاَ یَنفَعُھُم وَلاَ یَضُرُّھُم

"خدا کے سوا ان کو پکارتے ہیں جو ان کے لئے نافع و مضر نہیں۔"

ثابت ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا بت پرستوں کا کام ہے۔

جواب ان جیسی آیتوں میں جہاں بھی لفظ دعا ہے اس مراد بلانا نہیں بلکہ پوجنا (دیکھو جلالین اور دیگر تفاسیر) معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو۔ دوسری آیات اس معنیٰ کی تائید کرتی ہیں رب فرماتا ہے وَمَن یَّدعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے (عبادت کرے) معلوم ہوا کہ غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے اگر ان آیات کے یہ معنیٰ نہ کئے جاویں تو ہم نے جو آیات واحادیث اور علماء دین کے اقوال پیش کئے جن میں غیر خدا کو پکارا گیا ہے سب شرک ہوگا۔ پھر زندہ کو پکارو یا مردہ کو، سامنے والے کو پکارو یا دور والے کو سب ہی شرک ہوگا، روزانہ ہم لوگ بھائی بہن دوست آشنا کو پکارتے ہی ہیں۔ تو عالم میں کوئی بھی شرک سے نہ بچا۔ نیز شرک کہتے ہیں غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات میں شامل کرنا کسی کو آواز دینا پکارنا اس میں کون سے صفت الٰہی میں داخل کرنا ہے پھر یہ شرک کیوں ہوا؟

(۲) فَاذکُرُو اللّٰہَ قِیَامًاوَّقُعُودًاعَلٰی جُنُوبِکُم "پس اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام جپنا شرک ہے صرف خدا ہی کا ذکر کرنا چاہیئے۔

جواب اس آیت سے ذکر رسول اللہ کو حرام یا شرک سمجھنا نادانی ہے۔ آیت تو یہ فرما رہی ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ہر حال میں ہر طرح خدا کا ذکر کر سکتے ہو۔ یعنی نماز میں تو پابندی تھی کہ بغیر وضو نہ ہو، سجدہ رکوع اور قعدہ میں تلاوت قرآن کریم نہ ہو بلا عذر بیٹھ کر یا لیٹ کر نہ ہو مگر جب نماز سے فارغ ہو چکے تو یہ پابندیاں اٹھ گئیں۔ اب کھڑے بیٹھے لیٹے ہر طرح خدا کو یاد کر سکتے ہو۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں ایک یہ کہ یہ امر فَاذکُرُو اللّٰہَ وجوب کے لئے نہیں صرف جواز کے لئے ہے کہ نماز کے علاوہ چاہے خدا کو یاد کرو خواہ غیر خدا کو خواہ بالکل خاموش رہو ہر بات کی اجازت ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ امر وجوب کے لئے بھی ہو تو بھی ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نقیض نہیں تا کہ ذکر اللہ کے واجب ہونے سے یہ حرام ہو جاوے بلکہ ذکر اللہ کی نقیض عدم ذکر اللہ ہے، تیسرے یہ کہ اگر ذکر اللہ کی نقیض مان بھی لی جاوے تب بھی ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض زیادہ سے زیادہ حرام ہوگی نہ کہ شرک۔ مگر خیال رہے کہ حرام یا فرض ہونا فعل کی صفت ہے نہ کہ عدم فعل کی۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام کا ذکر بالواسطہ خدا ہی کا ذکر ہے۔

مَن یُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَداَطَاعَ اللّٰہَ (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۸۰)

"جس نے رسول اللہ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔"

جب کلمہ نماز حج درود خطبہ اذان غرض کہ ساری عبادات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذکر داخل اور ضروری ہے تو نماز سے خارج انکا ذکر اٹھتے بیٹھتے کیوں حرام ہوگا جو شخص ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے درود شریف یا کلمہ پڑھے تو حضور کا ذکر کر رہا ہے ثواب کا مستحق ہے۔ پانچویں اس طرح

تَبَّت یَدَآاَبِی لَھَبٍ اور سورہ منافقون اور وہ آیات جن میں کفار یا بتوں کا ذکر ہے ان کا پڑھنا ذکر اللہ ہے یا نہیں ضرور ہے کیونکہ یہ قرآنی آیات ہیں۔ ہر کلمہ پہ ثواب ہے اگر چہ ان آیات میں مذکور کفار یا بت ہیں مگر کلام تو اللہ کا ہے۔ کلام الٰہی کا ذکر تو ذکر اللہ ہو۔ مگر رحمت الٰہی یا نور الٰہی محمد رسول اللہ کا ذکر اللہ نہ ہو یہ کیا انصاف ہے؟ قرآن میں ہے قَالَ فِرعَونُ فرعون نے کہا قَالَ پڑھنے پر تیس ثواب اور لفظ فرعون پڑھنے پر پچاس ثواب کیونکہ ہر حرف کے دس ثواب ہیں تو فرعون کا نام قرآن میں پڑھا گیا پچاس نیکیاں ملیں اور محمد رسول اللہ کا نام لیا تو مشرک ہو گیا۔ یہ کیا عقل ہے؟ ساتویں اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام فراق حضرت یوسف میں اٹھتے بیٹھتے حضرت یوسف کے نام کی رٹ فرماتے تھے اور ان

کی یاد میں اس قدر روئے کہ آنکھیں سفید ہوگئیں اسی طرح حضرت آدم فراق حضرت حوا میں، حضرت امام زین العابدین فراق امام حسین میں اٹھتے بیٹھتے ان کے نام جپا کرتے تھے اور بزبان حال یہ کہتے تھے۔

حال من در ہجرت والد کم از یعقوب نیست اور پسر گم کردہ بود من پدر گم کردہ ایم

بتاؤان پر یہ حکم شرک جاری ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو آج تو عاشق ہر حال میں اپنی نبی کو یاد کرے وہ کیوں مشرک ہوگا؟ ایک تاجر دن رات تجارت کا ذکر کرتا رہتا ہے طالب علم دن رات ہر حال میں سبق یاد کرتا ہے۔ وہ بھی غیر خدا کا نام جپ رہا ہے وہ کیوں مشرک نہیں۔

نوٹ بینا نگر پنجاب میں ہمارا اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کا اسی مسئلہ ندا یا رسول اللہ پر مناظرہ ہوا۔ ثناء اللہ صاحب نے یہ ہی آیت پیش کی۔ ہم نے صرف تین سوال کئے ایک یہ کہ قرآن میں امر کتنے معنیٰ میں آیا ہے اور یہاں کون سے معنیٰ میں استعمال ہوا؟ دوسرے یہ کہ ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض حرام ہوگی یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ ذکر اللہ کی نقیض کیا ہے؟ ذکر غیر اللہ یا عدم ذکر اللہ؟ جس کا جواب یہ دیا کہ آپ نے ان سوالات میں اصول فقہ اور منطق کو دخل دیا ہے یہ دونوں علم بدعت ہیں گویا کہ جاہل رہنا سنت ہے پھر ان سے سوال کیا کہ بدعت کی صحیح تعریف ایسی کرو جس سے محفل میلاد تو حرام رہے اور اخبار اہلحدیث نکالنا سنت ہو؟ یہ سوالات اب تک ان تمام پر قائم ہیں۔ ابھی وہ زندہ ہیں کوئی صاحب ان سے جوابات دلوادیں ہم مشکور ہوں گے مگر اب افسوس کہ ثناء اللہ صاحب تو بغیر جواب دیئے دنیا سے چلے گئے کاش کوئی ان کے معتقد صاحب جواب دے کر ان کی روح کو خوش کریں۔

اعتراض ۱ بخاری جلد دوم کتاب الاستیذان بحث مصافحہ باب الاخذ بالیدین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو حضور علیہ السلام نے التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحمَتُہ اللہِ وبَرَکَاتُہ سکھایا فَلَمَّا قُبِضَ قُلنَا السَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو ہم نے التحیات میں یوں پڑھا اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ۔

عینی شرح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فَظَاھِرُ ھَا اَنَّھُم کَانُوا یَقُولُونَ اَلسَّلَامُ عَلَیکَ بِکَافِ الخِطَابِ فِی حَیَاۃِ النَّبِیِّ عَلَیہِ السَّلَامُ لَمَّامَاتَ تَرَکُوا الخِطَابَ وَذَکَرُوہ بِلَفظِ الغَیبَۃِ فَصَارُوا یَقُولُونَ السَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ

”حدیث کے ظاہری معنیٰ یہ ہیں کہ صحابہ کرام حضور کی زندگی پاک میں اسلام علیک کاف خطاب سے کہتے تھے لیکن جبکہ حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو خطاب چھوڑ دیا اور لفظ غائب سے ذکر کیا اور کہنے لگے۔“

اس حدیث اور شرح کی عبارت سے معلوم ہوا کہ التحیات میں السلام علیک کہنا زندگی پاک مصطفیٰ علیہ السلام میں تھا حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد التحیات میں بھی نداء کو چھوڑ دیا گیا تو جب صحابہ کرام نے التحیات میں سے ندا کو نکال دیا تو جو شخص نماز کے خارج میں یا رسول اللہ وغیرہ کہے تو بالکل ہی شرک ہے۔

جواب بخاری اور عینی کی یہ عبارات تو آپ کے خلاف بھی ہیں کیونکہ آج تک کسی امام مجتہد نے التحیات کے بدلنے کا حکم نہ دیا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی۔ اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی التحیات اختیار فرمائیں۔ مگر دونوں التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبِی ہے غیر مقلد بھی خواہ ثنائی ہوں یا غزنوی یہ ہی خطاب والی التحیات پڑھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے التحیات کو بدلا اور حدیث مرفوع کے مقابل اجتہاد صحابی قبول نہیں۔ اور ان صحابہ کرام نے بھی اس لئے تبدیل نہ کیا کہ نداء غائب حرام ہے۔ ورنہ زندگی پاک میں دور رہنے والے صحابہ خطاب والی التحیات نہ پڑھتے۔ آخر یمن، خیبر، مکہ مکرمہ، نجد، عراق تمام جگہ نماز ہوتی تھی۔ تو اس میں وہ ہی التحیات پڑھی جاتی تھی۔ نداء غائب برابر ہوتی تھی۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حجاز میں تشریف فرما تھے اور نداء والی التحیات ہر جگہ پڑھی جارہی تھی نہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا نہ صحابہ کرام نے کچھ شبہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے التحیات سکھاتے وقت یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ التحیات صرف ہماری زندگی پاک میں ہے اور ہماری وفات شریف کے بعد دوسری پڑھنا۔

فتاوے رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۷ میں ہے۔ ”لہذا صیغہ خطاب کو بدلنا ضروری نہیں اور اس میں تقلید بعض صحابہ کی ضروری نہیں۔ ورنہ خود حضور علیہ السلام فرماتے کہ بعد میرے انتقال کے خطاب نہ کرنا۔ بہرحال صیغہ خطاب رکھنا اولیٰ ہے۔ اصل تعلیم اسی طرح ہے۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ بعض صحابہ کا یہ فعل حجت نہیں ورنہ لازم آوے گا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں شرک ہوتا رہا۔ اور منع نہ فرمایا گیا۔ بعد میں بھی بعض نے بدلا نہ کہ کل نے۔

بلکہ مرقات باب التشہد اخیر فصل میں ہے۔ وَاَمَّا قَولُ اِبنِ مَسعُود کُنَّا نَقُولُ الخ فَھُوَ رِ وَایَتہ اَبِی عَوَانتہ وَرِوَایَتہ البُخَارِیِّ اُصَحُّ فِیھَا اَنَّ ذٰلِکَ لَیسَ مِن قَولِ ابن مَسعُود بَل مِن فھم الرَّاوِیِّ عَنہُ وَلَفظُھَا فَلَمَّاقُبِضَ قُلنَا سَلَامٌ یَعنِی عَلَی النَّبِیِّ فَقُولُہ قُلنَا سَلَامٌ یَعتَمِل اَنَّہ اَرَادَبِہٖ اِستَمَرَرنَا عَلیٰ مَاکُنَّا عَلَیہِ فِی حَیَاتِہٖ

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے التحیات ہرگز نہ بدلی یہ صرف راوی کی فہم ہے نہ کہ اصل واقعہ۔

(۴) بعض وہابی یہ کہتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے کیونکہ دور کی آواز سننا تو خدا ہی کی صفت ہے غیر خدا میں یہ طاقت ماننا شرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو یارسول اللہ یا غوث وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے ہوا کو نداء دیا کرتے ہیں ”سن اے باد صبا“ وغیرہ کہ وہاں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہوا سنتی ہے آج کل عام وہابی یہ ہی عذر پیش کرتے ہیں فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ میں اسی پر زور دیا ہے۔

جواب دور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں۔ کیونکہ دور سے آواز تو وہ سنے جو پکارنے والے سے دور ہو۔

رب تعالیٰ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے خود فرماتا ہے۔

نَحنُ اَقرَبُ اِلَیہِ مِن حَبلِ الوَرِیدِ ”ہم تو شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

وَاِذَاسَالکَ عِبَادِی عَنّی فَاِنّی قَرِیبٌ ”جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو فرما دو کہ قریب ہیں“

نَحنُ اَقرَبُ اِلَیہِ مِنکُم وَلٰکِن لَّاتُبصِرُونَ (پارہ ۲۷ سورہ ۵۶ آیت ۸۵)

”ہم اس بیمار سے بمقابلہ تمہارے زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں۔“

لہذا پروردگار تو قریب ہی کی آواز سنتا ہے ہر آواز اس سے قریب ہی ہوتی ہے کہ وہ خود قریب ہے اور اگر مان لیا جاوے کہ دور کی آواز سننا اس کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو اس کی صفت ہے لہذا چاہیے کہ قریب والے کو بھی سامع سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ مشرک ہو جاؤ گے سب کو بہرا جانو۔ نیز جس طرح دور کی آواز سننا خدا کی صفت ہے اسی طرح دور کی چیز دیکھنا۔ دور کی خوشبو پالینا بھی تو صفت الٰہی ہے اور ہم علم غیب اور حاضر وناظر کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لئے دور ونزدیک یکساں ہیں۔ جب ان کی نظر دور وقریب کو یکساں دیکھ سکتی ہے تو اگر ان کے کان دور ونزدیک کی آوازیں سن لیں تو کیوں شرک ہوا؟ یہ وصف ان کو بہ عطاء الٰہی حاصل ہوا۔ اب ہم دکھاتے ہیں کہ دور کی آواز انبیاء واولیاء سنتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو پالی اور فرمایا۔ اِنّی لَاَجِدُرِیحَ یُوسُف بتاؤ یہ شرک ہوا یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ پاک سے حضرت ساریہ کو آواز دی جو مقام نہاوند میں جنگ کر رہے تھے۔ اور حضرت ساریہ نے وہ آواز سن لی (دیکھو مشکوٰۃ باب الکرامات فصل ثالث) حضرت فاروق کی آنکھ نے دور سے دیکھا حضرت ساریہ کے کان نے دور سے سنا۔ تفسیر روح البیان وجلالین ومدارک وغیرہ تفاسیر میں زیر آیت وَاَذِّن فِی النَّاسِ بِالحَجِّ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنا کر پہاڑ پر کھڑے ہو کر تمام روحوں کو آواز دی کہ اے اللہ کے بندو چلو قیامت تک جو بھی پیدا ہونے والے ہیں۔ سب نے وہ آواز سن لی۔ جس نے لبیک کہہ یا وہ ضرور حج کرے گا اور جو روح خاموش رہی وہ کبھی حج نہیں کر سکتی کیجئے یہاں تو دور کے علاوہ پیدائش سے پہلے سب نے حضرت خلیل کی آواز سن لی یہ شرک ہوا یا نہیں؟ اسی طرح حضرت خلیل نے بارگاہ رب جلیل میں عرض کیا کہ مولیٰ مجھے دکھادے کہ تو مردے کو کس طرح زندہ فرمائے گا تو حکم ہوا کہ چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت چار پہاڑوں میں رکھو ثُمَّ ادعُھُنَّ یَاتِینَکَ سَعیًا پھر انہیں پکارو دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ دیکھو مردہ جانوروں کو پکارا گیا اور وہ ڈورے ہوئے آئے تو کیا اولیاء اللہ ان جانوروں سے بھی کم ہیں؟ آج ایک شخص لندن میں بیٹھ کر بذریعہ ٹیلیفون ہندوستان کے آدمی سے بات کرتا ہے اور یہ سمجھ کر اس کو پکارتا ہے کہ ہندوستان کا آدمی اس آلہ کے ذریعہ میری بات سنتا ہے یہ پکارنا شرک ہے کہ نہیں؟ تو اگر کسی مسلمان کا عقیدہ یہ ہو کہ قوت نبوت ٹیلیفون کی قوت سے زیادہ ہے اور حضرات انبیاء قوت خداداد سے ہر ایک کی آواز سنتے ہیں۔ پھر پکارے یارسول اللہ الغیاث تو کیوں شرک ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سفر میں جاتے ہوئے ایک جنگل میں چیونٹی کی آواز دور سے سنی۔ وہ کہتی ہے۔

یٰاَیُّھَاالنَّملُ ادخُلُوا مَسٰکِنَکُم لَایَحطِمَنَّکُم سُلَیمٰنُ وَجُنُودُہ وَھُم لَایَشعُرُونَ (پارہ ۱۹ سورہ ۲۷ آیت ۱۸)

”اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں (پارہ ۱۹ سورہ نمل)“

تفسیر روح البیان وغیرہ اسی آیت کے ماتحت ہے کہ آپ نے تین میل سے چیونٹی کی یہ آواز سنی خیال کرو کہ چیونٹی کی آواز اور تین میل کا فاصلہ کہیئے یہ شرک ہوا کہ نہیں؟ مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ دفن کے بعد میت قبر میں سے باہر والوں کے پاؤں کی آواز سنتی ہے اور زائرین کو دیکھتی اور پہچانتی ہے اسی لئے قبرستان میں جا کر اہل قبور کو سلام کرنا چاہیئے اس قدر مٹی کے نیچے ہو کر اتنی آہستہ آواز کو سننا کس قدر دور کی آواز سننا ہے۔ کہو شرک ہوا یا نہیں؟ ہم بحث علم غیب اولیاء اللہ میں مشکوۃ کتاب الدعوات کی حدیث نقل کر چکے ہیں کہ اللہ کا ولی خدائی طاقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ اپنی قوت سے عطا فرماوے۔ وہ اگر دور سے سن لے تو کیوں شرک ہے؟ مخالفین کے معتمد اور معتبر عالم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فتاویٰ عبدالحی کتاب العقائد صفحہ ۴۳ میں اس سوال کے جواب میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ **لَم یَلِد وَلَم یُولَد** حضور علیہ السلام کی شان ہے اور **قُل ھُوَاللہُ اَحَدٌ** حضور علیہ السلام کی صفت ہے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا۔ جبکہ آپ چہل روزہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مادر مشفقہ نے میرا ہاتھ مضبوط باندھ دیا تھا۔ اس کی اذیت سے مجھ کو رونا آتا تھا اور چاند منع کرتا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ ان دنوں آپ چہل روزہ (چالیس دن) کے تھے یہ حال کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے نیچے تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا۔ اس روایت سے تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام والدہ ماجدہ کے شکم میں ہی عرش وفرش کی تمام آوازیں سنتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت اپنے نیک شوہر سے لڑے تو جنت سے حور پکار کر اسے ملامت کرتی ہے (مشکوۃ باب معاشرۃ النساء) معلوم ہوا کہ گھر کی کوٹھڑی کی جنگ کو حور اتنی دور سے دیکھتی اور سنتی ہے اور پھر اسے علم غیب بھی ہے اس آدمی کا انجام بخیر ہوگا۔ دوربین سے دور کی چیز دیکھتے ہیں ریڈیو ٹیلیفون سے دور کی آواز سنتے ہیں۔ تو کیا نبوت ولایت کی طاقت بجلی کی طاقت سے بھی کم ہے معراج میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جنت میں حضرت بلال کی قدم کی آہٹ سنی حالانکہ بلال کو معراج نہ ہوئی تھی اور اپنے گھر میں تھے۔ یہاں نماز تہجد کے لئے چل پھر رہے ہوں گے وہاں آہٹ سنی جارہی تھی اور اگر حضرت بلال بھی بجسم مثالی جنت میں پہنچے تو حاضر و ناظر کا ثبوت ہوا۔

ان سب باتوں کے متعلق مخالف یہ ہی کہے گا کہ وہ تو خدا نے سنایا تو ان حضرات نے سن لیا۔ پس ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو خدا دور کی آوازیں سناتا ہے تو یہ سنتے ہیں خدا تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی ان کی عطائی۔ خدا کی یہ صفت قدیم۔ ان حضرات کی حادث۔ خدا کی یہ صفت کسی کے قبضہ میں نہیں ان کی یہ صفت خدا کے قبضہ میں خدا کا سننا بغیر کان وغیرہ عضو کے۔ ان کا سننا کان سے اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ اس نداء کے متعلق اور بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر اسی قدر پر ہی کفایت ہے۔

بڑے علماں تے عقلاں والے اوتھے پل نہ اڑدے نے
میں سنیا دیکھ کے اُس نوں پتھر بھی کلمہ پڑھدے نے

بحث اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا

اولیاء اللہ اور انبیاء کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو رب تعالیٰ ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمان کا یہ ہی عقیدہ ہوتا ہے کوئی جاہل بھی کسی ولی کو خدا نہیں سمجھتا۔ اس بحث میں دو باب ہیں۔

پہلا باب

غیر اللہ سے مدد مانگنے کے ثبوت میں

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء و محدثین اور خود مخالفین کے اقوال سے ہے ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَادعُو شُهَدَآءَ کُم مِن دُونِ اللهِ اِن کُنتُم صٰدِقِینَ (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت ۲۳)

”اور اللہ کے سوا اپنے سارے حمائتیوں کو بلالو۔“

اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی مثل ایک سورہ بنا کرلے آؤ اور اپنی امداد کے لئے اپنے حمائتیوں کو بلالو۔ غیر اللہ سے مدد لینے کی اجازت دی گئی۔

قَالَ مَن اَنصَارِی اِلیٰ اللهِ قَالَ الحَوَّارِیُونَ نَحنُ اَنصَارُ اللهِ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۵۲)

”کہا مسیح نے کون ہے جو مدد کرے میری طرف اللہ کی کہا حواریوں نے ہم مدد کریں گے اللہ کے دین کی۔“

اس میں فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا مددگار کون ہے۔ حضرت مسیح نے غیر اللہ سے مدد طلب کی۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى البِرِّ وَالتَّقویٰ وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الاثمِ وَالعُدوَان (پارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۲)

”مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر نیک کاموں کے اور تقویٰ کے اور نہ مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر گناہ اور زیادتی کے۔“

اس آیت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

اِنَ تَنصُرُوا اللهَ یَنصُرکُم (پارہ ۲۶ سورہ ۴۷ آیت ۷) ”اگر مدد کرو گے تم اللہ کے دین کی مدد کریگا وہ تمہاری“

اس میں خود رب تعالیٰ نے جو کہ غنی ہے اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالیٰ نے یثاق کے دن ارواح انبیاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عہد لیا۔

لَتُؤمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنصُرُنَّه (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۸۱) ”کہ تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔“

معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد یثاق کے دن سے حکم ہے۔

استَعِینُو بِالصَّبرِ وَالصَّلوٰة (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۵۳) ”مدد طلب کرو ساتھ صبر اور نماز کے۔“

اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو اور نماز و صبر بھی تو غیر اللہ ہیں۔

وَاَعِینُونی بِقُوَّةٍ ”مدد کرو میری ساتھ قوت کے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنین نے دیوار آہنی بناتے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَیَّدَکَ بَنَصرِهٖ وَبِالمُؤمِنِینَ (پارہ ۱۰ سورہ ۸ آیت ۶۲) ”اے نبی رب نے آپ کو اپنی مدد اور مسلمانو نکے ذریعہ قوت بخشی۔“

فرماتا ہے۔ یاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسبُکَ اللهُ وَمَن اتَّبَعَکَ مِنَ المُؤمِنِینَ (پارہ ۱۰ سورہ ۸ آیت ۶۴)

”اے نبی آپ کو اللہ اور آپ کے مطیع مسلمان کافی ہیں۔“

فرماتا ہے۔

فَاِنَّ اللهَ هُوَ مَولٰهُ مَولاَهُ وَجِبرِیلُ وَ صَالِحُ المُؤمِنِینَ وَالمَلٰئِکَةُ بَعدَ ذٰلِکَ ظَهِیرٌ (پارہ ۲۸ سورہ ۶۶ آیت ۴

”یعنی رسول کے مددگار اللہ اور جبریل اور متقی مسلمان ہیں بعد میں فرشتے ان کے مددگار ہیں۔“

فرماتا ہے۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُم اللّٰہُ وَرَسُولُہ وَالَّذِینَ اٰمَنُو الَّذِینَ یُقِیمُونَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤتُونَ الزَّکٰوۃَ وَھُم رَاکِعُونَ

(پارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۵۵)

"یعنی اے مسلمانوں تمہارا مددگار اللہ اور رسول اور وہ مسلمان ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں نماز پڑھتے ہیں۔"

فرماتا ہے وَالمُؤمِنُونَ وَالمُؤمِنٰتِ بَعضُھُم اَولِیَآءُ بَعضَ دوسری جگہ فرماتا ہے نَحنُ اَولِیاءُ کُم فِی الحیٰوۃِ الدُّنیَا وَفِـی الاٰخِـرَۃَ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی مددگار ہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے مگر رب تعالیٰ بالذات مددگار اور یہ بالعرض۔

موسیٰ علیہ السلام کو جب تبلیغ کے لئے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو عرض کیا۔

وَاجعَل لِی وَزِیرًامِّن اَھلِی ھٰرُونَ اَخِی اشدُد بِہٖ اَزرِی (پارہ ۱۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۹. ۳۰)

"خدایا میرے بھائی کو نبی بنا کر میرا وزیر کردے میری پشت کو ان کی مدد سے مضبوط کردے۔"

رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا سہارا کیوں لیا میں کیا کافی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کی درخواست منظور فرمالی۔ معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا لینا سنت انبیاء ہے۔

مشکوٰۃ باب السجود وفضلہٖ میں ابن کعب اسلمی سے بروایت مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا۔

سَل فَقُلتُ اَسئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الجَنَّۃِ قَالَ اَو غَیرَ ذٰلِکَ فَقُلتُ ھُوَ ذَالِکَ قَالَ فَاعِنِّی عَلیٰ نَفسِکَ بِکَثرَۃِ السُّجُودِ

"کچھ مانگ لو میں نے کہا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی ہی مانگتا ہوں۔ فرمایا کچھ اور مانگنا ہے میں نے کہا صرف یہ ہی فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو۔"

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہوگئے بلکہ فرمایا وہ تو منظور ہے کچھ اور بھی مانگو۔ یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام بھی فرماتے ہیں اَعِـنِّـی اے ربیعہ تم بھی اس کام میں میری اتنی مدد کرو زیادہ نوافل پڑھا کرو یہ بھی غیر اللہ سے مدد طلب ہے۔ اسی حدیث پاک کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔ "واز طلاق سوال کہ فرمود سل وتخصیص نہ کرو بمطلوبے خاص معلوم مے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہرچہ خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔"

فَاِنَّ مِن جُودِکَ الدُّنیَا وَ ضَرَّتَھَا "اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری"

وَ مِن عُلُومِکَ عِلمُ اللَّوحِ وَ القَلَم "بدر گاہش بیا و ہرچہ می خواہی تمنا کن!"

سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا کچھ مانگ لو۔ کسی خاص چیز سے مقید نہ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ حضور ہی کے ہاتھ کریمانہ میں ہے۔ جو چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیدیں۔ کیونکہ دنیا و آخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر دنیا و آخرت کی خیر چاہتے ہو تو ان کے آستانے پر آؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رہے اور تین سو سال تک رہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کعبہ پاک ہوا رب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا گھر کعبہ میرے محبوب کے مداوا کے پاک نہیں ہوسکتا۔ تو تمہارا دل ان کی نظر کرم کے بغیر پاک نہیں ہوسکتا۔

نور الانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے۔ ھُوَ الجُودُ ابِالکَونَینِ وَالتَّوَجُّہُ اِلیٰ خَالِقِھَا یعنی دونوں جہان اوروں کو بخش دینا اور خود خالق کی طرف متوجہ ہو جانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں دوسروں کو وہ ہی بخشے گا جو خود ان کا مالک ہوگا۔ ملکیت ثابت ہوئی۔

شیخ عبدالحق کی ان عبارات نے فیصلہ کردیا کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مانگو، مال مانگو، جنت مانگو، جہنم سے پناہ مانگو، بلکہ اللہ کو مانگو۔

ایک صوفی شاعر خوب فرماتے ہیں۔

محمد از تو مے خواہم خدارا خدایا از تو عشق مصطفیٰ را
یا رسول اللہ میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں
اور اے اللہ میں تجھ سے رسول اللہ کو مانگتا ہوں

حضرت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلہم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَو اَنَّھُم اِذظَّلَمُو ا اَنفُسَھُم جَآءُ وکَ فَاستَغفَرُو االلہَ وَاستَغفَرَلَھُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُو االلہَ تَوَّابًارَّحِیمًا

اس کا ترجمہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں آجاتے پھر خدا سے اپنی مغفرت مانگتے اور یہ رسول بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو پالیتے۔ مگر کس شان میں تَوَّابًارَّحِیمًا توبہ قبول فرمانے والا مہربان یعنی آپ کے پاس آنے سے ان کو خدا مل جاتا۔

اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

اشعۃ اللمعات کی طرح مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اسی حدیث کے ماتحت فرمایا ہے فِعطی لِمَن شَآءَ مَاشَآءَ کہ حضور علیہ السلام جس کو چاہیں دے دیں تفسیر کبیر جلد سوم پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت وَلَو اَسرَ کُو الَحبِطَ عَنھُم مَاکَانُو ایعمَلُونَ ہے۔

وَثَالِثُھَاالاَنبِیَآءُ وَھُمُ الَّذِینَ اَعطَاھُمُ اللہُ تَعَالیٰ مِنَ العُلُومِ وَالمَعَارِفِ مَالاَ جَلِہٖ یَقدِرُونَ عَلٰی لتَّصَرُّفِ فِی بَوَاطِنِ الخَلقِ وَاَروَاحِھِم وَایضًااَعطَاھُم مِنَ القُدرَۃِ وَالمَکنَۃِ مَالاَ جَلِہٖ یَقدِرُونَ عَلَی التَّصَرُّفِ فِی ظَوَاھِرِ الخَلقِ

"تیسرے ان میں انبیاء ہیں یہ وہ حضرات ہیں جن کو رب نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں۔ جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی ارواح پر تصرف کر سکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت وقوت دی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کر سکتے ہیں۔"

اسی تفسیر کبیر پارہ الٓمّٓ وَاِذُ قَالَ رَبُّکَ لِلمَلٰئِکَتِہ اس کی تفسیر میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی جنگل میں پھنس جائے تو کہے۔

اَعِینُونِی عِبَادَاللہِ یَرحَمُکُم اللہُ "اے اللہ کے بندو میری مدد کرو رب تم پر رحم فرمائے۔"

تفسیر روح البیان سورہ مائدہ پارہ ۶ زیر آیت وَیَسعَونَ فِی الاَرضِ فَسَادًا ہے کہ شیخ صلاح الدین فرماتے ہیں۔ مجھ کو رب نے قدرت دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گرادوں اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو ہلاک کردوں اللہ کی قدرت سے لیکن ہم اصلاح کی دعا کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے۔

اولیاء راہست قدرت ازالہ   تیر جستہ باز گر واند زراہ!
اولیاء کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے   کہ چھوٹا ہوا تیر واپس کرلیں

اشعۃ اللمعات شروع باب زیارت القبور میں ہے امام غزالی گفتہ ہر کہ استمد اد کردہ شود بوے درحیات استمد اد کردہ مے شود بوے بعد از وفات یکے از مشائخ گفتہ دیدم چہار کس راز مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور حود مانند تسرفہا ایشاں درحیات خود یا بیشتر۔ قومے مے گویند کہ امداد حی قومی تر است ومن مے گویم کہ امداد میت قوی تر واولیاء را تصرف درا کون حاصل است وآں نیست مگر ارواح ایشاں را وارواح باقی است۔" امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد مانگی جاوے ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی وہ ہی عمل درآمد کرتے ہیں جو زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ، ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ کی امداد زیادہ قوی اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر انکی روحوں کو کیونکہ ارواح باقی ہیں۔

حاشیہ مشکوۃ باب زیارت القبور میں ہے۔

وَاَمَّا الاِ ستِمدَادُ بَاھلِ القُبُورِ فِی غَیرِ النَّبِیِّ عَلَیہِ السَّلاَمُ اَوالاَنبِیَآءِ فَقَد اَنکَرَہ کَثِیرٌ مِّنَ الفُقَھَآءِ وَاَثبَتَہُ المَشَائِخُ الصُّوفِیَۃُ وَبَعضُ الفُقَھَآءِ قَالَ الاِمَامُ الشَّافِعِیُّ قَبرُ مُوسَی الکَاظِمِ تِریَاقٌ مُجَرَّب لِاجَابَۃِ الدُّعَاءِ وَقَالَ الاِمَامُ الغَزَالِیُّ مَن یُّستَمَدُّ فِی حَیَاتِہٖ یُستَمَدُّ بَعدَ وَفَاتِہٖ

"نبی علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اور اہل قبور سے دعا مانگنے کا بہت سے فقہا نے انکار کیا اور مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء نے اسکو ثابت کیا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ موسیٰ کاظم کی قبر قبولیت دعا کیلئے آزمودہ تریاق ہے اور امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاسکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام سے مدد مانگنے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ قبور اولیاء اللہ سے مدد مانگنے میں اختلاف ہے علمائے ظاہر بین نے انکار کیا صوفیا کرام اور فقہاء اہل کشف نے جائز فرمایا۔

حصن حصین صفحہ ۲۰۲ میں ہے۔ وَاِن اَرَادَ عَونًافَلیَقُل یَاعِبَادَاللّٰہ اَعِینُونِی یَاعِبَادَاللّٰہ اَعِینُونِی یَاعِبَادَاللّٰہ اَعِینُونِی

”جب مدد لینا چاہے تو کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔“

اس کی شرح الحرز الثمین میں ملا علی قاری اسی جگہ فرماتے ہیں۔

اِذَاانفَلَتَت دَآبَّۃُ اَحَدِکُم بِاَرضٍ فَلاۃٍ فَلیُنَادِیَا عِبَادَاللّٰہ اِحبِسُوا

”یعنی جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو آواز دو کہ اے اللہ کے بندو اسے روک دو۔“

عباداللہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَلمُرَادُبِھِمُ المَلٰٓئِکَۃُ اَوِ المُسلِمُونَ مِنَ الجِنِّ اَو رِجَالُ الغَیبِ المُسَمُّونَ بِاَبدَالٍ

”یعنی بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا جن یا رجال الغیب یعنی ابدال مراد ہیں۔“

پھر فرماتے ہیں۔ ھٰذَاحَدِیثٌ حسنٌ یَحتَاجُ اِلَیہِ المُسَافِرُونَ وَاَنَّہ مُجَرَّبٌ

”یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل مجرب ہے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۲۰ پر فرماتے ہیں۔ ”باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد باشد اوراعوان الٰہی نداند حرام است واگر التفات محض بجانب حق است واورا یکے از مظاہر عون الٰہی دانستہ وبکارخانہ اسبابی وحکمت اوتعالیٰ درآں نمودہ بغیر استعانت ظاہر ہر نماید دور از عرفان نخواہد بود ودر شرح نیز جائز ورواست در انبیاء واولیاء ایں نوع استعانت تعبیر کردہ اند در حقیقت این نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر۔“ ”سمجھنا چاہیئے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الٰہی نہ سمجھے حرام ہے اور اگر توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں جائز ہے اور اس کو انبیاء واولیاء کی مدد کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مدد مانگنا نہیں ہے لیکن اس کی مدد سے ہے تفسیر عزیزی سورہ بقرہ صفحہ ۴۶۰ میں شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ ”افعال عادی الٰہی راشل بخشیدن فرزند توسیع رزق وشفاء مریض وامثال ذالک رامشرکان نسبت بہ ارواح خبیثہ اصنام نمایند کافری شوید۔ از تاثیر الٰہی یا خواص مخلوقات ادمی دانند از ادویہ ومغافیر یا دعائے صلحاء بندگان او کہ ہم از جناب او در خواستہ انجاح مطلب می کنا ندمی فہمند ودر ایمان ایشاں خلل نمی افتد۔“ ”اللہ کے کام جیسے لڑکا دینا رزق بڑھانا بیمار کو اچھا کرنا اور اس کی مثل کو مشرکین خبیث روحوں اور بتوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں اور مسلمان ان امور کو حکم الٰہی یا اس کی مخلوق کی خاصیت سے جانتے ہیں جیسے کہ دوائیں یا مغافیر یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور ان مومنین کے ایمان میں اس سے خلل نہیں آتا۔

بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز صاحب شیخ ابو العباس احمد زروقی کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں۔

اَنَا لِمُرِیدِی جَامِعٌ لِشَتَّاتِہٖ اِذَا مَا مَطیٰ جُورُ الزَّمَانِ بِنکِبَتِہٖ !
وَ اِن کُنتُ فِی ضِیقٍ وَ کَربٍ وَحشَتہ فَنَادِ بِیَازَ زُروُقُ اٰتِ بِسُرعَتِہٖ !

میں اپنے مرید کی پراگندگیوں کو جمع کرنے والا ہوں جبکہ زمانہ کی مصیبتیں اس کو تکلیف دیں۔ اگر تو تنگی یا مصیبت یا وحشت میں ہو تو پکار کہ اے زروق! میں فوراً آؤں گا۔

تفسیر کبیر وروح البیان وخازن میں سورہ یوسف زیر آیت فَلَبِثَ فِی السِّجنِ بِضعَ سِنِینَ ھے اَلا ستِعَانَۃُ بِالنَّاسِ فِی دَفعِ الضَّرَرِ وَالظُّلمِ جَائِزَۃ اور خازن زیر آیت فَانسَاہُ الشَّیطٰنُ ھے اَلاستِعَانَتہُ بِالمَخلوقِ فِی دَفعِ الضَّرَرِ جَائِز مصیبت دور کرنے کے لئے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے۔

درمختار جلد سوم باب اللقطہ کے آخر میں کھی ہوئی چیز تلاش کرنے کے لئے ایک عمل لکھا۔

اِنَّ الانسَانَ اِذَاضَاعَ لَہ شَیئیٌ وَّاَرَادَاَن یَّرُدَّہ اللّٰہُ عَلَیہِ فَلیَقِف عَلیٰ مَکَانٍ عَالٍ مُستَقبِلَ القِبلَۃِ وَ یَقرَءَ الفَاتحۃَ وَیُھدِی ثَوَابَھَالِلنبِیِّ عَلَیہِ السَّلَامُ ثُمَّ یَھدِی ثَوَابَھَا لِسَیِّدِی اَحمَد اِبن عَلوَانَ یَقُولُ یَا سَیِّدِی یَااَحمَدُ ابنُ عَلوَانَ اِن لَّم تَرُدَّ عَلَیَّ ضَالَّتِی وَاِلَّا نَزَعتُکَ مِن دِیوَانِ الاَولِیَآءِ فَاِنَّ اللّٰہُ یُرُدُّ ضَالَّتہ بِبَرکَتِہٖ

”جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جاوے اور وہ چاہے کے خدا وہ چیز واپس ملا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ کو منہ کر کے کے کھڑا ہوا اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد ابن علوان کو پھر یہ دعا پڑھے اے میرے آقا اے احمد ابن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال لونگا۔ پس خدا تعالیٰ اسکی گم ہوئی چیز ان کی برکت سے ملا دے گا۔“

اس دعا میں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی ان سے گمی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی حنفیوں کے فقیہ اعظم صاحب درمختار نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

یَا اَکرَمَ الثَّقَلَینِ یَا کَنزَ الوَرٰی   بُدلی بِجُودِکَ وَ اَرضنی بِرِضَاکَ
اَنَا طَامِعٌ بِالجُودِ مِنکَ لَم یَکُن   لِاَبِی حَنِیفَتہ فِی الاَنَامِ سِوَاکَ !

”اے موجودات سے اکرم اور نعمت الٰہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرما دیجئے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابوحنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں۔ اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد لی گئی ہے۔“

قصیدہ بردہ میں ہے۔

یَا اَکرَمَ الخَلقِ مَالی من اَلُو ذُبِہٖ   سِوَاکَ عِندَ حُلُولِ الحَادِثِ العَمَمِ

”اے تمام مخلوق سے بہتر میرا آپکے سوا کوئی نہیں   جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت“

اگر ہم ان علماء فقہاء کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے۔ تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام ہو جاتا ہے۔ نزہتہ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر مصنفہ ملا علی قاری صفحہ ۶۱ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

مَنِ استَغَاثَ بِی فِی کُربَۃٍ کُشِفَت عَنہُ وَمَن نَادَانِی بِاسمِی فِی شِدَّۃٍ فُرِجَت عَنہُ وَمَن تَوَسَّلَ بِی اِلَی اللہِ فِی حَاجَۃٍ قُضِیَت

”یعنی جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے مدد مانگے تو اسکا رنج و غم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اسکی حاجت پوری ہوگی۔“

پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک نماز غوثیہ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں ۱۱۔۱۱ بار سورہ اخلاص پڑھے۔ سلام پھیر کر ۱۱ بار صلوٰۃ وسلام پڑھے پھر بغداد کی طرف (جانب شمال) ۱۱ قدم چلے ہر قدم پر میرا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور دو شعر پڑھے۔

اَیُدرِکُنِی ضَیمٌ وَ اَنتَ ذَخِیرَتِی   وَ اُظلَمُ فِی الدُّنیَا وَ اَنتَ نَصِیرِیُ
دَعَارٌ عَلیٰ حَامِی الحِمیٰ وَھُوَ مُنجِدِی   اِذَا ضَاعَ فِی البَیدَاءِ عِقَالِ بَعِیری

یہ کہہ کر ملا علی قاری فرماتے ہیں **وَقَد جُرِّبَ ذالِکَ مِرَارًا فَصَحَّ** یعنی بارہا اس نماز غوثیہ کا تجربہ کیا گیا۔ درست نکلا کہیئے کہ حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو اور حنفیوں کے بڑے معتبر عالم ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ اسے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں سے بعد وفات مدد مانگنا جائز اور فائدہ مند ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قرآنی آیات اور احادیث اور اقوال فقہا و علماء مشائخ سے ثبوت دیا اب خود منع کرنے والوں کے اقوال سے ثبوت ملاحظہ ہوں۔ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پارونکا حاشیہ انہوں نے لکھا باقی کا مولوی شبیر احمد صاحب نے۔

اس میں **اِیَّاکَ نَستَعِینُ** کے ماتحت فرماتے ہیں ”ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔ کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے“ بس فیصلہ ہی کر دیا۔ یہ ہی ہمارا دعویٰ ہے کوئی مسلمان بھی کسی نبی یا ولی کو خدا نہیں جانتا نہ خدا کا فرزند محض وسیلہ مانتا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل کتاب الحظر والاباحتہ صفحہ ۶۴ پر ایک سوال و جواب ہے۔

سوال اشعار اس مضمون کے پڑھنے۔ ”یارسول اللہ کبریا فریاد ہے + یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے + مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفیٰ + میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے + کیسے ہیں۔

الجواب ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرما دیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۵ پر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ان اشعار کو بطور وظیفہ یا ورد پڑھنا کیسا ہے۔

يَا رَسُولَ اللهِ اُنظُر حَالَنَا　　　يَا رَسُولَ اللهِ اِسمَع قَالَنَا !
اِنَّنِی فِی بَحرِ ہَم مُغرَقٌ　　　خُذیَدِی سَہِلٌ لَنَا اَشکَالَنَا

یا قصیدہ بردہ کا یہ شعر وظیفہ کرنا۔

یَا اَکرَمَ الخَلقِ مَالِی مَن اَلوُذُبِہٖ　　　سِوَاکَ عِندَ حُلُولِ الحَادِثِ العَمَمِ

جواب دیا کہ ایسے کلمات کو نظم ہوں یا نثر ورد کرنا مکروہ تنزیہی ہے کفر وفسق نہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگنے کو کفر وشرک نہیں بلکہ جائز، زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی کہا+ قصائد قاسمی میں مولوی قاسم صاحب فرماتے ہیں۔

مدد کر اے احمدی کہ تیرے سوا　　　نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

اس میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے اور عرض کیا ہے آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی نہیں یعنی خدا کو بھی بھول گئے+ ترجمہ صراط مستقیم اردو خاتمہ تیسرا افادہ صفحہ ۱۰۳ پر مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے ماذون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

جہاز امت کا حق نے کردیا ہے آپکے ہاتھوں　　　تم اب چاہے ڈباؤ یا تراؤ یَا رَسُولَ اللهِ

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۹ میں ہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے۔ اَعِینُونِی یَا عِبَادَ اللهِ یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگلوں میں کچھ اللہ کے بندے اللہ کی طرف سے اسی لئے رہتے ہیں کہ لوگونکی مدد کریں ان سے مدد مانگنا جائز ہے+ مدعیٰ ہمارا بھی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے استمداد جائز ہے۔ رہا یہ فیصلہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدد فرماسکتے ہیں یا کہ نہیں ہم اس کے متعلق بہت کچھ عرض کرچکے اور آئندہ عقلی دلائل میں بھی بیان کرینگے۔

مولوی محمود حسن (صاحب ادلہ کاملہ میں صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں۔ ”آپ اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات، بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ القصہ آپ اصل میں مالک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عدل ومہر آپکے ذمہ واجب الاداء نہ تھا۔“ صراط مستقیم دوسری ہدایت کا پہلا افادہ صفحہ ۶۰ میں مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں۔ ”اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے شیخین پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطبیت وغوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارات میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت امیری ولایت غوثیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں کو ملتی ہے دیوبندیوں کے پیرو مرشد حاجی امداد اللہ صاحب اپنی کتاب ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں اس مرتبہ میں پہنچ کر بندہ خدا کا خلیفہ ہوکر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ باطن میں خدا ہوجاتا ہے اس کو برزخ کہتے ہیں اور اس میں وجوب وامکان مساوی ہیں۔ کسی کو کسی پر غلبہ نہیں اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہوجاتا ہے۔ (ضیاء القلوب مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند صفحہ ۲۹ کے مراتب کا بیان) غور کرو پیر صاحب نے بندہ کو باطن میں خدا مان لیا عالم میں متصرف۔

یکشنبہ ۹ جولائی ۱۹۶۱ء کے جنگ راولپنڈی میں خبر شائع کہ صدر پاکستان محمد ایوب خاں صاحب جب امریکہ کے دورے پر کراچی سے روانہ ہوئے تو مولانا احتشام الحق صاحب دیوبندی نے صدر کے بازو پر امام ضامن باندھا اور ۱۰ جولائی ۶۱ء دوشنبہ کے جنگ میں مولانا کا فوٹو شائع ہوا جس میں آپ صدر کے بازو پر امام ضامن باندھ رہے ہیں۔ امام ضامن کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم امام حسین کے نام کا روپیہ مسافر کے بازو پر باندھتے ہیں امام ضامن اسکے ضامن ہیں۔ ان کے سپرد کرتے ہیں۔ جب مسافر بخیریت واپس آوے تب اس روپیہ کی فاتحہ امام حسین کے نام کی جاوے جن کے سپرد مسافر کیا گیا تھا۔ دیکھو اس میں امام حسین کی مدد بھی لی گئی۔ ان فاتحہ بھی کی گئی ان کی نذر بھی مانی گئی۔ جناب صدر کو ان کے سپرد بھی کیا سبحان اللہ کیسا ایمان افروز کام ہے خدا کا شکر ہے کہ دیوبندی بھی اس کے قائل ہوگئے۔

امداد الفتاوی مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی علی صاحب جلد ۴ کتاب العقائد والکلام صفحہ ۹۹ میں ہے جو استعانت و استمداد باعتقاد علم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد و علم قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے۔ خواہ مستمد منہ حی ہو یا میت "بس فیصلہ ہی فرمادیا کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت مان کر ان سے استمداد جائز ہے۔ اگر چہ میت ہی سے مانگی جائے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شیم الحبیب کے عربی کے اشعار کا ترجمہ کیا جس کا نام شیم الطیب رکھا۔ جس میں حضور علیہ السلام سے بے دریغ امداد مانگی اشعار حسب ذیل ہیں۔

شیم الطیب ترجمہ شیم الحبیب مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۴۵۔

یَا شَفِیعُ العِبَادِ خُذْ بِیَدِی   "دستگیری کیجئے میری نبی"

اَنتَ فِی الاضطِرَارِ مُعتَمِدِی   "کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی"

لَیسَ لی مَلجَاءٌ سِوَاکَ اَغِث   "جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ"

مَسنِی الضُرُّ سَیدِی سَنَدِی   "فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی !"

غَشَنِی الدَّھر ابنُ عَبدِ اللہ   "ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف"

کُن مُغِیثًا فَانتَ لی مَدَرِی   "اے مرے مولی خبر لیجئے مری"

"نام احمد چوں حصینے شد حصین"

"پس چہ باشد ذات آں روح الامین"

"نشر الطیب فی ذکر ابن الحبیب"

دوسرا باب

اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت

دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں کے کاروبار اس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لئے قرآن کریم نے حشر نشر اور رب کی الوہیت کو دنیاوی مثالوں سے ثابت فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش پڑتی ہے تو پھر سبزہ زار بن جاتی ہے۔ اسی طرح بے جان جسموں کو دوبارہ حیات دی جاوے گی نیز فرمایا کہ تم گوارا نہیں کرتے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی اور شریک ہو تو تمہاری ملکیت میں بتوں وغیرہ کو کیوں شریک مانتے ہو، غرضکہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے۔ بلکہ سلطنت کے کاموں کے لئے محکمہ بنا دیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں کوئی افسر اور کوئی ماتحت۔ پھر ان تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلیٰ وزیر اعظم کو منتخب کرتے ہیں۔ یعنی ہر کام بادشاہ کی مرضی اس کے منشاء سے ہوتا ہے۔ لیکن بلا واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے اپنا عملہ رکھتا ہے کیونکہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے۔ اپنی اکثر ضروریات زندگی خود انجام دے سکتا ہے لیکن رعب کا تقاضہ ہے کہ ہر کام خدام سے لیا جاوے اور رعایا کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کے وقت ان مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرو۔ بیماری میں شفاء خانہ جا کر ڈاکٹر سے کہو۔ مقدمات میں کچہری جا کر جج سے وکلاء کے ذریعہ سے کہو وغیرہ وغیرہ ان مصائب میں رعایا کا ان حکام کی طرف جانا بادشاہ کی بغاوت نہیں ہے بلکہ یہ عین اس کی منشاء کے مطابق ہے کہ اس نے ان کو حکام اسی لئے مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کے طالب ہوں تو اب باغی ہے کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑا اور غیر کو اپنا حاکم مانا۔ جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو سمجھو کہ یہی طریقہ سلطنت الٰہیہ کا ہے وہ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا چھوٹا ہر کام اپنی قدرت سے خود ہی پورا فرما دے مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ انتظام عالم کے لئے ملائکہ وغیرہ ہم کو مقرر فرمایا اور ان کے علیحدہ علیحدہ محکمے کر دیئے۔ جان نکالنے والوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل ہیں۔ اسی طرح انسان کی حفاظت، رزق پہنچانا، بارش برسانا، ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا۔ ان کی تقدیر لکھنا۔ مدفون میتوں سے سوالات کرنا۔ صور پھونک کر مردوں کو زندہ کرنا۔ اور قیامت قائم کرنا۔ پھر قیامت میں جنت ودوزخ کا انتظام کرنا۔ غرضکہ دنیا وآخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیئے۔

اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطا فرمائے۔ کتب تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ نہیں بلکہ آئین سلطنت کا یہی تقاضا ہے پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں یہ محض ہمارا قیاس نہیں۔ بلکہ قرآن وحدیث اس پر شاہد ہیں۔

حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا۔

قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلَامًا زَکِیًّا (پارہ ۱۶ سورہ ۱۹ آیت ۱۹)

”اے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں۔ آیا ہوں تا کہ تم کو پاک فرزند دوں۔“

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل بیٹا دیتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اَخْلُقُ لَکُم مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۴۹)

”میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذن الٰہی بے جان کو جان بخشتے ہیں۔

قُلْ یَتَوَفّٰکُم مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُم (پارہ ۲۱ سورہ ۳۲ آیت ۱۱)

”فرما دو کہ تم کو ملک الموت وفات دیں گے جو تم پر مقرر کئے گئے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں۔ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ملیں گی جس میں خدائی کاموں کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔

رب تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے۔

وَیُزَکِّیْھِم وَیُعَلِّمُھُم الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ (پارہ ۴ سورہ ۳ آیت ۱۶۴)

”ہمارے محبوب انکو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتے ہیں۔“

اَغنَاهُم اللهُ وَرَسُولُه مِن فَضلِهٖ ”انکو اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔“

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گندگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فقیروں کو غنی بھی کرتے ہیں۔

خُذ مِن اَموَالِهِم صَدَقَةً تُطَهِّر هُم وَتُزَكِّيهِم بِهَا (پارہ ۱۱ سورہ ۹ آیت ۱۰۳)

”آپ ان کے مالوں سے صدقے وصول فرمادیجئے اور اس سے ان کو پاک فرمادیجئے۔“

معلوم ہوا کہ وہ ہی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو بارگاہ رسالت میں منظور ہو جائے۔

وَلَو اَنَّهُم رَضُوا مَا اٰتٰهُمُ اللهُ وَرَسُولُه وَقَالُوا حَسبُنَا اللهُ سَيُؤتِينَا اللهُ مِن فَضلِهٖ وَرَسُولُه

(پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت ۵۹)

”اور کیا اچھا ہوتا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتی جو اللہ رسول نے انکو دیا اور کہتے نہ اللہ ہم کو کافی ہے اب ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور رسول دیں گے۔“

معلوم ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دیتے ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کہے کہ ہم کو رسول اللہ عزت دیتے ہیں مال واولاد دیتے ہیں تو صحیح ہے کیونکہ آیات نے یہ بتایا لیکن مقصود وہ ہی ہوگا کہ یہ حضرات حکومت الٰہیہ کے حکام ہیں رب تعالیٰ نے ان کو دیا یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اسی طرح مصیبت کے وقت اولیاء اللہ یا انبیائے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا۔ جس طرح کہ بیماری اور مقدمہ میں بادشاہ کی رعایا ڈاکٹر یا حاکم سے مدد مانگتی ہے۔ قرآن نے فرمایا۔

وَلَو اَنَّهُم اِذ ظَّلَمُوا اَنفُسَهُم جَآءُوكَ فَاستَغفَرُوا اللهَ وَاستَغفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۶۴)

”اگر یہ گنہگار اپنی جانوں پر ظلم کر کے اے محبوب تمہارے پاس آجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور اے محبوب آپ بھی ان کیلئے دعائے مغفرت فرماتے تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔“

عالمگیری کتاب الحج باب آداب زیارۃ قبر النبی میں فرماتے ہیں کہ اب بھی جب زائر روضہ پاک پر حاضر ہو تو یہ آیت پڑھے۔ یہ تو دنیا میں تھا۔ قبر میں تین سوال نکیرین کرتے ہیں۔ اول تو مَن رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے؟ بندہ کہتا ہے کہ اللہ۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا؟ بندہ کہتا ہے کہ اسلام۔ ان سوالوں میں اسلام کی ساری باتیں آگئیں۔ مگر ابھی پاس نہیں ہوا۔ بلکہ آخری سوال ہوتا ہے کہ سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ جب یہ صراحتہ کہلوالیا کہ ہاں میں ان کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب سوالات ختم ہوتے ہیں تو قبر میں ان کے نام کی امداد سے نجات ہوئی۔ قیامت میں لوگ تنگ آکر شفیع کو ہی ڈھونڈیں گے جب حضور علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جائیں گے تب حساب وکتاب شروع ہوگا۔ وہ بھی حضور کی شفاعت سے معلوم ہوا کہ رب کو یہ منظور ہے کہ سارا عالم حضور علیہ السلام کا ہی محتاج رہے یہاں بھی قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ اسی لئے فرمایا وَابتَغُوا اِلَيهِ الوَسِيلَةَ تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ یعنی ہر جگہ وسیلہ مصطفیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے۔

اگر یہاں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہی کا وسیلہ مراد ہو تو ہم جیسے گنہگار بدعمل اور مسلمانوں کے لئے دیوانے اور وہ جو ایمان لاتے ہی مر جاویں وہ سب بے وسیلہ ہی رہ جاویں۔ نیز نیک اعمال بھی تو حضور ہی کے طفیل سے حاصل ہوں گے۔ پھر بھی بالواسطہ حضور ہی کا وسیلہ ضروری ہوا۔ نبی کے وسیلہ کے کفار بھی قائل تھے۔ وَكَانُوا يَستَفتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا کعبہ معظمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے بتوں سے پاک ہوا اور حضور ہی کے وسیلہ سے قبلہ بنا فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبلَةً تَرضٰهَا بلکہ حضور ہی کے وسیلہ سے قرآن قرآن کہلایا۔ اور قرآن کی آیات حضور کے مکی مدنی ہونے سے مکی مدنی ہیں ورنہ وہ تو عرشی ہیں۔

شیطان بلاواسطہ انبیاء رب تک پہنچنا چاہتا ہے تو شہاب سے مار دیا جاتا ہے اگر مدینہ کے راستہ سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ یہ ہی نتیجہ ان کا بھی ہوگا جو کہتے ہیں خدا کو مان خدا کے سوا کسی کو نہ مان۔

ہماری اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانون اسلامی اور منشاء الٰہی کے بالکل مطابق ہے جناب معراج میں نماز اولاً پچاس وقت کی فرض فرمائی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر کم کرتے کرتے پانچ رکھیں آخر کیوں؟ اسی لئے مخلوق جانے کہ نماز پچاس کی پانچ رہیں۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی مدد شامل ہے۔ یعنی اللہ کے مقبول بعد وفات بھی مدد فرماتے ہیں۔ رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا یہ بالکل شرک ہے دو وجہ سے۔ اولاً تو اس لئے کہ وہ ان بتوں میں خدائی اثر اور ان کو چھوٹا خدا مان کر مدد مانگتے ہیں۔ اس لئے ان کو الٰہ یا شرکاء کہتے ہیں یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الوہیت کا حصہ دار مانتے ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی اللہ کا بندہ ہونے کے ساتھ ابن اللہ یا ثالث ثلٰثہ یا عین اللہ مانتے ہیں مومن ان اولیاء وانبیاء کو محض بندہ ہی مان کر ان کو اس طرح کا حاجت روا

مانتے ہیں۔ جیسے اہل دیو بند مالداروں کو مدرسہ کا معاون و مددگار یا طبیب و حاکم کو مختار حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ بتوں کو رب تعالٰی نے یہ اختیارات نہ دیئے وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا مختار مان کر ان سے مدد وغیرہ طلب کرتے ہیں لہذا وہ مجرم بھی ہیں اور اللہ کے باغی بندے بھی۔ جس کی بہترین مثال ابھی ہم دے چکے ہیں اس فرق کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمایا ہے بلاتشبیہ ایک بت پرست پتھر کی طرف سجدہ کرتا ہے مشرک ہے کہ اس کا فعل اپنی ایجاد سے ہے اور مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہاں بھی پتھر ہی کہ عمارت ہے مگر مشرک نہیں کیونکہ اس کا سجدہ حقیقت میں خدا کو ہے نہ کہ کعبہ کو اور حکم الٰہی سے ہے مشرک کا سجدہ خلاف حکم الٰہی پتھر کو ہے یہ فرق ضروری ہے۔ گنگا کے پانی کی تعظیم کرنا کفر ہے مگر آب زمزم کی تعظیم ایمان۔ مندر کے پتھر کی تعظیم شرک ہے مگر مقام ابراہیم کی تعظیم ایمان حالانکہ وہ بھی پتھر ہی ہے۔

دوسرا باب

استمداد اولیاء اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اس مسئلہ پر مخالفین کے چند مشہور اعتراضات ہیں وہ ہی ہر جگہ بیان کرتے ہیں۔

اعتراض ۱. مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

لَاۤ اُغۡنِیۡ عَنۡکِ مِنَ اللہِ شَیۡئًا ''میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔''

جب آپ سے فاطمہ زہرا کی مدد نہ ہو سکی تو دوسروں کی کیا ہوگی؟

جواب یہ اول تبلیغ کا واقعہ ہے مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو میں خدا کے مقابل ہو کر تم سے عذاب دور نہیں کرسکتا۔ دیکھو پسر نوح یہاں اسی لئے من اللہ فرمایا۔ مسلمانوں کی حضور ہر جگہ امداد فرمائیں گے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔

اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ پرہیزگاروں کے سوا سارے دوست قیامت میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے حضور عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامَ گناہ کبیرہ والوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے گرتوں کو سنبھالیں گے۔ شامی باب غسل المیت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت میں سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے سوا میرے نسب اور رشتہ کے۔ واقعی دیو بندیوں کی حضور مدد نہ فرمائیں گے۔ ہم چونکہ بحمدہ تعالٰی مسلمان ہیں ہماری مدد ضرور فرمائیں گے۔

اعتراض ۲. اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (پارہ ۱ سورہ ۱ آیت ۴)

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ عبادت کی طرح مدد مانگنا بھی خدا سے ہی خاص ہے جب غیر خدا کی عبادت شرک۔ تو غیر خدا کی استمداد بھی شرک۔

جواب اس جگہ مدد سے مراد حقیقی مدد ہے یعنی حقیقی کارساز سمجھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ رہا اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا وہ محض واسطہ فیض الٰہی سمجھ کر ہے جیسے کہ قرآن میں ہے۔ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ یا فرمایا گیا لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ اللہ ہی کی ہیں تمام آسمان و زمین کی چیزیں۔ پھر ہم حکام کو حکم بھی مانتے ہیں اور اپنی چیزوں پر دعوٰی ملکیت بھی کرتے ہیں۔ یعنی آیت سے مراد ہے حقیقی حکم اور حقیقی ملکیت، مگر بندوں کے لئے بہ عطائے الٰہی۔

نیز یہ بتاؤ کہ عبادت اور مدد مانگنے میں تعلق کیا ہے؟ کہ اس آیت میں ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ تعلق یہ ہی ہے کہ حقیقی معاون سمجھ کر مدد مانگنا یہ بھی عبادت ہی کی ایک شاخ ہے۔ بت پرست بتوں کی پرستش کرتے وقت مدد کے الفاظ بھی کہا کرتے ہیں کہ'' کالی مائی تیری دہائی'' وغیرہ اس لئے ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ اگر آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر خدا سے کسی قسم کی مدد مانگنا بھی شرک ہے تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ نہ تو صحابہ کرام اور نہ قرآن کے ماننے والے اور نہ خود مخالفین۔ ہم اس کا ثبوت اچھی طرح پہلے دے چکے ہیں۔ اب بھی مدرسہ کے چندہ کے لئے مالداروں سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر دفن قبر بلکہ قیامت تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے۔ دائی کی مدد سے پیدا ہوئے ماں باپ کی مدد سے پرورش پائی۔ استاد کی مدد سے علم سیکھا۔ مالداروں کی مدد سے زندگی گزاری اہل قرابت کی تلقین کی مدد سے دنیا سے ایمان سلامت لے گئے۔ پھر غسال اور درزی کی مدد سے غسل ملا اور کفن پہنا۔ گورکن کی مدد سے قبر کھدی۔ مسلمانوں کی مدد سے خاک دفن ہوئے پھر اہل قرابت کی مدد سے بعد میں ایصال ثواب ہوا۔ پھر ہم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی سے مدد نہیں مانگتے اس آیت میں کوئی قید نہیں ہے کہ کس سے مدد اور کس وقت۔

اعتراض ۳. رب تعالٰی فرماتا ہے۔ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ معلوم ہوا کہ رب کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

جواب یہاں ولی اللہ کی نفی نہیں۔ بلکہ ولی من دون اللہ کی نفی ہے۔ جنہیں کفار نے اپنا ناصر و مددگار مان رکھا تھا یعنی بت و شیاطین، ولی اللہ وہ جسے رب نے اپنے بندوں کا ناصر بنایا۔ جیسے انبیاء و اولیاء۔ وائسرائے لندن سے حکومت کرنے کے لئے منتخب ہو کر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو خود

ساختہ حاکم مان لے وہ مجرم ہے۔ سلطانی حکام مانو، خود ساختہ حاکموں سے بچو۔ ایسے ہی ربانی حکام سے مدد کو گھریلو ناصرین سے بچو۔

موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ۔

اِذْهَب اِلیٰ فِرعَونَ اِنَّه طَغیٰ (پارہ ۱۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۴) ''فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا۔''

آپ نے عرض کیا۔ وَاجعَل لِّی وَزِیرًا مِن اَهلی هٰرُونَ اَخِی اشدُدبِهٖ اَزرِی (پارہ ۱۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۹، ۳۰، ۳۱)

''مولیٰ حضرت ہارون کو میرا وزیر بنادے جس سے میرے بازو کو قوت ہو۔''

رب تعالیٰ نے بھی نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کسی اور سہارا کیوں لیا؟ بلکہ منظور فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اللہ والوں کا سہارا لینا طریقہ انبیاء ہے۔

اعتراض۴۔ درمختار باب المرتدین کرامات اولیاء میں ہے کہ قول شَیئًا لله قِیلَ یَکفُرُهٗ معلوم ہوا کہ یَا عَبدَالقَادر جِیلَانِی شَیئًالله کہنا کفر ہے۔

جواب یہاں شیئًا لله کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی حاجت روائی کے لئے کچھ دو۔ رب تعالیٰ تمہارا محتاج ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ یتیم کے لئے کچھ دو۔ یہ معنی واقعی کفر ہیں۔ اس کی شرح میں شامی نے فرمایا۔ اَمَّآ اِن قَصَدَ المَعنیٰ الصَّحِیح فَالظَّاهِرُ اَنَّه لَا بَاسَ بِه یعنی اگر اس سے صحیح معنیٰ کی نیت کی کہ اللہ کے لئے مجھے کچھ دو یہ جائز ہے اور ہمارے نزدیک شیئًا لله کا یہ ہی مطلب ہے۔

اعتراض۵۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے   جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے !

جواب

وہ چندہ ہے جو نہیں ملتا خدا سے   جسے تم مانگتے ہو اغنیا سے
توسل کر نہیں سکتے خدا سے   اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

اعتراض۶۔ خدا کے بندے ہو کر غیر کے پاس کیوں جائیں؟ ہم اس کے بندے ہیں چاہیئے کہ اسی سے حاجتیں مانگیں (تقویۃ الایمان)۔

جواب ہم خدا کے بندہ خدا کے حکم سے خدا کے بندوں کے پاس جاتے ہیں۔ قرآن بھیج رہا ہے۔ کہ اسی سے گذشتہ تقریر۔ اور خدا نے ان بندوں کو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے۔

حاکم حکیم دارو دوا دیں یہ کچھ نہ دیں   مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے !

اعتراض۷۔ قرآن کریم نے کفار کا کفر یہ بیان کیا ہے کہ وہ بتوں سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ بتوں سے مدد مانگ کر مشرک ہوئے اور تم اولیاء سے۔

جواب اور تم بھی مشرک ہوئے اغنیاء پولیس اور حاکم سے مدد مانگ کر، یہ فرق ہم اپنی عقلی تقریر میں بیان کر چکے ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَن عَلعَنِ اللهُ فَلَن تَجِدَ لَه نَصِیرًا (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۵۲)

''جس پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ اسکا مددگار کوئی نہیں ہوتا مومن پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اس کے لئے رب تعالیٰ نے بہت مددگار بنائے۔''

اعتراض۸۔ شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت خلیل نے آگ میں پہنچ کر حضرت جبریل کے پوچھنے پر بھی ان سے مدد نہ مانگی۔ بلکہ فرمایا اے جبریل تم سے کوئی حاجت نہیں اگر غیر خدا سے حاجت مانگنا جائز ہوتا تو ایسی شدت میں خلیل اللہ جبریل سے کیوں مدد نہ طلب کرتے۔

جواب یہ وقت امتحان تھا، اندیشہ تھا کہ حرف شکایت منہ سے نکلنا رب کو ناپسند ہوگا۔ اسی لئے خلیل اللہ نے اس وقت خدا سے بھی دعا نہ کی بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کچھ حاجت نہیں اور جس سے ہے وہ خود جانتا ہے جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ مگر اس مصیبت کے دفع ہونے کی کسی نے بھی دعا نہ کی نہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ حضرت مرتضیٰ نے نہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے۔

اعتراض۹ زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے مگر مردوں سے نہیں۔ کیونکہ زندہ میں مدد کی طاقت ہے مردہ میں نہیں۔ لہٰذا یہ شرک ہے۔

جواب قرآن میں ہے وَاِیَّاکَ نَستَعِینُ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اس میں زندہ اور مردے کا فرق کہاں۔ کیا زندہ کی عبادت جائز ہے مردے کی نہیں؟ جس طرح غیر خدا کی عبادت مطلقاً شرک ہے زندہ کی ہو یا مردے کی استمداد بھی مطلقاً شرک ہونی چاہیئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے ڈھائی ہزار برس بعد امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مدد فرمائی کہ شب معراج میں پچاس نمازوں کی بجائے

پانچ کرادیں۔ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ نمازیں پانچ رہیں گی مگر بزرگان دین کی مدد کے لئے پچاس مقرر فرما کر پھر دو پیاروں کی دعا سے پانچ مقرر فرمائیں۔ استمداد کے منکرین کو چاہیئے کہ نمازیں پچاس پڑھا کریں۔ کیونکہ پانچ میں غیر اللہ کی مدد شامل ہے۔

نیز قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں ان کو مردہ نہ کہو اور نہ جانو۔

وَلَا تَقُولُو الِمَن یُقتَلُ فِی سَبِیلِ اللہِ اَموَات بَل اَحیَاءٌ وَّلٰکِن لَّا تَشعُرُونَ (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۵۴)

"جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں کرتے۔"

جب یہ زندہ ہوئے تو ان سے مدد حاصل کرنا جائز ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شہداء کے بارے میں ہے جو کہ تلوار سے راہ خدا میں مارے جاویں گے۔ مگر یہ بلاوجہ زیادتی ہے اس لئے کہ آیت میں لوہے کی تلوار کا ذکر نہیں ہے جو حضرات عشق الٰہی کی تلوار سے مقتول ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں (روح البیان) اسی لئے حدیث پاک میں آیا کہ جو ڈوب کر مرے، جل جاوے، طاعون میں مرے، عورت زچگی کی حالت میں مرے۔ طالب علم مسافر وغیرہ سب شہید ہیں۔ نیز اگر صرف تلوار سے مقتول تو زندہ ہوں، باقی سب مردے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ مردہ ماننا لازم آوے گا۔ حالانکہ سب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرات بحیات کامل زندہ ہیں۔ نیز زندہ اور مردے سے مدد مانگنے کی تحقیق بہ ہم ثبوت استمداد میں کر چکے ہیں کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں مدد لی جا سکتی ہے بعد موت بھی اس سے مدد مانگی جاوے اور اس کی کچھ تحقیق بوسہ تبرکات اور سفر زیارت قبور میں بھی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

تفسیر صاوی آخر سورہ قصص وَلَا تَدعُ مَعَ اللہِ اٰخَرَ کی تفسیر میں ہے۔

فَحِینَئِذٍ فَلَیسَ فِی الاٰیَةِ دَلِیلٌ عَلیٰ مَازَعَمَه الخَوَارِجُ مِن اَنَّ الطَّلَبَ مِنَ الغَیرِ حَیًّا وَمَیِّتًا شِرکٌ فَاِنَّه جَھلٌ مُرَکَّبٌ لِاَنَّ سُوَالَ الغَیرِ مِن اِجراءِ اللہِ النَّفعَ اَوِ النَّصر عَلیٰ یَدِہٖ قَد یَکُونُ وَاجِبًا لِاَنَّه مِنَ التَّمسُّکِ بِالاَسبَابِ وَلَا یُنکِر الاَسبَاب اِلَّا جُحُودًا اَوجَھُولاً

"یعنی یہاں لاتدع کے معنی ہیں نہ پوجو لہٰذا اس آیت میں ان خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگنا شرک ہے۔ خارجیوں کی یہ بکواس جہالت ہے کیونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب ان کے ذریعہ سے نفع نقصان دے کبھی واجب ہوتا ہے یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا جاہل۔"

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں (۱) غیر خدا سے مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہوتا ہے (۲) اس طلب کا انکار خارجی کرتے ہیں (۳) لاتدع میں پوجنے کی نفی ہے نہ کہ پکارنے کی یا مدد مانگنے کی۔

اعتراض ۱۰ بزرگان دین کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں چل پھر نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل بے دست و پا ہیں پھر ایسے کمزوروں سے مدد لینا بتوں سے مدد کی طرح لغو ہے۔ اس کی برائی رب تعالیٰ نے بیان کی کہ وَاَن یَّسلُبھُمُ الذُّبَابَ شَیئًا لَا یَستَنقِذُوا مِنہُ اولیا اپنی قبروں سے مکھی بھی دفع نہیں کر سکتے۔ ہماری کیا مدد کریں گے۔

جواب یہ تمام کمزوریاں اس جسم خاکی پر اس لئے طاری ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق روح ہے کمزور ہو گیا روح میں کوئی کمزوری نہیں، بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے کہ قبر کے اندر سے باہر والوں کو دیکھتی اور قدموں کی آواز سنتی ہے۔ خصوصاً ارواح انبیاء رب تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَلاٰخِرَةُ خَیرٌلَّکَ مِنَ الاُولیٰ پر پچھلی گھڑی گذشتہ گھڑی سے آپ کے لئے بہتر ہے اور استمداد ولی کی روح سے ہے۔ یہ نہ جسم عنصری سے کفار جن سے مدد مانگتے ہیں وہ روحانی طاقت سے خالی ہیں نیز وہ پتھروں کو اپنا مددگار جانتے ہیں جن میں روح بالکل نہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ آیت یُحِلُّونَه عَامًا وَیُحَرِّمُونَه عَامًا کی تفسیر میں ہے کہ حضرت خالد و عمر نے زہر پیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضور علیہ السلام نے خیبر میں زہر کھایا۔ مگر بوقت وفات اثر ظاہر ہوا کہ انہوں نے مقام حقیقت میں رہ کر زہر پیا تھا۔ اور زہر کا اثر حقیقت پر نہیں ہوتا۔ بوقت بشریت کا ظہور تھا کہ موت بشریت پر طاری ہوتی ہے۔ لہٰذا اب اثر ظاہر ہوا۔ ان حضرات کو قبر کی مکھی تو کیا عالم کو پلٹ دینے کی طاقت ہے۔ مگر اس جانب توجہ نہیں۔ خانۂ کعبہ میں تین سو برس بت رہے رب نے دور نہ کیے تو کیا خدا کمزور ہے اپنے گھر سے نجاست دور نہ کر سکا؟ رب سمجھ دے۔

اعتراض ۱۱ حضرت علی اور امام حسین میں اگر کچھ طاقت ہوتی۔ تو خود دشمنوں سے کیوں شہید ہوتے جب وہ اپنی مصیبت دفع نہ کر سکے۔ تو تمہاری مصیبت کیا دفع کریں گے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاَن یَّسلُبھُم الذُّبَابَ شَیئًا لَایَستَنقِذُوامِنہُ

جواب ان دفع مصیبت کی طاقت تو تھی۔ مگر طاقت کا استعمال نہ کیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی مرضی ایسی ہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصاء فرعون کو بھی

کھا سکتا تھا۔ مگر وہاں استعمال نہ کیا امام حسین رضی اللہ عنہ میں طاقت تھی کہ کربلا میں حوض کوثر منگا لیتے فرات کی کیا حقیقت تھی مگر راضی برضاء الٰہی تھے۔ دیکھو رمضان میں ہمارے پاس پانی ہوتا ہے۔ مگر حکم الٰہی کی وجہ سے استعمال نہیں کرتے بخلاف بتوں کے کہ ان میں طاقت ہی نہیں۔ لہذا یہ آیت انبیاء و اولیاء کے لئے پڑھنا بے دینی ہے۔ یہ بتوں کے لئے ہے۔ حضرت حسین کے نانا نے بار بار اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیئے یہ پانی جنت سے آتا تھا۔

بحث بدعت کے معنیٰ اور اس کے اقسام واحکام

اس میں دو باب ہیں۔ پہلا باب بدعت کے معنی اور اس کے اقسام وہ احکام ہیں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات وجوابات میں۔

پہلا باب

بدعت کے معنیٰ اور اس کے اقسام واحکام میں

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ قُل مَا کُنتُ بِدعًا مِّنَ الرُّسُلِ (پارہ ۲۶ سورہ ۴۶ آیت ۹) ”فرمادو کہ میں نیا رسول نہیں ہوں۔“

نیز فرماتا ہے۔ بَدِیعُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ ” آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے۔“

نیز فرماتا ہے۔ وَرَهبَانِیَّةَ اِبتَدَعُو اهَامَا کَتَبنَا هَا عَلَیهِم

ان آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایجاد کرنا، نیا بنانا، وغیرہ۔

مرقاۃ مشکوٰۃ باب الاعصام بالکتاب والسنتہ میں ہے

قَالَ النُّوَدِیُّ اَلبِدعَتہ کُلُّ شَیئِی عُبِلَ عَلیٰ غَیرِ مِثَالِ سَبَق ”بدعت وہ کام ہے جو بغیر گذری مثال کے کیا جاوے۔“

اب بدعت تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نیا کام جو حضور انور کے بعد ایجاد ہوا۔ خلاف سنت کام جو دافع سنت ہو۔ برے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے پہلے معنی سے بدعت دو قسم کی ہے۔ حسنہ، سیۂ دوسرے دو معنی سے ہر بدعت سیۂ ہی ہے جن بزرگوں نے فرمایا کہ ہر بدعت سیۂ ہوتی ہے وہاں دوسرے معنی مراد ہیں وہ جو حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہاں تیسرے معنی مراد ہیں لہذا احادیث واقوال علماء آپس میں متعارض نہیں۔

بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی ان برے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے، عیسائی، یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں۔ کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔ نیز ان عقائد کو عیسائی وغیرہ بھی اسلامی عقائد نہیں کہتے اور جبریہ، قدریہ، مرجیہ، چکڑالوی، غیر مقلد، دیوبندی عقائد بدعت اعتقادیہ ہیں۔ کیونکہ یہ سب بعد کو بنے۔ اور یہ لوگ ان کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں۔ مثلاً دیوبندی کہتے ہیں کہ خدا جھوٹ پر قادر ہے۔ حضور علیہ السلام غیب سے جاہل یا حضور ﷺ کا خیال نماز میں بیل گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔ یہ ناپاک عقیدے بارھویں صدی کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ہم شامی سے اس کا ثبوت مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَجَعَلنَافِی قُلُوبِ الَّذِینَ اتَّبَعُوہ رَافَتَہ وَّرَحمَتَہ وَّرُهبَانِیَتَہ اِبتَدَعُوهَا مَا کَتَبنَا هَا عَلَیهِم الَّا ابتِغَآءَ رِضوَانِ اللّٰہ

پھر فرماتا ہے۔ فَاٰتَینَاالَّذِینَ اٰمَنُوامِنهُم اَجرَهُم اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے بدعت حسنہ یعنی تارک الدنیا ہوجانا ایجاد کیا رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اس پر اجر بھی دیا۔ ہاں جو اسے نبھا نہ سکے ان پر عتاب آیا۔ فرمایا گیا۔ فَمَارَعَوهَاحَقَّ رَعَایَتِهَا دیکھو ایجاد بدعت پر عتاب نہیں ہوا بلکہ نہ نبھانے پر۔ معلوم ہوا کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے اور باعث ثواب۔ مگر اس پر پابندی نہ کرنا بُرا خَیرُ الاُمُورِ اَودَمُهَا لہذا اچاہئے کہ مسلمان محفل میلاد شریف وغیرہ پر پابندی کریں۔ مشکوٰۃ باب الاعصام کی پہلی حدیث ہے کہ مَن اَحدَثَ فِی اَمرِنَا هٰذامَالَیسَ مِنهُ فَهُوَرَدٌّ جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔ ہم نے ما کے معنی عقیدے اس لئے کئے ہیں کہ دین عقائد کا ہی نام ہے اعمال فروع میں بے نمازی گنہگار ہے بے دین یا کافر نہیں۔ بداعتقاد یا تو گمراہ ہے یا کافر۔ اس کے تحت مرقات میں ہے۔

وَالمَعنیٰ اَنَّ مَن اَحدَثَ فِی الاسلاَمِ رَایًا فَهُوَمَردُودٌ عَلَیهِ اَقُولُ فِی وَصفِ هٰذَاالاَمرِ اِشَارَةٌ اِلیٰ اَنَّ اَمرَ الاسلاَمِ کَمَلَ ”معنی یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے کہ دین سے نہیں ہے وہ اس پر رد ہے میں کہتا ہوں کہ ہٰذا الامر کے وصف میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ مکمل ہو چکا۔“

ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔ اسی مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو فرمایا **بَلَغَنِیْ اَنَّہ قَدْ اَحدَثَ فَاِنْ کَانَ اَحدَثَ فَلاَتُقرِئْہ مِنّی السَّلاَمْ** مجھے خبر ملی کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا سلام نہ کہنا۔ بدعتی کیسے ہوا؟ فرماتے ہیں۔

یَقُوْلُ یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ خَسفٌ وَمَسخٌ اَوقَذفٌ فِیاَھلِ القُدرِ

’’حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ میری امت میں زمین میں دھنسنا صورت بدلنا یا پتھر برسنا ہوگا قدریہ لوگوں میں۔‘‘

معلوم ہوا کہ وہ قدریہ یعنی تقدیر کا منکر ہو گیا تھا۔ اس کو منکر فرمایا۔

درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں ہے۔

وَمُبتَد ع اَی صَاحِبِ بِدعَۃٍ وَہِیَ اعتِقَادُ خِلاَفِ المَعرُوفِ عَنِ الرَّسُوْلِ

’’بدعتی امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے بدعت اس عقیدے کے خلاف اعتقاد رکھنا ہے جو حضور علیہ السلام معروف ہیں۔‘‘

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بدعت نئے اور برے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔ یعنی بدعت اعتقادیہ والے کی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے ’’جس بدعت میں ایسی شدید وعید ہے وہ بدعت فی العقائد ہے۔ جیسا کہ روافض خوارج کی بدعت ہے۔

بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو یا اس کے بھی بعد۔

مرقات باب الاعصام میں ہے۔

وَفِی الشَّرعِ اِحدَاثُ مَالَم یَکُن فِی عَھدِ رَسُولِ اللہِ عَلَیہِ السَّلاَمْ

’’بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو۔‘‘

اشعۃ اللمعات میں یہ ہی باب ’’بدانکہ ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت است‘‘ جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو وہ بدعت ہے۔

ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ جو کام بھی ہو دینی ہو یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو خواہ زمانہ صحابہ میں یا اس کے بعد وہ بدعت ہے ہاں عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے یہ عرف ہے ورنہ خود فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر **نِعمَتُہ البِدعَتُہ ھٰذِہ** یہ تو بہت ہی اچھی بدعت ہے۔

بدعت عملی دو قسم کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کسی سنت کے خلاف نہ ہو جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے عمدہ کھانے اور پریس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا اور بدعت سیئہ وہ جو کہ کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والی ہو۔ جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ جمعہ و عیدین پڑھنا یا کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنا پڑھانا کہ اس میں خطبہ یعنی عربی میں نہ ہونا اور تبلیغ تکبیر کی سنت اٹھ جاتی ہے۔ یعنی بذریعہ مکبرین کے آواز پہنچانا بدعت حسنہ جائز بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔ اس تقسیم کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی دلیل سنو۔ اشعۃ اللمعات جلد اول باب الاعتصام زیر حدیث **وَکُلُّ بِدعَتِہ ضَلاَلَتَہٌ** ہے ’’و آنچہ موافق اصول و قواعد وست و قیاس کردہ شدہ است آں را بدعت حسنہ گویند و آنچہ مخالف آں باشد باعث ضلالت گویند۔ جو بدعت کہ اصول اور قوانین اور سنت کے موافق ہے اور اس سے قیاس کی ہوئی ہے۔ اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہے اس کو بدعت گمراہی کہتے ہیں۔

مشکوٰۃ باب العلم میں ہے۔

مَن سَنَّ فِی الاسلاَمِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہ اَجرُھَاوَاَجرُ مَن عَمِلَ بِھَا مِن بَعدِہٖ مِن غَیرِ اِن یَنقُصَ مِن اُجُورِھِم شَیئٌ وَّمَن سَنَّ فِی الاسلاَمِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً فَعَلَیہِ وِزرُھَاوَوِزرُ مَن عَمِلَ بِھَا مِن غَیرِ اَن یَّنقُصَ مِن اَوزَارِھِم شَیئٌ

جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس کا بھی جو، اس پر عمل کریں گیا وران کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی معلوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے۔ اور برے کام نکالنا گناہ کا موجب۔

شامی کے مقدمہ میں فضائل امام ابو حنیفہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

قَالَ العُلَمَآءُ ھٰذِہٖ اَحَادِیثُ مِن قَوَاعِدِ الاسلاَمِ وَھُوَ اَنَّ کُلَّ مَنِ ابتَدَعَ شَیئًا مِنَ الشَّرِّ کَانَ عَلَیہِ مِثلُ وِزرِ مَنِ اقتَدٰی بِہٖ فِی ذٰلِکَ وَکُلُّ مَنِ ابتَدَعَ شَیئًا مِنَ الخَیرِ کَانَ لَہ مِثلُ اَجرِ کُلِّ مَن یَّعمَلُ اِلٰی یَومِ القِیٰمَۃِ

علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون ہیں کہ جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرے اس پر اس کام میں ساری پیروی کرنیوالوں کا گناہ ہے اور جو شخص اچھی بدعت نکالے اسکو قیامت تک کے سارے پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بدعت ثواب ہے اور بری بدعت گناہ۔ بُری بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ اسکی بھی دلیل ملاحظہ ہو۔

مشکوٰۃ باب الاعصام میں ہے۔

مَن اَحدَثَ فِی اَمرِنَا ھٰذَا مَالَیسَ مِنہُ فَھُوَ رَدٌّ ''جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی رائے نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔'' دین سے نہیں ہے کے معنی یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے۔ چنانچہ اشعتہ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔ ''و مراد چیزے است کہ مخالف و مغیر آن باشد'' اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو۔

اسی مشکوٰۃ باب الاعتصام تیسری فصل میں ہے۔

مَااَحدَثَ قَومٌ بِدعَۃً اِلاَّ رُفِعَ مِثلُھَا مِنَ السُّنَّۃِ فَتَمَسُّکٌ بِسُنَّۃٍ خَیرٌ مِن اِحدَاثِ بِدعَۃٍ

''کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی مگر اتنی سنت اٹھ جاتی ہے۔ لہٰذا سنت کو لینا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔''

اس کی شرح میں اشعتہ اللمعات میں ہے ''وچوں احداث بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس اقامت سنت قاطع بدعت خواہد بود۔'' اور جب بدعت نکالنا سنت کو مٹانے والا ہے تو سنت کو قائم کرنا بدعت کو مٹانے والے ہوگا۔

اس حدیث اور اسکی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیۂ یعنی بری بدعت وہ ہے کہ جس سے سنت مٹ جاوے۔ اسکی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیۂ کی پہچان خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اسی جگہ دھوکا ہوتا ہے۔

بدعت کی قسمیں اور ان کے اقسام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دو طرح کی ہے۔ بدعت حسنہ، اور بدعت سیۂ۔ اب یاد رکھنا چاہئے کہ بدعت حسنہ تین طرح کی ہوتی ہے۔ بدعت جائز، بدعت مستحب، بدعت واجب۔ اور بدعت سیۂ دو طرح کی ہوتی ہے۔ بدعت مکروہ اور بدعت حرام۔ اس تقسیم کی دلیل ملاحظہ ہو۔

مرقات باب الاعصام بالکتاب والسنتہ میں ہے۔

اَلبِدعَۃُ اِمَّا وَاجِبَۃٌ کَتَعَلُّمِ النَّحوِ وَتَدوِینِ اُصُولِ الفِقہِ وَ اِمَّا مُحَرَّمَۃٌ کَمَذھَبِ الجَبرِیَّۃِ وَاِمَّا مَندُوبَۃٌ کَاِحدَاثِ الرَّوَابِطِ وَالمَدَارِسِ وَکُلِّ اِحسَانٍ لَم یُعھَد فِی الصَّدرِ الاَوَّلِ کَالتَّرَاوِیحِ اَی بِالجَمَاعَۃِ العَامَّۃِ وَاِمَّا مَکرُوھَۃٌ کَزُخرُفَۃِ المَسٰجِدِ وَاِمَّا مُبَاحَۃٌ کَالمُصَافَحَۃِ عَقِیبَ الصُّبحِ وَالتَّوَسُّعِ بِلَذِیذِ المَاٰکِلِ وَالمَشَارِبِ

''بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جبریہ مذہب اور یا مستحب ہے۔ جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو فخریہ زینت دینا اور یا جائز ہے جیسے فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا۔''

شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں ہے۔

اَی صَاحِبِ بِدعَۃٍ مُحَرَّمَۃٍ وَّ اِلاَّ فَقد تَکُونُ وَاجِبَۃٌ کَنَصبِ الاَدِلَّۃِ وَتَعَلُّمِ النَّحوِ وَمَندُوبَۃٌ کَاِحدَاثِ نَحوِرُ بَاطٍ وَّ مَدرَسَۃٍ وَّ کُلِّ اِحسَانٍ لَم یَکُن فِی اصَّدرِ الاَوَّلِ مَکرُوھَۃٌ کَزُخرُفَۃِ المَسٰجِدِ وَمُبَاحَۃٌ کَالتَّوَسُّعِ بِلَذِیذِ المَاکِلِ وَ المَشَارِبِ وَالثِّیَابِ کَمَا فِی شَرحِ الجَامِعِ الصَّغِیرِ

''یعنی حرام بدعت والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے ورنہ بدعت تو کبھی واجب ہوتی جیسے کہ دلائل قائم کرنا اور علم نحو سیکھنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور مدرسے اور ہر وہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی ان کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریہ زینت اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شربتوں اور کپڑوں میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے۔''

ان عبارات سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوئیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ بعض بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ علم فقہ و اصول فقہ قرآن کریم کا جمع کرنا یا قرآن کریم میں اعراب لگانا یا آج کل قرآن کریم کا چھاپنا اور دینی مدرسوں کے درس وغیرہ بنانا۔

بدعت کی قسموں کی پہچانیں اور علامتیں

بدعت حسنہ اور سیئہ کی پہچان تو بتادی گئی کہ جو بدعت اسلام کے خلاف ہو یا کسی سنت کو مٹانے والی ہو۔ وہ بدعت سیئہ۔ اور جو ایسی نہ ہو۔ وہ بدعت حسنہ ہے۔ اب ان پانچ قسموں کی علامتیں معلوم کرو۔

بدعت جائز ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جاوے۔ جیسے چند کھانے کھانا وغیرہ۔ اس کا حوالہ مرقاۃ اور شامی میں گذر گیا۔ ان کاموں پر نہ ثواب نہ عذاب۔

بدعت مستحبہ وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور اس کو عام مسلمان کار ثواب جانتے ہوں یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان کہ عام مسلمان اس کو کار ثواب جانتے ہیں۔ اس کو کرنے والا ثواب پاویگا۔ اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

مرقات باب الاعصام میں ہے۔

وَرُوِی عَن ابنِ مُسعُودٍ مَارَاٰہُ المُؤمِنُونَ حَسَنًا فَھُوَ عِندَ اللہِ حَسَنٌ وَفِی حَدِیثٍ مَرفُوعٍ وَلَا تَجتَمِعُ اُمَّتِی عَلَی الضَّلَالَۃِ

”حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور حدیث مرفوع میں ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔“

مشکوٰۃ کے شروع میں ہے۔

اِنَّمَا الاَعمَالُ بِالنِّیَاتِ وَاِنَّمَا لِامرِءٍ مَانَوٰی ”اعمال کا مدار نیت سے ہے اور انسان کے لئے وہی ہے جو نیت کرے۔“

کلمہ ہر مسلمان چھ کلمہ یاد کرتا ہے۔ یہ چھ کلمے ان کی تعداد ان کی ترکیب کہ یہ پہلا کلمہ ہے۔ یہ دوسرا اور ان کے یہ نام ہیں۔ سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلٰثہ میں پتہ بھی نہیں تھا۔

قرآن قرآن شریف کے تیس پارہ بنانا۔ ان میں رکوع قائم کرنا۔ اس پر اعراب لگان اس کی سنہری روپہلی جلدی تیار کرنا۔ قرآن کو بلاک وغیرہ بنا کر چھاپنا سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلٰثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

حدیث حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا۔ حدیث کی اسناد بیان کرنا۔ اسناد پر جرح کرنا اور حدیث کی قسمیں بنانا کہ یہ صحیح ہے، یہ حسن، یہ ضعیف، یہ معضل، یہ مدلس ان قسموں میں ترتیب دینا کہ اول نمبر صحیح ہے۔ دوم نمبر حسن، سوم نمبر ضعیف۔ پھر ان کے احکام مقرر کرنا کہ حرام وحلال چیزیں حدیث صحیح سے ثابت ہوں گی۔ اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی۔ غرضکہ سارا فن حدیث ایسی بدعت ہے۔ جس کا قرون ثلٰثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

اصول حدیث یہ فن بالکل بدعت ہے بلکہ اس کا تو نام بھی بدعت ہے۔ اس کے سارے قاعدے قانون بدعت۔

فقہ اس پر آج کل دین کا دارومدار ہے۔ مگر یہ بھی از اول تا آخر بدعت ہے۔ جس کا قرون ثلٰثہ میں ذکر نہیں۔

اصول فقہ و علم کلام یہ علم بھی بالکل بدعت ہے۔ ان کے قواعد ضوابط سب بدعت۔

نماز نماز میں زبان سے نیت کرنا۔ بدعت، جس کا ثبوت قرون ثلٰثہ میں نہیں۔ رمضان میں بیس تراویح پر ہیشگی کرنا بدعت ہے۔

خود امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نِعمَتِ البِدعَتُہ ھٰذِہٖ یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

روزہ روزہ افطار کرتے وقت زبان سے دعا کرنا۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمتُ الخ اور سحری کے وقت دعا مانگنا کہ اَللّٰھُمَّ بِالصَّومِ لَکَ غَدًانَوَیتُ بدعت ہے۔

زکوٰۃ زکوٰۃ میں موجودہ سکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے۔ قرون ثلٰثہ میں یہ تصویر والے سکے نہ تھے نہ ان سے زکوٰۃ جیسی عبادت ادا ہوتی تھی۔ موجودہ سکے سے غلوں سے فطرانہ نکالنا یہ سب بدعت ہیں۔

درمختار جلد اول بحث مستحبات وضو میں ہے۔

وَمُستَحَبُہ وَھُوَ مَا فَعَلَہ النَّبِیُّ عَلَیہِ السَّلَامُ مَرَّۃً وَ تَرَکَہ اُخرٰی وَمَا اَحَبَہ السَّلَفُ

”مستحب وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو اور وہ کام جسے گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہوں۔“

شامی جلد پنجم بحث قربانی میں ہے۔

فَاِنَّ النِّيَاتِ تَجعَلُ العَادَات عِبَادَاتٍ ”کیونکہ نیت خیر عادات کو عبادت بنادیتی ہے۔“

اسی طرح مرقاۃ بحث نیت میں بھی ہے۔

ان احادیث وفقہی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام نیت ثواب سے کیا جاوے یا مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں۔ وہ عنداللہ بھی کارثواب ہے۔ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جس کے اچھے ہونے کی گواہی دیں وہ اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ برا۔ گواہی کی نفیس بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو اور اس کتاب میں بھی عرس بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آویگا۔ ان شاء اللہ

بدعت واجبه وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے کہ قرآن کے اعراب اور دینی مدارس اور علم نحو وغیرہ پڑھنا اس کے حوالے گذر چکے۔

بدعت مکروهه وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جاوے۔ اگر سنت غیر موکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر سنت مؤکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تحریمی۔ اسکی مثالیں اور حوالے گذر گئے۔

بدعت حرام وہ نیا کام جس کوئی واجب چھوٹ جاوے۔ یعنی واجب کو مٹانیوالی ہو۔

درمختار باب الاذان میں ہے کہ اذان کے بعد سلام کرنا ۷۸۱ھ میں ایجاد ہوا۔ لیکن وہ بدعت حسنہ ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ اذان جوق کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَفِيهِ دَلِيلٌ عَلىٰ اَنَّه غَيرُ مَكرُوه لِاَ نَّ المُتَوَارِث لا يَكُونُ مَكرُوهًا وَكَذٰلِكَ تَقُولُ فِى الاَذَانِ بَينَ يَدَىِ الخَطِيبِ فَيَكُونُ بِدعَته حَسَنَته اِذمَاراٰه المُؤمِنُونَ حَسنًا فَهُوَ عِندَ اللهِ حَسَنٌ

اس سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام مسلمانوں میں مروج ہو جائے باعث ثواب ہے۔

آؤ ہم آپ کو دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت بدعت حسنہ سے خالی نہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو۔

ایمان مسلمان کے بچہ بچہ کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے۔ ایمان کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں قرون ثلثہ میں اس کا پتہ نہیں۔

حج ریل گاڑیوں، لاریوں، موٹروں، ہوائی جہازوں کے ذریعہ حج کرنا۔ موٹروں میں عرفات شریف جانا بدعت ہے اس زمانہ پاک میں نہ سواریاں تھیں نہ ان کے ذریعہ حج ہوتا تھا۔

طریقت طریقت کے قریباً سارے مشاغل اور تصوف کے قریباً سارے مسائل بدعت ہیں مراقبے، چلے، پاس انفاس، تصور شیخ، ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلثہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔

چار سلسلے شریعت وطریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔ ان میں سے بعض کے تو نام تک بھی عربی نہیں۔ جیسے چشتی، یا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنفی، قادری نہ ہوئے۔

اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بچکر وہ دینی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں۔ تو بدعت سے چھٹکارا کیسا؟

دنیاوی چیزیں آج کل دنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد ہوگئی ہیں۔ جن کا خیر القرون میں نام ونشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، تانگہ، گھوڑا گاڑی، پھر خط، لفافہ، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے۔ اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلیف استعمال کرتے ہیں۔

بولو، دیوبندی، وہابی، بغیر بدعات حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

لطیفه ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھانے گئے۔ دولہا کے پھولوں کے سہرا بندھا ہوا تھا۔ جاتے ہی بولے یہ سہرا بدعت ہے شرک ہے حرام ہے نہ حضور نے باندھا نہ صحابہ کرام نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے بتاؤ کونسی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا باندھو لوگوں نے سہرا کھول دیا جب نکاح پڑھا چکے تو دولہا کے باپ نے دس روپیہ کا نوٹ دیا۔ مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رہے تھے کہ دولہا نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لینا بدعت ہے۔ حرام ہے۔ شرک ہے۔ نہ حضور نے لئے نہ صحابہ نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے۔ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ نکاح کی فیس مولوی صاحب بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں۔ دولہا نے کہا کہ سہرا بھی خوشی کا تھا۔ غم کا نہ تھا۔ مولوی صاحب شرم سے ڈوب گئے۔ یہ ہے ان بزرگوں کی بدعت۔

دوسرا باب

اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات و جوابات میں

ہم نے بدعت عملی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام دینی یا دنیاوی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرام میں ہو یا اس کے بعد اس پر دو مشہور اعتراض ہیں۔

اعتراض ۱ بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے جو کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد ایجاد ہو۔ دنیاوی نئے کام بدعت نہیں۔ لہذا محفل میلاد وغیرہ تو بدعت ہیں اور تار ٹیلیفون، ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا هٰذَامَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ جو شخص ہمارے دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے امرنا سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حسنہ نہیں سب حرام ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ان سب کو کہا گیا کہ وہ مردود ہے۔

جواب دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے احادیث صحیحہ اور اقوال علماء اور محدثین کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے کُلُّ مُحدثٍ بدعتۃٌ (مشکوۃ باب الاعصام) ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ نیز ہم اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں کہ انہوں نے عمدہ کھانے، اچھے کپڑے، بدعت جائزہ میں داخل کئے ہیں۔ یہ کام دنیاوی ہیں۔ مگر بدعت میں ان کو شمار کیا لہذا یہ قید لگانا غلط ہے۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو تو کہتے ہیں۔ جس پر ثواب ملے۔ مستحبات، نوافل، واجبات، فرائض سب دینی کام ہیں کہ اس کو آدمی ثواب کے لئے کرتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جاوے اس پر ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔ اپنے بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہو تو ثواب ہے۔ حَتّٰی اللُّقْمَتِه تَرفَعُهَانِی فِیْ اِمْرَاءِ تِکَ یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی زوجہ کے منہ میں دے وہ بھی ثواب۔ لہذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے۔ اب بتاؤ کہ نیت خیر سے پلاؤ کھانا بدعت ہے یا نہیں؟ نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لئے کوئی مفید نہیں۔ کیونکہ دیوبند کا مدرسہ، وہاں کا نصاب دورہ حدیث، تنخواہ لے کر مدرسین کا پڑھانا، امتحان اور تعطیلات کا ہونا، آج قرآن پاک میں اعراب لگانا، قرآن و بخاری چھاپنا، مصیبت کے وقت ختم بخاری کرنا جیسا کہ دیوبند میں پندرہ روپیہ کے کر کرایا جاتا ہے۔ بلکہ سارا فن حدیث بلکہ خود احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کاغذ پر جمع کرنا۔ اس میں رکوع بنانا۔ اس کے تیس سیپارے کرنا وغیرہ وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ ﷺ کے زمانہ میں ان سے کوئی کام نہ ہوا تھا۔ بولو یہ حرام ہیں یہ حلال؟ بچارے محفل میلاد شریف اور فاتحہ شریف نے ہی کیا قصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لئے حرام ہوں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ تھا اور اوپر کئے ہوئے سب کا حلال۔

ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرات چار چیزوں کی صحیح تعریف کر دیں۔ جس پر کوئی اعتراض نہ ہو جامع مانع ہو۔ تو جس قدر چاہیں ہم سے انعام لیں بدعت، شرک دین، عبادت اور اب بھی اپنے رب کے بھروسہ پر کہتے ہیں دنیا کا کوئی دیوبندی کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس مذہب بچ جاوے۔ آج بھی ہر دیوبندی اور ہر غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ انکی ایسی صحیح تعریف کرو جس سے محفل میلاد حرام ہو۔ اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد عین اسلام اور کہے دیتے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکی ہیں اور نہ ہو سکیں گی۔ لہذا اچاہئے کہ اپنے اس بے اصولے مذہب سے توبہ کریں اور اہلسنت والجماعت میں داخل ہوں الموافق۔ وہ حدیث جو آپ نے پیش کی۔ اس کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں یا تو نا سے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر مراد اعمال بھی ہوں تو لَیْسَ مِنْهُ سے مراد وہ اعمال ہیں۔ جو خلاف سنت یا خلاف دین ہوں ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے ہیں۔

یہ کہنا کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے بدعت حسنہ کوئی چیز ہی نہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو پیش کی جا چکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ ثواب کا مستحق ہے اور جو برا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا۔ نیز شامی، اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارات پیش کی جا چکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے جائز، واجب، مستحب، مکروہ اور حرام۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ ہر بدعت حرام ہے تو مدارس وغیرہ کو ختم کر دو یہ بھی حرام ہیں۔ نیز مسائل فقہیہ اور اشغال صوفیہ جو خیر القرون کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے۔ شریعت کے چار سلسلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ تمام ہی حضور علیہ الصلوۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام کے بعد ایجاد ہوئے پھر ان کے مسائل اجتہادیہ اور اعمال، وظیفے، مراقبے، چلے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ ان کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں، چھ کلمے، ایمان مجمل و مفصل قرآن کے تیس پارے، حدیث کی قسمیں اور ان کے احکام کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، یہ حسن ہے یا معضل وغیرہ عربی مدارس کے نصاب، جلسہ دستار بندی، سند

لینا، پگڑی بندھوانا، ان چیزوں کا کہیں قرآن وحدیث میں نام بھی نہیں۔ کوئی دیوبندی وہابی ان چیزوں کو تو کیا ان کے نام بھی کسی حدیث میں نہیں دکھا سکتا۔ پھر حدیث کی اسناد اور راویوں پر مروجہ جرح خیر القرون سے ثابت نہیں کرسکتا، غرضکہ شریعت وطریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں بدعت شامل نہ ہو۔

مولوی اسمٰعیل صاحب صراط مستقیم صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں۔ ''نیز اکابر طریقت نے اگرچہ اذکار ومراقبات وریاضات ومجاہدات کی تعیین میں جو راہ ولایت کے مبادی ہیں کوشش کی ہے لیکن بحکم ہرسخن وقتی ہرنکتہ مقامی دارد۔'' ہر ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہیں۔'' اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تصوف کے اشغال صوفیاء کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں اور جائز ہیں۔ بلکہ راہ سلوک ان ہی سے طے ہوتی ہے۔ کہیئے کہ اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہرنئی چیز حرام ہے؟ ماننا پڑے گا کہ جو کام خلاف سنت ہو وہ برا ہے باقی عمدہ اور اچھا۔

اعتراض؟ مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ ان زمانوں کے بعد جو کام ایجاد ہوگا۔ وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی جائز نہیں۔ سب حرام ہیں یعنی صحابہ کرام اور تابعین کی ایجادات سنت ہیں۔

اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاعصام میں ہے۔

۱) فَعَلَيكُم بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الخُلَفَاءِ الرَّشِدِينَ المَهدِيِّينَ تَمَسَّكُو ابِهَا وَعَضُوا عَلَيهَا بِالنَّوَاجِذِ

''تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت والے خلفائے راشدین کی سنت کہ اس کو دانت سے مضبوط پکڑلو۔''

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا۔ اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کی ایجادات بدعت نہیں۔

۲) مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

خَيرُ اُمَّتِي قَرنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُم ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُم ثُمَّ اِنَّ بَعدَ ذٰلِکَ قَومًا يَشهَدُونَ وَلاَ يُستَشهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلاَ يُؤتَمَنُونَ

''میری امت میں بہتر گروہ میرا ہے پھر وہ جو ان کے متصل میں پھر وہ جو ان کے متصل ہیں پھر اس کے بعد ایک قوم ہوگی جو بغیر گواہ بنائے ہوئے گواہی دیتی پھریگی اور جو خیانت کریں گے۔ امین نہ ہوں گے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ تین زمانہ خیر ہیں صحابہ کرام کا تابعین کا، تبع تابعین کا، اور پھر شر اور خیر کا زمانہ میں جو پیدا ہو وہ خیر یعنی سنت ہے اور شر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ شر یعنی بدعت ہے۔

نیز مشکوٰۃ باب الاعصام میں ہے۔

۳) تَفتَرِقُ اُمَّتِي عَلیٰ ثَلٰثٍ وَسَبعِينَ مَلَّةً كُلُّهُم فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً قَالُو مَن هِيَ يَارَسُولَ اللهِ قَالَ مَااَنَا عَلَيهِ وَاَصحَابِي

''میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گیا ایک کے سوا سب جہنمی ہیں۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایک کون ہے؟ فرمایا جس پر ہم اور ہمارے صحابہ ہیں۔''

معلوم ہوا صحابہ کرام کی پیروی جنت کا راستہ ہے اس لئے ان کے ایجادات کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔

مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

۴) اَصحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِاَيِّهِم اقتَدَيتُم اِهتَدَيتُم

''میرے صحابہ (رضوان اللہ علیہم) تاروں کی طرح ہیں تم جسکے پیچھے ہولو ہدایت پالوگے۔''

اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی باعث نجات ہے لہذا ان کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں۔ کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے۔

جواب یہ سوال بھی محض دھوکا ہے اس لئے کہ ہم نے مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پیدا ہو۔ اس میں صحابہ کرام وتابعین کا ذکر نہیں۔ نیز اس لئے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تراویح کی باقاعدہ جماعت دیکھ کر فرمایا۔

نِعمَتِ البِدعَةُ هٰذِهٖ ''یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے۔''

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مبارک فعل کو بدعت حسنہ فرمایا۔ اور ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، مشکوٰۃ شریف باب القلوب میں حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے نماز فجر میں قنوت نازلہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا اے بنی محدث۔ بیٹے یہ بدعت ہے دیکھو زمانہ صحابہ کی چیز کو آپ بدعت سیئہ کہہ رہے ہیں۔ اگر زمانہ صحابہ کی ایجادات بدعت نہیں ہوتیں تو تراویح بدعت حسنہ کیوں ہوتی اور قنوت نازلہ بدعت سیئہ کیوں ٹھہری۔ وہ زمانہ تو بدعت کا ہے ہی نہیں۔ تیسرے اس لئے کہ پہلے باب میں بحوالہ مرقات گزر چکا ہے کہ تراویح کی جماعت بدعت مستحبہ ہے یعنی تراویح سنت اور اس کی باقاعدہ پابندی سے۔ جماعت بدعت حسنہ انہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کو بدعت میں داخل کیا۔ چوتھے اس لئے کہ بخاری جلد دوم کتاب فضائل القرآن جمع القرآن میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ **كَيفَ تَفعَلُونَ شَيئًا لَم يَفعَلهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ هُوَ خَيرٌ** آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں۔ جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا، صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے حضرت زید ابن ثابت نے بارگاہ صدیقی رضی اللہ عنہما میں یہ ہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے آپ بدعت کیوں ایجاد کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی اچھی ہے جس سے پتہ لگا کہ فعل صحابہ کرام بدعت حسنہ ہے مخالفین کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

۱) **فَعَلَيكُم بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ** ''خلفاء راشدین کی اقوال وافعال کو لغوی معنیٰ سی سنت فرمایا گیا۔'' یعنی اے مسلمانوں تم میرے اور میرے خلفاء کے طریقوں کو اختیار کرو جیسے کہ ہم پہلے باب میں حدیث نقل کر چکے ہیں۔

مَن سَنَّ فِي الاِسلَامِ سُنَّتہ حَسَنَتہ فَلَه اَجرُهَا اور **مَن سَنَّ فِي الاسلَامِ سُنَّته سَيِّئَته** اس حدیث میں سنت بمعنی طریقہ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **سُنَّتَه مَن قَداَرسلنَا قُبلکَ مِن رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحوِيلاً** نیز فرماتا ہے **سُنَّتَه اللهِ الَّتِي قَدخَلَت** ان آیات اور حدیث میں سنت سے مراد سنت شرعیہ بدعت کے مقابل نہیں۔ بلکہ بمعنی طریقہ ہے سنت الٰہیہ اللہ کا طریقہ۔ سنت انبیاء نبیوں کا طریقہ وغیرہ۔

اسی حدیث **فَعَلَيكُم بِسُنَّتِي** کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے ''بحقیقت سنت خلفائے راشدین ہماں سنت پیغمبر است کہ در زماں آنحضرت علیہ السلام شہرت نیافتہ بود ودر زمان ایشاں مشہور ومضاف بہ ایشاں شدہ۔'' خلفائے راشدین کی سنت حقیقۃً سنت نبوی ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہوگئی اور انکی طرف منسوب ہوگئی اس سے معلوم ہوا کہ سنت خلفاء اس کو کہتے ہیں اصل میں سنت رسول اللہ ہو مگر اس کو مسلمانوں میں رائج کرنیوالے خلفاء راشدین ہوں پانچویں اسلئے کہ محدثین اور فقہا فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے حکم سنت سے ملحق ہیں یعنی سنت تو نہیں۔ سنت سے الحاق کئے ہوئے ہیں اگر ان حضرات کے ایجاد فرمودہ کام سنت ہی ہوتے تو الحاق کے کیا معنیٰ۔ نو الانوار کے شروع میں ہے **وَقَولُ الصَّحبِي فِيمَا يُعقَلُ مُلحَقٌ بِالقِيَاسِ وَفِيمَا لاَ يُعقَلُ فَمُلحَقٌ بِالسُّنَّتِه** صحابی کا فرمان عقلی باتوں سے تو قیاس سے ملحق ہے اور غیر عقلی باتوں میں سنت سے ملحق ہے۔ اگر صحابی کا ہر قول وفعل سنت ہے تو قیاس اور سنت سے الحاق کے کیا معنیٰ؟ اشعۃ اللمعات زیر حدیث **فَعَلَيكُم بِسُنَّتِي** ہے۔ ''پس ہر چہ خلفائے راشدین بداں حکم کردہ باشند۔ اگرچہ باجتہاد وقیاس ایشاں بود موافق نبوی است اطلاق بدعت برآں نتواں کرد۔'' جس چیز کا خلفائے راشدین نے حکم فرمایا ہو اگرچہ اپنے قیاس اور اجتہاد سے ہو سنت نبوی کے موافق ہے اس پر لفظ بدعت نہیں بول سکتے ان عبارات سے بالکل واضح ہوگا کہ سنت خلفاء راشدین بمعنی لغوی سنت ہے اور سنت شرعی سے ملحق ہے ان کو ادباً بدعت نہ کہا جاوے۔ کیونکہ بدعت اکثر بدعت سیئہ کو بولتے ہیں۔

۲) **خَيرَ اُمَّتِي قَرنِي** الخ سے تو معلوم ہوا کہ ان تین زمانوں تک خیر زیادہ ہوگی اور ان کے بعد خیر کم شر زیادہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہو اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہو جائے۔ یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے ورنہ مذہب جبریہ اور قدریہ زمانہ تابعین ہی میں ایجاد ہوا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ان ہی زمانوں میں ہوئے کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنت کہا جاویگا۔

۳،۴) **مَا اَنَا عَلَيهِ وَ اَصحَابِي** اور **اَصحَابِي كَالنُّجُوم** سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی غلامی ان کی پیروی کرنا باعث ہدایت ہے اور ان کی مخالفت باعث گمراہی۔ یہ بالکل درست ہے اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی ہو۔ بدعت حسنہ بھی واجب الاتباع ہوتی ہے۔

مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

اِتَّبِعُو السَّوَادَ لاَعظَمَ فَاِنَّه مَن شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ ''بڑی جماعت کی پیروی کرو جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔''

نیز وارد ہوا۔

مَارَاٰہُ الْمُؤمِنُونَ حَسَنًا فَھُوَ عِندَاللہِ حَسَنٌ وَمَن فَارَقَ الجَمَاعَۃَ شِبرًا خَلَعَ رَبقَۃَ الِاسلَامِ عَن عُنُقِہٖ

’’جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کی نزدیک بھی اچھا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے، بالشت بھر علیحدہ رہا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی۔‘‘

قرآن کریم میں ہے۔

وَیَتَّبِع غَیرَ سَبِیلِ المُؤمِنِینَ نُوَلِّہٖ مَاتَوَلّٰی وَنُصلِہٖ جَھَنَّم (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۱۱۵)

’’اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوزخ میں داخل کریں گے۔‘‘

اس آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد و اعمال میں جماعت مسلمین کے ساتھ رہے ان کی مخالفت جہنم کا راستہ ہے لیکن اس یہ تو لازم نہیں کہ جماعت مسلمین کا ایجاد کیا ہوا کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب سنت ہی ہو۔ بدعت ہی ہوگا مگر بدعت حسنہ۔ جس طرح ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں۔ اسی طرح سلف الصالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں۔’’ بمعنی لغوی یعنی پسندیدہ دینی طریقہ۔

ھدایت ضروریہ جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنیٰ کریں گے کہ اَلاَ صلُ فِی الا شَیَآءِ اَلاِبَاحَتُہ تمام چیزوں کی اصل یہ ہے وہ مباح ہے۔ یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کہ نئے ہونے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ و اقوال فقہاء سے ثابت ہے اور غالبًا کوئی مقلد کہلانیوالا تو اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَاتَسئَلُوا عَن اَشیَآءَ اِن تُبدَلَکُم تَسُؤکُم وَاِن تَسئَلُوا عَنھَا حِینَ یُنَزَّلُ القُراٰنُ تُبدَلَکُم عَفَااللہُ عَنھَا (پارہ ۷ سورہ ۵ آیت ۱۰۱)

’’اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو کہ جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر انکو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو ظاہر کر دی جاویں گی اللہ انکو معاف کر چکا ہے۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے اسی لئے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر فرمایا وَاُحِلَّ لَکُم مَاوَرَآءَ ذٰلِکُم ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں نیز فرمایا۔ وَقَدفُصِّلَ لَکُم مَاحُرِّمَ عَلَیکُم تم سے تفصیل وار بیان کر دی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند محرمات ہیں جن کی تفصیل بتا دی ان کے سوا سب حلال۔ مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے۔

اَلحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللہُ فِی کِتٰبِہٖ وَالحَرَامُ مَاحَرَّمَ اللہُ فِی کِتَابِہٖ وَمَا سَکَتَ عَنہُ فَھُوَ مِمَّاعَفٰی عَنہُ

’’حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔‘‘

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جس کا حلال ہونا صراحتہً قرآن میں مذکور ہے دوسری وہ جنکی حرمت صراحتہً آگئی۔ تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے؟ شامی جلد اول کتاب الطہارہ بحث تعریف سنت میں ہے۔

اَلمُختَارُ اَنَّ الاَصلَ اَلاِبَاحَتُہ عِندَ الجُمھُورِ مِنَ الحَنفِیَتہ وَالشَّافِعِیَتہ جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر خازن و روح البیان اور تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔ اب جو بعض لوگ اہل سنت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا جائز ہے یا حضور علیہ السلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین نے کب کیا تھا یہ محض دھوکا ہے۔ اہل سنت کو چاہئے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا حرام ہے جب خدا حرام نہ کرے۔ رسول علیہ السلام منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونیکی علامت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُل لَّآ اَجِدُ فِیمَا اُوحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَطعَمُہٗ اِلَّآ اَن یَّکُونَ مَیتَۃً الآ

یہ نیز فرماتا ہے قُل مَاحَرَّمَ زِینَتَہ اللہِ الَّتِی اَخرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبَاتِ مِنَ الرِّذقِ الآ

یہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونیکی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی یہ حضرات اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الٹی منطق ہے اچھا بتاؤ کہ ریلوے سفر مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے؟ کہ حلال ہے یا کسی صحابی یا تابعی نے کیا۔ جیسے وہ حلال ایسے ہی یہ بھی جائز اور حلال ہے۔

بحث محفل میلاد شریف کے بیان میں

اس بحث میں دو باب ہیں، پہلا باب تو میلاد شریف کے ثبوت میں، دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

میلاد شریف کے ثبوت میں

اوّلاً تو معلوم ہونا چاہیئے کہ میلاد شریف کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا حکم کیا؟ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اُس کے دلائل کیا ہیں؟ میلاد شریف کی حقیقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا واقعہ بیان کرنا، حمل شریف کے واقعات۔ نور محمدی کے کرامات، نسب نامہ یا شیر خوارگی اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہ کے یہاں پرورش حاصل کرنے کے واقعات بیان کرنا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک یا نثر میں پڑھنا سب اس کے تابع ہیں، اب واقعہ ولادت خواہ تنہائی میں پڑھو یا مجلس جمع کرکے اور نظم میں پڑھو یا نثر میں کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر جس طرح بھی ہو اس کو میلاد کہا جاوے گا، محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور ولادت پاک کی خوشی سے ہو وہ اس کے شکر کے موقعہ پر خوشبو لگانا۔ گلاب چھڑکنا، شیرینی تقسیم کرنا غرضکہ خوشی کا اظہار جس جائز طریقہ سے ہو وہ مستحب اور بہت ہی باعث برکت اور رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہے۔

۱) عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا معلوم ہوا کہ مائدہ آنے کے دن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بنایا، آج بھی اتوار کو عیسائی اسی لیئے عید مناتے ہیں کہ اس دن دستر خوان اترا تھا اور حضور ﷺ کی تشریف آوری اس مائدہ سے کہیں بڑھ کر نعمت ہے لہٰذا ان کی ولادت کا دن بھی یوم العید ہے، ہاں اس مجلس پاک میں حرام کام کرنا سخت جرم اور گناہ ہے جیسے عورتوں کا اس قدر بلند آواز سے نعت شریف پڑھنا کہ اجنبی مرد سنیں سخت منع ہے عورت کی آواز اجنبی مرد کو سننا جائز نہیں اگر کوئی مرد نماز کی حالت میں کسی کو سامنے نکلنے سے روکے تو آواز سے سبحان اللہ کہدے، لیکن عورت کسی کو روکے تو سبحان نہ کہے بلکہ بائیں ہاتھ کی پشت پر داہنا ہاتھ مارے جس سے معلوم ہو کہ عورت نماز میں ضرورت کے وقت بھی کسی کو اپنی آواز نہ سنائے اسی طرح میلاد شریف میں باجے کے ساتھ نعت خوانی کرنا بہت ہی گناہ ہے کہ باجہ کھیل کود اور لغویات میں سے ہے ویسے ہی باجہ کھیلنا حرام ہے اور خاص نعت خوانی جو کہ عبادت ہے اس کو باجے پر استعمال کرنا اور بھی جرم ہے اگر کسی جگہ میلاد شریف میں خرابیاں پیدا کردی گئی ہوں تو ان خرابیوں کو دور کیا جاوے لیکن اصل میلاد شریف کو بند نہ کیا جاوے اگر عورت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرے یا لوگ قرآن کریم باجے سے پڑھنے لگیں تو ان بیہودگیوں کو مٹادو قرآن پڑھنا نہ روکو کیونکہ یہ عبادت ہے۔

میلاد شریف قرآن و احادیث و اقوال علماء اور ملائکہ اور پیغمبروں کے فعل سے ثابت ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اور حضور کی تشریف آوری اللہ کی بڑی نعمت ہے میلاد پاک میں اسی کا ذکر ہے لہٰذا محفلِ میلاد کرنا اس آیت پر عمل ہے۔

(۲) وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر احسان جتایا اس کا چرچا کرنا اسی آیت پر عمل ہے آج کسی کے فرزند پیدا ہو تو ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے۔ کسی کو سلطنت ملے تو ہر سال اس تاریخ پر جشنِ جلوس مناتا ہے تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا؟ خود قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کا میلاد جگہ جگہ ارشاد فرمایا۔ فرماتا ہے لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ" الآیہ "اے مسلمانوں تمہارے پاس عظمت والے رسول تشریف لے آئے۔" اس میں تو ولادت کا ذکر ہوا پھر فرمایا مِنْ اَنْفُسِکُمْ حضور علیہ السلام کا نسب نامہ بیان ہوا کہ وہ تم میں سے یا تمہاری بہترین جماعت میں سے ہیں۔ حَرِیْصٌ" عَلَیْکُمْ سے آخر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان ہوئی آج میلاد شریف میں یہ ہی تین باتیں ہوتی ہیں۔

(۳) لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْہِمْ رَسُوْلًا "اللہ نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ میں نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجدیا۔"

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ "رب العالمین وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔"

غرضکہ بہت سی آیات ہیں جن میں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر فرمایا گیا معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر سنّت الٰہیہ ہے، اب اگر جماعت کی نماز میں امام یہ ہی آیات ولادت پڑھے تو عین نماز میں میرے آقا کا میلاد ہوتا ہے، دیکھو امام صاحب کے پیچھے مجمع بھی ہے اور قیام بھی ہو رہا ہے، پھر ولادت پاک کا ذکر بھی ہے بلکہ خود کلمہ طیبہ میں میلاد شریف ہے کیونکہ اس میں ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ رسول کے معنیٰ ہیں بھیجے ہوائے اور بھیجنے کے لئے آنا ضروری ہے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہو گیا، اصلا میلاد پا گیا۔ قرآن کریم نے تو انبیاء علیہ السلام کا بھی میلاد بیان فرمایا ہے۔ سورۂ مریم میں حضرت مریم کا حاملہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر، حتیٰ کہ حضرت مریم کا دردزہ۔ اس تکلیف میں جو کلمات فرمائے کہ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا پھر ان کی ملائکہ کی طرف سے تسلی پانا۔ پھر یہ کہ حضرت مریم نے اس وقت کیا غذا کھائی، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے کلام فرمایا غرضکہ سب ہی بیان فرمایا، یہ ہی میلا خواں بھی پڑھتا ہے کہ حضرت آمنہ خاتون نے ولادت پاک کے وقت فلاں فلاں معجزات دیکھے۔ پھر یہ فرمایا پھر اس طرح حوران بہشتی آپ کی امداد کو آئیں۔ پھر کعبہ معظمہ نے آمنہ خاتوں کے گھر کو سجدہ کیا، وغیرہ وغیرہ وہ ہی قرآنی سنّت ہے اس طرح قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، اُن کی شیر خوارگی، اُکن کی پرورش ان کا چلنا پھرنا، مدین میں جانا، حضرت شعیب کی خدمت میں جانا، وہاں رہنا اور اُنکی بکریاں چرانا، اُن کا نکاح، اُن کی نبوت ملنا، سب کچھ بیان فرمایا یہ ہی باتیں میلاد پاک میں ہوتی ہیں۔

مدارج النبوۃ وغیرہ نے فرمایا کہ سارے پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان تو قرآن نے بھی نقل فرمایا۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اِسْمُہٗ اَحْمَدُ

’’میں ایسے رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام پاک احمد ہے۔‘‘

سبحان اللہ بچوں کے نام پیدائش کے ساتویں روز ماں باُر رکھتے ہیں مگر ولادت پاک سے ۵۹۷ سال پہلے مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کا نام احمد ہے، ہوگا نہ فرمایا معلوم ہوا کہ ان کا نام پاک رب تعالیٰ نے رکھا کب رکھا؟ یہ تو رکھنے والا جانے۔

یہ بھی میلاد شریف ہے، صرف اتنا فرق ہوا کہ ان حضرات نے اپنی قوم کے مجمعوں میں فرمایا کہ وہ تشریف لائیں گے ہم اپنے مجمعوں میں کہتے ہیں کہ وہ تشریف لے آئے، فرق ماضی و مستقبل کا ہے بات ایک ہی ہے ثابت ہوا کہ میلاد سنّتِ انبیاء بھی ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْ ’’یعنی اللہ کے فضل و رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ۔‘‘

معلوم ہوا کہ فضل الٰہی پر خوشی منانا حکم الٰہی ہے اور حضور علیہ السلام رب کا فضل بھی ہیں اور رحمت بھی۔ لہٰذا ان کی ولادت پر خوشی منانا اسی آیت پر عمل ہے اور چونکہ یہاں خوشی مطلق ہے۔ ہر جائز خوشی اس میں داخل۔ لہٰذا محفل میلاد کرنا وہاں کی زیب و زینت سج دھج وغیرہ سب باعثِ ثواب ہیں۔

(۴) مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں ذکر ولادت میں ہے کہ شب ولادت میں ملائکہ نے آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کے دروازے پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ ہاں ازلی راندہ ہوا شیطان رنج وغم میں بھاگا بھاگا پھرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میلاد سنّتِ ملائکہ بھی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقتِ پیدائش کھڑا ہونا ملائکہ کا کام ہے، اور بھاگا بھاگا پھرنا شیطان کا فعل، اب لوگوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو میلاد پاک کے ذکر کے وقت ملائکہ کے کام پر عمل کریں یا شیطان کے۔

(۵) خود حضور علیہ السلام نے مجمع صحابہ کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی ولادت اور اپنے اوصاف بیان فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ میلاد پڑھنا سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب فضائل سیّد المرسلین فصل ثانی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاید حضور علیہ السلام تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب پاک پر طعن کرتے ہیں۔

فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا پس منبر پر قیام فرما کر پوچھا بتاؤ میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں فرمایا میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہم کو بہتر مخلوق میں سے کیا۔ پھر ان کے دو حصے کئے عرب و عجم، ہم ان کو ان میں سے بہتر یعنی عرب میں سے کیا، پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے ہم کو ان کے بہتر یعنی قریش میں سے کیا، پھر قریش کے چند خاندان بنائے ہم ان میں سے سب سے بہتر خاندان یعنی بنی ہاشم میں سے کیا، اسی مشکوٰۃ اسی فصل میں ہے کہ ہم خاتم النبیین ہیں اور ہم حضرت ابراہیم کی دعا حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا دیدار ہیں جو انہوں نے ہماری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور چمکا جس سے شام کی عمارتیں ان کو نظر آئیں اس مجمع میں حضور علیہ السلام نے اپنا نسب نامہ اپنی نعت شریف، اپنی ولادت پاک کا واقعہ بیان فرمایا یہ ہی میلاد شریف میں ہوتا ہے ایسی صدہا احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔

(۶) صحابہ کرام ایک دوسرے کے پاس جا کر فرمائش کرتے تھے کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی نعت شریف سناؤ، معلوم ہوا کہ میلاد سنتِ صحابہ بھی ہے، چنانچہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول میں ہے کہ حضرت عطا ابن یسار فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نعت سناؤ جو کہ توریت شریف میں ہے انہوں نے پڑھ کر سنائی اسی طرح حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک توریت میں یوں پاتے ہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں، میرے پسندیدہ بندے ہیں نہ کج خلق، نہ سخت طبیعت، ان کی ولادت مکۂ مکرمہ میں اور ان کی ہجرت طیبہ میں، ان کا ملک شام میں ہوگا، اُن کی اُمت خدا کی بہت حمد کرے گی کہ رنج و خوشی ہر حال میں خدا کی حمد کرے گی۔ (مشکوٰۃ باب فضائل سیّد المرسلین)

(۷) یہ تو مقبول بندوں کا ذکر تھا۔ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی، تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہی کر لیا، چنانچہ بخاری جلد دوم کتاب النکاح باب وَاُمَّهَا تُكُمُ الَّتِىْٓ اَرْ ضَعْنَكُمْ وَمَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ میں ہے۔

فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْلَهَبٍ اُرِيَهٗ بَعْضُ اَهْلِهٖ بِشَرِّ حِيْبَةٍ قَالَ لَهٗ مَاذَا لَقِيْتَ قَالَ اَبُوْ لَهَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَكُمْ خَيْراً اِنِّىْ سُقِيْتُ فِىْ هٰذِهٖ بِعِتَاقَتِىْ ثُوَيْبَةَ

"جب ابولہب مر گیا تو اس کو اس کے بعض گھر والوں نے خواب میں برے حال میں دیکھا پوچھا کیا گزری ابولہب بولا کہ تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوئی، ہاں مجھے اس کلمے کی انگلی سے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے ثوبیہ لونڈی کو آزاد کیا تھا۔"

بات یہ تھی کہ ابولہب حضرت عبد اللہ کا بھائی تھا اس کی لونڈی ثوبیہ نے آ کر اس کو خبر دی کہ آج تیرے بھائی عبد اللہ کے گھر فرزند محمد (رسول اللہ ﷺ) پیدا ہوئے۔ اس نے خوشی میں اس لونڈی کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جا تو آزاد ہے، یہ سخت کافر تھا جس کی برائی قرآن میں آ رہی ہے مگر اس خوشی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا جب دوزخ میں وہ پیاسا ہوتا ہے تو اپنی اس انگلی کو چوستا ہے پیاس بُجھ جاتی ہے حالانکہ وہ کافر تھا ہم مومن، وہ دشمن تھا، ہم ان کے بندے بے دام، اس نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی، نہ کو رسول اللہ کی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کرتے ہیں۔ تو وہ کریم ہیں ہم ان کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے۔

دوستاں راکجا کنی محروم   توکہ بادشمناں نظرداری

مدارج النبوۃ جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

"دریں جا سنداست مر اہل موالید را کہ در شب میلاد آں سرور سرور کنند و بذل اموال نمایند یعنی ابولہب کہ کافر بود چوں بسرور میلاد آں حضرت و بذل شیر جاریہ دے بجہت آں حضرت جزا دادہ شد تا حال مسلماں کہ مملواست بجبت وسرور و بذل مال در وے چہ باشد لیکن باید کہ از بدعت ہا کہ عوام احداث کردہ انداز تغنی وآلات محرمہ و منکرات خالی باش۔"

اس واقعہ میں مولود والوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا وہگا جو محبت خوشی سے بھرا ہوا ہے اور مال خرچ کرتا ہے لیکن چاہیئے کہ محفل میلاد شریف عام کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں وغیرہ سے خالی ہو۔"

(۸) ہر زمانہ اور ہف جگہ میں علماء و اولیاء مشائخ اور عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے، جس ملک میں بھی جاؤ، مسلمانوں میں یہ عمل پاؤ گے، اولیاء اللہ و علماء امت نے اس کے بڑے بڑے فائدے اور برکات بیان فرمائی ہیں۔ ہم حدیث نقل کر چکے ہیں کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے قرآن فرماتا ہے۔ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ تاکہ تم اے مسلمانو گواہ ہو۔ حدیث پاک میں بھی ہے اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِى الْاَرْضِ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ لہٰذا محفلِ میلاد پاک مستحب ہے۔

آخر مجمع البحار صفحہ ۵۵۰ میں ہے کہ شیخ محمد ظاہر محدث ربیع الاوّل کے متعلق فرماتے ہیں، فَاِنَّهٗ شَهْرٌ" اُمِرْنَا بِاِظْهَارِ الْحُبُوْرِ فِيْهِ كُلَّ عَامٍ معلوم ہوا کہ ربیع الاوّل میں ہر سال خوشی منانے کا حکم ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورۂ فتح زیر آیت مُحَمَّدٌ" رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔

وَمِنْ تَعْظِيْمِهٖ عَمَلُ الْاِمَامُ السَّيُوْطِىْ يُسْتَحَبُّ لَنَا اِظْهَارُ الشُّكْرِ لِمُوْلِدِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

"میلاد شریف کرنا حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جبکہ وہ بُری باتوں سے خالی ہو امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔"

پھر فرماتے ہیں فَقَدْقَالَ ابْنُ الْحَجَر، الْهَيْتَمِیُّ اِنَّ الْبِدْعَةَ الْحَسَنَةَ مُتَّفَق" عَلٰی قُدْ بِهَا عَمَلُ الْمَوْلِدِ وَاجْتِمَاعُ النَّاسِ لَهٗ كَذَالِكَ بِدْعَة" حَسَنَة" قَالَ السَّخَاوِیُّ لِمْ يَفْعَلْهُ اَحَد" مِّنَ الْقُرُوْنِ الثَّلٰثَةِ وَ اِنَّمَا حَدَثَ بَعْدُثُمَّ لَازَالَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْاَقْطَارِ وَالْمُدْنِ الْكُبَارِ يَعْمَلُوْنَ الْمَوْلِدَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ بِاَنْوَاعِ الصَّدَقٰتِ وَيَعْتَنُوْنَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيْمِ وَيَظْهَرُ مِنْ بَرَكَاتِهٖ عَلَيْهِمْ كُلُّ فَضْلٍ عَظِيْمٍ قَالَ اِبْنُ الْجَوْزِیِّ مِنْ خَوَاصِهٖ اَنَّهٗ اَمَان" فِیْ ذَالِكَ الْعَامِ وَ بُشْرٰی عَاجِلَة" بِنَيْلِ الْمُغْتَةِ وَالْمَرَامِ وَاَوَّلُ مَنْ اَحْدَثَهٗ مِنَ الْمُلُوْكِ صَاحِبُ اَرْبَلٍ وَصَنَّفَ لَهٗ اِبْنُ وَحْيَةَ كِتَابًا بَافِی الْمَوْلِدِ فَاَجَازَهٗ بِاَلْفِ دِيْنَارٍ وَقَدْ اِسْتَخْرَجَ لَهُ الْحٰفِظُ اِبْنُ حَجَرَ اَصْلًا مِنَ السُّنَّةِ وَ كَذَالْحَافِظُ السُّيُوْطِیُّ وَرَدَّ عَلٰی اِنْكَارِ هَافِیْ قَوْلِهٖ اِنَّ عَمَلَ الْمَوْلِدِ بِدْعَة" مَّذْمُوْمَة"

"ابن حجر ہیتمی نے فرمایا کہ بدعت حسنہ کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلاد شریف کرنا اور اس میں لوگوں کو جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت حسنہ ہے امام سخاوی نے فرمایا کہ میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا بعد میاں ایجاد پھر ہر طرف کے اور ہر شہر کے مسلمان ہمیشہ مولود شریف کرتے رہے اور کرتے ہیں اور طرح طرح کے صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے میلاد پڑھنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، اس مجلس پاک کی برکتوں سے ان پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن رہتی ہے اور اس سے مرادیں پوری ہونیکی خوشخبری ہے۔ جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اربل ہے اور ابن احیہ نے اسکے لیئے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اسکو ہزار شرفیاں نذر کیں اور حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے اس کی اصل سنّت کو ثابت کی ہے اور انکار کیا ہے جو اس کو بدعت سیئہ کہہ کر منع کرتے ہیں۔"

ملا علی قاری مورد الروی میں دیباچہ کے متصل فرماتے ہیں۔ لَازَالَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ يَخْتَلِفُوْنَ فِیْ كُلِّ سَنَةٍ جَدِيْدَةٍ وَيَعْتَنُوْنَ بِقَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيْمِ وَيَظْهَرُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَرَكَاتِهٖ كُلُّ فَضْلٍ عَظِيْمٍ اور اسی کتاب کے دیباچہ میں یہ اشعار فرماتے ہیں۔

لِهٰذَا الشَّهْرِ فِی الْاِسْلَامِ فَضْل" وَمَنْقَبَة" تَفُوْقُ عَلَی الشُّهُوْرِ
رَبِيْع" فِیْ رَبِيْع" فِیْ رَبِيْعٍ وَنُوْر" فَوْقَ نُوْرٍ فَوْقَ نُوْرٍ

ان عبارات سے تین باتیں معلوم ہوئی، ایک یہ کہ مشرق ومغرب کے مسلمان اس کو اچھا جان کر کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بڑے بڑے علماء فقہا، محدثین مفسرین وصوفیاء نے اس کا اچھا جانا ہے جیسے امام سیوطی۔ علامہ ابن حجر ہیثمی، امام سخاوی، ابن جوزی، حافظ ابن حجر وغیرہم، تیسرے یہ کہ میلاد پاک کی برکت سے سال بھر تک گھر میں امن، مراد پری ہونا، مقاصد بر آنا حاصل ہوتا ہے۔

(۹) عقل کا بھی تقاضا ہے کہ میلاد شریف بہت مفید محفل ہے، اس میں چند فائدے ہیں، مسلمانوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل سن کر حضور علیہ السلام کی محبت بڑھتی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر صوفیائے کرام فرماتے ہیں، کہ حضور علیہ السلام کی محبت بڑھانے کے لیئے زیادتی درود شریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال زندگی کا مطالعہ ضروری ہے پڑھے لکھے لوگ تو کتابوں میں حالات دیکھ سکتے ہیں مگر ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ ان کو اس طرح سننے کا موقعہ مل جاتا ہے یہ مجلس پاک غیر مسلمانوں میں تبلیغ احکام کا ذریعہ ہے کہ وہ بھی اس میں شریف ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طیبہ سنیں، اسلام کی خوبیاں دیکھیں۔ خدا توفیق دے اسلام لے آویں۔ تیسرے یہ کہ اس مجلس کے ذریعہ مسلمانوں کو مسائل دینیہ بتانے کا موقع ملتا ہے، بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ تو جمع نہیں ہوتے، ہاں محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتا ہیں خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا، اب اسی مجلس میں مسائل دینیہ بتاؤ ان کو ہدایت کرو اچھا موقعہ ملتا ہے۔ چوتھے یہ کہ میلاد شریف میں ایسی نظمیں بنا کر پڑھی جاویں۔ جس میں مسائل دینیہ ہوں اور مسلمانوں کو ہدایت کی جاوے کیونکہ بمقابلہ نثر کے نظم دل میں زیادہ اثر کرتے ہے اور جلد یاد ہوتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس مجلس میں سنتے سنتے مسلمانوں کے حضور علیہ السلام کا نسب شریف اور اولاد پاک، ازواج مطہرات اور ولادت پاک و پرورش کے حالات یاد ہو جائیں گے۔ آج مرزائی۔ رافضی وغیرہم کو اپنے مذاہب کی پوری پوری معلومات ہوتی ہیں، رافضی کے بچوں کو بھی بارہ اماموں کے نام اور خلفاء راشدین کے استماء تبرا کرنے کو یاد ہوں گے مگر اہل سنّت کے بچے تو کیا بوڑھے بھی اس سے غافل ہیں، میں نے بہت سے بوڑھوں کو پوچھا کہ حضور ﷺ کی اولاد کتنی ہیں؟ داماد کتنے ہیں! بے خبر پایا۔ اگر ان مجلسوں میں ان کا چرچا رہے تو بہت مفید ہے، بنی ہوئی چیز کو نہ بگاڑو۔ بلکہ بگڑی ہوئی چیز کو بنانے کی کوشش کرو۔

(۱۰) مخالفین کے پیر مرشد حاجی امداداللہ صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں محفل میلاد شریف کو جائز اور باعث برکت فرمایا چنانچہ وہ اس کے صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں ”کہ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل میلاد شریف میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ ذریعہ برکت سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں۔“ عجیب بات ہے کہ پیر صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر خود ہر سال کریں اور مریدین مخلصین کا عقیدہ ہو، (کہ شرک وکفر کی محفل ہے محفل میلاد) نہ معلوم کہ اب پیر صاحب پر کیا فتویٰ لگے گا؟

(۱۱) ہم عرش کے بحث میں عرض کریں گے کہ فقہاء کے نزدیک بغیر دلیل کراہت تنزیہی کا بھی ثبوت نہیں ہوسکتا۔ حرمت تو بہت بڑی چیز ہے اور استحباب کے لیئے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جانیں، تو جو کام شریعت میں منع نہیں اور مسلمان اس کی نیت خیر سے کرے یا کہ عام مسلمان اس کو اچھا جانتے ہوں وہ مستحب ہے اس کا ثبوت بدعت کی بحث میں بھی ہو چکا۔ تو محفل میلاد شریف کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ شرعاً یہ منع نہیں اور مسلمان اس کو کار ثواب سمجھتے ہیں، نیت خیر سے کرتے ہیں لہٰذا یہ مستحب ہے مگر حرام کہنے والے اس کی حرمت پر کونسی قطعی الثبوت قطعی الدلالت حدیث یا آیت لائیں گے صرف بدعت کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔

دوسرا باب

میلاد شریف پر اعتراضات وجوابات میں

اعتراض نمبر ۱ مخالفین کے اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

محفلِ میلاد بدعت ہے کہ نہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور نہ صحابہ کرام وتابعین کے زمانہ میں۔ اور ہر بدعت حرام ہے، لہٰذا مولود حرام۔

جواب میلاد شریف کو بدعت کہنا نادانی ہے، ہم پہلے باب میں بتاچکے کہ اصل میلاد سنّت الٰہیہ، سنّتِ انبیاء، سنّتِ ملائکہ، سنّتِ رسول اللہ ﷺ، سنّتِ صحابہ کرام، سنّت سلف صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے، پھر بدعت کیسی؟ اور اگر بدعت ہو بھی تو ہر بدعت حرام نہیں، ہم بدعت کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی جائز ہوتی ہے اور مکروہ وحرام بھی، نیز پہلے باب میں تفسیر روح البیان کے حوالہ بتا چکے کہ یہ محفل بدعت حسنہ مستحبہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیونکر حرام ہوسکتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲ اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مردوں کو خلط ملط، داڑھی منڈوں کا نعت خوانی کرنا، غلط روایات پڑھنا گویا کہ یہ مجلس حرام باتوں کا مجموعہ ہے، لہٰذا حرام ہے۔

جواب اوّلاً یہ حرام چیزیں ہر مجلس میلاد میں ہوتی نہیں۔ بلکہ اکثر نہیں ہوتیں، عورتیں پردوں میں علیٰحدہ بیٹھتی ہیں اور مرد علیٰحدہ۔ پڑھنے والے پابند شریعت ہوتے ہیں روایات بھی صحیح بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے والے سننے والے باوضو بیٹھتے ہیں۔ سب درود شریف پڑھتے رہتے ہیں اور رقت طاری ہوتی ہے بسا اوقات آنسو جاری ہوتےہیں اور محبوب علیہ السلام کا ذکر پاک ہوتا ہے۔

لذّت بادہ عشقش زمین مست مپرس ذوق ایں مے نہ شناسی نجداتا نہ چشمی

ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

اور اگر کسی جگہ یہ باتیں ہوتی بھی ہوں تو یہ باتیں حرام ہوں گی اصل میلاد شریف یعنی ذکر ولادت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں حرام ہوگا، بحث عرس میں ہم عرض کریں گے کہ حرام چیز کے شامل ہوجانے سے کوئی سنّت یا جائز کام حرام نہیں ہوجاتا۔ ورنہ سب سے پہلے دینی مدرسے حرام ہونے چاہئیں کیونکہ وہاں مرد بے داڑھی بچے جوانوں کے ساتھ پڑھتے ہیں ان کا آپس میں اختلاط بھی ہوتا ہے کبھی کبھی اس کے بُرے نتیجے بھی برآمد ہوتے ہیں اور ترمذی وبخاری ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث وتفسیر پڑھتے ہیں، ان میں تمام روایات صحیح ہی نہیں ہوتیں بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی ہوتی ہیں بعض طلباء بلکہ بعض مدرسین داڑھی منڈے بھی ہوتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے مدرسے بند کیئے جائیں گے؟ نہیں بلکہ ان محرجات کو روکنے کی کوشش کی جاوے گی بتاؤ اگر داڑھی منڈا قرآن پڑھے تو کیسا؟ قرآن پڑھنا بند کروگے؟ ہرگز نہیں۔ تو اگر داڑھی منڈا میلاد شریف پڑھے تو کیوں بند کرتے ہو؟

اعتراض نمبر ۳ محفلِ میلاد کی وجہ سے رات کو دیر میں سونا ہوتا ہے، جسکی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جس سے فرض چھوٹے وہ حرام لہٰذا میلاد حرام۔

جواب اوّلاً تو میلاد شیرف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا، بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے جہاں رات کو ہو وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا، دس گیارہ بجے ختم ہوجاتا ہے اتنی دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہیں، اگر دیر لگ بھی جاوے تو نماز جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں، جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے لہٰذا یہ اعتراض محض ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے کا بہانہ ہے اور اگر کبھی میلاد شریف دیر سے ختم ہوا اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہوگیا؟ دینی مدارس کے سالانہ جلسے دیگر مذہبی وقومی جلسے رات کو دیر تک ہوتے

ہیں اور بعض جگہ نکاح کی مجلس آخر رات میں ہوتی ہے رات کی ریل سے سفر کرنا ہوتا ہے تو بہت رات تک جاگنا ہوتا ہے کہو کہ یہ جلسے، یہ نکاح، یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو محفلِ میلاد پاک کیوں حرام ہوگی؟ ورنہ وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر۴ علامہ شامی نے شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں کہا کہ میلاد شریف سب سے بدتر چیز ہے اسی طرح تفسیرات احمدیہ شریف میں محفل میلاد شریف کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والوں کو کافر کہا، جس سے معلوم ہوا کہ محفلِ میلاد سخت بُری چیز ہے۔

جواب شامی نے مجلس میلاد شریف کو حرام نہ کہا بلکہ جس محفل میں گانے باجے اور لغویات ہوں اور اس کو لوگ میلاد کہیں، کار ثواب سمجھیں اس کو منع فرمایا ہے چنانچہ وہ اسی بحث میں فرمات ہیں۔

وَاَقْبَحُ مِنْهُ النَّذْرُ بِقَرَائَةِ الْمَوْلِدِفِی الْمَنَا بِرِ مَعَ اِشْتِمَالِهٖ عَلَ الغَنَاءِ وَالْعَبِ وَاِیْهَابِ ثَوَابِ ذَالِکَ اِلیٰ حَضْرَتِ الْمُصْطَفٰے

’’اس سے بھی بُری میناروں میں مولود پڑھنے کی نذر ماننا ہے، باوجود یہ کہ اس مولود میں گانے اور کھیل کود ہوتے ہیں اس کا ثواب حضور ﷺ کو ہدیہ کرنا۔‘‘

اسی تفسیرات احمدیہ ہم نے ان گانے کی مجالس کو منع کیا ہے کہ جب میں کھیل تماشے بلکہ شراب نوشی بھی ہو۔ تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان زیر آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْث ہم نے بھی پہلے عرض کیا کہ محفل میلاد میں لغویات نہ ہوں، میں نے خود کراچی میں دیکھا کہ بعض جگہ باجے پر نعت پڑھتے ہیں اور اس کو میلاد شریف کہتے ہیں، ایک بار سہوان ضلع بدایوں کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص نے اپنے باپ کی فاتح کرائی۔ بجائے قرآن کی تلاوت کے گراموفون ریکارڈ میں سورہ یاسین بجا کر اس کا ثواب باپ کی روح کو بخشا، ایسی بیہودہ اور حرام باتوں کو کون جائز کہتا ہے؟ اسی طرح ان حضرات کے زمانہ میں بھی ایسی لغو اور بیہودہ مجلسیں ہوتی ہوں گی۔ اس کو یہ منع فرما رہے ہیں اگر مطلقاً میلاد شریف کو جائز ماننا کفر ہے تو حاجی امداد اللہ صاحب پیرو مرشد بھی اسی میں شامل ہوئے جاتے ہیں۔

اعتراض نمبر۵ نعت خوانی حرام ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں برائی آئے ہے اسی طرح تقسیم شیرینی کہ یہ اسراف ہے۔

جواب نعت کہنا اور نعت پڑھنا بہترین عبادت ہے سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں، گذشتہ انبیائے کرام نے حضرت علیہ السلام کی نعت خوانی کی۔ صحابہ کرام اور سارے مسلمان نعت شریف کو مستحب جانتے رہے خود حضور ﷺ نے اپنی نعت پاک سنی اور نعت خوانوں کو دعائیں دیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نعتیہ اشعار اور کفار کی مذمت منظوم کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں لاتے تھے تو حضور علیہ السلام ان کیلئے مسجد میں منبر بچھوا دیتے تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس پر کھڑے ہو کر نعت شریف سنایا کرتے تھے اور حضور علیہ السلام دعائیں دیتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اَیِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ’’اللہ حسان کی روح القدس سے امداد کر۔‘‘

(دیکھو مشکوٰۃ شریف جلد دوم باب الشعر) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعت گوئی اور نعت خوانی ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مجلس مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں منبر دیا گیا۔ ابو طالب نے نعت لکھی خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ صاحب قصیدہ کو فالج ہو گیا تھا کوئی علاج مفید نہ ہوتا تھا، آخر کار قصیدہ بردہ شریف لکھا۔ رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھڑے ہو کر سنایا۔ شفا بھی پائی اور انعام میں چادر مبارک بھی ملی۔ نعت شریف سے دین و دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں۔ مولانا جامی، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما۔ حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ سارے اولیاء و علماء نے نعتیں لکھیں اور پڑھی ہیں، ان حضرات کے قصائد نعتیہ مشہور ہیں۔ حدیث وفقہ میں گانے بجانے کی برائیوں میں نہ کہ نعت کی۔ جب گیتوں میں مخربِ اخلاق مضامین ہوں۔ عورتوں یا شراب کی تعریفیں ہوں واقعی وہ گانے ناجائز ہیں اس کی پوری تحقیق کے لیئے مرقاۃ شرح مشکوٰہ باب مَایُقَالُ بَعْدَ التَّکْبِیرِ (کتاب الصلوۃ) اور باب الشعر میں دیکھو۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ فصیح و بلیغ اشعار کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اگرچہ ان کے مضامین خراب ہوں مگر ان کے الفاظ سے علوم میں مدد ملتی ہے، دیوان متنبی وغیرہ مدارس اسلامیہ میں داخل ہیں حالانکہ ان کے مضامین گندے ہیں، تو نعتیہ اشعار سیکھنا، یاد کرنا، پڑھنا جن کے مضامین بھی اعلیٰ الفاظ پاکیزہ کس طرح ناجائز ہو سکتے ہیں؟ شامی کے مقدمہ میں شعر کی بحث میں ہے۔

وَمَعْرِفَةُ شِعْرِهِمْ رَوَایَةً وَدَرَایَةً عِنْدَ فُقَهَاءِ الْاِسْلَامِ فَرْض ’’ کَفَایَة‘‘ لِاَنَّه‘ تَثْبُتُ بِهٖ قَوَائِدُ الْعَرَبِیَّةِ وَکَلَامُهُمْ وَاِنْ جَانَفِیْهِ الْخَطاءُ فِیْ الْمُعَانِیْ فَلَا یُجُوْزُفِیْهِ الْخطاءُ فِی الْاَلْفَاظِ

’’شعر جاہلیت کے شعروں کو جاننا سمجھنا روایت کرنا فقہاء اسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے کیونکہ اس سے عربی قواعد ثابت کیئے جاتے ہیں اور ان کے کلام میں اگرچہ معنوی خطا ممکن ہے مگر لفظی غلطی نہیں ہو سکتی۔‘‘

گانے کی پوری تحقیق بحث عرس میں قوالی کے ماتحت آوے گی۔ ان شاء اللہ عزوجل

تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے، خوشی کے موقعہ پر کھانا کھلانا، مٹھائی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے، عقیقہ، ولیمہ وغیرہ میں کھانے کی دعوت سنّتِ ہے کیوں؟ اس لیئے کہ یہ خوشی کا موقعہ خاص نکاح کے وقت خرمے تقسیم کرنا بلکہ اس کا لٹانا سنّت ہے، اظہار خوشی کے لیئے مسلمان کو ذکر محبوب پاک پر خوشی ہوتی ہے، دعوت کرتا ہے صدقہ وخیرات کرتا ہے، شیرینی تقسیم کرتا ہے، اسی طرح اساتذہ کرام کا طریقہ ہے کہ دینی کتاب شروع ہونے اور ختم ہونے پڑھنے والے سے شیرینی تقسیم کراتے ہیں، میں نے مینڈو ضلع علیگڑھ میں کچھ عرصہ تعلیم پائی ہے وہاں دیوبندویں کا مدرسہ تھا مگر کتاب شروع ہونے پر شیرینی تقسیم کی جاتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ دینی اہم کام کرنے سے پہلے اور ختم کر کے تقسیم شیرینی سنّت سلف صالحین ہے اور محفلِ میلاد بھی اہم دینی کام ہے اس سے پہلے اہل قرابت کو میلاد خوانوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا بعد میں حاضرین میں تقسیم شیرینی کرنا اسی میں داخل ہے۔

اس تقسیم کی اصل قرآن وحدیث سے ملتی ہے، قرآن فرماتا ہے۔

يَـاَيُّهَـاالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡااِذَا اَنَا جَيۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّ مُوۡابَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰكُمۡ صَدَقَةً ذَالِکَ خَيۡرٌ" لَّكُمۡ وَاَطۡهَرُ

پارہ ۲۸، سورہ مجادلہ

"اے ایمان والو جب تم رسول سے کچھ آہستہ عرض کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لیئے بہتر اور بہت ستھرا ہے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں مالداروں پر ضروری تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی ضروری مشورہ کریں تو پہلے خیرات کریں، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دینار خیرات کر کے حضور علیہ السلام سے دس مسئلے پچھے بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہوگیا۔

(دیکھو تفسیر خزائن العرفان وخازن مدارک) اگرچہ وجوب منسوخ ہوگیا مگر اباحت اصلیہ اور استحباب تو باقی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء اللہ پر کچھ شیرینی لے کر جانا، مرشدین اور صلحاء کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے، اسی طرح احادیث وقرآنی یا دینی کتب کے شروع کرتے وقت کچھ صدقہ کرنا بہتر ہے میلاد شریف پڑھنے سے پہلے کچھ خیرات کرنا کار ثواب ہے کہ ان میں بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کلام کرتا ہے، تفسیر فتح العزیز صفحہ ۸۶ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک حدیث نقل کی "بیہقی اور شعب الایمان از ابن عمر روایت کردہ کہ عمر ابن الخطاب سورۂ بقر را با حقائق آں در مدت دوازدہ سال خواندہ فارغ شد وروزے ختم شترے را کشتہ طعام وافر پختہ یاران حضرت پیغمبر را خورانید" بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضرت فارق نے سورہ بقر بارہ سال کی مدت میں اس کے رموز اسرار کے ساتھ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے بہت سا کھانا پکا کر صحابہ کرام کو کھلایا۔ اہم کار خیر سے فارغ ہو کر تقسیم شیرینی وطعام ثابت ہوا۔ میلاد پاک بھی اہم کام ہے بزرگان دین تو فرماتے ہیں کہ کسی اہل قرابت کے یہاں جاؤ تو خالی نہ جاؤ کچھ لے کر جاؤ تَهَادَوۡا وَتَحِبُّوۡا ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت بڑھے گی۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب دیار محبوب یعنی مدینہ پاک میں جاوے تو وہاں کے فقراء کو صدقے دے کہ وہ اجیران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رب تعالیٰ کے یہاں بھی پہلا سوال یہ ہی ہوگا کہ کیا اعمال لائے؟

حق بفرماید چه آوردی مرا!
اندران مهلت که من دادم ترا

یہ تقسیم اسراف نہیں، کسی نے سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لَا خَيۡرَ فِىۡ السَّرۡفِ اسراف میں بھلائی نہیں، فوراً جواب دیا لَا سَرَفَ فِى الۡخَيۡرِ بھلائی میں خرچ کرنا اسرف نہیں۔

اعتراض نمبر ٦ محفلِ میلاد کے لیئے ایک دوسرے کو بلانا حرام ہے۔ دیکھو لوگوں کو بلا نفل کی جماعت بھی منع ہے تو کیا میلاد اس سے بڑھ کر ہے؟ (براہین)

جواب مجلسِ وعظ، دعوت ولیمہ، مجالس امتحان ومحفل نکاح وعقیقہ وغیرہ میں لوگوں کا بلایا ہی جاتا ہے بولو یہ امور حرام ہوگئے یا حلال رہے؟ اگر کہو کہ نکاح ووعظ وغیرہ فرائض اسلامی ہیں لہٰذا ان کے لیئے مجمع کرنا حلال، تو جنابِ تعظیم رسول اللہ ﷺ اہم فرائض سے ہے۔ لہٰذا اس کے لیئے بھی مجمع کرنا حلال ہے، نماز پر دیگر حالات کو قیاس کرنا سخت جہالت ہے، اگر کوئی کہے کہ نماز بے وضو منع ہے، لہٰذا تلاوتِ قرآن بھی بے وضو منع ہونی چاہئے وہ احمق ہے یہ قیاس مع الفاروق ہے۔

اعتراض نمبر ۷ کسی کی یادگار منانا اور دن تاریخ مقرر کرنا شرک ہے اور میلاد شریف میں دونوں ہیں لہٰذا یہ بھی شرک ہے۔

جواب خوشی کی یادگار منانا بھی سنت ہے اور دن وتاریخ مقرر کرنا مسنون اس کو شرک کہنا انتہاء درجہ کی جہالت وبے دینی ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا وَذَكِّرۡهُمۡ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ یعنی بنی اسرائیل کو وہ دن بھی یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نعمتیں اتریں، جیسے غرق وفرعون من سلویٰ کا نزول وغیرہ (خزائن عرفان) معلوم ہوا کہ جن دنوں میں رب تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمت دے ان کی یادگار منانے کا حکم ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم باب صوم التطوع فصل اوّل میں ہے۔

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ فَقَالَ فِیْہِ وُلِدْتُّ وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ وَحْیٌ"

"حضور ﷺ سے دوشنبہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی دن ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔"

ثابت ہوا کہ دوشنبہ کا روزہ اس لئے سنت ہے کہ یہ دن حضور ﷺ کی ولادت کا ہے۔ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ یادگار منانا سنت ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور نوافل یا مالی جیسے صدق اور خیرات تقسیم شیرینی وغیرہ، مشکوٰۃ یہ ہی باب فصل ثالث میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزے رکھتے ہیں، سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے فرعون سے نجات دی تھی ہم اس کے شکریہ میں روزہ رکھتے ہیں۔

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰی بِمُوْسٰی مِنْکُمْ ہم موسےٰ علیہ السلام سے تم سے زیادہ قریب ہیں فَصَامَہٗ وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو عاشورہ کے روزہ کے حکم دیا چنانچہ اول اسلام میں یہ روزہ فرض تھا اب فرضیت تو منسوخ ہو چکی مگر استحباب باقی ہے، اسی مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ عاشورہ کے روزے کے متعلق کسی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اس میں یہود سے مشابہت ہے تو فرمایا کہ اچھا سال آئندہ اگر زندگی رہی تو ہم دو روزے رکھیں گے یعنی چھوڑا نہیں، بلکہ زیادتی فرما کر مشابہت اہل کتاب سے بچ گئے، ہم نے شانِ حبیب الرحمٰن میں حوالہ کتب سے بیان کیا کہ پنجگانہ نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں، فجر میں دو مغرب میں تین عصر میں چار۔ وہاں جواب دیا ہے کہ یہ نمازیں گذشتہ انبیاء کی یادگاریں ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں آکر رات دیکھی تو پریشان ہوئے صبح کے وقت دو رکعت شکریہ ادا کیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دنبہ پایا، لخت جگر کی جان بچی۔ قربانی منظور ہوئی۔ چار رکعت شکریہ ادا کیں۔ یہ ظہر ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ نمازوں کی رکعات بھی دیگر انبیاء کی یادگار ہیں۔ حج تو از اول تا آخر ہاجرہ و اسمٰعیل و ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اب نہ تو وہاں پانی کی تلاش ہے نہ شیطان کا قربانی سے روکنا، مگر صفا مروہ کے درمیان چلنا، بھاگنا۔ منیٰ میں شیطان کو کنکر مارنا بدستور ویسے ہی وجود ہے، محض یادگار کے لیئے اس کی نفیس بحث کا مطالعہ کرو۔ شانِ حبیب الرحمٰن میں۔

ماہ رمضان خصوصاً شب قدر اس لئے افضل ہوئے کہ ان میں قرآن کریم کا نزول ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

شَہْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ" اور فرماتا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ جب قرآن کے نزول کی وجہ سے یہ مہینہ رات تا قیامت اعلیٰ ہوگئے تو صاحب قرآن ﷺ کی ولادت پاک سے تا قیامت ربیع الاول اور اس کی بارھویں تاریخ اعلیٰ و افضل کیوں نہ ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے دن کو روز عید قرار دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ جس دن جس تاریخ میں کسی اللہ والے پر اللہ کی رحمت آئی ہو، وہ دن، وہ تاریخ تا قیامت رحمت کا دن بن جاتا ہے، دیکھو جمعہ کا دن اس لئے افضل ہے کہ اس دن میں گذشتہ انبیاء علیہ السلام پر ربانی انعام ہوئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش، انہیں سجدہ کرنا، انکا دنیا میں آنا نوح علیہ السلام کی کشتی پار لگنا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند سے ملنا، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ پھر آئندہ قیامت کا آنا یہ سب جمعہ کے دن ہے لہٰذا جمعہ سیّد الایام ہوگیا۔

اسی طرح برعکس کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں میں قوموں پر عذاب آیا ان سے ڈرو۔ منگل کے دن فصد نہ لو کہ یہ خون کا دن ہے، اسی دن ہابیل کا قتل ہوا، اسی دن حضرت حوا کو حیض شروع ہوا۔ دیکھو ان دنوں میں یہ واقعات کبھی ایک بار ہو چکے، مگر ان واقعات کی وجہ سے دن میں عظمت یا حقارت ہمیشہ کے لئے ہوگئی۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خوشی یا عبادت کی یادگاریں منانا عبادت ہے آج بھی یادگار اسمٰعیل شہید یادگار مالانا قاسم خود مخالفین مناتیں ہیں اگر کسی چیز کا مقرر کرنا شرک ہو جاوے، تو مدرسہ کی تنخواہ مقرر، کھانے اور سونے کے لئے وقت مقرر، دستار بندی کے لئے دورہ حدیث مقرر، مدرسین کی تنخواہ مقرر، تاریخیں مقرر، میلاد شریف کو شرک کرنے کے شوق میں اپنے گھر کو تو آگ نہ لگاؤ، یہ تاریخیں محض عادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں، یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس تاریخ کے علاوہ اور تاریخ میں محفل میلاد جائز ہی نہیں۔ اسی لئے ہمارے یوپی میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلاد شریف کرتے ہیں کاٹھیاواڑ میں خاص شادی کے دن، میت کے تیجہ، دسویں، چالیسویں کے دن میلاد شریف کرتے ہیں، پھر ماہ ربیع الاول میں ہر جگہ پورے ماہ میلاد شریف ہوتے رہتے ہیں سوائے دیوبند کے ہر جگہ دستور ہے بلکہ سنا گیا ہے کہ وہاں بھی عام باشندے میلاد شریف برابر کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ دن یا جگہ مقرر کرنا چند وجہ سے منع ہے ایک یہ کہ وہ دن یا جگہ کسی بت سے نسبت رکھتی ہو، جیسے ہولی، دیوالی کے دن اس کی تعظیم کے لئے دیگ پکائے یا مندر میں جا کر صدقہ کرے اسی لئے مشکوٰۃ باب النذر میں ہے کہ کسی نے بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی منت مانی تو فرمایا کیا وہاں کوئی بت یا کفار کا میلہ تھا عرض کیا نہیں، فرمایا جا اپنی نذر پوری کر، یا اس تعیین میں کفار سے مشابہت ہو یا اس تعیین کو واجب جانے۔ اسی لئے مشکوٰۃ باب صوم النفل میں ہے کہ صرف جمعہ کے روزے سے منع فرمایا کیونکہ اس میں یہود سے مشابہت ہے یا اُسے واجب جاننا منع ہے یا جمعہ عید کا دن ہے

اُسے روزے کا دن نہ بناؤ۔

ان اعتراضات سے معلوم ہوا کہ مانعین کے پاس کوئی دلیل حرمت موجود نہیں، یوں ہی ایک چڑ پیدا ہوگئی ہے اس لئے محض قیاسات باطلہ سے حرام کہتے ہیں مگر یاد رہے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

بحث قیام میلاد کے بیان میں

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں، مقدمہ میں قیام کے متعلق ضروری باتیں ہیں۔

نماز میں دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ قولی اور فعلی۔ قولی تو قرآن کریم کی تلاوت۔ رکوع سجود کی تسبیح التحیات وغیرہ پڑھنا۔ اور فعلی عبادات چار ہیں۔ قیام، رکوع، سجدہ، بیٹھنا۔ قیام کے معنیٰ ہیں اس طرح سیدھا ہونا کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں۔ رکوع کے معنیٰ ہیں اس قدر جھکنا کہ گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جاویں اسی لئے زیادہ کبڑے کے پیچھے تندرست کی نماز نہیں، کیونکہ وہ قیام نہیں کرسکتا، ہر وقت رکوع میں ہی رہتا ہے۔ سجدہ کے معنیٰ ہیں سات اعضاء کا زمین پر لگنا، دونوں پاؤں کے نیچے دونوں گھٹنے، دونوں ہتھیلیاں، ناک و پیشانی۔ اسلام سے پہلے دیگر انبیائے کرام کی امتوں میں کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا۔ رکوع کرنا۔ سجدہ کرنا اور بیٹھنا ہر کام جائز تھا۔ مگر عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ تحیۃ و تعظیم کے لئے خدائے پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ تعظیمی کرایا اور یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزندوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا (قرآن کریم) مگر اسلام نے تعظیمی قیام اور تعظیماً بیٹھنے کو تو جائز رکھا مگر تعظیمی رکوع اور تعظیمی سجدہ حرام کردیا، معلوم ہوا کہ قرآن حدیث سے منسوخ ہوتا ہے کیونکہ غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی کا ثبوت تو قرآن سے ہے اور اس کا نسخ حدیث پاک سے ہے یہ بھی خیال رہے کہ کسی کے سامنے جھکنا یا زمین پر سر رکھنا جب حرام ہوگا جبکہ رکوع و سجدہ کی نیت سے یہ کام کرے لیکن اگر کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنے یا ہاتھ پاؤں چومنے کے لئے جھکا تو جھکنا تو پایا گیا مگر چونکہ اس میں رکوع کی نیت نہیں ہے لہٰذا یہ رکوع نہیں ہاں تاحدِ رکوع جھکنا حرام اور جھکنا کسی اور کام کے لئے تھا، اور کام تعظیم کے لئے تو جائز جیسے کہ کسی کے جوتے سیدھے کرنا وغیرہ، یہ فرق ضرور خیال میں رہے، بہت ہی باریک ہے۔ شامی جلد پنجم کتاب الکراہیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

اَلْاِیْمَاءُ فِی السَّلَامِ اِلٰی قَرِیْبِ الرُّکُوْعِ کَالسُّجُوْدِ وَفِی الْمُحِیْطِ اَنَّہٗ یُکْرَہُ الْاِنْحِنَاءُ لِلسُّلْطٰنِ وَغَیْرِہٖ

”اسلام میں رکوع کے قریب جھک کر اشارہ کرنا سجدہ کی طرح ہے (حرام ہے) محیط میں ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے۔“

پہلا باب

قیام میلاد کے ثبوت میں

قیام یعنی کھڑا ہونا چھ طرح کا ہے، قیام جائز، قیام فرض، قیام سنت، قیام مستحب، قیام مکروہ، قیام حرام۔ ہم ہر ایک کے پہچاننے کا قاعدہ عرض کئے دیتے ہیں جس سے قیام میلاد کا حال خود بخود معلوم ہاجاوے گا کہ یہ قیام کیسا ہے۔

(۱) دنیاوی ضروریات کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے، اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں کھڑے ہو کر عمارت بنانا اور دیگر دنیاوی کاروبار کرنا وغیرہ۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ ”جب نماز جمعہ ہوجاوے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔“

پھیلنا بغیر کھڑے ہوئے ناممکن ہے۔

(۲) پنج وقتہ نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے، وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ اللہ کے سامنے اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) نوافل میں کھڑا ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔ یعنی کھڑے ہو کرے پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴) چند موقعوں پر کھڑا ہونا سنت ہے اوّلاً تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسی لئے آب زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر اللہ حاضری نصیب فرماوے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے عالمگیری جلد اوّل آخر کتاب الحج آداب زیارت قبر النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَیَقِفُ کَمَا یَقِفُ فِی الصَّلٰوۃِ وَیُمَثِّلُ صُوْرَتَہٗ الْکَرِیْمَۃَ کَاَنَّہٗ نَائِمٌ فِیْ لَحْدِہٖ عَالِمٌ بِہٖ یَسْمَعُ کَلَامَہٗ

”روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے گویا کہ وہ سرکار ﷺ اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں۔ اس کو جانتے ہیں اور اس کی بات سنتے ہیں۔“

اسی طرح مومنین کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قبلہ کو پشت اور قبر کی طرف منہ کرکے کھڑا ہونا سنت ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب زیارت القبور میں ہے۔

یَخْلَعُ نَعْلَیْہِ ثُمَّ یَقِفُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَۃِ مُسْتَقْبِلًا لِوَجْہِ الْمَیِّتِ

”اپنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔“

روضہ پاک، آب زمزم، وضو کا پانی، قبر مومن سب متبرک چیزیں ہیں۔ ان کی تعظیم قیام سے کرائی گئی۔ دوسرے جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا سنت ہے اسی طرح جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اُس کے لئے کھڑا رہنا سنت اور بیٹھا رہنا بے ادبی ہے۔ مشکوٰۃ جلد اول کتاب الجہاد باب حکم الاسراء اور باب القیام میں ہے کہ جب سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے انصار کو حکم دیا۔ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ قیام تعظیمی تھا نہ یہ کہ ان کو محض مجبوری کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ، نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا، خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا، ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیمی ہی تھا اور حضرت سعد انصار کے سردار تھے۔ ان سے تعظیم کرائی گئی، جن لوگوں نے اس سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لئے تھا وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟ اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ کیا نماز بھی بیمار ہے کہ اس کی امداد کے لئے کھڑا ہونا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔ ”حکمت در مرات توقیر و اکرام سعد دریں مقام و امر تعظیم و تکریم او در ایں ہاں آں باشد کہ اورا برائے حکم کردن طلبیدہ بودند پیش اعلانِ شان او در ایں مقام اولیٰ و انسب باشد۔“
اس موقعہ پر سعد کی تعظیم و تکریم کرانے میں یہ حکمت ہوگی کہ ان کو بنی قریظہ پر حکم فرمانے کے لئے بلایا تھا اس جگہ ان کی شان کا اظہار بہتر اور مناسب تھا۔

مشکوٰۃ باب القیام میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فَاِذَا قَامَ قُمْنَا مَا حَتّٰے فَرَئَیْنَاہُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُیُوْتِ اَزْوَاجِہٖ جب حضور ﷺ مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے تھے کہ آپ اپنی کسی بیوی پاک کے گھر میں داخل ہو گئے۔

اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام میں زیر آیت حدیث قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ ہے۔ اجماع کردہ اند جماہیر علماء بایں حدیث برا کرام اہل فضل از علم یا صلاح یا شرف و نووی گفتہ کہ ایں قیام مر اہل فضل را وقت قدوم آوردن ایشاں مستحب است و احادیث دریں باب در یافتہ و در نہی ازاں صریحا چیزے صحیح نہ شدہ و از قنیہ نقل کردہ کہ مکروہ نیست قیام جالس از برائے کسی کہ در آمدہ است بروہ بجہت تعظیم۔ اس حدیث کی وجہ سے جمہور علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے نووی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہوا اس بارے میں احادیث آئی ہیں اور اس کی ممانعت میں صراحۃً کوئی حدیث نہیں آئی، قنیہ سے نقل کیا کہ بیٹھے ہوئے آدمی کا کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

تُجُوْزُ الْخِدْمَۃُ بِغَیْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی بِالْقِیَامِ وَاَخْذِ الْیَدَیْنِ وَالْاِنْحِنَاءِ

”غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے جھک کر ہر طرح جائز ہے۔“

اس جگہ جھکنے سے روا م رکوع سے کم جھکنا۔ تا حد رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ در مختار جلد پنجم کتاب الکراہیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

یَجُوْزُ بَلْ یُنْدَبُ الْقِیَامُ تَعْظِیْمًا لِلْقَادِنِ یَجُوْزَ الْقِیَامُ وَلَوْ لِلْقَارِیْ بَیْنَ یَدَیِ الْعَالِمِ

”آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے جیسے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جانا جائز ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کی حالت میں بھی کوئی عالم دین آ جاوے تو اس کے لئے کھڑا ہو جانا مستحب ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے۔

وَقِیَامُ قَارِیْ الْقُرْآنِ لِمَنْ یَجِیُٔ تَعْظِیْمًا لَایُکْرَہُ اِذْ کَانَ مِمَّنْ یَسْتَحِقُّ التَّعْظِیْم

”قرآن پڑھنے والے کا آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔“

شامی جلد اول باب الامامت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے اور کوئی عالم آدمی آ گیا اس کے لئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے افضل ہے یہ تعظیم تو علماءِ امت کی ہے لیکن صدیق اکبر نے تو عین نماز پڑھاتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف لاتے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے اور بیچ نماز میں حضور علیہ السلام امام ہوئے۔

(مشکوٰۃ باب مرض النبی) ان امور سے معلوم ہوا کہ بزرگان دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جاوے۔

مسلم جلد دوم باب حدیث توبہ ابن مالک کتاب التوبہ میں ہے۔

فَقَامَ طَلْحَۃُ ابْنُ عُبَیْدِ اللّٰہِ یُھَرْوِلُ حَتّٰی صَافَحَنِیْ وَھَنَّانِیْ

”پس طلحہ ابن عبید اللہ کھڑے ہو گئے اور دوڑتے ہوئے آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔“

اس جگہ نودی میں ہے۔ **فِيْهِ اِسْتِحْبَابُ مُصَافَحَةِ الْقَادِمِ وَالْقِيَامِ لَهٗ اِكْرَامًا وَالْهَرُ وَلَةِ اِلٰى بِقَائِهٖ**
اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے سے مصافحہ کرنا، اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا، اس کے ملنے کے لئے دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا پیارا آجاوے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا، ہاتھ پاؤں چومنا سنت ہے، مشکوٰۃ کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ زید ابن حارثہ دروازہ پاک مصطفٰے علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

فَقَامَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرْيَانًا فَاعْتَنَقَهٗ وَقَبَّلَهٗ

''ان کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے ہوگئے پھر ان کو گلے لگالیا اور بوسہ دیا۔''

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتونِ جنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں۔

اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِیْ مَجْلِسِهٖ ان کیلئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑے ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ السلام کو بٹھالیتیں۔ مرقات باب المشی بالجنازۃ فصل دوم میں ہے۔

فِيْهِ اِيْمَاءٌ'' اِلٰى نُدُبِ الْقِيَامِ لِتَعْظِيْمِ الْفُضَلَآءِ وَالْكُبَرَاءِ معلوم ہوا کہ فضلاء کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے۔ چوتھے جبکہ کوئی پیارے کا ذکر سے یا کوئی اور خوشی کی خبر سنے تو اسی وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت اور سنت صحابہ و سنت سلف ہے، مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل ثالث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مجھ کو صدیق اکبر نے ایک خوشخبری سنائی۔

فَقُمْتُ اِلَيْهِ وَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا

''تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔''

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت **مُحَمَّدٌ'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ** ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجمع علماء موجود تھا کہ ایک نعت خواں نے نعت کے دو شعر پڑھے۔

فَعِنْدَ ذٰلِكَ قَامَ الْاِمَامُ السُّبْكِیُّ وَجَمِيْعُ مَنْ فِی الْمَجْلِسِ فَحَصَلَ اُنْسٌ'' عَظِيْمٌ'' بِذٰلِكَ الْمَجْلِسِ

''تو فوراً امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہوئے اور اس مجلس میں بہت ہی لطف آیا۔''

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیشوا ہو، اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آنے پر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا سنت ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سینہ سے لگایا۔ (کتب تواریخ)

عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

اِذَا دَخَلَ ذِمِّیٌّ'' عَلٰی مُسْلِمٍ فَقَامَ لَهٗ طَمْعًا فِیْ اِسْلَامِهٖ فَلَا بَاْسَ

''کوئی ذمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے اسلام کی امید پر اس کے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔''

(۵) چند جگہ قیام مکروہ ہے۔ اولاً آب زمزم اور وضو کے سوا اور پانی کو پیتے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے۔ دوسرے دنیادار کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا دنیا لالچ سے بلا عذر مکروہ ہے تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اس کی مالداری کی وجہ سے مکروہ ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

وَاِنْ قَامَ لَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْوِیْ شَيْئًا مِّمَّا ذَكَرْنَا اَوْقَامَ طَمْعًا لِغِنَاهُ كُرِهَ لَهٗ ذٰلِكَ

''اگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہوا یا اس کی مالداری کے طمع میں کھڑا ہوا تو مکروہ ہے''

چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان میں بیٹھا ہوا اور لوگ اس کے آس پاس دست بستہ کھڑے ہوں تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے اپنے لئے قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حوالے دوسرے باب میں آویں گے ان شاء اللہ یہ تقسیم خیال میں رہے۔

جب یہ تحقیق ہو چکی تو اب کیونکہ ہم قیام سنت میں چوتھا قیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر پا کر یا کسی پیارے کے ذکر پر ہو، اور پہلا قیام وہ بتایا جو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو، لہٰذا قیام میلاد چند وجہ سے سنت میں داخل ہوا، ایک تو اس لئے کہ یہ ذکر ولادت کی تعظیم کے لئے ہے دوسرے اس لئے کہ ذکر ولادت سے بڑھ کر مسلمان کے لئے کونسی خوشی ہو سکتی ہے اور خوشی کی خبر مسنون ہے، تیسرے نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر مسلمان کے نزدیک

کون محبوب ہے، وہ جان اولاد ماں باپ متاع سب سے زیادہ محبوب ہیں ان کے ذکر پر کھڑا ہونا سنت سلف الصالحین ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک کے وقت ملائکہ در دولت پر کھرے ہوئے تھے اس لئے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا فعل ملائکہ سے مشابہ ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ہم بحث میلاد میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا منصب شریف منبر پر کھڑے ہوکر بیان فرمایا تو اس قیام کی اصل مل گئی۔

چھٹے اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے ہم اس کی تحقیق بحث میلاد اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جس کام کو مستحب جانیں وہ شریعت میں مستحب ہے، شامی جلد سوم کتاب الوقف، وقف منقولات کی بحث میں فرماتے ہیں۔

لِاَنَّ التَّعَامُلَ. يُتْرَكُ بِهِ الْقِيَاسُ لِحَدِيْثِ مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ" یعنی دیگچی و جنازہ وغیرہ کا وقف قیاسًا ناجائز ہونا چاہئے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا دیکھو عامۃ المسلمین جس کام کو اچھا سمجھنے لگیں۔ اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑ نا لازم ہے۔ درمختار جلد پنجم کتاب الاجارات باب اجارت الفاسدہ میں ہے۔

وَجَازَ اِجَارَةُ الْحَمَّامِ لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَخَلَ حَمَّامَ الْحَجْفَةِ وَلِلْعُرْفِ وَقَالَ النَّبِىُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حسنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ"

"حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام شہر جحفہ کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس لئے کہ عرف جاری ہو گیا اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے۔"

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے جحفہ کے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے بعض نے کہا کہ موضوع ہے لہذا اب حمام کے جائز ہونے کی دلیل صرف ایک رہ گئی یعنی عرف عام تو ثابت ہوا کہ جو کام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

لِاَنَّ النَّاسَ فِى سَائِرِ الْاَمْصَارِيُدُ فَعُوْنَ اُجْرَتَ الْحَمَّامِ فَدَلَّ اِجْمَاعُهُمْ عَلٰى جَوَازِ ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ الْقِيَاسُ يَا بَاهُ

"کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی اُجرت دیتے ہیں پس ان کے اجماع سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگرچہ یہ خلاف قیاس ہے۔"

ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیاسًا جائز نہ ہونا چاہئے کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہوگا اور کرایہ میں نفع و اجرت معلوم ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں لہذا یہ جائز ہے قیام میلاد کو بھی عامل مسلمان مستحب سمجھتے ہیں لہذا مستحب ہے۔ ساتویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتُعَزِّرُوْهُ تُوَقِّرُوْهُ "اے مسلمانوں ہمارے نبی کی مدد کرو اور انکی تعظیم کرو۔"

تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح کرو بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیمی سجدہ رکوع اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیے۔

دیکھو وَاشْرَبُوْا میں مطلقًا کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیو، تو بریانی، زردہ، قورما سب ہی حلال ہوا خواہ خیر القرون میں ہو یا نہ۔

ایسے ہی تُوَقِّرُوْهُ کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو۔ خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو۔ آٹھویں اس لیے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ "اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کے تقویٰ سے ہے۔"

روح البیان نے زیت آیت وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ لکھا کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں انکی تعظیم کرنا ضرورت ہے جیسے کہ بعض مہینے بعض دن و مقامات۔ بعض اوقات وغیرہ اسی لئے صفا و مروہ، کعبہ معظمہ، ماہ رمضان، شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اور ذکر ولادت بھی شعائر اللہ ہے لہذا اسکی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔

ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا مگر مخالفین کے پاس خدا چاہے تو ایک بھی دلیل حرمت نہیں، محض اپنی رائے سے حرام کہتے

دوسرا باب

قیامِ میلاد پر اعتراض و جواب میں

اعتراض نمبر ۱ چونکہ میلاد کا قیامِ اوّل تین زمانوں میں نہیں تھا۔ لہٰذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے۔ حضور ﷺ کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو، اپنی ایجادات کو اس میں دخل نہ ہو کیا ہم کو بمقابلہ صحابہ کرام حضور ﷺ سے زیادہ محبت نہیں ہے جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔

جواب بدعت کا جواب تو بارہا دیا جا چکا ہے ہر بدعت حرام نہیں، رہا یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کی وہ تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دیوبند وغیرہ کے لئے بھی یعنی عالم کتاب مدرسہ تمام چیزوں کی وہ ہی تعظیم ہونی چاہئے جو سنت سے ثابت ہے تو علماء دیوبند کی آمد پر سٹیشن پر جانا ان کے گلوں میں ہار پھول ڈالنا۔ انکے لئے جلوس نکالنا، جھنڈیوں سے راستہ اور جلسہ گاہ کو سجانا، کرسیاں لگانا، وعظ کے وقت زندہ باد کے نعرے لگانا، مسند اور قالین بچھانا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ایسی تعظیم کی ہو۔ نہیں پیش کر سکتے، تو فرمائے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔ لہٰذا آپ کا یہ قاعدہ غلط ہے، بلکہ رکوع وسجدہ محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جذبہ دل جس طرف راہبری کرے وہ عبادت ہے لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں۔ اور فارسی اور بعض جگہ اردو میں بھی مہتر بمعنی سردار بولا جاتا ہے جیسے کہ چترال کے نواب کو مہتر چترال کہتے ہیں، لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے اور چترال میں اور فارسی میں نہیں۔ ہر ملکے ہر رسمے

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح   سندھیاں را اصطلاح سندھ قدح

مرقاۃ واشعۃ اللمعات کے مقدمہ میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے احوال لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اور ہیبت ووقار سے بیٹھتے تھے، کہئے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں۔ مگر امام مالک کا جذبۂ دل ہے عین ثواب ہے، تفسیر روح البیان زیر آیت مَاكَانَ مُحَمَّدٌ" اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ کہ ایاز کے فرزند کا نام تھا، محمد سلطان اس کا نام لے کر پکارتے تھے ایک روز غسل خانہ میں جا کر فرمایا کہ اے ایاز کے بیٹے پانی لا۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور کیا قصور ہوا کہ غلام زادے کا نام نہ لیا، فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں لیا کرتے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب   منوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

کہیے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کہیئے کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہم اللہ کو صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

اعتراض نمبر ۲ اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو۔ اور ملیاد شریف میں اوّل سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔

جواب یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے، اگر کسی کو اللہ توفیق دے اور ہر ذکر کھڑے ہو کر کیا کرے اور میلاد شریف از اوّل تا آخر کھڑے کھڑے پڑھا کرے تو ہم منع نہیں کریں گے۔ خواہ ہر وقت کھڑے ہو یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھایا کرتے تھے دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے ان کا یہ فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ از اوّل تا آخر کھڑا ہونا عام کو دشوار ہوگا اس لئے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی اونگھ جاتے ہیں کھڑا کر کے صلوٰۃ وسلام پڑھ لو۔ تاکہ نیند جاتی رہے اسی لئے اس وقت عرق گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں تاکہ پانی سے نیند اڑ جاوے کیوں صاحب! نماز میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو اور بعض سجدے میں اور بیٹھ کر، ہر ذکر کھڑے ہو کر کیوں نہ کیا؟ نیز التحیات میں اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے، ارو ہزار ہا موقعوں پر آپ یہ ہی کلمہ پڑھتے ہو انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صوفیائے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں، مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو كٓهٰيٰعٓصٓ اسطرح پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند کر دے کاف پر ہ پر ی پر وغیرہ۔ پھر حٰمٓعٓسٓقٓ پڑھے ہر ایک پر انگلی کھولے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تو جب تلاوت قرآن کے دوران میں یہ کلمے آتے ہیں تو یہ اشارہ کیوں نہیں اور یہ اشارے صحابہ کرام سے کہاں ثابت ہیں، حزب البحر وغیرہ پڑھنے والے حضرات بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقعوں پر کیوں نہیں کرتے، نیز کرتے؟ اس قسم کے صدہا سوالات کئے جا سکتے ہیں، امام بخاری نے بعض احادیث کو اسناداً بیان کیا بعض کو تعلیقاً، سب کو یکساں کیوں نہ بیان کیا۔ بھلا ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۳ لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہذا قیام ناجائز ہے۔

جواب یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے اور نہ تقریروں میں کہا عوام بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کار ثواب ہے۔ پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں، اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا بُرا ہوگا نہ کہ اصل قیام حرام ہو جاوے نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں احناف غیر واجب، تو ہمارے نزدیک ان کا یہ قول صحیح نہ ہوگا، نہ یہ کہ درود و نماز ہی منع ہو جاوے اس کی تحقیق ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں یہ بالکل درست ہے، مشکوٰۃ باب القصد فی العمل میں ہے۔ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ اللہ کے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کہ ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا ہو، ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو اچھے کپڑے پہنتے ہیں ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں، مدارس میں ہر رمضان و جمعہ میں چھٹی کرتے ہیں، ہر سال امتحان لیتے ہیں مسلمان ہر رات سوتے ہیں، ہر دوپہر کو کھانا کھاتے ہیں تو کیا ان کو واجب سمجھتے ہیں یا پابندی وجوب کی علامت ہے رہا قیام نہ کرنے والوں کو وہابی سمجھنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ وہابیوں کی علامت ہوگئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں علامات مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علاماتِ کفار سے بچنا علامت اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لیا جنتی ہو گیا (مشکوٰۃ کتاب الایمان) کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی پھر جب کلمہ گویوں میں منافق پیدا ہوئے تو قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق آکر کہتے ہیں بات تو سچی کہہ رہے ہیں مگر ہیں جھوٹے۔ پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوگی، مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔ نیز حدیث میں آیا کہ خارجی کی پہچان سر منڈانا ہے (دیکھو دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب القصاص باب قتل اہل الردہ) یہ تینوں امور تین زمانوں کے اعتبار سے ہیں شرح فقہ اکبر میں مُلّا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا حُبُّ الْخُتَنَيْنِ تَفْضِيْلُ الشَّيْخَيْنِ وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ دو داماموں یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا، شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم کو تمام پر افضل جاننا اور چمڑے کے موزے پر مسح کرنا۔ تفسیرات احمدیہ میں سورہ انعام زیر آیت وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جس میں دس عادات ہوں وہ سنی ہے تَفْضِيْلُ الشَّيْخَيْنِ، تَوْقِيْرُ الْخُتَنَيْنِ، تَعْظِيْمُ الْقِبْلَتَيْنِ، اَلصَّلٰوةُ عَلَى الْجَنَازَتَيْنِ، اَلصَّلٰوةُ خَلْفَ الْاِمَامَيْنِ، تَرْكُ الْخُرُوْجِ عَلَى الْاِمَامَيْنِ، اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ، وَالْقَوْلُ بِالتَّقْدِيْرَيْنِ وَالْاِمْسَاكُ عَنِ الشَّهِ. اَدَتَيْنِ وَاَدَاءُ الْفَرِيْضَتَيْنِ مرقات شروع باب المسح علی الخفین میں ہے۔ سُئِلَ اَنَسُ ابْنِ مٰلِكٍ عَنْ عَلَامَةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَقَالَ اَنْ تُحِبَّ الشَّيْخَيْنِ وَلَا تَطْعَنَ الْخُتَنَيْنِ وَتَمْسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ درمختار باب المیاہ میں ہے وَالتَّوَضُّؤُ مِنَ الْحَوْضِ اَفْضَلُ رَغْمًا لِلْمُعْتَزِلَةِ حوض سے وضو کرنا افضل ہے معتزلہ کو جلانے کے لئے اسی جگہ شامی میں ہے لِاَنَّ الْمُعْتَزِلَةَ لَا يُجِيْزُوْنَهٗ مِنَ الْحِيَاضِ فَنُرْغِمُهُمْ بِالْوُضُوْءِ مِنْهَا یعنی معتزلہ حوض سے وضو کرنے کو ناجائز کہتے ہیں لہٰذا ہم ان کو حوض سے وضو کر کے جلائیں گے دیکھو حوض سے وضو کرنا، چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا وغیرہ واجبات میں سے نہیں لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس کے منکر پیدا ہوگئے تھے، لہٰذا ان کو سنی کی پہچان قرار دیا۔ اسی طرح قیام میلاد و فاتحہ وغیرہ واجبات میں سے نہیں مگر چونکہ اس کے منکر پیدا ہوگئے ہیں لہٰذا فی زمانہ یہ ہندوستان میں سنی ہونے کی علامت ہے۔ اور مجلس میلاد میں اکیلا بیٹھا رہنا علامت دیوبندی کی ہے۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔ نیز شامی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز یا مستحب کام سے بلاوجہ لوگ روکیں تو اس کو ضرور کرے۔ آج ہندوستان میں ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں خاص گائے کی قربانی واجب نہیں مگر مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اس کو جاری رکھا اسی طرح محفل میلاد و قیام وغیرہ ہے۔ فقہاء کے نزدیک زنار باندھنا اور ہندوؤں کی سی چوٹی سر پر رکھنا۔ قرآن پاک نجاست میں ڈالنا کفر ہے کیونکہ یہ کفار کی مذہبی علامت ہے۔

ضروری نوٹ یہ سوال ۱۳ اکثر دیوبندی کیا کرتے ہیں کہ تاتحہ عرس و میلاد وغیرہ سب کو اس وجہ سے حرام بتاتے ہیں، یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے خود سنی ہونے کی علامات ایجاد کر لی ہیں حدیث و قرآن میں یہ علامات نہیں سب جگہ کے لئے یہ ہی جواب دیا جاوے بہت مفید ہوگا ان شاءاللہ۔

اعتراض نمبر٤ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے مشکوٰۃ باب القیام میں ہے۔ وَکَانُوْا اِذَا رَاَوْ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ کَرَاھِیَتِہٖ لِذٰلِکَ صحابہ کرام جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو یہ ناپسند ہے، مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّتَمَثَّلَ لَہٗ الرِّجَالُ قِیَامًا فَلْیَتَبَ.وَّءَ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ ''جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈے۔''

مشکوٰۃ باب القیام میں ہے۔

لَا تَقُوْمُوْا کَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ ''عجمی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا آدمی آوے تو اس کی تعظیم کے لئے نہ کھڑا ہو۔ میلاد شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں، پھر تعظیمی قیام کیونکہ جائز ہو سکتا ہے؟

جواب ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا ورنہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث اور اقوال فقہاء نقل کئے اس کے خلاف ہوگا بلکہ حسب ذیل امور سے ممانعت ہے اپنے لئے قیام چاہنا لوگوں کا دست بستہ سامنے کھڑا رہنا اور پیشوا کا میدا میں بیٹھا رہنا۔ ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے دونوں قیام منع ہیں۔ پہلے حدیث کے ماتحت اشعہ اللمعات میں ہے، ''وحاصل آنکہ قیام وترک قیام بحسب زمان واحوال واشخاص مختلف گردد وازیں جااست کہ گاہے کہ کروند گاہے نہ کروند۔'' خلاصہ یہ ہے کہ قیام تعظیمی کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام نے کبھی تو حضور علیہ السلام کے لئے قیام کیا اور کبھی نہیں، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی تو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی نہیں، نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہونے کا ذکر پہلے ہو چکا اور آپ کا قیام سے کراہت فرمایا تو اضعًا انکسارًا تھا۔ لہٰذا اس جگہ ہمیشہ کھڑے ہونے کی نفی ہے مطلقًا کی دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔ ''قیام مکروہ بعینہٖ نیست بلکہ مکروہ محبت قیام است اگر دے محبتِ قیام نہ دارد قیام برائے دے مکروہ نیست قاضی عیاض مالکی گفتہ کہ قیام منہی ورحق کسی است کہ نشستہ باشد ویستادہ باشند پیدے وور قیام تعظیم برائے اہل دنیا بجہت دنیائے ایشان وعید وارد شدہ مکروہ است'' خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لئے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو اور لوگ کھڑے ہوں اور دنیا داروں کے لئے قیام تعظیمی میں وعید آئی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح حاشیہ مشکوٰۃ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسرا زیر حدیث قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ میں ہے۔

قَالَ النُّوْوِیُّ فِیْہِ اِکْرَامُ اَھْلِ الْفَضْلِ وَتَلَقِّیْھِمْ وَالْقِیَامُ اِلَیْھِمْ وَاحْتَجَّ بِہِ الْجُمْھُوْرُ وَقَالَ الْقَاضِیْ عِیَاضُ لَیْسَ ھٰذَا مِنَ الْقِیَامِ الْمَنْھِیَ عَنْہُ وَاِنَّمَا ذٰلِکَ فِیْمَنْ یَّقُوْمُوْنَ عَلَیْہِ وَھُوَ جَالِس'' وَیُمَثِّلُوْنَ لَہٗ قِیَامًا طُوْلَ جُلُوْسِہٖ

''نووی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے ملنا، ان کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے، جمہور علماء نے اس سے دلیل پکڑی ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں سے نہیں، ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں، اور وہ بیٹھا ہو اور لوگ اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں۔''

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور محفل میلاد کا قیام ان میں سے نہیں نیز اگر تعظیمی قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ سروقد کھڑے ہو جاتے ہیں وہ کیوں جائز ہے؟

بحث فاتحہ تیجہ، دسواں، چالیسواں کا بیان

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مُقدمہ

بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشنا جائز ہے اور پہنچتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن وحدیث اور اقوالِ فقہاء سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لئے دعا کرنے کا حکم دیا، نمازِ جنازہ ادا کی جاتی ہے، مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ میں ہے کہ حضرت سعد نے کنوں کھدوا کر فرمایا **هٰذَا لِاُمِّ سَعْدٍ** یہ ام سعد کا کنواں ہے فقہاء نے ایصالِ ثواب کا حکم دیا۔ ہاں بدنی عبادت میں نیابت جائز نہیں یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز فرض پڑھ دے تو اس کی نماز نہ ہوگی ہاں نماز کا ثواب بخشا جا سکتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الفتن باب الملاحم فصل دوم میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی سے فرمایا کہ **مَنْ يَضْمِنُ لِىْ مِنْكُمْ اَنْ يُصَلِّىَ فِىْ مَسْجِدِ الْعَشَارِ رَكْعَتَيْنِ وَيَقُوْلُ هٰذِهٖ لِاَبِىْ هُرَيْرَة** اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصالِ ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے دوسرے یہ ہے زبان سے ایصالِ ثواب کرنا کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو دے بہت بہتر ہے تیسرے یہ کہ برکت کی نیت سے بزرگانِ دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعث ثواب ہے رہی عبادت مالی یا مالی و بدنی کا مجموعہ جیسے زکوٰۃ اور حج اس میں اگر کوئی شخص کسی سے کہہ دے کہ تم میرے طرف سے زکوٰۃ دے دو تو دے سکتا ہے۔ اور اگر صاحب مال میں حج کرنے کی قوت نہ رہے تو دوسرے سے حج بدل کرا سکتا ہے۔ لیکن ثواب ہر عبادت کا ضرور پہنچتا ہے اگر میں کسی کو اپنا مال دیدوں تو وہ مالک ہو جاویگا اسی طرح یہ بھی ہاں فرق یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہر کو ملا لیکن ثواب اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پورا پورا ملا اور خود بھی محروم نہ رہا جیسے کہ کسی کو قرآن پڑھایا تو سب کو پورا قرآن آ تیا اور پڑھانے والے کا جاتا نہ رہا۔ دیکھو شامی جلد اول بحث دفن میت۔ اسی لئے نابالغ بچے سے ہدیہ لینا منع ہے مگر ثواب لینا جائز ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا، کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ”ہر نفس کے لئے وہ ہی مفید و مضر ہے جو اس نے خود کر لیا۔“

نیز قرآن میں ہے۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى ”انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے۔“

جس سے معلوم ہوا کہ غیر کا کام اپنے لئے مفید نہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لئے قابل بھروسہ اور اپنی ملکیت اپنے ہی عمل ہیں نہ معلوم کہ کوئی اور ایصالِ ثواب کرے یا نہ کرے اس بھروسہ پر اپنے عمل سے غافل نہ رہے (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) یا یہ حکم ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کا تھا نہ کہ اسلام کا، یہاں اس کی نقل ہے، یا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے۔

وَاتبعتم ذريتهم بالايمان یہ ہی عبداللہ ابن عباس کا قول ہے اسی لئے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیلی جنت میں جاویں گے، بغیر عمل درجات پائینگے، دیکھو جمل و خازن یا یہ آیت بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کرتی ہے اسی لئے ان میں کسب و سعی کا ذکر ہے نہ کہ ہر ثواب کا یا یہ ذکر عدل ہے اور وہ فضل غرضکہ اس کی بہت توجیہات ہیں۔

فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ اسی ایصالِ ثواب کی شاخیں ہیں، فاتحہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے اور صدقہ یعنی مالی عبادت کا جمع کر کے ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

پہلا باب

فاتحہ کے ثبوت میں

تفسیر روح البیان نے پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت وَھٰذَا کِتَابٌ" اَنْزَلْنَاہُ مُبَارَکٌ" میں ہے۔

وَعَنْ حَمِیْدِ الْاَعْرَجِ قَالَ مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ وَخَتَمَہٗ ثُمَّ دَعَا اَمَّنَ عَلٰی دُعَائِہٖ اَرْبَعَۃُ الَافِ مَلَکٍ ثُمَّ لَایَزَالُوْنَ یَدْعُوْنَ لَہٗ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ عَلَیْہِ اِلَی الْمَسَاءِ اَوْ اِلَی الصَّبَاحِ

’’حضرۃ اعرج سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرے پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔ شام یا صبح تک۔‘‘

یہ ہی مضمون نووی کی کتاب الاذکار کتاب تلاوت قرآن میں بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایصالِ ثواب بھی دعا ہے لہٰذا اس وقت ختم پڑھنا بہتر ہے۔ اِشعۃ اللمعات باب زیارت القبور میں ہے۔ ’’وتصدق کردہ شود از میت بعد دفن رفتن او از عالم تا ہفت روز۔‘‘ میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جاوے۔ اسی اشعۃ اللمعات میں اسی باب میں ہے بعض روایت آمدہ است کہ روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق کنند از دے یا نہ‘‘ جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اسکی طرف سے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برابر روٹیاں خیرات کرتے ہیں اور ہمیشہ جمعرات کو فاتحہ کرتے ہیں۔ اسکی یہ اصل ہے انوار ساطعہ صفحہ ۱۴۵ اور حاشیہ خزانۃ الروایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال بھر بعد صدقہ دیا۔ یہ تیجہ ششماہی اور برسی کی اصل ہے۔

نووی نے کتاب الاذکار باب دتلاوت القرآن میں فرمایا کہ انس ابن مالک ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا مانگتے۔ حکیم ابن عتبہ فرماتے ہیں کہ ایک مجمع کو مجاہد وعیدہ ابن ابی لبابہ نے بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس لئے لایا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم کر رہے ہیں، اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد سے بروایت صحیح منقول ہے کہ بزرگانِ دین ختم قرآن کے وقت مجمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اُس وقت رحمت نازل ہوتی ہے (نووی کتاب الاذکار) لہٰذا تیجہ و چہلم کا اجتماع سنت سلف ہے۔ درمختار بحث قرأت للمیت باب الدفن میں ہے۔

فِی الْحَدِیْثِ مَنْ قَرَءَ الْاِخْلَاصَ اَحَدَ عَشَرَ مَرَّۃً ثُمَّ وَھَبَ اَجْرَھَا لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِیَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ

’’حدیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھے پھر اسکا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو تمام مردوں کے برابر ثواب ملے گا۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔‘‘

وَیَقْرَءُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاتَیَسَّرَ لَہٗ مِنَ الْفَاتِحَۃِ وَاَوَّلِ الْبَقَرَۃِ وَیَقْرَءُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاتَیَسَّرَ لَہٗ مِنَ الْفَاتِحَۃِ وَاَوَّلِ الْبَقَرَۃِ وَاٰیَۃَ الْکُرْسِیِّ وَاٰمَنَ الرَّسُوْلُ وَسُوْرَۃَ یٰسٓ وَتَبَارَکَ الْمُلْکِ وَسُوْرَۃَ التَّکَاثُرِ وَالْاِخْلَاصِ اِثْنٰی عَشَرَ مَرَّۃً اَوْ اِحْدٰی عَشَرَ اَوْ سَبْعًا اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اَوْصِلْ ثَوَابَ مَاقَرَءْنَاہُ اِلٰی فُلَانٍ اَوْ اِلَیْھِمْ

’’جو ممکن ہو قرآن پڑھے سورہ فاتحہ بقر کی اوّل آیات اور آیۃ الکرسی اور امان رسول اور سورۂ یٰسٓ اور ملک اور سورہ تکاثر اور سورہ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین دفعہ پھر کہے کہ یا اللہ جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا فلاں لوگوں کو پہنچا دے۔‘‘

ان عبارت میں فاتحہ مرّوجہ کا پورا طریقہ بتایا گیا، یعنی مختلف جگہ سے قرآن پڑھنا، پھر ایصال ثواب کی دعا کرنا اور دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت لہٰذا ہاتھ اٹھاوے۔ غرضیکہ فاتحہ مرّوجہ پوری پوری ثابت ہوئی فتاوٰی عزیزیہ صفحہ ۷۵ میں ہے طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمانید برآں قل و فاتحہ و درود خواندان متبرک می شود خوردن بسیا خوب است جس کھانے پر حضرت حسنین کی نیاز کریں اس پر قل اور فاتحہ اور درود پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے، اسی فتاوہ عزیزی یہ صفحہ ۴۱ میں ہے۔ ’’اگر مالیدہ و شیر برائے فاتحہ بزرگے بقصدِ ایصال ثواب بروح ایشاں پختہ ندجائز است مضائقہ نیستِ اگر دودس مالیدہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ایصالِ ثواب کی نیت سے پکا کر کھلاوے تو جائز ہے، کوئی مضائقہ نہیں۔

مخالفین کے پیشوا شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا، چنانچہ اس کا تذکرہ عبدالعزیزی صاحب نے اپنے ملفوظات صفحہ ۸۰ میں اس طرح فرمایا، ’’روز سوم کثرت ہجوم مردم آں قدر بود کہ بیروں از حساب است ہشتاد و یک کلام اللہ بہ شمار آمدہ و زیادہ ہم شدہ باشد و کلمہ را حصر نیست۔‘‘ تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر ہے اکیاسی ختم کلام اللہ شمار میں آئے اور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے کلمہ طیبہ کا تو اندازہ نہیں۔

اس سے تیجہ کا ہونا اور اس میں ختم کلام اللہ کرانا ثابت ہوا۔ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیو بند تحذیر الناس صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں۔ جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہوگیا، آپ نے سبب پوچھا تو بروے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنید نے ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایت میں اس قدر روایات میں اس قدر کلمے کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے، آپ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ دی۔ بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جواب ہشاش بشاش ہے آپ نے سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ ایک لاکھ پانچ ہزار بخشنے سے مردے کی بخشش کی امید ہے اور تیجہ میں چنوں پر یہ ہی پڑھا جاتا ہے۔

ان تمام عبارات سے فاتحہ اور تیجہ وغیرہ کے تمام مراسم کا جواب معلوم ہوا، فاتحہ میں پنج آیت پڑھنا پھر ایصال ثواب کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، تیجہ کے دن قرآن خوانی کلمہ شریف کا ختم، کھانا پکا کر نیاز کرنا سب معلوم ہوگیا، کاٹھیاواڑ میں تو اولاً کھانا فقراء کو کھلا دیتے ہیں پھر بعد میں ایصال ثواب کرتے ہیں اور یوپی و پنجاب اور عرب شریف میں کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب کراتے ہیں، پھر کھلاتے ہیں دونوں طرح جائز ہے اور احادیث سے ثابت ہے، مشکوٰۃ میں بھی بہت سی روایت موجود ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کھانا ملاحظہ فرما کر صاحب طعام کے لئے دعا فرمائی، بلکہ حکم دیا کہ دعوت کھا کر میزبان کو دعا دو اسی طرح مشکوٰۃ باب آداب طعام میں میں ہے کہ حضور علیہ السلام جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرُ مُكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًا عَنْهُ رَبَّنَا جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد دو چیزیں مسنون ہیں، حمد الٰہی کرنا اور صاحب طعام کے لئے دعا کرنا اور فاتحہ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں، اور غالباً اس قدر کا انکار مخالفین بھی نہیں کرتے ہوں گے، رہا کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، اس کی بہت سی حدیث آئی ہیں، مشکوٰۃ باب المعجزات فصل دوم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کچھ خرمے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ اس کے لئے دعائے برکت فرماویں۔

فَضَمَّهُنَّ ثُمَّ دَعَالِيْ فِيْهِنَّ بِالْبَرَكَةِ ”آپ نے ان کو ملایا اور دعائے برکت کی۔“

مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اول میں ہے کہ غزوہ تبوک میں لشکر اسلام میں کھانے کی کمی ہوگئی حضور علیہ اسلام نے تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کے پاس ہو لاؤ، سب حضرات کچھ نہ کچھ لائے دسترخوان بچھایا گیا اس پر یہ سب رکھا گیا۔

فَدَعَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَهِ بِالْبَرْكَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْانِيْ اَوْعِيَتِكُمْ

”پس اس پر دعا فرمائی اور فرمایا کہ اب اس کو اپنے برتنوں میں رکھ لو۔“

اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت زینب رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا حضرت اُمِ سلیم نے کچھ کھانا بطور ولیمہ پکایا لیکن بہت لوگوں کو بلایا گیا۔

فَرَءَ يْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَدَهُ عَلٰى تِلْكَ الْحَرِيْسَةِ وَتَكَلَّمَ بِمَاشَآءَ اللّٰهُ

”اُس کھانے پر دست مبارک رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ پڑھا۔“

اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوہ خندق کے دن کچھ تھوڑا کھانا پکا کر حضور ﷺ کی دعوت کی۔ حضور ﷺ ان کے مکان میں تشریف لائے فَاَخْرَجْتُ لَهٗ عَجِيْنًا فَبَصَقَ فِيْهِ وَبَارَكَ آپ کے سامنے گندھا ہوا آٹا پیش کیا گیا۔ تو اس میں لعاب شریف ڈالا اور دعائے برکت کی، اس قسم کی بہت سی روایات پیش کی جاسکتی ہیں، مگر اتنے پر کفایت کرتا ہوں۔

اب فاتحہ کے تمام اجزاء بخوبی ثابت ہوگئے۔ والحمد للہ۔ عقلاً بھی فاتحہ میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جیسا پہلے مقدمہ میں عرض کیا جاچکا کہ فاتحہ دو عبادتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ تلاوت قرآن اور صدقہ اور جب یہ دونوں کام علٰیحدہ علٰیحدہ جائز ہیں تو ان کو جمع کرنا کیوں حرام ہوگا۔ بریانی کھانا کہیں بھی ثابت نہیں مگر حلال ہے۔ کیوں اس لئے کہ بریانی، چاول، گوشت، گھی وغیرہ کا مجموعہ ہے اور جب اس کے سارے اجزا حلال تو بریانی بھی حلال۔ ہاں جہاں چند حلال چیزوں کا جمع کرنا حرام ہے جیسے کہ دو ہمشیرہ ایک نکاح میں یا چند حلال چیزوں کے ملنے سے کوئی حرام چیز بن جاوے مثلاً مجموعہ میں نشہ پیدا ہوگیا تو یہ مجموعہ اس عارضہ کی وجہ سے حرام ہوگا، یہاں قرآن کی تلاوت اور صدقہ جمع کرنا شریعت نے حرام نہ کیا اور اُن کے اجتماع سے کوئی حرام چیز پیدا نہ ہوئی، پھر یہ کام حرام کیوں ہوگا۔ دیکھو بکری مر رہی ہے اگر ویسے ہی مرجائے تو مردار ہے جہاں اللہ کا نام لے کر ذبح کیا حلال ہوگئی۔

قرآن کریم تو مسلمانوں کے لئے رحمت اور شفاء ہے۔ شَفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ پھر اگر اس کی تلاوت کر دینے سے کھانا حرام ہوجاوے تو قرآن رحمت کہاں رہا زحمت ہوا مگر ہاں مومنین کیلئے رحمت ہے کفار کیلئے زحمت۔ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا اس برے ظالم تو نقصان میں رہتے ہیں کہ اس کے پڑھے جانے سے کھانے سے محروم ہوگئے نیز جس کے لئے دعا کرنا ہو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرنا چاہیے جنازے میں میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں کیونکہ اسی کے لئے دعا ہے اس کو سامنے رکھ لیا اسی طرح سامنے کھانے کو رکھ کر دعا کی تو

کون سی خرابی ہے اسی طرح قبر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر مذبوحہ جانور سامنے رکھ کر پڑھا۔

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ ’’اے اللہ یہ قربانی میری امت کی طرف سے ہے۔‘‘

حضرت خلیل اللہ نے کعبہ کی عمارت سامنے لے کر دعا کی **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا آلایتہ** اب بھی عقیقہ کا جانور سامنے رکھ کر ہی دعا پڑھی جاتی ہے لہذا اگر فاتحہ میں بھی کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب ہو تو کیا حرج ہے۔

بسم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں اور بسم اللہ بھی قرآن شریف کی آیت ہے اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو تو بسم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہیے۔ مانعین کے پیشوا بھی فاتحہ مروجہ کو جائز سمجھتے ہیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں۔ ’’پس دہ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند و حاجت از خدا سوال نمانید۔‘‘ پھر دس بار درود پڑھیں اور پورا ختم کریں اور تھوڑی شیرینی پر تمام تمام خواجگانِ چشت کی فاتحہ دیں پھر خدا سے دعا کریں۔ شاہ ولی اللہ صاحب زبدۃ النصائح صفحہ ۱۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ’’و شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں زندو بخورند مضائقہ نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے داوہ شود اغنیا را ہم خوردن جائز است‘‘ دودھ شاول پر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جاوے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے۔ مولانا اشرف علی و رشید احمد صاحبان کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں، نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں، اس میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب و فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ بمصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء محققین نے جائز رکھا ہے جو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے‘‘ پھر فرماتے ہیں جیسے کہ نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب و زبان کے لئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اگر یہاں بھی زبان سے کہہ لیا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو یہ خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشار’ الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا روبرو لانے لگے، کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا تو جمع بین العبادتین ہے پھر فرماتے ہیں اور گیارہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی۔ دسویں بیسواں، چہلم، ششماہی، سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبد الحق اور سہ منی حضرت شاہ بو علی قلندر اور حلوا شب برات و دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہے۔ پیر صاحب کے اس کلام نے بالکل فیصلہ فرما دیا، الحمد للہ کہ مسئلہ فاتحہ دلائل عقیقۃ نقلیہ اور اقوال مخالفین سے بخوبی واضح ہو گیا، اللہ تعالیٰ قبول کی توفیق دے، آمین۔

دوسرا باب

فاتحہ پر اعتراض و جوابات میں

اس مسئلہ فاتحہ پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات مشہور ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ بہت سے فقہائے تیسرے اور ساتویں روز میت کے لئے کھانا پکانا منع کیا ہے (دیکھو شامی عالمگیری) بلکہ بزازیہ نے تو لکھا ہے **وَبَعْدَ الْاَسْبُوْعِ** یعنی ہفتہ کے بعد بھی پکانا منع ہے۔ اس میں برسی ششماہی چہلم سب شامل ہیں، نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی۔ کہ ’’بعد مردن رسوم دنیاوی و ہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نہ کنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشتہ۔‘‘ نیز حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے، وغیرہ غیرہ۔

جواب فقہائے نے میت کے ایصال ثواب سے منع نہ کیا بلکہ حکم دیا جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز ہی اور ہے وہ ہے میت کے نام پر برادری کی روٹی لینا۔ یعنی قوم کے طعنہ سے بچنے کے لئے جو میت کے تیجے، دسویں وغیرہ میں برادری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ نام و نمود کے لئے ہے اور موت نام و نمود کا وقت نہیں ہے اگر فقراء کو بغرض ایصال ثواب فاتحہ کر کے کھانا کھلایا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی جلد اول کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَيُكْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ مِنْ اَهْلِ الْمَيِّتِ لِاَنَّهٗ شُرِعَ فِي السُّرُوْرِ لَا فِي الشُّرُوْرِ

’’یعنی میت والوں سے دعوت لینا مکروہ ہے کیونکہ یہ تو خوشی کے موقعہ پر ہوتی ہے نہ کہ غم پر۔‘‘

دعوت لینے کے لئے وہ ہی معنی کہ برادری مجبور کرے تو روٹی کر۔ پھر فرماتے ہیں۔

وَھٰذِهِ الْاَفْعَالُ كُلُّهَا لِلسُّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ فَيُحْتَرَزُ عَنْهَا لِاَنَّهُمْ لَا يُرِيْدُوْنَ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ

”یہ سارے کام محض دکھاوے کے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے بچے کیونکہ اس سے اللہ کی رضا نہیں چاہتے۔“

صاف معلوم ہوا کہ فخریہ طور پر برادری کی دعوت منع ہے پھر فرماتے ہیں۔

وَاِنِ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ کَانَ حَسَنًا ”اگر اہل میت نے فقراء کے لئے کھانا پکایا تو اچھا ہے یہ فاتحہ جائز ہے۔“

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا اپنے تیجہ دسویں سے منع فرمانا بالکل درست ہے وہ فرماتے ہیں رسوم دنیاوی جو تیجہ وغیرہ ہے وہ نہ کریں رسوم دنیا کیا ہے عورتوں کا تیجہ وغیرہ کو جمع ہو کر رونا پیٹنا نوحہ کرنا وہ واقعی حرام ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ تعزیت جائز نہیں، اس جگہ ایصال ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں جس کا مقصد یہ ہوا کہ تیجہ وغیرہ میں ماتم نہ کریں تمہارا یہ کہنا کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے ہم نے یہ حدیث کہیں نہ دیکھی اگر یہ حدیث ہو تو ان احادیث کا کیا مطلب ہوگا جن میں مردوں کی طرف سے خیرات کرنے کی رغبت دی گئی ہے نیز تم بھی کہتے ہو کہ بغیر تاریخ مقرر کئے ہوئے مردے کے نام پر خیرات جائز ہے اس خیرات کو کون کھائے گا جو آدمی کھالے اس کا دل مردہ ہو جائیگا تو کیا اس کو ملائکہ کھائیں گے۔

مسئلہ میّت کے فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے، اعلیٰحضرت قدس سرہ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا **جلی الصوت النہی الدعوت عن الموت** بلکہ دیکھنے والے تو کہتے ہیں کہ خود اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کسی اہل میت کے ہاں تعزیت کیلئے تشریف لے جاتے تو وہاں پان حقہ وغیرہ بھی نہ استعمال فرماتے تھے، اور خوب وصایا شریف میں وصیت موجود ہے کہ ہماری فاتحہ کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے نیز اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہے تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حصہ سے فاتحہ نہ کی جاوے یعنی اولا مال میت تقسیم ہو جاوے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور خیر کرے، ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا جائز نہیں یہ ضرور خیال رہے۔

اعتراض نمبر ؟ فاتحہ کے لئے تاریخ مقرر کرنا جائز ہے گیارہویں تاریخ یا تیسرا، دسواں بیسواں، چہلم اور برسی وغیرہ یہ دن کی تعیین محض لغو ہے قرآن فرماتا ہے وَهُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ مسلمان لغو کاموں سے بچتے ہیں، بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو ایصال ثواب کرو، تیسرے دن کا انتظار کیا؟ نیز تیجہ کیلئے چنے مقرر کرنا وہ بھی بھنے ہوئے یہ محض لغو اور بیہودہ ہے اس لئے تیجہ وغیرہ کرنا منع ہے۔

جواب مقرر کرنے کا جواب تو ہم قیام میلاد کی بحث میں دے چکے ہیں کسی جائز کام کے لئے دن تاریخ مقرر کرنے کا محض یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقرر دن پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور مل کر یہ کام کریں گے اگر کوئی وقت مقرر ہی نہ ہو تو بخوبی یہ کام نہیں ہوتے اسی لئے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے وعظ کیلئے جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا، لوگوں نے عرض کیا کہ روزانہ وعظ فرمایا کیجئے فرمایا کہ تم کو تنگی میں ڈالنا مجھ کو پسند نہیں۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب العلم) بخاری نے تو باری مقرر کرنے کا باب باندھا، یہ محض آسانی کے لئے ہوتا ہے آج بھی مدارس کے امتحان جلسے، تعطیلات کے مہینہ اور تاریخیں مقرر ہوتی ہیں کہ لوگ ہر سال بغیر بلائے ان تاریخوں پر پہنچ جاویں، صرف یہ ہی مقصد ان کا بھی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ ہی تاریخیں مقرر کیوں کیں تو سنیئے! گیارہویں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ سلاطین اسلامیہ کے تمام محکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی اور ملازمین کا خیال یہ تھا کہ ہماری تنخواہ کا پہلا پیسہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاتحہ پر خرچ ہو، لہٰذا جب وہ شام کو دفتر سے گھر آئے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد نماز مغرب فاتحہ دیتے یہ شب گیارہویں شریف کی ہوتی تھی، یہ رواج ایسا پڑا کہ مسلمانوں میں ایسا کہ مسلمان میں اس فاتحہ کا نام گیارہویں شریف ہوگیا، اب جس تاریخ کو بھی حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاتحہ کریں، یا کچھ پیسہ ان کے نام پر خرچ کریں، اس کا نام گیارہویں ہوتا ہے یوپی اور کاٹھیاواڑ میں ماہ ربیع الآخر میں سارے ماہ فاتحہ ہوتی ہے مگر نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔

نیز بزرگوں کے بڑے بڑے واقعات دسویں تاریخ کو ہوئے جس کے بعد گیارہویں رات آتی ہے، آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا، ان کی توبہ قبول ہونا، نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا، اسمٰعیل علیہ السلام کا ذبح سے نجات پانا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے ملنا، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا ایوب علیہ السلام کا شفایاب پانا، امام حسین کا شہید ہونا اور سیّد الشہدا کا درجہ پانا سب دسویں تاریخ کو واقع ہوئے۔ اس کے بعد جو پہلی رات آئی وہ گیارہویں تھی لہٰذا یہ رات متبرک ہے اسی لیئے گیارہویں کی فاتحہ اکثر شب گیارہویں میں ہوتی ہے کیونکہ متبرک راتوں میں صدقہ و خیرات وغیرہ کرنا چاہیے۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے بلکہ خوب میرا بھی تجربہ ہے کہ اگر گیارہویں تاریخ کو کچھ مقرر پیسوں پر فاتحہ پابندی سے کی جاوے تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔ میں بحمدہٖ تعالیٰ اس کا بہت سختی سے پابند ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھتا ہوں کتاب یازدہ مجلس میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارہویں بارہ تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے، ایک بار خواب میں سرکار ﷺ نے فرمایا کہ عبدالقادر تم نے بارہویں سے ہم کو یاد کیا ہم تم کو گیارہویں دیتے ہیں یعنی لوگ گیارہویں سے تم کو یاد کریں گے۔ اسی لئے ربیع الاوّل میں عموماً میلاد مصطفی ﷺ کی محفل ہوتی ہے تو ربیع الثانی میں حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی گیارہویں چونکہ یہ سرکاری عطیہ تھا اس لئے تمام دنیا میں پھیل گیا لوگ تو شرک و بدعت کہہ کر گھٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کی ترقی ہوتی گئی۔

تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹا
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

تیجہ کے لئے تیسرا دن مقرر کرنے میں بہت مصلحت ہے پہلے دن تو لوگ میت کی تجہیز و تکفین میں مشغول رہتے ہیں دوسرے دن آرام کرنے کے لئے خالی چھوڑا گیا تیسرے دن عام طور پر جمع ہو کر فاتحہ قل وغیرہ پڑھتے ہیں یہ تیسرا دن تعزیت کا آخری دن ہے کہ اس کے بعد تعزیت کرنا منع ہے، الا للغائب عالمگیری کتاب الجنائز کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَوَقْتُهَا مِنْ حِيْنَ يَمُوْتُ اِلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَيُكْرَهُ بَعْدَهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُعَزِّىْ اَوِالْمُعَزّٰى اِلَيْهِ غَائِبًا

''اور ماتم پرسی کا وقت مرنے کے وقت سے تین دن تک ہے اس کے بعد مکروہ ہے مگر یہ کہ تعزیت دینے والا یا لینے والا غائب ہو۔''

آج تک تو لوگ تعزیت کے لئے آتے رہے اب نہ آئیں گے تو کچھ ایصال ثواب کر کے جاویں نیز باہر کے پردیسی خویش و اقربا بھی اس فاتحہ میں شرکت کر لیتے ہیں کہ تین دن میں مسافر بھی اپنے گھر پہنچ سکتا ہے۔

چہلم برسی وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا منشاء ہے کہ سال بھر تک میت کو وقتاً فوقتاً ثواب پہنچاتے رہیں کیونکہ بعد مرنے کے اوّل اوّل مردے کا دل اپنے دوست اور احباب سے لگا رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ بالکل ادھر سے بے تعلق ہو جاتا ہے لڑکی کا نکاح کر کے سسرال بھیجتے ہیں تو اولاً جلد از جلد اس کو بلانا چلانا ہدیہ وغیرہ بھیجنا جاری رہتا ہے پھر جس قدر زیادہ مدت گزری یہ کام بھی کم ہوتے گئے کیونکہ شروع میں وہاں دل جمعی اس کو حاصل نہیں اس کی اصل حدیث سے بھی ملتی ہے بعد دفن کچھ دیر قبر پر کھڑا ہو کر ایصال ثواب اور تلقین سے میت کی مدد کرنے چاہئے حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد دفن تھوڑی دیر میری قبر پر کھڑا رہنا تا کہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگ جاوے اور نکیرین کو جواب دے لوں چنانچہ مشکوٰۃ باب الدفن میں ان کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِىْ حَتّٰى اَسْتَاْنِسَ بِكُمْ اُجِيْبَ مَا ذَا اُرَاجِعُ رُسُلَ رَبِّىْ

اسی لئے جلد از جلد اس کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی پارہ عَمَّ وَالْقَمَرَ اِذَا نْشَقَّ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اوّل حالتے کہ بمجرد جدا شدن روح از بدن خواہد شد فی الجملہ اثر حیات سابقہ والفت تعلق بدن و دیگر معروفاں از ابناء جنس خود باقی است و آں وقت است و آں وقت گویا برزخ است کہ چیزے ازاں طرف و چیزے ازیں طرف مدد زندگاں بمردگان دریں حالت زود تر می رسد و مردگان منتظر لحوق مدد ازیں طرف مے باشند صدقات و ادعیہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار او می آید و ازیں است کہ طوائف بنی آدم تا یک سال وعلی الخصوص یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند مردے کی پہلی حالت جو کہ فقط جسم سے روح نکلنے وقت ہے اس میں کچھ نہ کچھ پہلی زندگی کا اثر اور بدن اور اہل قرابت سے تعلق باقی ہوتا ہے یہ وقت گویا برزخ ہے کچھ ادھر اُدھر اور کچھ اس طرف اس حالت میں زندوں کی مدد مردوں کو بہت جلد پہنچتی ہے اور دوسرے اس مدد پہنچنے کے منتظر ہوتے ہیں اس زمانہ میں صدقہ دعائیں فاتحہ اس کے بہت ہی کام آتی ہے اسی وجہ سے تمام لوگ ایک سال تک خاص کر موت کے بعد چالیس روز تک اس قسم کی مدد پہنچانے میں بہت کوشش کرتے ہیں یہ ہی حال زندوں کا بھی ہوتا ہے کہ اوّل اوّل بہت غم پھر جس قدر وقت گزرتا گیا رنج کم ہوتا گیا تو منشاء یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر آدھے پر صدقہ کریں سال پر برسی اس کے نصف پر ششماہی سا کے نصف پر سہ ماہی کی فاتحہ اس کے بعد نصف یعنی ۴۵ دن فاتحہ ہونی چاہئے تھی مگر چونکہ چالیس کا عدد روحانی اور جسمانی ترقی کا ہے اس لئے چہلم مقرر کیا گیا پھر اس کا آدھا بیسواں پھر اس کا آدھا دسواں۔

چالیس میں کیا ترقی ہے ملاحظہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال تک ایک حالت میں رہا۔ پھر چالیس سال میں وہ خشک ہوا، ماں کے پیٹ میں بچہ چالیس روز تک نطفہ پھر چالیس روز تک جما ہوا خون، پھر چالیس روز تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (دیکھو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر) پیدا ہونے کے بعد چالیس روز تک ماں کو نفاس آ سکتا ہے، پھر چالیس سال کی عمر میں پہنچ کر عقل پختہ ہوتی ہے اسی لئے اکثر انبیائے کرام کو چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت دی گئی۔ صوفیائے کرام وظیفوں کے لئے چلے یعنی چالیس چالیس روز مشقتیں کرتے ہیں تو ان کو روحانی طاقت ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم ہوا کہ وہ طور پر آ کر چالیس روز اعتکاف کرو تب تورات دی گئی۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰىٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً انوار ساطعہ نے بیہقی کی روایت سیدنا انس سے بیان کی۔ بحث چہلم کہ اِنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَا يُتْرَكُوْنَ فِىْ قُبُوْرِهِمْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً وَّلٰكِنْ هُمْ يُصَلُّوْنَ بَيْنَ يَدَىِ اللّٰهِ حَتّٰى يُنْفَخَ فِى الصُّوْرِ اس حدیث کے معنی زرقانی شرح مواہب نے یوں بیان کئے کہ انبیاء کرام کی روح کا تعلق اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے بعد ازاں وہ روح قرب الٰہی میں عبادت کرتے ہے اور جسم کی شکل میں ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے عوام میں تو یہ مشہور ہے کہ چالیس دن تک میت کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے ممکن ہے کہ اُس چالیس دن پر فاتحہ کی جاوے اور اس کی ممانعت ہے نہیں۔

تیجہ کے متعلق مختلف رواج ہیں کاٹھیاواڑ میں علی العموم تیسرے دن صرف قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں، پنجاب میں عام طور پر تیسرے دن دودھ اور کچھ پھل پر فاتحہ کرتے ہیں، یو پی میں تیسرے دن قرآن خوانی بھی کرتے ہیں اور بھنے ہوئے چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں ہم پہلے

باب میں مولوی محمد قاسم صاحب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کو ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھ کر بخشنے سے اس کی مغفرت ہوتی ہے اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ تو ایک لاکھ کلمہ طیبہ پڑھنے والے کے لئے ہے اگر اتنی تسبیحیں یا اس قدر گھٹلیاں یا کنکریاں جمع کی جائی تو اس میں وقت ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے یہاں موت پر لاکھ کنکریاں جمع کرتا پھرے اس لئے چنے اختیار کر لیے کہ ام میں کلمہ کا شمار بھی ہے اور بعد میں صدقہ بھی بھنے ہوئے اس لئے تجویز ہوئے کہ کچے چنے لوگ پھینک دیں گے یا گھوڑوں کا دانہ بنادیں گے اس میں بے حرمتی ہے بھنے ہوئے چنے صرف کھانے ہی کے کام آجاویں گے۔

اعتراض نمبر ۳ فاتحہ وغیرہ میں ہنود سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیرھویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے لہٰذا یہ فاتحہ منع ہے۔

جواب کفار سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ بُری باتوں میں مشابہت منع ہے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی علامت بن چکا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں جیسے کہ دھوتی، چوٹی زنار، ہیٹ وغیرہ ورنہ ہم بھی آب زمزم مکہ معظمہ سے لائے ہیں ہندو بھی گنگا سے گنگا جل لاتے ہیں ہم بھی منہ سے کھاتے اور پاؤں سے چلتے ہیں کفار بھی۔ حضور علیہ السلام نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا حالانکہ اس میں مشابہت یہود تھی، پھر فرمایا کہ اچھا ہم دو روزے رکھیں گے، کچھ فرق کر دیا مگر اس کو بند نہ کیا۔ اسی طرح ہماری یہاں کلمہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں یہ نہیں ہوتا، پھر مشابہت کہاں رہی؟ اسکی بحث شامی باب مکروہات الصلوۃ میں دیکھو ہاں جو کام مشابہت کفار کی نیت سے کئے جاویں وہ منع ہیں، فاتحہ کی پوری بحث انوار ساطعہ میں دیکھو۔

اعتراض نمبر ٤ اگر فاتحہ میں بدنی و مالی عبادت کا اجتماع ہے تو چاہئے نجس چیز خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھ لیا کرو لہٰذا اوپلہ (گوبر) وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کرو، جب چوہڑا پاخانہ اٹھائے تو تم فاتحہ پڑھ کر اسے گھر سے باہر جانے دو۔ (دیوبندی تہذیب)

جواب نجس چیز پر اور نجس جگہ تلاوتِ قرآن حرام ہے لہٰذا ان کی خیرات نہیں کر سکتے، ڈکار پر الحمد للہ پڑھتے ہیں، نہ کہ ریح نکلنے پر کہ وہ نجس اور ناقص وضو ہے اسی طرح چھینک پر الحمد اللہ کہتے ہیں نہ کہ نکسیر پر۔

بحث دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب اس دعا کے ثبوت میں اور دوسرا باب اس پر اعتراضات وجوابات میں۔

پہلا باب

دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں

مسلمان کے مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نماز جنازہ سے پہلے، نماز جنازہ کے بعد، دفن سے پہلے، دفن کے بعد۔ ان تین حالتوں میں میت کے لئے دعا کرنا۔ ایصال ثواب کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ ہاں میت کے غسل سے پہلے اگر اس کا پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا ہو تو اس کو ڈھک دیں کیونکہ ابھی وہ ناپاک ہے۔ جب غسل دے دیا پھر ہر طرح قرآن پڑھیں۔ مخالفین نماز سے پہلے اور دفن کے بعد تو دعا وغیرہ کرنا جائز مانتے ہیں۔ مگر بعد نماز دفن سے پہلے دعا کو ناجائز، حرام، بدعت، شرک نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اسی کی جگہ تحقیق ہے۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازہ فصل ثانی میں ہے۔

اِذَا صَلَّیتُم عَلَی المَیِّتِ فَاَخلِصُوا لَهُ الدُّعَآءَ ”جب تم میت پر نماز پڑھ لو۔ تو اس کیلئے خالص دعا مانگو۔“

فَ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جاوے بلا تاخیر۔ جو لوگ اس کے معنے کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لئے دعا مانگو وہ ف کے معنیٰ سے غفلت کرتے ہیں۔ صلیتم شرط ہے۔ اور **فَاَخلِصُوا** اس کی جزا۔ شرط اور جزا میں تغایر چاہیئے نہ یہ کہ اس میں داخل ہو۔ پھر صلیتم ماضی ہے اور **فَاَخلِصُوا** ہے امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد جیسے **فَاِذَا طَعِمتُم فَانتَشِرُوا** میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان اور **اِذَا قُمتُم اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغسِلُوا وُجُوھَکُم** میں نماز کے لئے اٹھنا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ الی سے معلوم ہوا۔ لہذا یہاں بھی وضو ارادہ نماز کے بعد ہی ہوا اور ف سے تاخیر ہی معلوم ہوئی۔ حقیقی معنیٰ کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنیٰ مراد لینا جائز نہیں اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے۔

قَرَءَ عَلَی الجَنَازَۃِ بِفَاتِحَۃِ الکِتَابِ ”حضور علیہ السلام نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔“

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔ ”واحتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ آلان متعارف است۔“ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورہ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ آج کل رواج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی رواج تھا کہ نماز جنازہ کے آگے اور بعد سورہ فاتحہ وغیرہ برکت کے لئے پڑھتے تھے اور حضرت شیخ نے اس کو منع نہ فرمایا بلکہ حدیث پر اس کو محمول کیا۔

فتح القدیر کتاب الجنائز فصل صلوٰۃ الجنازہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوہ موتہ کی خبر دی اور اسی اثناء میں جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی **فَصَلَّ عَلَیهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ وَدَعَالَه وَقَالَ اِستَغفِرُوالَه** پس اس پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ دعا کے واؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی۔ مواہب الدنیہ جلد دوم القسم الثانی **فِیمَا اَخبَرَ مِنَ الغُیُوبِ** میں یہ ہی واقعہ نقل فرما کر کہا **اِستَغفِرُوا اِستَغفِرُولَه** اسی طرح عبداللہ ابن رواحہ پر بعد نماز دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ دعائے مغفرت جائز ہے۔

منتخب کنز العمال کتاب الجنائز میں ابراہیم ہجری کی روایت ہے۔

قَالَ رَءَیتُ ابنَ اَبِی اَوفٰی وَکَانَ مِن اَصحٰبِ الشَّجَرَۃِ مَاتَت اِبنَتَه اِلٰی اَن قَالَ ثُمَّ کَبَّرَ عَلَیهَا اَربَعًا ثُمَّ قَامَ بَعدَ ذٰلِکَ قَدرَ مَابَینَ التَّکبِیرَتَینِ وَقَالَ رَءَیتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَصنَعُ ھٰکَذَا

”میں ابن ابی اوفیٰ کو دیکھا یہ بیعت الرضوان والے صحابی ہیں کہ ان کی دختر کا انتقال ہوا پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کی بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔“

بیہقی میں ہے۔

وَعَنِ الْمُسْتَظِلِّ ابنِ حصَینٍ اَنَّ عَلِیًّا صَلّٰی عَلٰے جَنَازَۃٍ بَعدَ مَاصَلّٰے عَلَیہِ

’’مستظل ابن حصین سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعا مانگی۔‘‘

موطا الکبریٰ میں ہے۔

یَقُولُ ھٰکَذَا کُلَّمَا کَبَّرَ وَاِذَا کَانَ التَّکبِیرُ الاٰخِرُ قَالَ مَثلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَقُولُ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ

’’ہر تکبیر پر اسی طرح کہے کہ جب آخری تکبیر ہو تو اسی طرح کہے پھر کہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ درود شریف پڑھے۔ کشف الغطا میں ہے ’’فاتحہ و دعا برائے میت پیش از دفن درست است وہمیں است روایت معمولہ کذانی خلاصۃ الفتح ’’میت کے لئے فاتحہ اور دعا مانگنا دفن سے پہلے درست ہے اسی روایت پر عمل ہے۔ اسی طرح خلاصۃ الفتح میں ہے۔

مبسوط شمس الائمہ سرخسی جلد دوم صفحہ ۶۷ باب غسل المیت میں روایت ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا۔

اِن سَبَقتُمُو نِی بِالصَّلوٰۃِ عَلَیہِ فَلَا تَسبِقُونِی بِالدُّعَاءِ

’’اگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعا میں تو مجھ سے آگے نہ بڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کرلو۔‘‘

اسی مبسوط میں اسی جگہ یعنی باب غسل المیت میں ابن عمر و عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہم سے ثابت کیا کہ ان حضرات نے دعا بعد نماز جنازہ کی اور فلا تسبقوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا پر صحابہ کرام کا عمل تھا۔ مفتاح الصلوٰۃ صفحہ ۱۱۲ مصنفہ مولانا فتح محمد صاحب برہان پوری میں ہے۔ ’’چوں از نماز فارغ شوند مستحب است کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ بقرتا مفلحون طرف سر جنازہ وخاتمہ بقرا امن الرسول طرف پائیں بخواند کہ در حدیث وارد است ودر بعض حدیث از دفن واقعہ شدہ ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز است۔ ’’جب نماز جنازہ سے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی اور صالح آدمی سورہ بقرہ کا شروع کا رکوع مفلحون تک جنازے کے سرہانے اور سورہ بقر کی آخری آیات امن الرسول میت کی بائیں طرف پڑھے کہ حدیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں دفن کے بعد واقعہ ہوا میسر ہو تو دونوں وقت پڑھے جائز ہے۔ زاد الآخرت میں نہر فائق شرح کنز الدقائق اور بحر ذخار سے نقل فرمایا۔

بعد از سلام بخواند۔ اَللّٰھُمَّ لَا تُحرِمنَا اَجرَہ وَلَا تَفتِنَا بَعدَہ واغفِرلَنَا وَلَہ.

’’سلام کے بعد پڑھے کہ اے اللہ ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کرو اور اسکے بعد فتنہ میں مبتلا نہ کرو اور ہماری اور اسکی مغفرت فرما۔‘‘

طحطاوی میں ہے۔

وَاِنَّ اَبَا حَنِیفَۃَ اَمَّا مَاتَ فَخُتِمَ عَلَیہِ سَبعُونَ اَلفًا قَبلَ الدَّفنِ.

’’جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان پر دفن سے پہلے ستر ہزار ختم قرآن ہوئے۔‘‘

کشف الغمہ، فتاوی عالمگیری، شامی باب الدفن بحث تعزیت میں ہے۔ وَھِیَ بَعدَ الدَّفنِ اَولیٰ مِنھَا قَبلَہ تعزیت کرنا دفن کے بعد دفن سے پہلے تعزیت کرنے سے بہتر ہے اسی جگہ شامی اور عالمگیری نے یہ بھی فرمایا وَھٰذَا اِذَا لَم یُرَمِنھُم جَزعٌ شَدِیدٌ وَّاِلَّا قُدِّمَت یہ جب ہے جبکہ ان ورثا میں سخت گھبراہٹ نہ ہو ورنہ تعزیت دفن سے پہلے کی جاوے۔

حسن ظہریہ میں ہے۔

وَھِیَ بَعدُ الدَّفنِ اَولیٰ مِنھَاقَبلَہ ’’دفن کے بعد تعزیت کرنا دفن سے پہلے تعزیت افضل ہے۔‘‘

میزان کبریٰ مصنفہ امام شعرانی میں ہے۔

قَالَ اَبُو حَنِیفَۃَ وَالثَّورِیُّ اَنَّ التَّعزِیَۃَ سُنَّۃٌ قَبلَ الدَّفنِ لَا بَعدَہ لِاَنَّ شِدَّۃَ الحُزنِ تَکُونُ قَبلَ الدَّفنِ فَیُعَزّٰے وَیَدعُوالَہ

’’امام ابوحنیفہ اور امام ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تعزیت کرنا دفن سے پہلے سنت ہے نہ کہ بعد کیونکہ زیادتی رنج دفن سے پہلے ہوتی ہے پس تعزیت کرے اور اس کے لئے دعا کرے۔‘‘

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ دفن سے پہلے خواہ نماز سے بھی پہلے ہو یا نماز کے بعد تعزیت کرنا جائز بلکہ مسنون ہے اور تعزیت میں میت و پسماندگان کے لئے دعائے اجر و صبر ہی تو ہوتی ہے۔ عقل کا بھی تقاضا ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا جائز ہو۔ کیونکہ نماز جنازہ ایک حیثیت سے تو دعا ہے میت سامنے رکھا گیا ہے اور اسمیں رکوع سجدہ التحیات وغیرہ نہیں ہے اور ایک حیثیت سے نماز ہے۔ اسی لئے اس میں غسل وضو ستر عورت قبلہ کو منہ ہونا جگہ اور

کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اور جماعت مسنون۔ اگر یہ محض دعا ہوتی تو نماز کی طرح یہ شرائط اس میں کیوں ہوتیں اور دعاؤں کی طرح یہ بھی ہر طرح ادا ہو جایا کرتی۔ ماننا پڑے گا کہ ایک حیثیت سے یہ نماز بھی ہے اور ہر نماز کے بعد مسنون ہے اور زیادہ قابل قبول چنانچہ۔

مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

قِیلَ یَا رَسُولَ اللہِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسمَعُ قَالَ جَوفَ اللَّیلِ الاٰ خِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ المَکتُوبَاتِ

"حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ فرمایا کہ آخر رات کے درمیانی حصہ میں اور فرض نمازوں کے پیچھے اور نماز جنازہ بھی فرض نماز ہے پھر اس کے بعد کیوں دعا نہ کی جاوے؟ نیز دعا مانگنے کی ہر وقت اجازت دی گئی ہے اور بہت تاکید فرمائی گئی ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الدعوات میں ہے کہ اَلدُّعَاءُ ھُوَ العبَادَۃُ اسی جگہ یہ بھی ہے۔ اَلدُّعَآءَ مَعَّ العِبَادَۃِ دعا عبادت بھی ہے یا دعا اصل عبادت دعا مانگنے کے لئے کوئی وقت وغیرہ کی پابندی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے تو دعا جائز اور دفن کے بعد بھی جائز مگر نماز کے بعد اور دفن سے پہلے حرام؟ نماز جنازہ بھی کوئی جادو ہے کہ اس کے پڑھتے ہی دعا کرنا۔ ایصال ثواب کرنا سب حرام اور دفن میت اس جادو کا اتار ہے کہ دفن ہوا اور سب جائز ہو گیا۔ لہذا ہر وقت دعا اور ایصال ثواب جائز ہے کسی وقت کی پابندی نہیں۔

دوسرا باب

اس دعا پر اعتراضات وجوابات میں

اس پر صرف چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں۔

اعتراض۱ وہ ہی پرانا یاد کیا ہوا سبق کہ یہ دعا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

جواب یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول وفعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ فقہا نے اس کی اجازت دی۔ جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت ہے تو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی بحث۔

اعتراض۲ نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے پہلی دعا کافی ہو چکی۔

جواب یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز پنجگانہ میں دعا ہے۔ نماز استخارہ۔ نماز کسوف اور نماز استسقاء سب دعاء کے لئے ہیں مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں اَکثِرُ والدُّعَآءَ دعا زیادہ مانگو۔ دعاء کے بعد دعا مانگنا زیادہ عام ہے تیسرے اس لئے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے اگر میت کے ولی نے نماز نہ پڑھی اوروں نے پڑھ لی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال مبارک دوشنبہ کو ہوا اور دفن شریف چہار شنبہ کو (شامی کتاب الصلوٰۃ باب الامت) اور ان دو روز میں لوگ جماعت جماعت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کیونکہ اب تک صدیق اکبر نے جو کہ ولی تھے نہ پڑی تھی۔ پھر جب آخر دن حضرت صدیق نے نماز پڑھ لی۔ اب تا قیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ حضور علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھے (دیکھو شامی باب صلوٰۃ الجنازہ بحث ومن احق بالامامت) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی۔ وہ ادا ہو گئی۔ یہ دوبارہ نمازیں کیسی ہو رہی ہیں؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ کھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے وہ پانی ہی سے پکا ہے۔

اعتراض۳ چونکہ دعا مانگنے کی وجہ سے دفن میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہذا یہ دعا بھی حرام ہے۔

جواب یہ اعتراض بھی محض لغو ہے اولاً تو اس لئے کہ آپ تو اس دعا کو بہر حال منع کرتے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع ورنہ نہیں۔ تو بتاؤ کہ اگر ابھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہو گئی۔ اب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ تیاری قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لئے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ۔ مشکل سے خرچ ہوتے ہیں۔ اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو راستہ میں آہستہ لے جانے اور غسل کا کام آہستہ آہستہ انجام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے اگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل وکفن دینے والے نہایت بدحواسی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھودنے والے مشین کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو لے جانے والے انجن کی رفتار بھاگتے ہوئے جاویں اور فوراً پھینک کر آجاویں۔ تیسرے اس لئے کہ ہم پہلے باب میں حوالے دے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کی تعزیت کرنا۔ انکو تسلی وتشفی دینا جائز بلکہ سنت ہے۔ خواہ بعد نماز کرے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کام کے لئے جائز ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف دوشنبہ کو اور دفن چارشنبہ کو ہوا۔

علامہ شامی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وَهٰذِهِ السُّنَّةُ بَاقِيَةٌ اِلَى الْاٰنِ لَمْ يُدْفَنْ خَلِيفَةٌ حَتّٰى يَوَلّٰى غَيرُه

’’یہ سنت اب تک باقی ہے کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرا خلیفہ نہ بن جائے۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدرے جائز ہے کہ خلیفہ بنانا دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں دیر کردی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی نمازی آخر میں ملے تو وہ دعا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ لیکن اگر نماز کے بعد فوراً نعش اٹھالی جائے تو یہ شخص دعا پوری نہ کر سکے گا کہ اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ لہذا دعا بعد جنازہ میں مسبوق نمازیوں کی بھی رعایت ہے۔ اگر اس کے لئے ایک غیر محسوس سی تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچویں اس لئے کہ دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن انتقال ہوگیا تو نماز جمعہ کا انتظار نہ کرے بلکہ ممکن ہو تو قبل جمعہ ہی دفن کرلے یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شرک ہے۔ کفر ہے معاذ اللہ۔

اعتراض٤ نماز جنازے کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔

لَا يَقُومُ دَاعِيًا لَه ’’نماز کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا رہے۔‘‘

ذخیرہ کبریٰ اور محیط میں ہے۔ لَايَقُومَ بِالدُّعَآءِ بَعْدَ صَلوٰةِ الْجَنَازَةِ ’’نماز جنازے کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا رہے۔‘‘

عالمگیری میں ہے۔ لَايَدعُوابَعدَه فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ ’’اس کے بعد دعا نہ کرے ظاہر مذہب میں۔‘‘

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ وَلَا يَدعُوا لِلْمَيِّتِ بَعْدَ صَلوٰةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّه يَشبَهُ الزِّيَادَةَ فِي صَلوٰةِالْجَنَازَةِ

’’نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کرنیکے مشابہ ہے۔‘‘

کشف الغطاء میں ہے کہ قائم نہ شود بعد از نماز برائے دعا۔ ’’نماز کے بعد دعا کے لئے کھڑا نہ رہے۔‘‘

جامع الرموز میں ہے۔ وَلَا يَقُومُ بالدُّعَآءِ بَعْدَ صَلوٰةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّه يَشبَه الزِّيَادَةَ

’’نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا رہے کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔‘‘

ابن حامد سے مروی ہے۔ اِنَّ الدُّعَآءَ بَعْدَ صَلوٰةِالْجَنَازَةِ مَكْرُوهٌ ’’نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔‘‘

جامع رموز میں ہے۔ وَلَا يَقُوم بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلوٰةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّه يَشبَه الزِّيَادَةَ

’’نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہو کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔‘‘

ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔

جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرا تفصیلی اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ اسی لئے نماز جنازہ جمعہ کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔ تیسرے یہ کہ اسی طرح صف بستہ بحیثیت نماز دعا کی جاوے کہ دیکھنے والا سمجھے نماز ہو رہی ہے یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہذا اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے یہ وجوہ اس لئے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ اقوال احادیث مذکورہ اور صحابہ کرام کے قول و عمل کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف الغطاء کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے۔ لِاَنَّه يَشبَه الزِّيَادَةَ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں زیادتی کا دھوکا ہو۔ وہ یہ ہی ہے کہ صف بستہ کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صف توڑ دی یا بیٹھ گئے تو حرج نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوف توڑ کر سنتیں پڑھیں تاکہ کسی کو دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے (دیکھو شامی اور مشکوٰۃ شریف باب السنن) تو اس سے لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

وَلَيسَ بَعْدَ التَّكبِيرِ الرَّابِعَةِ قَبلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ ’’چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں۔‘‘

یعنی نماز جنازہ میں پہلے تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جاوے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔

چنانچہ بدائع، کفایہ عنایہ میں ہے۔ لَیسَ بَعدَ التَّکبِیرِ الرَّابِعَتِہ قَبلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ ابوبکر ابن حامد کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قنیہ کی عبارت ہے مگر قنیہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس پر فتوٰی نہیں دیا جاتا۔ مقدمہ شامی بحث رسم المفتی میں ہے کہ صاحب قنیہ ضعیف روایات بھی لیتا ہے۔ اس سے فتوٰی دینا جائز نہیں وہ فرماتے ہیں۔

اَولِنَقلِ الاَقوَالِ الضَّعِیفَتِہ فِیھَا کَالقُنیَتِہ لِلزَّاھِدِیِّ فَلَا یَجُوزُ الافتَاءُ مِن ھٰذِہٖ

اعلیٰحضرت قدس سرہ نے بذل الجوائز میں فرمایا کہ قنیہ والا معتزلی بدمذہب ہے اور اگر قنیہ کی یہ عبارت صحیح مان بھی لی جائے تو خود مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہے تو بعد دفن بھی دعا نا جائز ہونا چاہیئے کیونکہ یہ وقت بھی تو نماز کے بعد ہی ہے غرضکہ کوئی بھی عبارت آپکے موافق نہیں۔ دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ سنت ہے۔

بحث مزارات اولیاء اللہ پر گنبد بنانا

مسلمان دو طرح کے ہیں ایک تو عام مومنین۔ دوسرے علماء مشائخ اولیاء اللہ جن کی تعظیم و توقیر درحقیقت اسلام کی تعظیم ہے۔ عامۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا ان پر قبہ وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لئے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تاکہ اس کا نشان نہ مٹ جائے فاتحہ وغیرہ پڑھی جاسکے جائز ہے۔ اور علماء مشائخ عظام اولیاء اللہ جن کے مزارات پر خلقت کا ہجوم رہتا ہے لوگ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی و فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے آسائش اور صاحب قبر کی اظہار عظمت کے لئے اس کے آس پاس سایہ کے لئے قبہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ سنت صحابہ سے ثابت ہے اور جن عوام مومنین کی قبریں پختہ بنانا یا ان پر قبہ بنانا منع ہے اگر ان کی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو ان کو گرانا حرام ہے پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے آخر کے دو مسئلوں میں اختلاف اس لئے ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب

مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ تین امور ہیں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا۔ دوسرے قبر ولی کو قدر سنت یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا۔ تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنا دینا۔ پھر قبر کو پختہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت سے ملا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ اوپر نظر آتا ہے اسکو پختہ کرنا۔

قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ اینٹ سے پختہ کرنا۔ وہاں لکڑی لگانا منع ہے ہاں اگر وہاں پتھر یا سیمنٹ لگایا جاوے تو جائز ہے کیونکہ لکڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامۃ المسلمین کے لئے منع ہے اور خاص علماء مشائخ کے لئے جائز ہے۔

قبر کا تعویذ ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے اور اگر آس پاس چبوترہ اونچا کر کے اس پر تعویذ بقدر ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے۔

قبر کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عامۃ المسلمین کی قبروں پر تو منع ہے۔ اور فقہاء علماء کی قبروں پر جائز۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱) مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب الدفن میں بروایت ابو داؤد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان ابن مظعون کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا۔ اور فرمایا کہ اَعلَمُ بِهَا قَبرَ اَخِي و اُدفِنُ اَلیهِ مَن مَّاتَ مِن اَهلي ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔

۲) بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں تعلیقاً ہے حضرت خارجہ فرماتے ہیں۔ ہم زمانہ عثمان میں تھے۔

اَنَّ اَشَدَّنَا وَثبَۃً الَّذِی یَثِبُ قَبرَ عُثمَانَ ابنِ مَظعُونٍ حَتّیٰ یُجَاوِزَہ

''ہم میں بڑا کودنے والا وہ تھا جو عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔''

مشکوٰۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا اور دونوں روایات اس طرح جمع ہوسکتی ہیں کہ مشکوٰۃ میں جو آیا کہ قبر کے سرہانے پر پتھر لگایا اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر سرہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے لئے قبر کچھ اونچی کر دی جاوے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اس سے پہلے دو مسئلے حل ہوگئے نیز فقہاء فرماتے ہیں اگر کوئی زمین نرم ہو اور لوہے یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا پڑے تو اس کے اندرونی حصہ میں چاروں طرف مٹی سے کہگل کر دو (دیکھو شامی اور عالمگیری وغیرہ باب دفن المیت) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کچا ہونا چاہیئے۔ دو مسائل ثابت ہوئے۔

۳) مشائخ کرام اولیاء عظام علماء کرام کی مزارات کے اردگرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرام و عامۃ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔ قرآن کریم نے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہا۔

قَالَ الَّذِینَ غَلَبُوا عَلیٰ اَمرِ هِم لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیهِم مَّسجِدًا وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے۔ روح البیان میں اس آیت میں بُنیَانًا کی تفسیر میں فرمایا۔ دیوارے کہ از چشم مردم پوشیدہ شوند یعنی لَا یَعلَمُ اَحَدٌ تُربَتَهُم وَتَکُونُ مَحفُوظَتَہ مِن تَطَرُّقِ النَّاسِ کَمَا حُفِظَت تُربَۃُ رَسُولِ اللّٰہِ بِالحَظِیرَۃِ یعنی انہوں نے کہا کہ اصحاب

کہف پر ایسی دیوار بناؤ جوان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جاویں۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے۔ مگر یہ بات نامنظور ہوئی تب مسجد بنائی گئی۔ مسجداً کی تفسیر روح البیان میں ہے

يُصَلِّى فِيهِ المُسلِمُونَ وَيَتَبَرَّكُونَ بِمَكَانِهِم لوگ اس میں نماز پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کہف کے گرد قبہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی باب کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے کہ شرائع قَبلَنَا يَلزَمُنَا حضور سید عالم ﷺ کو حضرت صدیقہ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام اس کو گرا دیتے۔ پھر دفن کرتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے گرد کچی اینٹوں کی گول دیوار کھچادی۔ پھر ولید ابن عبدالملک کہ زمانہ میں سیدنا عبداللہ ابن زبیر نے تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں اس عمارت کو نہایت مضبوط بنایا اور اس میں پتھر لگوائے چنانچہ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ مصنفہ سید سمہودی دسویں فصل فیما یتعلق بالحجرۃ المنیفۃ ۱۹۶ میں ہے عَن عَمرو ابنِ دِينَار وعُبَيدِ الله ابنِ اَبِى زَيد قَالَا لَم يَكُن عَلىٰ عَهدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ حَائِطٌ فَكَانَ اَوَّلَ مَن بَنى عَلَيهِ جِدَارًا عُمَرُ ابنُ الخَطَّابِ. قَالَ عُبَيدُالله ابنِ اَبِى زَيد كَانَ جِدَارُه قَصِيرًا ثُمَّ بَنَاهُ عَبدُالله ابنُ الزُّبَيرِ الخ وَقَالَ الحَسَنُ البَصرِى كُنتُ اَدخُلُ بُيُوتَ رَسُولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا غُلَامٌ مُرَاهِقٌ اذانَالُ السَّقفِ بِيَدِى وَكَان لِكُلِّ بَيت حَجرَةٌ وَكَانَت حُجرُه مِنَ الكَعسَتِه مِن سَعَير مَربُوطَته فِى خُشُب عَرعَرَة

ترجمہ وہی جو اوپر بیان ہو چکا۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب مَاجَآءَ فِى قَبرِ النَّبِيِّ وَاَبِى بَكرٍ وَعُمَرَ میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دیوار گر گئی تو اَخَذُوا فِى بِنَائِهِ صحابہ کرام اس کے بنانے میں مشغول ہوئے۔

فَبَدَت لَهُم قَدَمٌ فَفَزِعُوا وَظَنُّوا اَنَّهَا قَدَمُ النَّبِيِّ عَلَيهِ السَّلَامُ حَتّٰى قَالَ لَهُم عُروَةُ لَا وَالله مَاهِىَ قَدَمُ النَّبِيِّ عَلَيهِ السَّلَامُ مَاهِىَ اِلَّا قَدَمُ عُمَرَ

”ایک قدم ظاہر ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے۔ حضرت عروہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کا قدم نہیں ہے یہ حضرت فاروق کا قدم ہے۔“

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ ۵۵۰ھ میں جمال الدین اصفہانی نے علماء کرام کی موجودگی میں صندل کی لکڑی کی جالی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور ۵۵۷ھ میں بعض عیسائی عابدوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور سرنگ لگا کر نعش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے تین بار بادشاہ کو خواب میں فرمایا۔ لہذا بادشاہ نے ان کو قتل کرایا اور روضہ کے آس پاس پانی تک بنیاد کھود کر سیسہ لگا کر اس کو بھر دیا پھر ۶۷۸ھ میں سلطان قلاؤں صالحی نے یہ گنبد سبز جواب تک موجود ہے بنوایا۔

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ روزہ مطہرہ صحابہ کرام نے بنوایا تھا اگر کوئی کہے یہ تو حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو کہا جاوے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز اور مشکوٰۃ باب البکا علی المیت میں ہے کہ حضرت امام حسن ابن حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

ضَرَبَت اِمرَاَتُه القُبَّةَ عَلىٰ قَبرِهٖ سَنَةً ”تو ان کو بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۔“

یہ بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ نیز ان کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں۔ پھر گھر واپس آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

یہاں تک تو قرآن وحدیث سے ثابت ہوا۔ اب فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

روح البیان جلد ۳ پارہ ۱۰ زیر آیت اِنَّمَا يَعمُرُ مَسٰجِدَالله مَن اٰمَنَ بِالله میں ہے۔

فَبِنَاءُ قُبَابٍ عَلىٰ قُبُورِ العُلَمَآءِ وَالاَولِيَاءِ وَ الصُّلَحَآءِ اَمرٌ جَائِزٌ اِذَا كَانَ القَصدُ بِذٰلِكَ التَّعظِيمُ فِى اَعيُنِ العَامَّةِ حَتّٰى لَا يَحتَقِرُوا صَاحِب هٰذَاالقَبرِ

”علماء اور اولیاء صالحین کی قبروں پر عمارات بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود ہو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔“

مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت میں ہے۔

قَد اَبَاحَ السَّلَفُ البِنَاءَ علٰے قُبُورِ المَشَائخِ وَ العُلَمَآءِ المَشهُورِینَ لِیَزُورَهُم النَّاسُ وَ یَستَرِیحُوا بِالجُلُوسِ

”پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ ان کی زیارت کریں۔ اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔“

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

”در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء دیدہ چیز ہا افزودند تا آنجا ہیبت و شوکت اہل اسلام و اہل صلاح پیدا آید خصوصًا در دیار ہند کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند۔ و ترویج و اعلاء شان ایں مقامات باعث رعب و انقیاد ایشاں است و بسیار اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ اند در آخر زمان از مستحسنات گشتہ۔“

”آخر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بین رہ گئے۔ لہٰذا مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کردی تاکہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو خاصکر ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنان دین ہیں ان مقامات کی اعلان شان کفار کے رعب اور اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے اور آخر زمانہ میں مستحب ہوگئے۔“

شامی جلد اول باب الدفن میں ہے۔

وَقِیلَ لَایُکرَہ البِنَاءُ اِذَا کَانَ المَیِّتُ مِنَ المَشَائِخِ وَالعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ

”کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔“

درمختار میں اسی باب الدفن میں ہے۔ لَا یَرفَعُ عَلَیهِ بِنَاءٌ وَّقِیلَ لَابَاسَ بِہٖ وَھُوَ المُختَارُ قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ ہی قول پسندیدہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور درمختار نے عمارت کے جواز کو قیل سے بیان کیا۔ اس لئے یہ قول ضعیف ہے لیکن یہ صحیح نہیں فقہ میں قیل علامت ضعیف نہیں۔ اور بعض جگہ ایک مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں اور دونوں قیل سے۔ ہاں منطق میں قیل علامت ضعیف ہے۔ قیل کی مکمل بحث اذان قبر کے بیان میں دیکھو۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۳۵ میں ہے۔

وَقَد اعتَادَ اَھلُ المِصرِ وَضعَ الاَحجَارِ حِفظًا لِلقُبُورِ عَنِ الاندِرَاسِ وَالنَّبشِ وَلَا بَاسَ بِہٖ وَفِی الدُّرَرِ وَلَا یُجَصَّصُ وَلَا یُطَیَّنُ وَلَا یُرفَعُ عَلَیهِ بِنَاءٌ وَّ قِیلَ لَا بَاسَ بِہٖ ھُوَ المُختَارُ

”مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں۔ تاکہ وہ مٹنے اکھڑنے سے محفوظ رہیں اور قبر کو گچ نہ کی جاوے نہ کھگل کی جاوے نہ اس پر عمارت بنائی جاوے اگر کہا گیا کہ جائز ہے اور یہ ہی مختار ہے۔“

میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنائز میں امام شعرانی فرماتے ہیں۔

وَمِن ذٰلِکَ قَولُ الاَئِمَّةِ اَنَّ القَبرَ لَایُبنٰی وَلَا یُجَصَّصُ مَعَ قَولِ اَبِی حَنِیفَةَ یَجُوزُ ذٰلِکَ قَالَ الاَوَّلُ مُشَدَّدٌ وَالثَّانِی مُخَفَّفٌ

”اسی سے ہے دیگر اماموں کا یہ کہنا کہ قبر پر نہ عمارت بنائی جاوے اور نہ اسکو گچ کی جاوے باوجودیکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی۔“

اب تو رجسٹری ہوگئی کہ خود امام مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔

الحمدللہ کہ قرآن و حدیث اور فقہی عبارات بلکہ خود امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پاک سے ثابت ہوگیا کہ اولیاء علماء کی قبور پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ جائز ہو چند وجوہ سے اولاً تو یہ دیکھا گیا ہے کہ عام کچی قبروں کا عوام کی نگاہ میں نہ ادب ہوتا ہے نہ احترام اور نہ زیادہ فاتحہ خوانی نہ کچھ اہتمام بلکہ لوگ پیروں سے اس کو روندتے ہیں۔ اور اگر کسی قبر کو پختہ دیکھتے ہیں غلاف وغیرہ پڑا ہوا پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے اس سے بچ کر نکلتے ہیں اور خود بخود فاتحہ کو ہاتھ اٹھ جاتا ہے اور مشکوٰۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمان کا زندگی اور بعد موت یکساں ادب چاہیئے۔ اسی طرح عالمگیری کتاب الکراہیت اور اشعۃ اللمعات باب الدفن میں ہے کہ والدین کی قبر کو چومنا جائز ہے۔

اسی طرح فقہا فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دور بیٹھے جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی میں اس سے بیٹھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ تو زندگی میں واجب التعظیم تھے۔ لہذا بعد موت بھی اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا ذریعہ ہے لہذا اکم از کم مستحب ہے۔

دوسرے اس لئے کہ جس طرح تمام عمارات میں سرکاری عمارتیں یا کہ مساجد ممتاز رہتی ہیں کہ ان کو پہچان کر لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ علماء کو چاہیئے کہ اپنی وضع قطع لباس صورت اہل علم کا سا رکھیں تا کہ لوگ ان کو پہچان کر مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہیئے کہ علماء مشائخ کے قبور عام قبروں سے ممتاز رہیں تا کہ لوگ پہچان کر ان سے فیض لیں۔ تیسرے اس لئے کہ مقابر اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں اور شعائر اللہ کا ادب ضروری ہے قرآن سے ثابت ہے لہذا قبروں کا ادب چاہیئے۔ ادب کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں علیحدہ طریقے ہوتے ہیں۔ جو طریقہ بھی ادب کا خلاف اسلام نہ ہو وہ جائز ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں قرآن پاک ہڈیوں اور چمڑے پر لکھا تھا۔ مسجد نبوی کچی تھی اور چھت میں کھجور کے پتے تھے جو بارش میں ٹپکتی تھی۔ مگر بعد زمانے میں مسجد نبوی نہایت شاندار روضہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم بہت اہتمام سے بنائے گئے اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھاپہ گیا۔

درمختار کتاب الکراہیت فصل فی البیع میں ہے۔ **وَجَازَ تَحلِيَتُه المُصحَفِ لِمَا فِيهِ مِن تَعظِيمِهٖ كَمَا فِي نَقشِ المَسجِدِ** اس کے ماتحت شامی میں ہے **اَى بِالذَّهَبِ وَالفِضَّيِه** یعنی قرآن کریم کو چاندی سونے سے آراستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ مسجد کو نقسین کرنا۔ اسی طرح صحابہ کرام کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن کو آیات اور رکوع اور اعراب سے خالی رکھو۔ لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت درپیش ہوئی۔ یہ تمام کام جائز بلکہ ضروری ہوگئے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَمَارُوِىَ عَن اِبنِ مَسعُودٍ جَرِّدُوا القُراٰنَ كَانَ فِى زَمنِهِم وَكَم مِن شَيئٍ يَختَلِفُ بِاختِلَافِ الزَّمَانِ وَالمَكَانِ

”ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کو اعراب وغیرہ سے خالی رکھو یہ اس زمانہ میں تھا۔ اور بہت سی چیزیں زمانہ اور جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔“

اسی مقام پر شامی میں ہے کہ قرآن کو چھوٹا کر کے نہ چھاپو یعنی حمائل نہ بناؤ بلکہ اس کا قلم موٹا ہو۔ حرف کشادہ ہوں تقطیع بڑی ہو یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لئے اسی طرح یہ بھی ہے اول زمانہ میں تعظیم قرآن واذان واقامت پر اجرت لینا حرام تھا حدیث وفقہ میں موجود ہے مگر بعد کو ضرورتاً جائز کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خود زندہ لوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے پختہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک ان کے سلام کا جواب نہ دیا جب اس کو گرا دیا۔ تب جواب سلام دیا۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ثانی)

اسی مشکوٰۃ کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ **اِذَالَم يُبَارَک لِلعَبدِ فِى مَالِهٖ جَعَلَه فِى المَآءِ وَالطِّينِ** جب بندے کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے تو اس کو اینٹ گارے میں خرچ کرتا ہے لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں پختہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرات اولیاء اللہ کی قبروں کے پختہ کرنے یا ان پر قبہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں عمدہ اور پختہ بناتے ہیں۔ **اَتُؤمِنُونَ بِبَعضِ الكِتَابِ وَتَكفُرُونَ بِبَعضٍ** کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے اور بعض کا انکار۔ اللہ سمجھ دے چوتھے اس لئے کہ اولیاء اللہ کی مقابر کا پختہ ہونا۔ ان پر عمارات قائم ہونا تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے۔ اجمیر شریف وغیرہ میں دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندوؤں اور رافضیوں کو میں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہوگئے۔

ہندوستان میں اب کفار مسلمانوں کے ان اوقاف پر قبضہ کر رہے ہیں جن میں کوئی علامت نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں، خانقاہیں، قبرستان بے نشان ہو کر ان کے قبضے میں پہنچ گئے اگر قبرستان کی ساری قبریں کچی ہوں تو وہ کچھ دن میں گر گر کر برابر ہو جاتی ہیں اور سادہ زمین پر کفار قبضہ جما لیتے ہیں لہذا اب سخت ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں پختہ ہوں تا کہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اس کے حدود معلوم رہیں۔

میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بجز دو تین قبروں کے ساری قبریں کچی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصہ میں پختہ قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے یہ دونوں قبرستان خفیہ طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پہلا قبرستان تو سوائے پختہ قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ کیونکہ حکام نے اسے سفید زمین مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصہ جہاں تک پختہ قبریں تھیں مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصہ جس میں ساری قبریں کچی تھیں اور مٹ چکی تھیں کفار کے پاس پہنچ گئے۔ کیونکہ اس قبرستان کے حدود پختہ قبروں کی حد سے قائم کئے گئے باقی کا بیعنامہ درست مانا گیا۔ اس سے مجھے پتہ لگا کہ اب ہندوستان میں کچھ قبریں پختہ ضرور بنوانی چاہئیں کیونکہ یہ بقاء وقف کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے لئے مینارے۔

ماہ جولائی ۱۹۶۰ء کے اخبارات میں مسلسل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے پیر سید احمد صاحب بریلوی کی قبر جو بالاکوٹ میں واقع ہے شکستہ حالت میں ہے اسکی مرمت کی جاویگی اور اس پر گنبد وغیرہ تعمیر کیا جاویگا۔ سبحان اللہ سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈھائیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے گا۔ ۲۹ جولائی ۱۹۶۰ء کو صدر پاکستان ایوب خان نے قائداعظم کی قبر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔

جس میں ایک لاکھ مسلمان شریک تھے اس عمارت پر ۷۵ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق نے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریر راولپنڈی کے جنگ ۱۲ اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو کہ بانی انقلاب آج بانی پاکستان کی قبر پر سنگ بنیاد رکھ رہا ہے ابتک پاکستان کی حکومتوں نے اس مبارک کام میں بہت سستی کی تھی۔ مسلمانو! یہ ہیں وہ دیوبندی جو ابتک مسلمانوں کی قبریں اکھڑواتے تھے جنہوں نے نجدی حکومت کو مبارک باد کے تار دیئے تھے کہ اس نے صحابہ واہل بیت کی قبریں اکھیڑدیں آج قائداعظم کی قبر پر گنبدوغیرہ تعمیر ہونے پر مبارک باد دے رہے ہیں۔ ان کا کتابی مذہب اور ہے۔ زبانی مذہب اور عملی مذہب کچھ اور چلوتم ادھر کو ہوا جدھر کی۔ بہرحال مزار پر گنبد کے دیوبندی بھی قائل ہوگئے۔

دوسرا باب

عمارت قبور پر اعتراضات کے جوابات میں

مخالفین کے اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض ہیں اول تو یہ کہ مشکوٰۃ باب الدفن میں بروایت مسلم ہے۔

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اَن يُجَصَّصَ القُبُورُ وَاَن يُّبنٰى عَلَيهِ وَاَن يَقعَدَ عَلَيهِ

”حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر گچ کی جاوے اور اس سے کہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور اس سے کہ اس پر بیٹھا جاوے۔“

نیز عام فقہا فرماتے ہیں کہ یَکرَہُ البِنَآءُ عَلَى القُبُور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین کام حرام ہیں قبر کو پختہ بنانا۔ قبر پر عمارت بنانا اور قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا۔

جواب قبر کو پختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کیا جاوے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا۔ اَن يُّجَصَّصَ القُبُورُ یہ نہ فرمایا گیا۔ عَلَى القُبُورِ دوسرے یہ کہ عامۃ المسلمین کی قبور پختہ کی جاویں کیونکہ یہ بے فائدہ ہے تو معنیٰ یہ ہوئے کہ ہر قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کی سجاوٹ، تکلف یا فخر کے لئے پختہ کیا۔ یہ تینوں صورتیں منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لئے کسی ولی اللہ کی قبر پختہ کی جاوے تو جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کی قبر پختہ پتھر کی بنائی۔ جیسا کہ پہلے باب میں عرض کیا گیا۔ لمعات میں اسی اَن يُّخصَّصَ القُبُورِ کے ماتحت ہے لِمَا فِيهِ مِنَ الزِّينَتِه وَالتَّكَلُّفُ کیونکہ اس میں محض سجاوٹ اور تکلف ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس لئے نہ ہو تو جائز ہے اَن يُّبنى عَلَيه یعنی قبر پر عمارت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنیٰ ہیں اولاً تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جاوے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔

چنانچہ شامی باب الدفن میں ہے۔

وَتكرَہُ الزِيَادَةُ عَلَيهِ لِمَا فِي المُسلِمِ. نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيهِ السَّلَامُ اَن يَجَصَّصَ القَبرُ وَاَن يُّبنىٰ عَلَيهِ

قبر کو ایک ہاتھ سے اونچا کرنا منع ہے کیونکہ مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر کچھ بنانے سے منع فرمایا۔“

درمختار اسی باب میں ہے وَتكرَہُ الزِّيَادَةُ عَلَيهِ مِنَ التُّرَابِ لَانَّه بِمَنزِلَةِ البِنَآءِ قبر پر مٹی زیادہ کرنا منع ہے کیونکہ یہ عمارت بنانے کی درجہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار میں آجاوے اور گنبد بنانا یہ حول القبر یعنی قبر کے اردگرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم عامۃ المسلمین کے لئے قبروں کے لئے ہے۔ تیسرے یہ کہ اس بنانے کی تفسیر خود دوسری حدیث نے کردی جو کہ مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجعَل قَبرِى وَوَثنًا يُعبُدُ اِشتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلىٰ قَومِ نِ اتَّخَذُوا قُبُورَ اَنبِيَآءِ هِم مَسٰجِدَ

”اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جاوے اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر عمارت بنا کر اس طرف نماز پڑھنا حرام ہے یہی اس حدیث سے مراد ہے۔ قبروں پر کیا نہ بناؤ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ یا کم ازکم اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف سجدہ کیا جاوے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

قَالَ الْبَیْضَاوِی لَمَّا کَانَتِ الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰی یَسْجُدُوْنَ لِقُبُوْرِ الْاَنْبِیَآءِ تَعْظِیْمًا لِشَانِھِم وَ یَجْعَلُوْنَھَا قِبْلَۃً یَتَوَجَّھُوْنَ فِی الصَّلٰوۃِ نَحْوَھَا وَ اتَّخَذُوْھَا اَوْثَانًا لَعَنَھُم وَمَنَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَنْ مِثْلِ ذٰلِکَ

”بیضاوی نے فرمایا کہ جبکہ یہود و نصاریٰ پیغمبروں کی قبروں کو تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبور کو انہوں نے بت بنا کر رکھا تھا لہذا اس پر حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔“

یہ حدیث معترض کی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہوگئی۔ معلوم ہوگیا کہ قبہ بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہ ممانعت حکم شرعی نہیں ہے۔ بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے جیسے کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ رہنے کے مکانات کو پختہ کرنے سے بھی روکا گیا۔ بلکہ گرا دیئے گئے پانچویں یہ کہ جب بنانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا فائدہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ غلط خیال ہے اور اگر زائرین کی آسائش کے لئے عمارت بنائی جاوے تو جائز ہے۔

ہم نے یہ توجیہیں اس لئے کیں کہ بہت سے صحابہ کرام نے خاص خاص قبروں پر عمارات بنائی ہیں یہ فعل سنت صحابہ ہے چنانچہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی قبر انور کے گرد عمارت بنائی۔ سیدنا ابن زبیر نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی۔ حسن مثنیٰ کی بیوی نے اپنے شوہر کی قبر پر قبہ ڈالا جس کو ہم بحوالہ مشکوٰۃ باب البکاء سے نقل کر چکے۔ زوجہ حسن مثنیٰ کے اس فعل کے ماتحت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ باب البکاء میں فرماتے ہیں۔

اَلظَّاھِرُ اَنَّہٗ لِاجْتِمَاعِ الْاَحْبَابِ لِلذِّکْرِ وَالْقِرَاءَۃِ وَحُضُوْرِ الْاَصْحٰبِ بِالْمَغْفِرَۃِ اَمَّا حَمْلُ فِعْلِھَا عَلَی الْعَبَثِ الْمَکْرُوْہِ فَغَیْرُ لَائِقٍ لِصَنِیْعِ اَھْلِ الْبَیْتِ

”ظاہر یہ ہے کہ یہ قبہ دوستوں اور صحابہ کے جمع ہونے کے لئے تھا تاکہ ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریں اور دعائے مغفرت کریں۔ لیکن ان بی بی کے اس کام کو محض بے فائدہ بنانا جو کہ مکروہ ہے یہ اہل بیت کی شان کے خلاف ہے۔“

صاف معلوم ہوا کہ بلا فائدہ عمارت بنانا منع اور زائرین کے آرام کے لئے جائز ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب جحش رضی اللہ عنہا کی قبر پر قبہ بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر اور حضرت محمد ابن حنیفہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر پر قبہ بنایا۔

منتقےٰ شرح موطاء امام مالک میں ابو عبد سلیمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَضَرَبَہٗ عُمَرُ عَلٰی قَبْرِ زَیْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَ ضَرَبَتْہُ عَائِشَۃُ عَلٰی قَبْرِ اَخِیْھَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَ ضَرَبَہٗ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِیَۃِ عَلٰی قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ اِنَّمَا کَرِھَہٗ لِمَنْ ضَرَبَہٗ عَلٰی وَجْہِ السُّمْعَۃِ وَ الْمُبَاھَاتِ

”حضرت عمر نے زینب جحش کی قبر پر قبہ بنایا حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر قبہ بنایا محمد ابن حنیفہ (ابن حضرت علی) نے ابن عباس کی قبر پر قبہ بنایا رضی اللہ عنہم اور جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لئے جو کہ اس کو فخر و ریا کے لئے بنائے۔“

بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۲۰ میں ہے۔

رُوِیَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَمَّا مَاتَ بِالطَّائِفِ صَلّٰی عَلَیْہِ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِیَۃِ وَجَعَلَ قَبْرَہٗ مُسَنَّمًا وَ ضَرَبَ عَلَیْہِ فُسْطَاطًا

”جبکہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان پر محمد ابن حنفیہ نے نماز پڑھی اور ان کی قبر ڈھلوان بنائی اور قبر پر قبہ بنایا۔“

عینی شرح بخاری میں ہے **ضَرَبَہٗ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِیَۃِ عَلٰی قَبْرِ ابْنِ عَبَّاس** ان صحابہ کرام نے یہ فعل کئے اور ساری امت روضۂ رسول علیہ السلام پر جاتی رہی۔ کسی محدث کسی فقیہ کسی عالم نے اس روضہ پر اعتراض نہ کیا لہذا اس حدیث کی وہ ہی توجیہیں کی جاویں جو کہ ہم نے کیں۔ قبر پر بیٹھنے کے معنے ہیں قبر پر چڑھ کر یہ منع ہے نہ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اسی کو تو کہتے ہیں جو قبر کا انتظام رکھے کھولنے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے، حضرت عائشہ صدیقہ مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی منتظمہ اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام کو زیارت کرنی ہوتی تو ان سے ہی کھلوا کر زیارت کرتے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الدفن۔ آج تک روضہ مصطفیٰ ﷺ پر مجاور رہتے ہیں کسی نے ان کو نا جائز نہ کہا۔

اعتراض؟ مشکٰوۃ باب الدفن میں ہے۔

وَعَن اَبِی هَیَّاجِ نِ الاَ سدِیِّ قَالَ قَالَ لی عَلیٌّ اَلاَ اَبعثُک عَلیٰ مَا بَعثَنِي رَسُولُ اللهِ عَلَیهِ السَّلامُ اَن لَّا تَدع تِمثَالاً اِلَّا طَمَستَه وَلاَ قَبرًا مُشرَفًا اِلَّا سَوَّیتَه.

''ابو ہیاج اسدی سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر مٹادو اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کردو۔''

بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں ہے۔

وَرَاٰی اِبنُ فُسطَاطًا عَلیٰ قَبرِ عَبدِ الرحمٰنِ فَقَالَ اِنزَعه یَاغُلَامُ فَاِنَّمَا یُظِلُّه عَمَلُه

''ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبدالرحمٰن کی قبر پر قبہ خیمہ دیکھا پس آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے اسکو علیحدہ کردو کیونکہ ان پر انکے عمل سایہ کررہے ہیں۔''

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا قبر اونچی ہو تو اس کو گرادینا چاہیئے۔

نوٹ ضروری اس حدیث کو آڑ بنا کر نجدی وہابیوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت کے مزارات کو گرا کر زمین کے ہموار کردیا۔

جواب جن قبروں کو گرادینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں۔ نہ کہ مسلمین کی۔ اس کی چند وجہ ہیں۔ اولاً تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لئے بھیجتا ہوں۔ جس کے لئے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جن قبروں کو حضرت علی نے گرایا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہوسکتیں۔

کیونکہ ہر صحابی کے دفن میں حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام کوئی کام بھی حضور علیہ السلام کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے لہذا اس وقت جس قدر قبور مسلمین بنیں۔ وہ یا تو حضور کی موجودگی میں یا آپ کی اجازت سے تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ ناجائز بن گئیں اور ان کو مٹانا پڑا۔ ہاں عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں۔

بخاری شریف صفحہ ۶۱ مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے۔

اَمَرَ النَّبِیُّ عَلَیهِ السَّلامُ بِقُبُورِ المُشرِکِینَ فَنُبِشَت ''حضور علیہ السلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا پس اکھیڑ دی گئیں۔''

بخاری شریف جلد اول صفحہ ۶۱ میں ایک باب باندھا هَل یُنبشُ قُبورُ مُشرِکی الجَاهِلِیَته کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں اکھیڑ دی جاویں اسی کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۲۶ میں فرماتے ہیں۔

اَی دُونَ غَیرِهَا مِن قُبُورِ الاَنبِیَآءِ وَاَتبَاعِهِم لِمَا فِی ذٰلِکَ اِهَانَةٌ لَّهُم

''یعنی ماسوا انبیاء اور ان کے متبعین کے کیونکہ ان کی قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے۔''

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وَفِی الحَدِیثِ جَوَازُ تَصرُّف فِی المَقبَرَةِ المَملُوکَةِ وَجَوَازُ نَبشِ قُبُورِ الدَّارِسَةِ اِذَالَم یَکُن مُحرَّمَةً

''اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو قبرستان ملک میں آگیا اس میں تصرف کرنا جائز ہے اور پرانی قبریں اکھاڑ دی جاویں بشرطیکہ محترمہ نہ ہوں۔''

اس حدیث اور اس کی شرح نے مخالف کی پیش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کردی کہ مشرک کی قبریں گرائی جاویں۔ دوسرے اس لئے کہ اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے۔ مسلمان کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں۔ کیونکہ ان کی قبروں پر میت کا فوٹو بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کردو اور مسلمان کی قبر کے لئے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار تھیں ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی تو اونچی قبریں اکھڑوائیں اور ان کے فرزند محمد ابن حنیفہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن بھی گئی۔ تب بھی اس کو نہیں اکھیڑ سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے۔ اولاً اونچی نہ بناؤ مگر جب بن جائے۔ تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا سائز چھاپنا منع ہے دیکھو شامی کتاب الکراہیت۔ مگر جب چھپ گیا تو اس کو پھینکو نہ جلاؤ۔ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے احادیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا وہاں پاخانہ کرنا وہاں جوتہ سے چلنا ویسے بھی اس پر چلنا پھرنا منع ہے مگر افسوس کہ نجدی نے صحابہ کرام کے مزارات گرائے اور معلوم ہوا ہے کہ اب جدہ میں انگریز عیسائیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَقتُلُونَ اَهلَ الاسلامِ وَیَترُکُونَ اَهلَ الاَصنَامِ ہر ایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے سند لانا محض بے جا ہے وہ تو خود فرمارہے ہیں کہ میت پر اعمال کا سایہ کافی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر میت پر سایہ کرنے کے لئے قبہ بنایا تو جائز ہے۔ عینی شرح بخاری اسی حدیث ابن عمر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَہِیَ اِشَارَۃٌ اِلیٰ اَنَّ ضَرَبَ الفُسطَاطِ لِغَرضٍ صَحِیحٍ کَالتَّشَتُّرِ مِنَ الشَّمسِ مَثلاً لِلاَحیَاءِ لا لاِضِلاَلِ المَیِّتِ جَازٌ

”ادھر اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لئے خیمہ لگانا جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لئے نہ کہ میت کو سایہ کرنے کے لئے جائز ہے۔“

اس کا تجربہ خود مجھ کو اس طرح ہوا کہ میں ایک دفعہ دوپہر کے وقت ایک گھنٹہ کے لئے سیالکوٹ گیا۔ بہت شوق تھا کہ ملا عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے حواشی دیکھنے کا اکثر مشغلہ رہا وہاں پہنچا۔ قبر پر کوئی سائبان نہ تھا۔ زمین گرم تھی دھوپ تیز تھی بمشکل تمام چند آیات پڑھ کر فوراً وہاں سے ہٹنا پڑا۔ جذبہ دل دل ہی میں رہ گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات پر عمارات بہت فائدہ مند ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت اِذْیُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ ہے کہ بعض مغرور لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آجکل لوگ اولیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں لہذا ہم ان قبروں کو گرائیں گے تا کہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ اولیاء اللہ میں کوئی قدرت نہیں ہے ورنہ وہ اپنی قبروں کو گرنے سے بچا لیتے۔

فَاعلَم اَنَّ ہٰذَا الصَّنِیعَ کُفرٌ صُرَاحٌ مَاخُوذٌ مِن قَولِ فِرعَونَ ذَرُونِی اَقتُل مُوسیٰ وَلیَدعُ رَبَّہٗ اِنِّی اَخَافُ اَن یُّبَدِّلَ دِینَکُم اَو اَن یُّظہِرَ فِی الاَرضِ الفَسَادَ

”تو جان لو کہ یہ کام خالص کفر ہے فرعون کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ چھوڑ دو مجھ کو میں موسیٰ کو قتل کر دوں وہ اپنے خدا کو بلالے میں خوف کرتا ہوں کہ تمہارا دین بدل دیگا یا زمین میں فساد پھیلا دے گا۔“

مجھ سے ایک بار کسی نے کہا کہ اگر اولیاء اللہ یا صحابہ کرام میں کچھ طاقت تھی تو نجدی وہابیوں سے اپنی قبروں کو کیوں نہ بچایا؟ معلوم ہوا کہ یہ محض مردے ہیں پھر ان کی تعظیم وتوقیر کیسی؟ میں نے کہا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ بت تھے اور احادیث میں ہے کہ قریب قیامت ایک شخص کعبہ کو گرادے گا۔ آج لاہور میں مسجد شہید گنج سکھوں کا گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مساجد ہیں جو کہ برباد کر دی گئیں تو اگر ہندو کہیں کہ اگر خدا میں طاقت تھی تو اس نے اپنا گھر ہمارے ہاتھوں سے کیوں نہ بچالیا۔ اولیاء اللہ یا ان کی مقابر کی تعظیم ان کی محبوبیت کی وجہ سے کی ہے۔ نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مساجد اور کعبہ معظمہ کی تعظیم ابن سعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرادیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال کوہ صفا پر وغیرہ وغیرہ۔

بحث مزارات پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا چراغاں کرنا

اس بحث میں تین مسائل ہیں قبروں پر پھول ڈالنا۔ چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا علمائے اہل سنت کا فرمان ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر مومن کی قبر پر جائز ہے خواہ ولی اللہ ہو یا گنہگار اور چادریں ڈالنا اولیاء علماء صلحاء کی قبور پر جائز عوام مسلمین کی قبور پر ناجائز کیونکہ یہ بے فائدہ ہے قبر پر چراغ جلانا اس میں تفصیل ہے عام مسلمانوں کی قبر پر تو بلا ضرورت ناجائز ہے اور ضرورتاً جائز اور اولیاء اللہ کی قبور پر صاحب مزار کی عظمت شان کے اظہار کے لئے بھی جائز ہے ضرورتیں تین ہیں یا تو رات میں مردے دفن کرنا ہے روشنی کی ضرورت ہے جائز ہے۔ قبر راستہ کے کنارے پر ہے تو اس لئے چراغ جلا دینا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے یا کوئی خبر پا کر فاتحہ پڑھے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں کچھ قرآن وغیرہ دیکھ کر پڑھنا چاہتا ہے روشنی کرے جائز ہے اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو چراغ جلانا فضول خرچی اور اسراف ہے لہذا منع۔ مزارات اولیاء اللہ پر اگر ان میں سے کوئی ضرورت بھی نہ ہو تب بھی تعظیم ولی کے لئے جائز ہے خواہ ایک چراغ جلائے یا چند ان تینوں باتوں کا مخالفین انکار کرتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں ان کا ثبوت اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

ان کے ثبوت میں

ہم اس سے پہلی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ اور ان کے مزارات شعائر اللہ ہیں یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآنی حکم ہے وَمَن یُّعَظِّم شَعَائِرِ اللهِ فَاِنَّهَا مِن تَقوَی القُلُوبِ اس تعظیم میں کوئی قید نہیں ہر ملکے ہر رسے جس ملک میں اور جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مروج ہے وہ کرنا جائز ہے ان کی قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا سب میں ان کی تعظیم ہے لہذا جائز ہے۔ تر پھول میں چونکہ زندگی ہے اس لئے وہ تسبیح وتہلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ زائرین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے لہذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے اگر مردے کو عذاب ہو رہا ہے تو اس کی تسبیح کی برکت سے کم ہوگا اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوۃ باب آداب الخلاء فصل اول میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام کا دو قبروں پر گزر ہوا فرمایا کہ دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے ان میں ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔

ثُمَّ اَخَذَجَرِیدَۃً رَطبَۃً فَشَقَّهَا بِنصفَین ثُمَّ غَرَزَفِی کُلِّ قَبرٍ وَاحِدَۃً قَالُو ایَارَسُولَ اللهِ لِمَا صَنَعتَ هٰذَافَقَالَ لَعَلَّه اَن یُخَفَّفَ عَنهُمَا مَالَم یَیبَسَا

”لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں تب تک ان کے عذاب میں کمی رہے۔ کہا گیا ہے کہ اسلئے عذاب کم ہوگا کہ جب تک تر رہیں گی تسبیح پڑھیں گی اس حدیث سے علماء نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو مستحب فرمایا۔ کیونکہ تلاوت قرآن شاخ کی تسبیح سے زیادہ اس کی حقدار ہے کہ اس عذاب کم ہو۔“

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے تمسک کنند جماعت بایں حدیث در انداختن سبزہ وگل ریحان بر قبور۔ اس حدیث سے ایک جماعت دلیل پکڑتی ہے قبروں پر سبزی پھول اور خوشبو ڈالنے کی جواز میں۔ مرقات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔

وَمِن ثُمَّ اَفتٰی بَعضُ الاَئِمَّتِه مِن مُتَاَخِّرِی اَصحَابِنَا بِاَنَّ مَا اعتِیدَ مِن وَّضعِ الرَّیحَانِ وَالجَرِیدِ سُنَّۃٌلِهٰذَاالحَدِیثِ وَقَد ذَکَرَالبُخَارِیُّ اَنَّ یَرِیدَالخَصِیبَ الصَّحَابِی اَوصیٰ اَن یُّجعَلَ فِی قَبرِہٖ جَرِیدَتَانِ

معلوم ہوا کہ مزاروں پر تر پھول ڈالنا سنت ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۶۴ میں ہے۔

قَد اَفتٰی بَعضُ الاَئِمَۃِ مِن مُتَاَخِّرِی اَصحَابِنَا بِاَنَّ مَااعتِیدَ مِن وَضعِ الرَّیحَانِ وَالجَرِیدِ سُنَّۃٌ بِهٰذَاالحَدِیثِ

”ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول چڑھانے کی جو عادت ہے وہ سنت ہے۔“

ان عبارتوں میں جو فرمایا کہ بعض نے فتویٰ دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے سنت مانا ہے جائز تو سب ہی کہتے ہیں سنت ہونے میں اختلاف ہے عالمگیری کتاب الکراہت جلد پنجم باب زیارت القبور میں ہے۔

وَضعُ الوُرُدِوَالرَّیَاحِینِ عَلَی القُبُورِ حَسَنٌ قبروں پر پھول اور خوشبو رکھنا اچھا ہے۔

شامی جلد اول بحث زیارت القبور میں ہے۔

وَیُؤخَذُ مِن ذٰلِکَ وَمِنَ الحَدیثِ نُدبُ وضعِ ذٰلِکَ لِلاتبَاعِ وَیُقَاسُ عَلَیهِ مَااعتِیدَ فِی زَمَانِنَا مِن وَضعِ اَغصَانِ الاٰسِ وَنَحوِہٖ

’’اس سے بھی اور حدیث سے بھی ان چیزوں کے قبروں پر رکھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قبروں پر آس کی شاخیں وغیرہ چڑھانے کو بھی قیاس کیا جاوے گا جس سے ہمارے زمانہ میں رواج ہے۔‘‘

شامی اسی جگہ ہے۔

وَتَعلِیلُہ بِالتَّخفِیفِ عَنہُمَا مَالَم یَیبَسَا اَی یُخَفَّفُ عَنہَا بِبَرکَۃِ تَسبِیحِہَا اِذھُوَ اَکمَلُ مِن تَسبِیحِ الیَابِسِ لِمَافِی الاَخضَرِ نَوعُ حَیاۃٍ

’’کمی عذاب کی علت ہے انکا خشک نہ ہونا یعنی انکی تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں کمی ہوگی کیونکہ ہری شاخ کی تسبیح خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے کیونکہ اس میں ایک قسم کی زندگی ہے۔‘‘

اس حدیث اور محدثین وفقہا کی عبارات سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ ہر سبز چیز کا رکھنا ہر مسلمان کی قبر پر جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان قبروں پر شاخیں رکھیں عذاب ہو رہا تھا اور دوسرے یہ کہ عذاب کی کمی سبزے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے اگر محض دعا سے کمی ہوتی۔ تو حدیث میں خشک نہ ہونے کی کیوں قید لگائی جاتی؟ لہذا اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی ان شاء اللہ میت کو فائدہ ہوگا۔ بلکہ عام مسلمانوں کی قبروں کو کچا رکھنے میں یہ ہی مصلحت ہے۔ کہ بارش میں اس پر سبز گھاس جمے اور اس کی تسبیح سے میت کے عذاب میں کمی ہو۔ ثابت ہوا کہ پھول وغیرہ تو ہر چیز قبر مومن پر جائز ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اصلاح الرسوم میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسقوں، فاجروں کی قبروں پر ڈالنا چاہیئے۔ نہ کہ قبور اولیاء پر ان کے مزارات میں عذاب ہے ہی نہیں۔ جس کی پھول وغیرہ سے تخفیف کی جائے۔ مگر خیال رہے کہ جو اعمال گنہگار کے لئے دفع مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لئے بلندی درجات کا فائدہ دیتے ہیں دیکھو مسجد کی طرف چلنا ہمارے گناہ معاف کراتا ہے مگر صالحین کے درجات بڑھاتا ہے۔ ایسے ہی بعض دعائیں مجرموں کے گناہوں کی مٹاتی ہیں اور صالحین کے مراتب بڑھاتی ہیں۔ اس قاعدہ سے لازم آتا ہے صالحین نہ مسجد میں آئیں نہ استغفار پڑھیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ جناب ان پھولوں کی تسبیح سے ان قبروں میں رحمت الٰہی اور بھی زیادہ ہوگی جیسے وہاں تلاوت قرآن سے۔

۲) اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عام زائرین کی نگاہ میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

شامی جلد ۵ کتاب الکراہیت باب اللبس میں ہے۔

قَالَ فِی فَتَاوٰی الحُجَّۃِ وَتُکرَہُ السُّتُورُ عَلٰے القُبُورِ وَلٰکِن نَحنُ نَقُولُ الاٰنَ اِذَاقُصِدَبِہٖ التَعظِیمُ فِی عُیُونِ العَامَّۃِ لاَ یَحتَقِرُوا صَاحِبَ القَبرِ بَل جَلبُ الخُشُوعِ وَالاَدَبِ لِلغٰفِلِینَ وَالزَّائِرِینَ فَھُوَ جَائِز لاَنَّ الاَعمَالَ بِالنِّیَاتِ

’’یعنی فتاوٰی حجہ میں ہے کہ قبروں پر غلاف پردے مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحب قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب خشوع حاصل ہو تو جائز کیونکہ عمل نیت سے ہیں۔‘‘

شامی کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ جو جائز کام اولیاء اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہو۔ وہ جائز ہے۔ اور چادر کی اصل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر غلاف تھا۔ اس کو منع نہ فرمایا۔ صدیوں سے حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر غلاف سبز ریشمی چڑھا ہوا ہے۔ جو نہایت قیمتی ہے۔ آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اس پر بھی خلاف چڑھا ہوا ہے اور عمارت بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی شان کہ نجدی وہابیوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ ان پر غلاف کیوں چڑھائے؟ ان چیزوں کی عظمت کے لئے احترام اولیاء کے لئے ان قبور پر بھی غلاف وغیرہ ڈالنا مستحب ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ ا سورہ توبہ زیر آیت اِنَّمَا یَعمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَن اٰمَنَ بِاللّٰہِ ہے۔

فَبِنَآءُ القُبَّاتِ عَلٰی قُبُورِ العُلَمَآءِ وَالاَولِیَآءِ وَ الصُّلحَآءِ وَوَضعُ السُّتُورِ وَالعَمَائِمِ وَالثِّیَابِ عَلٰی قُبُورِھِم اَمرٌ جَائِزٌ اِذَاکَانَ القَصدُ بِذَاالتَّعظِیم فِی اَعیُنِ العَامَّۃِ حَتّٰی لاَ یَحتَقِرُو اصَاحِب ھٰذَاالقَبر

’’علماء اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلاف اور عمامہ اور کپڑے چڑھانا نا جائز کام ہیں جبکہ اس سے مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔‘‘

۴) عام مسلمانوں کی قبر پر ضرورۃً اولیاء اللہ کی مزارات پر اظہار عظمت کے لئے چراغ روشن کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مصری جلد دوم صفحہ ۴۲۹ میں ہے۔

اِخـرَاجُ الشُمُوعِ اِلَی القُبُورِ بِدعَةٌ وَاِتلَافُ مَالٍ کَذَافِی البَزَایَةِ وَهٰذَا کُلُّه اِذَا خَلاعَن فَائِدَةٍ وَّ اَمَّا اِذَا کَانَ مَوضِعُ القُبُورِ مَسجِدًا اَوعَلی طَرِیقٍ اَوکَانَ هُنَاکَ اَحَدٌ جَالِسًا اَو کَانَ قَبر وَلّیٍ مِنَ الاَولِیَآءِ اَو عَالِـمٍ مِنَ الـمُحَقِّقِینَ تَعظِیمًا لِرُوحِهٖ اِعلَامًا لِلنَّاسِ اَنَّه وَلیٌّ لِیَتَبَرَّ کُو ابِهٖ وَیَد عُوالله تَعَالےٰ عِندَه فَیُستَجَابَ لَهُم فَهُوَ اَمرٌ جَائِزٌ

”قبروں پر چراغ لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح بزازیہ میں ہے یہ تمام حکم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا کسی محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم کرنے اور لوگوں کو بتانے کے لئے کہ یہ ولی کی قبر ہے تا کہ لوگ اس سے برکت حاصل کرلیں اور وہاں اللہ سے دعائیں کرلیں تو چراغ جلانا جائز ہے۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت اِنَّمَا یَعمُرُ مَسٰجِدَ الله میں ہے۔

وَکَذَااِیقَادُ القَنَادِیلِ وَالشَّمعِ عِندَ قُبُورِ الاَولِیَآءِ وَالصُّلَحَآءِ وَالاجلَالِ لِلاَولِیَآءِ فَالمَقصَدُ فِیهَا مَقصَدٌ حَسَنٌ وَنَذرُ الزَّیتِ وَالشَّمعِ لِلاَولِیَآءِ یُوقَدُ عِندَ قُبُورِهِم تَعظِیمًا لَّهُم وَمَحبَةً فِیهِم جَائِزٌ لَایَنبَغِی النَّهیُ عَنه

”اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قندیل اور موم بتیاں جلانا انکی عظمت کے لئے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے لہذا جائز ہے اور اولیاء کے لئے تیل اور موم بتی کی نذر ماننا تا کہ ان کی عزت کے لئے ان کو قبور کے پاس جلالی جاویں جائز ہے۔ اس سے منع نہ کرنا چاہیئے۔“

علامہ نابلسی علیہ الرحمتہ نے اپنے رسالہ کشف النور عن اصحاب القبور میں بھی بالکل یہ ہی مضمون تحریر فرمایا اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ یہ امور جائز ہوں جیسا کہ ہم گنبد کے بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ ان مزارات اولیاء اللہ کی رونق سے اسلام کی رونق ہے عالم واعظ کو چاہیئے کہ اچھا لباس پہنے عید کے دن سنت ہے کہ ہر مسلمان عمدہ لباس پہنے اور خوشبو وغیرہ لگائے کیوں؟ اس لئے لوگ ملنا گوارا کریں معلوم ہوا کہ جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو اس کو اچھی طرح رہنا چاہیئے۔ اور مزارات اولیاء تو زیارت گاہ خلائق ہیں ان پر اہتمام وغیرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ میں نجدی وہابیوں کی حکومت میں حج کو گیا وہاں جا کر دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گرد گول دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی قمقمے جلتے تھے اور حطیم شریف کی دیوار پر بھی روشنی تھی۔ خاص دروازے کعبہ پر شمع کافوری چار چار جلائی جاتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ حاضری نصیب ہوئی تو یہاں روضہ رسول علیہ السلام پر کعبہ معظمہ سے کہیں بڑھ کر روشنی پائی۔ یہاں کے بلب تیز اور زیادہ تھے بہت رونق تھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ کعبہ بیعت اللہ ہے اور حضور علیہ السلام نور اللہ اور ظاہر ہے کہ گھر میں روشنی نور ہی کی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ زمانہ ترکی میں اس سے کہیں زیادہ روشنی ہوتی تھی۔ یہ تمام اہتمام کیوں ہیں؟ لوگوں کی نگاہ میں عظمت پیدا کرنے کے لئے تو مقابر اولیاء پر بھی تو وہاں ہی کی تجلی ہے۔ پھر اگر یہاں روشنی کا اہتمام ہو تو کیا برائی ہے؟ آج ہم اپنے گھر میں شادی بیاہ کے موقعہ پر چراغاں کرتے ہیں یا بجائے چراغ یا لالٹین کے گیس جلاتے ہیں۔ جس میں تیل بہت خرچ ہوتا ہے۔ مدراس کے جلسوں میں بیسیوں روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ ابھی چند سال گزرے کہ مراد آباد میں دیوبندیوں نے جمعیتہ العلماء کا جلسہ کیا۔ جس میں برقی روشنی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ میرے خیال میں تین شب کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ محض روشنی پر خرچ ہوا ہوگا۔ یہ محض مجمع کو خوش کرنے کے لئے تھا اسی طرح دینی جلسوں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ واعظین کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں نہ یہ اسراف ہے اور نہ حرام۔ یہ مجالس عرس دینی جلسے ہیں ان میں بھی یہ امور جائز ہیں۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات وجوابات میں

ان تین مسائل پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں جن کو وہ مختلف طرح بیان کرتے ہیں۔

اعتراض ۱ حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ اللہَ لَم یَامُرنَااَن نَّکسُوَالحِجَارَۃِ وَالطِّینَ رب نے ہمیں حکم نہ دیا کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں (مشکوٰۃ باب التصاویر) اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا غلاف ڈالنا حرام ہے کہ وہاں بھی پتھر مٹی ہی ہے۔

جواب اس سے مکانات کی دیواروں پر بلاضرورت تکلفاً پردے ڈالنا مراد ہیں اور یہ بھی تقویٰ اور زہد کا بیان ہے یعنی مکانات کی زینت خلاف زہد ہے اسی حدیث میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے دیوار پر غلاف ڈالا تھا۔ اسے پھاڑ کر یہ فرمایا۔ قبور اولیاء کی چادر کو اس سے کوئی تعلق نہیں کعبہ معظمہ پر قیمتی سیاہ غلاف ہے اور روضہ رسول اللہ علیہ السلام پر سبز اور غلاف کعبہ زمانہ نبوی میں تھا۔ بتاؤ وہ جائز ہے تو قبور کی چادر بھی جائز ہے۔

اعتراض ۲ قبروں پر پھول یا چادر ڈالنا وہاں روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچ ہے لہذا منع ہے اولیاء اللہ کی قبروں پر بہت سے پھول اور چراغ ہوتے ہیں۔ ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک پھول یا ایک چراغ بھی کافی ہے۔

جواب اسراف کے معنی ہیں بے فائدہ مال خرچ کرنا۔ چونکہ ان پھولوں اور چراغوں اور چادروں میں وہ فوائد ہیں جو کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں لہذا یہ اسراف نہیں رہا۔ رہا کام چلنے کا عذر۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم کرتا اس پر واسکٹ اس پر اچکن پہنتے ہیں۔ پھر وہ بھی قیمتی کپڑے کی حالانکہ کام تو صرف ایک کرتے میں بھی چل سکتا ہے اور معمولی کپڑا کفایت کر سکتا ہے۔ بتاؤ یہ اسراف ہوا یا نہیں۔ اسی طرح عمارت اور لذیذ خوراک، سواریاں اور دیگر دنیاوی آرائشی سامان کہ ان سب میں خوب وسعت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے کم اور ان سے ادنیٰ چیزوں سے بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن اسراف نہیں جس کو شریعت نے حلال کیا وہ مطلقاً ہی حلال ہے۔

قُل مَن حَرَّمَ زِینَتَہِ اللہِ الَّتِی اَخرَ جَھَالِلنَّاسِ

اعتراض ۳ مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

لَعَنَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ القُبُورِ وَالمُتَّخِذِینَ عَلَیھَاالمَسجِدَ وَالسُّرُجَ

''یعنی حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی۔ قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبور پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قبور پر چراغ جلانا لعنت کا سبب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اِخرَاجُ الشُّمُوعِ اِلَی المَقَابِرِبِدعَۃٌ لاَاَصلَ لَہ اسی طرح فتاویٰ بزازیہ میں بھی ہے۔ ''یعنی قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔''

شامی جلد دوم کتاب الصوم میں ہے۔

اَمَّالَونَذَرزَیتًا لاِیقَادِقِندِیل فَوقَ ضَرِیحِ الشَّیخِ اَوفِی المَنَارَۃِ کَمَاتَفعَلُ النِّسَآءُ مِن نَذرالزَّیتِ لِسَیِّدِی عَبدِالقَادِرِ وَیُوقَدُ فِی المَنَارَۃِ جِھَۃَ الشَّرقِ فَھُوَ بَاطِلٌ

''لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا مینارہ میں چراغ جلانے کے لئے تیل کی نذر مانی جیسی کہ عورتیں حضور غوث پاک کے لئے تیل کی نذر مانتی ہیں اور اس کو مشرقی مینارہ میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے۔''

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ارشاد الطالبین میں لکھا۔ ''کہ چراغاں کردن بدعت است پیغمبر خدا بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان لعنت گفتہ۔ چراغاں کرنا بدعت ہے حضور علیہ السلام نے قبر کے پاس چراغاں کرنے اور سجدہ کرنیوالوں پر لعنت فرمائی شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں صفحہ ۴۱ پر ہے۔ داما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغہا ملبوس ساختن قبور بدعت شنیعہ اند۔'' لیکن عرسوں میں حرام کام کرنا جیسے کہ چراغاں کرنا ان قبروں کو غلاف پہنانا یہ سب بدعت سیۂ ہیں۔

ان عبارات سے صاف معلوم ہوا کہ چراغاں بر مزارات محض حرام ہے۔ رہا یہ کہ حرمین شریفین میں چراغاں ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی حجت نہیں کیونکہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہوا جسکا اعتبار نہیں ترکی سلطنت نے ایجاد کیا ہے۔

جواب یہ اعتراض حقیقت میں چھ اعتراضوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان ہی کے بل بوتے پر مخالفین بہت شور مچاتے ہیں۔ جوابات ملاحظہ ہوں۔

ہم اس بحث کے پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی قبر پر بے فائدہ چراغ جلانا منع ہے یہ فضول خرچی ہے اور اگر کسی فائدے سے ہو تو جائز ہے۔ فوائد کل چار بیان کئے۔ تین تو عام مومنین کی قبروں کے لئے اور چوتھا یعنی تعظیم روح مشائخ وعلماء کی قبور کے لئے۔ اس حدیث میں جو قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے وہ اسی کی ہے جو کہ بے فائدہ ہو۔

چنانچہ حاشیہ مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

وَالنَّهْیُ عَنْ اِتِّخَاذِ السُّرُجِ لِمَا فِیْهِ مِنْ تَضْیِیْعِ الْمَالِ

"قبروں پر چراغ جلانے سے اسلئے ممانعت ہے کہ اس میں مال برباد کرنا ہے۔"

اسی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہ نے تصریح فرمائی۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۴۲۹ مصری میں اسی حدیث کو ذکر کرکے فرماتے ہیں۔

اَیْ الَّذِیْنَ یُوْقِدُوْنَ السُّرُجَ عَلَی الْقُبُوْرِ عَبَثًا مِنْ غَیْرِ فَائِدَۃٍ

"ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں پر بے فائدہ عبث چراغ جلاتے ہیں۔"

مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ لَیْلًا فَاُسْرِجَ لَه بِسِرَاجٍ

"نبی کریم ایک شب دفن میت کیلئے قبرستان میں تشریف لے گئے تو آپ کے لئے چراغ جلایا گیا۔"

دوم یہ کہ حدیث میں ہے۔ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْهَا الْمَسٰجِدَ وَالسُّرُجَ حضور علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی جو قبروں پر مسجدیں بنائیں اور چراغ جلائیں۔ ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ودیگر شارحین اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خود قبر پر مسجد بنانا کہ قبر کی طرف سجدہ ہو یا قبر فرض مسجد میں آجائے یہ منع ہے لیکن اگر قبر کے پاس مسجد ہو برکت کیلئے تو جائز ہے یعنی اس جگہ انہوں نے اعلیٰ کے اپنے حقیقی معنیٰ پر رکھا۔ جس سے لازم آیا کہ خود تعویذ قبر پر چراغ جلانا منع ہے۔ لیکن اگر قبر کے اردگرد ہو تو وہ قبر پر نہیں۔ لہذا جائز ہے جیسے کہ ہم گنبد کی بحث میں لکھ چکے ہیں۔ نیز حدیقہ ندیہ میں علامہ نابلسی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ اَلْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْهَا اَیْ عَلَی الْقُبُوْرِ یَعْنِیْ فَوْقَهَا یعنی خاص قبروں کے اوپر اور وجہ اسکی یہ ہے کہ چراغ آگ ہے اور آگ کا قبر پر رکھنا برا ہے اسی لئے خاص قبر میں لکڑی کے تختے لگانے کو فقہاء منع فرماتے ہیں کہ اس میں آگ کا اثر ہے لیکن اگر لکڑی قبر کے پاس پڑی ہو وہ منع نہیں تو چراغ کی ممانعت ہونیکی وجہ سے ہے نہ کہ تعظیم قبر کے لئے نیز یہاں ایک ہی علیٰ اور ذکر ہے مسجد کا اور چراغ کا۔ مسجد کیلئے تو آپ علی کے حقیقی معنیٰ مراد لیں یعنی خاص قبر کے اور چراغ کیلئے مجازی یعنی قبر کے قریب۔ تو حقیقت اور مجاز کا اجتماع لازم ہوگا اور یہ منع ہے لہذا دونوں جگہ علی کے حقیقی معنیٰ ہی مراد ہیں۔

مرقات میں ملاعلی قاری اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

لَاتَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰہِ مَسٰجِدَ اللّٰہِ "اوپر کی قید لگائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر کے برابر مسجد بنانے میں حرج نہیں۔"

لفظ علیٰ سے ثابت کیا کہ قبر کے برابر مسجد جائز۔ اسی طرح لفظ علیٰ سے یہ بھی نکلا کہ قبر کے برابر چراغ جائز تیسرے یہ کہ ہم گنبد کی بحث میں شامی اور دیگر کتب کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ بہت سی باتیں زمانہ صحابہ کرام میں منع تھیں مگر اب مستحب۔ روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ ہے۔

وَفِی الْاِحْیَاءِ اَکْثَرُ مَصْرُوْفَاتِ هٰذِهِ الْاٰثَارِ مُنْکَرَاتٌ فِی عَصْرِ الصَّحَابَةِ

"یعنی احیاء العلوم میں امام غزالی نے فرمایا کہ اس زمانہ کے بہت سے مستحبات صحابہ کرام کے زمانہ میں ناجائز تھے۔"

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ماعلی الولاۃ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ کوئی مسلمان حاکم خچر پر سوار نہ ہو اور چپاتی روٹی نہ کھائے اور باریک کپڑا نہ پہنے اور اپنے دروازہ کو اہل حاجت سے بند نہ کرے اور فرماتے ہیں۔

فَاِنْ فَعَلْتُمْ مِنْ ذٰلِکَ فَقَدْ حَلَّتْ بِکُمُ الْعُقُوْبَةُ "اگر تم نے ان میں سے کچھ بھی کیا تو تم کو سزا دی جاوے گی۔"

اسی مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے مَااُمِرْتُ بِتَشْبِیْدِ الْمَسٰجِدِ مجھ کو مسجدیں اونچی بنانے کا حکم نہ دیا گیا۔ اسکے حاشیہ میں ہے۔

اَیْ بِاِعْلَاءِ بِنَآءِ هَا وَتَزْبِیْنِهَا "یعنی مسجدیں اونچی بنانے اور ان کو آراستہ کرنیکا حکم نہیں۔"

اسی مشکوٰۃ میں ہے۔ لَاتَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰہِ مَسٰجِدَ اللّٰہِ "عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔"

قرآن میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ہیں یعنی مولفۃ القلوب بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن عہد فاروقی سے صرف سات مصرف رہ گئے۔ مولفۃ القلوب کو علیحدہ کردیا گیا۔ (دیکھو ہدایہ وغیرہ) کہیے اب بھی ان پر عمل ہے؟ اب احکام اگر معمولی حالت میں رہیں۔ ان کا رعایا پر رعب نہیں ہوسکتا اگر کفار کے مکانات اور ان کے مندر تو اونچے ہوں مگر اللہ کا گھر مسجد نیچی اور کچی اور معمولی ہو تو اس میں اسلام کی توہین ہے اگر عورتیں مسجد میں جاویں تو صدہا خطرات ہیں کسی کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ یہ احکام کیوں بدلے؟ اس لئے کہ ان کی علتیں بدل گئیں۔ اس وقت بغیر ظاہری زیب و زینت کے مسلمانوں کے دلوں میں اولیاء اللہ اور مقابر کی عزت و حرمت تھی۔ لہذا زندگی موت ہر کام میں سادگی تھی اب دنیا کی آنکھیں ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھتی

ہیں لہٰذا اس کو جائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ پہلے حکم تھا کہ مزارات پر روشنی نہ کرو۔ اب جائز قرار پایا۔ تفسیر البیان میں زیر آیت **اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَاللّٰہِ** ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے منارہ پر ایسی روشنی کی تھی کہ بارہ میل مروع می عورتیں اس کی روشنی میں چرخہ کاتی تھیں اور بہت ہی سونے چاندی سے اس کو آراستہ کیا تھا۔ عالمگیری کی عبارت غلط کی اصل عبارت یہ ہے۔

اِخرَاجُ الشُمُوعِ اِلیٰ رَاسِ القُبُورِ فِی اللَّیَالی الاَوَّلِ بِدعَۃٌ ’’شروع راتوں میں قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔‘‘

اس میں دو کلمے قابل غور ہیں ایک تو خراج دوسرے فی اللیالی الاول۔ ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے نئے مُردوں کی قبروں پر چراغ لے جا کر جلا آتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ اس سے مردہ قبر میں نہ گھبرائے گا۔ جیسا کہ آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مردے کی جگہ چراغ جلاتی ہیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ روزانہ مردے کی روح آتی ہے اور اندھیرا پاکر لوٹ جاتی ہے لہٰذا روشنی کرو دو یہ حرام ہے کیونکہ تیل کا بلا ضرورت خرچ ہے اور بدعقیدگی بھی ہے اسی کو یہ منع فرمارہے ہیں۔ عرس کے چراغات نہ تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ شروع راتوں میں اگر یہ مطلب نہ ہو تو شروع راتوں کی قید کیوں ہے؟ شامی کی عبارت تو بالکل صاف ہے وہ بھی عرس کے چراغوں کو منع نہیں کررہے ہیں وہ فرمارہے ہیں کہ چراغ جلانے کی نذر ماننا جس میں اولیاء اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو وہ حرام ہے کیونکہ شامی کی عبارت اور در مختار کی اس عبارت کے ماتحت ہے۔

وَاعلَم اَنَّ النَّذرَ الَّذِی یَقَعُ لِلاَموَاتِ مِن اَکثَرِ العَوَامِ وَمَایُوخَذِ مِن الدَّرَاھِمِ وَالشَّمعِ وَالزَّیتِ وَنَحوِھَا اِلیٰ ضَرَائحِ الاَولِیَآءِ تَقَرُّبًا اِلَیھِم بِالاجمَاعِ بَاطِلٌ

’’جاننا چاہیئے کہ عوام جو مردوں کی نذریں مانتے ہیں اور ان سے جو پیسہ یا موم یا تیل وغیرہ قبروں پر جلانے کے لئے لیا جاتا ہے اور اولیاء سے قرب حاصل کرنے کے لئے وہ بالاجماع باطل ہے۔‘‘

اور خود شامی کی عبارت بھی ہے۔ **لَونَذَرَ** اگر اسکی منت مانی۔ پھر شامی کی عبارت میں ہے **فَوق ضَرِیحِ الشَّیخ** شیخ کی قبر کے اوپر چراغ جلانا ضریح کہتے ہیں خالص تعویذ قبر کو منتخب اللغات میں ہے۔ ’’ضریح گور یا مغاک کہ درمیان گور سازند اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ خود قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا منع ہے۔ اسی طرح اگر قبر تو نہ ہو یوں ہی کسی بزرگ کے نام پر چراغ کسی جگہ رکھ کر جلا دے جیسے کہ بعض جہلاء بعض درختوں یا بعض طاق میں کسی کے نام سے چراغ جلاتے ہیں۔ یہ بھی حرام ہے اسکو فرمارہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چراغ کسی مشرقی مینارہ میں جلانا باطل ہے۔ غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے۔ اور ان کے چراغ جلے شام کے مینارہ میں یہ بھی منع ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شامی نے تین چیزوں کو منع فرمایا۔ چراغ جلانے کی منت ماننا وہ بھی ولی اللہ کی قربت حاصل کرنیکی نیست سے۔ خاص قبر پر چراغ جلانا بغیر قبر کسی کے نام کے چراغ جلانا۔ عرس کے چراغوں میں یہ تینوں باتیں نہیں۔

مسئلہ بعض جہلاء کسی درخت یا کسی جگہ کی یہ سمجھ کر زیارت کرتے اور وہاں چراغاں کرتے ہیں کہ وہاں فلاں بزرگ کا چلہ ہے یعنی وہاں وہ آیا کرتے ہیں یہ محض باطل ہے ہاں اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھے ہوں یا وہاں انہوں نے عبادت کی ہو تو وہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ متبرک ہے جائز بلکہ سنت ہے۔ بخاری جلد اول کتاب الصلوٰۃ بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا **بَاب المَسٰجِدِ الَّتِی طَرِیقَ المدینَۃ** اس میں بیان فرمایا کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ راستہ میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے ہیں جہاں کہ حضور علیہ السلام نے کبھی نماز پڑھی تھی حتیٰ کہ بعض جگہ مسجدیں بنادی گئیں تھیں۔ مگر وہ غلطی سے کچھ علیحدہ بن گئیں تو سیدنا ابن عمر اس مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ وہاں ہی پڑھتے تھے جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی۔ **فَلَم یَکُن عَبدُ اللّٰہ اِبنُ عُمَرَ یُصَلِّی فِی ذٰلِکَ المَسجِدِ کَانَ یَترُکُہ عِن یَّسَارِہٖ** یہ کیا تھا محض برکت حاصل کرنا آج بھی بعض حاجی غار حرا میں جہاں حضور علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی نمازیں پڑھتے ہیں۔ لہٰذا خواجہ اجمیری وغیرہ رحمہم اللہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنی، ان کی زیارت کرنی۔ ان کو متبرک سمجھنا سنت صحابہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں۔ نذر لغوی ہے۔ جس کے معنی ہیں نذرانہ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے اور فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے اسی لئے فرماتے ہیں **تَقَرُّبًا اِلَیھِم** نذر شرعی عبادت ہے وہ غیر اللہ کے لئے ماننا یقیناً کفر ہے کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرا مریض اچھا ہو گیا تو آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدا ہیں اس بیمار کے اچھے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کرونگا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں پلاؤ کا صدقہ کرونگا۔ اللہ کے لئے اس پر جو ثواب ملے گا۔ آپکو بخشوں گا جیسے کوئی شخص کسی طبیب سے کہے اگر بیمار اچھا ہو گیا۔ تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کروں گا اس میں کیا گناہ ہے؟ اسی کو شامی نے کتاب الصوم بحث اموات میں اس طرح بیان فرمایا۔

بِاَن تَکُونَ صِیغَۃُ النَّذرِ لِلّٰہِ تَعَالٰے لِلتَّقَرُّبِ اِلَیہِ وَیَکُونَ ذِکرُ الشَّیخِ مُرَادًا بِہٖ فُقَرَاءُہٗ

”صیغہ نذر کا اللہ کی عبادت کے لئے ہو اور شیخ کی قبر پر رہنے والے فقراء اس کا مصرف ہوں۔“

یہ محض جائز ہے تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لئے اس کے ثواب کا ہدیہ روح شیخ کے لئے اس صدقہ کا مصرف مزار بزرگ کے خدام فقراء جیسے کہ حضرت مریم کی والدہ نے مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے لئے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور مصرف بیت المقدس کا اِنِّی نَذَرتُ لَکَ مَافِی بَطنِی مُحَرَّرًا دیکھو غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں۔ وَالتِّینِ وَالزَّیتُونِ وَطُورِ سِینِینَ وغیرہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا اَفلَحَ وَاَبِیہِ اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہوگیا۔ مطلب یہی کہ شرعی قسم جس پر احکام قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جاوے۔ مگر لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لئے ہو وہ جائز یہ ہی نذر کا حال ہے ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں چراغ کے لئے تیل بھیجوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔ مشکوٰۃ باب النذور میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھ لو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ وخیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جماعت فقراء کی قید لگا دینا جائز ہے اسی طرح یہ بھی فتاوٰی رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحت صفحہ ۵۴ میں ہے اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے جو نذر بمعنی تقریب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔“ (رشید احمد)

مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام جنگ احد سے بخیریت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی یہ نذر بھی عرفی تھی نہ کہ شرعی یعنی حضور کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ۔ غرضکہ لفظ نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی سے نذر بزرگان دین کے لئے جائز ہے بمعنی نذرانہ۔ جیسے طواف کے دو معنی ہیں لغوی بمعنی آس پاس گھومنا اور شرعی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلیَطَّوَّفُوا بِالبَیتِ العَتِیقِ پرانے گھر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنی میں ہے اور فرماتا ہے یَطُوفُونَ بَینَھَا وَبَینَ حَمِیمٍ اٰنٍ یہاں طواف بمعنی لغوی ہے آنا جانا گھومنا۔ (۴) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وقاضی وثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہما بے شک بزرگ ہستیاں ہیں۔ لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تاکہ کراہت تحریمی وحرمت فقط ان کے قول سے ثابت ہو۔ اس کے لئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے ایک عالم کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہوسکتا ہے۔ مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کو علماء مستحب جانیں۔ مگر کراہت وحرمت میں خاص دلیل کی ضرورت ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز صاحب وقاضی صاحب تو چراغاں اور مزارات کی چادروں کو حرام فرماتے ہیں مگر شامی چادروں کو اور صاحب تفسیر روح البیان اور صاحب حدیقہ ندیہ چراغاں کو جائز بلکہ مستحب فرماتے ہیں یقیناً ان کا قول زیادہ لائق قبول ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز و قاضی صاحبان علیہما الرحمۃ ورضوان کے قول پر لازم ہے کہ حرمین شریفین خصوصاً روضہ مطہرہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدعتوں اور حرام کاموں کا مرکز ہے۔ کیونکہ وہاں غلاف بھی چڑھتے ہیں اور چراغاں بھی ہے اور آج تک کسی عالم یا فقیہ نے اس پر انکار نہ کیا تو وہ تمام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوئے۔ ان دو صاحبوں کا وہ فتویٰ کس طرح مانا جائے۔ جس میں یہ سخت قباحت لازم آوے۔ شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذور میں فرماتے ہیں کہ نذر یکہ ایں جا مستعمل میشود بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان می برند نذر و نیاز گویند۔

(۵) حرمین شریفین کے علماء کا کسی شئی کو اچھا سمجھنا بیشک اس کے استحباب کی دلیل ہے یہ زمین پاک وہ ہے کہ جہاں کبھی بھی شرک نہیں ہوسکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان مایوس ہوچکا کہ اہل عرب اس کی پرستش کریں اور مدینہ پاک کی زمین اسلام کی جائے پناہ اور کفار و مشرکین سے محفوظ رہنے والی ہے۔ مشکوٰۃ باب حرم المدینہ میں ہے کہ مدینہ پاک برے لوگوں کو اس طرح نکال پھینکتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کی میل کو خواہ فوراً نکالے یا کچھ عرض بعد یا کہ بعد موت۔ جذب القلوب میں حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ ”مراد نفی وابعاد اہل شر وفساد است از ساحت عزت ایں بلدہ طیبہ وخاصیت مذکورہ دردے جمیع ازمان ہویدا است“ اس سے مراد یہ ہے کہ علمائے مدینہ کی عبادات کو بے دھڑک شرک وبدعت کہہ دینا سخت غلطی ہے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ چراغاں سلطنت ترکیہ کی ایجاد ہے۔ امام اجل سید نور الدین سمہودی اور جلال الدین سیوطی علیہما الرحمۃ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی اور امام نور الدین سمہودی نے کتاب خلاصۃ الوفا شریف ۸۹۳ھ میں تصنیف فرمائی وہ اس کتاب کے چوتھے باب کی سولھویں فصل میں مدینہ پاک کے چراغاں کا ذکر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

وَاَمَّا مَعَالِیقُ الحُجرَۃِ الشَّرِیفَۃِ الَّتِی حَولَھَا مِن قَنَادِیلِ الذَّھَبِ وَالفِضَّۃِ وَنَحوِھِمَا فَلَم اَقِف عَلٰی بِتِدَآءِ حُدُوثِھِمَا ”لیکن جو سونے چاندی کی قندیلیں روضہ مطہرہ کے اردگرد لٹکی ہوئی ہیں۔ مجھے خبر نہیں کہ کب سے شروع ہوئیں۔“

اسی مقام پر فرماتے ہیں۔ وَقَدْ اَلَّفَ السُّبکی تَالِیفًا سَمَّاہُ تَنَزُّلُ السَّکِینَۃِ عَلیٰ قَنَادِیلِ المَدِینَۃِ وَذَھَبَ فِیہِ اِلیٰ جَوَازِھَا وَصِحَّۃِ وَقفِھَا وَعَدمِ جَوَازِ صَرفِ شَیئِی مِنھَا لِعِمَارَۃِ المَسجِدِ

''امام سبکی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا تنزل السکینہ علی قنادیل المدینہ وہ فرماتے ہیں کہ روضہ مطہرہ کی یہ قندیلیں جائز ہیں ان کا وقف درست ہے ان میں سے کوئی چیز مسجد پر خرچ نہیں ہوسکتی۔ الحمد للہ کہ مخالفین کے تمام سوالات کا مکمل جواب ہوگیا۔''

بحث خاتمہ پنجاب اور یوپی وکاٹھیاواڑ میں عام رواج ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تراویح کی شب میں مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ بعض دیوبندی اس کو بھی شرک وحرام کہتے ہیں۔ یہ محض ان کی بے دینی ہے مساجد کی زینت ایمان کی علامت ہے تفسیر روح البیان میں زیر آیت اِنَّمَا یَعمُرُ مَسٰجِدَاللّٰہِ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ۷ سو قندیلیں بیت المقدس میں روشن کرنے کا حکم دیا۔ اور مسجد نبوی شریف میں اولاً کھجور کی لکڑیاں وغیرہ جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ پھر تمیم داری کچھ قندیلیں اور رسیاں اور تیل لائے اور ان کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں لٹکا کر جلایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا نَوَّرتَ مَسجِدَنَا نَوَّرَ اللّٰہُ عَلَیکَ تم نے ہماری مسجد کو روشن کردیا اللہ تعالیٰ تم کو نورانی رکھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراغاں کیا اور قندیلیں لٹکائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

نَوَّرتَ مَسجِدَنَا نَوَّرَ اللّٰہُ قَبرَکَ یَاابنَ الخَطَّابِ ''اے عمر تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری قبر کو روشن کرے۔''

تفسیر کبیر میں آیت اِنَّمَا یَعمُرُ مَسٰجِدَاللّٰہِ مَن اٰمَنَ بِاللّٰہِ کی تفسیر میں ہے۔

عَنِ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم مَن اَسرَجَ فِی مَسجِدٍسِرَاجًا تَنَزَّلِ المَلٰئِکَۃُ وَحَمَلَۃُ العَرشِ اِلاَّ یَستَغفِرُونَ لَہ مَادَامَ فِی المَسجِدِ ضُوءُہ

''(یعنی) جو کوئی مسجد میں چراغ جلائے تو جب تک مسجد میں اسکی روشنی رہے فرشتے اور حاملین عرش اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔''

فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم کتاب الخطر والاباحت صفحہ ۱۱۲ میں یہ مانا ہے کہ عہد فاروقی میں بعض صحابہ بیت المقدس سے وہاں کی روشنی دیکھ کر آئے اور مسجد نبوی میں متعدد چراغ جلائے گئے پھر مامون رشید بادشاہ نے عام حکم دیا تھا کہ مسجدوں میں بکثرت چراغ جلائے جاویں۔ غرضکہ مسجد کی روشنی سنت انبیاء وسنت صحابہ اور سنت عامۃ المسلمین ہے۔

بحث قبر پر اذان دینے کی تحقیق

مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ جس کے بہت سے دلائل ہیں۔ مگر وہابی دیوبندی اس کو بدعت، حرام، شرک اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جواب بعون اللہ تعالیٰ و کرمہ۔

پہلا باب

اذان قبر کے ثبوت میں

قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے احادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز باب ماىقال عند من حضرت الموت میں ہے۔ **لَقِنُوا اَموتٰکُم لَااِلٰهَ اِلَّااللهُ** اپنے مردوں کو سکھاؤ **لَااِلٰهَ اِلَّااللهُ** دنیاوی زندگی ختم ہونے پر انسان کے لئے دو بڑے خطرناک وقت ہیں ایک تو جان کنی کا۔ دوسرا سوالات قبر بعد دفن کا اگر جان کنی کے وقت خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہوا تو عمر بھر کا کرا دھرا سب برباد گیا۔ اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی برباد ہوئی۔ دنیا میں تو اگر ایک سال امتحان میں فیل ہو گئے تو سال آئندہ دے لو۔ مگر وہاں یہ بھی نہیں۔ اس لئے زندوں کو چاہیئے کہ ان دونوں وقتوں میں مرنے والے کی امداد کریں کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ پڑھ کر سنائیں اور بعد دفن اس تک کلمہ کی آواز پہنچائیں کہ اس وقت تو وہ کلمہ پڑھ کر دنیا سے جائے اور اب اس امتحان میں کامیاب ہو۔ لہٰذا اس حدیث کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جو مر رہا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ۔ دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ پہلے معنیٰ مجازی ہیں اور دوسرے حقیقی اور بلا ضرورت معنیٰ مجازی لینا ٹھیک نہیں لہٰذا حدیث کا یہ ہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ۔ اور یہ وقت دفن کے بعد کا ہے۔ چنانچہ شامی جلد اول باب الدفن بحث تلقین بعد الموت میں ہے۔

اَمَّا عِندَ اَھلِ السُّنَّةِ فَالحَدِیثُ لَقِنُوا اَموَاتَکُم مَحمُولٌ عَلیٰ حَقِیقَتِہٖ وَقَدرُوِیَ عَنہُ عَلَیہِ السَّلَامُ اَنَّہٗ اَمَرَ بِالتَّلقِینِ بَعدَ الدَّفنِ فَیَقُولُ یَافُلَانُ ابنُ فُلَان اُذکُر دِینَکَ الَّذِی کُنتَ عَلَیھَا

"اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث لقنوا اموتکم اپنے حقیقی معنیٰ پر محمول ہے اور حضور علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا پس قبر پر کہے اے فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا۔"

شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَاِنَّمَا لَایُنھٰی عَنِ التَّلقِینِ بَعدَ الدَّفنِ لَاَنَّہٗ لَاضَرَرَفِیہِ بَل فِیہِ نَفعٌ فَاِنَّ المَیِّتَ یَستَانِسُ بِالذِّکرِ عَلیٰ مَاوَرَدَفِی الاٰثَارِ

"دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے نہیں بلکہ اس میں نفع ہی نفع ہے کیونکہ میت ذکر الٰہی سے انس حاصل کرتی ہے۔"

جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اس حدیث اور ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دفن میت کے بعد اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین مستحب ہے تا کہ مردہ نکیرین کے سوالات میں کامیاب ہو۔ چونکہ اذان میں کلمہ بھی ہے۔ اس لئے اذان بھی تلقین میت ہے اور مستحب ہے بلکہ اذان میں پوری تلقین ہے کیونکہ نکیرین میت سے تین سوال کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری جالی والے سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہوا **اَشھَدُ اَن لَااِلٰهَ اِلَا اللهُ** دوسرے کا جواب ہوا **حَیَ عَلَی الصلوٰۃِ** یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں (سوائے اسلام کے کسی دین میں پانچ نمازیں نہ تھیں) تیسرے کا جواب ہوا **اَشھَدُاَن مُحَمَّدا رَسُولُ اللهِ** درمختار جلد اول باب الاذان میں ہے کہ دس جگہ اذان کہنا سنت ہے جس کو اشعار میں یوں فرمایا۔

فَرضُ الصَّلوٰۃِ وَ فِی اذنِ الصَّغِیر وَفِی ــ وَقتِ الحَرِیق وَالحَربِ الَّذِی وَقعَا
خَلفِ المَسافِرِ وَالغَیلَانِ اِن ظَھرتَ ــ فَاحفِظُ لِستٍ ّن لِلَّذِی قَد شَرعًا
وَ زِیدَ اَربَعٌ ذُوھَمٌ وَ ذُو غَضبٍ ــ مُسَافِرٌ ضَلَّ فِی ففر وَ مَن صَرعًا

"نماز پنجگانہ کے لئے، بچہ کے کان میں، آگ لگنے کے وقت، جبکہ جنگ واقع ہو، مسافر کے پیچھے اور جنات کے ظاہر ہونے پر، غصہ والے پر، جو مسافر کہ راستہ بھول جاوے اور مرگی والے کے لئے شامی میں اسی کے تحت ہے۔"

قَدْ یُسَنُّ الْاَذَانُ بِغَیْرِ الصَّلٰوةِ کَمَا فِیْ اَذَانِ الْمَوْلُوْدِ وَالْمَهْمُوْمِ وَالْمَصْرُوْعِ وَالغصنبانِ وَمَنْ ساءَ خُلُقُهٗ مِنْ اِنْسَانٍ اَوْ بَهِیْمَةٍ وَعِنْدَ مُزْدَهِمِ الْجَیْشِ وَعِنْدَ الْحَرِیْقِ وَقِیْلَ عِنْدَ اِنْزَالِ الْمَیِّتِ الْقَبْرَ قِیَاسًا عَلٰی اَوَّلِ خُرُوْجِهٖ لِلدُّنْیَا لٰکِنْ رَدَّهٗ اِبْنُ حَجَرٍ فِیْ شَرْحِ الْعُبَابِ وَعِنْدَ تَفَوُّلِ الْغِیْلَانِ اَیْ تَمَرُّدِ الْجِنِّ

”نماز کے سواء چند جگہ اذان دینا سنت ہے بچہ کے کان میں غمزدہ کے، مرگی والے کے، غصہ والے کے کان میں۔ جس جانور یا آدمی کی عادت خراب ہو اس کے سامنے لشکروں کے جنگ کے وقت آگ لگ جانے کے وقت، میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے لیکن اس میں اذان کے سنت ہونے کا ابن حجر علیہ الرحمتہ نے انکار کیا ہے جنات کی سرکشی کے وقت۔“

علامہ ابن حجر کے انکار کا جواب دوسرے باب میں دیا جاوے گا۔ ان شاء اللہ

مشکوٰۃ باب فضل الاذان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بلال کی اذان سے رمضان کی سحری ختم نہ کردو۔ وہ تو لوگوں کو جگانے کے لئے اذان دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں سحری کے وقت بجائے نوبت یا گولے کے اذان دی جاتی تھی لہذا سوتے کو جگاتے کے لئے اذان دینا سنت سے ثابت ہے۔ اذان کے سات فائدے ہیں جن کا پتہ احادیث اور فقہا کے اقوال سے چلتا ہے ہم وہ فائدے عرض کئے دیتے ہیں۔ خود معلوم ہو جائے گا کہ میت کو ان میں سے کون کون سے فائدے حاصل ہونگے۔ اولاً تو یہ کہ میت کو تلقین جوابات سے ہے جیسا کہ بیان کیا جاچکا۔

دوسرے اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔

مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے۔ **اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّیْطٰنُ لَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لَا یَسْمَعَ التَّاْذِیْنَ**

”جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز لگاتا ہوا بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا۔“

اور جس طرح کہ بوقت موت شیطان مرنے والے کو ورغلاتا ہے تاکہ ایمان چھین لے اسی طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور بہکاتا ہے کہ تو مجھے خدا کہہ دے تاکہ میت اس آخری امتحان میں فیل ہو جاوے۔ **اَللّٰهُمَّ احْفِظْنَا مِنْهُ** چنانچہ نوادر الوصول میں امام محمد ابن علی ترمذی فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا سُئِلَ مَنْ رَّبُّکَ یُرٰی لَهُ الشَّیْطٰنُ فَیُشِیْرُ اِلٰی نَفْسِهٖ اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَلِهٰذَا وَرَدَ سُوَالُ التَّثَبُّتِ لَهٗ حِیْنَ سُئِلَ

”یعنی جبکہ میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو شیطان اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ میرا تیرا رب ہوں۔ اسی لئے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے میت کے سوالات کے وقت اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔“

اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گئی اور بہکانے والا گیا۔

تیسرے یہ کہ اذان دل کی وحشت کو دور کرتی ہے ابو نعیم اور ابن عساکر کرنے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی۔ **نَزَلَ اٰدَمُ بِالْهِنْدِ وَاسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ فَنَادٰی بِالْاَذَانِ** حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل آئے اور اذان دی۔ اسی طرح مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۶۲ باب سوم درمیاں آیات شرف دے میں ہے۔ اور میت بھی اس وقت عزیز و اقارب سے چھوٹ کر تیرہ و تاریک مکان میں اکیلا پہنچتا ہے سخت وحشت ہے اور وحشت میں حواس باختہ ہو کر امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے۔ اذان سے دل کو اطمینان ہوگا۔ جوابات درست دے گا۔ چوتھے یہ کہ اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔

مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رَاٰنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَزِیْنًا فَقَالَ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اِنِّیْ اَرَاکَ حَزِیْنًا فَمُرْ بَعْضَ اَهْلِکَ یُؤَذِّنُ فِیْ اُذُنِکَ فَاِنَّهٗ دَرْءُ الْهَمِّ

”مجھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رنجیدہ دیکھا تو فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ تم کو رنجیدہ پاتا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ تمہارے کان میں اذان کہہ دے کیونکہ اذان غم کو دور کرنیوالی ہے۔“

بزرگان دین حتیٰ کہ ابن الحجر علیہ الرحمتہ بھی فرماتے ہیں کہ **جَرَّبْتُهٗ فَوَجَدْتُهٗ کَذٰلِکَ فِی الْمِرْقَاتِ** مرقاۃ شروع باب الاذان میں ہے یعنی میں نے اس کو آزمایا مفید پایا۔ اب مردے کے دل پر اسوقت جو صدمہ ہے۔ اذان کی برکت سے دور ہوگا اور سرور حاصل ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اذان کی برکت سے لگی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ ابو یعلی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

يُطفِئُوا الحَرِيقَ بِالتَكبِيرِ وَاِذَارَء يتم الحَرِيقَ فَكَبِّرُو افَاِنَّه يُطفِئُي النَّارَ

”لگی ہوئی آگ کو تکبیر سے بجھاؤ اور جبکہ تم آگ لگی ہوئی دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ یہ آگ کو بجھاتی ہے۔“

اور اذان میں تکبیر تو ہے اللہ اکبر لہذا اگر قبر میت میں آگ لگی ہو تو امید ہے کہ خدائے پاک اسکی برکت سے بجھا دے۔

چھٹے یہ کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے تنگی قبر سے نجات ملتی ہے۔ امام احمد و طبرانی و بیہقی نے جابر رضی اللہ عنہ سے سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کے دفن کا واقعہ نقل کر کے روایت کی۔ سَبحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ کَبرَ وَکَبرَالنَّاسُ قَالُو یَارَسُولَ اللّٰہِ لِمَ سَبحتَ قَالَ لَقَد تَضَآئِقَ عَلیٰ هٰذَالرَّجُلَ الصَّلح قَبرُہ حَتّٰے فَرجَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنهُ بعد دفن حضور علیہ السلام نے سبحان اللہ فرمایا۔ پھر اللہ اکبر حضور نے فرمایا اور دیگر حضرات نے بھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حبیب اللہ تسبیح و تکبیر کیوں پڑھی ارشاد فرمایا کہ اس صالح بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔

اس کی شرح میں علامہ طیبی فرماتے ہیں۔

اَی مَازِلتُ مُکَبِّراً وَّ تُکَبِّرُونَ وَاُسَبِّحُ وَ تُسَبِّحُونَ حَتّیٰ فَرَّجَهُ اللّٰہُ

”یعنی ہم اور تم لوگ تسبیح و تکبیر کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے قبر کو کشادہ فرمادیا۔“

ساتویں یہ کہ اذان میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے۔ امام سفلین ابن عینیہ فرماتے ہیں۔ ذِکرِ الصَّالِحِینَ تَنزِیلُ الرَّحمَتِه اور میت کو اس وقت رحمت کی سخت ضرورت ہے۔ غرضکہ ہماری تھوڑی سی جنبش زبان سے اگر میت کو اتنے بڑے بڑے سات فائدے پہنچ جاویں تو کیا حرج ہے؟

ثابت ہوا کہ قبر پر اذان دینا باعث ثواب ہے شامی باب سنن الوضو میں ہے۔ اَلاَصلُ فِی الاَشیآءِ الا بَاحَتُه تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں یعنی جس کو شریعت مطہرہ منع نہ کرے وہ مباح ہے اور جو مباح کام نیت خیر سے کیا جاوے وہ مستحب ہے، شروع مشکوۃ میں ہے۔

اِنمَاالاَعمَالُ بِالنِّیَاتِ شامی بحث سنن الوضو میں ہے۔

اِنَّ الفَرقَ بَینَ العَادَةِ وَالعبَادَةِ هُوَالنِّیَةُالمُتَضَمِّنَةُ لِلاخلاَصِ

”عادت اور عبادت میں فرق نیت اخلاص سے ہے یعنی جو کام بھی اخلاص سے کیا جاوے وہ عبادت ہے۔“

اور جو کام بغیر اخلاص کے ہو وہ عادت۔ درمختار، بحث مستحبات الوضو میں ہے۔

وَمُستَحَبُه هُوَ مَافَعَلَهُ النَّبِیُّ عَلَیهِ السَّلاَمُ کَرَّةً وَ تَرَکَه اُخریٰ وَمَا حَبَهُ السَّلَفُ

”مستحب وہ کام ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا اور کبھی نہ کیا۔ اور وہ بھی ہے جس کو گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہیں۔“

شامی بحث دفن زیر عبارات ولا تخصیص ہے۔ وَقَالَ عَلَیهِ السَّلاَمُ مَارَاٰهُ المُؤمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِندَ اللّٰہِ حَسَنٌ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ چونکہ اذان قبر شریعت میں منع نہیں لہذا جائز ہے اور چونکہ اسکو بہ نیت اخلاص مسلمان بھائی کے نفع کیلئے کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ مستحب ہے۔ اور چونکہ مسلمان اسکو اچھا سمجھتے ہیں لہذا یہ عند اللہ اچھی ہے۔ خود دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاوی رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۴ میں فرماتے ہیں۔ ”کسی نے سوال کیا ہے کہ تلقین کے بعد دفن ثابت ہے یا نہیں تو جواب دیا یہ مسئلہ عہد صحابہ سے مختلف فیہا ہے اسکا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن اس پر مبنی ہے۔ جس پر عمل کرلے درست ہے۔ رشید احمد

دوسرا باب

اذان قبر پر اعتراضات و جوابات میں

اس مسئلہ میں مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ ان شاء اللہ اس کے علاوہ اور نہ ملیں گے۔

اعتراض ۱ قبر اذان دینا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ بھی حرام حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں وہ ہی پرانا سبق۔

جواب ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ بعد دفن ذکر اللہ تسبیح و تکبیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے اور پر زیادتی کرنا منع نہیں۔ فقہا فرماتے ہیں کہ حج میں تلبیہ کے جو الفاظ احادیث سے منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے اگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے۔ (ہدایہ وغیرہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی لہذا یہ سنت سے ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو تو وہ حسنہ ہے جیسے کہ ہم بحث بدعات میں عرض کر چکے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد الاول کتاب البدعات صفحہ ۸۹ پر ہے کہ کسی نے دیوبندیوں کے سردار رشید احمد صاحب سے پوچھا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرون ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب قرون ثلثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اسکی اصل شرع سے ثابت ہے۔ بدعت نہیں۔ رشید احمد عفی

اسی کتاب جناب یہ ختم بخاری اور برسی کی فاتحہ پر ثواب کیوں ہو رہا ہے؟ یہ تو بدعت ہے۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ حرام پر ثواب کیسا۔

نوٹ ضروری مدرسہ دیوبند میں مصیبت کے وقت ختم بخاری وہاں کے طلبا سے کرایا جاتا ہے اہل جماعت طلبا کو شیرینی دیتے ہیں اور روپیہ نفع میں رہا۔ کم از کم پندرہ روپیہ وصول کیے جاتے ہیں شاید یہ بدعت اس لئے جائز ہو کہ مدرسہ کو روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حصول زر کا ذریعہ۔ لیکن اب قبر مومن پر اذان کیوں حرام؟

اعتراض ۲ شامی نے باب الاذان میں جہاں اذان کے موقعہ شمار کیے ہیں وہاں اذان قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا

لَكِنْ رَدَّهُ اِبْنُ حَجَرٍ فِی شَرحِ العَبَابِ اس اذان کی ابن حجر نے شرح عباب میں تردید کر دی معلوم ہوا کہ اذان قبر مردود ہے۔

جواب اولاً تو ابن حجر شافعی مذہب میں بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اذان قبر سنت ہے امام ابن حجر شافعی اسکی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ حنفیوں کو مسئلہ جمہور یہ پر عمل کرنا ہوگا کہ قول شافعی پر؟ دوم امام ابن حجر نے بھی اذان قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سنت ہونیکا انکار کیا۔ یعنی سنت نہیں۔ اگر میں کہوں کہ بخاری چھاپنا سنت نہیں بالکل درست ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ بخاری تھی نہ پریس۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جائز بھی نہیں۔ شامی نے اس موقعہ پر فرمایا وَقَدْيُسَنُّ الْاَذَانُ ان موقعوں پر اذان سنت ہے آگے فرمایا ردہ اس کی ابن حجر نے تردید کی تو کسی چیز کی تردید ہوئی؟ سنت کی۔ شامی سمجھنے کے لئے عقل و ایمان کی ضرورت ہے تیسرے یہ کہ اگر مان بھی لو کہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے خود اذان کی تردید کی تو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں بلکہ اس کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے، بلا دلیل شرعی کراہت تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتی۔

شامی بحث مستحبات الوضو میں ہے۔

وَلَايَلزَمُ مِن تَركِ المُستَحَبِ ثُبُوتُ الكَرَاهَةِ اِذلَابُدَّلَه مِن دَلِيلٍ خَاصٍ

”ترک مستحب سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔“

شامی جلد اول بحث مکروہات الصلوٰۃ بیان المستحب والسنۃ والمندوب میں ہے۔

تَرَكُ المُستَحَبِّ لَا يَلزَمُ مِنهُ اَن يَّكُونَ مَكرُوهًا اِلَّا بِنَهيٍ خَاصٍ لِاَنَّ الكَرَاهَةُ حُكمٌ شَرعِيٌّ فَلَا بُدَّلَه مِن دَلِيلٍ خَاصٍ ”مستحب کے ترک سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو جائے بغیر خاص ممانعت کے کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اس کے لئے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔“

آپ تو اذان قبر کو حرام فرماتے ہیں۔ فقہا بغیر خاص ممانعت کے کسی شئی کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں مانتے۔

اگر کہا جاوے کہ شامی نے اذان قبر کو قیل سے بیان کیا اور قیل ضعف کی علامت ہے تو جواب یہ ہے کہ فقہ میں قیل ضعف کے لئے لازم نہیں شامی کتاب الصوم فصل کفارہ میں ہے۔ فَتَعبِيرُ المُصَنِّفِ بِقِيلَ لَيسَ يَلزَمُ الضُّعفَ اسی طرح شامی بحث دفن میت میں ذکر مع الجنازہ کے لئے فرمایا قِيلَ تَحرِيمًا وَقِيلَ تَنزِيهًا دیکھو یہاں دو قول تھے اور دونوں قیل سے نقل کئے۔

عالمگیری کتاب الوقف بحث مسجد میں ہے **وَقِیلَ هُوَ مَسجِدٌ اَبَدًا وهُوَا الاَصَحّ** یہاں صحیح قول قیل سے بیان کیا معلوم ہوا کہ قیل دلیل ضعف نہیں۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے تو بھی اس اذان کو سنت کہنا ضعیف ہوگا نہ کہ جائز کہنا کیونکہ جائز کہنا یہ سنت ہی کا قول ہے ہم بھی اذان قبر سنت نہیں کہتے صرف جائز و مستحب کہتے ہیں۔

اعتراض ۳ فقہا فرماتے ہیں کہ قبر پر جا کر فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ کرے اور اذان قبر فاتحہ کے علاوہ ہے لہذا حرام ہے چنانچہ بحر الرائق میں ہے۔

وَیُکرَہ عِندَ القَبرِ کلُّ مَالَم یُعهَدُ مِنَ السُّنتِه وَالمَهوُدُ مِنهَا لَیسَ اِلا زِیَارَتُهَا وَالدعَاءُ عِندَهَاقَائِمًا

شامی کتاب الجنائز میں ہے۔

لایَسَنُّ الاَذَانُ عِنـدَ اِدخَالِ المَیِّت فِی قَبرِہٖ کَمَا هُوَ المُعتَادُ الأنَ وَقَد صَرَّحَ اِبنُ حَجَرٍ بِاَنَّه بِدعَةٌ وَّقَالَ مَن ظَنَّ اَنَّه سُنَّةٌ فَلَم یُصِب

’’یعنی میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ آجکل مروج ہے اور ابن حجر نے تصریح فرمادی کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جانے وہ درست نہیں کہتا۔‘‘

درالبحار میں ہے۔ **مِنَ البِدَعِ الَّتِی شَاعَت فِی بِلاَدِ الهِند اَلاذَان عَلَی القَبرِ بَعدَالدَّفنِ**

’’جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہوگئیں۔ ان میں سے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔‘‘

توشیخ شرح تنقیح میں محمود بلخی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں **الأذَانُ عَلَی القَبرِ لَیسَ بِشَئی** قبر پر اذان دینا کچھ نہیں۔ مولوی اسحاق صاحب مائتہ مسائل میں فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہوتا ہے۔

جواب بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت ودعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست ہے وہ زیارت قبور کے وقت فرماتے ہیں۔ یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے تو قبر کو چومنا یا سجدہ کرنا وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت یہ زیارت کا وقت نہیں ہے اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے تو پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا، تختہ دینا، مٹی ڈالنا اور بعد دفن تلقین کرنا جس کو فتاویٰ رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہے۔ بس مردے کو جنگل میں رکھ کر فاتحہ پڑھ کر بھاگ آنا چاہیئے اور زیارت قبر کے وقت بھی ممنوع کام کرنا منع ہیں۔ وہ ہی عبارت بحر الرائق کا مقصود ہے ورنہ مردوں کو سلام کرنا یا ان کے قبور پر سبزہ یا پھول ڈالنا بالاتفاق جائز ہے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور بحر الرائق میں فرمارہے ہیں کہ وہاں بجز زیارت اور کھڑے ہوکر دعا کرنے کے کچھ بھی نہ کرے، مولوی اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان میں ایک سوال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کشف قبور کا طریقہ بیان فرماتے ہیں۔ ’’وبعدہٗ ہفت کرہ طواف کندو دراں تکبیر بخواند واغاز از راست کندو بعدہ طرف پایاں رخسار نہد۔‘‘ یعنی اس کے بعد قبر کا سات چکر طواف کرے اس میں تکبیر کہے اور داہنی طرف سے شروع کرے اور قبر کے پاؤں کی طرف اپنا رخسار رکھے تو کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے؟ اس کا جواب حفظ الایمان صفحہ ۶ پر دیتے ہیں۔ یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو کہ تعظیم و تقرب کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور جس کی ممانعت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ طواف لغوی ہے یعنی محض اس کے اردگرد پھرنا واسطے پیدا کرنے مناسبت وحی کے صاحب قبر کیساتھ اور لینے فیوض کے اس کے نظیر حضرت جابر کے قصے میں وارد ہوتی ہے۔ جبکہ ان کے والد مقروض ہوکر وفات پاگئے۔ اور قرض خواہوں نے حضرت جابر کو تنگ کیا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ باغ میں تشریف لاکر رعایت کرادیجئے حضور علیہ السلام باغ میں رونق افروز ہوئے اور چھوہاروں کے انبار لگوا کر بڑے انبار کے گرد تین بار پھرے۔ **طَافَ حَولَ اَعظَمِ هَابَیدَارًا** یہ حضور کا یہ پھرنا کوئی طواف نہ تھا۔ بلکہ اس میں اثر پہنچانے کیلئے اس کی چاروں طرف پھر گئے۔ اسی طرح کشف القبور کے عمل میں ہے۔ کہیئے اگر اذان قبر اس لئے منع ہے کہ قبر بجز زیارت و دعا کوئی کام جائز نہیں تو یہ قبر کا طواف اور اس سے فیض لینا کیوں جائز ہے؟ لہذا بحر الرائق کی ظاہری عبارت آپ کے بھی موافق نہیں۔ پر لطف بات یہ ہے کہ حفظ الایمان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض ملتا ہے اور فیض لینے کے لئے وہاں جانا اور طواف کرنا، قبر پر رخسارہ رکھنا جائز ہے اسی کو تقویۃ الایمان میں شرک کہا ہے۔ شامی و توشیخ وغیرہ کی عبارتوں کا جواب سوال نمبر ۱ کے ماتحت گذر گیا کہ اس میں سنیت کا انکار ہے نہ کہ جواز کا توشیخ کا فرمانا **لَیسَ بِشَئِی** اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت محض جائز اور مستحب ہے اور اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط ہے جو فقہاء کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت جائزہ یا کہ بدعت مستحبہ فرماتے ہیں نہ کہ بدعت مکروہہ کیونکہ بلا دلیل کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ مولوی اسحاق صاحب دیوبندیوں کے پیشوا ہیں ان کا قول حجت نہیں۔ اور نہ یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہے۔ ورنہ قرآن کے سیپارے اور اعراب اور بخاری بھی مکروہ ہوگئی۔ کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں۔

درمختار باب الصلوٰۃ العیدین مطلب فی تکبیر التشریق میں ہے۔ وَوُقُوْفُ النَّاسِ یَوْمَ عَرفته فِی غَیرِھَا بِالوَاقِفِینَ لَیسَ بِشئی اسی کے ماتحت شامی میں ہے۔ وَھُوَ نَکِرَۃٌ فِی مَوضِعِ النفِی فتعمُ اَنوَاعُ العِبَادَۃِ مِن فَرض ووَّاجِب و مُستَحَب فَبَقِیَتِ الابَاحَتُه قِیلَ یُستَحَب ہدایہ کے حاشیہ میں لیس بشئی کے ماتحت فرماتے ہیں اَی لَیسَ بِشَئی یَتعَلقُ بِہِ الثوَابُ وَھُوَ یَصدقُ الا بَاحَتِه ان عبارات سے معلوم ہوا کہ لیس شیئی مباح کو بھی کہا جاتا ہے۔

اعتراض ۴ اذان تو نماز کی اطلاع کے لئے ہے دفن کے وقت کونسی نماز ہورہی ہے۔ جس کی اطلاع دینا منظور ہے چونکہ یہ اذان لغو ہے پس ناجائز ہے۔

جواب یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نماز کی اطلاع کے لئے ہے ہم پہلے باب میں عرض کرچکے ہیں کہ اذان کتنی جگہ کہنی چاہیئے آخر بچہ کے کان میں اذان دی جاتی ہے وہاں کونسی نماز کا وقت ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رمضان کی شب دو اذانیں ہوتی تھیں ایک تو سحری کے لئے بیدار کرنے کو دوسری نماز فجر کے لئے۔

لطیفہ کاٹھیاوار میں رواج ہے کہ بعد نماز فجر مصافحہ کرتے ہیں اور یوپی میں رواج ہے کہ بعد نماز عید معانقہ (گلے ملنا) کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ معانقہ یا مصافحہ اول ملاقات کے وقت چاہیئے نماز کے بعد تو لوگ رخصت ہورہے ہیں پھر اس وقت کیوں ہوتا ہے یہ مصافحہ اور معانقہ بدعت ہے لہذا حرام ہے ہم نے عرض کیا کہ معانقہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الادب میں ایک باب ہی اسکا باندھا باب المصافحۃ والمعانقہ اور وہاں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا۔ حدیث کی روش بتاتی ہے کہ معانقہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لئے اظہار خوشی میں معانقہ کرتے ہیں۔

نیز درمختار جلد پنجم باب الکراہیۃ باب الاستبراء میں ہے۔ اَی کَمَا تَجُوزُ المُصَافَحَۃُ وَلَو بَعدَ العَصرِ وَ قَولُھُم اِنَّه بِدعَۃٌ اَی مُبَاحَۃٌ حَسَنَۃٌ کَمَا اَفَادَہُ النَّوَوِیُّ فِی اَذکَارِہٖ

''مصافحہ جائز ہے اگرچہ نماز عصر کے بعد ہو اور فقہا کا فرمانا کہ مصافحہ نماز عصر بدعت ہے یعنی بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا۔''

اسی کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں۔

اِعلَم اَنَّ المُصَافَحَۃَ مُستَحَبۃٌ عِندَ کُلِّ لِقَاءٍ وَ اَمَّامَا اعتَادَہ النَّاسُ مِنَ المُصَافَحَۃِ بَعدَ صَلوٰۃِ الصُّبحِ فَلَا اَصلَ لَه فِی الشَّرعِ عَلیٰ ھٰذَاالوَجهِ وَلٰکِن لَّا بَاسَ بِهٖ وَتَقیِیْدُہ بِمَا بَعدَ الصُّبحِ وَ العَصرِ عَلیٰ عَادَۃٍ کَانَت فِی زَمنِهٖ وَاِلَّا فَعقبَ الصَّلَوَاتِ کُلِّھَا کَذَالِکَ

''ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے اور فجر کے بعد مصافحہ کا جو رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں حرج بھی نہیں اور صبح یا عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بناء پر ہے ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ بہرحال جائز ہے لیکن اس کی تسلی نہ ہوئی یہی کہتا رہا کہ مصافحہ معانقہ ملاقات کے وقت چاہیے ہم نے کہا اچھا بتاؤ۔ اول ملاقات کسے کہتے ہیں؟ بولا غائب ہونیکے بعد جب ملیں۔ تو یہ اول ملاقات ہے ہم نے کہا۔ غائب ہونیکی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ جسماً غائب ہوں۔ دوسرے یہ کہ ولی طور پر غائب ہوں نماز کی حالت میں اگرچہ بظاہر تمام مقتدی اور امام ایک جگہ ہی رہے مگر حکمی لحاظ سے سب ایک دوسرے سے غائب تھے کہ نہ کسی سے کلام کرسکیں نہ ایک دوسرے کی مدد۔ بلکہ یہ تمام لوگ دنیا ہی سے غائب ہیں کہ کھانا، پینا، چلنا پھرنا، تمام دنیاوی کام حرام ہیں اور اَلصَّلٰوۃ مِعرَاجُ المُؤمِنِیْن کا نقشہ نظر آرہا ہے دنیا سے تعلق منقطع ہے اور واصل الی اللہ ہیں جب سلام پھیرا۔ اب دنیا میں آگئے تمام دنیاوی کام حلال ہوگئے۔ یہ وقت غائب ہونیکے بعد ملنے کا ہے۔ لہذا مصافحہ سنت ہے وہ کہنے لگا کہ یہ منطق سے سمجھا دیا اس کو شریعت نے تو ملاقات کا وقت نہیں مانا۔ ہم نے کہا مانا ہے اس وقت سلام کس کو کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟ امام کو چاہیئے کہ سلام میں مقتدیوں اور ملائکہ کو سلام کرنیکی نیت کرے اور مقتدی لوگ امام کو اور ملائکہ کو اور تنہا نمازی صرف ملائکہ کی نیت کرے اور سلام یا تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یا رخصت کے وقت۔ بتاؤ یہ سلام کیسا کیا یہ لوگ کہیں سے آرہے ہیں یا جارہے ہیں؟ جا تو نہیں رہے ہیں کہ ابھی دعا مانگیں گے وظیفہ پڑھیں گے بعض لوگ اشراق پڑھ کر اٹھیں گے۔ معلوم ہوا کہ عالم بالا کی سیر کرکے آرہے ہیں اور سلام کررہے ہیں لہذا مصافحہ بھی کریں تو کیا حرج ہے؟ کہنے لگا کہ پھر تو ہر نماز کے بعد چاہئے۔ ہم نے کہا ہاں اگر ہر نماز کے بعد کرے تب بھی منع نہیں۔ الحمد للہ کہ اس کی تسکین ہوگئی۔ اسی طرح یہ مسئلہ اذان ہے۔

بحث عُرس بزرگان

اس بحث کے دو باب ہیں۔ پہلا باب عرس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

ثبوتِ عُرس میں

عرس کے لغوی معنی ہیں شادی۔ اسی لئے دولہا اور دُلہن کو عروس کہتے ہیں بزرگان دین کی تاریخ وفات کو اس لئے عرس کہتے ہیں کہ مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ جب منکرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں **لَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُسِ الَّتِیْ لَا یُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَیْهِ** تو اُس دلہن کی طرح سوجا جس کو سوائے اس کے پیارے کے کوئی نہیں اٹھاسکتا تو چونکہ اس دن نکیرین نے ان کو عروس کہا، اس لئے وہ دن روز عرس کہلایا، یا اس لئے کہ وہ جمالِ مصطفےٰ ﷺ کے دیکھنے کا دن ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دولہا ہیں۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی بہار ہے اور وصال محبوب کا دن عرس کا دن ہے لہٰذا یہ دن عرس کہلایا عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و صدقات کا ثواب پہنچانا اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور اقوال فقہاء سے ہے شامی جلد اوّل باب زیارت القبور میں ہے۔

وَرَوٰی اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَاتِیْ قُبُوْرَ الشُّهَدَآءِ بِاُحُدٍ عَلٰی رَاسِ كُلِّ حَوْلٍ

”ابن ابی شیبہ نے روایت کی کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہداء اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔“

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ كَانَ یَاتِیْ قُبُوْرَ الشُّهَدَآءِ عَلٰی رَاسِ كُلِّ حَوْلٍ فَیَقُوْلُ سَلَامٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ وَالْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ هٰكَذَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ

”حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۴۵ میں فرماتے ہیں۔ ”دوم آنکہ بہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ فاتحہ بر شیرینی و طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضراں کنند ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نہ بود اگر کسے ایں طور کنند باک نیست بلکہ فائدہ احیاء اموات را حاصل میشود“ دوسرے یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کر کے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروج نہ تھی لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ زندوں کو مردوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح میں شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی علیہ الرحمۃ والرضوان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں، ”ایں طعن بنی است بر جہل بہ احوالِ مطلعوں علیہ زیرا کہ غیر ز فرائض شرعیہ مقررہ را ہیچ کس فرض نمی داند آرے تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں بایصال ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آن است کہ آن روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از وار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است۔“ یہ طعن لوگوں کے حالات سے خبردار نہ ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کو فرض نہیں جانتا ہاں صالحین کی قبروں سے برکت لینا اور ایصال ثواب اور تلاوت قرآن اور تقسیم شیرینی و طعام سے ان کی مدد کرنا اجماع علماء سے اچھا ہے عرس کا دن اس لئے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے۔ ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے اچھا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مکتوب ۱۸۲ میں مولانا جلال الدین کو لکھتے ہیں۔ ”اعراس پیراں بر سنت پیراں بسماع و صفائی جاری دارند۔“ پیوں کا عرس پیروں کے طریقہ سے قوالی اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں۔ مولوی رشید احمد، و اشرف علی صاحبان کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب اپنے فیصلہ ہفت مسئلہ میں عرس کے جواز پر بہت زور دیتے ہیں خود اپنا عمل یوں بیان فرماتے ہیں۔ ”فقیر کا مشرب اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک پر ایصالِ ثواب کرتا ہوں اور اول قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ما حضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب بھی اصل عرس کو جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل کتاب البدعات صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں۔ ”بہت اشیاء میں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع ہو گئیں۔ مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے اہل عرب سے معلوم ہوا کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاصکر علماء مدینہ منورہ حضرت امیر حمزہ رضی

اللہ عنہ کا عرس کرتے رہے، جن کا مزار اقدس احد پہاڑ پر ہے غرضکہ دنیا بھر کے مسلمان علماء وصالحین خصوصاً اہل مدینہ عرس پر کاربند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ عنداللہ بھی اچھا ہے۔" عقل بھی چاہتی ہے کہ عرس بزرگاں عمدہ چیز ہو اولاً تو اس لئے کہ عرس زیارت قبور اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے زیارت قبور بھی سنت، صدقہ بھی سنت تو دو سنتوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ہم نے تم کو زیارت قبور سے منع فرمایا تھا۔

اب ضرور زیارت کیا کرو۔ اس سے ہر طرح زیارت قبور کا جواز معلوم ہوا خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی جاوے یا کہ جمع ہو کر اب اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ مجمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے سال کے بعد مقرر کر کے زیارۃ کرنا منع ہے محض لغو ہے معین کر کے ہو یا بغیر معین کئے ہر طرح جائز ہے۔ دوم اس لئے کہ عرس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کے جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی، کلمہ طیبہ، درود پاک وغیرہ پڑھتے ہیں بہت سی برکات جمع ہیں۔ تیسرے اس لئے کہ ایک پیر کے مریدین اس تاریخ میں اپنے پیر بھائیوں سے بلا تکلف مل لیتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت ہوتی ہے اور آپس میں محبت بڑھتی ہے، چوتھے اس لئے کہ طالبان کو پیر تلاش کرنے میں آسانی ہے اور اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگان دین جمع ہوتے ہیں علماء وصوفیاء کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اس سے بیعت کر لے، آخر حج اور زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقرر میں ہے ہوتے ہیں اس میں بھی گذشتہ فوائد ملحوظ ہیں ہم نے دیو بندی اکابر کی قبریں دیکھی ہیں نہ وہاں رونق نہ کوئی فاتحہ خواں، نہ ان کو ایصال ثواب، نہ کسی کو ان سے اور نہ کسی سے ان کو فیض، امور خیر بند کرنے کی یہ برکات ہیں۔

دوسرا باب

مسئلہ عرس پر اعتراضات وجوابات میں

اعتراض ۱ جس کو تم بعد موت ولی سمجھتے ہو۔ اس کا عرس کرتے ہو تم کو کیا معلوم کہ یہ ولی ہے کسی کے خاتمہ پر یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مسلمان مرا یا بے دین ہو کر مرا، پھر کسی مردے کی ولایت کیونکہ معلوم ہو سکتی ہے؟ بڑے بڑے صالح کافر ہو کر مرتے ہیں۔

جواب زندگی کے ظاہری احکام بعد موت جاری ہوتے ہیں اور جو زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز جنازہ، کفن دفن، میراث کی تقسیم وغیرہ کی جاوے گی اور جو زندگی میں کافر تھا بعد موت نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی، نہ گورو کفن، نہ تقسیم میراث، شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے فقط احتمال معتبر نہیں، اسی طرح جو زندگی میں ولی ہو وہ بعد وفات بھی ولی ہے اگر محض احتمال پر احکام جاری ہوں تو کفار کی نماز جنازہ پڑھ لیا کرو شاید مسلمان ہو کر مرا ہو۔ اور مسلمان کو بے جنازہ پڑھے آگ میں جلا دیا کرو کہ شاید کافر ہو کر مرا ہو، نیز مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب المشی بالجنازۃ میں بروایت مسلم وبخاری ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک جنازہ گزرا جس کی لوگوں نے تعریف کی فرمایا وَجَبَتْ واجب ہوگئی۔ دوسرا جنازہ گذرا۔ جسکی لوگوں نے برائی کی۔ فرمایا وَجَبَتْ واجب ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا واجب ہوئی؟ فرمایا پہلے کے لئے جنت اور دوسرے کے لئے دوزخ پھر فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عامۃ المسلمین جس کو ولی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ولی ہے مسلمانوں کے منہ سے وہ بات نکلتی ہے جو اللہ کے یہاں ہوتی ہے اسی طرح جس کو مسلمان ثواب جانیں، حلال جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی باعث ثواب اور حلال ہے کیونکہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں اسی حدیث نے تصریح فرمائی۔

مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ" قرآن فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءِ عَلَى النَّاسِ "ہم نے تم کو امت عادلہ بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔"

مسلمان قیامت میں بھی گواہ اور دنیا میں بھی۔ رب تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ ص کی صداقت کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن سلام ودیگر بزرگوں کی گواہی پیش فرمائی، کہ فرمایا وشهد شاهد من بني اسرائيل على مثله جب صالح مومنین کی گواہی سے نبوت ثابت کی جا سکتی ہے تو ولایت بدرجہ اولی ثابت ہو سکتی ہے، اور جب اس گواہی سے سارے قرآن پاک کا ثبوت ہو سکتا ہے تو کسی شرعی مسئلہ کا ثبوت بدرجہ اولیٰ ہوگا؟

نوٹ ضروری۔ یہ سوال مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے نجدی امام نے کیا تھا ایک مجمع کے سامنے اس کا میں نے یہی جواب دیا تھا جس پر اس نے کہا کہ یہ صحابہ کرام کے لئے تھا کہ وہ جس کے متعلق جو گواہی دیں ویسا ہی ہو جائے کیونکہ وہاں فرمایا ہے۔ اَنْتُمْ ہم اس خطاب میں داخل نہیں۔ کیونکہ ہم

اس وقت موجود نہ تھے، میں نے کہا اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے وَفِیْ رِوَایَۃِ اَلْمُؤْمِنُوْنَ شُھَدَآءُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ ایک روایت میں ہے کہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں زمین میں، اس میں اَنْتُمْ نہیں، نیز قرآن میں سارے احکام خطاب کے صیغہ سے آئے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وغیرہ اور ہم قرآن کے نزول کے وقت نہ تھے لہٰذا ہم ان احکام سے بری ہیں یہ سب امور صرف صحابہ کرام کے لئے تھے قرآن حدیث کے خطابات قیامت تک کے مسلمانوں کو شامل ہوتے ہیں، الحمدللہ کہ امام صاحب کو اس جواب پر غصہ تو آ گیا مگر جواب نہ آیا۔

اعتراض۲ حدیث شریف میں ہے لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا میری قبر کو عید نہ بناؤ، جس سے معلوم ہوا کہ قبر پر لوگوں کا اجتماع کرنا، میلہ لگانا منع ہے کیونکہ عید سے مراد میلا ہے اور عرس میں اجتماع ہوتا ہے میلہ لگتا ہے لہٰذا حرام ہے۔

جواب یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہے۔ اور حدیث کے معنیٰ ہیں کہ میری قبر پر جمع نہ ہو۔ تنہا تنہا آیا کرو، عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں مکانات کی زینت و آراستگی ہوتی ہے۔ کھیل کود بھی ہوتے ہیں یہ ہی اس جگہ مراد ہے یعنی ہماری قبر انور پر حاضر ہو تو با ادب آؤ۔ یہاں آ کر شور نہ مچاؤ کھیل کود نہ کرو۔ اگر قبر پر جمع ہونا منع ہے تو آج مدینہ منورہ کی طرف قافلے بھی جاتے ہیں اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَاہُ بعد نماز پنجگانہ لوگ جمع ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں بحث عرس میں ں فرماتے ہیں۔ لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا اس کے صحیح معنے یہ ہیں کہ قبر پر میلا لگانا اور خوشیاں اور زینت و آراستگی دھوم دھام کا اہتمام یہ ممنوع ہے اور یہ معنیٰ نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا واسطے زیارت روضہ اقدس کے بھی منع ہوتا۔ وَھٰذَا بَاطِلٌ" پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفرادًا و اجتماعًا دونوں طرح جائز ہے یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم ہماری قبر پر جلد جلد آیا کرو مثل عید کے سال بھی کے بعد ہی نہ آیا کرو۔

اعتراض۳ عام عرسوں میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، ناچ رنگ ہوتے ہیں، قوالی گائی جاتی ہے، غرضکہ عرس بزرگان صدہا محرمات کا مجموعہ ہے اس لئے یہ حرام ہے۔

جواب اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا۔ بلکہ حرام تو حرام رہتا ہے، اور حلال حلال، شامی بحث زیارت قبور کتاب الجنائز میں ہے۔

وَلَا تُتْرَکُ لِمَا یَحْصُلُ عِنْدَھَا مِنْ مُنْکَرَاتٍ وَمَفَاسِدَ کَاِخْتِلَاطِ الرِّجَلِ بِالنِّسَآءِ وَغَیْرِھَا لِاَنَّ الْقُرُبَاتِ لَا تُتْرَکُ لِمِثْلِ ذٰلِکَ بَلْ عَلَی الْاِنْسَانِ فِعْلُھَا وَاِنْکَارُ الْبِدَعِ قُلْتُ وَیُؤَیِّدُہٗ مَا مَرَّ مِنْ عَدَمِ تَرْکِ اِتِّبَاعِ الْجَنَازَۃِ وَاِنْ کَانَ مَعَھَا نِسَآءٌ" نَائِحَاتٌ"

"زیارت قبور اس لئے نہ چھوڑ دے کہ وہاں ناجائز کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا خلط کیونکہ ان جیسی ناجائز باتوں سے مستحبات نہیں چھوڑے جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارات قبور کرے اور بدعت کو روکے، اسکی تائید گذشتہ مسئلہ کرتا ہے کہ جنازے کے ساتھ جانا نہ چھوڑے اگرچہ اس کے ساتھ نوحہ کرنے والیاں ہوں۔"

فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں بت تھے اور کوہ صفا و مروہ پر بھی بت تھے مگر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں نے نہ تو طواف چھوڑا اور نہ عمرہ، ہاں جب اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹا دیا، آج بازاروں میں ریل کے سفروں اور دنیاوی جلسوں میں عورتوں مردوں کا اختلاط ہوتا ہے خود حاجیوں کے جہازوں میں بعض وقت طواف میں منیٰ مزدلفہ میں اختلاط مرد و زن ہو جاتا ہے، مگر ان کی وجہ سے اصل شئی کو کوئی منع نہیں کرتا۔ دینی مدارس میں بھی اکثر اوقات بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے نفس مدرسہ حرام نہیں اسی طرح عرس ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا حرام ہے ناچ رنگ حرام ہیں، لیکن ان کی وجہ سے اصل عرس کیوں حرام ہو بلکہ وہاں جا کر ان جیسی ناجائز رسموں کو روکو، لوگوں کو سمجھاؤ، دیکھو جد ابن قیس منافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمائے کہ روم شام کی عورتیں خوبصورت ہیں اور میں عورتوں کا شیدائی ہوں۔ مجھے فتنہ میں نہ ڈالیئے مگر قرآن کریم نے اس عذر کی تردید فرمائی کہ اَلَا فِی الْفِتْنَۃِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَھَنَّمَ لَمُحِیْطَۃٌ" بِالْکٰفِرِیْنَ اس عذر کو رب نے کفر اور ذریعہ جہنم بتایا، دیکھو تفسیر کبیر و روح البیان یہ ہی عذر آج دیوبندی محض روکنے کے لئے کرتے ہیں۔

آج بیاہ شادی میں صدہا حرام رسمیں ہوتی ہیں جس سے مسلمان تباہ بھی ہوتے ہیں اور گنہگار بھی لیکن ان رسوم کی وجہ سے کوئی نکاح حرام کہہ کر بند نہیں کرتا۔

قوالی جو آج کل عام طور پر مروج ہے، جس میں گندے مضامین کے اشعار گائے جاتے ہیں ار فاسق اور امردوں کا اجتماع ہوتا ہے اور مثل آواز پر رقص ہوتا ہے یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جگہ تمام شرائط سے قوالی ہو گانے والے اور سننے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے، بڑے بڑے صوفیائے کرام نے خاص قوالی کو اہل کے لئے جائز فرمایا اور نااہل کو حرام۔ اس کی اصل وہ حدث ہے جو مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب عمر میں ہے، کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک لونڈی دف بجارہی تھی، صدیق اکبر آئے تو وہ بجاتی رہی، عثمان غنی آئے بجاتی رہی مگر جب حضرت فاروق اعظم آئے (رضی اللہ عنہم اجمعین) تو دف کو اپنے نیچے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عمر! تم سے شیطان خوف کرتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ دف بجانا شیطان کام تھا یا کہ نہیں، اگر تھا تو کیا حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہم شرکت کیوں کی۔ اور اگر شیطانی کام نہ تھا تو حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے کیا معنیٰ؟ جواب وہ ہی ہے کہ حضرت فارق رضی اللہ عنہ کے آنے سے قبل یہ ہی کام شیطانی نہ تھا ہوتا رہا، اور فاروق اعظم کے آتے ہیں شیطانی بن گیا بند ہو گیا، اسی لئے صوفیاء کرام نے اس پر چھ شرطیں لگائی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجلس میں کوئی غیر اہل نہ ہو ورنہ شیطان کی اس میں شرکت ہوگی، جیسے کہ مجلس طعام میں اگر کوئی شخص بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کردے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے اس سے لازم یہ نہیں کہ حضرت فاروق کا درجہ کچھ کم ہے بلکہ صحابہ کرام کے مشرب علیحدہ علیحدہ ہیں بعض پر اتباع غالب بعض پر جذبہ محبت غالب اس لئے اثرات مختلف تھے اگر کوئی غوث یا قطب بغیر بسم اللہ کھانے میں شرکت کریں تو ان میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس سے اس غوث کی توہین نہیں ہوتی۔

شامی جلد پنجم کتاب الکراہیت فصل فی اللبس سے کچھ قبل ہے۔ اٰلَۃُ اللّٰھْوِ لَیْسَتْ بِحُرْمَۃٍ لِعَیْنِھَا بَلْ بِقَصْدِ الْلّٰھْوِ مِنْھَا اَلَاتَرٰی اَنَّ ضَرْبَ تِلْکَ الْاٰلَۃِ بِعَیْنِھَا اُحِلَّ تَارَۃً وَّحُرِّمَ اُخْرٰی وَفِیْہِ وَلِیْلٌ'' لِسَادَاتِنَا الصُّوْفِیَۃِ الَّذِیْنَ یَقْصُدُوْنَ بِسَمَاعِھَا اُمُوْرًا ھُمْ اَعْلَمُ بِھَا فَلَا یُبَادِرُ الْمُعْتَرِضُ بِالْاِنْکَارِ کَیْ لَا یُحْرَمُ بَرَکَتَھُمْ فَاِنَّھُمُ السَّادَۃُ الْاَخْیَارُ تفسیرات احمدیہ پارہ ۲۱ سورہ لقمان زیر آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ میں اس قوالی کی بہت تحقیق فرمائی، آخر فیصلہ یہ فرمایا کہ قوالی اہل کے لئے حلال ہے اور نااہل کو حرام۔ پھر فرماتے ہیں وَبِہٖ نَاخُذُ لِاَنَّا شَھِدْنَا اَنَّہٗ نَشَآءٗ مِنْ قَوْمٍ کَانُوْا عَارِفِیْنَ وَمُحِبِّیْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ وَکَانُوْ مَعْذُوْرِیْنَ لِغَلَبَۃِ الْحَالِ وَیَسْتَکْثِرُوْنَ السَّمَاعَ لِلْغِنَاءِ وَکَانُوْا یَحْسَبُوْنَ ذٰلِکَ عِبَادَۃً اَعْظَمَ وَجِھَادًا اَکْبَرَ فَیُحِلُّ لَھُمْ خَاصَّۃً انتھٰی مُلَخَّصًا

حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں بحث قوالی کے متعلق فرماتے ہیں۔ ''محققین کا قول یہ ہے اگر شرائط جوائز جمع ہوں اور عوارض مانع مرتفع ہو جاویں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ مولوی رشید احمد صاحب فتاویٰ رشیدیہ جلد کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۶۱ پر فرمائے ہیں، بلا مزامیر راگ کا سننا جائز ہے، اگر گانے والا محل فساد نہ ہو اور مضمون راگ کا خلاف شرع نہ ہو اور موافق موسیقی کے ہونا کچھ حرج نہیں، خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قوالی اہل کے لئے شرائط کے ساتھ جائز ہے اور بلا شرائط اور نااہل کے لئے حرام ہے، قوالی کی شرائط علامہ شامی نے اسی کتاب الکراہیۃ میں چھ بیان فرمائے ہیں مجلس میں کوئی امرد، بے داڑھی کا لڑکا، نہ ہو اور ساری جماعت اہل کی ہو اس میں کوئی نااہل نہ ہو قوال کی نیت خاص ہو۔ اجرت لینے کی نہ ہو، لوگ بھی کھانے اور لذت لینے کی نیت سے نہ جمع ہوں، بغیر غلبہ کے وجد میں کھڑے نہ ہوں، اشعار خلاف شرع نہ ہوں اور قوالی کا اہل ہو ہے کہ اس کو وجد کی حالت میں اگر کوئی تلوار مارے تو خبر نہ ہو، بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اہل وہ ہے کہ اگر سار روز تک اس کو کھانا نہ دیا جاوے پھر ایک طرف کھانا ہوا دوسری طرف گانا تو کھانا چھوڑ کر گانا اختیار کرے، ہماری اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کی عام قوالیاں حلال ہیں یا عام لوگ قوالی سنیں بلکہ ہم نے بہت سے مخالفین کو سنا وہ اکابر صوفیائے عظام کو محض قوالی کی بنا پر گالیاں دیتے ہیں، اور قوالی کو مثل زنا کے حرام کہتے ہیں، اس لئے عرض کرنا پڑا کو خود قوالی نہ سنو مگر اولیاء اللہ جن سے سماع ثابت ہے اُن کو برا نہ کہو۔ قوالی ایک درد کی دوا ہے جس کو درد ہو وہ پیئے جس کو نہ ہو وہ بچے، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ نہ ایں کاری کنم ونہ انکاری کنم۔ ''میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے خود سنا کہ حدیث میں چونکہ گانے کی بُرائیاں آ گئیں، لہٰذا اس کے مقابل خواجہ اجمیری وامام غزالی کے قول کا اعتبار نہیں یہ سب فاسق تھے، معاذ اللہ۔ ان کلمات سے دکھ پہنچا۔ مختصر یہ مسئلہ لکھ دیا۔

اعتراض ٤ اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جانے سے حلال حرام نہیں بن جاتا، تو تعزیہ داری بت پرستوں کے میلے، کھیل تماشے، سنیما تھیٹر وغیرہ سب جائز ہوئے، کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام جائز بھی ہوتا ہی ہے وہاں بھی یہ ہی کہو کہ یہ مجمع حرام نہیں بلکہ ان میں جو بُرے کام ہیں وہ حرام ہیں جو جائز ہیں وہ حلال نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ جس ولیمہ میں ناچ رنگ دستر خوان پر ہو وہاں جانا منع ہے حالانکہ قبول ودعوت سنت مگر حرام کام کے ملنے سے حرام ہوگئی، اسی طرح عرس بھی ہے مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب ایک تو ہے حرام کا فعل حلال میں شامل ہونا۔ ایک ہے اس میں داخل ہونا جہاں فعل حرام اس کا جز بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہو اور اگر ہوتا ہو تو اس کا یہ نام نہ ہو، اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کردے گا اگر فعل حرام اس طرح جز ہو کر داخل نہ ہو گیا ہو بلکہ کبھی اس میں ہوتا ہو اور کبھی نہیں جس کو خلط کہتے ہیں، تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کردے گا جیسے کہ پیشاب کپڑے میں لگ گیا اور پانی میں پڑ گیا، کپڑے کا جز نہ بنا، پانی کا جز بن گیا، تو احکام میں بہت فرق پڑ گیا، نکاح، سفر، بازار وغیرہ میں محرمات شامل ہو جاتے ہیں مگر ان کا جز نہیں سمجھے جاتے کہ ان کے بغیر اس کو نکاح ہی نہ کہا جاوے اور تعزیہ داری میں اسراف باجے ناجائز میلے اس طرح جز بن کر داخل ہوئے کہ کوئی تعزیہ داری وغیرہ اس سے خالی نہیں ہوتی اور اگر خالی ہو تو اس کو تعزیہ داری نہیں کہتے اگر کوئی شخص کربلا معلّٰی کا نقشہ بنا کر گھر میں رکھ لے نہ تو زمین میں دفن کرے نہ یہ محرمات ہوں تو جائز ہے کیونکہ غیر جاندار کی تصویر بنانا مباح ہے، الحمد للہ کہ عرس میں ناچ گانا وغیرہ داخل نہیں ہوا بہت سے عرس ان محرمات سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو عرس ہی کہا جاتا ہے، سرہند شریف میں مجدد الف ثانی صاحب رضی اللہ عنہ کا عرس بالکل محرمات سے خالی ہوتا ہے عام طور پر لوگ حضرت آمنہ خاتون، سیّدنا عبداللہ، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا عرس کرتے ہیں، صرف مجلس وعظ اور تقسیم طعام شیرینی ہوتی ہے، نیز ہر دعوت قبول کرنا سنت نہیں، نابالغ بچہ کی دعوت، اہل میت کی مروجہ دعوت اغنیاء کو جس کے یہاں صرف حرام کا ہی مال ہو اس کی دعوت قبول کرنا ناجائز ہے، اسی طرح جس ولیمہ میں ناچ ورنگ خاص دستر خوان پر ہو اُس کا قبول کرنا منع ہے، بخلاف زیارت قبور کے کہ وہ بہر حال سنت ہے لہٰذا حرام کام کے اختلاط سے دعوت تو سنت ہے تو اگر وہاں محرمات ہوں تو اس سے یہ سنت حرام نہ ہوگی، بہت باریک فرق ہے خیال رکھنا چاہیئے۔

بحث زیارت قبور کے لئے سفر کرنا

عرس بزرگان اور زیارت قبور کے لئے سفر کرنا بھی جائز اور باعث ثواب ہے دیوبندی وغیرہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے میں جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب

سفر عرس کے بارے میں

سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے۔ یعنی حرام کام کے لئے سفر کرنا حرام ہے۔ جائز کے لئے جائز اور سنت کے لئے سنت ہے۔ فرض کے لئے فرض ہے۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض۔ کبھی جہاد وتجارت کے لئے سفر سنت ہے۔ کیونکہ یہ کام خود سنت ہیں۔ روضہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر واجب ہے کیوں کہ یہ زیارت واجب دوستوں کی ملاقات۔ شادی ختنہ میں اہل قرابت کیشرکت۔ اطباء سے علاج کرانے کے لئے سفر کرنا جائز کیونکہ یہ چیزیں خوب جائز ہیں چوری ڈکیتی کے لئے سفر حرام۔ کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں۔ غرضکہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس کے مقصد کا حکم دیکھ لو۔ عرض خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سنت ہے لہذا اس کے لئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں۔

وَمَن یَّخرُج مِن بَیتِہٖ مُھَا جِرًا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُولِہٖ ثُم یُدرِ کہ المَوتُ فَقَد وقَع اَجرُہ عَلَی اللّٰہ (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۱۰۰)

”جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کے لئے اللہ اور رسول کی طرف نکل گیا پھر اسکو موت آگئی تو اس کا اجر عند اللہ ثابت ہوگیا۔“

سفر ہجرت ثابت ہوا لِایلفِ قُرَیش اِیلاَ فِھِم رِحلتہ الشتآءِ وَالصیفِ

”اس لئے کہ قریش کو میل دلایا ان کے جاڑے اور گرمی کے دنوں سفروں میں۔ سفر تجارت ثابت ہوا۔“

وَاِذاقَالَ مُوسیٰ لِفتہُ لَا اَبرَحُ حَتیٰ اَ بلغَ مَجمعَ البحرَین اَوا مضی حُقُبًا (پارہ ۱۵ سورہ ۱۸ آیت ۶۰)

”اور یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہ رہوں گا جب تک کہ وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملتے ہیں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لئے گئے۔ مشائخ کی ملاقات کیلئے سفر کرنا ثابت ہوا۔

یٰبَنِیَّ اذھبُوا فَتَحَسَّسُوا مِن یَوسُفَ وَاَخِیہِ وَلَا تَیئَسُوا مِن رُّوحِ اللّٰہ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۸۷)

”اے میرے بیٹو جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔“

یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاش یوسف کے لئے حکم دیا۔ تلاش محبوب کے لئے سفر ثابت ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔

اِذھَبُوا بِقَمِیصِی ھَذا فَالقُوہُ عَلیٰ وَجہِ اَبِی یَاتِ بَصِیرًا (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۹۳)

”میرا یہ کرتہ لے جاؤ۔ میرے باپ کے منہ پر ڈالدو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔“

علاج کے لئے سفر ثابت ہوا۔ وَلَمَّا دَخلُو عَلیٰ یُوسفَ اٰویٰ اِلیہِ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۶۹)

”پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔“

ملاقات فرزند کے لئے سفر ثابت ہوا۔ فرزند یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا۔

فَارسِل مَعَنا اخَانَا نکتل وَاِنَّا لَہ لَحفظُونَ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۶۳)

”ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجدیجئے ہم غلہ لائیں گے اور ان کی ضرور حفاظت کریں گے۔“

روزی حاصل کرنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔

اِذھَب اِلیٰ فِرعونَ اِنَّہ طَغیٰ ”فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہوگیا ہے۔“

تبلیغ کے لئے سفر ثابت ہوا۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں ہے۔

مَن خرجَ فِی طَلَبِ العِلمِ فَھُوَ فِی سبیلِ اللّٰہ ”جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔“

حدیث میں ہے۔ اَطلبُو العلمَ وَلو کَان بِا لبصینِ ”علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔ کریما میں ہے۔“

طلب کردن علم شد برتو فرض   دگر واجب است از پیش قطع ارض

”علم کا طلب کرنا تجھ پر فرض ہے اس کے لئے سفر بھی ضروری ہے طلب علم کے لئے سفر ثابت ہوا۔“

گلستان میں ہے۔

بروا ندر جہاں تفرج کن!   پیش ازاں روز کز جہاں بروی

”جاؤ دنیا کی سیر کرو مرنے سے پہلے، سیر کے لئے سفر ثابت ہوا۔ قرآن مجید میں ہے۔“

قُل سِیرُوا فِی الاَرضِ ثُم انظرُوا کَیفَ کَانَ عَاقِبَةُ المُکذّبِینَ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۱۱)

”کفار سے فرمادو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا کیا انجام ہوا۔“

جب ملکوں پر عذاب الٰہی آیا ان کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزارات اولیاء کی زیارت کیلئے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا یہ حضرات طبیب روحانی ہیں اور ان کے فیوض مختلف۔ ان کے مزارات پر پہنچنے سے شان الٰہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعد وفات بھی دینا پر راج کرتے ہیں اس سے ذوق عبادت پیدا ہوتا ہے ان کے مزارات پر دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ شامی جلد اول بحث زیارت قبور میں ہے۔

وَھَل تُندَب الرّحلَةُ لَھَا کَمَا اعتِیدَ مِن الرّحلَةِ اِلیٰ زِیَارَةِ خَلِیلِ الرّحمٰنِ وَ زِیَارَةِ السَّیِّدِ البَدوِیّ لَم اَرمَن صَرّحَ بِہٖ مِن اَئِمّتِنا وَمَنع مِنہُ بَعضُ الاَئِمةِ الشّافِعِیَةِ قِیَاسًا عَلیٰ مَنع الرّحلةِ بِغَیرِالمَسْجِدِ الثّلٰثِ وَرَدّہ الغَزَالی بِوُضوح الفَرقِ

”اور آیا زیارت قبور کے لئے سفر کرنا مستحب ہے جیسے کہ آج کل خلیل الرحمٰن اور سید بدوی علیہ الرحمۃ کی زیارت کیلئے سفر کرنے کا رواج ہے میں نے اپنے آئمہ میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے مسجد کے سفر پر قیاس کر کے لیکن امام غزالی نے اس منع کی تردید کر دی فرق واضح فرما دیا۔“

شامی میں اس جگہ ہے۔

وَاَمّا الاَ ولِیَآءُ فَاِنّھُم مُتَفَاوِتُونَ فِی القُربِ اِلیٰ اللّٰہِ وَ نَفع الزَّائِرِین بِحَسبِ مَعَارِفِھِم وَاَسرَارِھِم

”لیکن اولیاء اللہ تقرب الی اللہ و زائرین کو نفع پہنچانے میں مختلف ہیں بقدر اپنے معروف و اسرار کے۔“

مقدور شامی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقبت میں امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔

اِنّی لَا تَبَرک بِاَبی حَنِیفَةَ وَ اَجِیءُ اِلیٰ قَبرِہٖ فَاِذا عَرَضَت لی حَاجة“ صَلَّیتُ رَکعَتَینِ وَسَالتُ اللّٰہَ عِندَ قَبرِہٖ فَتقضیٰ سَرِیعًا

”میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت در پیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جا کر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے۔“

اس سے چند امور ثابت ہوئے زیارت قبور کے لئے سفر کرنا۔ کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن فلسطین سے بغداد آتے تھے۔ امام ابوحنیفہ کی قبر کی زیارت کے لئے صاحب قبر سے برکت لینا ان کی قبروں کے پاس جا کر دعا کرنا۔ صاحب قبر کو ذریعہ حاجت روائی جاننا۔ نیز زیارات روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۵۹ میں ہے ”زیارت بزرگان کے لئے سفر کر کے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں اور بعض ناجائز دونوں اہل سنت کے علماء ہیں۔ مسئلہ مختلفہ ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے۔“ رشید احمد عفی عنہ

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عرس سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرما سکتے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو۔ اسلئے کہ ہم عرض کر چکے سفر کی حلت و حرمت اسکے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت قبر۔ اور یہ منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی اجازت مطلقاً ہے۔ اَلاَ فَزُورُوھَا تو سفر کیوں حرام ہوگا۔ نیز دینی و دنیاوی کاروبار کے لئے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دینی کام کے لئے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو؟

دوسرا باب

سفر عرس پر اعتراضات وجوابات میں

اعتراض ۱ مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

لَا تُشَدُّالرِّحَالُ اِلَّا اِلیٰ ثَلٰثِ مَسٰجِدَ مَسجِدُ الحَرَامِ وَالمَسجِدُ الاَ قصےٰ وَمَسجِدی ھٰذَا

''تین مسجدوں کے سواء اورکسی طرف کا سفر نہ کیا جاوے۔ مسجد بیت اللہ۔ مسجد بیت المقدس، اور میری یہ مسجد۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اورکسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت قبور بھی ان تینوں کے سواء ہے۔

جواب اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے چنانچہ مسجد بیت الحرام میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر۔ بیت المقدس اور مدینہ پاک کی مسجد میں ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر۔ لہٰذا ان مساجد میں یہ نیت کرکے دور سے آنا چونکہ فائدہ مند ہے جائز ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کر کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے محض لغو ہے اور ناجائز کیوں کہ ہر جگہ کی مسجد میں ثواب یکساں ہے جیسے بعض لوگ دہلی کی جامع مسجد میں جمعۃ الوداع پڑھنے کے لئے سفر کرکے جاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر وہاں ثواب زیادہ ہوتا ہے یہ ناجائز ہے تو سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور پھر زیادتی ثواب کی نیت سے منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ نہ کی جاوے تو ہم پہلے باب میں بہت سے سفر قرآن سے ثابت کرچکے ہیں وہ سب حرام ہوگئے۔ آج تجارت کے لئے، علم دین کے لئے، دنیوی کاموں کے لئے صدہا قسم کے سفر کرتے ہیں۔ وہ سب حرام ٹھریں گے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے ''وبعضے از علماء گفتہ اندکہ تجن درمساجداست یعنی درمسجدے دیگر جزایں مساجد سفر جائز نہ باشدواما مواضع دیگر جز مساجد خارج ازمفہوم ایں کلام است۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں کلام مسجدوں کے بارے میں ہے یعنی ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں مسجد کے علاوہ اور مقامات وہ اس کلام کے مفہوم سے خارج ہیں۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فِی الشَّرحِ المُسلِم لِلنوَوِی قَالَ اَبُو مُحَمَّدٍ یُحرِّمُ شَدُّالرِّحَالِ اِلیٰ غَیرِ الثَّلٰثَۃ وَھُوَ غَلَط'' وَفِی الاحیَاءِ ذَھَب بَعضُ العُلَمَآءِ اِلیٰ الاستدلاَلِ عَلَی المَنعِ مِنَ الرِّحلَۃِ لِزِیَارَۃِ المشَاھِدِ وَقبورِ العُلَمَآءِ وَالصّٰلِحِینَ وَمَاتَبَیَّنَ الی اَنَّ الاَمرَ لَیسَ کَذٰلِکَ بَلِ الزِّیَارَۃُ مَامُور'' بِھَالخَبرِ الاَ فَزُورُوھَا اِنَّما وَرَدَنَھیًا عَنِ الشَّدِّ بِغَیرِ الثَّلٰثَۃِ مِنَ المَسجِدِ لِتَمَا ثلِھَا وَاَمَّا المَشَاھدُ فَلاتُسَاوِی بَل بَر کَۃُزِیَارتھَا عَلیٰ قَدرِ دَرَجَاتِھم عِندَاللّٰہِ ھَل یَمنَع ذٰلِکَ القَائِلُ عَن شَدِّالرِّحَالِ بِقُبورِ الاَنبِیَآءِ کَابرَاھِیم ومُوسیٰ وَیَحییٰ وَالمَنع مِن ذٰلِکَ فِی غَایَۃِ الاحَالِۃِ وَالاَولِیَاءُ فِی مَعنَاھُم فَلا عَبعُدَاَن یَّکُونَ ذٰلِکَ مِن اَغرَاضِ الرِّحلَۃِ کَمَا اَنَّ زِیَارَۃَ العُلَمَاءِ فِی الحَیٰوۃِ

''نووی کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سواء ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء العلوم میں ہے کہ بعض علماء متبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو مجھ کو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قبور کا حکم ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے کہ **الا فزوردھا** ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات متبرکہ یہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات ہیں کیا یہ مانع انبیائے کرام کی قبور کے سفر سے بھی منع کریگا جیسے حضرت ابراہیم وموسیٰ ویحییٰ علیہم السلام اس سے منع کرنا سخت دشوار ہے اور اولیاء اللہ بھی انبیاء کے حکم میں ہیں پس کیا بعید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے میں بھی کوئی خاص غرض ہو۔ جیسا کہ علماء کی زندگی میں ان کی زیارت کرنا۔

اسی مشکوٰۃ کتاب الجہاد فی فضائلہ میں ہے۔

لَاتَرکَبِ البَحرَ اِلَّاحَاجًا اَو مُعتَمرًا اَو غَزِیًا فَاِنَّ تَحتَ البَحرِ نَارًا وتَحتَ النَّار بحرًا

''دریا میں سوار نہ ہو مگر حاجی یا غازی یا عمرہ کرنیوالا کہیئے کیا سوائے تینوں کے اوروں کو سفر دریا حرام ہے۔''

غرضکہ حدیث کا وہی مطلب ہے جو کہ ہم نے عرض کردیا۔ ورنہ دنیا کی زندگی مشکل ہوجاوے گی۔

اعتراض ۲ اللہ ہر جگہ ہے اس کی رحمت ہر جگہ پھر کسی چیز کو ڈھونڈنے کے لئے اولیاء کے مزاروں پر سفر کر کے جاتے ہیں دینے والا رب ہے وہ ہر جگہ ہے۔

جواب اولیاء اللہ کی رحمت رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں ہی سے ملتی ہے ریل اپنی پوری لائن سے گزرتی ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے لئے اسٹیشن پر جانا ہوتا ہے اگر اور جگہ لائن پر کھڑے ہوگئے تو ریل گزر یگی تو سہی مگر تم کو نہ ملے گی۔ آج دنیاوی مقاصد، نوکری، تجارت وغیرہ کیلئے سفر کیوں کرتے ہو۔ خدا رازق ہے وہ ہر جگہ دے گا۔ طبیب کے پاس بیمار سفر کر کے کیوں آتے ہیں خدا شافی الامراض ہے اور وہ تو ہر جگہ ہے آب وہوا بدلنے کے لئے پہاڑ اور کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو، وہاں کی آب وہوا تو تندرستی کو مفید ہو۔ لیکن اولیاء کے مقامات کی آب وہوا ایمان کو مفید نہ ہو۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا؟ وہ سب کچھ ان کو یہاں ہی دے سکتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے

هُنَالِكَ دَعَا ذَكَرِيَّا رَبَّه‘ معلوم ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے پاس کھڑے ہوکر بچے کے لئے دعا کی یعنی ولیہ کے پاس دعا کرنا باعث قبول ہے۔ معلوم ہوا کہ قبور اولیاء کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

اعتراض ۳ جس درخت کے نیچے بیت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اس کو زیارت گاہ بنالیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوادیا تو قبور اولیاء کو زیارت گاہ بنانا فعل عمر کے خلاف ہے۔

جواب یہ محض غلط ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو ہرگز نہیں کٹوایا، بلکہ وہ اصل درخت قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہوگیا تھا۔ اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کردی تھی۔ اس غلطی سے بچانے کے لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے درخت کو کٹوایا۔ اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تبرکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور علیہ السلام کے بال مبارک تہبند شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کو کیوں باقی رہنے دیا۔

مسلم جلد دوم کتاب الامارت باب بیان بیعت الرضوان۔ بخاری جلد دوم باب غزوہ الحدیبیہ میں ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ اَبِی مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عِندَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَانطلقنَا فِی قَابِلٍ حَآجِّينَ فَخَفِيَ عَلَينَا مَكَانُهَا.

”میرے والد بھی ان میں سے ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام سے درخت کے پاس بیعت کی تھی انہوں نے فرمایا کہ ہم سال آئندہ حج کے لئے گئے تو۔ تو اسکی جگہ ہم پر مخفی ہوگئی۔“

بخاری میں ہے۔ **فَلَمَّا خَرَ جنَامِنَ العَامِ المُقبِلِ نَسِينَا هَا فَلَم نَقدِر عَلَيهَا**

”پس جبکہ ہم سال آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے اور اس کو پانہ سکے۔“

پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اصل درخت کٹوادیا۔

بحث کفن یا الفی لکھنے کا بیان

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اولاً تو قبر میں شجرہ یا غلاف کعبہ یا عہد نامہ یا دیگر تبرکات کا رکھنا۔ دوم مردے کے کفن یا پیشانی پر انگلی یا مٹی یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ یہ دونوں کام جائز اور احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے ثابت ہیں۔ مخالفین اسکے منکر ہیں۔ لہٰذا اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب

کفنی یا الفی لکھنے کے ثبوت میں

قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ وشجرہ یا عہد نامہ رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہے قرآن فرماتا ہے **وَابتَغُو اِلَیـہِ الوَسِیلَتَه**

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا تھا **اِذهَبُوا بِقَمِیصِے هٰذا فَالقُوهُ عَلیٰ وَجهِ اَبِی یَاتِ بَصِیرًا** میری قمیص لے جا کر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی۔ تو امید ہے کہ بزرگوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آ جائیں۔

مشکوٰۃ باب غسل المیت میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایات ہے کہ جب ہم زینب بنت رسول علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم ﷺ کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل رکھ دو۔ اس کے ماتحت لمعات میں ہے۔

هٰذَا الـحَدِیثُ اَصل " فِی التَبرکِ بِاٰثَارِ الصّٰلِحِینَ وَلِبَاسِهِم کَمَا یَفعَله بَعضُ مُرِیدی المَشَائِخ مِن لُبسَ اَقمِصِهِم فِی القَبر

" یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور انکے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض مریدین قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں۔ "

اسی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات شریف میں ہے " دریں جا استحباب تبرک است بلباس صلحین و اثار ایشاں بعد از موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھا یہی شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاخیار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے احوال میں فرماتے ہیں۔ " چوں وقت رحلت قریب تر آمد فرمودند کہ بعض ابیات وکلمات کہ مناسب معنیٰ عفو واشعار اور کلمات جو کہ عفو وبخشش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں " شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است لیکن ایں را دو طریق است اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بالاء کفن گذارند ایں طریق را فقہاء منع مے کنند وطریق دوم ایں است کہ جانت سر مردہ اندروں قبر طاقچہ بگذارند دوران کاغذ شجرہ را نہند۔ " قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں طاقچہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ مشکوٰۃ باب غسل المیت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبداللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔ اس کو نکلوایا۔ اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب مَن اَعَدَّ الکَفَن میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہنے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہبند شریف حضور علیہ السلام سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رد کرنا عادت کریمہ نہیں تم نے کیوں مانگ لیا۔ انہوں نے کہا۔

وَاللّٰهِ مَاسَئلته لِاَلبِسَهَا اِنَّمَا سَئَلتُه لِتَکُون کَفَنِی قَال سَهل " فَکَانَت کَفَنه

" اللہ کی قسم میں نے پہننے کے لئے نہیں لیا ہے میں نے تو اس لئے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سہل فرماتے ہیں کہ وہی اسکا کفن ہوا۔ "

ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن عبداللہ بن عباس سے روایت کی کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹے پھر ان کو دفن کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

اِنّی اَلبَستُهَا لِتَلبسَ مِن ثِیَابِ الجَنۃِ وَ اَضطَجَعتُ مَعَهَا فِي قَبرِهَالِاُخَفِّفَ عَنهَا ضَغطَةَ القَبر

" قمیص تو اسلئے پہنائی کہ انکو جنت کا لباس ملے اور انکی قبر میں آرام اسلئے فرمایا کہ ان سے تنگی قبر دور ہو۔ "

ابن عبدالبر نے کتاب الاستعیاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کہ حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قمیص پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

وَخُذ ذٰلِکَ الشَّعر وَالاَ ظفَارَ فَاجعَلهُ فِی فَمِی وَ عَلیٰ عَینی وَمَوَاضِعِ السُّجُودِ مِنِّی

’’اوران مبارک بالوں اور ناخنوں کو لو۔ اور انکو میرے منہ میں اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضاء سجدہ پر رکھ دینا۔‘‘

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبدالرحمٰن رواسی سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیقات منظور ہو تو الحرف الحسن مصنفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مطالعہ کریں۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادرالاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَن کَتَبَ هٰذا الدُّعَاءَ وَجَعَلَه بَیۡنَ صَدرِ المَیِّتِ وَکَفَنِهٖ فِی رُقعَةٍ لَم یَنلهُ عَذَاب القَبرِ وَلَا یزی مُنکَرًا وَ نَکِیرًا

’’جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔‘‘

فتاویٰ کبریٰ المکی میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا۔

اَنَّ هٰذَا الدُّعَآءَ لَه اَصل ’’ وَ اَنَّ الفَقِیهَ ابنِ عَجِیلٍ کَانَ یَامُرُبِهٖ ثُمَّ اَفتیٰ بِجوازِ کِتَابَتِهٖ قِیَاسًا عَلیٰ کِتَابَةِ اللّٰهِ فِی نَعمِ الزَّکوٰةِ.

’’اس دعا کی اصل ہے اور فقیہ ابن عجیل اسکا حکم دیتے تھے اور اسکے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔‘‘

وہ دعا یہ ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکبَر لَآ اِلٰهَ اِلا اللّٰهُ وَحدَه لا شَرِیکَ لَه لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه لَهُ المُلکَ وَلَهُ الحَمدُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلاَ حَولَ وَلاَ قُوَّةَ اِلَّا بِا اللّٰهِ العَلِیِّ العَظِیمِ

الحرف الحسن میں ترمذی سے نقل کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتہ اسے مہر لگا کر قیامت کے لئے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لا کر نداء کرے گا کہ عہد والے کہاں ہیں؟ ان کو یہ عہد نامہ دیا جاوے گا امام ترمذی نے فرمایا کہ وَعَن طَاؤسٍ اَنه اَمَرَ بِهٰذَا الکَلِمٰتِ فکتِبَ فِی کَفَنِهٖ (الحرف الحسن) حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وجیز امام کروری کتاب الستحسان میں ہے۔

ذَکَرَ الاِمَامُ الصَّفَّارُ لَو کَتَب عَلےٰ جَبهَةِ المَیِّتِ اَوعلےٰ عِمامَتِهٖ اَو کَفَنِهٖ عَهدنَامَه یُرجیٰ اَنۡ یَّغفِرَ اللّٰه تَعَالےٰ لِلمَیِّتِ وَ یَجعَله اَمنًا مِن عذَابِ القَبر.

’’امام صفار نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا میت کی بخشش فرمادے اور عذاب قبر سے امن دے۔‘‘

درمختار جلد اول باب الشہید سے کچھ قبل ہے۔

کَتَب عَلےٰ جَبهَةِ المَیِّت اَو عمَامَتِهٖ اَو کَفَنِهٖ عَهدنَامَه یُرجیٰ اَن یَّغفِرَ اللّٰهُ لَلمَیِّتِ

’’میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے۔‘‘

درمختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھ دی جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گذری؟ اس نے کہا کہ بعد دفن ملائکہ عذاب آئے مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ عذاب الٰہی سے بچ گیا۔ فتاویٰ بزازیہ میں کتاب الجنایات سے کچھ قبل ہے۔

اَذکَرَ الاِمَامُ الصَّفَّارُ لَو کَتَب عَلےٰ جَبهَةِ المَیِّت اَو عَلیٰ عمَامَتِهٖ اَو کَفَنِهٖ عَهدنَامَه یُرجیٰ اَن یَّغفِرَ اللّٰهُ تَعالیٰ لَلمَیِّتِ وَ یَجعَله امنًا مِن عذَابِ القَبرِ قَالَ نَصِیرهٰذِهٖ رِوَایَة فِی تَجوِیزِ ذٰلِلَ وَقَدروِی اَنَّه کَانَ مَکتُوبًا عَلیٰ اَفخَاذِ اَفرَاس فِی اَصطَبلِ الفاروقِ حُبس فِی سَبِیلِ اللّٰه

"اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کر دے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے۔ اور مروی ہے کہ فاروق کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ **حُبِسَ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ** ان کے علاوہ اور بہت سی روایت فقہیہ پیش کی جا سکتی ہیں مگر ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیق کے لئے الحرف الحسن یا فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ کرو۔"

عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر سبز گھاس و پھول کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہے اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟ دوم اس لئے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچ جاوے تا کہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہ ہی اللہ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر بھی مردے کو جواب نکیرین یاد آنے کی امید ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث **لَقِّنُوْا مَوْتٰکُمْ** میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر۔ تیسرے اس لئے کہ اللہ والوں کے نام کی برکت سے مصیبت ٹلتی ہے۔ جلی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ گھبرایا ہوا دل قرار پاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ** اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں۔ تفسیر نیشاپوری و روح البیان سورہ کہف زیر آیت **مَا یَعْلَمُہُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ** اور تفسیر صاوی شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنی جگہ کام آتے ہیں گی ہوئی چیز تلاش کرنا۔ جنگ کے وقت۔ بھاگتے وقت۔ آگے بجھانے کے لئے ایک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو۔ بچہ کے رونے کے وقت لکھ کر گہوارے میں بچہ کے سر کے نیچے رکھ دیئے جاویں۔ اور کھیتی کے لئے اگر کسی کاغذ پر لکھ کر لکڑی میں لگا کر درمیان کھیت میں کھڑی کر دی جاوے۔ اور بخار، دردسر کے لئے۔ حاکم کے پاس جانے کے وقت سیدی ران پر لکھ کر باندھے۔ مال کی حفاظت کیلئے۔ دریا میں سوار ہوتے وقت اور قتل سے بچنے کے لئے۔ (از الحروف الحسن و تفسیر خزائن العرفان و جمل) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں۔ یملیخا، مکشلینا، مشلینا، مرنوش، دبرنوش، شاذنوش، مرطوش (روح البیان سورہ کہف آیت **مَا یَعْلَمُہُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ**)

محدثین کبھی اسناد صحیح نقل کر کے فرما دیتے ہیں **لَوْ قُرِئَتْ ھٰذِہِ الْاَسْنَادُ عَلٰی مَجْنُوْنٍ لَبَرِءَ مِنْ جُنَّتِہٖ** اگر یہ اسناد کسی دیوانے پر پڑھی جائے تو اس کو آرام ہو جاوے اسناد میں کیا ہے بزرگان دین، راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں۔ اصحاب بدر کے ام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔ تو زندگی میں تو ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں۔ اور بعد موت بیکار ہوں یہ نہیں ہو سکتا ضرور ان سے فائدہ ہو گا۔ لہٰذا میت کے لئے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جائے۔

دوسرا باب
کفنی لکھنے پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

اعتراض ۱ وہ ہی پرانا سبق کہ کفنی (الفی) لکھنا بدعت ہے لہٰذا حرام ہے۔

جواب ہماری گذشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق۔

اعتراض ۲ کفنی کو تلقین سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مردہ ان پڑھ ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا۔

جواب بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔ جہالت اس عالم میں ہو سکتی ہے وہاں نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے (دیکھو شامی کتاب الکراہیت) حالانکہ بہت سے جنتی دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مردے سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے۔ رب تعالیٰ نے میثاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہد و پیمان لیا تو کیا مرنے کے بعد میت کو کسی مدرسہ میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ نہیں بلکہ خوب بخود آ جاتی ہے۔ قیامت کے دن سب کو نامہ اعمال لکھے ہوئے دیئے جائیں گے۔ اور جاہل و عالم سب ہی پڑھیں گے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے لہٰذا یہ تحریر اس کے لئے مفید ہے۔

اعتراض ۳ علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التشہد کے کچھ عرصہ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ میں اس کو منع فرمایا کیوں کہ جب میت پھولے پھٹے گی تو اس کے پیپ و خون میں یہ حروف خراب ہوں گے۔ اور ان کی بے ادبی ہو گی۔ لہٰذا یہ ناجائز ہے۔ (مخالفین عام طور پر یہ ہی سوال کرتے ہیں)

جواب اس کے چند جوابات ہیں اوّلاً تو یہ کہ دلیل دعوی کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا یا کہ عہد نامہ قبر میں طاقچہ میں رکھ دیا تو

جائز۔ اس میں حروفوں کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہٰذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں۔ دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔ اسی مقام پر خود فرماتے ہیں۔

نَعَم نُقِل عَن بَعضِ المُحَشِّينَ عَن فَوَائِدِ الشَّرجِيّ اَنَّ مِمَّا يُكتَبُ عَلىٰ جَبهَةِ المَيِّتِ بِغَيرِ مِدَادٍ بِالاَصبعِ المُسَبِّحَةِ بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ وَعَلَى الصَّدرِ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَذٰلِکَ بَعدَ الغُسلِ قَبلَ التَّکفِينِ

”بعض محققین نے فوائد الشرجی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سینے پر لکھا دیا جاوے لا اله الا الله محمد رسول الله ﷺ اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو۔“

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ بزازیہ سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا ابن حجر شافعی ہیں۔ تو کیا احناف کے حکم مقابل شوافع کے فتوے پر عمل ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ ابن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھٹتیں۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو فائدہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے افعال نقل کئے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنے لخت جگر زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے کفن میں رکھوایا ۔ حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہیے کیا یہاں خون و پیپ میں لتھڑے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظم نہ تھیں چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ کہ متبرک چیزوں کا نجاست میں ڈالنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرورتاً رکھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہیں ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں آب زمزم نہایت متبرک پانی ہے اس سے استنجا کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا مباح۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خوردہ مبارک کھانا پینا جائز حلال۔ حالانکہ یہ پیٹ میں پہنچ کر مثانہ میں جاتے ہیں اور وہاں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ حُبِسَ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ حالانکہ وہاں لکھنے میں پیشاب کی چھینٹیں پڑنے کا احتمال قوی ہے گھوڑے نجس زمین پر بھی لوٹتے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں۔ رہا شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر امتیاز کے لئے تھی لہٰذا اس کا حکم اور ہو گیا یہ صحیح نہیں کیوں کہ کسی مقصد کیلئے ہو حروف تو وہ ہی نیت کے فرق سے حروف کا حکم نہیں بدلتا۔ غرضکہ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال آئمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی المذہب کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت پیش کرو۔ اور وہ تو نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہوسکتا ہے مگر کراہیت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان اقوال میں قول استحباب قابل قبول ہے نہ کہ یہ قول کراہت کیوں کہ بلا دلیل ہے۔

اعتراض ٤ عہد نامہ یا شجرہ قبر میں رکھنا اسراف ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو آویگا نہیں برباد ہو جاوے گا اور اسراف حرام ہے۔

جواب چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدے ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہٰذا بیکار نہیں تو اسراف بھی نہیں۔

اعتراض ٥ حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا مگر اسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بیکار ہے۔ نیز پتہ لگا کہ حضور کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو اپنا لعاب دہن ولباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن دوزخ میں جاسکتے ہیں۔ کیوں کہ عبداللہ ابن ابی منافق دوزخی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب۔ لہٰذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا۔

جواب اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیوں کہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیض بطور کفنی ہی پہنائی تھی۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے جس کا علم نبی کو ضروری ہے۔ جب کسان بنجر وقابل پیداوار زمین کو پہنچانتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی انسانی دلوں کو کیوں نہ جانیں۔ تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دیئے ایک تو اس کا بیٹا مخلص مومن تھا جس کی دلجوئی منظور تھی، دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس کو اپنی قمیض پہنائی تھی۔ آپ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے۔ تیسرے اپنے رحمت عالم ہونے کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو ہر ایک پر کرم فرمانے کو تیار ہیں کوئی فیض لے یہ نالے۔ بادل ہر زمین پر برستا ہے مگر نالی وغیرہ گندی زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی۔ نبی کے اجزائے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ میں نہیں جاسکتے۔ ملائکہ نے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکالدیا ہوگا۔ کنعان ابن نوح کا دوزخ میں جانا شکل انسانی میں ہے یعنی وہ نطفہ جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے فصد کا خون پیا تو فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔

بحث بلند آواز سے ذکر کرنا

پنجاب وغیرہ میں قاعدہ ہے کہ بعد نماز فجر وعشاء بلند آواز میں درود شریف پڑھتے ہیں مخالفین اس کو حرام کہتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کو روکنا چاہتے ہیں ایک حیلہ یہ کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اصول حنفیہ کے خلاف ہے۔ اس سے نمازی لوگ نماز میں بھول جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ حرام ہے ذکر بالجہر جائز بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے لہٰذا اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب

ذکر بالجہر کے ثبوت میں

ذکر بالجہر جائز ہے اور قرآن وحدیث واقوال علماء سے ثابت ہے قرآن فرماتا ہے **فاذکرو اللہ کذکر کم اباء کم او اشد ذکر اللہ** کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اپنے باپ داداوں کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے زیادہ کفار مکہ حج سے فارغ ہوکر مجمعوں میں اپنی قومی خوبیاں اور نسبی عظمتیں بیان کرتے تھے اس کو منع فرمایا۔ اور اسکی جگہ ذکر اللہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بالجہر ہی ہوگا۔ اسی لئے تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے خاصکر جماعتوں کے ملنے کے وقت۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذَا قُرِءَ الْقُراٰنُ فَا ستَمِعُوا له وَاَنصِتُو الَعَلَّکُم تُرحَمُون (پارہ ۹ سورہ ۷ آیت ۲۰۴)

’’جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔‘‘

معلوم ہوا کہ بلند آواز سے تلاوت جائز ہے۔ ذکر بالجہر ہی سنا جاسکتا ہے نہ کہ ذکر خفی (تفسیر کبیر یہی آیت) مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ مِن صَلوٰۃٍ یَقُولُ بِصَوتِہٖ الا َعلیٰ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہ لاَ شَرِیکَ لَہ

’’حضور علیہ السلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے فرماتے **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وَحدَہ‘ لاَ شَرِیکَ لَہ** مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے۔‘‘

عَن اِبنِ عَبَّاسٍ ق.ال کُنتُ اَعرِفُ اِنقِضَاءَ صَلوٰۃِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّمَ بِالتَّکبِیرِ

’’عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کی آواز سے حضور علیہ السلام کی نماز کا اختتام معلوم کرتا تھا۔‘‘

یعنی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بوجہ صغرسنی کے بعض جماعت نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد مسلمان اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے کہ ہم گھروں کے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اب نماز ختم ہوئی۔

لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

اِنَّ ابنَ عَبَّاسٍ کَانَ لَمیَحضُرِ الجَمَاعَۃَ لِاَنَّہ کَانَ صَغِیرًا مِمَّن لاَ یُوَاظِبُ عَلیٰ ذٰلِکَ

’’حضرت ابن عباس بچے تھے اس لئے جماعت پابندی سے نہ آتے تھے۔‘‘

مسلم جلد اول باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ان ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔

اِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ حِیْنَ یَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَکْتُوْبَۃِ کَانِ عَلیٰ عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَہِ وَسَلَّمَ

’’یعنی فرائض سے فارغ ہوکر بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مروج تھا۔ مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔‘‘

فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہ‘ فِی نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرْنِیْ فِیْ مَلاَءٍ ذَلَرْتُہ‘ فِی مَلاَءٍ خَیْرٍ مِنْھُمْ

’’جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے نفس میں یاد کرتے ہیں اور جو مجمع میں ہمارا ذکر کرے تو ہم بھی اس سے بہتر مجمع میں اسکا ذکر فرماتے ہیں (یعنی مجمع ملائکہ میں) جامع صغیر میں ہے۔

عَنْ اَنَس قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اَکْثِرُوْا فِی الْجَنَازَۃِ قَوْلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

’’حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنازہ میں **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** زیادہ کہا کرو۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے ہو یا خفیہ رسالہ اذکار مطبوعہ دہلی مصنفہ شیخ محمد تھانوی مولوی رشید احمد صاحب کے استاد حدیث صفحہ ۷۹ میں ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْھَرُ مَعَ الصَّحَابَۃِ بِالْاَذْکَارِ وَ التَّھْلِیْلِ وَالتَّسْبِیْحِ بَعْدَالصَّلٰوۃِ

”حضور علیہ السلام نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ تسبیح وتہلیل بلند آواز سے پڑھتے تھے۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۴ زیر آیت رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہے۔

اَلذِّکْرُ بِرَفْعِ الصَّوْتِ جَائِزٌ“ بَلْ مُسْتَحَبٌّ“ اِذَا لَمْ یَکُنْ عَنْ رِّیَاءٍ لِیَغْتَنِمَ النَّاسُ بِاِظْھَارِ الدِّیْنِ وَوُصُوْلِ بَرَکَۃِ الذِّکْرِاِلَی السَّامِعِیْنَ فِی الدُّوْرِ وَالْبُیُوْتِ وَیُوَافِقُ الذِّکْرِ مَنْ سَمِعَ صَوْتَہٗ وَیَشْھَدُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کُلُّ رَطْبٍ وَیَابِسٍ سَمِعَ صَوْتَہٗ

”بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ ریا سے نہ ہوتا کہ دین کا اظہار ہو۔ ذکر کی برکت گھروں میں سامعین تک پہنچے اور جو کوئی اس کی آواز سنے ذکر میں مشغول ہو جاوے اور قیامت کے دن ہر خشک وتر ذاکر کے ایمان کی گواہی دے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں بہت سے دینی فائدے ہیں۔ تفسیر خازن و روح البیان پارہ ۶ میں زیر آیت ایک روایت نقل کی حضور علیہ السلام نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری قرأت سنی تم کو تو داؤد کی آواز دی گئی ہے۔ ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں۔

فَقُلْتُ اَمَاوَ اللّٰہِ لَوْ عَلِمْتُ اِنَّکَ تَسْمَعُ لَحَبَّرْتُہٗ حَبِیْراً. اَلتَّحْبِیْرُ حُسْنُ الصَّوْتِ

”میں نے عرض کیا کہ رب کی قسم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے سن رہے ہیں۔ تو میں اور بھی آواز بنا کر پڑھتا۔“

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اولاً یہ کہ صحابہ کرام بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ باہر آواز آتی تھی دوسرے یہ کہ ذکر اللہ تلاوت قرآن عبادت الٰہی ہے اور عین عبادت میں حضور علیہ السلام کو خوش کرنا صحابہ کرام کی تمنا تھی۔

حَمَامَۃُ جَرْعیٰ حَوْمَۃَ الْجُنْدَلِ اسْجِعِیْ فَاَنْتَ بِمَرْاٰی مِنْ سُعَادٍوَّ مُسْمَعِیْ !

مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل میں روایت ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام اپنے جانثار صحابہ کرام کا امتحان لینے کے لئے تشریف لے گئے ان کے رات کے مشاغل کو ملاحظہ فرمادیں۔ ملاحظہ فرمایا کہ صدیق اکبر تو پست آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں اور فاروق اعظم خوب بلند آواز سے صبح کو ان صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی تو صدیق اکبر نے عرض کیا کہ اَسْمَعْتُ مَنْ فَا جَیْتُ مِنْہُ‘ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یا حبیب اللہ جس کو سنانا منظور تھا اس کو میں نے سنا دیا یعنی رب کو، فاروق اعظم نے عرض کیا کہ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُ دُالشَّیْطٰنَ سوتوں کو جگا رہا تھا۔ شیطان کو بھگا رہا تھا۔ سبحان اللہ عزوجل دونوں جواب مبارک ہیں۔ کسی پر ناراضگی نہ فرمائی۔ بلکہ فرمایا صدیق تم اپنی آواز کچھ بلند کرو۔ اور فاروق تم کچھ پست کرو۔ صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین

مشکوٰۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ عشاء کے وقت مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے میں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ ﷺ یہ ریاکار ہے فرمایا بَلْ مُؤْمِنٌ“ مُنِیْبٌ“ نہیں بلکہ توبہ کرنیوالا مومن ہے عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب چہارم فی الصلوٰۃ والتسبیح وقرءۃ القرآن میں ہے قَاضٍ عِنْدَہٗ‘ جَمْعٌ“ عَظِیْمٌ“ یَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَھُمْ بِالتَّسْبِیْحِ وَالتَّھْلِیْلِ جُمْلَۃً لَا بَأْ سَ بِہٖ کسی قاضی کے پاس بہت بڑی جماعت ہو اور وہ سب مل کر بلند آواز میں سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ کہیں تو اس میں حرج نہیں۔

عالمگیری میں اسی جگہ ہے اَلْاَفْضَلُ فِیْ قِرْءَ ۃِ الْقُراٰنِ خَارِجَ الصَّلٰوۃِ اَلْجَھْرُ

”نماز کے علاوہ بہتر ہے کہ قرآن بلند آواز سے پڑھے۔“

عالمگیری یہی مقام اَمَّاالتَّسْبِیْحُ وَالتَّھْلِیْلُ لَا بَاْسَ بِذٰلِکَ وَاِنْ رَفَعَ صَوْتَہٗ‘ سُبْحَانَ اللّٰہ یا لَا اِلٰہ اِلا اللّٰہ کہنے میں حرج نہیں۔ اگرچہ بلند آواز سے کہے۔ شامی جلد اوّل مطلب فی احکام المسجد سے متصل ہے۔

اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا وَخَلَفًا عَلٰے اِسْتِحْبَابِ ذِکْرِالْجَمَاعَۃِ فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنْ تُشَوِّشَ جَھْرُھُم عَلٰی

نَائِمٍ اَوْمُصَلٍّ اَوْقَارِی

”متقدین اور متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے فکر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی نہ ہو۔“

فَقَالَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اِنَّ الْجَهْرَ اَفْضَلُ لِاَنَّهٗ اَكْثَرُ عَمَلاً عَملاً وَلِتَعَدِّیْ فَائِدَتِهٖ اِلَی السَّامِعِیْنَ وَيُوْقِظُ قَلْبَ الغَافِلِیْنَ فَيَجْمَعُ هَمَّهٗ اِلَی الذِّكْرِ وَيَصْرِفُ سَمْعَهٗ اِلَيْهِ وَيُطْرِدُالنَّوْمَ وَيَدِيْدُ النَّشَاطَ

”بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں کام زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ غافلوں کے دل کو بیدار کرتا ہے انکے خیالات اور انکے کانوں کو فکر الٰہی کی طرف کھینچتا، نیند کو بھگاتا ہے خوشی بڑھاتا ہے۔“

درمختار باب صلوٰۃ العیدین بحث تکبیر تشریق میں ہے۔

وَلَا يَمْنَعُ الْعَامَّةَ مِنَ التَّكْبِيْرُ فِی الْاَسْوَاقِ فِی الْاَيَّامِ الْحَشْرِ وَبِهٖ نَاخُذُ

بقر عید کے دس دنوں میں عام مسلمانوں کو بازاروں میں نعرہ تکبیر کہنے سے نہ روکو اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں غالباً اس زمانہ میں عوام عید کے دنوں میں بازاروں میں نعرہ تکبیر لگاتے ہوں گے یہ اگرچہ بدعت ہے مگر فرمایا کہ اس سے منع نہ کرو۔ اسی عبارت کے ماتحت شامی میں ہے۔

قِيْلَ لِاَبِیْ حَنِيْفَةَ يَنْبَغِیْ لِاَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغَيْرِهَا اَنْ يُكَبِّرُوْا اَيَّامَ الْعَشْرِ فِی الْاَسْوَاقِ وَالْمَسْجِدِ قَالَ الْفَقِيْهُ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَالَّذِیْ عِنْدِیْ اَنَّهٗ لَا يَنْبَغِیْ اَنْ تَمْنَعَ الْعَامَّةُ عَنْهُ لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِی الْخَيْرِ وَبِهٖ نَاخُذُ فَا فَا ذَانَّ فِعْلَهٗ اَوْلٰى

”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوفہ وغیرہ کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں اور مسجدوں میں تکبیر کہیں فرمایا ہاں امام ابو جعفر قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ عوام کو اس تکبیر سے نہ روکا جاوے کیونکہ وہ پہلے ہی سے کار خیر میں کم رغبت رکھتے ہیں اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بازاروں کی تکبیریں مستحب ہیں۔

کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی کتاب الصلوٰۃ علی النبی میں ہے **يُسْتَحَبُّ لِقَارِیِ الْحَدِيْثِ وَغَيْرِهٖ مِمَّنْ فِیْ مَعْنَاهُ اِذَا ذَكَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْفَعَ صَوْتَهٗ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ وَالتَّسْلِيْمِ بِهٖ وَقَدْنَصَّ الْعُلَمَاءُ مِنْ ﷺ اَصْحَابِنَا وَغَيْرِهِمْ عَلٰى اَنَّهٗ يُسْتَحَبُّ اَنْ يَرْفَعَ صَوْتَهٗ بِالصَّلٰوةِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی التَّلْبِيَةِ** یعنی حدیث شریف پڑھنے والوں وغیرہم کو چاہیے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو تو بلند سے صلوٰۃ وسلام پڑھیں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ تلبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بلند آواز سے درود پڑھے۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث وفقہی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر کفایت کی جاتی ہے۔ بحمد اللہ تعالٰی مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی اس میں ہم سے متفق ہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم کتاب الحظر والاباحہ صفحہ ۱۰۴ میں ایک سوال وجواب ہے سوال یہ ہے کہ ذکر بالجہر اور دعا بالجہر اور درود بالجہر خفیف ہو یا شدید جائز ہے یا نہیں؟ الجواب ذکر جہر خواہ کوئی ذکر ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نص سے ہے وہاں مکروہ ہے اور صالحین و دیگر فقہاء و محدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صاحبین ہے۔

والسلام ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۲ رشید احمد

؎ مصرع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اب تو کسی دیوبندی وہابی کو حق نہیں کہ کسی سنی مسلمان کو بلند آواز ذکر سے روکے۔ کیونکہ اس کے بلا کراہت جواز پر رجسٹری ہو چکی ہے۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ ذکر باجہر جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو اس لیے کہ قاعدہ شریعت ہے کہ ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ اسی لئے سردی میں وضو کرنا۔ اندھیری رات میں مسجدوں میں جماعت لیئے آنا۔ دور سے مسجد میں آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے (دیکھو مشکوٰۃ وغیرہ) اور ذکر بالجہر میں بمقابلہ خفی کے مشقت زیادہ ہے لہٰذا یہ افضل ہے۔ دوسرے اس لیے کہ مشکوٰۃ کتاب الاذان میں ہے کہ جہاں تک مومن کی آواز جاتی ہے۔ وہاں تک کے تمام درخت، پتے، گھاس، جن وانس قیامت میں اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ تو ذکر بالجہر کا فائدہ ذاکر کو بھی کہ کلمہ وغیرہ کی ضرب سے دل بیدار ہوتا ہے اور سامعین کو بھی کہ ممکن ہے کہ وہ بھی سن کر ذکر کریں۔

اگر نہ بھی کریں تو بھی سننا ثواب ہے اور لازم سے متعدی اچھا۔ چوتھے اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے کہ آذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب نقل کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے عرض کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ دیگر اذکار سے بھی شیطان بھاگتا ہے اس لیئے ذکر بالجہر میں شیطان سے بھی امن ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ذکر بالجہر سے نیند اور کسل و سستی دور ہوتی ہے ذکر خفی میں اکثر نیند بھی آجاتی ہے مگر یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ جب ریا کری کے لئے نہ اگر ریا کیلئے ہے تو ریا کی نیت سے مراقبہ کرنا، نماز پڑھنا بھی گناہ کا موجب ہے۔

حضرات نقشبندیہ قدست اسرارہم کا مشغلہ ذکر خفی ہے وہ تو اس پر عامل ہیں۔

دل میں ہو یاد تیری گوشۂ تنہائی ہو　　　پھر تو خلوت میں عجیب انجمن آرائی ہو

باقی سلاسل کے اولیاء ذکر بالجہر میں مشغول رہتے ہیں ان کا اس پر عمل ہے۔

سارا عالم ہو مگر دیدہ دل دیکھے تمہیں　　　انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو

ہر دو حضرات خدا کے پیارے ہیں۔ نقشبندی حضرات تو خلوت میں جلوت کرے ہیں اور باقی حضرات جلوت میں خلوت مگر اللہ تعالیٰ ن سب سے جنت کا وعدہ فرمالیا مگر ان کا یہ اختلاف حلت و حرمت میں نہیں۔ اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔ نہ تو خفی والے جہار والوں کو طعن کری ں نہ جہر والے خفی والوں کو یہ ساری گفتگو ان دیوبندیوں وغیرہ سے ہے جو کہ جہر پر فتوئ حرمت لگات ہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہ کے اس فرمان کے قربان کہ نہ ایں کا میکنم و نہ انکا میکنم　رضی اللہ عنہم اجمعین۔

دوسرا باب

ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر مخالفین دو طرح کے اعتراض کرتے ہیں نقلی اور عقلی۔ ہم اولاً نقلی اعتراضات میں مع جواب عرض کرتے ہیں۔

اعتراض ۱　وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ

”اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بغیر آواز نکلے صبح و شام۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی دل ہی میں چاہیئے بلند آواز سے منع ہے۔

جواب　اس کے چند جواب ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں ذکر بالجہر بحالت نماز مراد ہے یعنی اخفا کی نمازوں میں قرأت یا مقتدی ہر نماز میں یا التحیات وغیرہ دل میں پڑھے یا امام قدر ضرورت سے زیادہ آواز نہ نکالے تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَمَنْ اَمَّ فِىْ صَلٰوةِ الْجَهْرِ يَنْبَغِىْ لَهٗ اَنْ لَّا يَجْهَرَ جَهْرًا شَدِيْدًا بَلْ يَقْتَصِرَ عَلٰى قَدْرِ مَا يَسْمَعُهٗ مَنْ خَلْفَهٗ قَالَ فِى الْكَشْفِ لَا يَجْهَرُ فَوْقَ حَاجَةِ النَّاسِ وَاِلَّا فَهُوَ مُسِىْءٌ“

”جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ بہت آواز سے قرأت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں۔ کشف میں فرمایا کہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ چیخے ورنہ گنہگار رہوگا۔“

تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ہے۔ وَالْمُرَادُ مِنْهُ اَنْ يَقَعَ ذٰلِكَ الذِّكْرُ حَيْثُ يَكُوْنُ مُتَوَسِّطًا بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْمُخَافَتَةِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تَجْهَرْ یعنی مراد یہ ہے کہ جہر و اخفاء کے درمیان ذکر اللہ چاہئے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَعْنِىْ بِالذِّكْرِ الْقُرْاٰنِ فِى الصَّلٰوةِ يُرِيْدُ اِقْرَاْ سِرًّا فِىْ نَفْسِكَ

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز میں تلاوت قرآن ہے۔“

مقصد یہ ہے کہ دل میں قرأت کرو خود قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی یوں تفسیر فرمائی۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَ وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا

”اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ ان دونوں کے بیچ میں راستہ ڈھونڈو۔“

اور ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالقرآن سب پر مقدم ہے دوسرے یہ کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ذکر محض قولی نہ ہو بلکہ قول کے ساتھ قلب بھی شاغل ہو کہ اسکے بغیر ذکر بیکار ہے خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِالذِّكْرِ فِى النَّفْسِ اَنْ

يُسْتَحْضِرَ فِىْ قَلْبِهٖ عَظْمَةَ الْمَذْكُوْرِ جَلَّ جَلاَلَه‘ اسی خازن میں ہے وَاِذَا كَانَ الذِكْرُ بِاللِّسَانِ عَارِيًا عَنْ ذِكْرِ الْقَلْبِ كَانَ عَدِيْمَ الْفَائِدَةِ لِاَنَّ فَائِدَةَ الذِّكْرِ حَضُوْرُ الْقَلْبِ وَاسْتِشْعَارُه‘ عَظْمَةَ الْمَذْكُوْرِ جَلاَّ جَلاَ لَـــه‘ کہا گیا ہے کہ دل میں ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ قلب میں خدائے قدوس کی عظمت موجود ہو یعنی جبکہ زبانی ذکر قلبی ذکر سے خالی ہو تو بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ذکر کا فائدہ تو دل کا حاضر کرنا اور خدائے تعالیٰ کی عظمت کا دل میں لانا ہے۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر قلبی ذکر بالجہر سے بہتر یعنی یہ امر استحبابی ہے اور استحباب بھی ہر وقت اور ہر حیثیت سے نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہے۔ اسی لئے یہ آیت اس آیت کے بعد ہے کہ وَاِذَا قُرِءَ القران فاستمعوا له تو دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی کبھی بالجہر چاہیے اور کبھی آہستہ۔ جب بالجہر ہو تو خاموشی سے سنو۔ اور جب آہستہ ہو تو اس میں غور وفکر کرو اگر جبر میں خوف ریا ہے تو سکوت بہتر۔ اور اگر یہ مقصود ہو کہ شیطان دفع ہو قلب بیدار ہو۔ اور سونے والے جاگ جاویں اور تمام چیزیں قیامت کے دن ذاکر کے ایمان کی گواہی دیں تو جبر بہت ہے۔ روح البیان میں سی آیت کے ماتحت ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ وَهُوَ الذِّكْرُ بَا الْكَلَامِ الْخَفِى فَاِنَّ الْاِخْفَاءَ اَدْخَلُ فِى الْاِخْلَاصِ وَاَقْرَبُ مِنَ الْاِجَابَةِ وَهٰذَا الذِّكْرُ يَعُمُّ الْاَذْكَارَ كُلَّهَا مِنَ الْقِرْءَ ةِ وَالدُّعَاءِ وَغَيْرِهَا

”اس سے مراد ہے ذکر خفی کیونکہ اخفا کو اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور یہ قبولیت سے زیادہ قریب ہے اور یہ ذکر تمام ذکروں اور قرأت اور دعاؤں کو شامل ہے۔“

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے، بِاَنَّ الْاِخْفَاءَ اَفْضَلُ حَيْثُ خَافَ الرِّيَاءَ اَوْتَاذى الْمُصَلُّوْنَ اَ وِالنَّائِمُوْنَ وَالْجَهْرُ اَفْضَلُ فِىْ غَيْرِ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْعَمَلَ فِيْهِ اَكْثَرُ وَلِاَنَّ فَائِدَتَه تَتَعَدّٰى اِلَى السَّامِعِيْنَ وَلِاَنَّه‘ يُوْقِظُ قَلْبَ الذَّاكِرِ وَيَجْمَعُ هَمَّه‘ وَيَصْرِفُ سَمْعَه‘ اِلَيْهِ

”آہستہ ذکر وہاں افضل ہے جہاں کہ ریا کا خوف ہو یا نمازیوں یا سونے والوں کو ایذا ہو اور اس کے علاوہ دیگر مقام میں ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور اسلیے کہ یہ ذاکر کے دل کو بیدار کرتا ہے خیالات کو جمع کرتا ہے اور ذاکر کی طرف کانوں کو متوجہ کرتا ہے۔

اعتراض ۲ وَادْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَه اِنَّه‘ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ

”اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ دعا کرو بیشک حد سے بڑھنے والے اس کو پسند نہیں۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر خدا کو ناپسند ہے۔

جواب اس کے بھی چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الٰہی کا اور واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تا کہ اخلاص تام ہو۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَىْ مُتَضَرِّعِيْنَ مُتَذَلِّلِيْنَ مُخْفِيْنَ الدُّعَا لِيَكُوْنَ اَقْرَبَ اِلَى اِجَابَةِ لِكَوْنِ الْخَفَاءِ دَلِيْلَ اِخْلَا صِ وَالْاِحْتِرَازِ عَنِ الرِّيَاءِ

”یعنی زاری اور عاجزی کرتے ہوئے دعا کو خفیہ کرتے ہوئے دعا کرو تا کہ قبولیت سے قریب ہو کیونکہ چپکے سے دعا کرنا اخلاص کی اور ریا سے دور ہونے کی دلیل ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حقیقۃً دعا ہے اور یہ ہی صحیح ہے کیونکہ دعا سوال اور طلب ہے اور یہ ایک قسم کی عبادت ہے۔“

تفسیر خازن یہ ہی آیت وَقِيْلَ الْمُرَادُبِهٖ حَقِيْقَةُ الدُّعَاءِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ لِاَنَّ الدُّعَآءَ هُوَ السُّوَا وَالطَّلَبُ وَهُوَ نَوْع“ مِنَ الْعِبَادَةِ

تفسیر خازن اسی آیت کے ماتحت ہے وَالْاَرْبُ فِى الدُّعَآءِ اَنْ يَّكُوْنَ خَفِيًّا لِهٰذِهِ الْاٰيَةِ قَالَ الْحَسَنُ دَعْوَةُ السِّرِّ وَدَعْوَةُ الْعَلَانِيَةِ سَبْعُوْنَ ضِعْفًا

”دعا کا طریقہ یہ ہے کہ خفیہ ہو۔ اسی آیت کی وجہ سے حسن نے فرمایا کہ خفیہ ایک دعا اور علانیہ ستر دعائیں برابر ہیں۔“

یا مراد ہے کہ بعض حالات میں ذکر الٰہی خفیہ طور پر بہتر ہے یعنی ادعوا سے مراد ہر ذکر الٰہی ہے اور یہ امر استحبابی ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَنَّ اِخْفَاءَ الطَّاعَاتِ وَالْعِبَادَاتِ اَفْضَلُ مِنْ اِظْهَارِ هَا لِهٰذَا لاٰيَةِ وَلِكَوْنِهَا اَبْعَدَ مِنَ الرِّيَاءِ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَنَّ اِظْهَارَهَا اَفْضَلُ لِيَقْتَدِىْ بِهِ الْغَيْرُ فَيَعْمَلُ مِثْلَ عَمَلِهٖ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَنَّ اِظْهَارَ الْعِبَادَاتِ الْمَفْرُوْضَةِ اَفْضَلُ مِنْ اِخْفَاءِ هَا

بعض مفسرین ادھر گئے ہیں کہ عبادتوں کو خفیہ کرنا ظاہر کرنے سے بہتر ہے اسی آیت کی وجہ سے اور اس لیے کہ یہ ریا سے زیادہ دور ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ اظہار افضل ہے تاکہ دوسرے بھی اس کی پیروی کر کے عبادت کریں اور بعض فرماتے ہیں کہ فرضی عبادات کا اظہار اخفا سے بہتر ہے۔

اعتراض ۳ وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ" اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

"اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنیوالے کی جب مجھے پکارے۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہم سے قریب ہے دل کے خیالات اور آہستہ بات کو سنتا ہے پھر بلند آواز سے پکارنا بے کار ہے۔"

جواب اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خیال کو باطل فرمایا گیا ہے جو ذکر بالجہر یہ سمجھ کر کریں کہ خدا ہم سے دور ہے بغیر بلند آواز کے وہ ہماری سنتا نہیں یہ خیال محض جہالت ہے ذکر بالجہر تو غافل قلب کو جگانے کے لئے ہوتا ہے۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَسَبَبُ نُزُوْلِهٖ مَارُوِىَ اَنَّ اِعْرَابِيًّا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم اَقَرِيْبٌ" رَبُّنَا فَنُنَاجِيْهِ اَمْ بَعِيْد" فَنُنَادِيْهِ فَقَالَ تَعَالٰى

"اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بدوی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ قریب ہے تاکہ اس سے مناجات کریں یا دور ہے کہ اس کو پکاریں اس پر رب نے فرمایا۔"

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو دور سمجھ کر پکارنا برا ہے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوہ خیبر کے موقعہ پر اتری جبکہ لوگ نعرہ تکبیر لگانا چاہتے تھے اور حضور علیہ السلام کا منشاء تھا کہ ہم خفیہ طور پر وہاں پہنچ جاویں کہ کفار کو خبر نہ ہو چنانچہ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ اَبُوْ مُوْسٰى الْاَشْعَرِىُّ لَمَّا تَوَجَّهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى خَيْبَرَ اَشْرَفَ النَّاسُ عَلٰى وَادٍ فَرَفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِرْبَعُوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا

"جبکہ حضور علیہ السلام خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ کسی اونچے جنگل پر چڑھے تو انہوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو۔"

هٰذَا بِاِعْتِبَارِ الْمَشَارِبِ وَالْمَقَامَاتِ وَاللَّائِقِ بِحَالِ الْغَفَلَاتِ اَلْجَهْرُ بِقَلْعِ الْخَوَاطِر

"یہ موقع اور محل اعتبار سے ہے اور غافل لوگوں کے حال کے لائق ذکر بالجہر ہے بُرے خیالات کو دفع کرنے کے لئے۔"

اعتراض ٤ مشکوٰۃ کتاب الاسماء باب ثواب التسبیح والتحمید میں ہے۔

فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِىْ تَدْعُوْنَهٗ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ

"با آواز بلند تکبیر کہنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو تم نہ تو بہرے کو پکارے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع و بصیر کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جسکو تم پکارتے ہو وہ تم سے بمقابلہ تمہاری سواریوں کی گردوں کے زیادہ قریب ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر منع ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی ناخوشی کا باعث۔

جواب اس کا جواب ضمناً سوال نمبر ۲ کے ماتحت گزر چکا کہ یہ حدیث ایک سفر جہاد کے موقعہ کی ہے اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمان کا لشکر بغیر اطلاع خیبر میں داخل ہو جاوے تاکہ کفار خیبر جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔ بعض لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی چونکہ موقعہ کے خلاف تھا لہٰذا روک دیا گیا۔ اسی حدیث کی ابتدا اس طرح ہے كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فِىْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ الخ ہم ایک سفر میں تھے، کہ لوگ با آواز بلند تکبیر کہنے لگے۔ یا یہ کہ مسلمانوں پر آسانی کے لئے بطور مشورہ یہ فرمایا گیا کہ تم سفر کی مشقت میں ہو پھر چیخنے کی مشقت بھی اٹھاتے ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فِيْهِ اِشَارَةٌ" اِلٰى اَنَّ الْمَنْعَ مِنَ الْجَهْرِ لِلتَّيْسِيْرِ وَالْاِرْفَاقِ لَا لِكَوْنِ الْجَهْرِ غَيْرَ مَشْرُوْعٍ

"اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہر سے ممانعت آسانی کیلئے ہے نہ اسلیئے کہ جہر منع ہے ممانعت محض آسانی کیلئے ہے نہ اسلئے کہ جہر منع ہے"

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے دریں اشارت است کہ منع از جہر برائے آسانی و نرمی است نہ از جہت نامشروعیت ذکر بالجہر حق آنست ذکر جہر مشروع است بے سبہ گر بعارض ایں راو ر رسالہ اول و اثبات نمودیم۔" اس حدیث میں ادھر اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت نرمی اور آسانی کیلئے ہے نہ اسلیئے کہ جہر منع ہے اور حق یہ ہے کہ ذکر جہر بلاشبہ مشروع ہے لیکن کسی وجہ سے اور ہم نے اسکا ثبوت رسالہ اوراد میں دیا ہے۔

اعتراض ۵ ہدایہ جلد اول فصل فی تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَاَخَذَ بِقَوْلِ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ اَخْذًا بِالْاَقَلِّ لِاَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيْرِ بِدْعَةٌ"

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول لیا کم کو لینے کیلئے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔ اور بدعت میں کمی بہت ہے ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک ہر نماز فرض کے تکبیر تشریق کہنا چاہئے۔ اور صاحبین کے نزدیک نویں کی فجر سے دسویں کی عصر تک امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیر بالجہر بدعت ہے اور بدعت میں کمی بہتر۔ اس لیئے صرف دو دن تکبیر کہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔ اسی ہدایہ میں اسی فصل تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَلِاَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيْرِ خِلَافُ السُّنَّةِ وَالشَّرْعُ وَرَدَبِهٖ عِنْدَ اِسْتِجْمَاعِ هٰذِهِ الشَّرَائِطِ

"اور اس لیئے کہ تکبیر بالجہر خلاف سنت ہے، اور اس کا حکم ان شرائط کے جمع ہونے کی صورت میں ہے۔"

جواب امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس تکبیر تشریق کے وجوب میں ہے نہ کہ جواز میں یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دن۔ امام صاحب اس کو بدعت یا خلاف سنت کہہ کر وجوب کا انکار فرماتے ہیں ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کوفہ کہ بازاوں میں نعرہ کی اجازت دی۔ کہیئے اس بدعت کی اجازت کیوں دی؟ شامی باب صلوٰۃ العیدین میں عیدالفطر کی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَالْخِلَافُ فِي الْاَفْضَلِيَّةِ اَمَّا الْكَرَاهَةُ فَمُنْتَفِيَةٌ" عَنِ الطَّرْفَيْنِ

"یعنی اختلاف محض افضلیت میں ہے۔ لیکن کراہت وہ کسی طرف نہیں ہے۔"

اسی شامی میں اسی جگہ ہے اَلتَّكْبِيْرُ بِالْجَهْرِ فِيْ غَيْرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ لَا يُسَنُّ اِلَّا بِاِزَاءِ الْعَدُوِّ اَوِ اللُّصُوْصِ وَقَاسَ عَلَيْهِ بَعْضُهُمُ الْحَرِيْقَ وَالْمَخَاوِفَ كُلَّهَا زَادَ الْقُهُسْتَانِيْ اَوْ عَلَا شَرَفًا

"ایام تشریق کے علاوہ اور دنوں میں نعرہ تکبیر سنت نہیں۔ مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض لوگوں نے قیاس کیا ہے آگ لگنے اور تمام خوفناک چیزوں کو اور قہستانی نے زیادہ کیا ہے کہ بلندی پر چڑھنے کے وقت۔"

درمختار باب العیدین میں ہے وَهٰذَا لِلْخَوَاصِ اَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يُمْنَعُوْنَ عَنْ تَكْبِيْرٍ وَّ لَا تَنَفُّلٍ اَصْلًا

"یہ احکام خواص کیلئے ہیں عام کو تو نہ تکبیر سے روکو نہ نفل سے۔"

شامی میں اسی بحث میں ہے لَا فِي الْبَيْتِ اَیْ لَا يُسَنُّ وَاِلَّا فَهُوَ ذِكْرٌ" مَشْرُوْعٌ" غرضکہ ثابت ہوا کہ ہدایہ کی یہ تمام گفتگو سنت ہونے میں ہے نہ کہ جائز ہونے میں۔ نیز تکبیر تشریق میں یہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ یہی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے۔ اور اگر ان آیات و احادیث کی یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو مخالفین کے بھی یہ خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض ذکر اللہ وہ بھی بلند آواز سے کرتے ہیں۔ جیسے اذان۔ بقرعید کے موقعہ پر تکبیر تشریق حج میں تلبیہ، جلسوں کے موقعوں پر نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد وغیرہ کیونکہ ان کے دلائل تو ذکر بالجہر کو مطلقاً منع کر رہے ہیں اور حدیث احاد کی وجہ سے قرآنی آیت میں قید لگانا جائز نہیں لہٰذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ ان موقعوں پر ذکر بالجہر حدیث میں آ گیا لہٰذا جائز ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات میں حدیث سے پابندی لگانا کہاں جائز ہے۔

اعتراض (٦) فتاوٰی بزازیہ صفحہ ۳۷۸ میں ہے۔

عَنْ فَتَاوٰی الْقَاضِیْ اَنَّہٗ حَرَام" لَمَاً حَحَّ عَن ابْنِ مَسْعُوْدِ اَنَّہٗ اِخْرَاجُ جَمَاعَةٍ عَنِ الْمَسْجِدِ یُهَلِّلُوْنَ وَ یُصَلُّوْنَ عَلَے النَّبِیِّ صَلَّے اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّم جَهْرًا وَقَالَ لَهُمْ مَّا اَرَاکُمْ اِلاَّ مُبْتَدِ عُیْنَ شامی جلد صفحہ

"قاضی صاحب کے فتاوٰی سے نقل کیا کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود صحیح روات کیساتھ ثابت ہو چکا کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اسی لیئے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ بلند آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درور شریف پڑھتی تھی اور فرمایا میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔"

دیکھو بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر ذکر اللہ اور درود شریف پڑھنا حرام ہے اور حضرت ابن مسعود نے ان ذاکرین اور درود خوانوں کو بدعتی فرمایا بلکہ انہیں مسجد سے نکال دیا افسوس کہ آج ذکر بالجہر نہ کرنیوالوں کو وہابی کہا جاتا ہے۔ یہ ہے انقلاب زمانہ ایمان کفر بن گیا اور کفر ایمان (راہ سنت)

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی بدعتی ہوئے اور حرام کے مرتکب کیوں کہ تمہارے دینی سیاسی جلسے ہوتے ہیں تقریروں کے دوران نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد۔ دن رات مسجدوں میں ہوتے ہیں نہ تم ان بالجہر ذکروں پر فتوے لگاتے ہو نہ انہیں روکتے ہو کیا مسجدوں میں صرف درود شریف آواز سے پڑھنا حرام ہے، باقی تمہارے جلسے نعرے سب جائز۔

جواب تحقیقی وہ ہے جو یہاں اسی جگہ فتاوٰی بزازیہ اور فتاوٰی شامی نے دیا ہے، جسے آپ نے نقل نہ فرمایا اگر پوری عبادت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ نقل نہ فرمایا اگر آپ پوری عبارت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ شامی میں ہے۔

وَاَمَّا رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ فَجَائِز" کَمَافِی آذَانِ وَالْخُطْبَةِ وَ الْجُمْعَةِ وَالْحَجِّ وَقَدْ حُرِّرَتِ الْمَسْئِلَةُ فِی الْخَیْرِیَةِ وَ حُمِلَ مَا فِیْ فَتَاوٰے والْقَاضِے عَلیٰ جَهْرِ الْمُضِرِّ

"بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ اذان خطبہ جمعہ اور حج میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ فتاوٰی خیریہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور جو فتاوٰی قاضی میں ہے اس سے مراد نقصان دہ جہر ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود نے ان لوگوں کو بدعتی فرمایا جو جماعت اوّل کے وقت جبکہ لوگ نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے، یہ ذکر بالجہر کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کی نماز میں حرج واقع ہوتا تھا یا کوئی اور دینی ضرر تھا۔ خلاصہ یہ کہ نقصان دہ جہر ممنوع ہے۔ اب ذرا فتاوٰی بزازیہ کو بھی دیکھ لو اسی حدیث ابن مسعود کو نقل فرما کر ایک اعتراض مع جواب فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ فتاوٰی میں تو یہ ہے کہ ذکر بالجہر سے کسی کو نہ روکو اگرچہ وہ مسجد ہی میں کرتے ہوں تا کہ اسی آیۃ کے خلاف نہ ہو جاوے مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَا اللّٰهِ اَنْ یُّذْکَرَ الخ حضرت ابن مسعود کا یہ عمل تمہارے ان فتاوٰی کے خلاف ہے اس کے جواب میں عبارت فرماتے ہیں۔ جس میں یہ بھی ہے۔

اَلْاِخْرَاجُ عَنِ الْمَسْجِدِ یَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ لِاِعْتِقَادِ هِمُ الْعِبَادَة فِیْهِ وَلِیُعَلِّمَ النَّاسَ بِاَنَّہٗ بِدْعَة" وَالْفِعْلُ جَائِزُ وَالْجَائِزُ یَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ غَیْرُ جَائِز" لِعَرْضٍ یَلْحَقُہٗ

"آپ کا انہیں مسجد سے نکالنا ممکن ہے اس لئے و کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جہر بھی عبادت ہے اور لوگوں کو یہ بتانا ہو کہ یہ عقیدہ بدعت ہے اور جائز کام کبھی کسی عارضی وجہ سے ناجاز ہو جاتا ہے۔"

اسی فتاوٰی میں اسی جگہ ہے۔ وَاَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ فَجَائِز" کَمَا فِی الْاَذَانِ وَالْخُطْبَةِ وَالْحَج. مخالفین کے عقلی اعتراضات صرف تین ہیں اوّلاً تو یہ کہ خدا قریب ہے پھر زور سے چیخنا کیوں؟ جواب اذان وغیرہ زور سے دی جاتی یہ۔ دوم یہ کہ درود صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ وَسَلَّمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حدیث سے ثابت نہیں لہٰذا ناجائز ہے۔ جواب اسی کتاب میں اور مقام پر گزر گیا کہ دو اعذ ادعا میں نقل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو ناجائز کی حد میں نہ آوے وہ جائز ہے اور اس کی پوری تحقیق کہ کون سا درود پاک افضل ہے ہماری کتاب کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ کرو۔ تیسرے یہ کہ بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ ان سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھولتے ہیں۔ لہٰذا ناجائز ہے۔ اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اعتراض دعوٰی کے مطابق نہیں کیونکہ تم کہتے ہو ذکر بالجہر بالکل منع ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی نمازی کو اس سے تکلیف ہو تو منع ورنہ جائز تو اگر کسی وقت کوئی نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ تب جائز ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ یہاں پنجاب میں دیکھا جاتا ہے کہ بعد نماز فجر کچھ توقف کر کے اور عشاء کی سنتوں اور وتر سے فارغ ہو کر یہ درود پڑھا جاتا ہے۔ اور اس وقت سب لوگ نماز

سے فارغ ہوچکتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم اسی بحث کے پہلے باب میں احادیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ نیز آج بھی بعض مسجدوں میں قرآن کے مدرسے ہیں جہاں کہ طلباء بعد نماز ظہر و عشاء چیخ کر قرآن یاد کرتے ہیں۔ بعض مسجدوں میں بعد نماز عشاء دینی جلسے ہوتے ہیں جن میں نعرے بھی لگتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ بقر عید کے زمانے میں جماعت فرض کے بعد فوراً ہی سب لوگ باآواز بلند تین بار تکبیر تشریق کہتے ہیں۔ کہیے ان ذکروں سے نمازی کا دھیان بٹتا ہے یا نہیں؟ اور یہ جائز ہیں یا منع؟ فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے۔ اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہوگئے اب کوئی شخص تارک الجماعت بعد میں آیا تو اپنی نماز کے حیلے سے سب کو خاموش کرتا پھرے کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہذا اے نمازیو! اے قرآن یاد کرنے والو واعظو تم سب خاموش ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اوّل کا ہوتا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلے متفرق ہیں۔ مکہ معظمہ میں صرف جماعت اولیٰ کیلئے طواف بند ہوگا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا۔ اور طواف میں دعاؤں کا اسقدر شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کہیے وہاں اس ذکر بالجہر کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازوں کے خلل کی وجہ سے طواف بند کراؤ گے۔

بحث اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

بعض لوگ جوکہ فاتحہ گیارھویں یا کہ میلاد شریف کے پابند ہیں وہ اس کے لئے کچھ عرصہ پہلے بکرے اور مرغے وغیرہ پالتے ہیں۔ اور ان کو فربہ کرتے ہیں۔ تاریخ فاتحہ پر ان کو بِسۡمِ اللّٰہ پر ذبح کر کے کھانا پکار کر فاتحہ کرتے ہیں اور فقراء و صلحاء کو کھلاتے ہیں۔ چونکہ وہ جانور اس کی نیت سے بالا گیا ہے۔ اس لئے کہہ دیتے ہیں۔ گیارھویں کا بکرا یہ غوث پاک کی گائے وغیرہ یہ شرعاً حلال ہے۔ جیسے کہ ولیمہ کا جانور مگر مخالفین اس کام کو حرام۔ اس گوشت کو مردار۔ اور فاعل کو مرتد و مشرک کہتے ہیں۔ اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کے جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

اس کے جواز کے ثبوت میں

جس حلال جانور کو مسلمان یا اہلِ کتاب اللہ کا نام لے کر ذبحہ کرے وہ حلال ہے اور جس حلال جانور کو مشرک یا مرتد ذبح کرے وہ مردار ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان دیدہ دانستہ بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو حرام ہے خیال رہے کہ اس حلت و حرمت میں ذبحہ کرنیوالے کا اعتبار ہے نہ کہ مالک کا۔ اگر مسلمان کا جانور مشرک نے ذبحہ کر دیا مردار ہو گیا۔ اگر مشرک نے بت کے نام پر جانور پالا مگر اس کو مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کر دیا حلال ہے۔ اسی طرح ذبحہ کے وقت نام لینے کا اعتبار ہے نہ کہ آگے پیچھے زندگی میں جانور بت کے نام کا تھا مگر ذبح خدا کے نام پر ہوا حلال ہے اور زندگی میں جانور قربانی کا تھا۔ مگر ذبح کے وقت اور نام لیا گیا وہ مردار اسی کو قرآن نے فرمایا۔ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ وہ جانور بھی حرام ہے جو کہ غیر خدا کے نام پر پکارا گیا یہاں پکارنے سے مراد بوقت ذبح پکارنا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَیۡ رُفِعَ الصَّوۡتُ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ کَقَوۡلِهِمۡ بِاسۡمِ اللَّاتِ وَالۡعُزّٰی عِنۡدَ ذِبۡحِهٖ

”یعنی اس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے جیسے کفار ذبح کے وقت کہتے تھے۔ اللات والعزیٰ“

تفسیر جلالین میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ بِاَنۡ ذُبِحَ عَلٰے اِسۡمِ غَیۡرِهٖ اس طرح کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یَعۡنِیۡ مَا ذُکِرَ عَلٰی ذِبۡحِهٖ غَیۡرُ اِسۡمِ اللّٰہِ وَذٰلِکَ اَنَّ الۡعَرَبَ فِی الۡجَاهِلِیَّةِ کَانُوۡا یَذۡکُرُوۡنَ اَسۡمَاءَ اَصۡنَامِهِمۡ عِنۡدَ الذَّبۡحِ فَحَرَّمَ اللّٰہُ ذٰلِکَ بِهٰذِهِ الۡاٰیَةِ وَبِقَوۡلِهٖ وَلَا تَاۡکُلُوۡا مِمَّا لَمۡ یُذۡکَرِ اسۡمُ اللّٰہِ عَلَیۡهِ.

”یعنی وہ جانور حرام ہے۔ جس کے ذبحہ پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور یہ اس لیئے ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ذبح کے وقت بتوں کا نام لیتے تھے پس خدا تعالیٰ نے اسکو اس آیت سے اور آیت وَلَا تَاۡکُلُوۡا سے حرام فرمایا۔“

تفسیر کبیر یہی آیت وَکَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ عِنۡدَ الذَّبۡحِ بِاسۡمِ اللَّاتِ وَالۡعُزّٰی فَحَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی ذٰلِکَ

”اہل عرب ذبح کے وقت کہتے تھے۔ بسم اللات والعزیٰ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمایا۔“

تفسیر احمدیہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَعۡنَاهُ مَا ذُبِحَ بِهٖ لِاِسۡمِ غَیۡرِ اللّٰہِ مِثۡلُ اللَّاتِ وَالۡعُزّٰی وَاَسۡمَاءِ الۡاَنۡبِیَآءِ

”آیت کے معنی یہ ہیں کہ اسکو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور وہ وہ ہے بتوں کیلئے ذبح کیا جاتا تھا۔“

تفسیر مدارک میں اسی کے ماتحت ہے۔ اَیۡ ذُبِحَ لِلۡاَصۡنَامِ فَذُکِرَ عَلَیۡهِ غَیۡرُ اِسۡمِ اللّٰہِ اَیۡ رُفِعَ بِهِ الصَّوۡتُ لِلصَّنَمِ وَذٰلِکَ قَوۡلُ اَهۡلِ الۡجَاهِلِیَّةِ بِاسۡمِ اللَّاتِ وَالۡعُزّٰی

”یعنی وہ جانور حرام ہے جو کہ بتوں کیلئے ذبحہ کیا جاوے پس اس پر غیر اللہ کا نام لیا جاوے یعنی اس پر بت کی آواز دی گئی ہو۔ اور یہ جاہلیت والوں کا یہ کہنا تھا کہ اللات والعزیٰ۔“

تفسیر لباب التاویل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ یَعْنِیْ مَا ذُبِحَ لِلْاَصْنَامِ وَالطَّوَاغِیْبِ وَاَصْلُ الْاِھْلَالِ رَفْعُ الصَّوْتِ وَذٰلِکَ اَنَّھُمْ کَانُوْا یَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَھُمْ بِذِکْرِ اٰلِھَتِھِمْ اِذَا ذَبَحُوْھَا

تفسیر علامہ ابو سعود میں ہے اَیْ رُفِعَ بِهِ الصَّوْتُ عِنْدَ ذِبْحِهٖ لِلصَّنَمِ تفسیر حسینی میں اسی آیت کے ماتحت ہے، وآنچہ آواز برآوردہ شود بغیر اللہ از برائے غیر خدا بداں در وقت ذبحہ آں یعنی بنام بتان بکشند۔ ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت مَا اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ سے مراد ہے ذبحہ کے وقت غیر خدا کا نام پکارنا۔ لہٰذا جانور کی زندگی میں کسی نسبت کرنے کا اعتبار نہیں۔ اب ہم فقہاء کی عبارات بھی پیش کرتے ہیں۔

تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت وَمَا اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ کے ماتحت ہے۔

وَمِنْ هٰهُنَا عُلِمَ اَنَّ الْبَقَرَةَ الْمَنْذُوْرَةَ لِلْاَوْلِیَآءِ کَمَا هُوَ الرَّسْمُ فِیْ زَمَانِنَا حَلَالٌ" طَیِّبٌ" لِاَنَّهٗ لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ غَیْرِ اللّٰهِ وَقْتَ الذَّبْحِ وَاِنْ کَانُوْا یَنْذِرُوْنَهَا

"اس سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی اولیاء کے لیئے نذر مانی گئے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہے یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس گائے کی نذر مانتے ہیں۔"

اس میں تو گیارہویں شریف کے بکرے کا خاص فیصلہ فرما دیا نام لیکر اور اس کتاب کے مصنف مولانا احمد جیون علیہ الرحمۃ وہ بزرگ ہیں جو کہ عرب و عجم کے علماء کے استاذ ہیں اور تمام دیوبندی بھی ان کو مانتے ہیں۔ شامی باب الذبحہ میں ہے۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْمَدَارَ عَلَی الْقَصْدِ عِنْدَ اِبْتِدَاءِ الذَّبْحِ "جاننا چاہئے کہ حلت وحرمت کا دارومدار ذبحہ کے وقت نیت کا ہے۔"

صاف معلوم ہوا کہ ذبح سے پہلے کی نیت یا نام بالکل معتبر نہیں۔ عالمگیری باب الذبح میں ہے۔

مُسْلِمٌ" ذَبَحَ شَاةَ الْمَجُوْسِیِّ لِبَیْتِ نَارِهِمْ (اَوْ بِکَافِرٍ لِاٰلِهَتِهِمْ تُؤْکَلُ لِاَنَّهٗ سَمَّی اللّٰهُ تَعَالٰی وَیُکْرَهُ لِلْمُسْلِمِ کَذَا فِی التَّتَارْخَانِیَةِ نَاقِلًا عَنْ جَامِعِ الْفَتَاوٰی)

"مسلمان نے مجوسی کی وہ بکری جوان کے آتشکدہ کے لئے یا کافر کی ان بتوں کیلئے تھی۔ ذبحہ کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے مگر یہ کام مسلمان کیلئے مکروہ ہے۔ اسی طرح تتارخانیہ میں جامع الفتاوٰی سے نقل کیا۔"

دیکھئے جانور پالنے والا کافر ہے اور ذبحہ بھی کرتا یہ بت یا آگ کی عبادت کی نیت سے، گویا مالک کا پالنا اور ذبحہ کرانا دونوں فاسد مگر چونکہ بوقت ذبحہ مسلمان نے بسم اللہ کہہ کر ذبحہ کیا ہے۔ لہٰذا حلال ہے۔ کہیئے گیارہویں یا میلاد کا بکرا اس بت پرست کے بکرے سے بھی گیا گذرا ہے؟ کہ وہ تو حلال مگر یہ حرام۔ الحمد للہ بخوبی ثابت ہوا کہ یہ گیارہویں وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل باعثِ ثواب۔

دوسرا باب

اولیاء اللہ کے جانور کے متعلق اعراضات وجوابات

اعتراض ۱ اس آیت مَا اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ میں کلمہ اُھِلَّ اہلال سے مشتق ہے اور اہلال کے معنی لغت میں ذبحہ کے نہیں بلکہ مطلقاً پکارنے کے ہیں۔ لہٰذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا خواہ تو اس کی زندگی میں یا بوقت ذبحہ وہ مردار ہے تو غوث پاک کا بکرا شیخ سدو کی گائے اگرچہ خدا کے نام پر ذبحہ ہو حرام ہے۔

نوٹ یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا ہے وہ مسئلہ میں سخت فرما گئے۔

جواب اہلال کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً پکارنا۔ مگر عرفی معنی ہیں بوقت ذبحہ پکارنا۔ اور یہ عرفی معنی ہی اس جگہ مراد ہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً دعا۔ مگر عرفی معنی ہیں نماز تو اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ سے نماز فرض ہوگی نہ کہ عام دعا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت ما اہل کے ماتحت ہے۔

اَلْاِھْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ هٰذَا مَعْنَی الْاِھْلَالِ فِی اللُّغَةِ ثُمَّ قِیْلَ لِلْمُحْرِمِ

"الخ اہلال کے معنی ہیں بلند آواز کرنا (پکارنا) یہ معنی لغوی ہیں پھر محرم کو کہا گیا الخ"

اسی طرح حاشیہ بیضاوی للشہاب میں اسی آیت مااہل کے ماتحت ہے۔

اَیْ رُفِعَ بِہِ الصَّوْتُ الخ ھٰذَا اَصْلُہ‘ ثُمَّ جُعِلَ عِبَارَۃً عَمَّا ذُبِحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ

”یعنی اسکو پکارا گیا ہو یہ اہلال کے لغوی معنی ہیں پھر اس اہل سے مراد لی گئی ہے کہ وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے“

اگر یہاں اہلال کے لغوی معنی مراد ہوں تو چند خرابیاں لازم ہونگی۔ اوّلاً یہ کہ یہ تفسیر اجماع مفسرین اور اقوال صحابہ کرام کے خلاف ہوگی۔ مفسّرین کے اقوال تو ہم پہلے باب میں عرض کر چکے۔ اب صحابہ کرام وغیرہم کے اقوال ملاحظہ ہوں۔ تفسیر درمنثور میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَخْرَجَ اِبْنُ الْمُنْذَرِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰے وَمَا اُھِلُّ الآیۃ قَالَ ذُبِحَ وَاَخْرَجَ اِبْنُ جَرِیْرٍ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَمَا اُھِلَّ یَعْنِیْ مَا اُھِلَّ لِلطَّوا غ،یْتِ وَاَخْرَجَ اِبْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ مُجَاھِدٍ وَمَا اُھِلَّ قَالَ مَا ذُبِحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ وَاَخْرَجَ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ اَبِیْ الْعَالِیَۃِ وَمَ اُھِلَّ یَقُوْلُ مَاذُکِرَ عَلَیْہِ اِسْمُ غَیْرِ اللّٰہِ تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے قَالَ الرَّبِیْعُ ابْنُ اَنَسٍ یَعْنِیْ مَاذُکِرَ عِنْدَ ذَبْحِہٖ اِسْمُ غَیْرِ اللّٰہِ معلوم ہوا کہ اس قدر صحابہ کرام وتابعین کا یہ ہی فیصلہ ہے کہ اس آیت سے مراد ہے غیر اللہ کے نام پر ذبحہ کرنا۔

جواب دوم یہ ہے تمہارے بتائے ہوئے یہ معنی خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّ لَا سَائِبَۃٍ وَّ لَا وَصِیْلَۃٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰکِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ

”اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام نہیں مقرر کئے۔ لیکن کفار اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔“

یہ چار جانور بحیرہ وغیرہ وہ تھے، جن کو کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمادی۔ حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا اور ان کے کھانے کا حکم دیا کہ فرمایا۔

کُلُوْامِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ

”کھاؤ اسکو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطانوں کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔“

تفسیر فتح البیان میں زیر آیت مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ اور نووی شرح مسلم کتَابُ الْجَنَّۃِ وَنَعِیْمًا بَابُ الصَّفَۃِ الَّتِیْ یُعْرَفُ بِھَانِی الدُّنْیَا اَھْلُ الْجَنَّۃِ صفحہ ۳۸۵ میں ہے۔

اَلْمُرَادُ اِنْکَارُ مَاحَرَّمُوْا عَلٰے اَنْفُسِھِمْ مَنَ السَّائِبَۃِ وَالْبَحِیْرَۃِ وَالْحَامِ وَاِنَّھَالَمْ تُصِرْ حَرَامًا بِتَحْرِیْمِہٖ

”یعنی اس آیت سے ان جانوروں کی حرمت کا انکار کرنا مقصود ہے جن کو کفار حرام سمجھتے تھے بحیرہ وغیرہ کہ یہ جانور ان کے حرام کرلینے سے حرام نہیں ہوگئے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جو سانڈ ہندو لوگ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا اگر مسلمان بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کر ذبح کرلے تو حلال ہے ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَالُوْا ھٰذِہٖ اَنْعَامٌ“ وَحَرْثٌ“ حِجْرٌ“ لَّا یَطْعَمُھَا اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِھِمْ اور کفار بولے کہ یہ جانور اور کھیتی روکی ہوئی ہے۔ اس کو وہ ہی کھائے۔ جس کو ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال ہیں۔ نیز فرماتا ہے وَقَالُوْامَا فِیْ بُطُوْنِ ھٰذِہِ الْاَنْعَامِ خَالِصَۃٌ“ لِّذُکُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ“ عَلٰٓے اَزْوَاجِنَا کفار بولے جو ان جانوروں کے شکم میں بچہ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر یہ حرام وہ ہی کھیتیاں اور جانور تھے جو بتوں کے نام پر وقت تھے اور کفار کی حلت میں پابندیاں لگاتے تھے اس پابندی کی تردید فرمادی گئی۔ تو جب بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانور حرام نہ ہوئے تو اہل اللہ کی فاتحہ کی نیت سے پالے ہوئے جانور کیوں حرام ہوگئے؟ تیسرے یہ کہ اُھِلَّ کے یہ معنی فقہاء کی تصریح کے بھی خلاف ہیں ہم اس بحث کے پہلے باب میں عالمگیری عبارت پیش کر چکے ہیں کہ مشرک یا آتش پرست نے بت یا آگ کے چڑھاوے کیلئے جانور مسلمان سے ذبح کرایا۔ مسلمان بِسْمِ اللّٰہِ سے ذبح کیا وہ حلال ہے۔ اسی طرح تفسیرات احمدیہ کی عبارت بھی پیش کردی گئی کہ اولیاء اللہ کے نذر پالا ہوا جانور حلال ہے چوتھے یہ کہ یہ معنی عقل کے بھی خلاف ہیں اس لئے کہ جب اھل کے لغوی معنی مراد ہوئے یعنی جانور پر اسکی زندگی میں یا بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارنا جانور کو حرام کر دیتا ہے تو لازم آیا کہ جانور کے سوا دوسری اشیاء بھی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جاویں۔ کیوں کہ قرآن میں آتا۔

مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ اور ہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جاوے ”ما“ میں جانور کی قید نہیں پھر خواہ تقرب کی نیت سے پکارا یا کسی اور

نیّت سے بہر حال حرمت آنی چاہئے، تو زید کا بکر، عمر کی بھینس، زید کے آم، بکر کے باغ کے پھل، فلاں کی بیوی، ام سعد کا کنواں، فلاں کی مسجد، میرا گھر، دیو بند کا مدردہ، امام بخاری کی کتاب سب ہی نسبتیں ناجائز ہوگئیں اور ان کا استعمال حرام، اور بخاری ترمذی تو خاص شرک ہوا۔ کہ انکی نسبت بخارا اور ترمذ کی طرف ہوئی جو کہ غیر اللہ ہیں، جناب جس وقت تک کہ عورت صرف اللہ ہی کی بندی کہلائی، سب کو حرام رہی، جب اس پر غیر خدا کا نام آیا، اور فلاں کی زوجہ کی گئی تب فلاں کو حلال ہوئی بھی غیر اللہ کی نسبت سے چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ حیدر آباد میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا دستی لکھا ہوا قرآن شریف تھا انگریز اس کے دو لاکھ روپے دیتے تھے مگر نہ دیا گیا امیر عبدالرحمٰن خان کا استعمال شدہ قالین پچاس ہزار روپے میں امریکہ والوں نے خریدا۔ پرانے ٹکٹ بھی قیمتی ہوتے ہیں۔ (سرکار علی پوری) غرضکہ اہل کے یہ معنٰی ایسے فاسد ہیں کہ عقل و نقل سب ہی کے خلاف۔

پانچویں یہ کہ اگر کسی نے جانور بت کے نام پر پالا بعد میں اس سے غائب ہوگیا اور خالص نیّت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بالاتفاق حلال ہے حالانکہ اھل میں تو یہ بھی داخل ہوا۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا ما اھل کی حد میں آگیا۔ اب ماننا ہی پڑا کہ وقت ذبح اللہ کا نام پکارنا معتبر ہے نہ کہ قبل کا۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے پھر گوشت میں اللہ کی نیّت کرے بالکل غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اگر زندگی کا پکارنا معتبر ہوتا تو جو آدمی جانور کی زندگی میں غیر اللہ کا نام پکار کے پھر توبہ کرے اللہ کے نام پر ذبح کرتا۔ تو بھی حرام ہوتا۔ چھٹے یہ کہ اگر اھل کے معنے لغوی مراد لیئے جاویں جب بھی بہٖ کی وجہ سے پکارنے میں تخصیص ہوگی۔ اس طرح کہ ب فی کے معنٰی میں ہوگا اور مضاف پوشیدہ یعنی فی ذبحہ ورنہ پھر بہٖ سے کیا فائدہ ہوگا۔ بغیر بہٖ کے بھی معنٰی حاصل تھے۔ جیسا کہ سلیمان جمل نے آیت **ما اھل بہٖ** بغیر اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے تو بھی مطلب وہ ہی بنا کہ جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے بہر حال یہ ترجمہ محض فاسد ہے۔

اعتراض ۲ فقہی مسئلہ ہے کہ جس جانور کو **بِسْمِ اللّٰہ** سے ذبح کیا جاوے مگر ذبح کی نیّت غیر خدا سے تقرب حاصل کرنا ہو تو وہ حرام ہے۔ چونکہ گیارہویں کرنے والے کی نیّت حضور غوث اعظم کو راضی کرنا لہٰذا اس ذبح میں غیر اللہ کی طرف تقرب ہوا۔ تو اگرچہ جانور ذبح **بِسْمِ اللّٰہ** سے ہوا۔ مگر اس قاعدے سے حرام ہوگیا۔ اس قاعدے کی تحقیق سوال نمبر ۳ میں آتی ہے۔

جواب ذبح کی چار قسمیں ہیں۔ اوّلاً یہ کہ ذبح سے مقصود محض خون بہانا ہو اور گوشت محض تابع ہو۔ اور یہ خون بہانا رب کو راضی کرنے کیلئے ہو۔ جیسے کہ قربانی، ہدی، عقیقہ اور نذر کا جانور یہ ذبح عبادۃ ہے مگر اس میں وقت یا جگہ کی قید ہے کہ قربانی خاص تاریخوں میں عبادت ہے آگے پیچھے نہیں۔ ہدی حرم میں عبادت ہے اور جگہ نہیں۔ دوسرے چھری کی چھار کی آزمائش کے لئے ذبح کرنا یہ نہ عبادت ہے نہ گناہ۔ اگر **بِسْمِ اللّٰہ** سے ہوا تو جانور حلال ورنہ حرام۔ تیسرے گوشت کھانے کے لئے ذبح کرنا جیسے کہ شادی ولیمہ کی دعوت یا گوشت کی تجارت کے لئے ذبح کرنا۔ اسی طرح فاتحہ بزرگان کیلئے ذبح کرنا کہ ان سب ذبح سے مقصود گوشت ہے ذبح گوشت کیلئے ہے یہ بھی اگر **بِسْمِ اللّٰہ** سے ہو تو حلال ورنہ حرام۔ چوتھے غیر خدا کو راضی کرنے کے لئے صرف خون بہانے کی نیّت سے ذبح کرنا کہ اس میں گوشت مقصود نہ ہو۔ جیسے کہ ہندو لوگ بتوں یا دیوی پر جانور کی بھینٹ چڑھاتے ہیں کہ اس سے صرف خون دے کر بتوں کو راضی کرنا مقصود ہے وہ جانور اگر **بِسْمِ اللّٰہ** کہہ کر بھی ذبح کیا جاوے، جب بھی حرام ہے بشرطیکہ ذبح کرنیوالے کی نیت بھینٹ کی ہو نہ کہ ذبح کرنیوالے کی۔ ان فقہی عبارات سے یہ ہی مراد ہے قرآن فرماتا ہے۔

وَمَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ اور حرام ہے، وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے۔ اس آیت کی تفسیر میں سلیمان جمل فرماتے ہیں۔

اَیْ مَاقُصِدَ بِذَبْحِهِ النُّصُبُ وَلَمْ یُذْکَرْ اِسْمُهَا عِنْدَ ذَبْحِهٖ بَلْ قُصِدَ تَعْظِیْمُهَا بِذَبْحِهٖ فَعَلٰی بِمَعْنٰی اللَّامِ فَلَیْسَ هٰذَا مُکَرَّرًا مَعَ مَا سَبَقَ اِذْ ذَاکَ فِیْمَا قُصِدَ بِذَبْحِهٖ تَعْظِیْمُ الصَّنَمِ مِنْ غَیْرِ ذِکْرِهٖ

”یعنی وہ جانور بھی حرام ہے۔ جس کے ذبح سے بت مقصود ہوں اور ان کے ذبح کے وقت بت کا نام نہ لیا گیا ہو یا کہ بت کی تعظیم کے لیئے کیا گیا ہو۔ پس اعلیٰ بمعنی لام ہے لہٰذا یہ آیت گذشتہ سے مکرر نہیں کیونکہ وہاں ما اھل میں تو وہ مراد تھے جن پر بتوں کا نام لیا جاوے اور اس سے وہ جانور مراد ہیں جن کے ذبح سے بت کی تعظیم مقصود ہو اور اس کا نام نہ لیا گیا ہو۔“

سبحان اللّٰہ کا عمدہ فیصلہ کیا کہ جو بت کے نام پر ذبح ہو وہ تو ما اھل میں داخل ہے اور جس ذبح سے تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ **مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ** میں داخل۔ بعض فقہاء نے ان دونوں صورتوں کو ما اھل سے ثابت کیا ہے بمعنی **مَا ذُبِحَ لِتَعْظِیْمِ غَیْرِ اللّٰهِ** اسی پر درمختار کی عبارت ہے غرضکہ جانوروں کی حرمت میں دو چیزوں کو دخل ہے ایک تو بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا۔ دوسرے غیر اللہ کو راضی کرنیکے لئے جانور کا خون بہانا بایں معنے کہ گوشت مقصود بالذات نہ ہو۔ تقرب بغیر اللہ ہے اسی کو فقہاء حرام فرماتے ہیں۔ چونکہ گیارہویں اور فاتحہ کا جانور تیسری قسم میں داخل ہے نہ کہ چوتھی میں۔ اسی لیئے حرام نہیں کیونکہ گیارہویں کرنیوالے کا مقصدہ ہوتا ہے کہ اس جانور کے گوشت کا کھانا پکا کر فاتحہ کر کے فقراء پر تقسیم کیا جاوے گا۔ لہٰذا اس سے گوشت مقصود ہوا۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ بعض دیو بندی کہتے ہیں کہ گیارہویں والے کا گوشت مقصود نہیں ہوتا۔

کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اگر اس کو اتنا زیادہ گوشت دیا جاوے یا دوسرا جانور کہ تو فاتحہ کردے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا اگر گوشت منظور ہوتا تو تبادلہ کر لیتا معلوم ہوا کہ غوث پاک رضی اللہ عنہ کے نام پر خون بہانا منظور ہے۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے نیت کا حال تو نیت والا ہی جان سکتا ہے بلا دلیل مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے رہا جانور کا نہ بدلنا۔ اسکی وجہ محض اہتمام ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس طرح ہم نے پرورش کر کے اس کو اچھا کیا ہے دوسرا گوشت ایسا نہ ملے گا۔ بعض لوگ ولیمہ کے لئے جانور پالتے ہیں وہ بھی دوسرے گوشت سے تبادلہ گوارا نہیں کرتے۔ بعض لوگ فاتحہ کے لئے نئے برتن استعمال کرتے ہیں اور ان برتنوں کا تبادلہ گوارا نہیں کرتے۔ بعض کا خیال ہوتا ہے کہ جس جانور پر فاتحہ کا وعدہ ہو گیا اس کو بدلنا جائز نہیں۔ جیسے کہ قربانی کا جانور۔ یہ خیال غلط ہے۔ مگر غلط خیال سے ذبیحہ کیوں حرام ہو گیا۔ غرضکہ اہتمام اور ہے بھینٹ اور خلاصہ یہ ہوا کہ اگر نفس ذبح سے غیر اللہ کو راضی کرنا مقصود ہو تو حرام ہے اور اگر ذبح دعوت فاتحہ کے لئے ہو اور فاتحہ یا دعوت کسی کو راضی کرنے کیلئے ہو تو حلال ہے۔ کسی اللہ کے بندے کو راضی کرنا اسکی عبادت نہیں۔

اعتراض ۳ درمختار عالمگیری باب الذبح میں ہے اور نووی شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ۔

ذُبِحَ لِقُدُوْمِ الْاَمِیْعِ وَنَحْوِہٖ کَوَاحِدٍ مِنَ الْعُظَمَاءِ یَحْرِمُ لِاَنَّہٗ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ وَلَوْ ذُکِرَاسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

”باشاہ یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبحہ کیا۔ تو وہ حرام ہے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ اگر چہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو۔“

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگر چہ بِسْمِ اللّٰہ ہی سے ذبحہ ہو لہٰذا گیارہویں کا جانور بہرحال حرام ہے کہ حضور غوث پاک کی رضا کے لئے ہے اگر چہ ذبحہ بِسْمِ اللّٰہ سے ہو۔

جواب اس کا مکمل جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گذر گیا کہ اگر سلطان یا کسی کی بھینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو حرام۔ بھینٹ کے معنٰے بیان کئے جا چکے ہیں کہ خون بہانے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہو گوشت تابع ہو اور اگر سلطان وغیرہ کی دعوت کے لئے جانور ذبح ہو تو اگر چہ دعوت رضائے سلطان مقصود ہو مگر جانور حلال ہے۔ درمختار کتاب الذبح میں اسی جگہ فرماتے ہیں۔

وَلَوْ لِلضَّیْفِ لَا یُحَرَّمُ لِاَنَّہٗ سُنَّۃُ الْخَلِیْلِ وَاِکْرَامُ الضَّیْفِ اِکْرَامُ اللّٰہِ وَ الْفَارِقُ اِنَّہٗ اِنْ قَدَّمَھَا لِیَا کُلَ مِنْھَا کَانَ الذَّبْحُ لِلّٰہِ وَالْمَنْفَعَۃُ لِلضَّیْفِ اَوْلِلْوَلِیْمَۃِ اَوْ لِلذَّبْحِ وَاِنْ لَّمْ یُقَدِّمْھَا لِیَا کُلَ مِنْھَا بَلْ یَدْفَعُھَا لِغَیْرِ ہٖ کَانَ لِتَعْظِیْمِ غَیْرِ اللّٰہِ فَتَحَرَّمُ

”اور اگر ذبح مہمان کیلئے ہو تو حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت خلیل اللہ کا طریقہ ہے اور مہمان کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس کا گوشت مہمان کے آگے رکھا تا کہ اس میں کھائے تو یہ ذبح اللہ کیلئے ہو گا اور نفع مہمان کیلئے یا ولیمہ یا تجارت کیلئے اور اگر مہمان کے آگے نہ رکھا بلکہ یونہی کسی کو دیدیا تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لئے ہے لہٰذا حرام ہے۔“

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گوشت کا مقصود ہونا عبادت وغیر عبادت میں فرق ہے۔ اسی جگہ درمختار میں ہے

وَفِیْ صَیْدِ الْمُنْیَۃِ اِنَّہٗ یُکْرَہُ وَلَا یَکْفُرُ لِاَنَّا لَا نُسِیُّ الظَّنَّ بِالْمُسْلِمِ اَنَّہٗ یَتَقَرَّبُ اِلَی الْاٰ دَمِیِّ بِھٰذَا لنَّحْرِ

”ایسا کرنا مکروہ ہے اس سے ذابح کافر نہ ہو گا۔ کیونکہ ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کی عبادت کرتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے۔ اس کے حاشیہ درمختار میں اس کو زیادہ واضح کر دیا گیا ہے مگر جس قدر بیان کر دیا گیا اس میں کفایت ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ ۶ زیر آیت

وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ مَا یُذْبَحُ عِنْدَ اِسْتِقْبَالِ السُّلْطٰنِ تَقَرُّبًا اِلَیْہِ اَفْتٰی اَھْلُ الْبُخَارٰی بِتَحْرِیْمِہٖ اِنَّمَا یَذْبَحُوْنَہٗ اِسْتِبْشَارًا بِقُدُوْمِہٖ فَھُوَ کَذَبْحِ الْعَقِیْقَۃِ لِوِلَادَۃِ الْمَوْلُوْدِ مِثْلُ ھٰذَا لَا یُوْجِبُ التَّحْرِیْمَ کَذَا فِیْ شَرْحِ الْمَشَارِقِ

”یعنی جو جانور سلطان کے آنے پر ذبح کیا جائے اس سے قرب حاصل کرنے کے لئے اہل بخاری نے اسکی حرمت کا فتویٰ دیا اور امام رافعی نے فرمایا کہ جانور حرام نہیں کیونکہ وہ لوگ سلطان کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسے کہ بچہ کا عقیقہ بچہ کی پیدائش کی خوشی میں اور اس جیسا کام جانور کو حرام نہیں کر دیتا اسی طرح شرح مشارق میں ہے۔“

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ رواج ہو گا کہ بادشاہ کی آمد پر گھر گھر جانور ذبح ہوتے ہوں گے آج کل یہ رسم نہیں تو بادشاہ کی عبادت کی نیت سے ذبح کرتے ہوں تو وہ حرام اور جو اظہار خوشی کے لئے لوگوں کی دعوت کرتے ہوں وہ حلال یہ فتاویٰ کا اختلاف رسوم کے اختلاف زمانہ کی وجہ سے

ہے۔ غرضکہ گیارھویں کے جانور کو ذبیحہ قدوم سلطان سے کوئی نسبت نہیں۔

اعتراض ٤ گیارھویں کی نیت سے بکرا پالنے والا مرتد ہے کیونکہ غیر خدا کی نذر ماننا کفر ہے اور کافر و مرتد کا ذبیحہ حرام ہے لہٰذا گیارھویں ماننے والے کا ذبیحہ حرام ہے۔ شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں ہے۔ وَالنَّـذْرُ لِلْمَخْلُوْقِ لَا یَجُوْزُ لِاَنَّہٗ‘ عِبَادَۃٌ“ وَالْعِبَادَۃُ لَا تَکُوْنُ لِمَخْلُوْقٍ

جواب اس کا مکمل جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ نذر شرعی نہیں نذر عرفی ہے بمعنی ہدیہ و نذرانہ یا یہ نذر اللہ کے لئے ہے اور اس کا تصرف یہ ہے اور ان میں سے کوئی بھی شرک نہیں۔ استاذ سے کہتے ہیں کہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذرانہ و ہدیہ۔

بحث ہاتھ پائوں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

پہلا باب

بوسہ تبرکات کے ثبوت میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَادْخُلُوْا الْبَاطَ سُجَّدًا وَّقُوْا حِطَّةٌ "یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں۔" اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرامگاہ ہے اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانیکا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ باب المصافحہ والمعانقہ فصل ثانی میں ہے۔

وَعَنْ ذِرَاعٍ وَّكَانَ فِیْ وَفْدِ عَبْدِ الْقَیْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَّوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ یَدَرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم وَرِجْلَهٗ

"حضرت ذراع سے مروی ہے اور یہ وفد عبدالقیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔"

مشکوٰۃ باب الکبائر وعلامات النفاق میں حضرت صفوان ابن عسال سے روایت ہے

فَیُقَبِّلُ عَدَیْهِ وَرِجْلَهٗ پس انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔ مشکوٰۃ شریف بَابُ مَا یُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَهٗ الْمَوْتُ بروایت ترمذی وابوداؤد میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم عُثْمَانَ ابْنَ مَظْعُوْنٍ وَهُوَ مَیِّت"

"حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔"

شفا شریف میں ہے كَانَ اِبْنُ عُمَرَ یَضَعُ عَدَهٗ عَلٰے الْمِمْبَرِ الَّذِیْ یَجْلِسُ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِی الْخُطْبَةِ ثُمَّ یَضَعُهَا عَلٰی وَجْهِهٖ

"جس منبر پر حضور علیہ السلام خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (چومتے تھے)" شرح بخاری لابن حجر پارہ ششم صفحہ ۱۵ میں ہے۔

اِسْتَنْبَطَ بَعْضُهُمْ مَنْ مَشْرُوْعِیَّةِ تَقْبِیْلِ الْاَرْكَانِ جَوَازَ تَقْبِیْلِ كُلِّ مَنْ یَسْتَحِقُّ الْعَظْمَةَ مِنْ اٰدَمِیٍّ وَّغَیْرِهٖ نُقِلَ عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ تَقْبِیْلِ مِنْبَرِ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَتَقْبِیْلِ قَبْرِهٖ قَالَ فَلَمْ یُرْبِهٖ بَاْسًا وَّنُقِلَ عَنْ اِبْنِ اَبِیْ الصَّنْفِ الْیَمَانِیْ اَحَدِ عُلَمَاءِ مِلَّةٍ مِنَ الشَّافِعِیَّةِ جَوَازَ تَقْبِیْلِ الْمُصْحَفِ وَاَجْزَاءِ الْحَدِیْثِ وَ قُبُوْرِ الصّٰلِحِیْنَ مُلَخَّصًا

"ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کا منبر یا قبر انور پر چومنا کیا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابی الصنف یمانی سے جو کہ مکہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں منقول ہے۔ قرآن کریم اور حدیث کے اوراق بزرگان دین کی قبر چومنا جائز ہیں۔"

توشیح میں علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

سْتَنْبَطَ بَعْضُ الْعَارِفِیْنَ مِنْ تَقْبِیْلِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ تَقْبِیْلَ قُبُوْرِ الصّٰلِحِیْنَ

"حجر الاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔"

ان احادیث ومحدثین وعلماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں اور ان کے لباس نعلین، بال غرضکہ سارے تبرکات اسی طرح کعبہ معظمہ، قرآن شریف، کتب احادیث کے اوراق کا چومنا جائز اور باعث برکت ہے، بلکہ بزرگان دین کے بال ولباس وجمیع تبرکات کی تعظیم کرنا، ان سے لڑائی وغیرہ مصائب میں امداد حاصل کرنا۔

قرآن کریم میں ثابت ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے فرمایا کہ طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آویگا۔ جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی کہ اٹھائے ہوں گے اس کے فرشتے اس آیت کی تفسیر ہیں تفسیر خازن روح البیان وتفسیر مدارک اور جلالین وغیرہم نے لکھا ہے، کہ تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر (یہ تصاویر کسی انسان نے نہ بنائی تھیں بلکہ قدرتی تھیں) ان کے مکانات شریفہ کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور ان کے کپڑے اور آپ کے نعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لئے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے۔ بخوبی ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے تبرکات سے فیض لینا۔ ان کی عظمت کرنا طریقہ انبیاء ہے۔ تفسیر خازن ومدارک روح البیان وکبیر سورہ یوسف پارہ ۱۲ از یر آیت **فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ** کہ جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے ساتھ بھیجا تو ان کے گلے میں ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تعویذ بنا کر ڈال دی تا کہ محفوظ رہیں۔ سارے پانی رب نے پیدا کیئے ہیں۔ مگر آب زمزم کی تعظیم اس لئے ہے کہ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہوا۔ مقام ابراہیم پتھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہوئی تو اسکی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ حضور علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔ تو رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی **لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ " بِهٰذَا الْبَلَدِ** نیز فرمایا **وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ** ایوب علیہ السلام سے فرمایا **اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ " بَارِدٌ " وَّ شَرَابٌ "** ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہوا۔ وہ شفا بنا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفاء ہے۔ مشکوٰۃ شروع کتاب اللباس میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما کے پاس حضور علیہ السلام کا جبہ (اچکن) شریف تھا۔ اور مدینہ طیبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پلاتی تھیں اسی مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب الاشربہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف فرما ہوئے اور ان کے مشکیزے سے منہ مبارک لگا کر پانی پیا۔ انہوں نے برکت کیلئے مشکیزہ کا منہ کات کر رکھ لیا۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب المساجد فصل ثانی میں ہے کہ ایک جماعت حضور علیہ السلام کے دستِ اقدس پر مشرف بہ اسلام ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں بیعہ (یہودیوں کا عبادت خانہ) ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کو توڑ کر مسجد بنالیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک برتن میں پانی لے کر اس میں کلی فرمادی اور فرمایا کہ اس بیعہ کو توڑ دو اور اس پانی کو وہاں زمین پر چھڑک دو اور اس کو مسجد بنالو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب شریف کفر کی گندگی کو دور فرماتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی میں حضور علیہ السلام کا ایک بال شریف رکھتے تھے۔ اور جنگ میں وہ ٹوپی ضرور آپ کے سر مبارک پر ہوتی تھی۔ مشکوٰۃ باب السترہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا تو حضرت بلال نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضور بلال کی طرف دوڑے۔ جس کو اس غسالہ شریف کی تری مل گئی اس نے اپنے منہ پر مل لی اور جسے نہ ملی۔ اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری لے کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کی استعمال چیزوں سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے۔

اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب الملوک میں ہے۔

اِنْ قَبَّلَ يَدَ عَالِمٍ اَوْ سُلْطٰنٍ عَادِلٍ بِعِلْمِهٖ وَعَدْلِهٖ لَابَاْسَ بِهٖ

"اگر عالم یا عادل بادشاہ کے ہاتھ چومے ان کے علم وعدل کی وجہ سے تو اس میں حرج نہیں۔"

اسی عالمگیری کتاب الکراہیت باب زیارۃ القبور میں ہے۔

لَابَاْسَ بِتَقْبِيْلِ قَبْرِ وَالِدَيْهِ كَذَافِى الْغَرَائِبِ "اپنے ماں باپ کی قبریں چومنے میں حرج نہیں۔"

اسی عالمگیری کتاب الکراہیت باب ملاقات الملوک میں ہے۔

اِنَّ التَّقْبِيْلَ عَلٰى خَمْسَةِ اَرْجُهٍ قُبْلَةُ الرَّحْمَةِ كَقُبْلَةِ الْوَلَدِه‘ وَقُبْلَةُ التَّحِيَّةِ كَقُبْلَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ بَعْضُهُمْ وَقُبْلَةُ الشَّفْقَةِ كَقُبْلَةِ الْوَلَدِ بِوَالِدَيْهِ وَقُبْلَةُ الْمَوَدَّةِ كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ اَخَاهُ قُبْلَةُ الشَّهْوَةِ كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ اِمْرَاَتَه‘ وَزَادَ بَعْضُهُمْ وَقُبْلَةُ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ

"بوسہ لینا پانچ طرح کا ہے رحمت کا بوسہ جیسے کہ باپ اپنے فرزند کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں۔ شفقت کا بوسہ جیسے کہ فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے دوستی کا بوسہ جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو بوسہ دے۔ شہوت کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ لے۔ بعض نے زیادہ کیا دین داری کا بوسہ اور وہ سنگ اسود کا چومنا ہے۔"

درمختار جلد پنجم کتاب الکراہیت آخر باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

وَلَابَأْسَ بِتَقْبِيْلِ يَدِالْعَالِمِ وَ السُّلْطٰنِ الْعَادِلِ ”عالم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں حرج نہیں۔

اس جگہ شامی نے حاکم کی ایک حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے۔

قَالَ ثُمَّ اَذِنَ لَهٗ فَقَبَّلَ رَاْسَهٗ وَرِجْلَيْهِ وَقَالَ لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَ قَالَ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ

”حضور علیہ السلام نے اس شخص کو اجازت دی اس نے آپ کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ہم کسی کو سجدے کا حکم دیتے تو عورت کو دیتے کہ شوہر کو سجدہ کرے۔“

درمختار نے اسی جگہ بوسہ پانچ قسم کا بیان کیا مثل عالمگیری کے اتنا اور زیادہ کیا۔

قُبْلَةُ الدِّيَانَهِ لِلْحَجَرِ الْسَوَدِ وَ تَقْبِيْلُ عُتْبَةِ الْكَعْبَةِ تَقْبِيْلُ الْمُصْحَفِ قِيْلَ بِدْعَة“ لٰكِنْ رُوِىَ عَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَاخُذُالْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَاَمَّاتَقْبِيْلُ الْخُبْزِ فَجَوَّزَ الشَّافِعِيَّةُ اَنَّهٗ بِدْعَة“ مُبَاحَة“ وَاَقِيْلَ حَسَنَة“ مُلَخَّصًا

”ایک بوسہ دینداری کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ کعبہ شریف کی چوکھٹ کا بوسہ ہے قرآن پاک کو چومنا بعض لوگوں نے بدعت کہا ہے مگر عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ہر صبح کو قرآن پاک ہاتھ میں لیکر چومتے تھے اور روٹی کا چومنا اسکو شافعی لوگوں نے جائز فرمایا ہے کہ یہ بدعت جائز ہے بعض نے کہا کہ بدعت حسنہ ہے۔“

نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى** مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی۔ ان کے قدم پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہوا کہ دنیا بھر کے حاجی اس کی طرف سر جھکانے لگے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بوسے چند طرح کے ہیں اور متبرک چیزوں کو بوسہ دینا دینداری کی علامت ہے، یہاں تک تو اقوال موافقین کا ذکر ہوا۔ مخالفین کے سردار جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحہ صفحہ ۵۴ پر فرماتے ہیں ”تعظیم دیندار کو کھڑا ہونا سنت ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے۔“ فقط رشید احمد عفی عنہ۔

اس کے متعلق اور بھی احادیث وفقہی عبارات عبارات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات وجواب میں

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے اور تبرکات کی تعظیم پر مخالفین کے پاؤں حسب ذیل اعتاضات ہیں۔ انشاء اللہ عزوجل اس کے سوا اور نہ مل سکیں گے۔

اعتراض ۱ فقہاء فرماتے ہیں کہ علماء کے سامنے زمین چومنا حرام ہے۔ نیز جھک کر تعظیم کرنا حرام ہے کیونکہ یہ رکوع کے مشابہ اور جس طرح تعظیمی سجدہ حرام ہو گیا۔ تعظیمی رکوع بھی حرام ہو گیا اور جبکہ کسی کے پاؤں چومنے کے لئے اس کے قدم پر منہ رکھا تو یہ رکوع تو کیا سجدہ ہو گیا لہٰذا یہ حرام ہے۔ درمختار کتاب الکراہیت باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

وَتَقْبِيْلُ الْاَرْضِ بَيْنَ يَدَىِ الْعُلَمَآءِ وَالْعُظَمَآءِ فَحَرَام“ لِاَنَّهٗ يُشْبِهٗ عِبَادَةَ الْوَثَنِ

”علماء اور بڑے بزرگوں کے سامنے زمین چومنا یہ حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔“

اسی کے ماتحت شامی میں ہے۔

اَلْاِيْمَاءُ فِىْ السَّلَامِ اِلٰى قَرِيْبِ الرُّكُوْعِ كَا السُّجُوْدِ وَ فِى الْمُحِيْطِ اَنَّهٗ يُكْرَهُ الْاِنْحِنَاءُ لِلسُّلْطٰنِ وَغَيْرِهٖ وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ عَلٰى اِطْلَاقِ السُّجُوْدِ عَلٰى هٰذَا التَّقْبِيْلِ

”سلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے اور فقہاء کا ظاہری کلام یہ ہے کہ وہ اس چومنے کو سجدہ ہی کہتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ کسی انسان کے آگے جھکنا سجدہ کرنا شرک ہے لہٰذا کسی کے پاؤں چومنا شرک ہے حضرت مجدد صاحب کو دربار اکبری میں بلایا گیا اور داخل

ہونیکا دروازہ چھوٹا رکھا گیا تھا کہ اس بہانہ سے آپ اکبر کے سامنے جھک جاویں مگر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اولاً دروازے میں پاؤں داخل کئے تاکہ جھکنا نہ لازم آجاوے (یہ اعتراض انتاہی ہے اور عام دیوبندی وہابی اسی کو پیش کرتے ہیں)۔

جواب ہم اولاً سجدہ کی تعریف کریں۔ پھر سجدے کے احکام۔ پھر یہ عرض کریں کہ کسی کے سامنے جھکنے کے کیا حکم ہیں اس سے یہ اعتراض خوب دخود ہی دفع ہو جاویگا۔ شریعت میں سجدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عضو لگیں۔ دونوں پنجے، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی، پھر اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو عام کتب فقہ کتاب الصلوٰۃ بحث سجدہ اگر بغیر سجدے کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اوندھا لیٹ گیا تو سجدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض لوگ بیماری یا سردی چارپائی پر اوندھے پڑ جاتے ہیں۔ سجدہ دو طرح کا ہے۔ سجدہ تحیۃ اور سجدہ عبادت۔ سجدہ تحیۃ تو کسی کی ملاقات کے وقت سجدہ کرنا اور سجدہ عبادت کسی کو خدا کی طرح جان کر کرنا۔ سجدہ عبادت غیر اللہ کو کرنا شرک ہے کسی نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ ہر نبی توحید لائے شرک کسی نے نہیں پھیلایا۔ سجدہ تحیۃ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک تک جائز رہا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادرانِ حضرت یوسف نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ تفسیر روح البیان پارہ ۱۲ سورہ ہود زیر آیت

وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ میں حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ شیطان سے کہو کہ حضرت آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔ شیطان بولا کہ جب میں نے آدم علیہ السلام کی زندگی میں سجدہ نہ کیا تو ان کی قبر کو کیا سجدہ کروں گا۔ پھر اسلام نے اس سجدہ تحیۃ کو حرام فرمایا۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدہ تحیۃ کرے تو گنہگار ہے، مجرم ہے حرام کا مرتکب ہے، مگر مشرک یا کافر نہیں۔ معترض نے جو درمختار کی عبارت پیش کی اسی جگہ درمختار میں ہے۔

اِنْ كَانَ عَلٰى وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتَّعْظِيْمِ كَفَرُوْا وَ اِنْ كَانَ عَلٰى وَجْهِ التَّحِيَّةِ لَا وَصَارَ اٰثِمًا مُّرْتَكِبًا لِّلْكَبِيْرَةِ

”اگر یہ زمین چومنا عبادت اور تعظیم کے لئے ہو تو کفر ہے اور اگر تحیۃ کے لئے ہو تو کفر نہیں ہاں گنہگار اور کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔“

اس عبارت کے ماتحت شامی نے اسکو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ رہا غیر کے سامنے جھکنا۔ اسکی دو نوعیت ہیں ایک یہ کہ جھکنا تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ جھک کو سلام کرنا۔ یا معظم شخص کے سامنے زمین چومنا یا اگر حد رکوع ہے تو حرام ہے اسی کو فقہاء منع فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جھکنا کسی اور کام کے لئے ہو اور وہ کام تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنا اس کے پاؤں چومنے کے لئے ہے اور وہ کام تعظیم بزرگ کے لئے یہ حلال ہے اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو ہماری پیش کردہ احادیث اور فقہی عبارات کا کیا مطلب ہوگا۔ نیز یہ سوال دیوبندیوں کے بھی خلاف ہوگا کہ ان کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کا یہ انتہائی تقویٰ تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ دربار اکبری میں اکبر بادشاہ کو سجدہ کرایا جاتا ہے اور اکبر اس غرض سے مجھ کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے۔ اس لئے آپ نہ جھکے ورنہ اگر آپ جھک کر اس کھڑکی سے داخل ہوتے تو بھی آپ پر کچھ شرعی الزام نہ ہوتا کہ آپ کا مقصد اس جھکنے سے تعظیم اکبر نہ تھی۔

اعتراض ٤ احادیث میں ہے کہ حضرت عمر نے سنگ اسود کو بوسہ دے کر فرمایا۔

اِنِّیْ اَعْلَمُ اِنَّکَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ لَوْ لَا اِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا قَبَّلْتُکَ

”پتھر ہے نفع دے نہ نقصان اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ کو چومتا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سنگ اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نص میں آگیا مجبوراً چوم لیا۔ اور چونکہ ان تبرکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہٰذا نہ چمنا ہی مناسب ہے۔

جواب مولوی عبدالحی صاحب نے مقدمہ ہدایہ مذیلۃ الہدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث کو نقل فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ اے امیر المومنین حجر اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوتی۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ جب میثاق کے دن رب تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تو وہ عہد نامہ ایک ورق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ سنگِ اسود قیامت کے دن آویگا اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مومنین کی گواہی دے گا۔ لہٰذا یہ اللہ کا امین اور مسلمانوں کا گواہ ہے حضرت فاروق نے فرمایا۔

اے علی جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے، معلوم ہوا کہ سنگِ اسود نفع و نقصان پہنچانے والا ہے اور اس کی تعظیم دین کی تعظیم ہے۔ نیز حضرت فاروق کا سنگِ اسود کو یہ خطاب اس لئے نہ تھا کہ آپ اس بوسہ حجر اسود سے ناراض تھے۔ سنت سے ناراضی کفر ہے بلکہ محض اس لئے کہ اہل عرب پہلے بت پرست تھے ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بتوں سے ہٹا کر ایک پتھر پر ہم کو متوجہ کر دیا اس فرمان سے لوگوں کو فرق معلوم ہو گیا کہ وہ تھا

پتھروں کا پوجنا اور یہ ہے پتھر کا چومنا۔ پوجنا اور ہے اور چومنا اور۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کی تردید نہ کی بلکہ **لَا تَضُرُّ وَلَا تَنفَعُ** کے لفظ سے جو سامعین دھوکا کھاتے اس کو صاف فرمادیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ بالذات یہ پتھر نفع اور نقصان کا مالک نہیں۔ جیسا کہ اہل عرب بتوں کو سمجھتے تھے اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے۔ کہ اس پتھر میں بالکل نفع وضرر نہیں تو حضرت فاروق کا فرمان بھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہماری تقریر سے روافض اور وہابیوں دونوں کے اعتراض اُٹھ گئے۔

تعجب ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہاں تو سنگِ اسود کے بوسہ کے بقول تمہارے خلاف ہیں لیکن خود ہی حضور علیہ السلام سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقام ابراہیم کو اپنا مصلّٰے بنالیتے کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور نفل پڑھتے ان ہی کی عرض پر یہ آیت آئی۔ **وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّے** مقام ابراہیم بھی تو ایک پتھر ہی ہے اس کے سامنے نفل پڑھنا اور سجدہ کرنا آپ کو پسند ہے۔

اعتراض ۳ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل جو تبرکات حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا کہ اصلی چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لیئے انکا چومنا، ان کی عظمت کرنا منع ہے۔ ہندوستان میں صدہا جگہ بال مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ السلام کے بال ہیں؟

جواب تبرکات کے ثبوت کے لئے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات ہیں کافی ہے اس کے لئے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا زنا کے ثبوت کے لئے چار متقی مسلمانوں کی شہادت درکار۔ دیگر مالی معاملات کے ثبوت کے لئے دو کی گواہی کافی اور رمضان کے چاند کے لئے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر، نکاح، نسب یادگاروں اور اوقاف کے ثبوت کے لئے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پردیسی آدمی کسی عورت کو ساتھ لے کر مثل زن وشوہر رہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لئے شہرت معتبر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْ افِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

"کیا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تا کہ دیکھیں ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔"

اس آیت میں کفار مکہ کو رغبت دی گئی ہے کہ گذشتہ کفار کی یادگاروں، ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ قوم آباد تھی قرآن نے بھی اس کا پتہ نہ دیا اس کے لئے محض شہرت معتبر مانی۔ معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اعتبار اور فرمایا۔ شفا شریف میں ہے۔

وَمِنْ اِعْظَامِهٖ وَاِکْبَارِهٖ اِعْظَامُ جَمِیْعِ اَسْبَابِهٖ وَاِکْرَامُ مُشَاهِدِهٖ و. اَمْکِنَتِهٖ وَمَا لَمَسَهٗ عَلَیْهِ السَّلَام اَوْ عُرِفَ بِهٖ

حضور علیہ السلام کی تعظیم وتوقیر میں سے یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کے اسباب ان کے مکانات اور جس کو اس جسم پاک سے مس بھی ہو گیا اور جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کی ہے ان سب کی تعظیم کرے۔ شرح شفا میں ملا علی قاری اس عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْمُرَادَ جَمِیْعُ م.ا نُسِبَ اِلَیْهِ وَیُعْرَفُ بِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ

اس سے مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اس کی تعظیم کرے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب نور الایمان میں یہ ہی عبارت شفا نقل فرما کر **وَیُعْرَفُ بِهٖ** پر حاشیہ لکھا۔

وَلَوْکَانَ عَلیٰ وَجْهِ الْاَشْتِهَارِ مِنْ غَیْرِ ثُبُوْتِ اَخْبَارٍ فِیْ اٰثَارِهٖ خَذَاقَالَ عَلِیُّ نِ الْقَارِیُ

"اگر یہ نسبت محض شہرت کی بنا پر ہو اور اس کا ثبوت احادیث سے نہ ہو۔ اسی طرح ملا علی قاری نے فرمایا۔"

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مسلک متقسط میں یہ ہی مضمون تحریر فرمایا۔ اسی طرح علماء امت نے احکام حج میں تصانیف شائع کیں اور زائرین کو ہدایت کی کہ حرمین شریفین میں ہر اس مقام کی زیارت کرے جس کی لوگ عزت وحرمت کرتے ہوں۔ تعجب ہے کہ فقہاء کرام فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کو بھی معتبر مانیں۔ اور یہ مہربان تبرکات کے ثبوت کے لئے حدیث بخاری کا مطالبہ کریں۔

عاشقاں راچہ کار با تحقیق!
ہر کجا نام اوست قربانیم!

لطیفہ ہم دھوراجی کاٹھیاواڑ کی نگینہ مسجد میں بارہویں ربیع الاوّل شریف کو وعظ کہنے گئے وہاں بال مبارک کی زیارت کی جارہی تھی۔ مسلمان زیارت کر رہے تھے درود پاک کرتے تھے کوئی روتا تھا۔ کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ غرضکہ عجیب پر کیف منظر تھا ایک صاحب ایک کونہ میں منہ بنائے کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ کو لقوے نے مارا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت آپ غصہ میں کیوں ہیں؟ فرمانے لگے کہ مسجدوں میں شرک ہو رہا ہے اس کا کیا ثبوت ہے؟ کہ یہ بال حضور علیہ السلام کا ہے اور اگر ہو بھی تو اس تعظیم کی کیا ثبوت ہے؟ میں نے جواب نہ دیا۔ بلکہ ان سے پوچھا کہ جناب کا اسم شریف کیا ہے؟ فرمانے لگے عبدالرحمٰن۔ والد مہربان کا اسم گرامی کیا؟ فرمایا کہ عبدالرحیم۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبدالرحیم صاحب کے فرزند ہیں۔ اوّلاً تو اس نکاح کے گواہ نہیں اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف ان کے ہی قطرے سے ہے تڑپ کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ ہم نے کہا جناب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے شرمندہ ہو گئے کہنے لگے یہ اور بات ہے پوچھا کہ جناب کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں فرمایا دیو بند کے۔ ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ تو رجسٹری شدہ ہیں۔ مولانا قطب الدین برہمچاری قدس سرہ سے ایک دیو بندی صاحب فرمانے لگے حضور علیہ السلام کو حضور کہنا بدعت ہے نام لینا چاہیۓ کیونکہ حضور کہنا کہیں ثابت نہیں انہوں نے جواب دیا چپ رہ اُلّو۔ بولے یہ کیا؟ فرمایا کہ آپ جناب یا آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں میں یقین کرتا ہوں کہ دیو بندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی۔ جبکہ حضور علیہ السلام مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے اور آپ کی شان تمام عالم پر ظاہر ہوگی۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

”آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نا مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا“

اعتراض ٤ نقشہ اصل نعلین شریف نہیں یہ تو تمہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنایا ہوا فوٹو ہے۔ پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو۔

جواب یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل ہے اور اس کی حکایت ہے حکایت کی بھی تعظیم چاہیۓ لاہور کا چھپا ہوا قرآن شریف، اس کا کاغذ و روشنائی آسمان سے نہیں اتری ہماری بنائی ہوئی ہے مگر واجب التعظیم ہے کہ اس اصل کی نقل ہے۔ ہر ماہ ربیع الاول ہر دوشنبہ معظم ہے کہ اصل کی حاکی ہے۔

بحث عبدالنّبی عبدالرسول نام رکھنا

عبدالنبی عبدالرسول عبدالمصطفےٰ عبدالعلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام کا بندہ کہنا جائز ہے قرآن وحدیث واقوال فقہاء سے ثابت ہے مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے بھی ہم دو باب کرتے ہیں۔ باب اوّل میں اس کا ثبوت دوسرے میں اس پر اعتراض وجواب۔

پہلا باب

اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے وَانۡكِحُوۡا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ

''اور نکاح کرواپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔''

اس عبادت میں عباد کوکم کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یعنی تمہارے بندے۔

قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ

''اے محبوب فرمادو کہ میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔''

اس یا عبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرمادو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے۔ یعنی حضور علیہ السلام کے غلام اور اُمتی، دوسرے معنٰی کو بھی بہت سے بزرگان دین نے اختیار فرمایا۔ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

بندہ خواہد خواند احمد در رشاد   جملہ عالم رانخواں قُل یا عِباد

حضور علیہ السلام نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں پڑھ لو قل یا عباد۔ حاجی امداد اللہ صاحب رسالہ تحفہ مکیہ ترجمہ شائم امدادیہ صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں۔ عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ الآیته مرجع ضمیر متکلم کا آنحضرت ﷺ ہیں۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ الآیته آپ کہہ دو کہ میرے بندو۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب بحوالہ الریاض النضرۃ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برمنبر خطبہ میں فرمایا قَدۡ كُنۡتُ مَعَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَكُنۡتُ عَبۡدَهٗ وَخَادِمَهٗ ''میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔''

مثنوی شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔ جبکہ حضرت صدیق اکبر حضرت بلال (رضی اللہ عنہما) کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لائے تو عرض کیا۔

گفت ما دو بندگانِ کوئے تو   کردمش آزاد ہم بر روئے تو

عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں۔ میں ان کو آپ کے سامنے آزاد کرتا ہوں۔

صاحب درمختار خطبہ درمختار میں اپنے شجرہ علمی بیان فرماتے ہیں۔

فَاِنِّىۡ اَرۡوِيۡهِ عَنۡ شَيۡخِنَا الشَّيۡخِ عَبۡدُ النَّبِىّ الۡخَلِيۡلِىۡ ''میں اسکو اپنے شیخ عبدالنبی خلیلی سے روایت کرتا ہوں۔''

معلوم ہوا کہ صاحب درمختار کے استاد کا نام عبدالنبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں   عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسفِ ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں غرضکہ عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف قرآن وحدیث و اقوال مخالفین سے ثابت ہے عرب والے عام طور پر کہتے ہیں۔ عبدی حُرٌ''۔ شاعر کہتا ہے ع اَلۡوَاهِبُ الۡمِاَتِ الۡهِجَانِ وَعَبۡدِهَا

لطیفہ تقویۃ الایمان میں علی بخش، پیر بخش، غلام علی، مدار بخش، عبدالنبی نام رکھنے کو شرک کہا۔ مگر تذکرۃ الرشید حصہ اوّل صفحہ ۱۳ میں رشید احمد صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے مولانا رشید احمد ابن مولانا ہدایت احمد ابن قاضی پیر بخش ابن غلام حسن ابن غلام علی۔ اور ماں کی طرف سے نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ رشید احمد صاحب کے خاندانی بزرگ مشترک مرتد تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر تھے تو مرتد کی اولاد حلالی ہے یا حرامی۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات وجوابات میں

اعتراض ۱ عبد کے معنیٰ ہیں عابد عبادت کرنیوالا تو عبدالنبی کے معنیٰ ہوں گے نبی کی عبادت کرنیوالا اور یہ معنیٰ صریح شرکیہ ہیں لہٰذا ایسے نام منع ہیں۔

جواب عبد کے معنیٰ عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جاویگا تو اس کے معنےٰ عابد ہوں گے۔ اور جب غیر اللہ کی نسبت ہوگی تو معنیٰ ہوں گے خادم غلام لہٰذا عبدالغنی کے معنےٰ ہوئے نبی کا غلام۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب تسمیۃ الاولاد میں ہے۔

وَالتَّسْمِيَّةُ بِاِسْمٍ يُوْجَدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰے جَائِزَ ۃ" كَالْعَلِّيِ وَالرَّشِيْدِ وَالْبَدِيْعِ لِاَنَّهٗ مِنَ الْاَسْمَآءِ الْمُشْتَرَكَةِ وَيُرَادُ فِيْ حَقِّ الْعِبَادِ مَالَا يُرَادُفِيْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰے كَذَا فِي السِّرَاجِيَةِ

”جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں ان سے نام رکھنا جائز ہے۔ جیسے کہ علی یا رشید اور بدیع کیونکہ یہ اسماء مشترکہ میں سے ہیں اور بندے کیلئے ان کے وہ معنیٰ مراد ہوں گے جو کہ اللہ کے لیے مراد نہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام بھی علی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی علی ہے۔ اسی طرح خدا کا نام بھی رشید بدیع وغیرہ ہیں اور بندوں کے بھی یہ نام ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے نام میں ان الفاظ کے معنےٰ اور ہیں اور بندوں کے لئے دوسرے معنےٰ اسی طرح عبداللہ کے معنےٰ اللہ کا عابد، عبدالنبی کے معنےٰ نبی کا غلام اگر یہ توجیہ نہ ہو تو قرآن کی اس آیت کے کیا معنےٰ ہوں گے مِنْ عِبَادِكُمْ

اعتراض ۲ مشکوٰۃ باب الادب الاسامی اور مسلم جلد دوم کتاب الالفاظ من الادب وغیرہ میں ہے۔

لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَاَمَتِيْ كُلُّكُمْ عِبِيْدُ اللّٰهِ وَ كُلُّ النِّسَاءِ كُمْ اَمَاءُ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِيْ وَجَارِيَتِيْ

”تم میں سے کوئی نہ کہے عبدی امتی (میرا بندہ وغیرہ) تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں لیکن یہ کہے کہ غلامی وجاریتی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا خلاف احادیث ہے لہٰذا حرام ہے اور عبدالنبی میں بھی یہ بات موجود ہے لہٰذا منع ہے۔

جواب یہ ممانعت کراہت تنزیہی کے طور پر ہے کہ عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولیٰ ہے اسی حدیث کے ماتحت نووی شرح مسلم میں ہے۔

فَاِنْ قِيْلَ قَدْ قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِالسَّلَامُ فِيْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا فَالْجَوَابُ مِنْ وَجْهَيْنِ اَحَدُهُمَااَنَّ الْحَدِيْثَ الثَّانِيْ لِبَيَانِ الْجَوَازِ وَاَنَّ النَّهْيَ فِي الْاَوَّلِ لِلْاَدَبِ وَكَرَاهَةِ التَّنْزِيْهِ لَا لِلتَّحْرِيْمِ.

”اگر کہا جاوے کہ حضور علیہ السلام نے علامات قیامت میں فرمایا کہ لونڈی اپنے رب کو جنے گی (یعنی بندے کو رب فرمایا) اسکا جواب دو طرح ہے ایک یہ کہ دوسری حدیث بیان جواز کیلئے ہے اور پہلے حدیث میں ممانعت ادب کیلئے ہے اور کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔“

مسلم میں اسی جگہ ہے۔ لَا يَقُوْلَنَّ لَحَدُ كُمْ لِلْعِنَبِ اَلْكَرَمُ فَاِنَّ الْكَرَمَ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ

اسی جگہ یہ بھی ہے لَا تُسَمُّوْ الْعِنَبَ اَلْكَرَمَ فَاِنَّ الْكَرَمَ اَلْمُسْلِم

انگور کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم تو مسلمان ہے، مشکوٰۃ کتاب الادب باب الاسامی میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَكِيْمُ وَاِلَيْهِ الْحُكْمُ فَلِمَا تُكَنّٰى اَبَاالْحَكَمِن ”حکم تو اللہ ہے اسی کا حکم ہے تو تیرا نام ابوالحکم کیوں ہے۔“

مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے لَا تُسَمِّيَنَّ غُلَامَكَ يَسَارًا وَلَارِبَاحًا وَّ لَا نَجِيْحًا وَلَا اَفْلَحَ

”اپنے غلام کا نام یسار اور رباح اور نجیح اور افلح نہ رکھو۔“

ان تمام حدیث میں ان ناموں سے جو ممانعت ہے کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے ورنہ قرآن وحدیث بلکہ خود احادیث میں سخت تعارض ہوگا۔ دیکھو رب خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی رب فرماتا ہے۔ كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا : فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مربی یا رب کہے تو مشرک نہ ہوگا۔ ہاں اُس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں لیکن اگر اس زمانہ میں دیوبندیوں وہابیوں کو چڑانے کے لئے یہ نام رکھے تو بہت باعث ثواب ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق فاتحہ کی بحث میں کر چکے ہیں کہ جس مستحب کام کو اعدائے دین روکنے کی کوشش کریں اس کو ضرور کرنا چاہیئے۔

بحث اسقاط کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ اسقاط کے معنٰی۔ اسقاط کرنیکا صحیح طریقہ۔ اسقاط کا ثبوت مگر چونکہ بعض لوگ اسقاط کے بالکل منکر ہیں۔ وہ قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں پہلے میں مذکورہ تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال وجواب۔

پہلا باب

اسقاط کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اسقاط کے کیا معنٰی ہیں۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسقاط کرنے سے فائدہ کیا ہے اسقاط کا ثبوت کیا ، اسقاط کے لغوی معنٰی ہیں گرادینا۔ اصطلاحی معنٰی یہ ہیں کہ میّت کے ذمہ جو احکام شرعیہ رہ گئے ہوں ان کو اس کے ذمہ سے دور کرنا۔ چنانچہ وجیز الصراط میں ہے اسقاط آں چیز است کہ دور کردہ شود از ذمہ میّت بہ ایں قدر کہ میّر شود۔ اسقاط کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام عمدًا سہوًا رہ جاتے ہیں۔ جسکو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کرسکا۔ اور اب بعد موت ان کی سزا میں گرفتار ہے اب نہ تو ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سبیل۔ شریعت مطہرہ نے اس بیکسی کی حالت میں اس میّت کی دستگیری کرنے کے لئے کچھ طریقے تجویز فرمادیئے کہ اگر ولی میّت وہ طریقہ میّت کی طرف سے کردے تو بیچارہ مردہ چھوٹ جاوے اس طریقہ کا نام اسقاط ہے حقیقت میں یہ میّت کی ایک طرح کی مدد ہے۔ وہابی دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے دشمن ہوتے ہیں۔ اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ میّت عمر معلوم کی جاوے اس میں سے نو سال عورت کے لئے اور بارہ سال مرد کے لئے نابالغی کے لئے نکال دو اب جتنے سال بچے اس میں حساب لگاؤ کتنی مدت تک وہ بے نمازی یا بے روزہ رہا۔ یا نمازی ہوتے زمانہ میں کس قدر نمازیں اس کی باقی رہ گئی ہیں کہ نہ وہ پڑھی اور نہ قضا کیں اس لئے زیادہ سے زیادہ اندازہ لگالو۔ جتنی نمازیں حاصل ہوں فی نماز ۵ ۷ اروپے اٹھنی بھر گیہوں خیرات کردو۔ یعنی جو فطرہ کی مقدار ہے وہ ہی ایک نماز کے فدیہ تقریبًا بارہ سیر گندم ہوئی اور ایک ماہ کی نمازیوں کا فدیہ ۹ من گندم تقریبًا اور سال کی نماز کا ۱۰۸ من گندم ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کے ذمہ دس بیس سال کی نمازیں ہیں تو صدہا من غلہ خیرات کرنا ہوگا۔ شاید کوئی بڑا دیندار مالدار تو یہ کرسکے مگر غربا نہ ممکن۔ ان کے لئے یہ طریقہ ہے کہ ولی میّت بقدر طاقت گندم یا اس کی قیمت لے مثلًا ایک ماہ کی نمازیں کا فدیہ ۹ من تھا تو ۹ من گندم یا اُس کی قیمت لے اور کسی مسکین کو اس کا مالک کردے وہ مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور ہبہ دے دے۔ وہ پھر اس فقیر کو صدقہ دے ہر بار کے صدقہ میں ایک کی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سال کا فدیہ ادا ہوا۔ اسی طرح چند بار گھمانے میں پورا فدیہ ادا ہوجائے گا۔ نمازوں کے فدیہ سے فارغ ہوکر اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کا فدیہ ادا کردیں رحمت الٰہی سے امید ہے کہ میّت کی مغفرت فرمادے۔ اسقاط کا یہ طریقہ صحیح ہے۔ پنجاب میں جو عام طور پر مروج ہے کہ مسجد سے قرآن پاک کا نسخہ منگایا۔ اس پر ایک روپیہ رکھا اور چند لوگوں نے اس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں واپس کردیا اس سے نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوگا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ لہٰذا جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کردیا سب نمازوں کا فدیہ ادا ہوگیا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ، لکھائی چھپائی کا ہے اگر دو روپیہ کا یہ نسخہ ہے تو دو روپیہ خیرات کا ثواب میلگا۔ ورنہ پھر وہ مالدار جن پر ہزار ہا روپیہ سالانہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں اتنا خرچ کریں صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کردیا کریں۔ غرضکہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے طریقہ صحیح نہ ہونیکے یہ معنٰی ہیں کہ اس سے اسقاط کا مقصد حاصل نہ ہوگا نہ کہ حرام ہے بلادلیل کسی شئیم کو صرف اپنی رائے سے حرام کہنا تو فضلائے دیوبندی کا کام ہے بقدر خیرات ثواب مل جاوے گا۔

نوٹ ہم نے فدیہ کا جو وزن بیان کیا کہ چھ نمازوں کا بارہ سیر۔ یہ ہر جگہ کے لئے نہیں ہے ایک نماز کا فدیہ ۵ ۷ اروپیہ اٹھنی بھر گندم ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے سیر سے حساب لگائیں۔ اسقاط کے ثبوت میں تین بحثیں کرنا ہیں ایک تو یہ کہ حرام سے بچنے ثواب حاصل کرنے یا شرعی ضرورت پوری کرنے کے لئے شرعی حیلے جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ نمازوں کا فدیہ مال سے ہوسکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔

پہلی فصل حیلہ شرعی کے جواز میں

شرعی حیلے کرنا ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ قرآن کریم احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے اس کا ثبوت ہے حضور ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سو لکڑیاں مارونگا رب تعالےٰ نے انکو تعلیم فرمایا کہ تم ایک جھاڑو لے کر ان کو مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بنیامین کو اپنے پاس رکھیں اور راز ظاہر نہ ہو۔ اس کے لئے بھی ایک حیلہ ہی فرمایا جسکا مفصل ذکر سورہ یوسف میں ہے ایک بار حضرت سارا نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ کا کوئی عضو قطع کروں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ انکی آپس میں صلح کرادو۔ حضرت سارا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو۔ تو ان کو تعلیم دی گئی کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھیدیں۔

مشکوٰۃ کتاب البیوع باب الربوا میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ خرمے لائی۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ عرض کیا کہ میرے پاس کچھ رڈی خرمے تھے میں نے دو صاع ردی خرمے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرمے کے لئے فرمایا کہ یہ سود ہوگیا۔ آئیندہ ایسا کرو کہ خرمے پیسوں کے عوض فروخت کرو اور ان پیسوں سے اچھے خرمے لے لو۔

دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔ عالمگیری نے حیلوں کا مستقل باب لکھا جس کا نام ہے کتاب الحیل۔ اس طرح الاشباہ والنظائر میں کتاب الحیل وضع فرمائی۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الحیل اور ذخیرہ میں ہے۔

كُلُّ حِيْلَةٍ يَحْتَالُ بِهَاالرَّجُلُ بَهَا الرُّجُلُ لِاِبْطَالِ حَقِّ الْغَيْرِ اَوْلِادُخَالِ شُبْهَةٍ فِيْهِ اَوْلِتَمْوِيْهِ بَاطِلٍ فَهِيَ مَكْرُوْهَةٌ” وَكُلُّ حِيْلَةٍ يَحْتَالُ بِهَاالرَّجُلُ لِيَتَخَلَّصَ بِهَا عَنْ حَرَامٍ اَوْ لِيَتَوَصَّلَ بِهَااِلٰى حَلَالٍ فَهِيَ حَسَنَةٌ” وَالْاَصْلُ فِىْ جَوَازِ هٰذَا لنَّوْعِ (الخ)

”جو حیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شبہ پیدا کرنے یا باطل سے فریب دینے کے لئے کیا جاوے وہ مکروہ ہے اور جو حیلہ اس لیے کیا جاوے کہ اس سے آدمی حرام سے بچ جاوے یا حلال کو پالے وہ اچھا ہے اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونے کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اس سے ماردو یہ حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم سے بچنے کی تعلیم تھی اور عالم مشائخ اس پر ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہ ہی صحیح مذہب ہے حموی شرح اشباہ اور تتارخانیہ میں جواز حیلہ کی بہت نفیس تقریر فرمائی چنانچہ بحث کے دوران میں فرماتے ہیں۔“

وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ قَالَ وَقَعَتْ وَحْشَةٌ” بَيْنَ هٰجِرَةَ وَّسَارَةَ فَحَلَفَتْ سَارَةُ اِنْ ظَفَرْتُ بِهَاقَطَعْتُ عُضْوًا مِنْهَافَاَرْسَلَ اللّٰهُ جِبْرِيْلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ يُّصْلِحَ بَيْنَ هُمَا فَقَالَتْ سَارَةُ مَاحِيْلَةُ يَمِيْنِىْ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ يَّاْ مُرْسَارَةَ اَنْ تَثْقُبَ اُذُنَىْ هَاجَرَ فَمِنْ ثَمَّ ثُقُوْبُ الْاُذُنِ

”ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت سارہ ہاجرہ رضی اللہ عنہما میں کچھ جھگڑا ہوگیا۔ حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ مجھے موقعہ ملا تو ہاجرہ کا کوئی عضو کاٹونگی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبریل کو ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا کہ ان کی صلح کرادیں حضرت سارہ نے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حیلہ ہوگا۔ پس حضرت ابراہیم پر وحی آئی کہ حضرت سارہ کو حکم دو کہ وہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں۔ اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدے گئے۔“

ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ فقہی عبارات سے حیلہ شرعی کا جواز معلوم ہوا۔

دوسری فصل روزے نماز کے فدیہ کے بیان میں

روزے کا فدیہ تو قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ

”اور جن کو اس روزے اور جن کو اس روزے کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مجبور، بوڑھایا یا مرض الموت کا مریض جب روزے کے قابل نہ رہے تو ہر روز کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور نماز بمقابلہ روزے کے زیادہ مہتم بالشان ہے اس لئے روزے کے حکم میں رکھا گیا۔ آیت کے ماتحت تفسیرات احمدیہ شریف میں ملا احمد جیون قدس سرہ فرماتے ہیں۔

وَالصَّلٰوةُ نَظِيْرُ الصَّوْمِ بَلْ اَهَمُّ فِيْهِ فَاَمَرْنَاهُ بِالْفِدْيَةِ اِحْتِيَاطًا وَ فَجَوْنَا الْقَبُوْلَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَضْلاً

”نماز روزے کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی اہم لہٰذا ہم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاط حکم دیا اور رب تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے۔“

منار میں ہے **وَوُجُوْبُ الْفِدْيَةِ فِى الصَّلٰوةِ لِلاِحْتِيَاطِ** ”نماز میں فدیہ کا واجب ہونا احتیاطاً ہے۔“

شرح وقاریہ میں ہے **وَفِدْيَةُ كُلِّ صَلٰوةٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ وَهُوَ الصَّحِيْحُ**

”ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح ہے اور وہ ہی صحیح ہے۔“

شرح الیاس میں ہے **وَ يُعْتَبَرُ فِدْيَةُ كُلِّ صَلٰوةٍ فَائِتٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ اَىْ كَفِدْيَةِ يَوْمٍ**

فتح القدیر میں ہے **مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ قَضَاءُ رَمْضَانَ فَاَوْصٰى بِهٖ اَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْصَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْشَعِيْرٍ لِاَنَّهٗ عَجَزَ عَنِ الْاَدَاءِ وَكَذَالِكَ اِذَا اَوْصٰى بِالْاِطْعَامِ عَنِ الصَّلٰوةِ**

”ہر فوت شدہ نماز کے فدیہ کا اعتبار ایک دن روزے پر ہے یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے۔ جو شخص مر جاوے اور اس پر رمضان کی قضا ہے پس اس نے وصیت کی تو اس کی طرف سے اس کا ولی ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع خرمے یا جو دیدے کیونکہ میت اب ادا سے مجبور ہو گیا اور اسی طرح جبکہ اس نے نماز کے بدلے میں کھانا دینے کی وصیت کی ہو۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے **اِعْلَمْ اَنَّهٗ قَدْوَرَدَ النَّصُّ فِى الصَّوْمِ بِاِسْقَاطِهٖ بِالْفِدْيَةِ اِتَّفَقَتْ كَلِمَةُ الْمَشَائِخِ عَلٰى اَنَّ الصَّلٰوةَ كَالصَّوْمِ اِسْتِحْسَانًا وَاِذَا عَلِمْتَ ذَالِكَ تَعْلَمُ جَهْلَ مَنْ يَّقُوْلُ اِنَّ اِسْقَاطَ الصَّلٰوةِ لَا اَصْلَ لَهٗ اِبْطَالٌ لِلْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ مِنَ الْمَذْهَبِ**

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز و روزے کا فدیہ دینا جائز ہے اور قبول کی امید ہے بلکہ احادیث بھی اسکی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ نسائی نے اپنے سنن کبریٰ اور عبدالرزاق نے کتاب الوصایا میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے نقل فرمایا۔

لَا يُصَلِّىْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَّ لَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَّلٰكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدَّيْنِ مِنْ حِنْطَةٍ

”کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے روزہ رکھے لیکن اسکی طرف ہر دن ہر دن کے عوض وہ گندم (آدھا صاع) خیرات کر دے۔“

مشکوٰۃ کتاب الصوم باب القضاء میں ہے **قَالَ مَاتَ عَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعِمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا**

”جو مر جاوے اور اس کے زمانہ رمضان کے روزے ہوں تو چاہیئے کہ اس کی طرف سے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا دیا جاوے۔“

غرضکہ نماز و روزے کا فدیہ مال سے دینا شریعت میں وارد ہے اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

تیسری فصل مسئلہ اسقاط کے ثبوت میں

اسقاط کا طریقہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس کا ثبوت تقریباً ہر فقہی کتاب میں ہے۔ چنانچہ نور الایضاح میں اسی مسئلہ اسقاط کے لئے ایک خاص فصل مقرر کی۔ فَصْلٌ "فِیْ اِسْقَاطِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوۃِ یعنی یہ فصل نماز وروزے کے اسقاط ہے اس میں فرماتے ہیں۔

وَلَایَصِحُّ اَنْ یَّصُوْمَ وَلَااَنْ یُّصَلِّیْ عَنْہُ وَاِنْ لَمْ یَفِ مَا اَوْصیٰ بِہٖ عَمَّا عَلَیْہِ یَدْفَعُ ذٰلِکَ الْمِقْدَارَ لِلْفَقِیْرِ فَیَسْقُطُ مَا کَانَ عَلَے الْمَیِّتَ مِنْ صِیَامٍ وَصَلٰوۃٍ وَیَجُوْزُ اِعْطَاءُ فِدْیَۃِ صَلٰوتٍ لِوَاحِدٍ جُمْلَۃً بِخَلَافِ کَفَّارَۃِ الْیَمِیْنِ

ترجمہ وہی ہے جو ہم نے طریقہ اسقاط میں بیان کیا۔ درمختار باب قضاء الفوایت میں ہے اس کا ترجمہ وہی ہے جو طریقہ اسقاط میں بیان ہوا۔ اسکی شرح میں شامی میں اس اسقاط کی اور زیادہ وضاحت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَالْاَقْرَبُ اَنْ یُّحْسَبَ عَلَی الْمَیِّتِ وَیُسْتَقْرَضَ بِقَدْرِہٖ بِاَنْ یُّقَدَّرَ عَنْ کُلِّ شَھْرٍ اَوْسَنَۃٍ اَوْ بِحَسْبِ مُدَّۃِ عُمْرِہٖ بَعْدَاِسْقَاطِ اثْنٰی عَشَرَ سَنَۃً لِلذَّکَرِوَتِسْعَ سِنِیْنَ لِلْاُنْثیٰ لِاَنَّھَا اَقَلُّ مُدَّۃِ بُلُوْغِھِمَا فَیَجِبُ عَنْ کُلِّ شَھْرٍ نِسْفُ عَزَارَۃٍ فَتْحُ الْقَدِیْرِ بِالْمُدِّالدِّمِشْقِیِّ مُدَّزَمَانِنَا وَلِکُلِّ سَنَۃٍ شَمْسِیَّۃٍ عَزَائِزَ فَیَسْتَقْرِضُ قِیْمَتَھَا وَیَدْفَعُھَالِفَقِیْرِ ثُمَّ یَسْتَوْھِبُھَا مِنْہُ وَیَتَسَلَّمُھَا مِنْہُ لِتَتِمَّ الْھِبَۃُ ثُمَّ یَدْفَعُھَا لِذٰلِکَ الْفَقِیْرِ اٰخَرَ وَھٰکَذَا فَیَسْقُطُ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ کَفَّارَۃُ سَنَۃٍ بَعْدَ ذٰلِکَ یُعِیْدُ الدَّوْرَ لِکَفَّارَۃِ الصِّیَامِ ثُمَّ الْاُضْحِیَۃِ ثُمَّ الْاِیْمَانِ لٰکِنْ لَا بُدَّفِیْ کَفَّارَۃِ الْاِیْمَانِ مِنْ عَشَرَۃِ مَسٰکِیْنَ بِخَلَافِ فِدْیَۃِ الصَّلٰوۃِ فَاِنَّہٗ یَجُوْزُاِعْطَاءُ فِدْیَۃِ صَلٰوتٍ لِلْوَاحِدِ

"یعنی اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حساب کرے کہ میت پر کتنی نمازیں اور روزے وغیرہ ہیں اور اس اندازے سے قرض لے اسطرح کہ ایک ایک مہینہ یا ایک ایک سال کے اندازے سے لے یا میت کی کل عمر کے اندازہ کرے اور پوری عمر میں سے بلوغ کی کم از کم مدت جو مرد کے لئے بارہ سال ہے اور عورت کیلئے نو سال وضع کر دے پھر حساب کر لے تو ہر مہینہ کی نمازوں کا فدیہ نصف عزارہ ہوگا (فتح القدیر دمشقی مدے) اور ہر شمسی سال کا کفارہ چھ عزارہ ہوا پس وارث اسکی قیمت قرض لے اور فقیر کو اسقاط کیلئے دے پھر فقیر اسکو دیدے اور وراث ہبہ قبول کر کے موہوب پر قبضہ کر لے۔ پھر وہ ہی قیمت اسی فقیر کو یا دوسرے کو فدیہ میں دے اسی طرح دورہ کرتا رہے تو ہر دفعہ میں ایک سال کا کفارہ ادا ہوگا اور اسکے بعد روزہ اور قربانی کے کفارہ کیلئے پھر قسم کے لئے لیکن کفارہ قسم میں دس مسکینوں کا ہونا ضروری ہے بخلاف فدیہ نماز کے کہ اس میں چند نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو دے سکتا ہے۔"

یہ بالکل وہ ہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ الاشباہ النظائر میں ہے۔

اَرَادَالْفِدْیَۃَ عَنْ صَوْمِ اَبِیْہِ اَوْصَلٰوتِہٖ وَھُوَ فَقِیْر "یُعْطِیْ مَنَوَیْنِ مِنَ الْحِنْطَۃِ فَقِیْرًا ثُمَّ یَسْتَرْھِبُہٗ ثُمَّ یَسْتَوْھِبَہٗ ثُمَّ یُعْطِہٖ وَھٰکَذَا اِلیٰ اَنْ یَتِمَّ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے فَحِیْلَتُہٗ لِاِبْرَاءِ ذِمَّۃِ الْمَیِّتِ عَنْ جَمِیْعِ مَا عَلَیْہِ اَنْ یَّدْفَعَ ذٰلِکَ الْقَدَارَ الْیَسِیْرُ بَعْدَ تَقْدِیْرِہٖ بِشَیْئٍ مِنْ صِیَامٍ اَوْصَلٰوۃٍ اَوْنَحْوِہٖ وَیُعْطِیْہِ لِلْفَقِیْرِ بِقَصْدِ اِسْقَاطِ مَا یُرَدُّ عَنِ الْمَیِّتِ ثُمَّ بَعْدَ قَبْضِہٖ یَھِبُہُ الْفَقِیْعُ لِلْوَلِّیِ اَوْ لِلْاَجْنَبِیِّ وَ یَقْبِضُہٗ ثُمَّ یَدْفَعُہٗ الْمَوْھُوْبُ لَہٗ لَلْفَقِیْرِ کَجِھَۃِ الْاِسْقَاطِ مُتَبَرَّءٌ بِہٖ عَنِ الْمَیِّتِ ثُمَّ یَھَبُہٗ الْفَقِیْرُ لِلْوَلِّیِ (الیٰ ان قال) وَھٰذَا ھُوَ الْمُخْلِصُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ

ترجمہ وہی ہے اوپر گزرا۔ عالمگیری میں ہے وَاِنْ لَّمْ یَتْرُکْ مَالاً یَسْتَقْرِضُ وَرَثَتُہٗ نِصْفَ صَاعٍ وَیَدْفَعُ اِلیٰ مِسْکِیْنٍ ثُمَّ یَتَصَدَّقُ مِسْکِیْن "عَلٰے بَعْضِ وَرَثَتِہٖ ثُمَّ یَتَصَدَّقُ حَتّٰے یَتِمَّ الْکُلُّ کَذَا فِی الْخُلَاصَۃِ

اسی طرح بحرالرائق۔ عینی شرح کنز الدقائق۔ جامع الرموز۔ معتمد ظہیریہ شرح مختصر النقایہ فتاویٰ قاضی خان۔ قرائد۔ جواہر القول المختصر وغیرہ کتب فقہ میں ہے مگر طوالت کے خوف سے تمام کی عبارات نقل نہیں کیں۔ منصف کے لئے اسی قدر میں کفایت ہے اب مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۱۰۳ میں ہے "حیلہ اسقاط کا مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیلہ تحصیل چند فلوس کا ملانون کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے وہاں یہ حیلہ کارگر نہیں مفلس کے واسطے بشرط صحت

نیت ورثہ کیا عجب ہے کہ مفید ہو ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دنیاویہ کا ہے" فقط رشید احمد عفی عنہ

اگرچہ اس میں بہت ہیر پھیر کی مگر جائز مان لیا لہٰذا اب کسی دیوبندی کو تو حیلہ اسقاط پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔ مفلس کی قید مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ ہم فقہی عبارات پیش کر چکے ہیں۔ جس میں مفلس کی قید نہیں ہے۔ مالدار آدمی بھی اگر پورا فدیہ ادا کرے تو تمام ترکہ اسی میں چلا دیا جاویگا۔ ورثہ کو کیا بچے گا۔ اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو کہ میرا فدیہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں۔ اگر تہائی مال سے تمام عمر کی نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوا۔ تو حیلہ کرنے میں کیا حرج ہے؟ رہا حیلہ کا حیلہ کرنا یہ محض لغو ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرسہ دیوبند مولویوں کا تنخواہ لینے کا حیلہ ہے لہٰذا لغو ہے۔

دوسرا باب

حیلہ اسقاط پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر قادیانی اور دیو بندی جماعتوں کے کچھ اعتراضات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو کوئی معقول اعتراض نہیں مل سکا۔ محض لفاظی سے کام لیتے ہیں چونکہ بعض سیدھے مسلمان شبہات میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے جواب دیتے ہیں۔

اعتراض ۱ حیلہ کرنا خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

”یہ منافقین اللہ اور مسلمان کو دھوکا دیتے ہیں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور سمجھتے نہیں۔“

یہ کیونکر ممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی نمازیں معاف ہو جاویں۔

جواب حیلہ کو دھوکا کہنا جہالت ہے حیلہ سے مراد ہے ضرورت شرعیہ پورا کرنیکی طرح کی تدبیر اُردو میں بولتے ہیں ”حیلہ رزق بہانہ موت“ اور حیلہ تو رب نے سکھایا اور حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمایا۔ جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے اور عالمگیری کا حوالہ گذر گیا کہ کسی کو فریب دینے کیلئے حیلہ کرنا گناہ ہے۔ لیکن شرعی ضرورت کو پورا کرنے یا حرام سے بچنے کی تدبیر کرنا عین ثواب کسی جگہ مسجد بن رہی ہے۔ روپیہ کی ضرورت ہے زکوۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا۔ کسی فقیر کو زکوۃ دی اس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے اس پر خرچ کر دیا۔ اس میں کس کو فریب دیا۔ کس کا مال مارا محض ضرورت شرعی کو پورا کیا۔ لینے کا حیلہ کرنا بُرا اور دینے کا حیلہ کرنا اچھا ہے۔ اس میں فقراء کو دینے کا حیلہ ہے خدائے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں ۔

رحمت حق بہانہ می طلبد ہ رحمت حق بہا نمی طلبد

”خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی۔ خدا کی رحمت بہانہ چاہتی ہے“

یہ آیت یخدعون منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو کہ کلمہ ایمانی کو اپنے لئے آڑ بناتے تھے۔ اور دل میں کافر تھے۔ مسلمانوں کے عمدہ اور شرعی اعمال پر اس کو چسپاں کرنا سخت جرم ہے۔ اسقاط کے مال کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی بلکہ زمانہ زندگی میں نماز پڑھنے کا جو قصور میت سے ہو چکا ہے اور اب اس کا بدلہ میت سے ناممکن ہے اور میت اس میں گرفتار ہے اس کے قصور معاف کرانے کا یہ حیلہ ہے کیوں کہ صدقہ غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

اَلصَّدَقَةُ يُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے کہ جس سے نماز جمعہ چھوٹ جاوے وہ ایک دینا خیرات کرے۔ اسی مشکوٰۃ باب الحیض میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کرے تو ایک دینار یا نصف دینار خیرات کرے۔ یہ خیرات کیا ہے اس گناہ کا کفارہ ہے جس کا بدلہ ناممکن ہو گیا۔ اگر ہم یہ کہتے کہ انسان زندگی میں ہی آئیندہ نمازوں کا یہ فدیہ مال دے دیا کرے اور نماز نہ پڑھا کرے۔ تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ مال سے نمازیں معاف کرا دیں۔

اعتراض ۲ نماز و روزہ عبادت بدنی ہے اور فدیہ مال ہے اور مال بدنی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ حیلہ محض باطل ہے۔

جواب یہ قیاس قرآنی آیت کے مقابل ہے کہ قرآن تو فرما رہا ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ جو اس روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان پر فدیہ ہے۔ ایک مسکین کا کھانا اور حکم الٰہی کے مقابل اپنا قیاس کرنا شیطان کا کام ہے کہ اس کو حکم الٰہی ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر۔ اس نے اس حکم کے مقابل اپنا قیاس دوڑایا مردود ہوا۔ پھر بدنی محنت کے مقابل مال ہونا عقل کے مطابق ہے کہ ہم کسی سے کام کراتے ہیں۔ اس کے معاوضہ مال دیتے ہیں۔ بعض صورتوں میں جان کا بدلہ بھی مال سے ہوا ہے۔ اور شریعت میں بعض کفارے خلاف قیاس بھی ہوتے ہیں۔ کوئی نمازی پہلی التحیات بھول گیا تو سجدہ سہو کرے کسی نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تو اس کے کفارہ میں ۶۰ روزے رکھے۔ حاجی نے بحالت احرام شکار کر لیا۔ اگر پیسہ ہے تو اس شکار کی قیمت خیرات کرے ورنہ روزہ رکھے۔ یہ تمام کفارے خلاف قیاس ہیں۔ مگر شریعت نے مقرر فرما دیا بسر و چشم منظور ہے۔

اعتراض ۳ حیلہ اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جاویں گے کیوں کہ جب انکو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارا کریں گے؟ اسلیئے یہ بند ہونا چاہیئے۔

جواب یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ زکوۃ سے مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہوتی ہے اور مسئلہ توبہ سے آدمی گناہ پر دلیر ہوتا ہے کیوں کہ جب غریب کو معلوم ہے کہ مجھے زکوۃ کا مال بغیر محنت ملے گا تو کیوں محنت کرے۔ اسی طرح جب آدمی کو معلوم

ہوگیا کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراض محض لغو ہے اسی طرح یہ بھی جو شخص کہ فدیہ نماز پر دلیر ہو کر نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہوگیا اور یہ مال نماز کا فدیہ ہے نہ کہ کفر کا نیز اگر کوئی شخص مسئلہ صحیحہ کو غلط استعمال کرے تو غلطی اس استعمال کرنیوالے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی نیز یہ مسئلہ اسقاط صدہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہم کو تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بنا پر نماز سے بے پرواہ ہوگیا ہو۔

اعتراض٤ کچھ بنی اسرائیلیوں نے حیلہ کر کے مچھلی کا شکار کیا تھا۔ جس سے ان پر عذاب الٰہی آگیا اور وہ بندر بنا دیئے گئے **كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ** معلوم ہوا کہ حیلہ سخت گناہ ہے اور عذاب الٰہی کا باعث۔

جواب حیلہ کا حرام ہونا بھی بنی اسرائیل پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت ان پر حرام تھے ایسے ہی یہ بھی اس امت پر جائز حیلوں کا حلال ہونا رب کی رحمت ہے نیز انہوں نے حرام کو حلال کرنے کا حیلہ کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار ان پر حرام تھا۔ ایسے حیلہ اب بھی منع ہیں۔

اعتراض٥ قرآن فرماتا ہے **لَيْسَ لِلْاِنْسَانَ اِلَّا مَاسَعٰى** نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو خود کمائے اور فدیہ اسقاط میں یہ ہے کہ میت نماز نہ پڑھے اور اس کی اولاد مال خرچ کر کے اس کو اس جرم سے آزاد کرا دے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حیلہ خلاف قرآن ہے۔

جواب اس کا جواب فاتحہ کی بحث میں گزر گیا کہ اس آیت کی چند توجیہیں ہیں ایک ہی بھی ہے کہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں وہ کرے یا نہ کرے اس لئے غیر کی سخاوت پر پھول کر اپنی محنت کو بھول جانا خلاف عقل ہے

بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے
فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے۔

یا یہ کہ یہ آیت کریمہ عبادت بدنیہ کے بارے میں آئی ہے کہ کوئی شخص کسی طرف سے نماز پڑھ دے یا روزے رکھ دے تو اس کے ذمہ سے اسکے فرائض نماز روزہ ادا نہ ہوں گے وغیرہ۔ اگر یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو بہت سی آیت قرآنیہ اور احادیث کی مخالفت لازم آویگی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مومنین اور اپنے ماں باپ کیلئے دعا کریں۔ نماز جنازہ بھی میت کے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا ہی ہے۔ احادیث نے میت کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیا ہے اسکی پوری تحقیق ہمارے فتاویٰ میں دیکھو۔

ضروری ہدایت بعض جگہ رواج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال جمعہ کے علاوہ کسی اور دن ہو تو میت کے ورثا اسکی قبر پر حافظ بٹھا کر جمعہ تک قرآن خوانی کراتے ہیں۔ بعض دیوبندی اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ لیکن یہ حرام کہنا محض غلط ہے اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا بہت باعث ثواب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مشکوٰۃ کتاب عذاب القبر میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ **وَتَوَلّٰی عَنْهُ اَصْحٰبُهٗ اَتَاهُ مَلَكَانِ** اور لوگ دفن کر کے لوٹ آتے ہیں تب منکر نکیر فرشتے سوالات کے لئے آتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوال قبر نہیں ہوتا اور پھر شامی جلد اوّل باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے کہ آٹھ شخصوں سے سوال قبر نہیں ہوتا۔ شہید، جہاد کی تیاری کرنے والا، طاعون سے مرنے والا زمانہ طاعون میں کسی بیماری سے مرنے والا (بشرطیکہ یہ دونوں صابر ہوں) صدیق، نابالغ بچہ، جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرنے والا۔ ہر رات سورہ ملک پڑھنے والا یا مرض موت میں روزانہ سورۂ اخلاص پڑھنے والا (بعض نے فرمایا کہ نبی سے بھی) اس سے معلوم ہوا کہ جو جمعہ کو مرے اس سے سوال قبر نہیں ہوتے تو اگر کسی کا انتقال مثلاً اتوار کو ہوا اور بعد دفن سے ہی آدمی وہاں موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا۔ اور اب جب جمعہ آگیا۔ سوال قبر کا وقت نکل چکا۔ اب قیامت تک نہ ہوگا۔ گویا یہ عذاب الٰہی سے میت کو بچانے کی ایک تدبیر ہے اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرمادے۔ اب جبکہ آدمی وہاں بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا بیٹھا کیا کرے قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ جس سے میت کو بھی فائدہ ہو اور قاری بھی ہو۔ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی باب مایقول بعد الدفن میں ہے کہ **قَالَ الشَّافِعِيُّ يُسْتَحِبُّ اَنْ يَقْرُوْا عِنْدَهٗ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْاٰنِ قَالُوْا فَاِنْ خَتَمُوْا الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ كَانَ حَسَنًا**

"یعنی قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے۔ اور اگر پورا قرآن پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔"

ہم اذان قبر کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ قبر پر جو سبزہ اگ جاتا ہے اس کی تسبیح کی برکت سے میت کو فائدہ ہوتا ہے تو انسان کی تلاوت قرآن ضرور نافع ہوگی ان شاء اللہ عزوجل مگر چاہئے کہ کسی وقت بھی قبر آدمی سے خالی نہ رہے اگرچہ لوگ باری باری بیٹھیں۔

ضروری نوٹ بعض جگہ مسلمان رمضان کے جمعۃ الوداع کے دن کچھ نوافل قضاء عمری پڑھتے ہیں بعض لوگ اس کو حرام و بدعت کہتے ہیں۔ اور لوگوں کو روکتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے **اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى** بھلا دیکھو جو منع کرتا ہے۔ بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ معلوم ہوا کہ کسی نمازی کو نماز سے روکنا سخت جرم ہے قضاء عمری بھی نماز ہے اس لئے روکنا ہرگز جائز نہیں۔

قضاء عمری کی اصل یہ ہے کہ تفسیر روح البیان پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت **وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ** ایک حدیث نقل کی۔

اَیُّمَا عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ تَرَکَ صَلٰوتَهٗ فِیْ جَهَالَتِهٖ لَوْتَابَ وَنَدِمَ عَلٰی تَرْکِهَا فَلْیُصَلِّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ بَیْنَ الظُّهْرِ
وَالْعَصْرِ اِثْنَتَیْ عَشْرَةَ رَکْعَةً یَقْرَءُ فِیْ کُلٍّ مِّنْهَا الْفَاتِحَةَ وَاٰیَةَ الْکُرْسِیِّ وَالْاِخْلَاصَ وَالْمُعَوِّذَتَیْنِ مَرَّةً
لَا یُحَاسِبُهٗ اللّٰهُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ذَکَرَهٗ فِیْ مُخْتَصَرِ الْاِحْیَاءِ

’’جو مرد یا عورت نادانی سے نماز چھوڑ بیٹھے پھر توبہ کرے اور شرمندہ ہو اسکے چھوٹ جانے کی وجہ سے تو جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعتیں نفل پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور قل ھو اللہ اور قلق و سورہ ناس ایک ایک بار پڑھے تو خدا تعالیٰ اس سے قیامت کے دن حساب نہ لے گا۔ اس حدیث کو مختصر الاحیاء میں ذکر کیا۔

صاحب روح البیان اس حدیث کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ توبہ کرنے اور نادم ہونیکا یہ مطلب ہے کہ وہ تارک الصلوٰۃ بندہ شرمندہ ہو کر تمام نمازیں قضاء پڑھ لے کیونکہ توبہ کہتے ہی اس کو ہیں پھر قضا کرنے کا جو گناہ ہوا تھا وہ اس نماز قضاء عمری کی وجہ سے معاف ہو جائے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازیں قضاء نہ پڑھو۔ صرف یہ نماز پڑھ لو سب ادا ہو گئیں یہ تو روافض بھی نہیں کہتے کہ ان کے یہاں چند روز کی نمازیں ایک وقت میں پڑھنا جائز ہے یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سال بھی تک نماز نہ پڑھو۔ پس جمعۃ الوداع کو یہ بارہ رکعتیں پڑھ لو سب معاف ہو گئیں۔ مطلب وہی ہے جو صاحب روح البیان نے بیان فرمایا۔ اور مسلمان اسی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشکوٰۃ کتاب الحج باب الوقوف بعرجہ میں ایک حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ میں حاجیوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ بارگاہ الٰہی سے جواب آیا کہ ہم نے مغفرت فرمادی سوائے مظالم (حقوق العباد) کے حضور علیہ السلام نے پھر مزدلفہ میں دعا فرمائی۔ تو مظالم یعنی حقوق العباد بھی معاف فرمادیے گئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کا قرض مارلو، کسی کو قتل کردو، کسی کی چوری کرلو اور حج کر آؤ۔ سب معاف ہو گیا۔ نہیں بلکہ ادائے قرض میں جو خلاف وعدہ تاخیر وغیرہ ہو گئی وہ معاف کردی گئی حقوق العباد بہر حال ادا کرنے ہوں گے۔ اگر مسلمان اس قضا عمری کے پڑھنے یا سمجھنے میں غلطی کرلے تو اس کو سمجھا دو۔ نماز سے کیوں روکتے ہو۔ اللہ توفیق خیر دے۔ اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو جب بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔

بحث اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

اس بحث کے لکھنے کا ہمارا ارادہ نہ تھا مگر ماہ رمضان میں ہم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرمار ہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل ابہامین کا مسئلہ بھی لکھ دو تا کہ کتاب مکمل ہو جاوے لہٰذا اس کو بھی داخل کتاب کرتے ہیں۔ رب العالمین قبول فرماوے۔ آمین

اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت۔ دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں

جب مؤذن کہے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو اس کو سن کر اپنے دونوں انگوٹھے یا کلمے کی انگلی چوم کر آنکھوں سے لگانا مستحب ہے اس میں دنیاوی و دینی بہت فائدے ہیں۔ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں۔ صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ عامۃ المسلمین ہر جگہ اس کو مستحب جان کر کرتے ہیں۔ صلوٰۃ مسعودی جلد دوم باب بستم بانگ نماز میں ہے۔

رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ سَمِعَ اِسْمِیْ فِی الْاَذَانِ وَوَضَعَ اِبْھَامَیْہِ عَلٰی عَیْنَیْہِ فَاَنَا طَالِبُہٗ فِیْ صُفُوْفِ الْقِیٰمَۃِ وَقَائِدُہٗ اِلَی الْجَنَّۃِ

”حضور علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام اذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو ہم اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائیں گے اور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۶ سورہ مائدہ زیر آیت وَاِذَانَا دَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الآیۃ ہے۔

وَضَعَفَ تَقْبِیْلُ ظُفْرَیْ اِبْھَامَیْہِ مَعَ مُسَبِّحَیْتِہٖ وَالْمَسْحُ عَلٰی عَیْنَیْہِ عِنْدَ قَوْلِہٖ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لِاَنَّہٗ لَمْ یَثْبُتُ فِی الْحَدِیْثِ الْمَرْفُوْعِ لٰکِنَّ الْمُحَدِّثِیْنَ اِتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّ الْحَدِیْثَ اضَّعِیْفَ یَجُوْزَ الْعَمَلُ بِہٖ فِی التَّرْغِیْبَ وَالتَّرْھِیْبِ شامی جلد اوّل باب الاذان میں ہے یُسْتَحَبُّ اَنْ یُّقَالُ عِنْدَ سَمَاعِ الْاُوْلٰی مِنَ الشَّھَادَۃِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ عِنْدَ الثَّانِیَۃِ مِنْھَا قُرَّتْ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدِ وَضْعِ ظُفْرَیَ الْاَبْھَامَیْنِ عَلَی الْعَیْنَیْنِ فَاِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَکُوْنُ قَائِدًا لَہٗ اِلَی الْجَنَّۃِ، کَذَافِی کَنْزِالْعِب. ادِ قُھُسْتَانِیْ وَ نَحْوُہٗ فِی الْفَتَاوٰی الصُّوْفِیَۃِ وَفِی کِتٰبِ الْفِرْدَوْسِ مَنْ قَبَّلَ ظُفْرَیْ اِبْھَامَیْہِ عِنْدَ سَمَاعِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً ارَّسُوْلُ اللّٰہِ فِی الْاَذَانِ اَنَا قَائِدُہٗ وَمُدْخِلُہٗ فِیْ صُفُوْفِ الْجَنَّۃِ وَ تَمَامُہٗ فِیْ حَوَاشِی الْبَحْرِ لِلرَّمَلِیِّ

”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخوں کو مع کلمے کی انگلیوں کے چومنا ضعیف ہے کیونکہ یہ حدیث مروع سے ثابت نہیں لیکن محدثین اس پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا رغبت دینے اور ڈرانے کے متعلق جائز ہے اذان کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے۔ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت یہ کہتے قرۃ عینی بک یا رسول اللہ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تو حضور علیہ السلام اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ اسی طرح کنز العباد میں ہے اور اسی کی مثل فتاوٰی صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے آذان میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ سن کر تو میں اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔ اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری بحث بحرالرائق کے حواشی رملی میں ہے۔“

اس عبارت سے چھ کتابوں کے حوالہ معلوم ہوئے شامی، کنز العباد، فتاوٰی صوفیہ، کتاب الفردوس قہستانی، بحرالرائق کا حاشیہ۔ ان تمام میں اس کو مستحب فرمایا۔ مقاصد حسنہ فی الاحادیث الدائرہ علی السنہ میں امام سخاوی نے فرمایا۔

ذَکَرَہٗ الدَّیْلَمِیُّ فِی الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ ھٰذَا وَقَبَّلَ بَاطِنَ الْاَنَامِلَتَیْنِ السَّبَّابَتَیْنِ وَمَسَحَ عَیْنَیْہِ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِیْلِیْ فَقَدْ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ وَلَمْ یَصِحَّ

”ویلمی نے فردوس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ سرکار نے جب مؤذن کا قول اَشْھَد اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ سُنا تو یہی فرمایا اور اپنی کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔“

یہ حدیث پایہ صحت تک نہ پہنچی اسی مقاصد حسنہ میں موجبات رحمت مصنفہ ابوالعباس احمد مکررواد سے نقل کیا۔

عَنِ الْخِضْرِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنَّہٗ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ یَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَ قُرَّۃُ عَیْنِیْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللّٰہِ ثُمَّ یُقَبِّلَ اِبْھَامَیْہِ وَیَجْعَلُھُمَا عَلٰی عَیْنَیْہِ لَمْ یَرْمُدْ اَبَدًا

”حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ تو کہے مرحبا بحبیبی وقرّۃ عینی محمدًا ابن عبداللہ پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے اور اپنی آنکھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔“

پھر فرماتے ہیں کہ محمد ابن بابا نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار تیز ہوا چلی۔ جس سے ان کی آنکھ میں کنکری جا پڑی اور نکل نہ سکی سخت درد تھا۔

وَاِنَّہٗ لَمَّا سَمِعَ الْمؤذِّنَ یقُوْلُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ قَالَ ذٰلِکَ فَخَرَجَتِ الْحَصَاۃُ مِنْ نُوْرِہٖ

”جب انہوں نے موذن کو کہتے ہوئے سنا اشھد ان محمدًا رسول اللّٰہ تو یہی کہہ لیا فوراً کنکری آنکھ سے نکل گئی۔“

”اسی مقاصد حسنہ میں شمس محمد ابن صالح مدنی سے روایت کیا۔ انہوں نے امام امجد کو فرماتے ہوئے سنا (امام امجد متقدمین علمائے مصر میں سے ہیں) فرماتے تھے کہ جو شخص اذان میں حضور علیہ السلام کا نام پاک سنے تو اپنے کلمے کی انگلی اور انگوٹھا جمع کرے۔

وَقَبَّلَھُمَا وَمَسَحَ بِھِمَا عَیْنَیْہِ لَمْ یَرْمُدْ اَبَدًا ”اور دونوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو کبھی نہ آنکھ دکھے گی۔“

پھر فرمایا کہ بعض مشائخ عراق وعجم نے فرمایا کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی۔

وَقَالَ لِیْ کُلّ“ مِنْھُمَا مُنْذُ فَعَلْتُہٗ لَمْ تَرْمُدْ عَیْنِیْ ”انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے یہ عمل کیا ہے میری بھی آنکھیں نہ دکھیں۔“

اسی مقاصد حسنہ میں کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں۔ قَالَ ابْنُ صَالِحٍ وَاَنَا مُنْذُ سَمِعْتُہٗ اِسْتَعْمَلْتُہٗ فَلَا تَرْمُدُ عَیْنِیْ وَاَرْجُوْا اَنَّ عَفِیَتَھُمَا تَدُوْمُ وَاَنِّیْ اَسْلِمُ مِنَ الْعَمٰی اِنْشَاءَ اللّٰہُ

”ابن صالح نے فرمایا کہ میں نے جب یہ سنا ہے اس پر عمل کیا مری آنکھیں نہ دکھیں اور میں امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہیگا اور میں اندھا ہونے سے محفوظ رہوں گا۔“

پھر فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اشھدان محمد رسول اللہ سن کر یہ کہے مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ مُحَمَّدَابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور اپنے انگوٹھے چوم لے اور آنکھوں سے لگائے۔

لَمْ یَعْمِ وَلَمْ یَرْمُدْ کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی اس کی آنکھیں دکھیں گی۔ غرضکہ اسی مقاصد حسنہ میں بہت سے آئمہ دین سے یہ عمل ثابت کیا۔

شرح نقایہ میں ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّہٗ یُسْتَحَبُّ اَنْ یُّقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاُوْلٰے مِنَ الشَّھَادَۃِ الثَّانِیَۃِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعِنْدَ الثَّانِیَۃِ مِنْھَا قُرَّتْ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ بَعْدَ وَضْعِ ظَفْرَیْ اِبْھَامَیْنِ عَلَی الْعَیْنَیْنِ فَاِنَّہٗ عَلَیْہُ عَلیہِ السَّلَامُ یَکُوْنُ لَہٗ تَائِیْدًا اِلیٰ الجنّت کَذَافِی

’’جاننا چاہیئے کہ مستحب یہ ہے کہ دوسری شہادت کے پہلے کلمہ سن کر یہ کہے قرۃ عینی بک یارسول اللہ اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھے کو حضور علیہ السلام اس کو جنت میں اپنے پیچھے پیچھے لے جائیں گے اسی طرح کنز العباد میں ہے۔‘‘

مولانا جمال ابن عبداللہ ابن عمر مکی قدس سرہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں

تَقْبِیْلُ الْاِبْهَا مَیْنِ وَوَضْعَ هُمَا عَلَى الْعَیْنَیْنِ عِنْدَ ذِكْرِاسْمِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِی الْاَذَانِ جَائِزٌ’’ بَلْ مُسْتَحَبٌّ‘‘ صَرَّحَ بِهٖ مَشَائِخُنَا

’’اذان میں حضور علیہ السلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور انکو آنکھوں سے لگانا جائز بلکہ مستحب ہے۔ اسکی ہمارے مشائخ نے تصریح فرمائی ہے۔‘‘

علامہ محمد طاہر علیہ الرحمۃ تکملہ مجمع بحار الانوار میں اسی حدیث کو لَایُصِحَ فرماکر فرماتے ہیں۔

وَرُوِیَ تَجْرِبَةُ عَنْ كَثِیْرِیْن ’’اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئی ہیں۔‘‘

اس کے علاوہ اور بھی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر قناعت کرتا ہوں حضرت صدر الافاضل مولائی مرشدی استاذی مولانا الحاج سید نعیم الدین صاحب قبلہ مرادآبادی وام ظلہم فرماتے ہیں کہ ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا جس کا نام ہے (انجیل برنباس) آجکل وہ عام طور پر شائع ہے اور ہر زبان میں اسکے ترجمے کیئے گئے ہیں اس کے اکثر احکام اسلامی احکام سے ملتے جلتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدم (نور مصطفوی) کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہیوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ روح القدس کا ترجمہ ہم نے نور مصطفوی کیوں کیا اس کی وجہ ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو، جہاں تک بتایا گیا ہے کہ زمانہ عیسوی میں روح القدس ہی کے نام سے حضور علیہ السلام مشہور تھے۔ علمائے احناف کے علاوہ علمائے شافعی وعلمائے مذہب مالکی نے بھی انگوٹھے چومنے کے استحباب پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتاب ’’اعانۃ الطالبین علی حال الفاظ فتح المعین‘‘ مصری صفحہ ۲۴۷ میں ہے۔

ثُمَّ یُقَبِّلُ اِبْهَا مَیْهِ وَیَجْعَلُ هُمَا عَلٰی عَیْنَیْهِ لَمْ یَعْمِ وَلَمْ یَرْمُدْ اَبَدًا

’’پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے آنکھوں سے لگائے تو کبھی بھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔‘‘

مذہب مالکی کی مشہور کتاب ’’کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیر وانی‘‘ مصری جلد اول صفحہ ۱۶۹ میں اس کے متعلق بہت کچھ تحریر فرماتے ہیں، پھر فرماتے ہیں۔

عَیْنَیْهِ لَمْ یَعْمِ وَلَمْ یَرْمُدْ اَبَدًا ’’اندھا ہو اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں۔‘‘

اس کی شرح میں علامہ شیخ علی الصعیدی عدوی صفحہ ۱۷۷ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ یُبَیِّنْ مَوْضِعَ التَّقْبِیْلِ مِنْ اِبْهَامَیْنِ اِلَّا اَنَّهٗ نُقِلَ عَنِ الشَّیْخِ الْعَالِمِ الْمُفَسِّرِ نُوْرِ الدِّیْنِ الْخُرَاسَانِیِّ قَالَ بَعْضُهُمْ لَقِیْتُهٗ وَقْتَ الْاَذَانِ فَلَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ یَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَبَّلَ اِبْهَا مِیَ نَفْسِهٖ وَمَسَحَ بِالظُّفْرَیْنِ اَجْفَانَ عَیْنَیْهِ مِنَ الْمَاقِ اِلٰی نَاحِیَةِ الصُّدْغِ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ عِنْدَ كُلِّ تَشَهُّدٍ مَرَّةً فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ كُنْتُ اَفْعَلُهٗ ثُمَّ تَرَكْتُهٗ فَمَرِضَتْ عَیْنَایَ فَرَءَیْتُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنَامًا فَقَالَ لِمَا تَرَكْتَ’’ مَسَحَ عُیْنَیْكَ عِنْدَ الْاَذَانِ اِنْ اَرَدْتَ اَنْ تَبْرَءَ عَیْنَاكَ فَعُدْ فِی الْمَسْحِ فَاسْتَیْقَظْتُ وَ مَسَحْتُ فَبَرَءَ تُ وَلَمْ یُعَاوِدْنِیْ مَرَضُهَا اِلَی الْاٰنَ

مصنف نے انگوٹھے چومنے کی جگہ نہ بیان کی لیکن شیخ علامہ مفسر نور الدین خراسانی سے منقول ہے کہ بعض لوگ ان کو اذان کے وقت ملے جب انہوں نے مؤذن کو اشہد ان محمدًا رسول اللہ کہتے ہوئے سنا انہوں نے اپنے انگوٹھے چومے اور ناخنوں کو اپنی آنکھوں کی پلکوں پر آنکھوں کے کونے سے لگایا۔ اور کنپٹی کے کونے تک پہنچایا۔

پھر ہر شہادت کے وقت ایک ایک بار کیا میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگو کہ میں پہلے انگوٹھے چوما کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔ پس میری آنکھیں بیمار ہوگئیں۔ پس میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ تم نے اذان کے وقت انگوٹھے آنکھوں سے لگانا کیوں چھوڑ دیئے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری آنکھیں اچھیں ہو جائیں تو پھر یہ انگوٹھے آنکھوں سے لگانا شروع کردو۔ پاس بیدا ہوا اور یہ مسح شروع کیا مجھ کو آرام ہوگیا۔ اور پھر اب تک وہ مرض نہ لوٹا۔ (ماخوذ از نخ السلامہ)

اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اذان وغیرہ میں انگوٹھے چومنا آنکھوں سے لگانا مستحب ہے حضرت آدم علیہ السلام اور صدیق اکبر و امام حسن رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ فقہاء محدثین و مفسرین اس کے استحباب پر متفق ہیں آئمہ شافعیہ و مالکیہ نے بھی اس کے استحباب کی تصریح فرمائی ہر زمانہ اور ہر ایک مسلمان اس کو مستحب جانتے رہے اور جانتے ہیں اس میں حسب ذیل فائدے ہیں یہ عمل کرنے والا آنکھ دکھنے سے محفوظ رہے گا اور ان شاء اللہ عزوجل کبھی اندھا نہ ہوگا اگر آنکھ میں کسی قسم کی تکلیف ہو اس کے لئے یہ انگوٹھے چومنے کا عمل بہترین علاج ہے بارہا تجربہ ہے اسکے عامل کو حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہوگی اور اس کو حضور علیہ السلام قیامت کی صفوف میں تلاش فرما کر اپنے پیچھے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

اس کو حرام کہنا محض جہالت ہے جب تک کہ ممانعت کی صریح دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے استحباب کے لئے مسلمانوں کا مستحب جاننا ہی کافی ہے مگر کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم بدعت کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں۔

نوٹ اذان کے متعلق تو صاف و صریح روایات اور احادیث موجود ہیں پیش کی جا چکیں تکبیر بھی مثل اذان کے ہے احادیث میں تکبیر کو اذان فرمایا گیا ہے۔ دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی اذان و تکبیر کے درمیان۔ لہٰذا تکبیر میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه پر انگوٹھے چومنا نافع و باعث برکت ہے۔ اور اذان و تکبیر کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص حضور علیہ السلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ نیت خیر سے ہو تو باعث ثواب ہے بلا دلیل ممانعت منع نہیں کر سکتے۔ جس طرح بھی حضور علیہ السلام کی جاوے باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

انگوٹھے چومنے پر اعتراضات وجوابات

اعتراض ۱ انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہوسکتا۔ دیکھو مقاصد حسنہ میں فرمایا لَا یَصِحُّ فِی الْمَرْفُوْعِ مِنْ کُلِّ ھٰذَا شَیٌٔ" ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا۔ کُلُّ مَایُرْوٰی فِیْ ھٰذَا فَلَا یَصِحُّ رَفْعُہٗ' یعنی اس مسئلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں سے کسی کا رفع صحیح نہیں۔ خود علامہ شامی نے اسی بحث میں اسی جگہ فرمایا لَمْ یَصِحَّ مِنَ الْمَرْفُوْعِ مِنْ ھٰذَا شَیٌٔ" ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ صاحب روح البیان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا۔ پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بیکار ہے۔

جواب اس کے چند جوابات ہیں اوّلاً تو یہ کہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرمارہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں اسی عبارت منقولہ کے بعد فرماتے ہیں۔

قُلْتُ وَاِذَاثَبَتَ رَفْعُہٗ اِلَی الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَیَکْفِیْ لِلْعَمَلِ بِہٖ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ

"یعنی میں کہتا کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنّت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنّت۔"

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث موقوف کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام علماء نے فرمایا لَمْ یَصِحَّ یعنی یہ تمام احادیث حضور ﷺ تک مرفوع ہوکر صحیح نہیں اور صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں۔ کیونکہ صحیح کے بعد درجہ حسن باقی ہے لہٰذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے۔ تیسرے یہ کہ اصول حدیث واصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہوجاوے تو حسن بن جاتی ہے چنانچہ درمختار جلد اوّل باب مستحبات الوضوء میں اعضاء وضو کی دعاؤں کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَقَدْ رَوَاہُ اِبْنُ حَبَّانَ وَغَیْرُہٗ عَنْہُ عَلَیْہِ السَّلَامَ من طُرُقٍ اس حدیث کو ابن حبان وغیرہ نے چند اسناد سے روایت کیا۔ اس کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں۔ اَیْ یُقَوِّیْ بَعْضُھَا بَعْضُھَا فَارْتَقٰی اِلٰی مَرْتَبَۃِ الْحَسَنِ یعنی بعض اسناد بعض کو قوت دیتی ہیں لہٰذا اس یہ حدیث درجہ حسن کو پہنچ گئی اور ہم پہلے باب میں بتاچکے کہ یہ حدیث بہت طریق سے روایت ہے لہٰذا حسن ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ ہی علامہ شامی اسی ردالمختار جلد اوّل باب اذان میں اذان کے مواقع کے بحث میں فرماتے ہیں۔

عَلٰی اَنَّہٗ فِیْ فَضَائِلِ الْاَعْمَالِ یَجُوْزُ الْعَمَلُ بِالْحَدِیْثِ الضَّعِیْفِ کَمَا مَرَّفِیْ اَوَّلَ کِتَابِ الطَّھَارَۃِ

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے یہاں بھی واجب وحرام ہونے کے مسائل نہیں ہیں صرف یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے میں یہ فضیلت ہے لہٰذا اس حدیث ضعیف بھی قابل عمل ہے نیز مسلمانوں کا عمل ضعیف حدیث کو قوی کردیتا ہے چنانچہ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی تلقین میت کی بحث میں ہے۔

وَقَدْ رَدَیْنَا فِیْہِ حَدِیْثًا مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ اَمَامَۃَ لَیْسَ بِالْقَائِمِ اَسْنَادُہٗ' وَلٰکِنْ اَوْتَضَدَ بِشَوَاھِدَ وَبِعَمَلِ اَھْلِ الشَّامِ

یعنی تلقین میت کی حدیث قوی لا اسناد نہیں مگر اہل شام کے عمل ودیگر شواہد سے قوی ہوگئی انگوٹھے چومنے پر بھی امت کا عمل ہے لہٰذا یہ حدیث قوی ہوتی اس سے زیادہ تحقیق نورالانوار اور توضیح وغیرہ میں دیکھو۔ پانچویں یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی بھی حدیث نہ ملتی۔ تب بھی امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستحب ماننا ہی کافی تھا کہ حدیث میں آیا ہے۔

مَارَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَا للّٰہِ حَسَنٌ" "جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ کام اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔"

چھٹے یہ کہ یہ انگوٹھے چومنا آنکھ کی بیماریوں سے بچنے کا عمل ہے اور عمل میں صرف صوفیاء کرام کا تجربہ کافی ہوتا ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ہوامعہ میں ہوامعہ مقدمہ کے دسویں ہامعہ میں فرماتے ہیں اجتہادر اور اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطبأ نسخہا قرابادین را تصریفی اعمال میں اجہاد کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ جیسے کہ طبیب لوگ حکمت کے نسخے ایجاد کرتے ہیں۔ خود شاہ ولی صاحب نے اپنی

کتاب القول الجمیل وغیرہ میں صدہا عمل تعویذ گنڈے جنات کو دفع کرنے سے جنات سے محفوظ رہنے۔ حمل محفوظ رکھنے کے تجویز فرماتے ہیں کہ فلاں دعا ہرن کی کھال پر لکھ کر عورت کے گلے میں حمل ہار کے ڈال دو اسقاط نہ ہوگا پشم کا رنگا ہوا ورا عورت کے جسم سے ناپ کر نو گرہ لگا کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا دروزہ کو مفید ہے وغیرہ وغیرہ بتاؤ کہ ان اعمال کے متعلق کون سی احادیث آئی ہیں؟ خود علامہ شامی نے جادو سے بچنے، گمی ہوئی چیز کے تلاش کرنے کے لئے بہت سے طریقے شامی میں بیان فرمائے بتاؤ کہ ان کی احادیث کہاں ہیں؟ جبکہ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے کہ یہ عمل درد چشم کے لئے مجرب ہے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟ ساتویں یہ کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے کہ شامی اور شرح نقایہ اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے چومنے کو مستحب فرمایا۔ اس استحباب پر کوئی جرح قدح نہ کی بلکہ حدیث مرفوع کی صحت کا انکار کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم استحباب تو بالکل صحیح ہے۔ گفتگو ثبوت حدیث میں ہے۔ یہ استحباب حدیث کی صحت پر موقوف نہیں۔ آٹھویں یہ کہ اچھا اگر مان لیں کہ استحباب کا ثبوت ضعیف سے نہیں ہو سکتا۔ تو کراہت کے ثبوت کی کونسی حدیث ہے۔ جس میں یہ ہو کہ انگوٹھے چومنا مکروہ ہے یا نہ چومو وغیرہ وغیرہ ان شاء اللہ عزوجل کراہت کے لئے صحیح حدیث تو کیا ضعیف بھی نہ ملے گی۔ صرف یاروں کا اجتہاد اور عداوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عزوجل کہ اس اعتراض کے پرخچے اڑ گئے اور حق واضح ہو گیا۔

اعتراض ۲ حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نور مصطفےٰ علیہ السلام انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کر چوما تھا۔ تو تم کون سا نور دیکھتے ہو جو چومتے ہو۔ چومنے کی جو وجہ وہاں تھی وہ یہاں نہیں۔

جواب حضرت ہاجرہ جب اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ کے جنگل میں تشریف لائیں تو تلاش پانی کے لئے صفا و مروہ پہاڑ کے درمیان دوڑیں۔ آج تم حج میں وہاں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہو؟ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے قربانی کے لئے جاتے ہوئے راستے میں تین جگہ شیطان کو کنکر مارے آج تم حج میں وہاں کیوں مارتے ہو؟ وہاں اب کونسا شیطان آپ کو دھوکا دے رہا ہے؟ حضور علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص ضرورت کی وجہ سے کفار مکہ کو دکھانے کے لئے طواف میں رمل کرا کر اپنی طاقت دکھائی۔ بتاؤ کہ اب طواف قدوم میں رمل کیوں کرتے ہو؟ اب وہاں کفار کہاں دیکھ رہے ہیں؟ جناب انبیائے کرام کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار باقی رکھی جاتی ہے اگرچہ وہ ضرورت باقی نہ رہے اسی طرح یہ بھی ہے۔

اعتراض ۳ کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چومتے ہو۔ کوئی اور چیز کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کپڑے وغیرہ چومنا چاہیئے۔

جواب چونکہ روایت میں ناخن ہی کا ثبوت ہے۔ اس لیئے اسی کو چومتے ہیں منصوصات میں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اگر اس کا نکتہ ہی معلوم کرنا ہے تو یہ ہے کہ تفسیر خازن و روح البیان وغیرہ نے پارہ ۸ سورۂ اعراف زیر آیت بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا میں بیان فرمایا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا یعنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا جب ان پر عتاب الٰہی ہوا وہ کپڑا اتار لیا گیا۔ مگر انگلیوں کے پوروں پر بطور یادگار باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جنتی لباس ہیں جیسے کہ کعبہ معظمہ میں سنگ اسود جنتی پتھر ہے اس کو چومتے ہیں باقی کعبہ شریف کو نہیں چومتے۔ کیوں کہ وہ اس جنتی گھر کی یادگار ہے جو کہ حضور آدم علیہ السلام کے لئے زمین پر آیا تھا اور طوفان نوحی میں اٹھالیا گیا۔ اور یہ پتھر اس کی یادگار رہا اسی طرح ناخن بھی اس جنتی لباس کی یادگار ہے۔

بحث جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ یا نعت پڑھنا

بعض جگہ رسم ہے کہ جب میت کو قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے آگے باآواز بلند کلمہ طیبہ سب مل کر پڑھتے جاتے ہیں یا نعت شریف پڑھتے ہیں مجھ کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ کوئی اس کو بھی منکر تا ہوگا مگر پنجاب میں آ کر معلوم ہوا کہ دیو بندی اس کو بھی بدعت و حرام کہتے ہیں۔ اس قدر ظاہر مسئلہ پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر بعض احباب نے مجبور فرمایا۔ تو کچھ بطور اختصار عرض کرنا پڑا اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِىِّ الْعَظِيْم.

پہلا باب

جنازہ کے آگے کلمہ طیب یا نعت خوانی کا ثبوت

جنازے کے آگے کلمہ طیبہ یا تسبیح و تہلیل یا درود شریف یا نعت شریف آہستہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی آیت و احادیث صحیحہ و اقوال فقہا شاہد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَىْ يَذْكُرُوْنَ دَائِمًا عَلَ الْحَالَاتِ كُلِّهَا قَائِمِيْنَ وَقَائِدِيْنَ وَمُضْطَجِعِيْنَ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ لَا يَخْلُوْعَنْ هٰذِهِ الْهَيْئَاتِ غَالِبًا

”آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکر الٰہی کرتے ہیں کیونکہ انسان اکثر ان حالات سے خالی نہیں ہوتا۔“

تفسیر ابو اسعود میں اسی کے ماتحت ہے۔

وَالْمُرَادُ تَعْمِيْمُ الذِّكْرِ لِلْاَوْقَاتِ وَتَخْصِيْصُ الْاَحْوَالِ الْمَذْكُوْرَةِ لَيْسَ لِتَخْصِيْصِ الذِّكْرِ لِرَبِّهٖ فَاِنَّ الْاَحْوَالَ لَيْسَتْ اِلَّا هٰذِهِ الثَّلٰثَةِ ثُمَّ لَمَّا وَصَفَهُمْ بِكَوْنِهِمْ ذٰكِرِيْنَ فِيْهَا كَانَ ذٰلِكَ دَلِيْلًا عَلٰى كَوْنِهِمْ مُوَاظِبِيْنَ عَلَے الذِّكْرِ غَيْرَ فَاتِرِيْنَ عَنْهُ

اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گذر چکا۔ ابن عدی نے کامل میں اور امام زیلعی نے نصب الرایہ تخریج احادیث الہدایہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مجلس علمی ڈابجیل میں لکھا ہے عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ يَسْمَعُ مَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَهُوَ يَمْشِىْ خَلْفَ الْجَنَازَةِ اِلَّا قَوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُبْدِيًا وَرَاجِعًا اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو۔ پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔ تحذیر المختار علی رد المختار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۳ پر ہے۔ وَلٰكِنْ قَدِاعْتَادَ النَّاسُ كَثْرَةَ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم وَرَفَعَ اَصْوَاتَهُمْ بِذَالِكَ وَهُمْ اِنْ مُنِعُوْا اَبَتْ نُفُوْسُهُمْ عَنِ السُّكُوْتِ وَالتَّفَكُّرِ فَيَقَعُوْنَ فِىْ كَلَامٍ دُنْيَوِىٍّ وَرُبَّمَا وَقَعُوْا فِىْ غَيْبِهٖ وَاِنْكَارِ الْمُنْكَرِ اِذَا قَضٰى اِلٰى مَا هُوَ اَعْظَمُ مُنْكَرًا كَانَ تَرْكُهٗ اَحَبَّ لِاَنَّهٗ اِرْتِكَاب“ بِاَخَفِ الْمُضَرَّتَيْنِ كَمَا هُوَ اَلْقَاعِدَةُ الشَّرْعِيَّةُ

اس آیت اور ان تفاسیر کی عبارات و احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ہر حال میں ذکر الٰہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے ہو یا آہستہ کرنے کی اجازت ہے۔ اب کسی موقعہ پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لئے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء تو بحالت جنابت و بحالت حیض بھی تلاوت کے علاوہ تمام ذکروں کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ میت کو قبرستان لے جارہے ہیں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الٰہی جائز ہوا۔ قرآن فرماتا ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ”خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں۔“

اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

فَالْمُؤْمِنُوْنَ يَسْتَانِسُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ الَّذِىْ هُوَ الْاِسْمُ الْاَعْظَمُ وَيُحِبُّوْ اِسْتِمَاعَهَا وَالْكُفَّارُ يَفْرَحُوْنَ بِالدُّنْيَا وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِذِكْرِ غَيْرِ اللّٰهِ

''پس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ اسم اعظم ہے) مسلمان انس لیتے ہیں اور اس کو سننا چاہتے ہیں اور کفار دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکر غیر اللہ سے سرور پاتے ہیں۔''

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی فرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بحمد اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل و عیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہٰذا ہر طرح جائز ہو محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے منتخب کنز العمال جلد ہشتم صفحہ ۹۹ میں بر روایت حضرت انس ہے۔

اَکْثِرُوْافِی الْجَنَازَ ةِ قَوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهِ مَلٰٓئِکَةَ یَطُوْفُوْنَ فِی الطُّرُقِ یَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الذِّکْرِ فَاِذَا وَجَدُوْاقَوْمًا یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَا دُوْا هَلُمُّوْا اِلٰی حَاجَتِکُمْ قَالَ فَیَحِفُّوْ لَهُمْ بِاَجْنِهَتِهِمْ

''اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الٰہی کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھر ان ذاکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں الخ۔

لہٰذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو ملائکہ راستے ہی میں ملیں گے۔ اور ان سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جاویگا خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز ہے۔

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔''

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا وَمَارِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْ قَالُوْا وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّکْرِ

''حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گذرو تو کچھ کھالیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الٰہی ہوتا ہوا جاوے تو میت جنت کے باغ میں قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مشکوٰۃ میں اسی باب میں ہے کہ

اَلشَّیْطٰنُ جَاثِمٌ'' عَلٰے قَلْبِ اِبْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَاکِرَ اللّٰهَ خَنَسَ

''شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ جاوے گا تو شیطان سے میت کو امن رہیگی یہاں بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجہر کو دلالۃً ثابت کیا گیا۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں جن میں اس کی تصریح ملتی ہے۔ صدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بناء پر ہے یا کراہت تحریمی کی بناء پر۔ پھر فرماتے ہیں۔

لٰکِنَّ بَعْضَ الْمَشَائِخِ جَوَّزُ وْ االذِّکْرَ الْجَهْرِیَّ وَرَفْعَ الصَّوْتِ بِالتَّعْظِیْمِ قُدَّامَ الْجَنَازَةِ وَخَلْفَهَا لِتَلْقِیْنِ الْمَیِّتِ وَالْاَمْوَاتِ وَالْاَحْیَاءِ وَتَنْبِیْهِ الْغَفْلَةِ وَالظُّلْمَةِ وَزَطَالَةِ صُدَاءِ الْقُلُوْبِ وَقَسْوَتِهَا یُحِبُّ الدُّنْیَا وَرِیَاسَتِهَا

''یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں کے دلوں سے غفلت اور سختی دنیا کی محبت دور ہو۔''

لواقع الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں۔

وَکَانَ سَیِّدِیْ عَلِیُّ الْخَوَّاصُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُوْلُ اِذَا عُلِمَ مِنَ الْمَاشِیْنَ مَعَ الْجَنَازَةِ اَنَّهُمْ لَایَتْرُکُوْنَ اللَّغْوَفِی الْجَنَازَةِ وَیَشْتَغِلُوْنَ بِاَحْوَالِ الدُّنْیَا فَیَنْبَغِیْ اَنْ تَاْمُرَهُمْ بِقَوْلِ لَآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنَّ ذَالِکَ اَفْضَلُ مِنْ تَرْکِهٖ وَلَا یَنْبَغِیْ لِلْفَقِیْهِ اَنْ یُّنْکِرَ ذَالِکَ اِلَّا بِنَصٍّ اَوْ اِجْمَاعٍ فَاِنَّ لِلْمُسْلِمِیْنَ الْاِذْنُ الْعَامُّ مِنَ الشَّارِعِ بِقَوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ کُلَّ وَقْتٍ شَاؤُا وَلِلّٰهِ

اَلْعَجَبُ مِنْ عَمیٰ قَلْبِ مَنْ یُنْکِرُ مِثْلَ ھٰذَا

حضرت علی الخواص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے بیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دیناوی حالات میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ انکو کلمہ پڑھنے کا حکم دیں۔ کیونکہ یہ کلمہ پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے اور فقیہ عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اذن عام ہے جس وقت بھی چاہیں۔

اور سخت تعجب ہے، اس اندھے دل سے جو اس کا انکار کرلے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عہود المشائخ میں فرماتے ہیں۔

وَلاَ نُمَکِّنُ اَحَدًا مِنْ اَخْوَانِنَا یُنْکِرُ شَیْئًا اِبْتَدَعَھَا الْمُسْلِمُوْنَ عَلیٰ جَھَۃِ الْقُرْبَۃِ وَرَوَاہُ حَسَنًا لاَ سِیَّمَا مَاکَانَ مُتَعَلِّقًا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ کَقَوْلِ النَّاسِ اَمَامَ الْجَنَازَۃِ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ" رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَوْقِرَءَۃَ اَحَدِ الْقُرْاٰنِ اَمَامَھَا وَنَحْوَ ذَالِکَ فَمَنْ حَرَّمَ ذٰلِکَ فَھُوَ قَاصِرٌ" عَنْ فَھْمِ الشَّرِیْعَۃِ

"ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصاً وہ جو اللہ تعالیٰ و رسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے کہ لوگوں کا جنازے کے آگے کملہ طیبہ پڑھنا یا جنازے کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص اس کو حرام کہے وہ شریعت کے سمجھنے سے قاصر ہے۔"

پھر فرماتے ہیں۔ وَکَلِمَۃُ لاَاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ" رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَکْبَرُ الْحَسَنَاتِ فَکَیْفَ یَمْنَعُ مِنْھَا وَتَاَمَّلْ اَحْوَالَ غَالِبِ الْخَلْقِ اَلْاٰنَ فِی الْجَنَازَۃِ تَجِدُھُمْ مَشْغُوْلِیْنَ بِحَکَایَاتِ الدُّنْیَا لَمْ یَعْتَبِرُوْا بِالْمَیِّتِ وَقَبْلُھُمْ غَافِلٌ" عَنْ جَمِیْعِ مَا وَقَعَ لَہٗ بَلْ رَئَیْتُ مِنْھُمْ مَنْ یَّضْحَکُ وَاِذَا تَعَارَضَ عِنْدَنَا مِثْلُ ذٰلِکَ وَکُوْنُ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدَّمْنَا ذِکْرًا للّٰہِ عَزَّوَجَلَّ کُلُّ حَدِیْثٍ لَغْوٍ اَوْلٰی مِنْ حَدِیْثِ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا فِے الْجَنَازَۃِ فَلَوْصَاحَ کُلُّ مَنْ فِے الْجَنَازَۃِ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ" رَّسُوْلَ اللّٰہِ فَلاَ اِعْتَرَاضَ

یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ تمام نیکیوں میں بہتر نیکی ہے پس اس سے کیوں منع کیا جا سکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غالب حالت ہیں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پاؤ گے ان کے دل میت سے عبرت نہیں پکڑتے اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو بہت سے لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پر عمل کرکے یہ کلمہ پہلے زمانہ میں میت کیساتھ پکار کر نہیں پڑھا جاتا تھا۔ اس کے ناجائز ہونیکا حکم دینا درست نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیئے بلکہ دنیا داروں کی باتوں سے ہر بات جنازے میں بہتر ہے پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازے کے ہمراہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ ہنستے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الٰہی میں مشغول کر دیا جاوے کہ ذکر الٰہی دنیاوی باوتوں سے افضل ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات میں

اس پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس سے زیادہ نہ ملیں گے۔

اعتراض ۱ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو فقہاء منع فرماتے ہیں، چنانچہ عالمگیری جلد اول کتاب الجنائز فصل فی حمل الجنازہ میں ہے۔

وَعَلٰی مُتَّبِعِیْ الْجَنَازَۃِ الصَّمْتُ وَیُکْرَہُ لَھُمْ رَفعُ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ وَ قِرْئَۃِ الْقُرْاٰنِ فَاِنْ اَرَادَان یُّذْکَرَ اللّٰہَ یَذْکُرُہٗ فِیْ نَفْسِہٖ کَذَافِیْ فَتَاوٰی قَاضِی خَانَ

”جنازے کے ساتھ جانیوالوں کو خاموش رہنا واجب ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں کریں۔“

وَیُکْرَہُ النِّیَاحُ وَالصَّوْتُ خَلْفَ الْجَنَازَۃِ وَفِیْ مَنْزِلِ الْمَیِّتِ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ وَقِرْءَ ۃِ الْقُرْاٰنِ وَقَوْلُھُمْ کُلُّ حَیٍّ یَّمُوْتُ وَ نَحْوِذٰلِکَ خَلْفَ الْجَنَازَۃِ بِدْعَۃٌ“

”جنازے کے پیچھے اور میت کے گھر میں نوحہ کرنا آواز نکالنا اور بلند آواز سے ذکر کرنا قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے پیچھے یہ کہتے جانا کہ ہر زندہ مرے گا بدعت ہے۔“

درمختار جلد اول کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت میں ہے۔ کُمَا کُرِہَ فِیْھَا رَفْعُ صَوْتٍ بِذِکْرٍ اَوْقِرْءَ ۃٍ جیسے کہ جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرءت کرنا مکروہ ہے۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ قُلْتُ وَاِذَا کَانَ ھٰذَا فِی الدُّعَاءِ فَمَا ظُنُّکَ بِالْغِنَاءِ الحَادِثِ فِیْ ھٰذا الزَّمَانِ جبکہ دعا میں اس قدر سختی ہے تو اب اس گانے کا کیا حال ہے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گیا ہے۔

ابن منذر نے اشراف میں نقل کیا کہ۔

قَالَ قَیْسُ ابْنُ عُبَادَۃَ کَانَ اَصْحٰبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یَکْرَھُوْنَ رَفَعَ الصَّوْتِ عُنْدَذٰلِثٍ عِنْدَ الْقِتَالِ وَفِی الْجَنَازَۃِ وَفِی الذِّکْرِ یعنی صحابہ کرام جہاد، جنازہ، ذکر میں بلند آواز کو ناپسند کرتے تھے۔ ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ میت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا منع ہے خصوصا وہ گانا جس کو آج کل نعت خوانی کہتے ہیں وہ تو بہت ہی برا ہے (مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے)

جواب فقہاء کی ان عبارات میں چند طرح گفتگو ہے اولاً یہ کہ انہوں نے جو میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ لکھا اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے یا تحریمی، کراہت تنزیہی جائز میں داخل ہے یعنی اس کو کرنا جائز ہے مگر نہ کرنا بہتر، دوسرے یہ حکم اس زمانے کے لیئے تھا کہ ہر زمانہ کے لئے۔ تیسرے یہ کہ مطلقاً بولنا منع ہے۔ یا کہ خاص ذکر بالجہر یا کہ نوحہ وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ بلند آواز سے ذکر کرنا ہر شخص کو منع ہے یا کہ خاص اشخاص کو۔ جب یہ چار باتیں طے ہو جاویں تو مسئلہ بالکل واضح ہو جاویگا۔ حق یہ ہے کہ جن فقہاء نے میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ فرمایا۔ ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے چنانچہ شامی نے اسی منقولہ عبادت کے ساتھ ساتھ فرمایا۔

قِیْلَ تَحْرِیْمًا وَقِیْلَ تِنْزِیْھًا کَمَا فِی الْبَحْرِ عَنِ الْغَایَتِ وَفِیْہِ عَنْھَا وَیَنْبَغِیْ لِمَنْ تَبِعَ الْجَنَازَۃَ اَنْ یُّطِیْلَ الصُّمْتُ

”کہا گیا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اور کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی جیسا کہ بحرالرائق میں غایت سے نقل کیا اسی بحر میں بروایت غایت ہے کہ جو شخص جنازے کے ساتھ جاوے اس کو بہتر ہے کہ خاموش رہے۔“

جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنا بہتر ہے اور خاموش نہ رہنا بلکہ ذکر بالجہر کرنا بہتر نہیں جائز ہے۔ نیز کراہت تنزیہی اور تحریمی کی پہچان خود علامہ شامی نے مکروہات کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرمائی۔ فرماتے ہیں، شامی اوّل کتاب الطہارت مطلب تعریف المکروہ۔

فَحِیْنَئِذٍاِذَاکَرُوْ مَکْرُوْھًافَلَا بُدَّ مِنَ النَّظْرِ فِیْ دَلِیْلِہٖ فَاِنْ کَانَ نَھْیًا ظَنِّیًا یَحْکُمُ بِکَرَاھَۃِ التَّحْرِیْمِ اِلَّا بِصَارِفِ النَّھْیِ عِنِ التَّحْرِیْمِ اِلَی النَّدْبِ فَاِنْ لَّمْ یَکُنِ الدَّلِیْلُ نَھْیًا بَلْ کَانَ مُفِیْد۔ا التَّرْکِ الْغَیْر

الْجَازِمِ فَهِیَ تَنْزِیْهِیَةٌ"

"جب فقہاء مکروہ فرمادیں تو ضروری ہے کہ کراہت کی دلیل میں نظر کی جاوے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو تو مکروہ تحریمی ہے سوائے کسی مانع کے اور اگر دلیل ممانعت نہ ہو بلکہ غیر ضروری ترک کا فائدہ دے تو کراہیت تنزیہی ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر فقہاء کراہت کی دلیل میں کوئی شرعی ممانعت پیش فرمادیں تو کراہت تحریمی ہے ورنہ کراہت تنزیہی۔ اور جن فقہاء نے بھی اس ذکر بالجہر کو منع کیا ہے کوئی ممانعت کی حدیث یا آیت پیش نہیں کی۔ صرف شامی نے یہ دلیل بیان فرمائی کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ جس کا ترجمہ فرمایا

اَیِ الْمُجَاهِرِیْنَ بِالدُّعَاءِ یعنی بلند آواز سے دعا کرنے والوں کو۔ معلوم ہوا کہ اس کی ممانعت کی کوئی صاف حدیث نہیں ملی۔ لہٰذا یہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔ نیز امام شعرانی نے عہود مشائخ میں اسی ذکر مع الجنازہ کے لئے فرمایا وَقَدْ رَجَّحَ النُّوَوِیُّ اَنَّ الْکَلَامَ خِلَافَ الْاَوْلیٰ امام نووی نے اس کو ترجیح دی کہ جنازے کے ساتھ کلام کرنا بہتر نہیں۔ شرح طریقہ محمدیہ نے بیان فرمایا وَهُوَ یُکْرَهُ عَلٰی مَعْنیٰ اَنَّهٗ تَارِکُ الْاَوْلیٰ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے بایں معنی کہ خلاف اُولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں۔ بہرحال ماننا پڑے گا کہ جن فقہاء نے اس کو مکروہ کہا ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے دوسرے یہ کہ یہ ممانعت اُس زمانے کیلئے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے یہ حکم کراہت بھی بدل گیا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں جو بھی جنازے کے ساتھ جاتا تھا وہ خاموش رہتا تھا اس سے عبرت پکڑتا تھا اہلِ میت کے ساتھ رنج و غم میں شرکت کرتا تھا اور شرعی مدعیٰ بھی یہ ہے کہ میت کے جلوس میں لوگ عبرت حاصل کرلیں۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَاِذَا حَمَلْتَ اِلَی الْقُبُوْرِ جَنَازَةً فَاعْلَمْ بِاَنَّکَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلٌ"

جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے جاؤ تو خیال رکھو کہ ایک دن تم کو بھی اسی طرح لے جایا جائیگا اس حالت میں کچھ بھی بات کرنا خلافِ حکمت تھا کہ بات کونے میں دھیان بٹے گا۔ اور دل اور طرف متوجہ ہو جاوے گا۔ لہٰذا فقہاء نے فرمایا کہ اس حالت میں سکوت کرو۔ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی باب مایقول الماشی مع الجنازہ میں ہے۔

وَالْحِکْمَةُ فِیْهِ ظَاهِرَةٌ" وَهِیَ اَنَّهٗ اَسْکَنُ لِخَاطِرِهٖ وَاَجْمَعُ لِفِکْرِهٖ فِیْمَا یَتَعَلَّقُ بِالْجَنَازَةِ وَهُوَ الْمَطْلُوْبُ فِیْ هٰذَا لْحَالِ

مشکوٰۃ باب دفن المیت میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم قبرستان میں میت دفن کرنے کے لئے گئے۔ وَجَلَسْنَا مَعَهٗ کَاَنَّ عَلٰی رُءُوْسِنَا الطَّیْرُ تیاری قبر میں دیر تھی تو ہم اس طرح خاموش بیٹھ گئے جیسے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں پرندوں کا شکاری جب جال لگا کر بیٹھتا ہے تو بالکل خاموش رہتا ہے تا کہ آواز سے پرندے اُڑ نہ جاویں اب وہ زمانہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والے دنیاوی باتیں ہنسی مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں۔ اگر قبرستان میں کچھ دیر بیٹھنا پڑے تو خوش گپیاں اڑاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھیل کا مشغلہ کرکے دل بہلاتے ہیں اُن کو ذکر الٰہی میں مشغول کر دینا ان بیہودہ باتوں سے بہتر ہے۔ لہٰذا اب یہ بھی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جاویں۔ حالات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو مفتی اپنے اہل زمانہ کی حالت سے بے خبر ہے وہ جاہل ہے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عہود مشائخ میں فرماتے ہیں۔

وَاِنَّمَا لَمْ یَکُنِ الْکَلَامُ وَالْقِرَاءَةُ وَالذِّکْرُ اَمَامَ الْجَنَازَةِ فِیْ عَهْدِ السَّلَفِ لِاَنَّهُمْ کَانُوْا اِذْ اَمَاتَ لَهُمْ مَیِّتٌ مِنْ غَیْرِهٖ فَکَانُوْ لَایَقْدِرُوْنَ عَلَ النُّطْقِ الْکَثِیْرِ لِمَا هُمْ عَلَیْهِ مِنْ ذِکْرِ الْمَوْتِ بَلْ خَرِسَتْ اَلْسِنَتُهُمْ عَنْ کُلِّ کَلَامٍ فَاِذَا وَجَدْنَا جَمَاعَةً بِهٰذَا الصِّفَةِ فَلَکَ یَا اَخِیْ عَلَیْنَا اَنْ لَّا تَاْمُرَهُمْ بِقِرْءَةٍ وَلَا ذِکْرٍ

"گذشتہ زمانہ میں جنازہ کے آگے بات کرنا قرآن پڑھنا ذکر کرنا اس لئے نہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا تھا تو سارے شرکاء رنج و غم میں شریک ہو جاتے تھے یہاں تک کہ میت کے اہل قرابت اور غیروں میں فرق نہ رہتا تھا اور اس قدر موت کا دھیان کرتے تھے کہ بولنے پر ان کو قدرت نہ رہتی تھی۔ اور اُن کی زبانیں گونگی ہو جاتی تھیں۔ اگر ہم آج اس صفت کے لوگ پالیں تو ہم انکو قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے کا حکم نہ دیں گے۔"

سبحان اللہ کیا نفیس فیصلہ فرمایا۔ کہیئے کیا آجکل لوگوں کا یہ حال ہے۔ حضرت شیخ عثمان بجیری شرح اقناع کے حاشیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں۔

قَوْلُہ، وَکَرِہَ لَغَطٌ" فِی الْجَنَازَۃِ) قَوْلُہ، لَغَطٌ" اَیْ رَفْعُ صَوْتٍ وَلَوْ بِقُرْاٰنٍ اَوْذِکْرٍ اَوْصَلٰوۃٍ عَلَے النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَھٰذَا بِاِعْتِبَارِ مَاکَانَ فِی الصَّدْعِ الْاَوَّلِ وَاِلَّافَالْاٰنَ لَا بَأْسَ بِذَالِکَ لِاَنَّہ، شِعَارُ الْمَیِّتِ لِاَنَّ تَرْکَہ، مَزْدَرِیَۃٌ" بِہٖ وَلَوْقِیْلَ بِوُجُوْبِہٖ لَمْ یُبْعَدْ کَمَا نَقَلَہ، الْمُدَابِغِیُّ

یعنی جنازے کے ساتھ شور کرنا مکروہ ہے خواہ یہ شور قرآن خوانی سے ہو یا ذکر اللہ سے یا درود خوانی سے۔ یہ حکم اس حالت کے لحاظ سے ہے جو کہ پہلے زمانے میں مسلمانوں کی تھی۔

امام شعرانی نے عہود مشائخ میں فرمایا۔

فَمِمَّا اَحْدَثَہ، الْمُسْلِمُوْنَ وَاسْتَحْسَنُوْہُ قَوْلُھُمْ اَمَامَ الْجَنَازَۃِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ" رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَوْ وَسِیْلَتُنَایَوْمَ الْعَرْضِ عَلَے اللّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ" رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَنَحْوِذٰلِکَ فَمِثْلُ ھٰذَالَایَجِبُ اِنْکَارُہ، فِیْ ھٰذَا الزَّمَانِ لِاَنَّھُمْ اِنْ لَّمْ اِشْتَغَلُوْا بِذَالِکَ لِاَنَّ قَبْلَھُمْ فَارِغٌ" مِنْ ذِکْرِ الْمَوْتِ بَلْ رَءَیْتُ بَعْضُھُمْ یَضْحَکُ اَمَامَ الْجَنَازَۃِ وَیَمْزَحُ

ورنہ اس زمانہ میں اب اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ذکر بالجہر میت کی علامت ہے اس کے چھوڑنے میں میت کی توہین ہے لہٰذا اس کو اگر ضروری بھی کہا جاوے تو بھی بعید نہیں ہے جیسا کہ مدابغی علیہ الرحمۃ سے نقل فرمایا۔

مسلمانوں نے جس کام کو اچھا سمجھ کر ایجاد کیا ہے وہ یہ ہے کہ جنازے کے آگے کہتے ہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ" رَّسُوْلُ اللّٰہِ یا یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن ہمارا وسیلہ یہ ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ" رَّسُوْلُ اللّٰہِ یا اسی طرح اور ذکر۔ اس زمانہ میں اس سے منع کرنا ضروری نہیں۔ کیوں کہ اگر وہ لوگ اس ذکر میں مشغول نہ ہوئے تو دنیاوی باتیں کریں گے کیونکہ ان کے دل موت کی یاد سے خالی ہیں۔ بلکہ ہم نے تو بعض لوگوں کے آگے ہنستے ہوئے مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

امام شعرانی قدس سرہ، نے جو اپنے زمانہ کا حال بیان فرمایا اُس سے بدتر حال آج کل ہے۔ میں نے بعض جگہ دیکھا کہ قبر میں دیر تھی۔ لوگ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن کر بیٹھ گئے اور باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بازار لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچ کر کنکروں سے کھیلنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تجہیز و تکفین کے احکام بتائے۔ اس سے یہ ہی بہتر تھا۔

لطیفہ مخالفین جنازے کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کو تو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ مگر باتیں کرنا، کبھی مسائل بیان کرنا، کبھی شرک و بدعت کے فتوے سُنانا، لوگوں کے اُس میں ہنسی مذاق کرنے کو نہ منع کرتے ہیں نہ اُس کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء بالکل خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس اعتراض میں نقل کی ہوئی عبارات سے معلوم ہوا۔ یہ الٹی گنگا کیوں بہ رہی ہے کہ کلام، سلام، ہنسی، مذاق، وعظ و فتاویٰ تو سب جائز۔ حرام ہے تو ذکر اللہ، خدا سمجھ دے۔

نوٹ ضروری شاید کوئی کہے کہ اسلام احکام تو کبھی بدلتے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسی؟

اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جو احکام کسی علت کے بدلنے سے بدل جائیں گے۔ جیسے کہ اول زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت لینا حرام تھی۔ اب جائز ہے۔ اسی طرح مقابر اولیاء اللہ پر چادریں ڈالنا اب ضرورتاً زمانہ کے لحاظ سے جائز ہیں اسی طرح ماہ رمضان میں ختم قرآن پر دعائیں مانگنا جائز قرار دی گئیں۔ قرآن میں آیات اور رکوع اور سورتوں کے نام لکھنا زمانہ سلف میں نہ تھا لیکن اب عوام کے فائدے کے لحاظ کر کے جائز قرار دیا گیا۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب آداب المصحف میں ہے۔

لَابَأْسَ لِکِتَابَۃِ اِسَامِی السُّوَرِ وَعَدِّ الْاٰیِ وَھُوَ وَاِنْ کَانَ اِحْدَاثًا فَھُوَ بِدْعَۃٌ" حَسَنَۃٌ" وَّ کَمْ مِنْ شَیْءٍ کَانَ اِحْدَاثًا وَھُوَ حَسَنٌ" وَّکَمْ مِنْ شَیْءٍ یَخْتَلِفُ بِاِخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَکَانِ

"سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں حرج نہیں یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں بدعت ہیں لیکن اچھی ہیں اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔"

اس کی بہت تفصیل ہم پہلی بحثوں میں کر چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ کاٹھیاواڑ وغیرہ میں میت کے آگے اس طرح نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جان لیتے ہیں کہ کسی کا جنازہ جا رہا ہے لہٰذا گھروں میں جو ہوتے ہیں وہ بھی نماز جنازہ کے لئے نکل آتے ہیں۔ تو یہ نعت خوانی میت کا اعلان بھی ہوا اور جنازے یا دفن میں شرکت کر لیں جائز ہے۔ چنانچہ درمختار دفن میت کی بحث میں ہے۔

وَلَابَأْسَ بِنَقْلِهٖ قَبْلَ دَفْنِهٖ وَ بِالْاَعْلَامِ بِمَوْتِهٖ وَبَارُثِهٖ بِشَعْرٍ اَوْغَيْرِهٖ

یعنی میت کو دفن کرنے سے پہلے اس کو منتقل کرنا اس کے جنازے کا اعلان کرنا، میت کا مرثیہ پڑھنا خواہ اشعار میں ہو یا اسکے سوا جائز ہے۔

اس کی شرح شامی میں ہے۔

اِیْ اِعْلَامِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا لِيَقْضُوْا حَقَّهٗ وَكَرِهَ بَعْضُهُمْ اَنْ يُّنَادىٰ عَلَيْهِ فِي الْاَزِقَّةِ وَالْاَ سْوَاقِ وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ لَا يُكْرَهُ اِذَالَمْ يَكُنْ مَعَهٗ تَنْوِيْهٌ بِذِكْرِهٖ

یعنی جائز ہے کہ بعض لوگ بعض کو خبر دیں تا کہ لوگ اس میت کا حق کو ادا کریں اور بعض لوگوں نے مکروہ جانا ہے یہ کہ گلی کوچوں اور بازاروں میں اس کا اعلان کیا جاوے اور صحیح ہی ہے کہ اعلان مکروہ نہیں ہے جب کہ اس اعلان میں میت کی زیادہ تعریف نہ ہو۔

بکہ اعلان جنازہ کے لئے میت کا مرثیہ یا میت کے نام کا اعلان جائز ہے تو اعلان جنازہ کی نیت سے نعت شریف یا کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا کیوں حرام ہے؟ کہ اس میں جنازے کا اعلان بھی ہے اور حضور علیہ السلام کی نعت بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس جہر کو فقہاء منع فرماتے ہیں وہ ذکر بلا فائدہ ہے جبکہ اس سے فائدہ خاص ہو تو جائز ہے۔ اسی لیئے علامہ شامی نے اسی بحث میں تتارخانیہ سے نقل کیا۔

وَاَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ الْجَنَائِزِ فَيُحْتَمَلُ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ النَّوْحُ اَوِ الدُّعَاءُ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ مَا افْتَتَحَ النَّاسُ الصَّلٰوةَ اَوِ الْاِفْرَاطُ فِيْ مَدْحِهٖ كَعَادَةِ الْجَاهِلِيَّةِ بِمَا هُوَ يَشْبَهُا الْمُحَالَ وَاَمَّا اَصْلُ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ فَغَيْرُ مَكْرُوْهٍ

"لیکن جنازوں کے پاس بلند آواز کرنا اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد نوحہ کرنا یا میت کے لئے نماز شروع ہو چکنے کے بعد دعا کرنا یا اس کی تعریف میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی لیکن میت کی تعریف کرنا یہ مکروہ ہے۔"

حاصل یہ کہ بے فائدہ بلند آواز کرنا منع ہے اور با فائدہ ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے فی زمانہ اس میں بہت سے وہ فائدے ہین جو کہ عرض کر دیئے گئے۔ چوتھے یہ کہ اس ذکر سے ممانعت خاص اہلِ علم کو ہے۔ اگر عوام مسلمین ذکر کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عوام کو ذکر الٰہی سے نہ روکو کیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکر الٰہی سے بے رغبت ہیں۔ اب جس قدر ذکر کریں کرنے دو۔ درمختار باب صلوٰۃ العیدین میں ہے۔

وَلَا يُكَبِّرُ فِيْ طَرِيْقِهَا وَلَايَتَنَفَّلُ قَبْلَهَا مُطْلَقًا وَكَذَا لَا يَتَنَفَّلُ بَعْدَهَا فِيْ مُصَلًّا فَاِنَّهٗ مَكْرُوْهٌ عِنْدَ الْعَامَّةِ

عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ عید سے پہلے نفل پڑھے اور نماز عید کے بعد بھی عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ عام فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

هٰذَا لِلْخَوَّاصِ اَمَّا الْعَوَّامُ فَلَا يَمْنَعُوْنَ مِنْ تَكْبِيْرٍ وَّلَا تَنَفُّلٍ اَصْلًا لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرَاتِ

"یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے لیکن عام کو اس سے منع نہ کیا جاوے نہ تکبیر کہنے سے اور نہ نفل پڑھنے سے کیونکہ اُن کی رغبت کارِ خیر میں کم ہے۔"

اس کے ماتحت شامی میں ہے **اَیْ لَا سِرًّا وَّلَا جَهْرًا فِي التَّكْبِيْرِ** یعنی اُن کو آہستہ اور بلند آواز سے تکبیر کہنے سے نہ روکا جاوے۔ نیز ہم ذکر بالجہر کی بحث میں بحوالہ شامی باب العیدین ذکر کر چکے ہیں کہ کسی نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ بازاروں میں بلند آواز سے تکبیریں کہتے ہیں کیا ان کو منع کیا جاوے فرمایا کہ نہیں۔ اِن تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض موقعوں پر خواص کو کسی خاص ذکر سے منع کیا جاتا ہے لیکن عوام کو روکنے کا حکم نہیں۔ اسی لیئے فقہاء نے تو یہ فرما دیا کہ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کرو لیکن نہ فرمایا کہ ذکر کرنے والوں کو اس سے روک بھی دو۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اوّلاً تو یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی بناء پر ہے دوم یہ کہ پہلے زمانہ کے لئے تھی اب یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ عِلت حکم بدل گئی۔ تیسرے یہ کہ چونکہ اس ذکر سے جنازہ کا اعلان لہٰذا فائدے مند ہے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے عامۃ المسلمین اگر ذکر الٰہی کریں تو اُن کو منع نہ کیا جاوے۔

اعتراض ۲ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے کیونکہ وہ چیختے جاتے ہیں "رام رام ست ہے" اور تم بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو۔ اور کفار سے مشابہت ناجائز ہے لہٰذا یہ منع ہے۔

جواب کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں۔ اور ہم خدائے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی۔ کفار بت کے نام پر ذبح کرتے ہیں ہم خدا کے نام پر۔ کفار گنگا سے گنگا کا پانی لے کر آتے ہیں۔ ہم مکہ معظمہ سے آب زمزم لاتے ہیں۔ یہ مشابہت نہ ہوئی نیز جو کام کہ کفار کے قومی یا مذہبی نشان بن گئے ہوں۔ ان میں مشابہت کرنا منع ہے نہ کہ ہر کام میں اگر کافر بھی اپنے جنازوں کے آگے کلمہ پڑھنے لگیں۔ تو شوق سے پڑھیں یہ اچھا کام ہے۔ اور اچھے کام میں مشابہت بُری نہیں ہوتی"۔

اعتراض ۳ راستہ میں کلمہ طیبہ آواز سے پڑھنا بے ادبی ہے کیوں کہ وہاں گندگی وغیرہ ہوتی ہے لہٰذا یہ منع ہے۔

جواب یہ اعتراض محض لغو ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ راستوں میں چلتے ہوئے ذکر جائز ہے۔ ہاں جو جگہ نجاست ڈالنے کے لئے بنائی گئی ہو وہاں ذکر بالجہر منع ہے جیسے کہ پاخانہ یا گھورا (روڑی) شامی بحث قرعت عندالمیت میں ہے۔ وَفِی الْقُنْعَةِ لَابَأسَ بِالْقِرْءَةِ رَاكِبًا اَوْمَاشِيًا اِذَالَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ الْمَوْضِعُ مُعَدًّا لِلنَّجَاسَةِ سوار یا پیدل چلتے ہوئے قرآن پڑھنے میں حرج نہیں جبکہ وہ جگہ نجاست کے لئے نہ بنائی گئی ہو۔ قرآن بغل میں لے کر راستے سے گزرنا جائز ہے اور تکبیر تشریق کہتا ہوا جاوے۔ درمختار باب صلوٰۃ العیدین میں ہے۔

وَيُكَبِّرُ جَهْرًا اِتِّفَاقًا فِى الطَّرِيْقِ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہے۔ حالانکہ راستے میں نجاست وغیرہ ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ حمام میں تسبیح وتہلیل بلند آواز سے جائز ہے۔ حالانکہ وہاں اکثر گندگی ہوتی ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب الصلوٰۃ والتسبیح میں اور عمدۃ الابرار مجموع النوازل، خانیہ، سراجیہ، ملتقط تجنیس وغیرہ میں ہے۔ وَاَمَّا التَّسْبِيْحُ وَالتَّهْلِيْلُ لَابَأْسَ بِذَالِكَ وَاِنْ رَفَعَ صَوْتَهٗ حمام میں تسبیح وتہلیل بلند آواز سے بھی جائز ہے۔

اعتراض ٤ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنے میں گھر کی عورتیں اور بچے ڈر جاتے ہیں۔ کیونکہ اُن کو موت یاد آجاتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں لہٰذا بقاعدہ طبی بھی یہ منع ہونا چاہئے۔

جواب قرآن فرماتا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللّٰه اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں مسلمانوں کو تو اس سے چین اور راحت ہوتی ہے۔ ہاں کفار ڈرتے ہوں گے۔ اُن کو ڈرنے دو کفار تو اذان سے بھی ڈرتے ہیں تو کیا اُن کی وجہ سے اذان بند کی جاوے گی۔ ہاں اگر کسی حاذق طبیب نے لکھا ہو کلمہ طیبہ کی آواز وبا کے اسباب میں سے ہے تو پیش کیا جاتے لیکن وہ طبیب مسلمان اور حاذق ہو۔ کوئی دیوبندی یا کروہی طبیب نہ ہو وہمی باتوں کا اعتبار نہیں۔ ثابت ہوا کہ میت کے آگے بلند آواز سے ذکر بہت بہتر اور باعثِ برکت ہے۔ مخالفین کے پاس بجز غلط فہمی کے اور کوئی اعتراض قوی نہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ

خاتمہ کتاب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تک جس قدر مسائل میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں ان کی تحقیق کر دی گئی۔ لیکن ان مسائل مذکورہ میں بہت سے مسائل وہ ہیں جن پر ایمان کا دارومدار نہیں صرف کراہت اور استحباب میں ہی اختلاف ہے جن مسائل کی بناء پر عرب وعجم کے علماء نے دیوبندیوں کو کافر کہا وہ ان کے خلاف اسلامی عقائد ہیں۔ ہم مسلمانوں کی واقفیت کے لئے ان عقائد کی فہرست پیش کرتے ہیں اور ہر ایک کے مقابل اسلامی عقیدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس فہرست میں اُن کا جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ ان کی کتابوں میں چھپا ہوا موجود ہے اگر کوئی صاحب غلط ثابت کریں تو وہ انعام کے مستحق ہیں بعض صاحبوں کا اسرار تھا کہ ان عقائد باطلہ کی تردید بھی کر دی جاوے مگر اس وقت کاغذ دستیاب نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم ان شاء اللہ عز وجل اس کتاب کی دوسری جلد تیار کریں گے جس میں ان عقائد سے ہی بحث ہوگی۔ فی الحال صرف فہرست پیش کرتے ہیں۔

دیوبندی عقائد	اسلامی عقائد
(۱) خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (مسئلہ امکان کذب) براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی جہد المقل مصنفہ محمود حسن صاحب۔	جھوٹ بولنا عیب ہے جیسے کہ چوری یا زنا کرنا وغیرہ اور رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (قرآن کریم) نیز خدا کی صفات واجب ہیں نہ کہ ممکن لہٰذا خدا کے لئے سکنا کہنا بے دینی ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب چاہے غیب دریافت کر لے۔ کسی ولیؔ نبیؔ جنؔ فرشتےؔ بھوتؔ کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی)	خدائے پاک ہر وقت عالم الغیب ہے اس کا علم اسکی صفت ہے اور واجب ہے جب چاہے تب معلوم کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ نہ چاہے تو جاہل رہے یہ کفر ہے خدا کے صفات خدا کے اختیار میں نہیں وہ واجب ہیں نیز رب نے اپنے محبوبوں کو بھی علوم غیبیہ عطا کیئے۔ (قرآن کریم)
(۳) خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور ماہیت سے پاک ماننا بدعت ہے۔ (ایضاح الحق مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی)	خدائے قدوس جگہ اور زمانہ اور ترکیب و ماہیت سے پاک ہے نہ وہ کسی جگہ میں رہتا ہے نہ اس کی عمر ہے نہ وہ اجزاء سے بنا ہے اُس کو دیوبندیوں نے بھی ہجری میں کفر لکھ دیا (کتب علم کلام)
(۴) خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی۔ جب بندے اچھے یا برے کام کر لیتے ہیں تب اس کو معلوم ہوتا ہے۔ بلغۃ الحیران صفحہ ۱۵۷ زیر آیت اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا كُلٌّ " فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (مصنفہ مولوی حسین علی صاحب بھچرانوالہ شاگرد مولوی رشید احمد صاحب)	خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس کا علم واجب اور قدیم ہے جو ایک آن کے لئے کسی چیز سے اس کو بے علم مانے بے دین ہے۔ (عام کتب عقائد) دیوبندی خدا کے علم غیب کے بھی منکر ہیں تو اگر حضور علیہ السلام کے علم غیب کا انکار کریں تو کیا تعجب ہے۔
(۵) خاتم النبیین کے معنیٰ یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں لیکن یہ معنیٰ ہیں کہ آپ اصلی نبی ہیں باقی عارضی لہٰذا اگر حضور علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آجاویں تو بھی خاتمیت میں فرق نہ آویگا۔ (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)	خاتم النبیین کے یہ ہی معنیٰ ہیں کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ ظہور یا بعد میں کسی اصلی، بروزی، مراقی، مذاقی کا نبی بننا محال بالذات ہے۔ اسی معنیٰ پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ ہی معنیٰ حدیث نے بیان فرمائے جو اس معنیٰ کا انکار کرے وہ مرتد ہے۔ (جیسے قادیانی اور دیوبندی)

(۶) اعمال میں بظاہر اُمتی نبی کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔ (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)	کوئی غیر نبی خواہ والی ہو یا غوث یا صحابی کسی کمال علمی و عملی میں نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غیر صحابی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ صحابی کا کچھ جَو خیرات کرنا ہمارے صدہا من سونا خیرات کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (حدیث)
(۷) حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر ممکن ہے۔ (یکروزی مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی مطبوعہ فاروقی صفحہ ۱۴۴)	رب تعالیٰ بے مثل خالق ہے اور اُس کے محبوب بے مثل بندے وہ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ﷺ ہیں۔ ان اوصاف کی وجہ سے آپ کا مثل محال بالذات ہے۔ (دیکھو رسالہ امتناع النظیر مصنفہ مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی)
(۸) حضور علیہ السلام کو بھائی کہنا جائز ہے کیونکہ آپ بھی انسان ہیں۔ (براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب و تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی)	حضور علیہ السلام کو الفاظ عام سے پکارنا حرام ہے اور اگر بہ نیت حقارت ہو تو کفر ہے۔ (قرآن کریم) یارسول اللہ یا حبیب اللہ کہنا ضروری ہے۔ نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم زانکہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی است
(۹) شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ (براہین قاطعہ مولوی خلیل احمد صاحب)	جو شخص کسی مخلوق کو حضور علیہ السلام سے زیادہ علم مانے وہ کافر ہے۔ (دیکھو شفا شریف) حضور علیہ السلام تمام مخلوق الٰہی میں بڑے عالم ہیں۔
(۱۰) حضور علیہ السلام کا علم بچوں، پاگلوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر ہے۔ (حفظ الایمان مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب)	حضور علیہ السلام کے کسی وصف پاک کو ادنےٰ چیزوں سے تشبیہ دینا یا اُن کے برابر بتانا صریح توہین ہے اور یہ کفر ہے۔
(۱۱) حضور علیہ السلام کو اردو بولنا مدرسہ دیوبند سے آ گیا۔ (براہین قاطعہ مولوی خلیل احمد صاحب)	رب تعالیٰ نے ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائیں اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو جو کہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ زبان فلاں مدرسہ سے آئی وہ بے دین ہے۔
(۱۲) ہر چھوٹا بڑا مخلوق (نبی اور غیر نبی) اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب)	رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا پھر فرماتا ہے اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ نبی کو خدا کے سامنے ذلیل جانے وہ خود چمار سے ذلیل ہے۔
(۱۳) نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال لانا اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے (صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی)	جن نماز میں حضور علیہ السلام کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی نامقبول ہے اسی لیئے التحیات میں حضور علیہ السلام کو سلام کرتے ہیں۔ وہ بھی کوئی نماز ہے یار نہ ہو نماز ہو۔ (دیکھو بحث حاضر و ناظر)

(۱۴) میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ پُلِ صراط پر لے گئے اور کچھ آگے جا کر دیکھا کہ حضور علیہ السلام گرے جا رہے ہیں تو میں نے حضور علیہ السلام کو گرنے سے روکا۔ (بلغۃ الحیران، بشترات مصنفہ مولوی حسین علی صاحب شاگرد مولوی رشید احمد صاحب)	حضور علیہ السلام کے بعض غلام پُلِ صراط سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ اور پُلِ صراط پر پھسلنے والے لوگ حضور علیہ السلام کے مدد سے سنبھل سکیں گے آپ دُعا فرمائیں گے رَبِّ سَلِّمْ (حدیث) جو کہے میں نے حضور علیہ السلام کو صراط پر گرنے سے بچایا وہ بے ایمان ہے۔
(۱۵) مولوی اشرف علی صاحب نے بڑھاپے میں ایک کمسن شاگردنی سے نکاح کیا۔ اس نکاح سے پہلے اُن کے کسی مُرید نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اشرف علی کے گھر حضور عائشہ صدیقہ آنے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی اشرف علی صاحب نے یہ کی کہ کوئی کمسن عورت میرے ہاتھ آوے گی کیونکہ حضور عائشہ صدیقہ کا نکاح جب حضور علیہ السلام سے ہوا۔ تو آپ کی عمر سات سال تھی وہ ہی نسبت یہاں ہے کہ میں بڈھا ہوں اور بیوی لڑکی ہے۔ (رسالہ مدار) مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب ماہ صفر ۱۳۳۵ھ	حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں (قرآن کریم) خصوصاً صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ ونہا کی وہ شان ہے کہ دنیا بھر کی مائیں ان کے قدم پاک پر قربان ہوں کوئی کمین آدمی بھی ماں کو خواب میں دیکھ کر جورو سے تعبیر نہ دے گا۔ یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سخت توہین بلکہ اس جناب کے حق میں صریح گالی ہے اس سے زیادہ اور کیا بے ایمانی اور بے غیرتی ہو سکتی ہے کہ ماں کو جورو سے تعبیر دی جاوے۔

عقائد دیوبند کا یہ ایک نمونہ ہے اگر تمام عقائد بیان کئے جاویں تو اس کے لئے دفتر چاہیئے حق یہ ہے کہ رافضیوں اور خارجیوں نے تو صحابہ کرام یا اہل بیت عظام ہی پر تبرا کیا۔ مگر دیوبندیوں کے قلم سے نہ خدا کی ذات بچی نہ رسول علیہ السلام اور نہ صحابہ کرام کی نہ ازواج مطہرات سب کی اہانت کی گئی اور اگر کوئی شخص کسی شریف آدمی سے کہے کہ میں نے تمہاری والدہ کو خواب میں دیکھا اور اس کو بیوی سے تعبیر کیا تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا ہم اُن کے غلامانِ غلام اپنی صدیقہ ماں کے لئے یہ باتیں کس طرح برداشت کریں۔ صرف قلم ہاتھ میں ہے اس لیے مسلمانوں کو مطلع کر دیتے ہیں تا کہ مسلمان اُن سے علیحدہ رہیں یا وہ لوگ ان عقائد سے توبہ کریں۔

میرے شاگرد و صاحبزادۂ بلند اقبال عزیزی مولوی سیّد محمود شاہ صاحب سلمہ، کا اسرار تھا کہ امکان کذب، امکان نظیر، دیوبندیوں کی عبارات کی توضیحون پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملتا۔ اس لیئے دیوبندیوں کے صرف عقائد پیش کر دیئے اور انشاء اللہ اسی کتاب کی دوسری جلد میں ان مذکورہ مسائل کی معرکۃ الآرا تحقیق کریں گے جس سے علمائے دیوبند کی منطق دانی کا بھی انشاء اللہ پتہ چل جائیگا اور مولوی حسین احمد صاحب و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے جو کچھ توجیہات عبارات کی ہیں ان کی حقیقت بھی معلوم ہو جاوے گی ان شاء اللہ ہم اہل سنت پر الزام ہے کہ ہم لوگ پیر پرست ہیں۔ نبی علیہ السلام کو اور اپنے پیروں کو خدا سے ملا دیتے ہیں۔ لہٰذا مشرک ہیں ہم دکھاتے ہیں کہ دیوبندی کس وجہ کے پیر پرست ہیں اور یہ حضرات اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے شیخ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے۔

شعر تمہاری تربت انور کو دیکر طور سے تشبیہ　　کہوں ہوں بار بار اَرِنیْ مری دیکھی بھی نادانی

مولوی رشید احمد صاحب کی قبر تو طور ہوئی اور مولوی محمود حسن صاحب ارنی فرمانے والے موسےٰ ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب رب ہی ہوں گے؟ اس میں شیخ کو رب بتایا۔ اسی مرثیہ میں فرماتے ہیں۔

شعر زبان پر اہلِ اہوا کی ہے کیوں اُعْلُ ھُبَلْ شاید　　اٹھا دُنیا سے کوئی بانیِ اسلام کا ثانی

اس میں مولوی رشید احمد صاحب کو بانی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی کہا گیا پھر فرماتے ہیں۔

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کہیئے عجب کیا ہے　　شہادت نے تہجد میں قدم بوسی کی گر ٹھانی

اس میں ان کو صدیق اور فاروق بھی بنایا۔ پھر فرماتے ہیں

شعر قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں　　عبیدِ سود کا اُن کا لقب ہے یوسفِ ثانی

مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے ماشاء اللہ ایسے حسین ہیں کہ اُن کو یوسدِ ثانی کا لقب دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ از خدا تا فاروق کونسا درجہ باقی رہا جو کہ رشید احمد صاحب کو نہ دیا گیا۔ تمام مرثیہ ہی قابلِ دید ہے اس میں یہ شعر بھی ہے۔

مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا　　اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم!

اس شعر میں مولوی صاحب نے حضرت روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مُرشد سے مقابلہ کا چیلنج دیا ہے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام آپ نے تو ایک کام ہی کیا یعنی مردوں کو زندہ کرنا۔ مگر میرے رشید احمد نے دو کام کیئے مردوں کو زندہ کیا اور زندہ کو مرنے نہ دیا۔ یعنی اس میں رشید احمد صاحب کو عیسیٰ علیہ السلام سے افضل بتایا۔

مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید نے مولوی موصوف کو لکھا کہ میں نے خواب کی حالت میں اس طرح کلمہ پڑھا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْرَفْ عَلِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ چاہتا تھا کہ کلمہ صحیح پڑھوں مگر یہ ہی منہ سے نکلتا تھا پھر بیدار ہو گیا۔ تو درود شریف پڑھا۔ تو یوں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی عَیْدِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلٰنَا اَشْرَفْ عَلِیْ بیدار ہوں مگر دل بے اختیار ہے۔

اس کا جواب مولوی اشرف علی صاحب نے یہ دیا کہ اس واقعہ میں تسلّی تھی کہ جس طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہٖ تعالیٰ متبع سنت ہے۔ ۲۴ شوال ۱۳۳۵ ماخوذ از رسالہ امداد بابت ماہ صفر ۱۳۳۶ھ صفحہ ۳۵ غور کرنا چاہئے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا کلمہ پڑھ لو اور ان پر درود پڑھو مگر بے اختیاری زبان کا بہانہ کر دو۔ سب جائز ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور کہے کہ بے اختیار زبان سے نکل گیا طلاق ہو جاتی ہے۔ یہ بہانا کافی مانا گیا۔ اور اس کو پیر کے متبع سنت ہونے کی دلیل قرار دیا گیا۔ تذکرۃ الرشید صفحہ ۴۶ میں ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی بھاوج اپنے مہمانوں کا کھانا پکا رہی ہیں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اُن سے فرمایا کہ اُٹھ تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکاوے۔ اس کے مہمان علماء (یعنی دیو بندی) ہیں اس کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا۔ (چشم بد دور)

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم کے آخر میں اپنے مرشد سید احمد صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان کا داہنا ہاتھ خاص اپنے دستِ قدرت میں پکڑ کر امور قدسیہ سے بہت بلند اور نادر چیزیں اُن کے سامنے پیش کیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا سیّد احمد صاحب کو حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا اگرچہ وہ لکھو کھہا ہی نہ ہوں ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے۔ اسی صراط مستقیم میں اولیاء کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اور اُن کو انبیاء کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے کیوں کہ ان کے درمیان بھی مِنْ وَجْهٍ نبوت کا علاقہ ہے۔ اور مِنْ وَجْهٍ اخوت کا یعنی اولیاء اللہ میں نبوت موجود ہے معاذ اللہ کہیئے آج تک کسی مُرید نے اپنے پیر و مُرشد کے لئے ایسی تعلیاں نہ کی ہوں گی۔ مگر ان حضرات پر فتویٰ شرک ہے نہ حکم کفر نہ یہ قبر پرست کہلائیں۔ جو کچھ عرض کیا گیا۔ نہ تو اس سے اپنی علمی لیاقت کا اظہار منظور ہے نہ اپنی قابلیت دکھانا مقصود۔ میں کیا اور میری لیاقت کیا اور قابلیت کیا۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مرشدی واستاذی قبلۂ عالم حامی دین، ناصرِ مسلمین مولانا الحاج سیّد محمد نعیم الدّین صاحب قبلہ مراد آبادی دام ظلہم الاقدس کے در کا صدقہ ہے مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے دوست و دشمن کو پہچانیں، دولت ایمان کو دینی راہزنوں سے محفوظ رکھیں اور کوشش کریں کہ دنیا سے ایمان سلامت لے جاویں اور جو بھی اس سے فائدہ اٹھائے۔ اس فقیر بے نوا کے لئے دعائے حسن خاتمہ کرلے۔ مولےٰ تعالیٰ اسلام کا بول بالا فرمادے۔ مسلمانوں کو راہِ مستقیم پر قائم رکھے اور اس فقیر حقیر کے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو قبول فرمادے۔ آمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بِجَاهِ حَبِیْبِکَ الرَّءُوْفِ الرَّحِیْمِ الْکَرِیْمِ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

ناچیز احمد یار خان نعیمی اشرفی اوجھانوی بدایونی سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان ۶ ذیقعد روز ایمان سافروز دوشنبہ مبارکہ ۱۳۶۱ھ

اس کتاب کو لکھ چکنے کے بعد حضور امیرِ ملت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلّہم کا گرامی نامہ تشریف لا کر باعثِ عزت افزائی ہوا۔ جس میں ایک ایمان افروز نہایت باریک علمی نکتہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور مجھے حکم ملا کہ وہ کتاب میں لکھ دوں۔ میں نہایت فخر سے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ جو لوگ حضور علیہ السلام کو اپنی طرح بشر کہتے ہیں وہ نور ایمانی سے بے بہرہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی شان تو بیان سے بالاتر ہے۔ جس چیز کو اُس ذات گرامی سے نسبت ہو جاوے اس کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا وہ بے مثل ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اے نبی کی بیویو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات بے مثل بیویاں ہیں۔ اے مسلمانو! تم بہترین اُمت ہو۔ معلوم ہوا کہ امتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل امت ہے۔ مدینہ منورہ بے مثل شہر۔ قبر انور کی زمین بے مثل زمین، جو پانی سرکار علیہ السلام کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا وہ بے مثل پانی۔ حضور علیہ السلام کا پسینہ مبارک بے مثل پسینہ غرضکہ جس کو اُس ذاتِ کریم سے نسبت ہو گئی وہ بے مثل و بے نظیر ہے تو کیا وجہ ہے منسوب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی یہ ساری بہار ہے وہ بے مثل نہ ہوں۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

مریم از یک نسبت عیسےٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نورِ چشم رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن
آں امام اوّلین و آخرین
بانوئے آں تاجدار ھَلْ اَتٰی
مرتضیٰ مشکل کشا شیرِ خدا
مادر آں مرکزِ پرکارِ عشق
مادر آں قافلہ سالارِ عشق!
رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست
پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفےٰ است
ورنہ گردِ تربتش گردیدمے
سجدہا بر خاکِ وے پاشیدمے

فاطمہ زہرا اس لیئے افضل ہیں کہ نبی کی لاڈلی، ولی کی بیوی، شہیدوں کی ماں ہیں رضی اللہ عنہا سبحان اللہ کیا طرزِ استدلال ہے اعلیحضرت قدس سرہٗ نے خوب فرمایا۔

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ!
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن بتاتا ہے کہ ایمان ہیں یہ
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلّم

قہر کبریا بر منکرین عصمتِ انبیاء

دیو بندیوں کی دریدہ دہنی اور توہین انبیاء نے لوگوں کو بارگاہ انبیاء میں بے ادبی کرنے پر دلیر کر دیا۔ ہندوستان میں ایک فرقہ وہ بھی پیدا ہو گیا۔ جو انبیاء کرام کو معاذ اللہ گنہگار بلکہ مشرک کافر بھی کہتا ہے کہ وہ سب حضرات خاکش بدہن پہلے مشرک و کفار تھے۔ اور گناہ کبائر کے مرتکب بھی۔ پھر توبہ کر کے نبی ہوئے میرے پاس صرف چوب قلم ہے اور کچھ اوراق جس سے ان عقائد باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور ناز کرتا ہوں کہ میری عزت و آبرو زبان و قلم عظمت انبیاء کے لئے ڈھال بنے سیدنا حسان نے کیا خوب فرمایا۔

فَاِنَّ اَبِی وَ وَالِدَتی وَ عَرضِی لِعَرضِ مُحمَّدٍمِنکُم وِقَاءَ

یہ رسالہ بہت دن ہوئے الفقیہ میں قسط وار شائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جاء الحق کے دوسرے ایڈیشن میں بطور ضمیمہ درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر نافع خلائق بنائے اسمیں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔

مقدمہ گناہ چند طرح کے ہیں۔ شرک، کفر، کبائر، پھر صغائر دو قسم کے بعض وہ جو دنائت اور ذلت طبع پر دلالت کرتے ہیں، جیسے چوری، کم تولنا وغیرہ۔ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعیتیں ہیں عمداً اور سہواً۔ نیز انبیائے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے نبوت کے بعد انبیائے کرام شرک، کفر بدعقیدگی کی گمراہی اور ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلہٖ تعالیٰ معصوم ہیں کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمداً سہواً ایک آن کے لئے بھی بدعقیدہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں' مدارج اور مواہب میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پایا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس سے آدم علیہ السلام کا پیدائشی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر استاذ پڑھا لکھا ہونا بھی کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا۔

اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا (پارہ ۱۶ سورہ ۱۹ آیت ۳۰) 'میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔"

نیز فرمایا۔ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ (پارہ ۱۶ سورہ ۱۹ آیت ۳۱)

"یعنی مجھے تاحین حیات' نماز' زکوٰۃ کا حکم دیا اور میں اپنی والدہ سے سلوک کرنیوالا بھی ہوں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی حکمت نظری یعنی رب کی ربوبیت اپنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے تھے اور حکمت عملی' تہذیب' اخلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن شریف میں ہی اپنی کافر قوم پر توحید کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سبحان اللہ آفتاب و چاند تاروں کے ڈوبنے اور ان کے حالات بدلنے کو انکی مخلوقیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا هٰذَا رَبِّیْ اے کافرو کیا رب میرا ایسا ہو سکتا ہے؟ اور ڈوبتا دیکھ کر فرمایا لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا بچپن شریف کی اس ساری گفتگو پاک پر بوعلی سینا اور فارابی کی ساری منطق قربان۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں۔ اَلْعَالَمُ مُتَغَیِّرٌ حَادِثٌ لِھٰذَا اَلْعَالَمَ حَادِثٌ پھر یوں کہتے ہیں کہ اَلْعَالَمُ حَادِثٌ وَلَا شَئی مِنَ الْحَادِثِ بِمَعْبُوْد اس طرز استدلال کو رب نے پسندگی کی سند بخش کر فرمایا وَتِلْکَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰھَاۤ اِبْرٰھِیْمَ عَلٰی قَوْمِہٖ حضور سید الانبیا ﷺ نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر امت کی شفاعت فرمائی (مدارج و مواہب) معلوم ہوا کہ رب کو اپنے کو اپنے مراتب کو اور اپنے درجات کو نیز امت مرحومہ کو جانتے پہچانتے پیدا ہوئے ہیں۔ بچپن میں بچوں نے کھیل کی رغبت دی۔ تو انہیں وہ جواب دیا کہ جس پر ارسطو و افلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہ ہی ایک جواب انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے فرمایا۔ مَا خُلِقْنَا لِھٰذَا ہم اس لئے پیدا نہیں ہوئے رب نے اسکی تائید یوں فرمائی کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ خود فرماتے ہیں ﷺ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔ تفسیرات احمدیہ میں لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر فرماتے ہیں۔ اِنَّھُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْکُفْرِ قَبْلَ الْوَحِی وَبَعْدَہٗ بِالْاِجْمَاع انبیاء کرام وحی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اس مختصر سی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں انکا دامن عصمت گمراہی سے کبھی بھی داغدار نہیں ہو سکتا رہے گناہ اُن کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام ارادۃً گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بعد۔ ہاں نسیاناً صادر ہو سکتے ہیں مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طرف سے انہیں متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

گناہ صغائر میں سے ذلیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں جو دناءت اور چھچھورے پن پر دلالت کریں اور وہ صغائر وایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں رہے احکام تبلیغیہ ان میں کمی بیشی کرنے یا چھپانے سے انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہ تو جان بوجھ کر صادر ہو نہ خطاءً یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیائے کرام کے لئے ہے کہ ان سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفی ﷺ کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا۔ یعنی ظہور نبوت سے پہلے اور اسکے بعد آپ نے کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ عمداً نہیں کیا۔ چنانچہ

تفسیرات احمدیہ میں آیت **لَا یَنَالُ عَھدِی الظّٰلِمِیْنَ** کی تفسیر میں ہے **لَا خِلَافَ لِاَحَدٍ فِی اَنَّ نَبِیَّنَا عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یُرْتَکِبْ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً طُرفَتَہ عَیْنٍ قَبْلَ الْوَحیِ وَبَعْدَہ اَبُو حَنِیفَتَہ فِی الفِقہِ الاَکْبَر۔** تفسیر روح البیان

آیت **مَا کُنْتَ تَدرِی مَا الکِتٰبُ** کی تفسیر میں ہے۔

یَدُلُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَبْلَ لَہ ھَلْ عَبَدتَّ وَثَناً قَطُّ قَالَ لَا قِیلَ ھَل شَرِبتَ خَمراً قَطُّ قَالَ لَا فَمَازِلتُ اَعرِفُ اَنَّ الَّذِی ھُم عَلَیْہِ کُفرٌ"

"یعنی حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔"

پہلا باب

عصمت انبیاء کا ثبوت

عصمت انبیاء قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اجماع امت دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار وہ ہی کرے گا۔ جس کے پاس دل و دماغ کی آنکھیں نہ ہوں۔

قرآنی آیات۔

۱) رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا۔

اِنَّ عِبَادِی لَیسَ لَکَ عَلَیهِم سُلطٰن" "اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں۔"

۲) شیطان نے خود بھی اقرار کیا تھا کہ۔

لَاُغوِیَنَّھُم اَجمَعِینَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنھُمُ المُخلَصِینَ "کہ اے مولیٰ میں ان سب کو گمراہ کرو ں گا سوا تیرے خاص بندوں کے۔"

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام تک شیطان کی پہنچ نہیں اور وہ انہیں نہ تو گمراہ کر سکے اور نہ بے راہ چلا سکے پھر ان سے گناہ کیونکر سرزد ہوں تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر ان کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانہ کے بے دین ان حضرات کو مجرم مانیں۔ یقیناً یہ شیطان سے بدتر ہیں

۳) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

مَا کَانَ لَنَا اَن نُشرِکَ بِاللہِ مِن شَیئٍ "ہم گروہ انبیاء کیلئے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شرک کریں۔"

۴) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

وَمَا اُرِیدُ اَن اُخَالِفَکُم اِلیٰ مَا اَنھٰکُم عَنہ (پارہ ۱۲ سورہ ۱۱ آیت ۸۸)

"میں اسکا ارادہ بھی نہیں کرتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کروں خو د کرنے لگوں۔"

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام شرک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے یہ ہی عصمت کی حقیقت ہے۔

۵) یوسف علیہ السلام نے فرمایا وَمَا اُبَرِّیُٔ نَفسِی اِنَّ النَّفسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّی

"یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو برائی کا حکم کرتے ہیں سوا ان نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس انبیاء ہیں۔"

معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نفوس انہیں فریب دیتے ہی نہیں۔

۶) رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللہَ اصطَفیٰ اٰدَمَ وَ نُوحًا وَّ اٰلَ عِمرَانَ عَلَی العٰلَمِینَ جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام سارے جہان سے افضل ہیں تو ملائکہ معصومین بھی داخل ہیں۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ لَا یَعصُونَ اللہَ مَا اَمَرَھُم وہ کبھی نافرمانی کرتے ہی نہیں۔ اگر انبیاء گنہگار ہوں تو ملائکہ ان سے بڑھ جائیں۔

۷) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا یَنَالُ عَھدِی الظّٰلِمِینَ ہمارا عہد نبوت ظالمین یعنی فاسقین کو نہ ملے گا معلوم ہوا کہ فسق و نبوت جمع ہو سکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام کے اقوال کو نقل فرمایا۔

لَیسَ بِی ضَلٰلَۃٌ وَّ لٰکِنِّی رَسُولٌ مِّن رَّبِّ العٰلَمِینَ (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت ۶۱)

"اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں لیکن میں رب العٰلمین کا رسول ہوں۔"

لٰکِنِّی سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی نور و ظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث۔

۱) مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا لہذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

۲) اسی مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت ولادت شیطان مارتا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کو پیدائش میں چھو بھی نہ سکا معلوم ہوا کہ یہ دو پیغمبر شیطانی وسوسہ سے محفوظ ہیں۔

۳) مشکوٰۃ کتاب الغسل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوتا کہ اسمیں شیطانی اثر ہے بلکہ ان کی بیبیاں بھی احتلام سے پاک ہیں۔

۴) انبیائے کرام کی جمائی نہیں آتی کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔ اسی لئے اس وقت لاحول پڑھتے ہیں۔

۵) مشکوٰۃ شریف علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک چاک کرکے اس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نفس قدسیہ شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اسے ماء زمزم سے دھویا گیا۔

۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گزرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ معلوم ہوا جن پر پیغمبر کی نظر کرم ہو جائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھنا۔

اقوال علماء اُمت ہمیشہ سے امت مصطفیٰ ﷺ کا عصمت انبیاء پر اجماع رہا سوا فرقہ ملعونہ حشویہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا چنانچہ شرح عقائد نسفی شرح فقہ اکبر، تفسیرات احمدیہ، تفسیر روح البیان، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، شفا شریف، نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

تفسیر روح البیان آیت مَا کُنتَ تَدرِی مَا الکِتٰبُ الآیہ کی تفسیر میں ھے فَاِنَّ اَھلَ الوُصُولِ اِجتَمعُوا عَلیٰ اَنَّ الرُّسُلَ عَلَیھِم السَّلَامُ کَانُوا مُئومِنِینَ قَبلَ الوَحیِ مَعصُومِینَ مِنَ الکَبَائِرِ وَ مِنَ الصَّغَائِرِ المُوجِبَۃِ لِنَفرَۃِ النَّاسِ عَنھُم قَبلَ البِعثَتِ وَبَعدَ ھَا فَضلاً عَنِ الکُفرِ

یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام وحی سے پہلے مومن تھے اور گناہ کبیرہ نیز ان صغائر سے جو نفرت کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے اور بعد بھی چہ جائیکہ کفر۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے۔

اِنَّھُم مَعصُومُونَ عَنِ الکُفرِ قَبلَ الوَحیِ وَ بَعدَہ بِالاجمَاعِ وَ کَذٰا عَن تَعمُّدِ الکَبَائِرِ عِندَ الجَمھُورِ

"انبیاء کرام کفر سے قبل وحی اور بعدہ بالاتفاق معصوم ہیں ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیدہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔"

غرضکہ امت مرحومہ کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اسکے لئے زیادہ عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

عقلی دلائل عقل بھی چاہتی ہے کہ انبیائے کرا کفر و فسق سے ہمیشہ معصوم ہوں چند وجوہ سے۔

۱) کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا شی کیا غواسے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء کرا عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں نیز ان کے نفوس پاک ہیں اور وہ شیطانی اثر سے محفوظ ہیں۔ جب یہ تینوں وجہیں نہیں تو اب ان سے کفر اور فسق کیونکر سرزد ہو۔

۲) فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں۔

۳) فاسق کی مخالفت ضروری ہے اور نبی کی اطاعت فرض کہ بہرحال انکی فرمانبرداری کی جائے اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہو اور مخالفت بھی اور یہ اجتماع ضدین ہے۔

۴) فاسق کی بات بلا تحقیق نہ ماننی چاہیئے رب تعالیٰ فرماتا ہے اِن جَآءَ کُم فَاسِقٌ بِنَبَاءٍ فَتَبَیَّنُوا اور نبی کی ہر بات ماننی فرض ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے مَا کَانَ لِمُئو مِنٍ وَّلَا مُئو مِنَتہٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُولُہ اَمراً اَن یَّکُونَ لَھُمُ الخَیَرۃُ اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان بات بلا تحقیق ماننا بھی ضروری اور نہ ماننا بھی۔ اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

۵) گنہگار سے شیطان راضی ہے اسی لئے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے اور نیک کار سے رحمان خوش اسی لئے وہ حزب اللہ سے ہے اگر پیغمبر ایک آن کے لئے بھی گنہگار رہوں تو معاذ اللہ وہ شیطانی گروہ میں سے ہوں گیا اور یہ ناممکن ہے۔

۶) فاسق سے متقی افضل رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَم نَجعَلُ المُتَّقِینَ کَالفُجَّارِ اگر نبی کسی وقت گناہ کریں اور اس وقت ان کا امتی نیکی کر رہا ہو تو لازم آویگا کہ امتی اس گھڑی نبی سے افضل ہو اور یہ باطل ہے کہ کوئی امتی ایک آن کے لئے بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

۷) بدعقیدہ کی تعظیم حرام ہے حدیث میں ہے۔

مَن وَقَّرَ صَاحِبَ بِدعَۃٍ فَقَد اَعَانَ عَلٰی ھَدمِ الاِسلَامِ "جس نے بدعقیدہ کی تعظیم کی اس نے اسلام ڈھانے پر مدد دی۔"

اور نبی کی تعظیم واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتُعَزِّرُوہُ وَ تُوَقِّرُوہ اگر نبی ایک آن کے لئے بے دین ہوں تو ان کی تعظیم واجب بھی ہو اور حرام بھی۔

۸) گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیلہ سے ہے رب فرماتا ہے وَلَو اَنَّهُمۡ اِذ ظَّلَمُوا اَنفُسَهُم جَائُوکَ الآیۃ اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہو کر ان کے وسیلہ سے استغفار کرنے کی دعوت دی گئی۔ اگر اکش بدہن آپ کا دامن عفت گناہوں سے آلودہ ہو تو بتاؤ پھر آپکا وسیلہ کون ہوگا؟ اور کس کے ذریعے آپکی معافی ہوگی۔ جو سب مجرموں کا وسیلہ مغفرت ہو ضروری ہے کہ وہ جرموں سے پاک ہو اگر وہ بھی گنہگار ہو تو پھر ترجیح بلا مرجح کا سوال پیدا ہوگا اور دور یا تسلسل لازم ہوگا۔

۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے موتی کا ڈبہ بھی قیمتی ہوتا ہے سنہری زیورات کا بکس بھی قیمتی دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ دودھ خراب نہ ہو جائیکارخانہ قدرت میں نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے بہا نعمت ہے تو چاہیئے کہ اس کا ظرف یعنی انبیاء کے دل کفر و فسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک و صاف ہوں اسی لئے رب نے فرمایا اَللّٰہُ یَعلَمُ حَیثُ یَجعَلُ رِسَالَتَہ اللہ ہی ان نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

۱۰) فاسق او فاجر کی خبر بغیر گواہی قابل اعتماد نہیں۔ اگر انبیاء کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صدہا گواہیوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابو خزیمہ انصاری نے اونٹ کے متعلق یہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت جنت و دوزخ حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ان پر ایمان لے آئے تو اس زبان سے سن کر یہ کیوں نہ مان لیں کہ واقعی آپ نے اونٹ لیا ہے۔ جس کے انعام میں حضور نے ان ایک کی گواہی دو کے برابر کردی۔

دوسرا باب

عصمت انبیاء پر اعتراضات وجوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ اجمالی جواب عرض کئے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے وہ یہ کہ عصمت انبیاء قطعی واجمالی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور احادثیں ہیں وہ قبول نہیں۔ راوی کو جھوٹا ماننا۔ پیغمبر کو گناہ گار ماننے سے آسان ہے اور وہ قرآنی آیات اور متواتر روایات جن سے ان حضرات کا جھوٹ یا کوئی او گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب التاویل ہیں۔ کہ ان کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں گے یا کہا جائیگا کہ یہ واقعات عطائے نبوت سے پہلے کے تھے۔ تفسیرات احمدیہ آیت **لَا یَنَالُ عَھدِی الظّٰلِمِینَ** کی تفسیر میں ہے **وَاِذا تَقَرَّرَ ھٰذَا فَمَا نُقِلَ عَنِ الاَنبِیَاءِ مِمَّا یَشعُرُ بِکَذب اَو عِصیَته فَمَا کَانَ مَنقُولاً بِطَرِیقِ التَّوَاتِرُ فَمَصرُف عَن ظَاھِرِہٖ اِن اَن اَمکَنَ اِلَّا فَمَحمُول" عَلیٰ تَرکِ الاَولیٰ اَو کَونِہٖ قَبلَ البُعثَتِ** بلکہ مدارج النبوۃ شریف جلد اول باب چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آئتیں متشابہات کی مثل ہیں۔ جن می خاموشی لازم دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس، غنی، علیم، قادر مطلق بلکہ تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہونا قطعی اجماعی ہے مگر بعض آئتیں ظاہری معنی کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں رب فرماتا ہے رب فرماتا ہے **یُخٰدِعُونَ اللهَ وَھُوَ خَادِعُھُم** وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں رب انہیں اور فرماتا ہے **مَکَرُوا وَ مَکَرَ الله** انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے اور فرماتا ہے **فَاَینَمَا تُوَ لوافَثَم وَجهُ الله** جدھر تم منہ کرو ادھر ہی رب کا منہ ہے فرماتا ہے **یَدُ اللهِ فَوقَ اَیدِیھِم** ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے فرماتا ہے **ثُمَّ استَوٰی عَلَی العَرشِ** پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوگیا۔ رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابری مکر اور دھوکہ سے پاک و منزہ ہے اور ان آیتوں میں بظاہر یہ ہی ثابت ہو رہا ہ لہذا واجب ہے کہ ان میں تاویل کی جائے بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کئے جائیں جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار مانے وہ بے ایمان ہے ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنی کرکے انبیائے کرام کو فاسق یا مشرک جانے وہ بے دین ہے یہ ایک جواب ہی انشاء اللہ تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دے گا مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کئے دیتے ہیں۔

اعتراض ۱ ابلیس نے بھی سجدہ نہ کرکے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام نے بھی گندم کھا کر یہ جرم کیا۔ دونوں کو سزا بھی یکساں دی گئی کہ اسے فرشتوں کی جماعت س اور انہیں جنت سے خارج کردیا گیا جرم وسزا میں دونوں برابر ہوئے بعد میں آدم علیہ السلام نے توبہ کرکے معافی حاصل کرلی۔ ابلیس نے یہ نہ کیا معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہ تھے۔ (طوطحہ شریعت کانپور)

جواب یطان سجدہ نہ کرنے میں مجرم بھی تھا اور سزا یاب بھی ہوا۔ آدم علیہ السلام گندم کھانے میں نہ گنہگار تھے اور نہ انہیں کوئی سزا دی گئی کیونکہ شیطان نے دیدہ دانستہ سجدہ سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب کو غلط سمجھ کر اس کے بالمقابل گفتگو کرنیکی ہمت کی کہ بولا **خَلَقتَنِی مِن نَّارٍ خَلَقتَه مِن طِین** جس کی سزا میں فرمایا گیا کہ **فَاخرُج مِنھَا فَاِنَّکَ رَجِیم" وَاِنَّ عَلَیکَ لَعنَتِی اِلیٰ یَومِ الدِّینِ** گویا یہ زمین اس کے لئے کالے پانی کی طرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل وخوار اولاحول کے کوڑے کھاتا پھرے۔ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا **نَسِیَ وَلَم نَجِد لَه عَزمًا** کہیں فرمایا **فَاَزَلَّھُمَا الشَّیطٰنُ** کہیں فرمایا **فَوَسوَسَ لَھُمَا الشَّیطٰنُ** غرضکہ اس واقعہ کا ذمہ دار تو شیطان کو بنایا اور ان کے متعلق فرمایا کہ دھوکہ کھا گئے ان سے خطا ہوگئی دھوکہ یہ ہوا کہ ان سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جانے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جایئے میں لا دیتا ہوں آپ کھالیجئے اور جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے اور میں آپ کا خیر خواہ ہوں آپ سمجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا یا لاتقربا ممانعت تنزیہی سمجھے اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو۔ یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رہا زمین پر آنا۔ رب تعالیٰ نیا نہیں زمین ہی کی خلافت کے لئے پیدا کیا تھا کہ فرمایا **اِنِّی جَاعِل" فِی الاَرضِ خَلِیفَتَه** جنت میں تو کچھ روز اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر اسی طرح زمین کو آباد کریں گویا وہ جگہ ان کی ٹریننگ کی تھی کہ ٹریننگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ ان کو زلا کر اس لئے بھیجا گیا کہ تمام فرشتوں نے سوائے گریہ وزاری ساری عبادتیں کی تھیں دردِ دل ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ملائکہ سے افضل ہوا جنت کا بہانہ تھا در حقیقت اپنے عشق میں رُلانا تھا۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں
اے خیال یار کیا کرنا تھا اور کیا کردیا تُو تو پردہ میں رہا اور مجھ کو رسوا کردیا

یہ راز وہ سمجھے جو لذت عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا اخرج منہا اور یہاں فرمایا گیا اِهبطُوا مِنهَا جَمِیعاً جس میں بتایا کہ تم کچھ عرصہ کے لئے زمین میں بھیجے جا رہے ہو۔ پھر اپنی کروڑہا اولاد کے ساتھ واپس یہیں آؤ گے یعنی دو جا رہے ہو اور کروڑوں کو ساتھ لاؤ گے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہم کو جنت سے نہ نکالا۔ بلکہ ہم نے انہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیوں کہ ان کی پشت شریف میں کفار فساق سب ہی کی روحیں تھیں جو کہ جنت کے قابل نہ تھے حکم ہوا کہ اے آدم نیچے جا کر ان خُبثا کو چھوڑ آو۔ پھر آپ کی جگہ یہ ہی ہے (مرقات باب الایمان بالقدر و روح البیان آیت فَازَلَّهُمَا الشَّیطٰنُ (۲) شیطان کا زمین پر آنا پردیس میں آنا ہے مگر آدم علیہ السلام کا یہاں آنا پردیس میں آنا نہیں کیونکہ آدم جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے اور ان کا جسم چونکہ زمین پر اور مٹی سے بنا لہذا زمین انکا وطن جسم ہوئے اور عالم ارواح گویا وطن روح وطن روح سے وطن جسم کی طرف آئے جوانسا نمر کر جنت میں گیا۔ وہ پردیس میں نہیں بلکہ وطن جسم سے وطن روح میں گیا۔ مگر شیطان کی پیدائش آگ سے ہے لہذا زمین اس کے لئے پردیس ہوا۔ (۳) اگر آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا عذاب ہوتا تو یہاں انہیں خلیفہ نہ بنایا جاتا۔ ان کے سر پر تاج نبوت نہ رکھا جاتا ان کی اولاد میں انبیاء و اولیاء خصوصاً سید الانبیا ﷺ پیدا نہ فرمائے جاتے ملزم کو معافی دیکر قید سے نکالتے ہیں۔ شاہی محل میں لاکر پھر اس پر انعامات کی بارش کرتے ہیں نہ کہ جیل خانہ میں ہی رکھ کر حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی ظاہری خطا چھوٹوں کے لئے عطا ہوتی ہے دنیا اور یہا کی ساری نعمتیں اس خطائے اول کا ہی صدقہ ہی لطف یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے لئے دانہ گندم خطا قرار دیا گیا۔ اور ان کی اولاد کے لئے وہ ہی غذا تجویز ہوئی۔

اعتراض ۲ حضرت آدم وحوّا نے اپنے ایک بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ حارث شیطان کا نام ہے اس کو قرآن کریم نے فرمایا فَلَمَّا اٰتٰهُمَا صَلِحاً جَعَلَا لَه شُرَکَآءَ جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کا یہ کام بھی شرک تھا۔ ثابت ہوا کہ پیغمبر شرک بھی کر لیتے ہیں۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم وحوا مراد ہیں

جواب آدم علیہ السلام اس قسم کے عیب سے پاک ہیں معترض نے اس آیت میں دھوکا دیا ہے۔ بہت سے سرین فرماتے ہیں کہ جَعَلَا کا فاعل قصی اور اس کی بیوی ہے کیونکہ خَلَقَکُم مِن نَفس وَّاحِدَۃ وَّ جَعَلَ مِنهَا زَوجَهَا کے معنی یہ ہیں کہ اے قریش رب نے تمہیں ایک جان یعنی قصی سے پیدا فرمایا۔ اواسکا نام عبدالحارث رکھ دیا (تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں اور بعض نے فرمایا جَعَلَا میں مضاف پوشیدہ ہے اور اس کا فاعل اولاد آدم وحوا ہی ہیں یعنی آدم وحوا کی بعض اولاد نے شرک شروع کر دیا (دیکھو روح البیان و مدارک وغیرہ) اسی لئے آگے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ فَتَعَالَی اللّٰهُ عَمَّا یُشرِکُونَ اگر یہ فعل حضرت آدم وحوّا کا ہوتا تو یشرکان تثنیہ کا صیغہ ارشاد ہوتا۔ نیز ایک معمولی سی خطا یعنی گندم کھالینے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہیے تھا کہ شرک کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا لیکن بالکل نہ ہوا۔ حاکم کی یہ روایت بالکل معتبر نہیں کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور عصمت پیغمبر یقینی و قطعی

اعتراض ۳ رب تعالیٰ فرماتا ہے فَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّه فَغَوٰی آدم علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی پس گمراہ ہو گئے اس سے آدم علیہ السلام کا گناہ اور گمراہی دونوں معلوم ہوئے۔

جواب یہاں مجازاً خطا کو عصیان فرمایا گیا اور غوی کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ پانا ہیں یعنی حیات دائمی کے لئے گندم کھایا تا وہ ان کو حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ گندم سے بجائے نفع کے نقصان ہوا یعنی اپنے مقصد کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہ ہی آیت۔ جب رب نے ان کے بھول جانیکا بار بار اعلان فرمایا تو عصیٰ سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں پیدا کرنا ہے۔

اعتراض ٤ ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا هٰذَا رَبِّی اور یہ صریحی شرک ہے معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ کی۔

جواب اس کا جواب مقدمہ میں گزرا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی ارشاد کیا کہ لَآ اُحِبُّ الاٰفِلِینَ کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا وَ کَذٰلِکَ نُرِی اِبرٰهِیمَ مَلَکُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَلِیَکُونَ مِنَ المُوقِنِینَ پھر ستارے دیکھنے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا وَتِلکَ حُجَّتُنَآ اٰتَینٰهَآ اِبرٰهِیمَ

عَلیٰ قَومِهٖ اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عالم دیکھنے کے بعد تاروں کا واقعہ ہوا اور رب نے اس کلام کی تعریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تعریف فرمانا کیسا؟ پھر تو سخت عتاب ہونا چاہیے۔

اعتراض ۵ ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا اِنّی سَقِیم" (قرآن) میں بیمار ہوں خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا بَل فَعَلَه کَبِیرُهُم هٰذَا اس بڑے بت نے یہ کام کیا اپنی بیوی سارہ کو فرمایا هٰذِهٖ اُختِی یہ میری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بحالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں منہ سے کفر بھی نکال دینے کی اجازت ہے اَلّا اکرِهَ وَ قَلبه مُطمَئن بِالایمَانِ جن موقعوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے وہاں یا تو خطرہ جان تھا یا خطرہ عصمت تھا وہ ظالم بادشاہ آپ سے حضرت سارہ کو جبراً چھینا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کو خطرہ جان تھا اسلئے یہ فرمایا۔

(روح البیان آیت فَعَلَه کَبِیرُهُم لہذا یہ فعل گناہ نہ ہوا دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اسمیں بعید معنیٰ مراد لئے گئے ہیں جسے توریہ کہتے ہیں توریہ ضرورتاً جائز ہے نبی کریم ﷺ نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائیگی دیکھو ایک شخص نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دونگا۔ ایک صحابی کو آنکھوں پر ہاتھ رکھ کہ فرمایا کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکوٰۃ باب المزاح) حضرت سارہ کو بہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی نہ کہ نسبی۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلا پاس دو فرشتے بشکل مدعیٰ علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ هٰذَا اَخِی لَه تَسع" وَ تِسعُونَ نَعجَتَه یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں یہاں بھائی اور بکریوں کے مجازی معنیٰ مراد ہیں ایسے ہی آپ کا یہ فرمانا کہ اِنّی سَقِیم" اسکے معنیٰ ہیں میں بیمار ہونے والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار جیسے اِنَّکَ مَیّت" وَّ اِنَّهم مَیّتُونَ یا سَقِیم" سے دلی بیماری یعنی ناراضی و رنج مراد ہے یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے اسی طرح بَل فَعَلَه کَبِیرُهُم میں کبیر سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور هٰذَا سے اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹی معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹے معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا سمجھتے ہو نبی کا کام رب کا کام ہے وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یا فَعَلَه شک کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے کیا ہوگا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ سچ کا احتمال نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب نے یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند عطا فرمائی۔ چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا وَلَقَد اٰتَینَا اِبرَاهِیم رُشدَهٗ الایہ معلوم ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد و ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا وقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِذ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلب سَلِیم اِذقَالَ لِاَبِیهِ (الایہ) جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامت طبیعت پر دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

اعتراض ٦ داؤد علیہ السلام نے پرائی عورت یعنی اوریا کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورہ ص میں ہے اور فعل یقیناً جرم ہے۔

جواب مؤرخین نے داؤد علیہ السلام کے قصہ میں کچھ زیادتی کردی ہے اور جو کچھ احادیث احاد میں ہے وہ بھی نامقبول۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی داؤد علیہ السلام کا قصہ قصے کہانیوں کی طرح بیان کریگا میں اسے ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤں گا یعنی تہمت کی سزا ۸۰ کوڑے ہیں اور اسکو دُگنے لگیں گے (روح البیان سورہ ص قصہ داؤد) واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد علیہ السلام نے بھی اسے پیغام پر پیغام دے دیا۔ اس نے آپ کے ساتھ نکاح کرلیا۔ اور یہ شخص نکاح نہ کرسکا چنانچہ۔

تفسیرات احمدیہ آیت لَا یَنَالُ عَهدِی الظّٰلِمِینَ کی تفسیر میں ہے وَعَن دَاوٗدَ بِکَونِهٖ اِقدَاماً عَلَی الفِعلِ المَشرُوعِ وَهُوَ نِکَاحُ المَطوبَتِهٖ لَا نَظرُه مَنکُوتَه مگر چونکہ اس جائز کام سے بھی نبوت کی شان بلند و بالا ہے اسلئے رب تعالیٰ نے ان کے احترام کو زیادہ فرماتے ہوئے دو فرشتوں کو ایک فرضی مقدمہ لے کر بھیجا اور انہوں نے اپنی طرف نسبت کر کے آپ سے فیصلہ کرا کر اشارتاً سمجھا دیا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے اور انبیاء کا رب تعالیٰ کے ہاں کتنا احترام ہے کہ نہایت عمدہ طریقہ سے انہیں معاملہ سمجھایا گیا۔ رب تو اُن کی عظمت فرمائے اور یہ بے دین ان حضرات پر نظر بد کا اتہام لگائیں، خدا کی پناہ۔

اعتراض ۷ یوسف علیہ السلام نے عزیز کی بیوی زلیخا سے گناہ کا ارادہ کیا جسے رب فرما رہا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا ارادہ کرلیا اگر اپنے رب کی برھان نہ دیکھتے تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ دیکھو کتنا بڑا گناہ تھا جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہوا؟

جواب یوسف علیہ السلام ارادہ گناہ تو کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہے کہ انہوں نے اس کا ارادہ کرلیا تھا وہ کافر ہے روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے فَمَنْ نَسَبَ اِلَی الاَنْبِیَآءِ الفَوَاحِشَ کَالعَزْمِ عَلَ الزِّنَاءِ وَ نَحوِهٖ الَّذِی یَقُوْلُه الحَشوِیَّتُه کَفَرَ لِاَ نَّه شِتم لَّهُم کَهٗ فی القُنیِته رہا تمہارا اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ وَلَقَدْ هَمَّت بِه پر وقف کردو اور هَمَّ بِهَا سے علیحدہ آیت شروع ہو۔ معنیٰ یہ ہوئے کہ بیشک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کرلیا اور وہ بھی قصد کرلیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ اب کوئی اعتراض نہ رہا یہ معنیٰ نقلاً وعقلاً ہر طرح صحیح ہیں خازن نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے۔ وَلَو لَا اَن رَّءٰ بُرهَانَ رَبِّهٖ لَهَمَّ بِهَا مدارک شریف میں ہے کہ وَمِن حَقِّ القَارِی اِذَا قَدَرَ خُرُوْجَه مِن حُکمِ القَسَمِ وَجَعَلَه کَلَاماً بِرَاسِهٖ اَن یَقِفَ عَلیٰ بِهٖ وَیَبتَدِی بِقَولِهٖ وَهَمَّ بِهَا قاری کو چاہئے کہ بہٖ پر وقف کرے اور هَمَّ بِهَا سے آیت شروع کرے اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس مقام پر زلیخا کی تو تیاریاں بیان فرمائی وَغَلَّقَتِ الاَبوَابَ وَ قَالَتْ هَیتَ لَکَ کہ اس نے آپ کو ہر طرح راغب کرنے کی کوشش بھی کی اور بلایا بھی دروازہ بھی بند کرلیا۔ مگر یوسف علیہ السلام کی بیزاری نفرت وعصمت کا ہی ذکر فرمایا۔

قَالَ مَعَاذَ اللهِ اِنَّه رَبِّیٓ اَحسَنَ مَثوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفلِحُ الظّٰلِمُوْنَ

"خدا کی پناہ وہ میرا مربی ہے اس کے مجھ پر احسانات ہیں ایسی حرمت ظلم ہے اور ظالم کامیاب نہیں۔"

اور پھر فرمایا کَذٰلِکَ لِنَصرِفَ عَنهُ السُّوْءَ وَ الفَحشَآءَ فحشاء سے زنا اور سوء سے ارادہ زنا مراد ہے معلوم ہوا کہ رب نے ارادہ زنا سے بھی ان کو محفوظ رکھا۔ آرکار زلیخا نے بھی یہی کہا کہ۔

اَلاٰنَ حَصحَصَ الحَقُّ اَنَا رَاوَدتُّه عن نَفسِهٖ وَ اِنَّه لَمِنَ الصّٰدِقِینَ "کہ میں نے ہی انہیں رغبت دینے کی کوشش کی تھی۔" وہ تو سچے ہیں بلکہ شیر خوار بچے سے بھی ان کی پاکدامنی اور زلیخا کی خطا کاری کی گواہی دلوادی کہ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن اَهلِهَا عزیز مصر نے بھی یہی کہا یُوسُفُ اَعرِض عَن هٰذَا وَ استَغفِرِی لِذَنبِکِ اِنَّکِ کُنتِ مِنَ الخٰطِئِینَ اے زلیخا تم اپنے گناہ سے توبہ کرو تم ہی خطا کار ہو دیکھو شیر خوار بچے عزیز مصر خود زلیخا بلکہ خود رب تعالیٰ نے ان کے بے گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔ اگر زلیخا کی طرح وہ بھی ارادہ گناہ کرلیتے تو آپ بھی ملزم ہوتے اور یہ گواہیاں غلط ہو جاتیں اور وہاں صرف یہ ہوتا کہ زلیخا نے جرم کی ابتداء کی مگر بعد میں آپ بھی اس میں شریک ہوگئے۔ نیز اگر یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کیا ہوتا تو ان کی توبہ اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔ تفسیر مدارک میں ہے۔ وَلَاَنَّه لَو وُجِدَ مِنهُ ذٰلِکَ لَذُکِرَت تَوبَته وَ اِستِغفَارُه غرضکہ اس آیت کے یہ معنیٰ کرنا بہت بہتر ہیں وہ بھی ارادہ کرلیتے اگر رب کی بُرھان نہ دیکھتے، تفسیر کبیر نے فرمایا لولا کا جواب اس پر مقدم بھی ہوسکتا ہے جیسے آیت میں ہے۔ اِن کَادَت لَتُبدِی بِهٖ لَولَا اَن رَّبَطنَا عَلیٰ قَلبِهَا (تفسیر کبیر آیت وَلَقَد هَمَّت بِهٖ) دوسری تفسیر یہ ہے کہ بہٖ پر وقف نہ بلکہ بھا تک ایک ہی جملہ مانو اور آیت کے معنیٰ یہ ہوں بے شک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا ھَمّ کرلیا۔ لیکن اب ان دونوں ھَمّوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔

هَمَّت بِه میں ھم کے معنیٰ ارادہ زنا ہیں اور هَمَّ بِهَا میں اس کے معنی ہیں قلب کی غیر اختیار رغبت جس کے ساتھ قصد نہیں ہوتا یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور ان کے دل میں رغبت غیر اختیاری پیدا ہوئی جو نہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روزہ میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس طرف دل راغب تو ہوتا ہے مگر اسکے پی لینے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا صرف ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے اگر دونوں ھموں کے ایک ہی معنے ہوتے تو دوجگہ یہ لفظ نہ بولا جاتا۔ بلکہ وَلَقَد هَمَّا تثنیہ سے کہہ دینا کافی تھا یعنی ان دونوں نے قصد کرلیا دیکھو مَکَرُوا و مَکَرَ اللهُ کہ یہاں پہلے مکر کے معنیٰ ہی اور ہیں اور دوسرے مکر کا مقصد ہی کچھ اور تفسیر خازن میں ہے قَالَ الاِمَامُ فَخرُ الدِّینِ اِنَّ یُوسُفَ عَلَیهِ السَّلَام

كَانَ بَرِيْئًا مِن العَمَلِ البَاطِلِ وَالهَمِّ المُحَرَّمِ خیال رہے کہ زلیخا نے دروازہ پر عزیز مصر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام کو زنا کی تہمت لگائی بلکہ ارادہ زنا کی کہا قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهلِكَ سُوءً اِلَّا اَنا يُسجَنَ جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اسکی سزا جیل کے سوا اور کیا ہے۔ اسی کی تردید یوسف علیہ السلام نے فرمائی کہ هِيَ رَاوَدَتنِي عَن نَفسِي بدکاری کا ارادہ اسی نے کیا تھا۔ اس کی تردید شیر خوار بچہ نے بھی کی اور اسکی تردید مصری عورتوں نے بھی کیا وراس کی تردید آخر کار خود زلیخا نے بھی کر کے اپنا جرم قبول کر لیا اب اگر هَمَّ بِهَا کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے زلیخا کی تائید کی اور ان سب حضرات کی تردید اور یہ کلام کے مقصد کے خلاف ہے یہ تقریر بہت خیال رہے ان شاء اللہ کام آئے گی۔

اعتراض ۸ موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو جان سے مار دیا اور فرمایا هٰذَا مِن عَمَلَ الشَّيطٰنِ کہ یہ شیطان کام ہے معلوم ہوا کہ آپ نے ظلماً قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔

جواب آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا بلکہ قبطی ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑانا تھا جب قبطی نے نہ چھوڑا آپ نے ہٹانے کے لئے چپت لگادی۔ وہ طاقت نبی کی نہ برداشت کر سکا مر گیا تو یہ قتل خطأ ہوا اور انبیاء سے خطا ہو سکتی ہے نیز یہ واقعہ عطائے نبوت سے پہلے کا ہے روح البیان میں ہے۔ كَانَ هٰذَا قَبلَ النُّبُوَّةَ نیز وہ قبطی کافر حربی تھا جس کا قتل جرم نہیں آپ نے تو ایک ہی قبطی کو مارا۔ کچھ دنوں بعد تو سارے ہی قبطی غرق کر دیئے گئے۔ رہا اسفعل کو عمل شیطان فرمانا۔ یہ آپ کی انتہائی کسرنفسی اور عاجزی کا اظہار ہے کہ خلاف اولیٰ کام کو بھی اپنی سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا جب قبطیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا فَغَفَرَ لَه اور ظَلَمتُ نَفسِي سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خطا پر بھی بولے جاتے ہیں یا ہٰذا سے قبطی کا ظلم مراد ہ یعنی یہ ظلم شیطانی کام ہے۔

اعتراض ۹ رب تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ سے فرمایا وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى معلوم ہوا کہ آپ بھی پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی۔

جواب یہاں جو کوئی بھی ضال کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُم وَمَا غَوٰى (پارہ ۲۷ سورہ ۵۳ آیت ۲) ”تمہارے محبوب ﷺ نہ کبھی گمراہ ہوئے نہ بہکے۔“

یہاں ضال کے معنی وارفتہ محبت الٰہی ہیں اور ہدایت سے مراد درجہ سلوک ہے یعنی رب نے آپ کو اپنی محبت میں سرشار اور وارفتہ پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا۔ برادران یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا اِنَّكَ لَفِي ضَلٰلِكَ القَدِيمِ یا اِنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ مُبِين یہاں ضلال بمعنی وارفتگی محبت ہیں۔ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت جلد اول باب پنجم میں فرمایا کہ عربی میں ضال وہ اونچا درخت ہے جس سے لگے ہوئے لوگ ہدایت پائیں یعنی اے محبوب ہدایت دینے والا بلند و بالا درخت رب نے تمہیں کو پایا کہ جو عرش فرش ہر جگہ سے نظر آئے لہٰذا تمہارے ذریعہ خلقت کو ہدایت دے دی ھدٰی کا مفعول عالم لوگ ہیں نہ کہ نبی ﷺ اور بھی اس کے بہت سے معنی کئے گئے ہیں۔

اعتراض ۱۰ رب فرماتا ہے لِيَغفِرَلَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ یعنی رب تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے۔ معلوم ہوا کہ آپ گنہگار تھے۔ حضور علیہ السلام بھی ہمیشہ اپنے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے اگر گنہگار نہ تھے تو استغفار کیسی؟

جواب اس کے عند جواب ہی ایک یہ کہ مغفرت سے مراد عصمت اور حفاظت ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ گناہ ہونے رکھے۔

روح البیان اَلمُرَادُ بِالمَغفِرَةِ الحِفظُ وَ العَصمَته اَزلاً وَ اَبداً فَيَكُونُ المَعنىٰ يَحفَظُكَ مِنَ الذَّنبِ المَتَقَدِّمِ وَ المَتَاخِرِ دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے کی خطائیں مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ ذنبک میں ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی آپ کی امت کے گناہ جیسے کہ لک فرمانے سے معلوم ہوا۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری امت کے گناہ معاف کرے اگر آپ کے گناہ مراد ہوتے تو لک سے کیا فائدہ ہوتا (روح البیان وخازن) اس آیت کی تفسیر دوسری آیت ہے وَلَو اَنَّهُم اِذ ظَلَمُوا (الآیہ) کبھی گناہ کی نسبت گنہگار کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف جیسے مقدمہ کبھی جرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کی طرف کہ وکیل کہتا ہے کہ یہ میرا مقدمہ ہے جس کا میں ذمہ دار ہوں۔ یہاں نسبت دوسری طرح کی ہے یعنی آپ کے ذمہ والے گناہ جن کی شفاعت کے آپ ذمہ دار ہیں۔

اعتراض ۱۱ حضور علیہ السلام سے رب نے فرمایا وَلَو لَا اَن ثَبَّتنَاکَ لَقَد کِدتَ تَرکَنُ اِلَیهِم شَیئاً قَلِیلاً اگر ہم آپ کو نہ ثابت قدم رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کفار کی طرف مائل ہو چلے تھے مگر رب نے روکا۔ اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس میں شرط و جزا ہے یعنی یہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں دونوں مقدموں کا ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں رب فرماتا ہے۔ قُل لَو کَانَ لِلرَّحمٰنِ وَلَد" فَاَنَا اَوَّلُ العٰبِدِینَ اگر رب کے بیٹا ہوتا تو اسکا پہلا پجاری میں ہوتا۔ نہ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نہ نبی علیہ السلام کا اسکی پوجا کرنا ایسے ہی یہاں نہ تو رب تعالیٰ کا حضور علیہ اسلام کو محفوظ نہ رکھنا ممکن اور نہ آپ کا انکی طرف مائل ہونا ممکن۔ دوسرے یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ کو پہلے ہی سے معصوم و ثابت قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ ان کی طرف کیسی قدر جھکنے کے قریب ہو جاتے کیونکہ ان کے مکر و فریب بہت سخت خطرناک تھے یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہذا آپ کفار کی طرف نہ جھکے بلکہ قریب بھی نہ ہوئے۔ اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوئی دیکھو خازن، مدارک، روح البیان، تیسرے یہ کہ ایک تو حضور علیہ السلام کی طبیعت مبارکہ ہے دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الٰہی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت و عصمت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی آپکی فطرت پاک عیب اور گناہوں سے ایسی پاک ہے جس میں اسکی صلاحیت ہی نہیں کیونکہ آپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے۔ یعنی اگر ہم آپ کو معصوم نہ بھی بناتے تب بھی آپ کفار سے ملتے نہیں، ان کی طرف جھکتے نہیں بلکہ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے اب جبکہ فطرت سلیمہ پر رب کا یہ کرم ہوا کہ آپ کو معصوم بھی بنایا، سر مبارکہ پر نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ کسی قصور کی گنجائش ہی نہیں۔ اسکی تفسیر میں روح البیان میں ہے۔

اِنَّمَا سَمَّاهُ قَلِیلاً لِاَنَّ رُوحَانِیَّتهِ النَّبِیِّ کَانَت فِی اَصلِ الخِلقَتِ غَالِباً عَلَے البَشرِیَتِه اِذلَم یَکُن حِینَئِذ لِرُوحِهٖ شَئی یَحجبه عَن اللهِ تَعالیٰ فَالمَعنیٰ لَولَا التثبتُ وَ قُوَّةُ النبوّةِ وَ نُورُ الهِدَایَتِه وَ اَثرُ نَظَرِ العَنَایَتِه لَقَد کِدتَ تَرکَنَ

اعتراض ۱۲ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا کُنتَ تدرِی مَا الکِتٰبُ وَ لَآ الایمَانُ اے نبی علیہ السلام آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام پیدائشی عارف باللہ نہیں آپ کو تو ایمان کی خبر بھی نہ تھی۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت یعنی انکل او قیاس سے جاننے کی نفی ہے۔ پوری آیت یہ ہے۔

وَ کَذٰلِکَ اَوحَینَا اِلَیکَ رُوحاً مِن اَمرِنَا مَا کُنتَ تَدرِی مَا الکِتٰبُ (الآیہ) یعنی ہم نے آپ پر اپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ خود بخود نہ جانتے تھے یعنی اس علم کا ذریعہ وحی الٰہی ہے نہ کہ محض انکل و قیاس۔ دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں بیان ہو رہا بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح میں سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا۔ پھر اس پر علوم کے نقش و نگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم ارواح میں ہی نبی تھے خو فرماتے ہیں۔ کُنتُ نَبِیاً وَّ اٰدَمُ بَینَ المَآءِ وَ الطِّینِ ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گر تھے۔ تیسرے یہ کہ اس سے ایمان اور قرآن کے تفصیلی احکام مراد ہیں۔

یعنی آپ وحی سے پہلے احکام اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے اَیِ الایمَانُ فِتَفَاصِیلِ مَافی تَضَاعِیفِ الکِتٰبِ پھر فرماتے ہیں۔ لِاَنَّه عَلَیهِ السَّلَامُ اَفضَلُ مِن یَحییٰ و عیسیٰ وَ قَد اُوتِیَ کُلٌّ الحِکمَتِه وَ العِلمِ صَبِیاً یعنی نبی علیہ السلام یحیٰی اور عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور انہیں تو علم و حکمت بچپن ہی میں عطاء ہو گئی تھی۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ بچپن شریف میں علم سے خالی رہے ہوں۔

اعتراض ۱۳ رب فرماتا ہے فَازَلَّهُمَا الشَّیطٰن آدم و حوا علیہم السلام کو شیطان نے پھسلا دیا۔ معلوم ہوا کہ شیطان کا داؤ انبیاء پر چل جاتا ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ شیطان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

جواب ہم نے یہ کہا ہے کہ شیطان انہیں گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ ان سے عمداً گناہ کبیرہ کرا سکتا ہے اس نے خود کہا تھا لَاُغوِیَنَّهُم اَجمَعِینَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنهُمُ المُخلَصِینَ اور یہاں ہے فَازَلَّهُمَا الشَّیطٰن گمراہی اور چیز ہے اور پھسلانا اور چیز ہے۔

اعتراض ۱۴ یوسف علیہ السلام ک بھائیوں کو بہت سے لوگوں نے پیغمبر مانا ہے حالانکہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے بے قصور بھائی کو ستانا آزاد بھائی کو بیچکر اس کی قیمت کھانا اپنے والد سے جھوٹ بول کر انہیں چالیس سال تک رلانا غرضکہ جرموں کو انتہا کر دی اور پھر بھی نبی ہوئے معلوم ہوا کہ نبی کا معصوم ہونا شرط نہیں۔

جواب جمہور علماء نے انہیں پیغمبر نہ مانا۔ ہاں ایک جماعت نے کچھ ضعیف دلائل سے ان کی نبوت کا وہم کیا ہے اسی لئے ہم نے مقدمہ میں عرض کیا کہ انبیاء کرام کا نبوت سے پہلے بدعقیدگی سے پاک ہونا اجتماعی مسئلہ ہے اور گناہ کبیرہ سے پاک ہونا جمہور کا قول ہے اور بعد نبوت گناہ کبیرہ سے پاک ہونے پر بھی اجماع ہے ان حضرات کی نبوت کسی صریحی آیت یا حدیث یا قول صحابی سے ثابت نہیں۔ رب نے یہ فرمایا ہے۔

وَ یُتِمُّ نِعمَتَہ عَلَیکَ وَعَلیٰ اٰلِ یَعقُوب یہاں نعمت سے نبوت مراد نہیں اور نہ آل یعقوب سے انکی صلبی ساری اولاد مراد ہے۔ رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا اَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی بعضوں نے کہا کہ رب فرماتا ہے وَمَا اُنزِلَ اِلیٰ اِبرٰھِیمَ وَ اِسمٰعِیلَ وَاِسحٰقَ وَ یَعقُوبَ وَ الاَسبَاطِ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی سب صاحب وحی تھے مگر یہ بھی کمزوری بات ہے کہ کیونکہ نہ تو اُنزِلَ میں بلاواسطہ وحی آنے کہ بیان ہے نہ اس کی کوئی دلیل ہے کہ اسباط ان کے بیٹوں ہی کا لقب ہے، رب فرماتا ہے قُل اٰمَنَّا بِاللہِ وَمَا اُنزِلَ عَلَینَا وَمَا اُنزِلَ عَلیٰ اِبرَاھِیم (الآیۃ) یہاں اُنزِلَ عَلَینَا کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سب پر وحی آئی اور ہم سب پیغمبر ہیں اور اسباط بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا لقب ہے اور واقعی ان میں انبیاء آتے رہے رب فرماتا ہے۔

فَالَّذِی عَلَیہِ اِلَا کثَرُونَ سَلفاً وَ خَلفاً اَنَّھُم لَم یکُونُوا اَنبِیاءَ اَصلاً فَلم یُنقَلُ مِنَ الصَّحَا بَۃِ اَنَّہ قَالَ بِنُبُوتِھِم

اسی طرح تفسیر روح البیان وغیرہ نے بھی ان کی نبوت کی بہت تردید کی ہے۔ ہاں وہ سب حضرات توبہ کے بعد اولیاء اللہ بلکہ پیغمبر کے صحابی ہوئے انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں تاروں کی شکل میں دیکھا کیونکہ وہ صحابہ نبی تھے حضور ﷺ فرماتے ہیں اَصحَابِی کَالنُّجُومِ نیز ان کے یہ سارے گناہ یعقوب علیہ السلام کی محبت حاصل کرنے کے لئے تھے۔ پھر انہوں نے ان سے بھی اور یوسف علیہ السلام سے بھی معافی حاصل کر لی اوان دونوں حضرات نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی لہذا یہ مغفور ہوئے۔ ان کی شان میں گستاخی سخت محرومی کی علامت ہے، قابیل نے ایک عورت کی محبت میں گناہ کیا اور پھر آدم علیہ السلام سے معافی بھی حاصل نہ کر سکا لہذا وہ بے ایمان رہا اور یہ ایماندار رہوئے۔

اعتراض ۱۵ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ زلیخا نے ارادہ زنا کیا جو کہ سخت جرم ہے اور تم کہہ چکے ہو کہ نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوتی تو زلیخا علیہ السلام کی بیوی کیونکر ہو سکتی ہے۔ وہ فاحشہ بدکار تھی لہذا یا تو مانو کہ ان کا نکاح نہیں ہوا یا یہ قاعدہ غلط ہے۔

نوٹ گجرات کے بعض جاہل دیوبندیوں نے حضرت زلیخا کے زوجہ یوسف علیہ السلام ہونیکا انکار کیا اور ان کی شان میں سخت گندے الفاظ بکے۔ انہیں کا یہ اعتراض ہے۔

جواب حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی زوجہ اور قابل احترام بیوی ہیں ان کا یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آنا مسلم و بخاری کی حدیث اور عام تفاسیر سے ثابت ہے انہیں سے یوسف علیہ السلام کے فرزند پیدا ہوئے۔ افرائیم اور میشا۔ تفسیر خازن، تفسیر کبیر، مدارک معالم التنزیل وغیرہ میں اسکی تصریح ہے چنانچہ حضور ﷺ نے جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اپنی دوسری ازواج پاک سے فرمایا اِنَّکُنَّ لَا نتُنَّ کَصَوَاحِبِ یُوسُف تم تو یوسف علیہ السلام کی بیوی کی طرح ہو گئیں یعنی زلیخا کی۔ صواحب صاحب کی جمع ہے صاحبہ بیوی کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید وَلَم تکُن لَہ صَاحِبَۃ آپ نہ تو فاحشہ تھیں نہ آپ سے زنا جیسا گناہ کبھی صادر ہوا۔ بیوی زلیخا سے ارادہ جماع بیخودی، عشق کی حالت میں ہو گی جمال یوسف نے انہیں وارفتہ و دیوانہ بنا دیا۔ اس والہانہ حالت میں یہ ارادہ کر بیٹھیں، جب مصری عورتوں نے اسی جمال سے بیخود ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو اگر حضرت زلیخا نے اس حسن پر فریفتہ ہو کر دامن صبر چاک کر دیا تو کیا تعجب ہے؟ پھر ان تمام خطاؤں سے توبہ کر لی، یہ بھی خیال رہے کہ زلیخا نے صرف یوسف علیہ السلام سے یہ رغبت کی نہ کسی دوسرے سے رب نے انہیں ہر طرح محفوظ رکھا۔ ہم نے انبیاء کی بیویوں کو زنا اور فحش سے محفوظ مانا ہے نہ کہ معصوم۔ حضرت زلیخا نے یہ گناہ کر کے توبہ کر لی کہ عرض کیا اَلاٰنَ حَصحَصَ الحَقُّ اَنَا رَاوَدتُّہ عَن نَفسِہٖ زلیخا نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اقرار جرم توبہ ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے زلیخا کی خطا کا ذکر تو فرما دیا مگر ان پر عتاب یا عذاب کا ذکر نہ کیا۔ تا کہ معلوم ہو کہ ان کے گناہ کی معافی ہو چکی۔ اب ان کی خطاؤں کا بے ادبی کے طور پر ذکر کرنا سخت برا ہے ان سے زنا یا فحش کبھی صادر نہیں ہوا۔ نہ

معلوم دیوبندیوں کی کسی شیطان نے عقل ماردی کہ ان کا حملہ ہمیشہ انبیائے کرام کے عزت وآبرو پر ہوتا ہے۔ حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی اہل بیت ہیں ان کی توہین اس باکمال پیغمبر کی توہین رب تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔ خاتمہ خیال رہے کہ رب تعالیٰ انبیائے کرام کا رب ہے اور وہ حضرات اسکے پیارے بندے رب جس طرح چاہے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے اپنی نیاز مندی اور بندگی کا اظہار کریں ہمیں کسی طرح حق نہیں کہ ان کی لغزشوں کی بیان کرتے پھریں یا گستاخیاں کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرلیں۔ رب تعالیٰ نے ہم کو ان کی تعظیم وتوقیر کا حکم دیا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام چونکہ مصر میں مظاہر فروخت ہوئے تھے اہل مصر سمجھے تھے کہ یہ عزیز مصر کے زرخرید ہیں۔ رب تعالیٰ ن اسی داغ کو ان کے دامن سے مٹانے کے لئے سات سال کی عام قحط سالی بھیجی پہلے سال میں سب نے آپ کو روپیہ پیسہ دے کر غلہ خریدا دوسرے سال زیور وجواہرات دے کر تیسرے سال جانور اور چوپائے دے کر چھوتھے سال اپنے غلام ندیاں دیکر پانچویں سال اپنے مکانات وزمین دیکر چھٹے سال اپنی اولاد دے کر ساتویں سال مصر والوں نے اپنے کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے لونڈی غلام بنتے ہیں۔ ہمیں غلہ دو۔ تب آپ نے ان پر احسان فرمایا (مدارک وروح البیان وغیرہ) یہ کیوں ہوا۔ صرف اس لئے کہ جب سارے مصر والے آپ کے غلام بن گئے تو اب انہیں غلام کون کہے۔ پتہ چلا کہ ایک پیغمبر کی عظمت برقرار رکھنے کیلئے سارے جہان کو مصیبت میں ڈالا جاسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ نماز میں سورہ عبس پڑھتا تھا۔ آپ کو پتہ لگا تو اسے قتل کرا دیا دیکھو روح البیان تفسیر سورہ عَبَسَ اس سورۃ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو جسمیں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی نعت ہے رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔ انہوں نے انبیاء کرام پر بکواس بکنے کی جرات پیدا کردی۔

وَصَلے اللہُ تعَالیٰ خَیرِ خَلقِهٖ وَ نُورِ عَرشِهٖ سَیِّدِ نَا وَ مَولٰنَا مُحَمَّد وَّ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ اَجمَعِین

لمعات المصابیح علی رکعات التراویح

پہلا باب

بیس رکعت نماز تراویح کا ثبوت

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ثبوت قرآن پاک کی ترتیب واحادیث صحیحہ واقوال علماء اور عقلی دلائل سے دیتے ہیں۔ (۱) قرآن پاک میں سورتیں بھی ہیں آیتیں بھی اور رکوع بھی۔ وہ مضمون جس کا کوئی نام رکھ دیا گیا ہو وہ سورت کہلاتا ہے اور قرآن کا وہ جملہ جس کا علیحدہ نام نہ ہو آیت کہلاتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں کیونکہ سورت کے معنی احاطہ کرنے والی چیز ہے اور آیت کے معنی ہیں نشانی۔ سورۃ چونکہ ایک مضمون کو گھیرے ہوتی ہے جیسے شہر پناہ (سورہ البلد) اور آیت قدرت الٰہی کی نشانی ہے اسلئے ان کے یہ نام ہوئے۔ مگر رکوع کے معنی ہیں جھکنا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآنی رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں۔ کتب قراۃ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اسحصہ کا نام رکوع رکھا گیا یعنی ان حضرات کے رکوع کرنے کا مقام اتنا پڑھ کر رکوع ہوا اور چونکہ تراویح بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں اور ستائیسویں رمضان کو ختم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کے کل ۵۴۰ رکوع ہونے چاہئیں۔ لیکن چونکہ ختم کے دن بعض رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھ لی جاتی تھیں اس لئے قرآن کریم کے ۵۵۷ رکوع ہوئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوئیں تو رکوع ۲۱۶ ہونے چاہیے تھے قرآنی رکوعات کی تعداد بتا رہی ہے کہ تراویح بیس رکعت چاہئیں کیا وہابی آٹھ رکعت تراویح مان کر رکوعات قرآنی کی وجہ بتا سکیں گے؟

(۲) تراویح جمع ترویحہ کی ہے جس کے معنی ہیں جسم کو راحت دینا۔ چونکہ ان میں ہر چار رکعت پر کسی قدر راحت کے لئے بیٹھتے ہیں اس بیٹھنے کا نام ترویحہ ہے اسی لئے اس نماز کو تراویح کہا جاتا ہے یعنی راحتوں کا مجموعہ اور تراویح جمع ہے۔ جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو اس کے درمیان میں ایک ترویحہ آتا پھر اسکا نام تراویح نہ ہوتا تین ترویحوں کے لئے کم از کم سولہ رکعت تراویح چاہئیں۔ جن میں ہر چار رکعت کے بعد ایک ترویحہ ہو اور وتر سے پہلے کوئی ترویحہ نہیں ہوتا۔ تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی تردید کرتا ہے۔ (۳) ہر دن میں بیس رکعت نماز ضروری ہے۔ سترہ فرض اور تین وتر، دو فرض فجر میں چار ظہر میں چار عصر میں تین مغرب میں اور چار عشاء میں۔ رمضان شریف میں رب تعالیٰ نے ان بیس رکعات کی تکمیل کے لئے بیس رکعت تراویح اور مقرر فرمادیں جس کی ہر رکعت ان کی ہر رکعت کی تکمیل کرے غیر مقلد شاید نماز پنجگانہ میں بھی آٹھ رکعت ہی پڑھتے ہوں گے۔ ورنہ آٹھ تراویح کو ان بیس رکعت سے کیا نسبت۔ (۴) احادیث، خیال رہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نماز تراویح باجماعت پابندی سے ادا نہ فرمائی۔ صرف دو دن ادا کیں اور بعد میں فرمادیا کہ اگر اس پر پابندی کی گئی تو فرض ہوجانیکا اندیشہ ہے۔ جس سے میری امت کو دشواری ہوگی۔ لہذا تم لوگ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کرو۔ بعض تو کہتے ہیں کہ نماز تہجد ہی تھی جو ماہ رمضان میں اہتمام سے ادا کرائی گئی اسی لئے صحابہ کرام سحری کے آخری وقت اس سے فارغ ہوتے زمانہ صدیقی میں بھی اسکا کوئی باقاعدہ انتظام نہ فرمایا گیا۔ لوگ متفرق طور پر پڑھ لیتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اہتمام فرمایا اور بیس رکعت تراویح مقرر فرمائیں اور باقاعدہ جماعت بیس رکعت سنت فاروقی ہے چونکہ نبی کریم ﷺ نے نہ تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صراحتاً کہیں ثابت ہی نہیں ہوا لہذا صحابہ کرام کا بیس پر اتفاق کرنا سنت کی مخالف نہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے **عَلَیکُم بِسُنَّتِی وَ سُنَّتِ الخُلَفَاءِ الرَّشِدِینَ** لہذا اب ہم صحابہ کرام کا عمل پیش کرتے ہیں غیر مقلدوں کو چاہیئے کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح ایسی پیش کریں جس سے تراویح کی آٹھ رکعت صراحتاً ثابت ہوں۔ ان شاء اللہ نہ کرسکیں گے ہماری احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔

موطا امام مالک میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **قَالَ کُنَّا نَقُومُ فی عَهدِ عُمَرَ بِعشرِینَ رکعَةً رَوَاهُ البَیهقِی فی المَعرِفَةِ بِاِسنَادٍ صَحِیح**

(۲) ابن منیع نے حضرت ابن کعب سے روایت کی **فَصَلّٰی بِهِم عَشرِینَ رَکعَةً** بیہقی میں ہے۔ **عَنْ اَبِی الْمُحْسِنَاتِ اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَمَرَ رَجلاً یُصَلِّے بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً**

(۴) ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر میں بیہقی وعبد ابن حمید وبغوی نے وایت کی **عَن اِبنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّے اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّم کَانَ یُصَلِّے فی رَمَضَانَ عِشرِینَ رَکعَةً سِوَی الوِتر** اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

(۵) بیہقی میں ہے **وَعَن شَکلٍ وَکَانَ مِن اَصحَابِ عَلَی اَنَّه کَانَ یَئومُّهُم فی رَمضَانَ فَیُصَلِّی خَمسَ**

تَروِيحات عِشرِينَ رَكَعَات

(٦) اسی بیہقی میں ہے وَعَنْ اَبِی عَبدِ الرَّحمٰنِ السُّلَمِّی اَنَّ عَلِيّاً دَعیٰ القُراء فی رَمَضَانَ فَاَمَرَ رَجُلاً يُصَلِّے النَّاسَ عِشرِينَ رَكعَةً وَكَانَ عَلِّی يُوتِربُهِم

(٧) اسی بیہقی نے باسنادِ صحیح نقل فرمایا عَنِ السَّائِبِ ابنِ يَزِيدٍ قَالَ كَانُوا يَقُومُونَ عَلیٰ عَهدِ عُمَرَ فی شَهرِ رَمَضَانَ بِعِشرِ ينَ رَكعَةً اس کی تحقیق کے لئے صحیح البہاری لَم يَقرَ ل فی التَّرَاوِيح دیکھو، ان روایات سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام بیس تراویح پڑھتے تھے اور عہد فاروقی میں تو اس بیس رکعات پر عمل جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس علی ابی بن کعب وعمر سائب ابن یزید وغیرھم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ ہی معمول تھا۔

اقوال علماء امت (١) ترمذی شریف ابواب الصوم باب جاء فی قیام شہر رمضان میں ہے وَ اَكثَرِ اَهلِ العِلمِ عَلیٰ مَارُوِیَ عَن عَلِی وَ عُمَرَ وَ غَيرِ هِمَا مِن اَصحَابِ النَّبِیِّ صَلَّے اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّم عِشرِينَ رَكعَةً وَهُوَ قَولُ سَفيَانِ الثَّورِی وَ اِبنِ المُبَارَكِ وَ الشَّافِعِی وَقَالَ الشَّافِعِی هَكَذَا اَدرَكتُ بِبَلَدِ مَكَّتَه يَصَلُّونَ عَشرِينَ رَكعَةً یعنی اہل علم کا عمل اس پر ہے جو حضرت علی وعمرو دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی بیس رکعت یہ ہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہ ہی مروی ہے یعنی بیس رکعت یہ ہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہ ہی عمل پایا کہ مسلمان بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔

(٢) فتح الملہم شرح مسلم جلد دوم صفحہ ٢٩١ میں ہے رَوٰی مُحَمَّدُ ابنَ نَصرٍ مِن طَرِيقِ عَطَاءٍ قَالَ اَدرَكتُهُم يُصَلُّونَ عِشرِينَ رَكعَةً وَثَلٰثَ رَكعَاتِ الوِترِوَفی البَابِ اٰثَارَ كَثِيرَة" اَخرَجَهَا اِبنَ اَبِی شَيبَتَه وَغَيرُه وَقَالَ اِبن قُدَامِتَهُ وَهٰذَا كَالاجمَاعِ اس سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت پر گویا مسلمانوں کا اجماع ہو گیا۔

(٣) عمدۃ القاری شرح بخاری میں جلد پنجم صفحہ ٣٠٧ میں ہے وَرَوٰی الحَارِثُ ابنُ عَبِيدِ الرَّحمٰنِ ابنِ زُبَابٍ عَنِ السَّائِبِ اِبنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ القِيَامُ عَلیٰ عَهدِ عُمَر بَثلٰثٍ وَعِشرِينَ رَكعَةً قَالَ اِبنَ عَبدِ اللهِ هٰذَا مَحمُول" عَلیٰ اَنَّ الثَّلٰث لِلوِترِ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پر عمل تھا۔

(٤) اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے كَانَ عَبدُ اللهِ اِبنَ مَسعُودِ يُصَلِّے بِنَافی شَهرِ رَمَضَانَ فَينصَرِفُ وَ عَلَيهِ لَيل" قَالَ الاَعمَشُ كَانَ يُصَلِّے عِشرِينَ رَكعَةً

(٥) اسی عمدۃ القاری جلد پنجم صفحہ ٣٥٥ میں ہے قَالَ اِبنَ عَبدِ البَرّ وَهُوَ قَولُ جَمهُورِ العُلَمَاءِ دبِهٖ قَالَ الكُوفِيونَ وَالشَّافِعِی وَ اَكثَرُ الفُقَهَاءِ وَهُوِ الصَّحِيحُ عَن كَعبٍ مِن غَيرِ خِلَافٍ مِن الصَّحَابَه یعنی ابن عبد البر نے فرمایا کہ بیس رکعت تراویح عام علماء کا قول ہے اسی کے اہل کوفہ اور امام شافعی اور اکثر فقہاء قائل ہیں اور یہ ہی حضرت ابی ابن کعب سے مروی ہے اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں۔

(٦) ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا فَصَارَ اِجمَاعاً لِاَرُوٰی البَيهِقِیُ بِاسِنَادٍ صَحِيحٍ اَنَّهُم كَانُوا يُصَلُّونَ عَلیٰ عَهدِ عُمَرَ بعشرِينَ رَكعَةً وَ عَلیٰ عَهدِ عُثمَانَ وَ عَلّی صحابہ کرام حضرات عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس تراویح پڑھتے تھے لہذا اس پر اجماع ہو گیا۔

(٧) مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ ١٨٢ میں علامہ ابن حجر مکی ہیتمی کا قول نقل فرمایا اِجمَاعُ الصَّحبَتِه عَلیٰ اَنَّ التَّرَاوِيحَ عِشرُونَ رَكعَةً یعنی صحابہ کرام کا بیس تراویح پر اجماع ہے۔

(۸) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۷ میں ہے وَ اَمَّا م القَائِلُوْنَ بِهٖ مِنَ التَّا بِعِينَ فَشِبر ابنَ شَكَلٍ وَ اِبنُ اَبِی مُلَيكَتَه وَ الحَارِثُ الهَمَدَا فی وَ عَطَاءُ ابنُ اَبِی بَكرٍ وَ عِمرَانُ العَبَدِیُّ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین وفقہا محدثین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے نہ کسی آٹھ تراویح پڑھیں نہ اس کا حکم دیا۔

لطیفہ غیر مقلد دراصل اپنی خواہش نفس کے مقلد ہیں اس لئے انہیں اہل ہوا یعنی ہوا پرست کہا جاتا ہے جس میں نفس کو آرام ملے وہ ہی ان کا مذہب۔ ہم ان کے آرام دہ مسائل دکھاتے ہیں مسلمان دیکھیں اور عبرت پکڑیں۔ (۱) دو مٹکے پانی کبھی گندہ نہیں ہوتا لہذا کنواں کتنا ہی پلید ہو جائے اس کا پانی پیئے جاؤ۔ (۲) سفر میں چند نمازیں ایک وقت میں پڑھ لو۔ روافض کی طرح کون بار بار اترے اور پڑھے ریل میں بہت بھیڑ ہوتی ہے۔ (۳) عورتوں کے زیورات پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہاں جناب کیوں ہو اس میں خرچ جو ہوتا ہے۔ (۴) تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر آرام کرو۔ ہاں صاحب نماز نفس پر گراں ہے (۵) وتر صرف ایک رکعت پڑھ کر سو رہو کیوں نہ ہو جلد نماز سے چھٹکارا اچھا۔ (۶) ایک بار تین طلاق دے دو۔ صرف ایک ہی واقع ہوگی۔ دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے کیوں نہ ہو اس میں آسانی ہے غرضکہ جس میں آرام دہ یاروں کا دین ایمان۔

لطیفہ مسلم شریف کتاب الطلاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی واقع ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس میں جلدی پیدا کر دی لہذا اب اس سے تین طلاق ہی واقع ہونی چاہئیں۔ آرام طلب غیر مقلدین لے اُڑے کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے ان اللہ کے بندوں نے یہ نہ سوچا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ خلاف سنت حکم کر سکتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ آپ نے یہ قانون بنا دیا اور کسی صحابی نے مخالفت نہ کی۔ بات صرف یہ تھی کہ زمانہ نبوی میں بعض لوگ یوں کہہ دیتے تھے تجھے طلاق ہے طلاق طلاق اور آخری میں دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے جیسے کوئی کہے میں کل جاؤں گا کل کل۔ میں روٹی کھاؤں گا روٹی روٹی۔ اب بھی اگر کوئی اس نیت سے یہ الفاظ بولے تو عند اللہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ زمانہ فاروقی میں لوگ تین طلاقیں ہی دینے لگے۔ چونکہ عمل بدل گیا حکم بھی بدل گیا تب آپ نے یہ حکم نافذ فرمایا۔ اس مسئلہ کی نہایت ہی نفیس تحقیق ہماری تفسیر جلد دوم آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کی تفسیر میں دیکھو جہاں بہت سی احادیث سے ثابت کیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

دوسرا باب

بیس تراویح پر اعتراضات وجوابات

اعتراض ۱ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان اور موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں ثابت ہوا کہ آٹھ رکعت تراویح ہے باقی وتر۔

جواب اس کے چند جواب ہیں اولاً یہ کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور مضطرب سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی کیونکہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں موطا میں تو ان سے گیارہ کی روایت ہے اور محمد ابن نصر مروزی نے انہی محمد ابن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی اور محدث عبد الرزاق نے انہی محمد ابن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر۔ ایک ہی راوی کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے اس کو اضطراب کہتے ہیں تو اس سے تراویح آٹھ رکعت ثابت ہوئیں مگر وتر تین رکعت کیسے آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کے قول پر تو ۹ رکعتیں ہونی چاہئیں کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول اور آدھا غیر مقبول۔ تیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اولاً آٹھ تراویح کا حکم دیا گیا۔ پھر بارہ کا، پھر آخر میں بیس پر قرار رہا۔ کیونکہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں اسی حدیث کے بعد ہے وَكَانَ القَارِی يَقرَاءُ سُوْرَةَ البَقَرَتِ فِی ثَمَانِ رَكَعَاتٍ وَ اِذَا قَامَ بِهَا فِی ثِنتَیْ عَشَرَةَ رَكعَةٍ رَاَی النَّاسُ اَنَّهٗ قَد خُفِّفَ یعنی قاری آٹھ رکعت میں سورۃ بقر پڑھتا تھا اور جب بارہ رکعت میں یہ سورۃ پڑھتا تو لوگوں کو ہلکا پن محسوس ہوتا۔ اس حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے نَعَم ثَبَتَ العِشرُوْنَ فِی زَمَنِ عُمَرَ وَ فِی المَوطَا رِوَايَةٌ بِاِحدٰی عَشَرَةَ وَ جَمَعَ بَيْنَهُمَا اَنَّهٗ وَقَعَ اَوَّلًا ثُمَّ اِستَقَرَّ الاَمرُ عَلَی العِشرِينَ فَاِنَّهٗ المُتَوَارِثُ یعنی ان روایت کو یوں جمع کیا گیا کہ اولاً تو آٹھ رکعت کا حکم ہوا پھر بیس پر قرار رہا یہ بیس رکعت ہی منقول ہیں چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی۔ ہمیشہ پڑھنا۔ باقاعدہ جماعت سے پڑھنا بیس رکعت پڑھنا۔ حضور علیہ السلام نے بیس رکعت ہمیشہ نہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا۔ اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا اور اگر بیس رکعت پڑھی جائیں تو سب پر عمل ہو گیا کیونکہ بیس میں آٹھ آ جاتی ہیں۔ اور آٹھ میں بیس نہیں آتیں حدیث شریف میں ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرو۔ تم بھی تراویح ہمیشہ اور

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

رسالہ طلاق الاولہ فی حکم الطلاق الثلثہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اگر چہ اس نے برا کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہونگی نہ کہ ایک اور یہ عورت بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ چونکہ زمانہ موجود کے غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہیں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہوگا اس لئے اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب لکھے جاتے ہیں پہلے باب میں مسئلہ کے دلائل اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

مقدمہ بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر بحالت حیض طلاق دیدے۔ یا تینوں طلاقیں ایک دم دیدے تو اگر چہ اس نے برا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہ ہی واقع ہوگی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور خلوت نہ ہوئی ہو ایک دم تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آخیری دو واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح سے خارج ہوگئی اور اس پر عدت بھی واجب نہ ہوئی۔ اور طلاق کے لئے نکاح یا عدت چاہیئے ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑ جائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (عامہ کتب)۔

(۲) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے اسطرح ہے اسطرح طلاقیں دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ اور اخیری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی نیت کرے۔ نہ کہ علیحدہ طلاقوں کی تب بھی دیانۃً طلاق ایک ہی ہوگی (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو۔ پانی پانی۔ کھانا کھالوں کھانا کھالو میں کل گیا تھا کل کل۔ ان سب صورتوں میں پچھلے دو لفظوں سے پہلے لفظ کی تاکید ہے۔

(۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جس سے خوت ہو چکی ہے۔ بیک وقت تین طلاقیں دے خواہ یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں یا یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے، طلاق ہے۔ بہرحال طلاقیں تین ہی واقع ہونگی او یہ عورت اب بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ اس پر امام ابوحنیفہ وشافعی ومالک واحمد اور سلفاً خلفاً جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ ہاں بعض ظاہر بین مولوی اس آخری صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر صاوی میں پارہ دوم زیر آیت فَاِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَه (الایہ) ہے وَالْمَعنٰى فَاِن ثَبَتَ طَلَاقُهَا ثَلَاثًا فی مَرَّةٍ اَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ (الایہ) كَمَا اِذَا قَالَ لَهَا اَنتِ طَالِق" ثَلٰثًا اَو اَلبَتَّه وَهٰذَا هُوَالْمُجمَعُ عَلَيهِ یعنی علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو تین طلاقیں الگ الگ دے یا ایک دم۔ عورت بہرحال حرام ہو جائے گی۔ نیز نووی شرح مسلم جلد اول باب الطلاق الثلث میں ہے وَقَد اِختَلَفَ العُلَمَآءُ فی مَن قَالَ لِاَمرَاء تِهٖ اَنتِ طَالِق" ثُلثاً فَقَالَ الشَّافِعِیُّ وَمَالِک" وَ اَبُوحَنِيفته وَاَحمَدُ وَجَمَاهِيرُ العُلَمَاءِ مِنَ السَّلفِ وَ الخَلفِ يَقَعُ الثَّلٰثُ وَقَالَ طَاءُ وس" بَعضُ اَهلِ الظَّاِئرِ يقول لَايَقَعُ بِذٰلِکَ اِلَّا وَاحِدَةً یعنی جو کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو چاروں امام اور سلف وخلف کے عام علماء فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ہاں بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔ بلکہ حجاج ابن ارطات اور ابن مقاتل اور محمد ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق بھی نہیں پڑیگی۔ دیکھو نووی یہ ہی مقام۔ چونکہ موجودہ زمانہ کے غیر مقلد ہر جگہ نفس کا آرام ڈھونڈتے ہیں جس چیز میں نفس امارہ کو راحت ملے خواہ وہ باطل سے باطل اور ضعیف قول ہو وہ ہی ان دین ایمان ہے اس لئے انہوں نے ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہوئے یہ ہی عقیدہ رکھا ہے کہ ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہوگی۔

تفسیر صاوی پارہ دوم زیر آیت فَاِن طَلَّقَهَا فَلَا تُحِلُّ لَه (الایہ) وَ مَّا القَولُ بِاَنَّ الطَّلَاقَ الثَّلٰث فی مَرَّةٍ وَاحِدَةٍ لَايَقَعُ اِلَّا طَلَقَتَهُ لَايَعرِفُ اِلَّا لا بنِ تَيمِيَهَ وَرَدَّ عَلَيهِ اَئِمَّته مَذهَبِهٖ حَتّٰى قَالَ العُلَمَاءُ اَنَّه الضَّالُ المُضِلُّ وَنِسبَتُهَا اِلَى الامَامِ اَشهَبُ مِنَ الاَئمَته المالِكيه بَاطِلَته" یعنی یہ کہنا کہ ایک دم دی ہوئی تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہوتی ہے یہ سوا ابن تیمیہ حنبلی کے اور کسی نے بھی نہیں کہا ہے اور ابن تیمیہ کی خود اس کے مذہب کے اماموں نے تردید کردی علماء کرام تو فرماتے ہیں کہ ابن

تیمیہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس مسئلہ کی نسبت امام، اشہب مالکی کی طرف غلط ہے بہر حال پتہ یہ لگا کہ موجودہ غیر مقلد محض نفسانی آسانی کے لئے یہ باطل عقیدہ لئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی نفیس تحقیق اپنی تفسیر نعیمی جلد دوم زیر آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَه الآیہ میں کر دی ہے مگر چونکہ آجکل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لئے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کئے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے امید قبول ہے اور ناظرین سے امید انصاف۔ بیان کا یہ ہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دو بابوں بیان کیا جائے گا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب

اس کے ثبوت میں

بہتر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے زیادہ دے ہی نہیں اور اگر تین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق ہے تین طہر میں تین۔ ایکدم چند طلاقیں دینا سخت برا ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ بُرا کیا مگر تینوں واقع ہوجائیں گی بحالت حیض کہ اگرچہ برا ہے مگر طلاق واقع ہوجاتی ہے اسکے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمسَاکٌ بِمَعروفٍ اَو تَسرِیحٌ بِاِحسَانٍ پھر فرماتا ہے فَاِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَه (الآیہ) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے تین میں نہیں اور مرتان کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہ ہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے فَاِن طَلَّقَهَا اِلیٰ طَلقَةٍ ثَالِثَةٍ سَوَآءٌ وَقَعَ الا ثنَتَانِ فی مَرَّةٍ اَو مَرَّتَینِ وَالمَعنیٰ فَاِن ثَبَتَ طَلَاقُهَا ثَلٰثاً فی مَرَّةٍ اَومَرَّات فَلَاتَحِل یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہوجائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی آگے فرماتے ہیں کَمَا اِذَا قَالَ لَهَا اَنتِ طَالِقٌ ثَلٰثاً اَو البَتَّه وَهٰذَا هُوَ المَجمَعُ عَلَیهِ یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہوجائیں گی اس پر امت حضرت محمد ﷺ کا اتفاق ہے اسی طرح اور تفاسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے وَمَن یَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَد ظَلَمَ نَفسَه لَاتَدرِی لَعَلَّ اللّٰهَ یُحدِثُ بَعدَ ذٰلِکَ اَمراً یعنی جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے کہ ایک دم تین طلاقیں دیدے تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اگر تین طلاقیں ایک دم دیدیگا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی واقع نہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گیا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک واقع ہوئی تو یہ ظالم کیسے؟ نووی شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں ہے

وَاحتَجَّ الجَمهُورُ بِقَولِهٖ تَعَالیٰ وَمَن یَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَد ظَلَمَ نَفسَه الخ مَعنَاهُ اَنَّ المُطَلِّقَ قد یُحدِثُ لَه نَدَمٌ فَلَا یُمکِنُه تَدَارُکُه لِوُقُوعِ البَینُونَتِه فَلَو کَانَتِ الثَّلٰثُ لَم تَقَع طَلَاقُه هٰذَا اِلَّا رَجعِیاً فَلَا یَندَمُ

ترجمہ وہ ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

(۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید ابن غفلہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خشعمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ حضرت امام کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ بھی رو پڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت بغیر حلالہ اسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں لَولَآ اَنِّی سَمِعتُ جَدِّی وَحَدَّثَنِی اَبِی اَنَّه سَمِعَ جَدِّی یَقُولُ اَیُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ اِمرَاءَ تَه ثَلٰثاً عِندَالاَقرَاءِ اَوثَلٰثاً مُبهَمَةً لَم تَحِلَّ لَه حَتّٰی تَنکِحَ زَوجاً غَیرَه (سنن کبریٰ للبیہقی جلد نمبر ۷ صفحہ ۳۳۶)

(۴) اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلیٰ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ فَقَالَ طَلَّقتُ اِمرَاءَ تِی اَلفاً قَالَ ثَلٰثٌ تُحَرِّمُهَا عَلَیکَ وَاَقسِم سَائِرَ هُنَّ بَینَ نِسَآءِ کَ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۵)

یعنی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ میں نے اپنی بیویوں کو بانٹ دے یعنی وہ لغو ہیں ظاہر ہے کہ اس سائل نے یہ ہزار طلاقیں ہزار مہینوں میں تو نہ دی ہوں گی ورنہ ۸۲ سال ۲ مہینے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے تینوں جائز رکھیں۔

(۵) بیہقی میں ہے عَن جَعفَرِ ابنِ مُحمَّدٍ عَن عَلّی رَضِیَ اللہ ُتَعَالیٰ عَنہُ قَالَ لَا تُحِلُّ لَه حَتّٰی تَنکِحُ زَوجاً غَیرَہ السنن الکبریٰ للبیہقی جلدے صفحہ ۳۳۵ یعنی امام جعفر صادق اپنے جدامجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے تو بیوی بغیر حلالہ حلال نہیں۔ اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں بغیر حلالہ حلال نہیں۔ اسکی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر ابی یعلیٰ سے مروی ہے کہ عَن عَلّی رَضِیَ اللہ ُعَنہُ فِیمَن طَلَّقَ اِمرَءِ تَه ثَلٰثاً قَبلَ اَن یَّدخُلَ بِهَا قَالَ لَا تَحِلُّ لَه حَتّٰی تَنکِحُ زَوجاً غَیرَہ

(۶) بیہقی نے محمد ابن ایاز ابن کبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے ایک دم تین طلاقیں دیدیں پھر اس کا خیال ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا ان دونوں صحابیوں نے فرمایا ہم اس نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں بچا کچھا تھا تو نے اکٹھا ہی دے دیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَسَئَلَ اَبَاهُرَیرَۃَ وَعَبدَ اللہ اِبن عَبَّاسٍ فَقَالَ لَا نَرٰی اَن تَنکِحَهَا حَتّٰی تَنکِحَ زَوجاً غَیرَکَ قَالَ اِنَّمَا کَانَ طَلَاقِی اِیَّاهَا وَاحِدَۃً فَقَالَ ابنُ عَبَّاسٍ اِنَّکَ اَرسَلتَ مِن یَدِکَ مَا کَانَ لَکَ مِن فَضلٍ

(سنن کبریٰ جلدے صفحہ ۳۳۵)

(۷) اسی بیہقی میں عبدالحمید ابن رافع سے بروایت عطا ہے کہ کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ عَبَّاسٍ طَلَّقتُ اِمرَاتِی مَائَتَه قَالَ تَاخذ ثَلٰثاً وَدَع سَبعاً تِسعَینَ (سنن کبریٰ بیہقی جلدے صفحہ ۳۳۷)۔

(۸) بیہقی میں سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین لے لو۔ اور نو سو ستانوے چھوڑ دو۔ عبارت یہ ہے اِنَّ رَجُلاً جَآءَ اِلیٰ اِبنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ طَلَّقتُ اِمرَاتِی اَلفاً فَقَالَ تَاخُذثَلٰثاً وَدَع تَسِعَ مَائِتِه وَسَبعَةً وتِسبعِین (سنن کبریٰ بیہقی جلدے صفحہ ۳۳۷)

(۹) بیہقی میں بروایت سعید ابن جبیر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے اس شخص سے فرمایا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دی تھیں کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہوگئی۔ عبارت یہ ہے عَن اِبنِ عَبَّاسٍ اَنَّه قَالَ لِرَجُلٍ طَلَّقَ اِمرَاء تَه ثَلٰثاً حُرِّمَت عَلَیکَ (سنن کبریٰ بیہقی جلدے صفحہ ۳۳۷

(۱۰) بیہقی میں بروایت عمرو ابن دینار ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہدو کہ تجھے برج جوزہ کا سر ہی کافی ہے۔ خیال رہے کہ برج جوزہ کے سر پر تین ستارے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔

عَن عُمَرَ ابنِ دِینَارٍ اَنَّ اِبنَ عَبَّاسٍ سَئِلَ عَن رَجُلٍ طَلَّقَ اِمرَاء تَه عَدَدَ النُّجُومِ فَقَالَ اِنَّمَا یَکفِیکَ رَاسُ الجَوزَاءِ (سنن کبریٰ بیہقی جلدے صفحہ ۳۳۷)

(۱۱) ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق باب مَن طَلَّقَ ثَلٰثاً فِی مَجلِسٍ وَاحِدٍ میں ہے کہ فاطمہ قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں ایک دم دیدیں۔ ان تینوں کو حضور ﷺ نے جائز رکھا عبارت یہ ہے قَالَت طَلَّقَنِی زَوجِی ثَلٰثاً وَهُوَ خَارِجٌ اِلَی الیَمنِ فَاَجَازَ ذٰلِکَ رَسُولُ اللہ ﷺ

(۱۲) حاکم ابن ماجہ ابوداؤد نے ابن علی ابن یزید ابن رکانہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دادا نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک نیت کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی پس حضرت محمد ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کو واپس فرما دیا۔

چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے عَنْ عَبْدُاللہِ ابْنِ عَلِّی ابنِ یَزِیدَابنِ رُکَانَتَہ عَنْ اَبِیہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّہٗ طَلَّقَ اِمْرَاتَہ البَتَّہ فَاَتیٰ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ فَقَالَ مَا اَرَدْتَ بِھَا وَاحِدَۃً قَالَ اَوَ اللہِ مَا اَرَدْتُ بِھَا اِلَّا وَاحِدَۃً قَالَ وَاللہِ مَااَرَدْتُ بِھَا اِلَّا وَاحِدَۃً قَالَ فَرَدَّھَا اِلَیہ (ابن ماجہ باب طلاق البتہ وابوداؤد باب البتہ) اگر ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت رکانہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھا اَنْتِ طَالِق "طَالِق" "طَالِق" اور آخری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی تھی۔ اس لئے اسے ایک قرار دیا گیا یہ روایت نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ مَا اَشْرَفَ ھٰذَا الحَدِیثْ یہ حدیث کیا ہی شریف الاسناد ہے ابوداؤد نے فرمایا ہے ھٰذَا اَصَحُّ مِن حَدِیثِ اِبنِ جُرَیح یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریح زیادہ صحیح ہے

(۱۳) امام مالک وشافعی وابوداؤد وبیہقی میں بروایت معاویہ ابن ابی عباس سے کہ کسی نے حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دیدے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کردیگی اور تین حرام کہ بغیر حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔ عبداللہ ابن عباس نے اس کی تاکید فرمائی۔ عبارت یہ ہے عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ اَیَاسٍ اَنَّ اِبْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا ھُرَیرَۃَ وَعَبدَاللہِ ابنِ عُمَرَ ابنَ العَاصِ سُئِلُوا عَنِ البِکرِوَطَلَّقَھَا زَوجُھَا ثَلٰثاً قَالَ لَا تَحِلُّ لَہ حَتّٰی تَنکَحَ زَوجاً غَیرَۃُ وَرَوٰی مَلِک" عَنْ یَحییٰ ابنِ سَعِیدٍ عَن بُکَیرِابنِ اَشَجَّ عَنْ مَعَاوِیَتَہ ابنِ عَیَاشٍ اَنَّہ شَھِدَ ھٰذَہٖ القِصَّت (ابوداؤد باب نسخ المراجعہ بعد التطلیق الثلث)

(۱۴) بیہقی نے بسام صریفی سے روایت کی کہ جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دیدے وہ عورت اس پر حرام ہوجائے گی۔

(۱۵) اسی بیہقی نے مسلمہ ابن جعفر احمد سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک دم تین طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی؟ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی (تفسیر روح المعانی پارہ دوم)

(۱۶) مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنادیا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی عبارت یہ ہے۔

فَقَالَ عُمَرابنُ الخَطَّابِ اِنَّ النَّاسَ قَدِاستَعجَلُوا فی اَمرٍ کَانَت لَھُم فِیہِ عَنَا ۃ" قَضَینَاہُ عَلَیھِم فَاَ مضَاۃُ عَلَیھِم

(۱۷) اس حدیث کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع اس پر ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط پر اجماع نہیں کرسکتے۔

(۱۸) جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ دے تین اور پڑے ایک مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہیے۔

(۱۹) فعل حرام ہونے سے قانون نہیں بدل جاتا۔ ایک دم تین طلاقیں دینا بیشک سخت منع ہے لیکن جب شوہر تین طلاقیں منہ سے بول رہا ہے تو واقع کیوں نہ ہوں دیکھو چوری کی چُھری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی ذبح کرے تو بیشک حلال ہے بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر کوئی دیدے تو واقع ہوجائے گی۔

(۲۰) اسقاط میں مسبب سبب سے وابستہ ہوتا ہے کہ سبب کے ہوتے ہی مسبب کا ہونا ضروری ہے۔ ہدایہ کتاب الوکالت میں ہے۔

لِاَ نَّ الحُکمَ فِیھَا لَا لَا یَقبَلُ الفَصَلَ عَنِ السَّبَبِ لِاَنَّہ' اِسقَاط" فَیَتلَاشَیٰ یعنی اسقاط میں حکم اپنے سبب سے علیحدہ نہیں ہوسکتا طلاق بولنا سبب ہے اور طلاق واقع ہونا اس کا حکم اور طلاق زوج کی ملکیت کا محض ساقط کرنا ہے لہذا ناممکن ہیکہ سبب پایا جائے اور حکم نہ پایا جائے کہ وہ بولے تین اور پڑے ایک۔

(۲۱) جمہور علماء خصوصاً چاروں امام حنیفہ امت مسلمہ کی مخالفت ہے جو گمراہی ہے غرضیکہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث اجماع صحابہ اقوال علماء محدثین ومفسرین ودلائل عقلیہ ہی سے ثابت ہے اس کی مخالفت عقل ونقل کی مخالفت ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراض وجوابات

غیر مقلدین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ ملیں گے بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اتنے بھی نہیں معلوم جو ہم انکی وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ" بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ کچھ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مَرَّتٰنِ اور فَاِنْ کی ف سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ چاہئیں۔ ایک دم تین طلاقیں الگ الگ کہاں ہوئیں۔ مرتان علیحدگی بتا رہا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ اَلطَّلَاقُ میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔ تو بغیر حلالہ اسے عورت حلال نہیں۔ تفسیر احمدی وصاوی وجلالین میں ہے اَلطَّلَاقُ اَیِ التَّطْلِیْقُ الَّذِیْ یُرَاجَعُ بَعْدَهٗ مَرَّتٰنِ دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ مرتان سے تین طلاقوں کی علیحدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی لفظاً علیحدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی علیحدگی کیونکہ علیحدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیاں ایک حیض کا فاصلہ ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے فَارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہینہ میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ بیشک ایک دم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم تین طلاقیں دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں اس سے آیت ساکت ہے۔

دوسرا اعتراض مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہوں گی عبارت یہ ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ الطَّلَاقُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ اَبِیْ بَکْرٍ وَ ثِنْتَیْنِ مِنْ خِلَافَتِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً" نیز اسی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابوالصہباء نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں عبارت یہ ہے اِنَّ اَبَا الصَّهْبَآءِ قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَتَعْلَمُ اَنَّمَا کَانَتِ الثَّلٰثُ تُجْعَلُ وَاحِدَةً عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ ﷺ وَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ ثَلٰثًا مِنْ اِمَارَةِ عُمَرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ ان حدیثوں سے صراحتاً معلوم ہوا کہا یک دم تین طلاقیں ایک ہیں۔

نوٹ غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان یہ کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہوگا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے، نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنا دینا کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبداللہ ابن عباس کا اس پر اعتراض نہ کرنا باآواز بلند خبر دیتا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماؤل۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مراد ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایک دم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو اول ہی واقع ہوگی اور اخیر کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابو داؤد کتاب الطلاق بَابُ نَسْخِ الْمُرَاجِعَةِ بَعْدَ التَّطْلِیْقَاتِ الثَّلٰثِ میں ہے کہ ابو صحبا نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔ عبارت یہ ہے قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَلٰی کَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ ثَلٰثًا قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا وَاحِدَةً الخ اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت کا یہ ہی مطلب ہے اور یہ حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق

ہے طلاق طلاق۔ گویا پچھلی دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ اور زمانہ فاروقی میں لوگوں کا یہ حال بدل گیا کہ دو تین طلاقیں ہی دینے لگے لہٰذا صورت مسئلہ بدلنے سے حکم بدل گیا۔ نووی شریف میں ہے۔

فَالَا صَحُّ اَنَّ مَعْنَاہُ اَنَّہ کَانَ فِی الاَمرِ الاَوَّلِ اِذَا قَالَ لَهَا اَنتِ طَالِقٌ ” اَنتِ طَالِقٌ “ اَنتِ طَالِقٌ “ وَ لَم یَنوِ تَاکِیداً وَلَا اِستِینَاتاً یُحکُم بِوقُوعِ طَلَقتِہٖ لِقِلَّتِہٖ اِرَادَتِہِم الاِستِینَافَ بِذٰلِکَ مَحوّل “ عَلَی الغَالِبِ الَّذِی ھُوَاِرَادَۃُ التَّاکِید فَلَمَّا کَانَ فِی زَمَانِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ وَکَثُرَ استِعمَالُ النَّاسِ بِھٰذِہِ الصِّیغَتِہ وَ غَلَبَ مِنھُم اِرَادَۃُ الاستِینَافِ بِھَا حُمِلَت عَنہُ الاَطَلَاقُ عَلَی الثَّلٰثِ عَمَلاً بَالغَالِبِ السَّابِقِ الفِھمِ مِنھَا فِی ھٰلِکَ العَصَر

”یعنی چونکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تین طلاقوں میں اول طلاق سے طلاق کی نیت کرتے اور پچھلی دو سے تاکید کرتے تھے اس لئے جو کوئی بغیر نیت کے بھی ایکدم تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی کہ اس وقت غالب حال یہ ہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تین طلاقوں سے تین ہی کی نیت کرنے لگے اس لئے تین جاری کردی گئیں صورت مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا دیکھو قرآن شریف میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ بیان ہوئے۔ مولفتہ القلوب (کفار مائل باسلام) کو بھی زکوٰۃ دینے کی اجازت دی گئی۔ مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا کہ مصرف زکوٰۃ صرف سات ہیں مؤلفتہ القلوب خارج کیونکہ نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جماعت تھوڑی اور کمزور تھی اس لئے ایسے کافروں کو زکوٰۃ دیکر مائل کیا جاتا تھا۔ عہد فاروقی میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی نہ کمزوری لہٰذا ان کو زکوٰۃ دینا بند کردیا گیا۔ وجہ بدلنے سے حکم بدلا نسخ نہیں کیا گیا۔ اب تک زید فقیر تھا اسے زکوٰۃ لینے کا حکم دیا گیا۔ اب غنی ہوگیا تو زکوٰۃ دینے کا حکم ہوگیا۔ کپڑا ناپاک تھا اس سے نماز ناجائز قرار دی اب پاک ہوگیا اس سے نماز جائز ہوگئی۔ ہندوستان میں آج کل کوئی طلاق کی تاکید جانتا بھی نہیں تین ہی کی نیت سے طلاقیں دیتے ہیں تو عجیب بات ہے کہ صورت مسئلہ کچھ اور حکم کچھ اور دیا جائے اللہ غیر مقلدوں کو عقل دے جس سے حدیث کا مقصد صحیح سمجھا کریں۔

تیسرا اعتراض ابوداؤد جلد اول اور در منثور جلد اول ص ۲۷۹ و عبد الرزاق و بیہقی نے عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی کہ عبد یزید ابو رکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دی حضور ﷺ نے فرمایا کہ طلاق سے رجوع کرلو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تین طلاقیں دی ہیں فرمایا ہاں ہم جانتے ہیں مگر رجوع کرو اور یہ آیت تلاوت فرمائی یَـآ اَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ ابوداؤد وغیرہ کی عبارت یہ ہے طَلَّقَ عَبدُ یَزِیدَ اَبُورُ کَانَتَہ اُمَّ رُکَانَتَہ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِرجِعْ بَامرَ اَتِکَ فَقَالَ اِنِّی طَلَّقتُھَا ثَلٰثاً قَالَ قَد عَلِمتُ ارجِعھَاوَتَلَایَا اَیُّھَا النَّبِی (الآیۃ) (بیہقی سنن کبریٰ جلد ۳۳۹ و ابوداؤد باب نسخ المراجعۃ صفحہ ۲۹۹) اگر اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت درپیش لوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کردیا گیا حالانکہ خود ابو رکانہ عرض کررہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر بھی ایک ہی مانی گئی۔

جواب افسوس کہ معترض نے ابوداؤد اور بیہقی کی آدھی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب وہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابوداؤد و بیہقی میں ہے کہ نافع ابن عجیر اور عبد اللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی لہٰذا حضور نے ان کی بیوی کو ان کی طرف واپس کردیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اسکا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے حالات بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادے نے میری دادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاقیں تین دیں۔ لامحالہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔

وَحَدِیثُ نَافِعِ ابنِ عَجِیرٍ وَ عَبدِ اللّٰہِ ابنِ عَلِیِّ ابنِ یَزِیدَ ابنِ رُکَانَتَہ عَن اَبِیہِ عَن جَدِّہٖ اِنَّ رُکَانَتَہ طَلَّقَ اِمرَاءَ تَہ البَتَّتَہ فَرَدَّھَا النَّبِیُّ ﷺ اَصَحُّ لَانَّھُم وَلَدُ الرَّجُلِ وَ اَھلُہ اَعلَمُ بِہٖ اَنَّ رُکَانَتَہ اِنَّمَا طَلَّقَ اِمرَاءَ تَہ البَتَّتَہ وَجَعَلَھَا النَّبِیُّ ﷺ وَاحِدَۃً (سنن کبریٰ بیہقی و ابوداؤد، یہ ہی مقام)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایات سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبد اللہ ابن عباس سے آٹھ روایتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتہ کی ہی روایت ہے بتاؤں کہ تین طلاقوں والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نو روایتیں بیہقی کی عبارت یہ ہے۔

وَهٰذَا الاسنَاد" لَاتَقُومُ بِهِ الحُجّته مَعَ ثَمَانِيَتِه وَرَدَ عَن عَبَّاسٍ فَافتاه بَخلفِ ذٰلِکَ وَمع روَايتِ اَولَادِ رُکَانَته اَنَّ طَلَاق" رُکَانَته کَانَ وَاحِدَة" وَبِاللهِ التَّوفِيقُ (سنت کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۹) ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ ابورکانہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ ﷺ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی ﷺ نے اس پر قسم بھی لی تھی تب انہیں رجوع کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابورکانہ کی تین طلاقوں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شائد تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں۔ اس لئے بجائے بتہ کے تین کی روایت بالمعنیٰ کر گیا۔ جس میں اس نے سخت غلطی کی عبارت یہ ہے وَاَمَّاب الرِّوَايَتُ الَّتِی رَوَاهَا المُخَالِفُونَ اَنَّ رُکَانَته طلقها ثَلٰثاً فَجَعَلَهَا وَاحِدَةٌفرِوَايَة" ضَعِيفَة" عَن قَومٍ مَجهُولِينَ وَ اِنَّمَا الصَّحِيحُ مِنهَا مَقدَّ منا ہُ اَنَّه طَلَّقَهَا البَتَّه وَلَفظُ البَتَّه مُحتَمَل" لِلوَاحِدَةِ وَلِثّلٰثِ وَ لَعلَّ صَاحِبَ هٰذِا الرِّوَايَته الضَّعِيفَتِه اِعتَقَد اَنَّ لَفظَ البَتَّه ثَلَاثٌ اَفرَوَاہُ بِالمَعنیٰ الَّذِی فَهِمه وَغلط فی ذَالِکَ

چوتھا اعتراض سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بحالت حیض تین طلاقیں اکٹھی دیں تھیں۔ جنہیں حضور ﷺ نے ایک قرار دیا اور اس سے رجوع کرنے کا حا اگر یہ طلاقیں تین ہی ہوتیں تو رجوع ناممکن ہوتا۔

جواب یہ غلط ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں رجوع کا حکم دیا کیونکہ طلاق بحالت طہر ہونی چاہیے چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب تحریم الطلاق الحائض میں ہے عَن نَافِعٍ عَن عَبدِ اللهِ اَنَّه طَلَّقَ اِمرَاءۃً لَه وَهِیَ حَائِض" تَطلِيقَتهٌ وَاحِدَة" فَاَمَرَه رَسُولُ اللهِ ﷺ اَن يُرَاجِع ثُمَّ يُمسکُهَا حَتّٰی تَطهَرَ نیز نووی شریف شرح مسلم باب الثلث میں فرمایا وَ اَمَّا حَدَيثُ اِبنِ عُمَرَ فَرَ وَ ايَاتُ الصَّحِيحُته الَّتِی ذَکَرَهَا مُسلِم" وَّ غَيرُ ہ اَنَّه طَلَّقَهَا وَاحِدَةً ان کے متعلق تین کی روایت بالکل ضعیف ہیں۔

پانچواں اعتراض تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۱۴۷ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کی تفسیر میں ہے مَعنَا ہُ اَنَّ تَطلِيق" الشَّرعِيَته يَجِبُ اَن يَّکُونَ تَطلِيقَة" عَلیٰ التَّفرِيقِ دُونَ الجَمعِ وَالا رسَالِ وَ هٰذَا التَّفسِيرِ هُوَقَولُ مَن قَالَ الجُمعُ بَينَ الثَّلٰثِ حَرَام" یعنی طلاق شرعی الگ الگ بغیر جمع کئے دینا واجب ہے یہ ہی ان لوگوں کی تفسیر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں شرعی طلاق نہیں۔

جواب اس کا کون منکر ہے بیشک طلاقیں الگ الگ ہی دینا ضروری ہیں گفتگو اس میں ہے کہ اگر کوئی اپنی حماقت سے تین طلاقیں اکٹھی دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ تین واقع نہ ہوں گی صرف یہ ہے کہ یہ کام ناجائز ہے۔ کسی چیز کا حرام ہونا اور چیز ہے اور اس پر شرعی احکام کا مرتب ہونا کچھ اور۔ رمضان شریف میں دن میں کھانا پینا حرام ہے لیکن اگر کوئی کھا جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ زنا حرام ہے لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر غسل ضرور واجب ہو جائے گا۔ حرمت کا اثر اسباب کی سببیت پر نہیں پڑتا۔

چھٹا اعتراض تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۲۴۷ میں ہے وَهُوَ اختِيَار" کَثِير" مِن عُلَمَآءِ الدِّينِ اَنَّه لَو طَلَّقَهَا اِثنَتَينِ اَوثَلٰثاً لَا يَقَعُ اِلَّا الوَاحِدَةُ یعنی بہت علماء دین نے یہ بھی اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی اکٹھی دو یا تین طلاقیں دیدے اس سے ایک ہی واقع ہوگی۔ معلوم ہوا کہ عام علماء اسلام کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔

جواب معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے اور ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اسکے وہابی پیروکار ہیں۔ انہیں کا یہ مذہب ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر صاوی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں اور ابن تیمیہ اور اسکے متبعین کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ گر لکھا ہے۔ نیز معترض نے تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل نہ کی۔ اس عبارت کے آگے یہ ہے وَالقَولُ الثَّانِی وَهُوَ قَولُ اَبِی حَنِيفَته رَضِیَ اللهُ عَنهُ اَنَّه وَاِن کَانَ مُحَرَّماً اِلَّا اَنَّه يَقَعُ یعنی دوسرا قول امام ابوحنیفہ کا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اگرچہ منع ہیں۔ لیکن واقع ہو جائیں گی۔ کچھ آگے جا کر تفسیر کبیر نے فرمایا کہ آئمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے کہ جسے تین طلاقیں دی جائیں وہ شوہر کے لئے حلال نہیں دیکھو تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۶۵۔

ساتواں اعتراض عقل بھی چاہتی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی علیحدگی کا حکم ہے ان کو اکٹھا کر دینا ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً لعان میں الگ الگ چار قسمیں کھانا واجب ہے، اور حج میں جمروں پر الگ الگ سات کنکر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں میں سے ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں کنکر ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائیگی اور چھ کنکر اسکے علاوہ مارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّۃٍ** تو اس کا یہ درود ہزار نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائیگا لہذا چاہیئے کہ اگر کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقع ہو نہ کہ تین۔

جواب **الحمد للہ** آپ قیاس کے تو قائل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب لعان اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے، نہ کہ محض فعل لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زنا میں گواہیاں چار ہیں تو لعان میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہیئے۔ بیک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہیئے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی منت اتنی محنت کی منت ہے اور ظاہر کہ ایک بار **الف مرۃ** کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہذا ان کے احکام بھی مختلف، قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے، طلاق کون سا ثواب کا کام ہے۔ تا کہ اس میں زیادہ ثواب ملے۔ غرضیکہ تمام اعتراضات مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی بنا تن آسانی اور نفس پروری ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر لہ رجوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

وَصَلَّے اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَ نُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِہٖ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

مقدمہ

اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد اچھی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرمالیں۔ یہ قواعد بہت ہی کارآمد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱ اسناد کے لحاظ سے حدیث کی بہت قسمیں ہیں مگر ہم صرف تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں۔ حدیث صحیح، حدیث حسن، حدیث ضعیف

صحیح وہ حدیث ہے جس میں چار خوبیاں ہوں۔

(۱) اس کی اسناد متصل ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مؤلف کتاب تک کوئی راوی کسی جگہ چھوٹا نہ ہو۔

(۲) اس کے سارے راوی اوّل درجہ کے متقی پرہیزگار ہوں۔ کوئی فاسق یا مستوالحال نہ ہو۔

(۳) تمام راوی نہایت قوی الحافظہ ہوں کہ کسی کا حفظہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو۔

(۴) وہ حدیث شاذ یعنی احادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

حسن وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ نہ ہوں۔ یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

ضعیف وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قوی الحافظہ نہ ہوں۔ یعنی جو صفات حدیث صحیح میں معتبر تھیں اُن میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲ پہلی دو قسمیں یعنی صحیح اور حسن احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں۔ لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں یعنی اس سے حلال و حرام ثابت نہ ہوں گے ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت و فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گڑھی ہوئی حدیث کو نہیں کہتے۔ جیسا کہ غیر مقلدوں نے عوام کے ذہن نشین کرا دیا ہے کہ لوگوں نے اسے کھا جانے والا ہوّا سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی دو سے کچھ کم رکھا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳ اگر حدیث ضعیف کسی وجہ حسن بن جاوے تو وہ بھی مطلقاً معتبر ہے۔ اس سے احکام و فضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ٤ حسب ذیل چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ دو یا زیادہ سندوں سے روایت ہو جانا اگرچہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں۔ یعنی اگر ایک حدیث چند ضعیف روایتوں سے مروی ہو جاوے تو اب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی۔
(مرقاۃ، موضوعات کبیر، شامی، مقدمہ مشکوٰۃ شریف مولانا عبدالحق۔ رسالہ اصول حدیث للجرجانی اوّل ترمذی شریف وغیرہ)

۲. علماء کاملین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ یعنی اگر حدیث ضعیف پر علماء دین عمل شروع کر دیں تو وہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہو جاوے گی اس ہی لیئے امام ترمذی فرما دیتے ہیں۔

هٰذَا الْحَدِيْثُ غَرِيْبٌ" ضَعِيْفٌ" وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَا اَهْلِ الْعِلْمِ "یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔"

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف ناقابلِ عمل مگر علماء امت نے بیوقوفی سے عمل کر لیا اور سب گمراہ ہو گئے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حدیث رواتیہ کے لحاظ سے ضعیف تھی۔ مگر علماء امت کے عمل سے قوی ہو گئی۔

۳. علماء کے تجربہ اور اولیاء کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے شیخ محی الدین بن عربی ایک حدیث سنی تھی کہ جو ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھے۔ اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک جوان نے کہا کہ میں اپنی مری ہوئی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ شیخ نے ستر ہزار بار کلمہ پڑھا ہوا تھا۔ اپنے دل میں اس کی ماں کو بخش دیا دیکھا کہ جوان ہنس پڑا اور بولہ کہ اپنی ماں میں جنت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس ولی کے کشف سے معلوم کی (صحیح البہاری) تحذیر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم میں یہ ہی واقعہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا نقل فرمایا۔

قاعدہ نمبر ٥ اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ لہٰذا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث ایک اسناد میں ضعیف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تیسری میں صحیح اسی لیئے امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرما دیتے ہیں۔

هذا الحديث حسن صحيح "غريب "یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے غریب بھی۔"

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہی ہوتا کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد حسن ہے دوسری سے صحیح تیسری سے غریب۔

قاعدہ نمبر ٦ بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کے لئے مضر نہیں۔ لہٰذا اگر ایک حدیث امام بخاریؔ یا ترمذیؔ کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف شامل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہی حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سند صحیح سے ملی ہے۔ آپ کے زمانہ تک وہ ضعیف، راوی اس کی اسناد میں شامل نہ ہوا۔ لہٰذا کسی وہابی کو یہ ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام اعظم کو ضعیف ہو کر ملی۔

ایک دفعہ ایک وہابی غیر مقلد سے قرأۃ خلف الامام پر ہماری معمولی گفتگو ہوئی۔ ہم نے یہ حدیث پیش کی۔

قِرَاْۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرْاءَ ۃٌ ’’امام کی قرأت مقتدی کی قراءت ہے۔‘‘

وہابی جی بولے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں جابر جعفی ہے۔ جو ضعیف ہے ہم نے پوچھا کہ جابر جعفی کب پیدا ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ضعیف ہے۔ تڑپ کر بولے ۳۳۵ھ میں ہم نے کہا کہ جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا تھا تب جابر اپنے باپ کی پشت میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ ہجری میں ہوئی اور وفات ۵۰ میں لہذا اس وقت یہ حدیث بالکل صحیح تھی۔ بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر ملی وہابی صاحب سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ بغیر جواب دیئے فوت ہو گئے۔

لہذا حنفی علماء کو خیال رکھنا چاہئے کہ وہابی کو ضعیف ضعیف کہنے سے روکیں۔ وجہ ضعیف پوچھیں پھر یہ تحقیق کریں کہ ضعف امام اعظم سے پہلے کا ہے یا بعد کا ان شاء اللہ وہابی جی پانی مانگ جائیں گے اور ضعیف کا سبق بھول جائیں گے۔ کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہے۔ اس وقت حدیثیں بہت کم ضعیف تھیں امام صاحب تابعی ہیں۔

قاعدہ نمبر۷ جرح مبہم قابل قبول نہیں یعنی کسی ناقد حدیث خصوصاً ابن جوزی وغیرہ کا یہ کہہ دینا کہ فلاں حدیث یا راوی ضعیف ہے غیر معتبر ہے۔ جب تک یہ نہ بتائے کہ کیوں ضعیف ہے۔ اور اس راوی میں کیا ضعف ہے۔ کیونکہ وجہ ضعف میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تدلیس۔ ارسال۔ گھوڑے دوڑانا۔ مذاق۔ نوعمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب جانا ہے۔ مگر حنفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں۔ (نورالانوار بحث طعن علی الحدیث)

قاعدہ نمبر۸ اگر جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح یعنی ایک راوی کو محدث نے ضعیف کہا کسی نے اسے قوی فرمایا۔ بعض تواریخ سے اس کا فسق ثابت ہوا بعض نے فرمایا وہ متقی صالح تھا تو اسے متقی مانا جاوے گا۔ اور اس کی روایت ضعیف نہ ہوگی۔ کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔

قاعدہ نمبر۹ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں۔ لہذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ضعیف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ حدیث حسن ہو۔ صحیح و ضعیف کے درمیان بہت درجے ہیں۔

قاعدہ نمبر۱۰ صحیح حدیث کا دارومدار مسلم بخاری یا صحاح ستہ پر نہیں صحاح ستہ کو صحیح کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری حدیثیں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں۔ ہمارا ایمان حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ نہ کہ محض بخاری و مسلم وغیرہ پر حضور ﷺ کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سر آنکھوں پر ہے بخاری میں ہو نہ ہو تعجب ہے۔ غیر مقلدوں پر کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں۔ مگر مسلم بخاری پر ایسا ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔

قاعدہ نمبر۱۱ کسی عالم فقیہ محدث کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کر لینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی فقیہ عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فرمادے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہو جاوے گی۔ ولی الدین محمد ابن عبداللہ خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ خطبہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَاِنِّیْ اِذَا اَسْنَدْتُ الْحَدِیْثَ اِلَیْھِمْ کَاَنِّیْ اَسْنَدْتُ اِلَی النَّبِیِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

’’میں نے جب حدیث کو ان محدثین کی فرط منسوب کر دیا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب کر دیا۔‘‘

ان قواعد سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں کوئی ضعیف نہیں ہو سکتی کہ ان پر امت کا عمل ہے ان کو علماء فقہاء نے قبول فرما لیا ہے ان میں سے ہر حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔ فقیر حقیر ان شاء اللہ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا۔ جن سے کوئی حدیث ضعیف نہ کہی جاسکے کیوں کہ اسنادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔ احمد یار خاں

قاعدہ نمبر۱۲ اگر حدیث و قرآن میں تعارض نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنے چاہئیں جس سے دونوں میں موافق ہو جاوے تعارض جاتا رہے ایسے ہی اگر حدیثیں آپ میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنی کرنے لازم ہیں کہ مخالف نہ رہے اور سب پر عمل ہو جاوے اس کی مثال یہ ہے کہ رب فرماتا ہے۔

فَاقْرَءُ وْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ’’جس قدر قرآن مجید آسان ہو نماز میں پڑھ لو۔‘‘

لیکن حدیث شریف میں ہے۔

لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ ’’جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔‘‘

یہ حدیث اس آیت کی مخالف معلوم ہوتی ہے لہذا احادیث کے معنی یہ کرو کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ مطلقاً قراءت نماز میں فرض ہے اور

سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب تعارض اُٹھ گیا اور قرآن و حدیث دونوں پر عمل ہو گیا۔ نیز رب فرماتا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا "جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔"

لیکن حدیث شریف میں ہے

لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَاءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ "جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور حدیث شریف مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہٰذا یہ مانو کہ قرآن کا حکم مطلق ہے۔ اور حدیث شریف کا حکم اکیلے نمازی یا امام کے لئے ہے۔ مقتدی کے لئے امام کا پڑھ لینا کافی ہے کہ یہ اس کی حکمی قرأت ہے، غرضکہ یہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی کے یا اپنے سے اوپر والی حدیث کے ایسے مخالف ملے کہ کسی طرح مطابقت ہو ہی نہ سکے تو پھر قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح ہوگی اور یہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی۔ یہ حدیث منسوخ مانی جاوے گی۔ یا حضور ﷺ کی خصوصیت میں سے شمار ہوگی۔ اسکی بہت مثالیں ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۳ حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لے قیامت ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب کا دارومدار ان روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا۔ مگر حنفیوں کے لئے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قول امام ہے۔ قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن و حدیث ہیں۔ مگر امام صاحب کو جب حدیثیں ملیں تو صحیح تھیں کہ ان کی اسنادیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں دیدے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند کے دفعات ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے غیر مقلدیت رب کا عذاب۔

حصہ دوم

پہلا باب

کانوں تک ہاتھ اٹھانا

نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کو کانوں تک ہاتھ اٹھانا سنّت ہے مگر وہابی غیر مقلد عورتوں کی طرح کندھوں سے انگوٹھے چھو کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ لہذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے حنفیوں کے دلائل۔ دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

پہلی فصل

کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ١ تا ٣ بخاری، مسلم، طحاوی نے مالک ابن حویرث سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حتّٰى يُحَاذِى اُذنَيْهِ وَفِیْ لَفْظٍ حَتّٰى يُحَاذِى بِهِمَا فُرُقَعَ اُذُنَيْهِ

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانوں تک اُٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانوں کی لَو تک اُٹھاتے۔“

حدیث نمبر ٤ ابوداؤد شریف میں حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے۔

رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِذَا فَتَحَ الصَّلٰوةُ رَفَعَ يَدَيْهِ اِلٰى قَرِيْبٍ مِنْ اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَايَعُوْدُ.

”میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے۔ پھر رفع یدین نہ فرماتے۔“

حدیث نمبر ٥ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

اَنَّہ‘ رَاَیَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ كَبَّرَ قَالَ اَحَدُ الرُّوَاةُ جِبَالُ اُذُنَيْهِ ثُمَّ اِلْتَحَفَ ثَبُوْيِهٖ.

”انہوں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے کانوں کے مقابل پھر کپڑے میں ہاتھ چھپا لیئے۔“

حدیث نمبر ٦ تا ٨ بخاری، ابوداؤد، نسائی نے حضرت ابو قلابہ سے روایت کی۔

اَنَّ مَالِكَ ابْنُ حُوَيْرِثْ رَاَى النَّبِیَ اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعَ يَدَيْهِ اِذَا كَبَّرَ وَ اِذَا رَفَعَ رَاسَه‘ مِنَ الرُّكُوعِ حَتّٰى يَبْلُغَ فُرُوْعُ اُذُنِيْهِ

”مالک ابن حویرث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھائے تھے جب تکبیر تحریمہ فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی لو تک پہنچ جاتے۔“

حدیث نمبر ٩ تا ١٢ امام احمد۔ اسماۃ ابن راہیہ۔ دار قطنی۔ فحاوی نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِذَا صَلّٰى رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُوْنَ اِبْهَا مَاهُ حَذَاءُ اُذُنَيْهِ

”جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اُٹھاتے کہ آپ کے انگھوٹے کانوں کے مقابل ہو جاتے۔“

حدیث نمبر ١٣ تا ١٥ حاکم نے مستدرک میں دار قطنی اور بیہقی نے نہایت صحیح اسناد سے جو بشرط مسلم و بخاری ہے۔ حضرت انس سے روایت کی۔

رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ كَبَّرَ فَحَاذَى بَابِهَا مَيْهِ اُذُنَيْهِ

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر کہی اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیئے۔“

حدیث نمبر ١٦ تا ١٧ عبدالرّزاق اور طحاودی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِذَا كَبَّرَ لِاِفْتَتَاحِ الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَكُوْنَ اِبْهَامَاهُ قَرِيْبًا مِنْ سَحمةِ اُذُنَيْهِ

”جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرمانے کیلئے تکبیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اُٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی گدیہ کے مقابل ہو جاتے۔“

حدیث نمبر ۱۸ ابوداؤد نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی کَانَتْ بِحَبَالِ مُنْکَبَیْہِ وَّحاذیٰ بِاِبْھَا مَیْہِ اُذُنَیْہِ

’’حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ ہاتھ شریف تو کندھوں کے اور انگوٹھے کانوں کے مقابل ہوگئے۔‘‘

حدیث نمبر ۱۹ دارقطنی نے حضرت براء عازب سے روایت کی۔

اَنَّہٗ رَاءَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ حِیْنَ اِفْتَتَحَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی حَذَا بِھِمَا اُذُنَیْہِ ثُمَّ لَمق یَعَدُ اِلٰی شَئیٍ مِنْ ذٰلِکَ حَتّٰی فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ

’’انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھ مبارک اُٹھائے یہاں تک کہ انہیں کانوں کے مقابل فرمادیا۔ پھر نماز سے فراغت تک ہاتھ نہ اُٹھائے۔

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی شریف نے ابوحمید ساعدی سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ لِاَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کَانَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ کَبَّرَ وَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَذَاءَ وَجْھِہٖ

’’وہ حضور علیہ السلام کے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں۔ آپ کھڑے ہوتے نماز میں تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ مبارک چہرے شریف کے مقابل تک اُٹھاتے۔‘‘

کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی اور بہت احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف بیس حدیثوں پر کفات کرتا ہوں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو کتب احادیث خصوصًا صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرو کہ اس جیسی کتاب حنفی مذہب کی تائید میں احادیث کی جامع آج تک نہ دیکھی گئی۔

عقلی دلائل عقل بھی چاہتی ہے۔ کہ نماز شروع کرنے وقت کانوں تک ہاتھ اُٹھائے جائیں کیونکہ نمازی نماز شروع کرتے وقت عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور دنیاوی جھگڑوں سے بیزار و بے تعلق ہوتا ہے۔ کھانا پینا بولنا اِدھر اُدھر دیکھنا سب کو اپنے پر حرام کرلیتا ہے۔ گویا دنیا سے نکل کر عالم بالا کی سیر کرتا ہے۔ اور اعرف میں جب کسی چیز سے توبہ یا بیزاری کراتے ہیں تو کانوں پر ہاتھ رکھواتے ہیں۔ کندھے نہیں پکڑواتے گویا نمازی قول سے نماز شروع کرتا ہے۔ اور اپنے عمل سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے بیزار ہوتا ہے۔ ایسے موقعہ پر کندھے پکڑنا بالکل ہی خلاف عقل ہے۔ جسے سجدے میں مسلمان زبان سے تو رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتا ہے اور سر زمین پر رکھ کر اپنے عجز و نیاز کا اظہار ایسے ہی شروع نماز کے وقت ایک جز کا اقرار زبان سے ہے دوسری جز کا اظہار عمل سے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ پر دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔

اعتراض ۱ مسلم و بخاری نے حضرت ابوحمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں۔

اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْہِ حَذَاءَ مَنْکَبِیْہِ

’’حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ شریف کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔‘‘

انہی مسلم و بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کیئے۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَذْوَمَنْکَبَیہِ

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔‘‘

یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنت۔

جواب یہ احادیث حنفیوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانوں سے انگوٹھے لگنے میں ہاتھ کندھوں تک ہو جاویں گے۔ اور دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاوے گا۔ لیکن کندھوں تک انگوٹھے لگانے میں ان احادیث پر عمل نہ ہو سکے گا۔ جن میں کانوں تک کا ذکر ہے۔ حنفی مذہب دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل کرتا ہے۔ وہابی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہٰذا حنفی جامع ہیں۔

بلکہ حدیث نمبر ۱۸ میں اس کی تصریح گزر گئی۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف ایسے اٹھاتے تھے کہ ہاتھ تو کاندھوں تک ہوتے تھے اور انگوٹھے

کانوں تک لہٰذا نہ احادیث متعارض ہیں نہ ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا مشکل صرف تمہاری سمجھ میں پھیر ہے۔

سارے غیر مقلدوں کو عام اعلان ہے کہ کوئی مرفوع حدیث ایسی دکھاؤ جس میں یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انگوٹھے کاندھوں تک اٹھاتے۔ جہاں کاندھوں کا ذکر ہے وہاں ہاتھ ارشاد ہوا اور جہاں کانوں کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کاندھوں تک ہاتھ اسی طرح اٹھتے تھے کہ انگوٹھے کانوں تک پہنچ جاتے تھے۔

اعتراض ۲ کانوں کی جتنی احادیث آپ نے پیش کیں۔ وہ سب ضعیف ہیں۔ لہٰذا قابل عمل نہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ وہابی غیر مقلد اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ اپنے مخالف حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نے اسی سلسلہ میں مسلم و بخاری کی احادیث بھی پیش کی ہیں۔ جن پر تمہارا پختہ ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ ضعیف حدیث جب کئی اسنادوں سے منقول ہو تو قوی اور حسن بن جاتی ہے۔ کمزور تنکے مل کر مظبوط رسی بن جاتے ہیں۔ تو کمزور اسنادیں مل کر تین حدیث کو قوی کیسے نہ کریں گی۔ دیکھو اسی کتاب کا مقدمہ چوتھے یہ کہ ان احادیث پر امت کے علماء اولیاء صالحین نے عمل کیا ہے۔ امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی امام اعظم ابوحنیفہ جیسی ہستی کا اسے قبول کرنا ہی قوی بنا دے گا۔ کیونکہ عالم صالح کا قبول کر لینا ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔ چھٹے یہ کہ آپ کا ان احادیث کو ضعیف کہہ دینا جرح مجہول ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں وجہ ضعف نہ بتائی گئی کہ کیوں ضعیف ہے۔ ساتویں یہ کہ اگر محدثین کو یہ احادیث ضعیف ہو کر ملیں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا کیوں کہ ان کے وقت میں ضعیف راوی اسنادوں میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں وہابیوں کے اس مایۂ ناز اعتراض کے ٹکڑے اڑ گئے۔ **الحمدللہ رَب العالمین۔**

دوسرا باب

ناف کے نیچے ہاتھ باندھا سنّت ہے

غیر مقلدین وہابی نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل۔ دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

نماز میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنّت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنّت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجرٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعَ یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ تَحْتَ السُّرَّۃِ رَوَاہُ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ بِمُسْنَدٍ صَحِیْحٍ وَرِجَالُہٗ ثِقَاتٌ“

”حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔“

حدیث نمبر ۲ ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ثَلٰثٌ“ مِنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّۃِ تَعْجِیْلُ الْاِفْطَارِ وَتَاخِیْرُ السُّحُوْرِ وَوَضْعُ الْکَفِّ عَلَی الْکَفِّ تَحْتَ السُّرَّۃِ

”تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا، سحری دیر کرنا، نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔“

حدیث نمبر ۳ ابوداؤد شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ اَبُوْ وَائِلٍ اَخْذَا الْکَفِّ عَلَی الْکَفِّ فِی الصَّلٰوۃِ تَحْتَ السُّرَّۃِ

”ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیئے۔

حدیث نمبر ٤، ٥ دار قطنی اور عبداللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ مِنَ السُّنَّۃِ فِی الصَّلٰوۃِ وَضْعُ الْکُفِّ وَ فِی رِوَایَۃٍ وَضْعُ الْیَمِیْنِ عَلَی الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَۃِ

”نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنّت ہے۔“

حدیث نمبر ٦، ٩ ابوداؤد نسخہ ابن اعرابی، احمد، دار قطنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّہٗ قَالَ السُّنَّۃُ وَضْعُ الْکَفِّ عَلَی الْکَفِّ تَحْتَ السُّرَّۃِ

”ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنّت ہے۔“

حدیث نمبر ۱۰ رزین نے حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ مِنَ السُّنَّۃِ فِی الصَّلٰوۃِ وَضْعُ الْکُفِّ وَ فِی رِوَایَۃٍ وَضْعُ الْیُمِیْنِ عَلَی الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَۃِ

”نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اور دنوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔“

حدیث نمبر ۱۱ امام محمد نے کتاب الآ ثار شریف میں ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یَضَعُ یَدَہٗ الْیُمْنیٰ عَلٰی عَدِہٖ الْیُسْریٰ تَحْتَ السُّرَّۃِ

”آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۲ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ یَضَعُ یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ تَحْتَ السُّرَّۃِ

”آپ نے فرمایا کہ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔“

حدیث نمبر ۱۳ ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ قَالَ مِنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ وَضَعُ الْیَمِیْمِ عَلیٰ الشِمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ

’’آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔‘‘

حدیث نمبر ۱٤ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتَ اَبَا مُجْلَزٍ وَسَاَلْتُہٗ قُلْتُہٗ کَیْفَ یَصْنَعُ قَالَ یَضَعُ بَاطِنَ کَفِّہٖ یَمُیْنَہٗ عَلیٰ ظَاھِرِ کَفِّ شِمَالِہٖ وَ یَجْعَلُھُمَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرِةِ اسنادُہ جَیِّد‘‘ وَرَوَاتُہٗ کُلُّھُمْ ثِقَات‘‘

’’میں نے ابومجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔‘‘

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی سکتی ہیں۔ صرف چودہ پر قناعت کرتا ہوں۔ اس کی تحقیق دیکھے۔ صحیح البہاری اور فتح القدیر میں۔

عـــقـــل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔ لہٰذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیئے۔ غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے میں۔ نیازمندی کے لئے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے خم ٹھونک کر۔

اللہ کے بندو جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب۔ التحیات میں ادب اور نیازمندی کا لحاظ ہے تو قیام میں اکڑ کر خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں۔ جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض نمبر ۱ ابوداؤد شریف میں ابن جریر ضبی نے اپنے والد سے روایت کی۔

قَالَ رَاَیْتُ عَلِیًّا یُمْسِکُ شِمَالَہٗ بِیَمِیْنِہٖ عَلیٰ الرُّسْعَ فَوْقَ السُّرَّةِ

’’میں نے حضرت علی مرتضےٰ کو دیکھا کہ آپ نے بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ سے کلائی پر پکڑا ناف کے اوپر۔‘‘

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آپ نے ابوداؤد شریف کی یہ حدیث پوری نہیں لکھی۔ اس کے بعد مفصل یہ ہے۔ (نسخہ ابن اعرابی)

قَالَ اَبُوْدَاوُٗدَ رَوٰی عَنْہُ سَعِیْدُ ابْنُ جُبَیْرٍ السُّرَّةِ وَقَالَ اَبُوْجَلَادٍ تَحْتَ السُّرَّةِ وَرُوِیَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ وَلَیْسَ بِالْقَوِیْ ’’ابوداود نے فرمایا کہ سعید ابن جبیر سے ناف کے اوپر کی روایت ہے۔ ابوجلاد نے ناف کے نیچے کی روایت کی۔ ابوہریرہ سے بھی ہی روایت ہے مگر یہ کچھ قوی نہیں۔

نـــوٹ ضروری: زیر ناف یا ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث مروجہ ابوداؤد کے نسخوں میں نہیں ابن اعرابی والے ابوداؤد کے نسخوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ ابوداود میں اس کی تصریح ہے اسی نسخے سے فتح القدیر اور صحیح البہاری نے روایت کیں۔

بہر حال آپ کی پیش کردہ ابوداؤد کی حدیث میں تعارض واقع ہوگیا۔ اور ان تمام متعارضہ روایتوں کو خود ابوداؤد نے ضعیف فرمایا تعجب ہے کہ آپ ابوداؤد کی ضعیف حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب حدیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ زیر ناف والی احادیث قابل عمل ہوں۔ کیونکہ سجدہ۔ رکوع۔ التحیات کی نشست سب میں ادب ملحوظ ہے تو چاہیئے کہ قیام میں بھی ادب ہی کا لحاظ رہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ادب ہے سینے پر ہاتھ رکھنا بے ادبی گویا کسی کو کشتی کی دعوت دینا ہے۔ رب کو زور نہ دکھاؤ وہاں زاری کرو۔

اعتراض نمبر ۲ آپ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔

جواب ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا آپ بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کے ساتھ جواب ہم باب اول کی دوسری فصل میں دے چکے ہیں۔ کہ جو روایت چند اسنادوں سے مروی ہو جاوے وہ ضعیف نہیں رہتی۔ ہم نے دس اسنادیں پیش کی ہیں۔ نیز امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ نیز امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر امام کے قبول فرمالینے سے ان کا ضعف جاتا رہا۔ نیز ان میں اگر ضعف ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوا بعد کا ضعف امام اعظم کو مضر کیوں ہوگا۔ وغیرہ۔

لطیفہ ہم نے چھ رمضان المبارک دوشنبہ کو حافظ الٰہی بخش صاحب ساکنہ جمال پور گجرات کو فخر اہل حدیث مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب مقیم گجرات کی خدمت عریضہ دے کر بھیجا۔ جس میں اُن سے درخواست کی کہ براہ مہربانی سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث مع حوالہ تحریر فرما کر ارسال فرمایئے۔ ہمارا خیال تھا کہ چونکہ حافظ مولانا عنایت اللہ صاحب اہل حدیث کے چوٹی کے مایہ ناز عالم ہیں وہ ضرور مسلم و بخاری یا صحاح ستہ سے اس کے متعلق بے شمار احادیث نقل فرما کر بھیجیں گے۔ جو آج تک ہم نے دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ مگر مولانا موصوف کی طرف سے جو جواب آیا وہ سنیئے اور سر دھنیئے۔ ایک انچ پرچہ پر ایک سطر لکھی تھی۔ جس میں یہ تھا۔

بلوغ المرام صہ ۱۲ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ اَنَّہٗ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فَوَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنیٰ عَلیٰ یَدِہِ الْیُسْریٰ عَلیٰ صَدْرِہٖ

”وائل ابن حجر سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر اپنے سینے پر رکھا۔“

اور مولانا موصوف نے زبانی یہ ارشاد کہہ بھیجا کہ تفسیر قادری اردو میں بھی لکھا ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ کے معنی یہ ہیں کہ ”آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور نحر یعنی سینے پر نماز میں ہاتھ رکھیں۔“

یہ جواب دیکھ کر اور سن کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی ہمیں صرف یہ افسوس ہے کہ یہ اکابر ہم سے ہر مسئلہ میں مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ فرماتے ہیں اور صحاح ستہ سے باہر نہیں نکلنے دیتے اور جب اپنی باری آتی ہے تو ایسی روایت پر قناعت فرماتے ہیں جس کا سر نا پاؤں نا کوئی اس کی سند نہ کسی مستند کتاب کا حوالہ حافظ بخش نے ہمیں بتایا کہ بلوغ المرام کوئی تیس چالیس ورق کا رسالہ ہے۔ جس میں سے یہ حدیث مولوی صاحب نے نقل فرمادی۔ اگر کسی مسئلہ پر ہم ایسے رسالہ سے کوئی حدیث نقل کرتے تو قیامت آجاتی بخاری مسلم کا مطالبہ ہوتا۔

اوّل تو پتہ نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ضعیف ہے یا کیسی ہے۔ اگر مان لو کہ حدیث صحیح ہے تو حدیث میں بھی ذکر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھا بلکہ فوضع کی ت عاطفہ تعقیبیہ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد کسی حاجت سے سینے مبارک پر ہاتھ رکھے۔

رب فرماتا ہے۔ فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا ”جب تم کھانا کھاؤ تو چلے جاؤ۔“

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے دوران میں روٹی ہاتھ میں لئے چلے جاؤ۔ اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہوگی۔ پھر اس حدیث میں اس کا طریقہ مذکور نہ ہوا کہ آیا عورتوں کی طرح سینہ پر ہاتھ رکھے یا پہلوانوں کی طرح لہٰذا حدیث مجمل ہے۔ قابل عمل نہیں

آیت کریمہ کے متعلق صرف یہ گذارش ہے کہ وَانْحَر کے انچھوتے معنی نہ کسی مرفوع صحیح، حدیث میں آئے نہ جمہور مفسرین نے بیان فرمائے۔ سب یہ ہی معنی کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کیلئے نماز پڑھو اور قربانی کرو اور حوالہ کیسی بڑی معتبر تفسیر کا دیا۔ تفسیر قادری اردو جل جلالہٗ اگر بفرض محال مان لو۔ تو اہل حدیث حضرات کو چاہئے کہ اب سے نماز میں بجائے سینے کے گلے پر ہاتھ رکھا کریں کیونکہ نحر گلے کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ جو سینے سے متصل اوپر کی جانب ہے قربانی کو نحر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ذبح کے وقت جانور کا گلا چیرا جاتا ہے۔ نہ کہ سینہ۔ لہٰذا اب ان بزرگوں کو ترقی کرکے سینے سے اوپر گلا پکڑنا چاہیے۔

بہرحال ہم کو مولانہ موصوف کے جواب پر سخت افسوس ہوا۔ اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان بزرگوں کے پاس سینے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی حدیث مسلم، بخاری یا صحاح ستہ کی موجود نہیں ان بچاروں کو صحاح ستہ کی حدیث صحیحہ کیا ملتی۔ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ فرمایا۔

وَرَاٰی بَعْضُہُمْ اَنْ یَضَعَہُمَا فَوْقَ السُّرَّۃِ وَرَاٰی بَعْضُہُمَا تحت السُّرَّۃِ وَکُلُّ ذَالِکَ وَاسِعٌ“ عِنْدَہُمْ

”بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر رکھے بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف نیچے رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے ان کے نزدیک۔“

اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور نقل فرماتے۔ صرف علماء کی رائے کا ذکر نہ فرماتے۔

تیسرا باب

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا

سنت یہ ہے کہ نمازی سورۂ فاتحہ کے اوّل **بسم اللہ** شریف آہستہ پڑھے۔ **الحمدللّٰہ** سے قرأۃ شروع کرے۔ مگر غیر مقلدوہابی **بسم اللہ** بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بسم اللّٰہ آہستہ پڑھنے کے متعلق بہت احادیث شریفہ ہیں جن میں سے یہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالٰی قبول فرمائے۔

حدیث نمبر ١ تا ٣ مسلم و بخاری و امام احمد نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ اَبِىْ بكرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بسم الله الرّحمٰن الرحيم

”میں نے نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللّٰه الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھتے ہوں۔“

حدیث نمبر ٤ مسلم شریف نے حضرت انس سے روایت کی۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بكرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

”بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ الحمدللّٰہ رب العالمین سے قرأۃ شروع فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ٥ تا ٧ نسائی۔ ابن حبان۔ طحاوی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِىِّ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِىْ بكرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللّٰه الرَّحمٰن الرحيم

”میں نے نبی ﷺ ابو بکر و عمر و عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو بسم اللّٰہ اونچی آواز سے پڑھتے نہ سنا۔ رضی اللہ عنہم“

حدیث نمبر ٨ تا ١١ طبرانی نے معجم کبیر میں ابو نعیم نے حلیہ میں ابن خزیمہ اور طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بكرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوا يَسْتَفتحون الْقِرَاءَ ةَ بِالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

”بیشک نبی ﷺ اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم بِسْمِ اللّٰه الرَّحمٰن الرحيم آہستہ پڑھا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ١٥ مسلم شریف نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بكرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوا يَسْتَفتحون الْقِرَاءَ ةَ بِالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا يَذْكُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِىْ اَوَّلَ الْقِرَاءَ ةَ وَلَا فِىْ اٰخِرِهَا

”یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمدللّٰہ سے قرأۃ شروع فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ١٦ ابن شیبہ نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يُخْفِىْ بِسْمِ اللّٰه الرَّحمٰن الرحيم وَالْاِسْتِعَاذَةَ وَرَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ

”عبداللہ ابن مسعود الحمدللّٰہ اور اعوذباللّٰہ اور رَبَّنَا لک الحمد آہستہ پڑھا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ١٧ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ اَرْبَعٌ يُخْفِيْهِنَّ الْاِمَامُ بِسْمِ اللّٰه الرَّحمٰن الرحيم وَسُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَاَتَعَوَّذُ وَ اٰمِيْن

”آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰہ ۔ سبحانک اللّٰھم ۔ اعوذباللّٰہ اور آمین۔“

حدیث نمبر ۱۸ تا ۱۹ مسلم ابوداؤد شریف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلےَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَسْتَفتِحُ الصَّلوٰةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرْائَةِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

’’فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے شروع فرماتے تھے۔ اور قرأۃ الحمدلِلّٰہ سے۔‘‘

حدیث نمبر ۲۰ عبدالرزاق نے ابوفاختہ سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِيًّا كَانَ لاَ يَجْهَرُ بِسْمِ اللّٰه الرَّحمٰن الرحيم وَكَانَ يَجْهَرُ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

حضرت علی مرتضٰے بِسْمِ اللّٰہ اونچی آواز سے نہ پڑھتے تھے الحمدلِلّٰہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔‘‘

اس کے متعلق اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتے ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ بِسْمِ اللّٰہ بلند آواز سے نہ پڑھی جاوے۔ کیونکہ سورتوں کے اول میں جو بِسْمِ اللّٰہ لکھی ہوئی ہے وہ ان سورتوں کا جز نہیں۔ فقط سورتوں میں فصل کرنے کے لیئے لکھی گئی۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ جو اچھا کام سے بِسْمِ اللّٰہ شروع نہ ہو وہ ناقص ہے تو جیسے برکت کیلئے نمازی قرأۃ سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہ پڑھتے ہیں۔ مگر آہستہ کیونکہ اعوذ سورۃ کا جز نہیں۔ ایسے ہی برکت کے لئے بِسْمِ اللّٰہ پڑھے۔ مگر آہستہ کیونکہ یہ بھی ہر سورۃ کا جز نہیں۔ ہاں سورۃ نمل شریف میں سورۃ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم جز ہے۔ امام وہاں بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہاں کی آیت ہے۔ غرضیکہ امام صرف قرآن کریم کو آواز سے پڑھے جو بسم اللہ سورۃ کے اول میں ہے۔ وہ سورہ کا جز نہیں۔ لہٰذا آہستہ پڑھنی چاہیئے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱ چونکہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ہر سورۃ کا جز ہے۔ اگر جز نہ ہوتی۔ تو قرآن میں لکھی نہ جاتی۔ قرآن کریم میں صرف آیات قرآنیہ لکھی گئیں۔ غیر قرآن نہ لکھا گیا۔ لہٰذا جیسے اور آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے ہی بِسْمِ اللّٰهِ بھی اونچی آواز سے پڑھنی چاہیئے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ بِسْمِ اللّٰهِ ہر سورۃ کا جز و نہیں۔ کیونکہ ہر سورۃ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ شروع بخاری شریف باب کیف کان بدالوحی میں سب سے پہلی وحی کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ جبریٔل امین نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا اقراء پڑھو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ مَا انا بقارى میں پڑھنے والا نہیں پھر عرض کیا اقراء حضور علیہ السلام نے پھر وہ ہی جواب دیا۔ آخر میں عرض کیا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ الخ غرضیکہ پہلی وحی یہ ہے۔ جس میں کا ذکر نہیں معلوم ہوا کہ سورتوں سے اول میں بِسْمِ اللّٰهِ شریف نازل نہیں ہوئی دوسرے یہ کہ اگر بِسْمِ اللّٰهِ ہر سورۃ کا جز و ہوتی تو سورۃ کے اوپر علیٰحدہ کر کے لمبے حروف سے نہ لکھی جاتی بلکہ جیسے اور آیتیں ملی ہوئی لکھی گئی ہیں۔ ایسے ہی بِسْمِ اللّٰهِ تمام آیتوں کے ساتھ لکھی جاتی۔ دیکھو سورۃ نمل شریف میں بِسْمِ اللّٰهِ سورۃ کا جز ہے تو وہاں علیٰحدہ امتیازی شکل میں نہ لکھی گئی بلکہ تمام آیات کے ساتھ تحریر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بِسْمِ اللّٰهِ کا امتیازی شکل میں علیٰحدہ لکھنا فاصلہ کے لئے ہے۔

اعتراض ۲ طحاوی شریف میں حضرت المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز پڑھتے تھے۔ تو پڑھتے تھے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم الحمدلِلّٰہ۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نماز میں بِسْمِ اللّٰهِ آواز سے پڑھتے تھے۔ ورنہ اُمّ سلمہ کیسے سن لیتیں۔

جواب اس حدیث میں آواز کا ذکر نہیں۔ صرف بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ پڑھے۔ مگر آہستہ پڑھے ظاہر یہ ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آہستہ ہی پڑھتے تھے۔ یہ نماز جو حضور ام سلمہ کے گھر پڑھتے تھے۔ فرض نماز نہ تھی۔ نفل تھی۔ فرض تو مسجد میں جماعت سے پڑھتے تھے۔ نفل میں قرأۃ قرآن آہستہ ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں بِسْمِ اللّٰهِ بھی آہستہ تھی۔ اور اَلْحَمْدُلِلّٰهِ بھی آہستہ۔ ام سلمہ اس موقعہ پر حضور کے قریب ہوتی تھیں۔ اسی لیئے حضور کی آہستہ آواز شریف سن لیتی تھیں آہستہ قرأۃ میں بھی اتنی آواز چاہیئے کہ برابر والا سن لے ورنہ وہ قرأۃ نہ ہوگی تفکر ہوگا لہٰذا اس حدیث سے آپ کا مدعٰی ثابت نہیں۔

اعتراض ۳ ترمذی شریف میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمِ يَفْتَحِ صَلٰوتَه' بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے شروع فرماتے تھے۔"

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ افسوس ہے آپ نے ترمذی کا یہ مقام آگے نہ دیکھا فرماتے ہیں۔

من احديث ليس اسناده بِذاكَ "یہ ایسی حدیث ہے جس کی اسناد کچھ بھی نہیں۔"

افسوس ہے کہ ہماری پیش کردہ حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کر کے رد کرتے ہو اور خود ایسی حدیث پیش کر رہے ہو۔ جس کا سرا نہ پتہ دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لو تو بھی اس میں بِسْمِ اللّٰهِ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ صرف یہ ہے کہ نماز بِسْمِ اللّٰهِ سے شروع فرماتے تھے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنی چاہیئے۔ مگر آہستہ تیسرے یہ کہ ہوسکتا ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھتے ہوں کیونکہ صلوٰۃ فرمایا نہ کہ قرآۃ۔

اعتراض ٤ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابزیٰ سے روایت ہے۔

صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ فَجَهَرَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَكَانَ يَجْهَرُ اَبِىْ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بلند آواز سے پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بِسْمِ اللّٰهِ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حدیث تمام ان مشہور احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جب میں بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن سے بہت قوت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خلفاء راشدین اَلْحَمْدُلِلّٰهِ سے قراۃ شروع کرتے تھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ آہستہ پڑھتے تھے۔ لہٰذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے اندر سبحان پڑھنے کے بعد الحمد سے پہلے بسم اللّٰه اونچی آواز سے پڑھتے تھے اس کے معنی کی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ختم فرما کر دعاء سے پہلے برکت کے لئے بسم اللّٰه شریف پڑھتے تھے۔ پھر دعا فرماتے تھے اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں جہاں تک ہوسکے احادیث میں مطابقت کرنی چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ سورۃ سے پہلے بسم اللّٰه کا اونچی آواز سے پڑھنا اس لیے ہے کہ بسم اللّٰه ہر سورت کا جز ہے اور سورۃ کا جز ہونا قطعی یقینی حدیث سے ہوسکتا ہے نہ کہ حدیث واحد سے۔ آپ کی پیش کردہ حدیث خبر واحد ہے جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں افسوس یہ ہے کہ ہم آہستہ بِسْمِ اللّٰهِ کے لئے بخاری و مسلم کی روایات پیش کریں اور آپ اس کے مقابل طحاوی شریف کی آڑ لیں۔ حالانکہ طحاوی شریف پر آپ کا اعتماد نہیں۔

چوتھا باب

امام کے پیچھے مقتدی قرأت نہ کرے

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر مقلد وہابی مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں۔ اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ۔ اقوال صحابہ کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں لہٰذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

''اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ رحم کیئے جاؤ۔''

خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قرأت بھی کرتے تھے۔ بات چیز تو اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ''اور کھڑے ہو اللہ کیلیئے اطاعت کرتے ہوئے۔ (خاموش)''

چنانچہ مسلم نے باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری نے باب ماینھی من الکلام فی الصلوٰۃ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا دَتَنَكَلَّمُ فِى الصَّلٰوةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهٗ وَهُوَ اِلٰى جَنْبِهٖ فِى الصَّلٰوةِ حَتّٰى نَزَلَتْ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ فَاُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ وَنُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ (لفظ مسلم)

''ہم لوگ نماز میں باتیں کرلیا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری وقوموللّٰہ الخ پس ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرمادیا گیا۔''

پھر نماز میں کلام تو منع ہوگیا۔ مگر تلاوت قرآن مقتدی کرتے رہے۔ جب یہ آیت اتری۔ تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہوگئی۔

وَاِذَا اُقْرِئَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَمِعُوْ الخ ''جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔''

چنانچہ تفسیر مدارک شریف میں اسی آیت واذا اقرا کی تفسیر میں ہے۔

وَجَمْهُوْرُ الصَّحَابَةِ عَلٰى اَنَّهٗ فِى الستماع الْمُؤْتَمِّ

''عام صحابہ کرام کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے قرأۃ امام سننے کے متعلق ہے۔''

تفسیر خازن میں اسی آیت واذا اقرا کی تفسیر میں ایک روایت یہ نقل فرمائی۔

وَعَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ نَاسًا يَقْرَءُوْنَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَمَا اَنَّ لَكُمْ اَنْ تَفْقَهُوْا وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی تک یہ وقت نہ آیت کہ تم اس آیت کو سمجھو واذا اقرا الخ''

تنویر مقیاس من تفسیر ابن عباس شریف میں آیت کی تفسیر میں ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فِى الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِلٰى قِرَاْتِهٖ وَاَنْصِتُوْا لِقِرَاءَتِهٖ

''جب فرض نماز میں پڑھا جائے تو اس کی قرأت کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھے جاتے وقت خاموش رہو۔''

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اوّل اسلام میں امام کے پیچھے مقتدی قرأت کرتے تھے اس آیت مذکروہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قرأۃ منسوخ ہوگئی اب احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱:

مسلم شریف باب سجود والتلاوۃ میں عطاء ابن یسار سے مروی ہے۔

اَنَّهٗ سَاَلَ زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْاِمَامِ فِىْ شَىْءٍ

تیمیہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس مسئلہ کی نسبت امام، اشہب مالکی کی طرف غلط ہے۔ بہر حال پتہ یہ لگا کہ موجودہ غیر مقلد محض نفسانی آسانی کے لئے یہ باطل عقیدہ لئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی نفیس تحقیق اپنی تفسیر نعیمی جلد دوم زیر آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَه الآیہ میں کر دی ہے مگر چونکہ آجکل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آ رہے ہیں اس لئے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کئے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے امید قبول ہے اور ناظرین سے امید انصاف۔ بیان کا یہ ہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دو بابوں بیان کیا جائے گا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب

اس کے ثبوت میں

بہتر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے زیادہ دے ہی نہیں اور اگر تین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق ہے تین طہر میں تین۔ ایکدم چند طلاقیں دینا سخت برا ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ بُرا کیا مگر تینوں واقع ہو جائیں گی بحالت حیض کہ اگرچہ برا ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے اسکے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِیح” بِاِحْسَانٍ پھر فرماتا ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَه (الآیہ) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے تین میں نہیں اور مرتان کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہ ہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا اِلیٰ طَلْقَةٍ ثَالِثَةٍ سَوَآء” وَقَعَ الاثنتَانِ فی مَرَّةٍ اَوْ مَرَّتَیْنِ وَالْمَعْنیٰ فَاِنْ ثَبَتَ طَلَاقُهَا ثَلٰثاً فی مَرَّةٍ اَوْ مَرَّات فَلَاتَحِل” یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی آگے فرماتے ہیں کَمَا اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِق” ثَلٰثاً اَوِ الْبَتَّه وَهٰذَا هُوَ الْمَجْمَعُ عَلَیْهِ یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اس پر امت حضرت محمد ﷺ کا اتفاق ہے اسی طرح اور تفاسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَه لَدرِی لَعَلَّ اللّٰهُ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْراً یعنی جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے کہ ایک دم تین طلاقیں دیدے تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اگر تین طلاقیں ایک دم دیدیگا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی واقع نہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گیا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک واقع ہوئی تو یہ ظالم کیسے؟ نووی شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں ہے

وَاحتَجَّ الجَمُورُ بِقَولِهٖ تَعَالیٰ وَمَن یَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَد ظَلَمَ نَفسَه الخ مَعنَاهُ اَنَّ المُطلَقَ قد یُحدِثُ لَه نَدَم” فَلَا یُمکِنُه‘ تَدَارُکُه لِوُقُوعِ البَینُونَتِه فَلَو کَانَتِ الثَّلٰثُ لَم تَقَع طَلَاقُه هٰذَا اِلَّا رَجعِیاً فَلَا یَندَمُ

ترجمہ وہ ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

(۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید ابن غفلہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خشعمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ حضرت امام کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ بھی رو پڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت بغیر حلالہ اسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں لَولَآ اِنّی سَمِعتُ جَدِّی وَحَدَّثَنِی اَبِی اَنَّه سَمِعَ جَدِّی یَقُولُ اَیُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ اِمرَاءَ تَه ثَلٰثاً عِندَالاَقرَاءِ اَو ثَلٰثاً مُبهَمَةً لَم تَحِلَّ لَه حَتّٰی تَنکِحَ زَوجاً غَیرَه (سنن کبریٰ للبیہقی جلد نمبر ۷ صفحہ ۳۳۶)

(۴) اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے قَالَ جَآءَ رَجُل” اِلیٰ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ فَقَالَ طَلَّقتُ اِمرَاءَ تِی اَلفاً قَالَ ثَلٰث” تُحَرِّمُهَا عَلَیکَ وَاَقسِم سَائِرَ هُنَّ بَینَ نِسَآءِکَ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۵)

یعنی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ میں نے اپنی بیویوں کو بانٹ دے یعنی وہ لغو ہیں ظاہر ہے کہ اس سائل نے یہ ہزار طلاقیں ہزار مہینوں میں تو نہ دی ہوں گی ورنہ ۸۲ سال ۲ مہینے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے تینوں جائز رکھیں۔

(۵) بیہقی میں ہے **عَن جَعفَرِ ابنِ مُحمَّدٍ عَن عَلّی رَضِیَ اللہ ُتَعالیٰ عَنہُ قَالَ لَا تُحِلُّ لَہ حَتّٰی تنکحُ زَوجاً غَیرَہ** السنن الکبریٰ للبیہقی جلدے صفحہ ۳۳۵ یعنی امام جعفر صادق اپنے جدامجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے تو بیوی بغیر حلالہ حلال نہیں۔ اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں بغیر حلالہ حلال نہیں۔ اسکی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر ابی یعلیٰ سے مروی ہے کہ **عَن عَلّی رَضِیَ اللہ ُعَنہُ فِیمَن طَلَّقَ اِمرَءِ تَہ ثَلٰثاً قَبلَ اَن یَّدخُلَ بِھَا قَالَ لَا تَحِلُّ لَہ حَتّٰی تنکحُ زَوجاً غَیرَہ**

(۶) بیہقی نے محمد ابن ایاز ابن کبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے ایک دم تین طلاقیں دیدیں پھر اس کا خیال ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا ان دونوں صحابیوں نے فرمایا ہم اس نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں بچا کچھا تھا تو نے اکٹھا ہی دے دیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَسَئَلَ اَبَاھُرَیرَۃَ وَعَبدَ اللہ اِبن عَبَّاسٍ فَقَالَ لَا نَرٰی اَن تَنکِحَھَا حَتّٰی تَنکحَ زَوجاً غَیرَکَ قَالَ اِنَّمَا کَانَ طَلَاقِی اِیَّاھَا وَاحِدَۃٌ فَقَالَ ابنُ عَبَّاسٍ اِنَّکَ اَرسَلتَ مِن یَدِکَ مَا کَانَ لَکَ مِن فَضلٍ
(سنن کبریٰ جلدے صفحہ ۳۳۵)

(۷) اسی بیہقی میں عبدالحمید ابن رافع سے بروایت عطا ہے کہ کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ **عَبَّاسٍ طَلَّقتُ اِمرَاتِی مَائَتَہ قَالَ تَاخذ ثَلٰثاً وَدَع سَبعاً تِسعَینَ** (سنن کبریٰ بیہقی جلدے صفحہ ۳۳۷)۔

(۸) بیہقی میں سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین لے لو۔ اور نو سو ستانوے چھوڑ دو۔ عبارت یہ ہے **اِنَّ رَجُلاً جَآءَ اِلیٰ اِبنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ طَلَّقَتُ اِمرَاتِی اَلفاً فَقَالَ تَاخُذثَلٰثاً وَدَعَ تَسِعَ مَائِتہ وَسَبعَۃٌ وتِسبعِین** (سنن کبریٰ بیہقی جلدے صفحہ ۳۳۷)

(۹) بیہقی میں بروایت سعید ابن جبیر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے اس شخص سے فرمایا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دی تھیں کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہوگئی۔ عبارت یہ ہے **عَن اِبنِ عَبَّاسٍ اَنّہ قَالَ لِرَجُلٍ طَلَّقَ اِمرَاءِ تَہ ثَلٰثاً حُرِّمَت عَلَیکَ** (سنن کبریٰ بیہقی جلدے صفحہ ۳۳۷

(۱۰) بیہقی میں بروایت عمرو ابن دینار ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہدو کہ تجھے برج جوزہ کا سر ہی کافی ہے۔ خیال رہے کہ برج جوزہ کے سر پر تین ستارے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔

عَن عُمَرَ ابنِ دِینَارٍ اَنَّ اِبنَ عَبَّاسٍ سَئِلَ عَن رَجُلٍ طَلَّقَ اِمرَاءِ تَہ عَدَدَ النُّجُومِ فَقَالَ اِنَّمَا یَکفِیکَ رَاسُ الجَوزَاءِ (سنن کبریٰ بیہقی جلدے صفحہ ۳۳۷)

(۱۱) ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق باب **مَن طَلَّقَ ثَلٰثاً فی مَجلسٍ وَاحِدٍ** میں ہے کہ فاطمہ قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں ایک دم دیدیں۔ ان تینوں کو حضور ﷺ نے جائز رکھا عبارت یہ ہے **قَالَت طَلَّقَنِی زَوجِی ثَلٰثاً وَھُوَ خَارِجٌ اِلَی الیَمنِ فَاَجَازَ ذٰلِکَ رَسُولُ اللہ ﷺ**

(۱۲) حاکم ابن ماجہ ابوداؤد نے ابن علی ابن یزید ابن رکانہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دادا نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک نیت کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی پس حضرت محمد ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کو واپس فرما دیا۔

چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے عَنْ عَبْدُاللهِ ابْنِ عَلّی ابْنِ یَزِیدَابْنِ رُکَانَتَه عَنْ اَبِیهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّهٗ طَلَّقَ اِمْرَاَتَه الْبَتَّه فَاَتیٰ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ مَا اَرَدْتَ بِهَا وَاحِدَةً قَالَ اَوَ اللهِ مَا اَرَدْتُ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةً قَالَ وَاللهِ مَااَرَدْتَ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةً قَالَ فَرَدَّهَا اِلَیه (ابن ماجہ باب طلاق البتہ وابوداؤد باب البتہ) اگر ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت رکانہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھا اَنْتِ طَالِق "طَالِق" "طَالِق" اور آخری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی تھی۔ اس لئے اسے ایک قرار دیا گیا یہ روایت نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ مَا اَشْرَفَ هٰذَا الْحَدِیثَ یہ حدیث کیا ہی شریف الاسناد ہے' ابوداؤد نے فرمایا ہے هٰذَا اَصَحُّ مِن حَدِیثِ اِبْنِ جُرَیحٍ یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریج زیادہ صحیح ہے

(۱۳) امام مالک وشافعی وابوداؤد وبیہقی میں بروایت معاویہ ابن ابی عباس سے کہ کسی نے حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دیدے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کردیگی اور تین حرام کہ بغیر حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔ عبداللہ ابن عباس نے اس کی تاکید فرمائی۔ عبارت یہ ہے عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ اَیَاسٍ اَنَّ اِبْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا هُرَیرَةَ وَعَبدَاللهِ ابْنِ عُمَرَ ابْنَ الْعَاصِ سُئِلُوا عَنِ الْبِکْرِوَطَلَّقَهَا زَوجُهَا ثَلٰثاً قَالَ لَا تَحِلُّ لَه حَتّٰی تَنْکَحَ زَوجاً غَیرَهٗ وَرَوٰی مَلِکْ" عَنْ یَحییٰ ابْنِ سَعِیدٍ عَنْ بُکَیرِابْنِ اَشَجِّ عَنْ مَعَاوِیَتَه ابْنِ عَیَاشٍ اَنَّه شَهِدَ هٰذِهٖ الْقِصَّتَ (ابوداؤد باب نسخ المراجعہ بعد التطلیق الثلث)

(۱۴) بیہقی نے بسام صریفی سے روایت کی کہ جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دیدے وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔

(۱۵) اسی بیہقی نے مسلمہ ابن جعفر احمد سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک دم تین طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی؟ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی (تفسیر روح المعانی پارہ دوم)

(۱۶) مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنادیا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی عبارت یہ ہے۔

فَقَالَ عُمَرابنُ الخَطَّابِ اِنَّ النَّاسَ قَدِاستَعجَلُوا فی اَمرٍ کَانَت لَهُم فِیهِ عَنَاةً" فَضَینَاهُ عَلَیهِم فَاَمضَاهُ عَلَیهِم

(۱۷) اس حدیث کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع اس پر ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط پر اجماع نہیں کرسکتے۔

(۱۸) جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ دے تین اور پڑے ایک مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہیے۔

(۱۹) فعل حرام ہونے سے قانون نہیں بدل جاتا۔ ایک دم تین طلاقیں دینا بیشک سخت منع ہے لیکن جب شوہر تین طلاقیں منہ سے بول رہا ہے تو واقع کیوں نہ ہوں دیکھو چوری کی چھری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی ذبح کرے تو بیشک حلال ہے بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر کوئی دیدے تو واقع ہو جائے گی۔

(۲۰) اسقاط میں مسبب سبب سے وابستہ ہوتا ہے کہ سبب کے ہوتے ہی مسبب کا ہونا ضروری ہے۔ ہدایہ کتاب الوکالت میں ہے۔

لِاَنَّ الْحُکمَ فِیهَا لَا لَا یَقبِلُ الفَصْلَ عَنِ السَّبَبِ لِاَنَّه' اِسْقَاط" فَیَتَلَاشٰی یعنی اسقاط میں حکم اپنے سبب سے علیحدہ نہیں ہوسکتا طلاق بولنا سبب ہے' اور طلاق واقع ہونا اس کا حکم اور طلاق زوج کی ملکیت کا محض ساقط کرنا ہے' لہذا ناممکن ہے کہ سبب پایا جائے اور حکم نہ پایا جائے کہ وہ بولے تین اور پڑے ایک۔

(۲۱) جمہور علماء خصوصاً چاروں امام حنیفہ امت مسلمہ کی مخالفت ہے جو گمراہی ہے غرضیکہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث اجماع صحابہ اقوال علماء محدثین ومفسرین دلائل عقلیہ ہی سے ثابت ہے اس کی مخالفت عقل ونقل کی مخالفت ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

غیر مقلدین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ ملیں گے بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اتنے بھی نہیں معلوم جو ہم انکی وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّ تٰنِ فَاِمۡسَاکٌ" بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌ بِاِحۡسَانٍ کچھ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَه مَرَّ تٰنِ اور فَاِنۡ کی ف سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ چاہئیں۔ ایک دم تین طلاقیں الگ الگ کہاں ہوئیں۔ مرتان علیحدگی بتا رہا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ اَلطَّلَاقُ میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔ تو بغیر حلالہ اسے عورت حلال نہیں۔ تفسیر احمدی وصاوی وجلالین میں ہے اَلطَّلَاقُ اَیِ التَّطۡلِیۡقُ الَّذِیۡ یُرَاجَعُ بَعۡدَه مَرَّتٰنِ دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ مرتان سے تین طلاقوں کی علیحدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی لفظاً علیحدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی علیحدگی کیونکہ علیحدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیاں ایک حیض کا فاصلہ ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّ تَیۡنِ آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہینہ میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ بیشک ایک دم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم تین طلاقیں دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں اس سے آیت ساکت ہے۔

دوسرا اعتراض مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہوں گی عبارت یہ ہے عَنۡ اِبۡنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ الطَّلَاقُ عَلٰی عَهۡدِ رَسُوۡلِ اللهِ ﷺ وَ اَبِیۡ بَکۡرٍ وَ ثِنۡتَیۡنِ مِنۡ خِلَافَتِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً" نیز اسی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابو الصحباء نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں عبارت یہ ہے اِنَّ اَبَا الصَّحۡبَآءِ قَالَ لِابۡنِ عَبَّاسٍ اَتَعۡلَمُ اَنَّمَا کَانَتِ الثَّلٰثُ تُجۡعَلُ وَاحِدَةً عَلٰی عَهۡدِ النَّبِیِّ ﷺ وَ اَبِیۡ بَکۡرٍ وَّ ثَلٰثًا مِنۡ اِمَارَةِ عُمَرَ فَقَالَ اِبۡنُ عَبَّاسٍ نَعَمۡ ان حدیثوں سے صراحتاً معلوم ہوا کہا یک دم تین طلاقیں ایک ہیں۔

نوٹ غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہوگا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے، نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنا دینا کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبداللہ ابن عباس کا اس پر اعتراض نہ کرنا بآواز بلند خبر دیتا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماؤل۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مراد ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایک دم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو اول ہی واقع ہوگی اور اخیر کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابو داؤد کتاب الطلاق بَابُ نَسۡخِ الۡمُرَاجَعَةِ بَعۡدَ التَّطۡلِیۡقَاتِ الثَّلٰثِ میں ہے کہ ابو صحبا نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔ عبارت یہ ہے قَالَ اِبۡنُ عَبَّاسٍ بَلٰی کَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَلَّقَ اِمۡرَاَتَه ثَلٰثًا قَبۡلَ اَنۡ یَّدۡخُلَ بِهَا جَعَلُوۡهَا وَاحِدَةً الخ اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت کا یہ ہی مطلب ہے اور یہ حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق

ہے طلاق طلاق۔ گویا پچھلی دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ اور زمانہ فاروقی میں لوگوں کا یہ حال بدل گیا کہ دو تین طلاقیں ہی دینے لگے لہٰذا صورت مسئلہ بدلنے سے حکم بدل گیا۔ نووی شریف میں ہے۔

فَالَا صَحُّ اَنَّ مَعنَاہُ اَنَّہ کَانَ فِی الاَمرِ الاَوَّلِ اِذَا قَالَ لَھَا اَنتِ طَالِق" اَنتِ طَالِق" اَنتِ طَالِق" وَ لَم یَنوِ تَاکِیداً وَلَا اِستِینَاتاً یُحکُم بِوقُوعِ طَلَقتِہٖ لِقِلَّتِہ اِرَادَتِہِم الاستِینَافَ بِذٰلِکَ مَحوّل" عَلَی الغَالِبِ الَّذِی ھُوَاِرَادَۃُ التَّاکِید فَلَمَّا کَانَ فِی زَمَانِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ وَکَثَرَ استِعمَالُ النَّاسِ بِھٰذِہٖ الصِّیغَتِہ وَ غَلَبَ مِنھُم اِرَادَۃُ الاستِینَافِ بِھَا حُمِلَت عَنہُ الاَطَلَاقُ عَلَی الثَّلٰثِ عَمَلاً بَالغَالِبِ السَّابِقِ الفَھمِ مِنھَا فِی ھٰلِکَ العَصَرِ

"یعنی چونکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تین طلاقوں میں اول طلاق سے طلاق کی نیت کرتے اور پچھلی دو سے تاکید کرتے تھے اس لئے جو کوئی بغیر نیت کے بھی ایکدم تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی کہ اس وقت غالب حال یہ ہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تین طلاقوں سے تین ہی کی نیت کرنے لگے اس لئے تین جاری کردی گئیں صورت مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا دیکھو قرآن شریف میں زکوۃ کے مصرف آٹھ بیان ہوئے۔ مولفتہ القلوب (کفار مائل باسلام) کو بھی زکوۃ دینے کی اجازت دی گئی۔ مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا کہ مصرف زکوۃ صرف سات ہیں مؤلفتہ القلوب خارج کیونکہ نزول قرآنکے وقت مسلمانوں کی جماعت تھوڑی اور کمزور تھی اس لئے ایسے کافروں کو زکوۃ دیکر مائل کیا جاتا تھا۔ عہد فاروقی میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی نہ کمزوری لہٰذا ان کو زکوۃ دینا بند کردیا گیا۔ وجہ بدلنے سے حکم بدلا منسوخ نہیں کیا گیا۔ اب تک زید فقیر تھا اسے زکوۃ لینے کا حکم دیا گیا۔ اب غنی ہوگیا تو زکوۃ دینے کا حکم ہوگیا۔ کپڑا ناپاک تھا اس سے نماز ناجائز قرار دی اب پاک ہوگیا اس سے نماز جائز ہوگئی۔ ہندوستان میں آج کل کوئی طلاق کی تاکید جانتا بھی نہیں تین ہی کی نیت سے طلاقیں دیتے ہیں تو عجیب بات ہے کہ صورت مسئلہ کچھ اور حکم کچھ اور دیا جائے اللہ غیر مقلدوں کو عقل دے جس سے حدیث کا مقصد صحیح سمجھا کریں۔

تیسرا اعتراض ابوداؤد جلد اول اور در منشور جلد اول ص ۲۷۹ و عبدالرزاق و بیہقی نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ عبد یزید ابورکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دی حضور ﷺ نے فرمایا کہ طلاق سے رجوع کرلو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تین طلاقیں دی ہیں فرمایا ہاں ہم جانتے ہیں مگر رجوع کرو اور یہ آیت تلاوت فرمائی یَاۤ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ ابوداؤد وغیرہ کی عبارت یہ ہے طَلَّقَ عَبدُ یَزِیدَ اَبُورُ کَانَتَہ اُمَّ رُکَانَتَہ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِرجِع بَامرَ اَتِکَ فَقَالَ اِنِّی طَلَّقتُھَا ثَلٰثاً قَالَ قَد عَلِمتُ ارجِعھَاوَتَلَایَا اَیُّھَا النَّبِی (الآیۃ) (بیہقی سنن کبریٰ جلد ۳۳۹ و ابوداؤد باب نسخ المرجعۃ صفحہ ۲۹۹) اگر اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت درپیش لوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کردیا گیا حالانکہ خود ابورکانہ عرض کررہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر بھی ایک ہی مانی گئی۔

جواب افسوس کہ معترض نے ابوداؤد اور بیہقی کی آدھی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب وہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابوداؤد و بیہقی میں ہے کہ نافع ابن عجیر اور عبداللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی لہٰذا حضور نے ان کی بیوی کو ان کی طرف واپس کردیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اسکا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے حالات بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری دادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاقیں تین دیں۔ لامحلہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔

وَحَدِیثُ نَافِعِ ابنِ عَجِیرٍ وَ عَبدِ اللّٰہِ ابنِ عَلّی ابنِ یَزِیدَ ابنِ رُکَانَتَہ عَن اَبِیہِ عَن جَدِّہٖ اِنَّ رُکَانَتَہ طَلَّقَ اِمرَاءَ تَہ البَتَّہ فَرَدَّھَا النَّبِیُّ ﷺ اَصَحُّ لَانَّہُم وَلَدُ الرَّجُلِ وَ اَھلُہ اَعلَمُ بِہٖ اَنَّ رُکَانَتَہ اِنَّمَا طَلَّقَ اِمرَاءَ تَہ البَتَّہ وَجَعَلَھَا النَّبِیُّ ﷺ وَاحِدَۃً (سنن کبریٰ بیہقی و ابوداؤد، یہ ہی مقام)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایات سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن عباس سے آٹھ روایتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتہ کی کی روایت ہے بتاؤ کہ تین طلاقوں والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نو روایتیں بیہقی کی عبارت یہ ہے۔

وَهٰذَا الاسنَاد“ لَاتَقُومُ بِهِ الحُجّته مَعَ ثَمَانِيَتِه وَرَدَ عَن عَبَاسٍ فَافتاه بَخلفِ ذٰلِکَ وَمع رِوَايتِ اَولَادِ رُکَانَته اَنَّ طَلَاق“ رُکَانَته کَانَ وَاحِدَة“ وَبِاللهِ التَّوفِيقُ (سنت کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۹) ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ ابورکانہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ ﷺ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی ﷺ نے اس پر قسم بھی لی تھی تب انہیں رجوع کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابورکانہ کی تین طلاقوں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شائد تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں۔ اس لئے بجائے بتہ کے تین کی روایت بالمعنیٰ کر گیا۔ جس میں اس نے سخت غلطی کی عبارت یہ ہے وَاَمَّاب الرِّوَايَتُ الَّتِی رَوَاهَا المُخَالِفُونَ اَنَّ رُکَانَته طلقها ثلثاً فَجَعَلَهَا وَاحِدَةٌفَرِوَايَة“ ضَعِيفَة“ عَن قَومٍ مَجهُولِينَ وَ اِنَّمَا الصَّحِيحُ مِنهَا مَقدٌ مَا ہُ اَنَّه طَلَّقهَا البَتَّه وَلَفظُ البَتَّه مُحتَمَل“ لِلوَاحِدَةِ وَلِثَّلٰثِ وَ لَعَلَّ صَاحِبَ هٰذِا الرِّوَايَته الضَّعِيفَه اِعتَقَد اَنَّ لَفظَ البَتَّه ثَلَاثٌ اَفرَوَاہُ بِالمُعَنیٰ الَّذِی فَهِمه وَغلط فی ذَالِکَ

چوتھا اعتراض سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بحالت حیض تین طلاقیں اکٹھی دیں تھیں۔ جنہیں حضور ﷺ نے ایک قرار دیا اور اس سے رجوع کرنے کا حا اگر یہ طلاقیں تین ہی ہوتیں تو رجوع ناممکن ہوتا۔

جواب یہ غلط ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں رجوع کا حکم دیا کیونکہ طلاق بحالت طہر ہونی چاہیئے چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب تحریم الطلاق الحائض میں ہے عَن نَافِعٍ عَن عَبدِ اللهِ اَنَّه طَلَّقَ اِمرَاء ةً لَه وَهِیَ حَائِض“ تَطلِيقَتهٌ وَاحِدَة“ فَاَمَرَه رَسُولُ اللهِ ﷺ اَن يُرَاجِع ثُمَّ يُمسكهَا حَتّٰی تَطهَرَ نیز نووی شریف شرح مسلم باب الثلث میں فرمایا وَ اَمَّا حَدَيثُ اِبنِ عُمَرَ فَرَ وَ ايَاتُ الصَّحِيحُته الَّتِی ذَکَرَهَا مُسلِم“ وَّ غَيرُ ہ اَنَّه طَلَّقَهَا وَاحِدَةً ان کے متعلق تین کی روایت بالکل ضعیف ہیں۔

پانچواں اعتراض تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۱۴۷ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کی تفسیر میں ہے مَعنَا ہُ اَنَّ تَطلِيق“ الشَّرعِيَته يَجِبُ اَن يَّکُونَ تَطلِيقَة“ عَلیٰ التَّفرِيقِ دُونَ الجَمعَ وَالا رسَالِ وَ هٰذَا التَّفسِيرِ هُوَقَولُ مَن قَالَ الجُمعُ بَينَ الثَّلٰثِ حَرَام“ یعنی طلاق شرعی الگ الگ بغیر جمع کئے دینا واجب ہے یہ ہی ان لوگوں کی تفسیر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں شرعی طلاق نہیں۔

جواب اس کا کون منکر ہے بیشک طلاقیں الگ الگ ہی دینا ضروری ہیں گفتگو اس میں ہے کہ اگر کوئی اپنی حماقت سے تین طلاقیں اکٹھی دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ تین واقع نہ ہوں گی صرف یہ ہے کہ یہ کام ناجائز ہے۔ کسی چیز کا حرام ہونا اور چیز ہے اور اس پر شرعی احکام کا مرتب ہونا کچھ اور۔ رمضان شریف میں دن میں کھانا پینا حرام ہے لیکن اگر کوئی کھا جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ زنا حرام ہے لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر غسل ضرور واجب ہو جائے گا۔ حرمت کا اثر اسباب کی سببیت پر نہیں پڑتا۔

چھٹا اعتراض تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۲۴۷ میں ہے وَهُوَ اختَيَار“ کَثِير“ مِن عُلَمَآءِ الدِّينِ اَنَّه لَو طَلَّقَهَا اِثنَتَينِ اَوثَلٰثاً لَا يَقَعُ اِلَّا الوَاحِدَةُ یعنی بہت علماء دین نے یہ بھی اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی اکٹھی دو یا تین طلاقیں دیدے اس سے ایک ہی واقع ہوگی۔ معلوم ہوا کہ عام علماء اسلام کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔

جواب معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے اور ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اسکے وہابی پیروکار ہیں۔ انہیں کا یہ مذہب ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر صاوی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں اور ابن تیمیہ اور اسکے متبعین کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ گر لکھا ہے۔ نیز معترض نے تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل نہ کی۔ اس عبارت کے آگے یہ ہے وَالقَولُ الثَّانی وَهُوَ قَولُ اَبِی حَنِيفَته رَضِیَ اللهُ عَنه اَنَّه وَاِن کَانَ مُحَرَّماً اِلَّا اَنَّه يَقَعُ یعنی دوسرا قول امام ابوحنیفہ کا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اگرچہ منع ہیں۔ لیکن واقع ہو جائیں گی۔ کچھ آگے جا کر تفسیر کبیر نے فرمایا کہ آئمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے کہ جسے تین طلاقیں دی جائیں وہ شوہر کے لئے حلال نہیں دیکھو تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۶۵۔

ساتواں اعتراض عقل بھی چاہتی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی علیحدگی کا حکم ہے ان کو اکٹھا کر دینا ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً لعان میں الگ الگ چار قسمیں کھانا واجب ہے، اور حج میں جمروں پر الگ الگ سات کنکر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں میں سے ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں کنکر ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائیگی اور چھ کنکر اسکے علاوہ مارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ تو اس کا یہ درود ہزار نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائیگا لہذا چاہیئے کہ اگر کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقع ہو نہ کہ تین۔

جواب الحمد للہ آپ قیاس کے تو قائل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب لعان اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے، نہ کہ محض فعل لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زنا میں گواہیاں چار ہیں تو لعان میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہیئے۔ بیک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہیئے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی منت اتنی محنت کی منت ہے اور ظاہر کہ ایک بار الف مرة کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہذا ان کے احکام بھی مختلف، قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے، طلاق کون سا ثواب کا کام ہے۔ تا کہ اس میں زیادہ ثواب ملے۔ غرضیکہ تمام اعتراضات مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی بنا تن آسانی اور نفس پروری ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر لہ رجوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَ نُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ

کو مضر نہیں چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو حسن بنا دیتی ہیں وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۱۰ :

اگر امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو۔ جیسے ظہر و عصر میں یا مقتدی بہت دور ہو کہ وہاں تک امام کی تلاوت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو چاہیئے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ فاتحہ پڑھنا قرآن سننے میں حارج نہیں۔

جواب یہ اعتراض جب درست ہوتا جبکہ خاموشی صرف قرآن سننے کے لئے ہوتی حالانکہ خاموشی کا علیٰحدہ حکم ہے اور سننے کا علیٰحدہ حکم۔ رب فرماتا ہے **اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَآتُوا الزَّکٰوۃَ** جیسے زکوٰۃ کی فضیلت نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نماز سے علیٰحدہ مستقل فرض ہے ایسے ہی خاموشی مستقل ضروری چیز ہے۔ خفیہ نمازوں میں خاموشی ہے سننا نہیں۔ جہری نمازوں میں خاموشی بھی ہے اور سننا بھی۔

اعتراض نمبر ۱۱ :

بلکہ جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے جیسے تکبیر تحریمہ قیام رکوع وغیرہ تو تلاوت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ وہ بھی ادا کرے یہ کیا کہ سب ارکان ادا کرے ایک چھوڑ دے۔

جواب اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جماعت کی نماز مسلمان وفد بن کر دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا نمائندہ امام ہوتا ہے۔ آداب شاہی قیام، رکوع، سجدہ اور تحیۃ و ثنا سب عرض کریں گے عرض معروض یعنی تلاوت و قرآن صرف ان کا نمائندہ ان سب کی طرف سے کرے گا۔ مقتدی پر اسی لیئے تلاوت فرض نہیں۔ بلکہ منع ہے۔ اس پر ادب سے خاموش رہنا بحکم قرآن کریم فرض ہے۔

اعتراض نمبر ۱۲ :

رکوع میں ملنے والے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسا کہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت معاف ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

جواب: الحمد اللہ آپ قریبًا حنفی ہوگئے بس یہی ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی معاف ہیں۔ کیونکہ امام کی قرأۃ اس کی قرأۃ ہے آپ نے مان لیا کہ **لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لم یقْراء** والی حدیث اپنے ظاہری عموم پر نہیں۔ بعض نمازی اس سے مستثنٰی ہیں۔ بس ہم یہ ہی سننا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک خاص مقتدی منکلے میں۔ ہمارے نزدیک عام مقتدی۔ حدیث میں استثناء ماننے میں ہم اور آپ برابر ہوئے۔ صرف مقدار استثناء میں تھوڑی بحث رہ گئی۔ انشاء اللہ عزوجل وہ بھی آپ مان جائیں گے یہ جواب الزامی تھا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ شریعت میں نماز بعض صورتوں میں آدھی رہ جاتی ہے جیسے سفر اور کبھی بالکل معاف ہو جاتی ہے جیسے دائمی جنون اور عورت کی پلیدگی کی حالت۔ لیکن نماز کے شرائط وارکان کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ البتہ بعض مجبوریوں میں ان کا بدلہ کر دیا جاتا ہے۔ بالکل معاف کبھی نہیں ہوتی وضو کا بدل تیمم اور قیام کا بدل قعود کر دیا گیا۔ مگر بغیر وضو کسی مجبوری سے بھی جائز نہ ہوئی۔ اگر مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہوتا تو اس کے چھوٹ جانے سے رکعت ہرگز نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے لئے امام کی قرأۃ بدل ہے بس یہی ہم کہتے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ کو سفری نماز پر قیاس کرنا بالکل بے عقلی ہے دیکھو نماز میں کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو واجب ہے کہ رکوع میں ہی عید کی تکبیریں کہے۔ نماز جنازہ میں جو کوئی آخری تکبیر میں ملے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی تکبیریں کہہ لے جب رکوع میں شامل ہونے والے پر تکبیرات عیدین معاف نہ ہوئیں اور آخر شامل ہونے والے پر نماز جنازہ کی تکبیریں معاف نہیں ہوتیں۔ تو اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض تھی تو رکوع میں شامل ہونے پر کیوں معافی ہوگئی۔

اعتراض نمبر ۱۳ :

رکوع پانے والے پر اسی رکعت کا قیام معاف ہوگیا۔ جو فرض تھا تو اگر سورۃ فاتحہ معاف ہو جاوے تو کیا حرج ہے۔

جواب یہ غلط ہے اس پر قیام معاف نہیں ہوا ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر رکوع کرے ورنہ نماز نہ ملے گی۔

پانچواں باب

آمین آہستہ کہنی چاہئیے

احناف کے نزدیک ہر نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا اور نماز جہری ہو یا سرّی آمین آہستہ کہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک جہری نماز میں امام و مقتدی بلند آواز سے چیخ کر آمین کہیں۔ اس لیے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں ہمارے دلائل، دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

آہستہ آمین کہنا حکم خدا و رسول کے موافق ہے۔ چیخ کر آمین کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث و سنت کے بھی مخالف دلائل حسب ذیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُدْعُوْرَبَّکُمْ تَضَرُّعًاوَّ خُفْیَه ’’اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور آہستہ آمین بھی دعا ہے۔ لہٰذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیئے‘‘۔

رب فرماتا ہے۔ **وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْب‘‘ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ**

’’اے محبوب جب لوگ آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے۔‘‘

معلوم ہوا کہ چیخ کر دعا اس سے کی جاوے جو ہم سے دور ہے۔ رب تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے پھر آمین چیخ کر کہنا عبث بلکہ خلاف تعلیم قرآنی ہے۔ اس لیے کہ آمین دعا ہے۔

حدیث نمبر ۱ تا ۸: بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ مالک۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّه‘ مَنْ وَافَقَ تَامِیْنُه‘ تَامِیْنَ الْمَلٰئِکَةِ غُفِرَ لَه‘ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

’’فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جسکی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس سے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔‘‘

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کی معافی اس نمازی کے لئے ہے۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں۔ ہم نے ان کی آمین آج تک نہ سُنی تو چاہیے کہ ہماری آمین بھی آہستہ ہو تا کہ فرشتوں کو موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو۔ جو وہابی چیخ کر آمین کہتے ہیں وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں کی معافی نہیں ہوتی کیونکہ وہ فرشتوں کی آمین کی مخالفت کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۹ تا ۱۳ بخاری۔ شافعی۔ مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْن فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّه‘ مَنْ وَفِقَ قَوْلُه‘ . قَوْلَ الْمَلٰئِکَةِ غُفِرلَه‘ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

’’فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب امام کہے۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تم کہو۔ آمین کیونکہ جس کا یہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہنے کے مطابق ہوگا۔ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔‘‘

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک ہی کہ مقتدی کے پیچھے سورہ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا تو حضور علیہ السلام فرماتے کہ جب ولا الضالین کہو تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہو گے۔ ولا الضالین کہنا امام کا کام ہے۔

رب فرماتا ہے۔ **اِذَا جَآءَ کُمُ الْمُؤْمِنَاتُ فَامْتَحِنُوْهُنَّ** ’’جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو۔‘‘

دیکھو امتحان لینا صرف مومنوں کا کام ہے نہ کہ مومنہ عورتوں کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ۔

اِذَا قُلْتُمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا آمین ’’جب تم ولا الضالین کہو تو آمین کہہ لو۔‘‘ معلوم ہوا کہ مقتدی ولا الضالین کہے گا ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ آمین آہستہ ہونی چاہئے کیونکہ فرشتوں کی آمین کی موافقت سے مراد وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادا میں موافقت ہے۔ فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہی ہے۔ جب امام سورہ فاتحہ ختم کرتا ہے۔ کیون کہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اور اس وقت آمین کہتے ہیں۔

حدیث نمبر ١٤ تا ١٨ امام احمد۔ ابو داؤد طیالسی۔ ابو لعیلی موصلی طبرانی۔ دار قطنی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح ہے۔

عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ اَنَّہ‘ صَلّٰی مَعَ النَّبِیْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلاَ الضَّالِیْن قَالَ آمِین وَاَخْفیٰ بِھَا صَوْتَہ‘

’’حضرت وائل ابن حجر نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور علیہ السلام ولا الضالین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں آواز آہستہ رکھی۔‘‘

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، بلند آواز سے بالکل خلاف سنّت ہے۔

حدیث نمبر ١٩ تا ٢١ ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِرَاءَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلاَ الضَّالِیْن فَقَالَ آمِین وَخَفَّضَ بِہٖ صَوْتَہ‘

’’فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا کہ آپ نے پڑھا غیرِ المغضوب علیہم ولا الضالین تو فرمایا آمین اور آواز مبارک آہستہ رکھی۔

حدیث نمبر ٢٢ تا ٢٣ طبرانی نے تہذیب الآثار میں اور طحاوی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ لَمْ یَکُنْ عُمَرُ وَ عَلِیّ‘‘ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا یَجْہَرَ اَنِ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم وَلاٗ بِآمِیْن

’’حضرت عمرو علی رضی اللہ عنہما نہ تو بسم اللّٰہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔‘‘

معلوم ہوا کہ آہستہ آمین کہنی سنّت صحابہ بھی ہے۔

حدیث نمبر ٢٤ عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابو معمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ اَنَّہ‘ صَلّٰی مَعَ النَّبِیْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلاَ الضَّالِیْن قَالَ آمِین وَاَخْفیٰ بِھَا صَوْتَہ‘

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ باللّٰہ ۔ بِسْمِ اللّٰہ ۔ آمین اور ربنالک الحمد ‘‘

حدیث نمبر ٢٥ بیہقی نے حضرت ابو وائل سے روایت کی عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ یَخْفِیْ الْاِمَامُ اَرْبَعًا بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ وَ وَالتَّعُوْذَ وَ التَّشَہدَ

’’امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ بِسْمِ اللّٰہ ربنالک الحمد ۔ اعوذ اور التحیات‘‘

حدیث نمبر ٢٦ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ اَرْبَع‘‘ یُخْفِیْہِنَّ الْاِمَامُ اَلتَّعُوْذُ وَ بِسْمِ اللّٰہِ وَ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ و امین رَوَاہُ مُحَمَّد‘‘ فِیْ الْاٰثَارِ وَعَبْدُ الرَّزَّاق فِیْ مُصَنَّفِہٖ

’’آپ نے فرمایا کہ اماما چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ و بِسْمِ اللّٰہ ۔ سبحانک اللھم اور آمین یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی۔‘‘

عقل بھی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کہی جاوے کیونکہ آمین قرآن کریم کی آیت یا کلمہ قرآن نہیں اسی لیئے نہ جبریل امین اسے لائے۔ نہ قرآن کریم میں لکھی گئی۔ بلکہ دعا اور ذکر اللہ ہے تو جیسے ثناء التحیات درود ابراہیمی ۔ دعا ماثورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی آمین بھی آہستہ ہونی چاہیئے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ چیخ پڑے یہ چیخنا قرآن کے بھی خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی اور عقلِ سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ دوسرے اس لیئے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا بھی فرض ہو اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے دمیان میں ہو اور امام ولا الضالین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنت کے خلاف ہو اور اگر آمین کہے اور چیختے تو آمین درمیان میں آوے گی۔ قرآن میں غیر قرآن آوے گا اور درمیان سورہ فاتحہ میں شور مچے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اب تک ہم نے غیر مقلدین کے جس قدر اعتراضات سُنے ہیں تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ آمین دعا نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ بلند آواز سے کہی جاوے تو کیا حرج ہے۔ رب نے دعا آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا۔

جواب آمین دعا ہے۔ اس کا دعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰیٓ اَمْوَالِهِمْ وَشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْم

''اے رب ہمارے ان کے مال برباد کردے اور ان کے دل سخت کردے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔''

رب نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا فَاسْتَقِیْمَا ''رب نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو ثابت قدم رہو۔''

فرمائیے دعا تو صرف موسےٰ علیہ السلام نے مانگی تھی مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی یعنی تمہاری اور حضرت ہاروں علیہ السلام کی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کب دعا مانگی تھی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے موسےٰ علیہ السلام کی دعا پر آمین کہا تھا۔ رب نے آمین کو دعا فرمایا معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے اور دعا آہستہ ہونا چاہیے یہ مسائل قرآنیہ میں سے ہے۔

اعتراض نمبر ۲ ترمذی شریف میں حضرت ابن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم قَرَءَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ وَقَالَ آمِیْن وَمَدَّ بِهَا صَوْتَه‘

''میں نے نبی ﷺ کو سنا کہ آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا۔ اور آمین فرمایا اپنی آواز کو اس پر بلند کیا۔''

معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ اس میں مدّ ارشاد ہو مَدَّ مُدَّ'' سے بنا۔ اس کے معنے بلند کرنا نہیں بلکہ آواز کھینچنا ہے مطلب یہ ہے کہ حضور نے آمین بروزن کریم قصر سے نہ فرمائی۔ بلکہ بروزن قالین الف اور میم خوب کھینچ کر پڑھی۔ لہٰذا اس میں آپ کی کوئی دلیل نہیں۔ ترجمہ کی غلطی ہے۔ خیال رہے کہ مد کا مقابل قصر ہے خفاء کا مقابل ہے جہر۔ رفع کا مقابل خفض ہے اگر یہاں جہر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔ جہر کسی روایت میں نہیں رب فرماتا ہے۔

اِنَّه‘ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی ''بیشک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست آواز کو۔''

دیکھو رب نے یہاں خفاء کا مقابل جہر فرمایا نہ کہ مدّ۔

اعتراض نمبر ۳ ابوداؤد شریف میں حضرت وائل حجر سے روایت ہے۔

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اِذَا قَرَاءَ وَلَا الضَّآلِّیْن قَالَ آمِیْن وَ رَفَعَ بِهَا صَوْتَه‘

''نبی ﷺ جب فرماتے ولا الضالین تو فرماتے تھے آمین اور اس میں آواز شریف بلند فرماتے تھے۔''

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا۔ بلند کیا معلوم ہوا کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک ہی کہ حضرت وائل ابن حجر کی اصل روایت میں مدّ ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے معنی کھینچنے کے ہیں نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں اسناد کے کسی راوی نے روایت بالمعنی کی مدّ کو رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہ ہی کھینچنا ہے نہ کہ بلند کرنا روایت بالمعنی کا عام دستور تھا۔ دوسرے یہ کہ نماز کے علاوہ خارجی قراءۃ کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان میں نماز کا صراحۃً ذکر ہے۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں اور یہ احادیث ہمارے خلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ آمین بالجہر اور آمین خفی کی احادیث میں تعارض مگر جہر والی روایتیں قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ لہٰذا چھوڑنے کے لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں۔ لہٰذا واجب العمل ہیں۔ چوتھے یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قیاس شرعی کے موافق ہیں اور جہری آمین کی حدیثیں اس کے خلاف لہٰذا آہستہ آمین کی حدیثیں قابل عمل ہیں اس کے خلاف قابل ترک۔ قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ آمین جہری والی حدیثیں قرآن شریف سے اور ان احادیث سے جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ منسوخ ہیں اسی لیئے صحابہ کرام ہمیشہ ہمیشہ آمین کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے اور زور سے آمین کہنے سے منع کرتے

تھے۔ جیسا کہ پہلی فصل میں ذکر کیا گیا اگر جہر کی حدیثیں منسوخ نہیں تھیں تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔

اعتراض نمبر ٤۔ ابن ماجہ میں حضرات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِذَا قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِيْنَ قَالَ آمِيْن حَتّٰى يَسْمَعَهَا اَهْلُ الصَّفِّ الْاَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ

''حضور علیہ السلام جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فرماتے تو آمین فرماتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تو مسجد گونج جاتی تھی۔''

اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یہاں تو مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ گونج بغیر شور نہیں پیدا ہوتی۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش نہیں کی۔ اوّل عبارت چھوڑ دی وہ یہ ہے ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ تَرَكَ النَّاسُ التَّامِيْنَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم الخ

''لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دی۔ حالانکہ حضور ﷺ الخ

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام نے بلند آواز سے آمین چھوڑ دی تھی۔ جس پر سیّدنا ابو ہریرہ یہ شکایت فرمارہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث کے نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور جو حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جبکہ احادیث مشہورہ اور آیات قرآنیہ کے بھی خلاف ہو۔

کیونکہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گنبد والی مسجد میں گونج پیدا ہوتی ہے نہ کہ چھپر والی مسجد میں حضور انور ﷺ کی مسجد شریف آپ کے زمانہ معمولی چھپر والی تھی۔ وہاں گونج پیدا ہو ہی کیسے سکتی تھی۔ آج کوئی غیر مقلد صاحب کسی چھپر والے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھائے ان شاء اللہ عزوجل چیختے چیختے مرجاویں گے مگر گونج نہ پیدا ہوگی۔ اس اعتراض کے باقی وہ جواب ہیں۔ جو اعتراض نمبر ۳ کے ماتحت عرض کئے گئے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ رب فرماتا ہے **لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ** اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اُونچی نہ کرو اگر صحابہ نے اتنی اونچی آمین کہی کہ مسجد گونج گئی تو سب کی آواز حضور کی آواز سے اونچی ہوگئی۔ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی جو حدیث مخالفت قرآن ہو قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۵ بخاری شریف میں ہے۔

فَقَالَ عَطَاءٌ'' آمين دُعَاءٌ'' اَمَّنَ اِبْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَاءَهُ' حَتّٰى اَنَّ الْمَسْجِدِ الُجَّةً

''حضرت عطا فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔ اور حضرت ابن زبیر اور ان کے پیچھے والوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہوگئی۔''

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آمین اتنی چیخ کر کہنا چاہیئے کہ مسجد گونج جاوے۔

جواب اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق ہے کہ آمین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا آہستہ مانگو دیکھو فصل اوّل۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم خارج نماز یہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر یہ ہے کہ خارج نماز ہوگی تا کہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں۔ تیسرے یہ کہ حدیث عقل و مشاہدے کے خلاف ہے کیونکہ کچی اور چھپر والی مسجد میں گونج پیدا نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا واجب التاویل ہے۔ جناب اگر قرآن کی آیۃ بھی عقلِ شرعی اور مشاہدے کے خلاف ہو تو وہاں تاویل واجب ہوتی ہے۔ ورنہ کفر لازم آجاتا ہے۔ آیات صفاتِ کو متشابہ مان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے ظاہری معنیٰ نہیں کرتے کیونکہ ظاہری معنیٰ عقل شرعی کے خلاف ہیں۔

جیسے **يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ** ''اُن کے ہاتھوں اللہ کا ہاتھ۔''

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ '' تم جدھر پھروگے ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔''

خدا کے لئے ہاتھ منہ ہونا عقل کے خلاف ہے لہٰذا یہ آیات واجب التاویل ہیں رب فرماتا ہے۔

فَوَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ ''ذوالقرنین نے سورج کو کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتے دیکھا۔''

سورج کا ڈوبتے وقت آسمان سے اترنا اور کیچڑ میں ڈوبنا خلاف عقل تھا۔ لہٰذا اس کی تاویل کی جاتی ہے۔ یہ تاویل ہمارے حاشیہ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ جناب حدیث پڑھنا اور ہے حدیث سمجھنا کچھ اور۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع موجود نہیں جس میں نماز میں آمین بالجہر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملی ہے۔ نہ ملے گی وہابیوں

کو چاہیئے کہ ضد چھوڑ دیں اور صدقِ دِل سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑیں کہ یہ ہی حضور ﷺ کا راستہ ہے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیہ بخاری عربی میں ملاحظہ فرماؤ۔

اعتراض نمبر ۶۔ آہستہ آمین کے متعلق آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے۔ (وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق) دیکھو وائل ابن حجر کی ترمذی والی روایت جو تم نے پیش کی۔ اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔

حَدِیْث" سُفْیَانَ اَصَحُّ مِنْ حَدِیْ شُعْبَۃَ فِیْ ھٰذَا الیٰ اَنْ وَقَالَ وَخَفَضَ بِھَا صَوْتَہ' وَاِنَّمَا ھُوَ مَدَّبِھَا صَوْتَہ'

"آمین کے بارے میں سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ یہاں کہتے ہیں۔ خفض یعنی حضور نے پست آواز سے کہا حالانکہ یہاں مد ہے یعنی آواز کھینچ کر آمین فرمائی۔"

جواب خدا کا شکر ہے کہ آپ مقلد تو ہوئے امام ابو حنیفہ کے نہ سہی امام ترمذی کے سہی کہ ہف جرح آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں۔ جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ کے خلاف ہے اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان لیتے۔ آپ کے اس سوال کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ ہم نے آہستہ آمین کی چھبیس سندیں پیش کیں کیا سب سندیں ضعیف ہیں اور سب میں شعبہ واری آ رہے ہیں۔ اور شعبہ ہر جگہ غلطی کر رہے ہوں یہ ناممکن ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ چھبیس اسنادیں ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں جب بھی سب مل کر قوی ہوگئیں۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

تیسرے یہ کہ شعبہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوئے جن سے یہ حدیث ضعیف ہوئی۔ امام صاحب کو یہ ہی حدیث بالکل صحیح ملی تھی بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔

چوتھے یہ کہ اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی۔ جب بھی امام اعظم سراج امت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قبول فرما لینے سے قوی ہوگئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے لہٰذا حدیث کا ضعف جاتا رہا اور حدیث قوی ہوگئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

چھٹے یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہٰذا آہستہ آمین کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہوگئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

ساتویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اور عقل شرعی کے خلاف ہے لہٰذا آہستہ آمین کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث ناقابل عمل غرضکہ آہستہ آمین کی حدیث بہت قوی ہے۔ اس پر عمل چاہیئے۔

اعتراض نمبر ۷ ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔

قَالَ آمین حَتّٰی یَسْمَعُ مَنْ یَلِیْہِ مِنَ الصَّفِّ الاَوَّل "اس طرح کہتے کہ صف اوّل میں جو آپ سے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔"

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آپ کی روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اس میں یہ آیا کہ صرف پیچھے والے ایک دو آدمی ہی سنتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسی حدیث کی اسناد میں بشیر ابن رافع آ رہا ہے اسے ترمذی نے کتاب الجنائز میں حافظ ذہبی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا احمد نے اسے منکر الحدیث کہا ابن معین نے اس کی روایۃ کو موضوع قرار دیا۔ امام نسائی نے اسے قوی نہیں مانا۔ (دیکھو آفتاب محمدی لہٰذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے قابل عمل نہیں)

چھٹا باب

رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلدان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہٰذا ہم اس مسئلے کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جواب رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

پہلی فصل

نماز میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور اخلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱تا۴ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلاَ اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی وَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً وَاحِدَۃً مَعَ تَکْبِیْرِ الْاَفْتَاحِ وَقَالَ التِّرْمِزِیُّ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِیْث" حَسَن" وَبِہٖ یَقُوْلُ غَیْرُ وَاحِدٍ مِنْ اَھْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِین

"ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضرت کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سواء تکبیر تحریمہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ وعلماء تابعین کا عمل ہے۔"

خیال رہے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ وتابعین رفع یدین نہ کرے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابوحنیفہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا چھٹے یہ کہ عام امت رسول ﷺ کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس وعقل کے بالکل مطابق ہے جیسا کہ ہم آئندہ اعرض کرینگے۔ انشاء اللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہوجاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵ شیبہ نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ ثُمَّ لَا یَرفعُھَا حَتّٰی یَفْرُغَ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع۔ فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے۔"

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء

حدیث نمبر ۶ ابوداؤد نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْہِ حِیْنَ اَفْتَحَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لَمْ یَرْفَعْھُمَا حَتّٰی انْصَرَفَ

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اُٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے۔"

حدیث نمبر ۷ طحاوی شریف نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلَ تَکْبِیْرَۃٍ ثُمَّ لَایَعُوْدُ

"وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی نہ اٹھاتے تھے۔"

حدیث نمبر ۸ تا ۱۴ حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُرْفَعُ الْاَیْدِیْ فِیْ سَبْعٍ مَوَاطِنَ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ وَاِسْتِقْبَالِ الْبَیْتِ وَالصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ وَالْموقِفَیْنَ وَالْجَمْرَتَیْنَ

”حضور ﷺ نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مروہ پہاڑ پر اور دو موقف منا و مزدلفہ میں اور دونوں جمروں کے سامنے۔“

یہ حدیث بزار نے حضرت ابن عمر سے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے بیہقی نے حضرت ابن عباس سے طبرانی اور بخاری نے کتاب المفرد میں عبداللہ ابن عباس سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵ امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل نے حضور کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت ہاتھ اُٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

اِنْ کَانَ وَائِلُ ”رَاہ“ مَرَّۃً یَفْعَلُ ذَالِکَ فَقَدْ رَاٰہُ عَبْدُاللّٰہِ خَمِیْسِیْنَ مَرَّۃً لَایَفْعَلُ ذَالِکَ

”اگر حضرت وائل نے حضور کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضور کو پچاس رفع یدین نہ کرتے دیکھا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ سیّدنا عبداللہ ابن مسعود کی حدیث بہت قوی ہے کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم ہیں۔ حضور ﷺ کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور سے قریب تر کھڑے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ حضور کے قریب وہ کھڑے ہوتے تھے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷ طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ ابْنَ عُمَرَ فَلَمْ یَکُنْ یَدَیْہِ اِلَّا فِی التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی مِنَ الصَّلٰوۃِ

”کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اُٹھاتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۸ عینی شرح بخاری نے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے روایت کی۔

اَنَّہٗ رَاٰی رَجُلًا یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِی الصَّلٰوۃِ عِنْدَ الرُّکُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ رَاسِہٖ مِنَ الرُّکُوْعِ فَقَالَ لَہٗ لَا تَفْعَلُ فَاِنَّہٗ شیئٌ فعلہٗ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ثُمَّ تَرَکَہٗ

”کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت ہاتھ اُٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور ﷺ نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے۔ جن صحابہ سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہوگیا۔

حدیث نمبر ۱۹، ۲۰ بیہقی و طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِی التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی مِنَ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ لَایَرْفَعُ فِیْ شَیْئٍ مِنْھَا

”کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اُٹھاتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۱ طحاوی شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَاَیْتَ عُمَرَ ابْنَ الخَطَابِ رَفَعَ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ وَقَالَ حَدِیْث ”صَحِیْح“

”میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اُٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ حدیث صحیح ہے۔“

حدیث نمبر ۲۲ ابوداؤد شریف نے حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حَدَّثَنَا سُفْیَانُ اِسْنَادُہٗ بِھٰذَا قَالَ فَرَفَعَ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ وَقَالَ بَعْضُھُمْ مَرَّۃً وَاحِدَۃً

”حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے پہلی بار ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھائے۔“

حدیث نمبر ۲۳ دار قطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ رَاَیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ اَفْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی حَاذٰی بِھِمَا اُذُنَیْہِ ثُمَّ لَمْ یَعُدْ اِلٰی شَیْءٍ مِنْ ذَالِکَ حَتّٰی فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ

”کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب کہ حضور ﷺ نے نماز شروع کی تو ہاتھ اتنے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے۔“

حدیث نمبر ۲٤ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم سے اس طرح روایت کی۔

اَنَّہٗ قَلَلَ لَا تُرْفِعِ الْاَیْدِیْ فِیْ شَیْءٍ مِنْ صَلٰوتِکَ بَعْدَ الْمَرَّۃِ الْاُوْلٰی

”آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔“

حدیث نمبر ۲۵ ابوداؤد نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اُفْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ اِلٰی قَرِیْبٍ مِّنْ اُذُنَیْہِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ

”بیشک حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر عود نہ کرتے۔“

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف پچیس روایتیں پیش کر دیں اگر شوق ہو تو مؤطا امام محمد۔ طحاوی شریف۔ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا وہ مناظر پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الاسناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔

امام ابومحمد بخاری محدث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عینیہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی مکہ معظمہ کے دارالحناطین میں ملاقات ہوگئی تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ سنیئے اور ایمان تازہ کیجئے۔ یہ مناظرہ فتح القدیر اور مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہ آپ لوگ اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سناتا ہوں۔

حَدَّثَنِیْ الزُّھْرِیُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِذَااُفْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ وَعِنْدَ الرُّکُوْعِ وَعِنْدَ الرَّفعِ فَعِ مِنْہُ

”مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اُٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت۔“

امام اعظم میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے۔

امام اوزاعی اچھا فوراً پیش فرمایئے

امام اعظم لیجئے سنیئے۔

حَدَّثُنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ عَلْقَمَۃَ وَالْاَسْوَدِ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلَّا عِنْدَ اِفْتَتَاحِ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ لِشَیْءٍ مِنْ ذَالِکَ

”ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہا نبی ﷺ صرف شروع نماز میں ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔“

امام اوزاعی آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے، جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم اس لیئے کہ حماد۔ زہری سے زیادہ فقیہہ ہیں۔ اور ابراہیم نخعی سالم سے بڑھ کر عالم وفقیہہ ہیں۔ علقمہ۔ سالم کے والد عبداللہ ابن عمر میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑی متقی فقیہہ وافضل ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود فقہ ہیں۔ قرأۃ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حضرت ابن عمر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم وفضل میں زیادہ ہیں۔ لہٰذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔

امام اوزاعی خاموش:

غیر مقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے۔ ان کی حدیث کی اسناد۔ اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں یہ لمبی لمبی اسنادیں اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہیے کہ رکوع کی تکبیر تحریمہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر۔ تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع وسجدے کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جاوے گی۔ تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔ رکوع سجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے رکوع سجدے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز، تکبیر تحریمہ نماز پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلی ہی ہی حرمت آچکی ہے تو جب رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوئی نہ کہ تکبیر کی طرح تو چاہیئے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہ ہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے یعنی ہاتھ نہ اٹھانا لہٰذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے۔ (از طحاوی شریف)

خلاصہ یہ ہے کہ رفع یدین بقوت رکوع حضور ﷺ کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصًا خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں صراحۃً مذکور ہے یا وہ سب مرجوع اور نا قابل عمل ہیں ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون واطمینان چاہیئے بلاوجہ حرکت وجنبش مکروہ اور سنت کے خلاف ہے اس ہی لیئے نماز میں بلاضرورت پاؤں ہلانا، انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یدین میں بلاضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق، لہٰذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یدین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت متانت سے تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱ رفع یدین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی۔

(وہ ہی پرانا سبق)

جواب جی ہاں۔ صرف اس لیئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔ اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں آپ کے سر وآنکھوں پر ہوتیں۔ جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنا دیا واسطہ رب کا یہ عادت چھوڑ دو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات پچھلے بابوں میں عرض کر چکے۔

اعتراض نمبر ۲ ابوداؤد کی براء ابن عازب والی حدیث کے متعلق خود ابوداؤد نے فرمایا۔

هَذَا الْحَدِيْثُ لَيْسَ بِصَحِيْح "۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔"

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر آ نے اسے پیش کیوں فرمایا۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ **ایک** یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو یا صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن بنفسہٖ۔ حسن بغیرہ کا درجہ بھی ہے۔ ابوداؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔ **دوسرے** یہ کہ ابوداؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے۔ انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے جرح مبہم معتبر نہیں ہم ابوداؤد کے مقلد نہیں کہ ان کی ہر جرح آنکھ میچ کر مان لیں۔

اعتراض نمبر ۳ ابوداؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۲۵ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید ابن ابی زیاد ہیں۔ جو کہ آخر عمر میں بھُول کی بیماری ہوگئی تھی انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا۔

ثُمَّ لایعود ورنہ اصل حدیث میں یہ الفاظ موجود نہیں لیجیے جرح مفصل حاضر ہے۔ اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے جو قابل عمل نہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یزید ابن ابی زیاد ابوداؤد کی اس روایت میں ہیں۔ مگر امام صاحب ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابوداؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام ابوحنیفہ کو صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابوداؤد کا ضعف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے مضر کیوں ہو۔

دوسرے یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں یزید ابن زیاد موجود نہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔

تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔ اور بہت صحابہ کا اس پر عمل بیان کیا۔ آپ کی نظر ابوداؤد کے ضعیف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں۔

چوتھے یہ کہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ عام علماء اولیاء جمہور ملت اسلامیہ کا رعف یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے سواء مٹھی بھر وہابیوں کے سب ہی اس پر عامل ہیں تعجب ہے کہ آپ کی ڈیڑھ آدمیوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں پچانوے فی صدی مسلمان حنفی المذہب ہیں اور پانچ فی صدی دیگر مذاہب اس اندازہ کی صحت حرمین طیبین جا کر معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ بیچارے وہابی تو کسی شمار میں نہیں یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے۔ سرکار ﷺ فرماتے ہیں۔

مَارَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَن ”جیسے عامۃ المومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔“

اور فرماتے ہیں۔ اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ فِی النَّار

”میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ جو بڑی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ جائیگا۔“

خیال رہے کہ شافعی، مالک، حنبلی، حنفی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد مٹھی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہے۔ اعمال میں جداگانہ لہٰذا حنفیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ امت کے عمل سے قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

اعتراض نمبر ٤ تمہاری پیش کردہ حدیث نمبر ۱ جو ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا صرف یہ فرمایا گیا کہ ابن مسعود نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اُٹھایا آگے کیا کیا یہ مذکور نہیں اور مجمل حدیث ناقابل عمل ہوتی ہے۔

(ڈیرہ غازی خاں کے ایک لائق وہابی)

جواب جناب یہ حدیث مجمل نہیں، مطلق نہیں، عام نہیں، مشترک لفظی یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس نے منع کیا اور مجمل بھی بعد بیان متکلم قابل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی ہے کیونکہ مجمل کے بعد محکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان دُنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو اعلان ہے کہ مطلق۔ عام۔ مجمل۔ مشترک معنوی۔ مشترک لفظی میں فرق بتائیں اور ان میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف کریں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اصول فقہ، مطلق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

وہابیو تم حدیث کے غلط ترجمے کیئے جاؤ۔ تمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق کسی حنفی عالم سے مجمل کا لفظ سن لیا ہوگا تو دھونس جمانے کے لیئے یہاں اعتراض جڑ دیا اور اس میں یہ سُنا ہوا لفظ استعمال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے علوم کے دریا تو مقلدین کے سینوں میں بہائے ہیں۔

اعتراض نمبر ٥ ابوداؤد۔ ترمذی۔ دارمی ابن ماجہ نے حضرت ابوحمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے۔

ثُمَّ یُکَبِّرُ وَیَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ ثُمَّ یَرْکَعُ وَ یَضَعُ رَاحَتَیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ ثُمَّ یَرْفَعُ رَاْسَہٗ فَیَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ثُمَّ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ الخ

”پھر آپ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اتنے اُٹھاتے کہ کندھوں کے مقابل ہوجاتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے **سمع اللّٰہ لمن حمدہ** پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہوجاتے۔“

ابوحمید ساعدی نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث پیش کی جس میں بوقت رکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی معلوم ہوا کہ رفع یدین حضور کا فعل ہے اور صحابہ کی تصدیق وعمل لہٰذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہیے۔

(**نوٹ** یہ حدیث وہابی غیر مقلدوں کی انتہائی دلیل ہے جس پر انہیں بہت ناز ہے۔)

جواب اس کے چند جواب ہیں غور سے ملاحظہ کرو۔ ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی اسناد ابوداؤد وغیرہ میں یہ ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیٰ وَھٰذَا حَدِیْثُ اَحْمَدَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِیْدِ یَعْنِی اِبْنَ جَعْفَرَ اَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَمْرٍ وابْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا حُمَیْدِ السَّاعِدِیَّ فِیْ عَشْرَۃِ الخ

”ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں ہمیں یحیٰ نے حدیث سنائی۔ احمد نے فرمایا کہ ہمیں عبدالحمید ابن جعفر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحمید ساعدی سے دس صحابہ کی جماعت میں سُنا۔“

ان میں سے عبدالحمید ابن جعفر سخت مجروح وضعیف ہیں۔ دیکھو طحاوی۔ دوسرے محمد ابن عمر ابن عطاء نے ابوحمید ساعدی سے ملاقات ہی نہیں کی۔ اور کہہ دیا میں نے ان سے سنا ہے لہٰذا یہ غلط ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مجہول ہے (طحاوی) ان دو نقصوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی نا قابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لیئے آپ کو مقبول ہے کچھ تو شرم کرو۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ حدیث میں یہ بھی ہے۔

ثُمَّ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ کَمَا کَبَّرَ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ

”پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندوں کے مقابل ہوجاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا۔“

فرماؤ آپ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

تیسرے یہ کہ جب ابوحمید ساعدی نے یہ حدیث صحابہ کے مجمع میں پیش کی تو ان بزرگوں نے فرمایا جو ابوداؤد میں ہے۔

قَالُوْ فَلَمَّا فَوَاللّٰہِ مَا کُنْتَ بِاَکْثَرَ نَالَہٗ تَبْعَۃً وَاَقْدَ مَنَالَہٗ صُحْبَۃً قَالَ بَلٰی

”انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کے کیسے واقف ہوگئے نہ تو تم ہم سے زیادہ حضور کیساتھ رہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو ابوحمید بولے بیشک ایسا ہی ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ابوحمید نہ تو صحابہ میں فقیہہ وعالم ہیں نہ انہیں حضور کی زیادہ صحبت میسر ہوئی اور سیّدنا عبداللّٰہ ابن مسعود عالم فقیہہ صحابی ہیں جو حضور کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ وہ رفع یدین کے خلاف روایت کرتے ہیں تو یقیناً ابوحمید کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود کی روایت معتبر ہے جیسا کہ تعارض احادیث کا حکم ہے لہٰذا تمہاری یہ حدیث بالکل نا قابل علم ہے۔

چوتھے یہ کہ ابوحمید ساعدی نے یہ نہ فرمایا کہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے آخر حیات شریف تک رفع یدین کیا صرف یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے مگر کب تک اس سے خاموشی ہے ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کرچکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہٰذا یہ اُس منسوخ حدیث کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں حضور ایسا کرتے تھے اب لائق عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیّدنا ابن مسعود کی روایت قیاس کے مطابق لہذا وہ حدیث واجب العمل ہے اور تمہاری یہ روایت واجب الترک کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث میں ہے۔

اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْہُ النَّارُ ”آگ کی پکی چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے۔“

دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور ﷺ نے کھانا ملاحظہ فرما کر بغیر وضو کے نماز پڑھی۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث

چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے دن رات گرم پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب العمل ہوئی کہ قیاس کے مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے یہ کہ عام صحابہ کرام کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے معلوم ہوا کہ صحابی کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں یہ کہ ابو حمید ساعدی کی اس روایت میں عبدالحمید ابن جعفر اور محمد ابن عمرو ابن عطاء ایسے غیر معتبر راوی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ امام ماروی نے جوہر نقی میں فرمایا کہ عبدالحمید منکر الحدیث ہے۔ یہ امام ماروی وہ ہیں۔ جنہیں یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں۔ هُوَ اِمَامُ النَّاسِ فِىْ هٰذَا الْبَابِ حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد ابن عمرو ایسا جھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی ملاقات ابو حمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے اُن سے سنا۔ ایسے جھوٹے آدمی کی روایت موضوع یا کم سے کم اوّل درجہ کی مدلس ہے۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ چنانچہ عطاف ابن خالد نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابو حمید ساعدی کے درمیان ایک مجہول الحال راوی بیان کیا لہٰذا یہ حدیث مجہول بھی ہ غرضیکہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں یہ منکر بھی ہے مضطرب بھی مدلس یا موضوع بھی ہے۔ مجہول بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ ابوداؤد یہ ہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل بھی نہیں۔ بجائے کہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

آٹھویں یہ کہ بخاری نے بھی ابو حمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب صفۃ الصلوٰۃ اگر ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے۔ بہر حال تمہاری یہ حدیث کسی لحاظ سے توجہ کے قابل نہیں۔

حنفی بھائیو: رفع یدین غیر مقلد وہابیوں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابو حمید ساعدی پایہ ناز دلیل ہے جو وہابیوں کے بچہ بچہ کو حفظ ہوتی ہے عام حنفی لوگ انکی لن ترانیاں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے خوب قوی ہیں۔ الحمد للہ کہ اس دلیل کے پرخچے اڑ گئے اب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

خیال رہے کہ وہابیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہو جانا وہابیوں کے لئے قیامت ہے کیوں کہ ان کے مذہب کی بنا صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہو گئی تو سمجھو کہ انکے مذہب کی آنکھ پھوٹ گئی کیونکہ ان بیچاروں کا سواء انسادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ بے پیرے، بے مرشد بے نور سے اس آیت کے مصداق ہیں۔

رب فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا نیز رب فرماتا ہے وَمَنْ يَّلْعَنْهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا

"جسے اللہ گمراہ کرے اسے نہ کوئی ولی ملے نہ پیر مرشد۔ جس پر خدا لعنت کرتا ہے اس کا کائی مددگار نہیں۔"

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کے مجروح ہونے سے احناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقہیہ کا دارومدار اسنادوں پر نہیں۔ بلکہ حضرت امام الآئمہ کاشف الغمہ سراج اُمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان پاک پر ہے۔ وہ امام اعظم جو امت کا چراغ ہے امام بخاری و عام محدثین کے استادوں کا استاد ہے جس کے زیر دامن ہزار ہا اولیاء اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ ﷺ موجود ہے ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں امام اعظم کی دلیلیں آیات قرآنیہ اور وہ صحیح احادیث ہیں۔

جن پر نہ کوئی خدشہ ہے نہ غبار کیونکہ امام اعظم حضور علیہ السلام سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مثال دیکھو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں میراث کا حکم ہے۔ جب ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سُنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود براہ راست یہ حدیث سُنی تھی بے دھڑک اس پر عمل کیا اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا مصیبتیں پیش آ جائیں۔ اسناد پر ہزار ہا قسم کی جرح ہو جاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں نے خاموش قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا لیکن اُن کے کانوں نے بولتے ہوئے صاحب قرآن ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ اُس حکم سے انبیاء کرام مستثنےٰ ہیں۔ جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح وقدح سے پاک ہے ایسے ہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح وقدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور علیہ السلام سے متصل ہے لہٰذا وہابیوں کے لئے یہ اسنادیں آفت ہیں ہم مقلدوں پر ان جرحوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی فصل ہیں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی سُبْحَانَ اللہ عزوجل کیسی پاکیزہ اسناد ہے کیا کسی وہابی میں ہمت ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔

اعتراض نمبر ٦ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رُسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حسن وَمَنْکِبِیْہِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ وَاِذَا کَبَّرَ لِلرُّکُوْعِ اِذَا رَفَعَ رَاسَہ، مِنَ الرُّکُوْعِ رَفَعَھُمَا کَذٰلِکَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ وَکَانَ لَایَفْعَلُ ذَالِکَ فِی السُّجُوْدِ

”بیشک رسول اللہ ﷺ ہاتھ شریف کاندھوں تک اُٹھاتے تھے۔ جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر فرماتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے اور فرماتے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اور سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔“

یہ حدیث مسلم و بخاری کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفع یدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے اور بعد رکوع بھی۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک ہی کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور ﷺ رکوع میں رفع یدین کرتے تھے یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور ﷺ کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفع یدین اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہوگیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔ اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کرچکے۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نے رفع یدین کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفع یدین منسوخ ہے۔ چنانہ دار قطنی میں صفحہ نمبر ۱۱۱ پر سیدنا عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَعَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ مَعَ عُمر فَلَمْ یَرْفَعُوْا اَیْدِیَھُمْ اِلَّا عِنْدَ التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلیٰ فِی اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے سوا اور کسی وقت ہاتھ نہ اُٹھائے۔“

فرماؤ جناب اگر رفع یدین سنت باقیہ ہے تو ان بزرگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفع یدین نہ کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کرچکے اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دیکھا چکے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث کا نسخ ثابت کیا۔ چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری اسناد میں ابوقلابہ ہے جو خارجی المذہب تھا یعنی یا حبلی دیکھو تہذیب تیسری اسناد میں عبداللہ ہے یہ پکا رافضی تھا۔ چوتھی اسناد میں شعیب ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجیہ مذہب کا تھا۔ غرضیکہ رفع یدین کی حدیثوں کے راوی روافض بھی ہیں کیونکہ یہ روافض کا عمل ہے وہ رفع یدین کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۷ بخاری شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّ اِبْنَ عمر کَانَ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوۃِ کَبَّرَ رَفَعَ یَدَیْہِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَفَعَ یَدَیْہِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ رَفَعَ یَدَیْہِ وَرَفَعَ ذَالِکَ اِبْنُ عُمَرَ اِلیٰ النَّبِیِّ

”حضرت عبداللہ ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس فعل کو آپ نبی ﷺ کی طرف مرفوع کرتے تھے۔“

دیکھو سیدنا عبداللہ ابن عمر بوقت رکوع رفع یدین کرتے تھے۔ رفع یدین سنت صحابہ بھی ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو رکعتوں سے اُٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو دو رکعتوں سے اُٹھتے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کرچکے ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عمر کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا۔ اور نہ اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ نسخ کی خبر ہے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور نسخ کی خبر کے بعد نہ اٹھاتے تھے کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب اور کس زمانہ میں اٹھاتے تھے لہٰذا دونوں حدیثیں جمع ہوگئیں۔ چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

فَقَدْ یَجُوْزُ اَنْ یَکُوْنَ ابْنُ عُمَرَ فَعَلَ مَارَاٰهُ طَاؤُس " قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ الْحُجَّةُ عِنْدَهٗ بِنُسْخِهٖ ثُمَّ قَامَتِ الْحُجَّةُ عِنْدَهٗ بِنَسْخِهٖ وَتَرَکَهٗ وَفَعَلَ مَا ذَکَرَهٗ عَنْدُ مُجَاهِدٍ "

" جائز ہے کہ سیدنا ابن عمر نے رفع یدین جو طاؤس نے دیکھا ثبوت نسخ سے پہلے کیا۔ پھر جب سیدنا عبداللہ ابن عمر کو رفع یدین کے نسخ کی تحقیق ہوگئی تو چھوڑ دیا اور وہ کیا۔ جو مجاہد نے دیکھا۔ (رفع یدین نہ کرتا) "

بہر حال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں۔ مگر وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنا پڑی ہے کسی حدیث کو چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔

اعتراض نمبر ۸ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے وایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ یَدَیْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَیْنَ کَفَّیْهِ

" جب حضور ﷺ نے سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔ "

اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی روایت کے مقابلہ میں معتبر نہیں حضرت وائل ابن حجر صرف ایک بار ہاتھ اٹھانے کی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آدھ بار حضور کے پیچھے نماز پڑھی انہیں نسخ احکام کی خبر بمشکل ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابن مسعود ہمیشہ حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے بڑے عالم وفقیہہ صحابی تھے۔ نیز حضرت وائل ابن حجر حضور ﷺ کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود صفِ اوّل میں خاص حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے علماء فقہاء صحابہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار نے حکم دیا تھا کہ۔

لِیَلِیَنِیْ مِنْکُمْ اُولُو الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰی " تم میں سے مجھ سے قریب وہ رہے جو علم وعقل والا ہو۔ "

چنانچہ مسند امام اعظم میں ہے کہ کسی نے سیدنا ابراہیم نخعی سے حضرت وائل ابن حجر کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے تو حضرت ابراہیم نخعی نے نفیس جواب دیا۔

فَقَالَ اِعْرَابِیٌّ " لَایَعْرِفُ شَرَاعِعَ الْاِسْلَامِ وَلَمْ یُصَلِّ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا صَلٰوةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِیْ مَنْ لَآ اُحْصِیْ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فِیْ بَدْءِ الصَّلٰوةِ، فَقَطْ وَحَکَاهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُاللّٰهِ عَالِمٌ " بِشَرَاعِعِ الْاِسْلَامِ وَ حُدُوْدِهٖ مُتَفَقِّدٌ " اَحْوَالَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُلَازِمٌ " لَهٗ فِیْ اِقَامَتِهٖ وَاَسْفَارِهٖ وَقَدْ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَالَا یُحْصٰی

" آپ نے فرمایا کہ وائل ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور ﷺ کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابتداء نماز میں ہاتھ اُٹھاتے تھے اور یہ حضور سے نقل فرماتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ احکام اسلام سے خبردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیق خبر رکھنے والے۔ حضرت کے سفر حضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضرت علیہ السلام کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔ "

خلاصہ یہ کہ عالم وفقیہہ اور حضور ﷺ کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے لہٰذا حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت قابل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سیدنا وائل ابن حجر کی روایت ناقابل عمل انہوں نے رفع یدین کے نسخ سے پہلے کا فعل ملاحظہ کیا اور وہ ہی نقل فرمادیا۔

اعتراض نمبر ۹ اگر تکبیر تحریمہ کے سواء رفع یدین نہ کرنا چاہیئے تو آپ لوگ نماز عید اور نماز وقت وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں۔ (بعض ڈیرہ غازی خانی وہابی)

جواب اس سوال سے آپ کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے۔ احادیث میں تو آپ رہ گئے اب لگے۔ اٹکل پچو بہانہ بنانے۔ جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے۔ جسے آپ سنت نماز یا سُنت رکوع سمجھے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین سنت رکوع نہیں بلکہ نماز عید اور دعا قنوت کی سنتیں ہیں۔ اسی ہی لیئے عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز

ساتواں باب

وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

وتر کے لغوی معنی ہیں طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہو سکیں۔ جیسے تین پانچ سات وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ شفع یعنے جفت عدد جو دو برابر حصوں پر تقسیم ہو جاوے اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نماز کو کہا جاتا ہے جو بعد نماز عشاء تہجد میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے۔ اس کی قضا لازم اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ لیکن غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت غیر موکدہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے مذہب حنفی حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض ہم کو یہاں اصل بحث تو وتر کی تین رکعتوں پر کرنا ہے اُس سے پہلے ضمنی طور پر وتر کے جوب پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

وتر واجب ہیں

حدیث نمبر ۱ تا ۳ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوایوب سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌ" عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۔"

حدیث نمبر ۴ بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ وَاجِب"عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب ہیں۔"

حدیث نمبر ۵,۶ ابوداؤد حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌ" فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا

"میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر لازم ضروری ہیں جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔"

حدیث نمبر ۷ عبداللہ ابن احمد نے عبدالرحمن ابن رافع تنوخی سے روایت کی کہ حضرت معاذ ابن جبل جب شام میں تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں سُستی کرتے ہیں تو آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں نہیں پڑھتے۔

فَقَالَ مَعَاوِيَةُ اَوَاجِب" ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ زَادَنِىْ رَبِّىْ عَزَّوَ جَلَّ صَلٰوةً هِىَ الْوِتْرُ فِيْمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ اِلىٰ طُلُوْعِ الْفَجْرِ

"تو امیر معاونہ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر واجب ہیں معاذ ابن جبل نے فرمایا ہاں میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب نے ایک نماز زاوردی ہے جو وتر ہے عشاء اور فجر کے طلوع کے درمیان۔"

حدیث نمبر ۸ ترمذی نے حضرت زید ابن اسلم سے مرسلا روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهٖ فَلْيُصَلِّ اِذَا اَصْبَحَ

"جو وتر چھوڑ کر چو جائے وہ صبح کے وقت اس کی قضا پڑھ لے۔"

حدیث نمبر ۹ تا ۱۴ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد۔ ابن حبان۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابوایوب انصاری سے روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شرط شیخین پر ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌ" وَاجِب" عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ

"حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب ہے ہر مسلمان پر۔"

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں۔ بلکہ واجب ہے دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں وجوب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۱۴ روایتیں پیش کیں۔

وتر تین رکعت ہیں

حدیث نمبر ۱ تا ٤ نسائی شریف۔ طحاوی۔ طبرانی نے صغیر ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مسلم و بخاری کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ لَايُسَلِّمُ اِلَّا فِىْ اٰخِرِ هِنَّ

”فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ سلام پھیرتے تھے مگر آخر میں“

حدیث نمبر ٥، ٦ دار قطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِتْرُ اللَّيْلِ ثَلٰث“ كَوِتْرِ النَّهَارِ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ

”فرمایا نبی کریم علیہ السلام نے کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں جیسے دن کے وتر نماز مغرب۔“

حدیث نمبر ۷ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔“

اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثِ رَكْعَاتٍ ”بے شک نبی ﷺ وتر پڑھتے تھے تین رکعتیں۔“

حدیث نمبر ۸ نسائی شریف نے حضرت عبداللہ ابن رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شب میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رات کو بیدار ہوئے اور وضو فرمایا۔ مسواک کی۔ اور یہ آیۃ کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ پھر دو رکعتیں نفل پڑھیں۔

ثُمَّ عَادَفِنَا مَ حَتّٰى سَمِعْتُ نَفْخَه‘ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّاءَ اِسْتَاكَ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّا وَاسْتَاكَ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَوْتَرَ بِثَلٰثٍ ”پھر آپ دوبارہ سو گئے یہاں تک کہ میں نے حضور علیہ السلام کے خراٹے سنے پھر اٹھے اور مسواک کی دو رکعتیں پڑھیں پھر اُٹھے اور وضو مع مسواک کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے۔“

حدیث نمبر ۹ تا ۱۳ ترمذی۔ نسائی۔ دارمی۔ ابن ماجہ۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاءُ فِى الْوِتْرُ بِسَبِّحِ الاسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَقُلْ يَا اَيُّهَاالْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد“ فِىْ رَكْعَةٍ رَكْعَةٍ

”فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر میں بح اسم ربک الاعلےٰ اور قُل یا ایھا الکافرون اور قُل ھو اللہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت۔“

حدیث نمبر ۱٤ تا ۱۸ ترمذی شریف۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت عبدالعزیز ابن جریج۔ عبدالرحمن ابن ابزی سے روایت کی۔

قَالَ سَاَلْنَا عَائِشَةَ بِاَىِّ شَيْئٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يَقْرَاءُ فِى الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِى الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِى الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمَعَوَّذَتَيْنِ

”فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ وتر میں کیا پڑھا کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلےٰ دوسری میں قُل یا ایھا الکافرون تیسری میں قُل ھو اللہ اور فلق و ناس۔“

حدیث نمبر ۱۹ نسائی شریف نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِى الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمِ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِى الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ قُلْ يَااَيُّهَاالْكَافِرُوْنَ وَفِى الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد“ وَلَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِىْ آخِرِ هِنَّ

”بیشک نبی ﷺ ستر میں سبح اسم ربک الاعلےٰ اور دوسری رکعتہ میں قُل یا ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قُل ھو اللہ پڑھا کرتے تھے اور سلام نہ پھیرتے تھے اور سلام نہ پھیرت تھے مگر ان تینوں رکعتوں کے آخر میں۔“

حدیث نمبر ۲۰ ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اَجْمَعُ الْمُسْلِمُوْنَ عَلىٰ الْوِتْرِ ثَلٰث“ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِىْ اُخْرٰهُنَّ

’’اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں نہ سلام پھیرے۔ مگر ان کے آخر میں۔‘‘

حدیث نمبر ۲۱ طحاوی شریف نے حضرت ابوخالد سے روایت کی۔

قَالَ سَاَلْتُ اَبَا الْعَالِيَةِ عَنِ الْوِتْرِ فَقَالَ عَلِمْنَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْوِتْرِ مِثْلُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ هٰذَا وِتْرُ اللَّيْلِ وَهٰذَا وِتْرُ النَّهَارِ

’’میں نے حضرت ابوالعالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ رسول ﷺ تو یہ ہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔ یہ رات کے وتر ہیں اور مغرب کی طرح ہیں یہ رات کے وتر ہیں اور مغرب دن کے وتر۔‘‘

یہ اکیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری ملاحظہ فرمایئے ان احادیث سے یہ پتہ لگا کہ حضور علیہ السلام کا عمل شریف تین رکعت وتر پر تھا۔ تمام صحابہ کا یہ ہی عمل رہا اور اس تین رکعت پر سارے مسلمان متفق رہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ تینوں رکعتیں ایک سلام سے پڑھے۔ مگر نفس امارہ پر چونکہ نماز گراں ہے اس لیئے ہوائے نفس والوں نے صرف ایک رکعت وتر پڑھ کر سو رہنے کی عادت ڈالی۔ ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھ لیا کہ حضور وتر کی پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں فلاں سورت تیسری میں فلاں وہابی حضرات بتائیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جاوینگی۔

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز نہ تو فرض ہے نہ نفل۔ بلکہ واجب ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھنے والا فاسق ہے لیکن اس کے وجوب کا انکار کفر نہیں واجب کا یہ ہی حکم ہے اور ہر غیر فرض عبادت کی مثال فرض عبادت میں ضرور ہونی چاہئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل جداگانہ ہو کہ اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو زکوۃ حج وغیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو چاہیئے تھا کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوتی۔ حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں فرض تو کیا کوئی نفل وسنت مؤکدہ وسنت غیر مؤکدہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا تو دو رکعت ہے جیسے فجر یا چار رکعت جیسے ظہر۔ عصر۔ عشا یا تین رکعت جیسے مغرب وتر نہ تو چار رکعت ہو سکتی ہیں نہ دو کہ یہ عدد شفع ہیں۔ وتر نہیں تو لامحالہ تین ہی رکعت چاہیئے ایک رکعت نماز اسلامی قانون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی ایک رکعت نامکمل ہے ناقص ہے بیترا ہے۔ غرضیکہ ایک رکعت وتر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی امت کا اجماع صحابہ کرام کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سب ہی اس کے خلاف ہے۔

ودوسری فصل

اس پر اعتراضات وجوابات

مسئلہ وتر پر اب تک جس قدر دلائل غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب نمبروار مع جواب عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يُوْتِرُ بَواحِدَ ةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ ركعتيں الخ

’’فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پھر بعد وتر دو نفل پڑھتے تھے۔‘‘

معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت چاہیئے۔ حضور ﷺ نے یہ ہی پڑھی ہے۔

جواب آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہوگئی جن میں تین رکعتوں کا ذکر ہے اور احادیث آپس میں متعارض ہوگئیں۔ حدیث کا ترجمہ ایسا کرنا چاہیئے جس سے احادیث متفق ہو جاویں۔ اس حدیث شریف میں ب استعانت کی ہے۔ جیسے کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ میں نے قلم سے لکھا کیونکہ اوتر باب افعال متعدی بنفسہ ہے تو حدیث کے معنے یہ ہوئے کہ حضور ﷺ نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا ایک رکعت کے ذریعہ سے اس طرح کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد جفت سے طاق بن گیا۔ مثلاً آٹھ رکعت تہجد ادا فرمائی یہ عدد جفت تھا پھر تین رکعت وتر پڑھی تو وتر کی یہ ایک رکعت ہے۔ جو دو سے مل کر ادا ہوئی۔ اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ تمام احادیث کا کیا جواب دو گے جن میں صراحۃً تین کا عدد مذکور ہے یا جن میں وارد ہوا کہ حضور پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے دوسری رکعت میں فلاں اور تیسری رکعت میں فلاں سورت جو پہلے فصل میں مذکور ہوئیں۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَال قَال رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ الَّیْلِ مَثْنیٰ فَاِذَا خَشِیَ اَحَدُ کُمُ الصُّبْحَ صَلّٰی رَکْعَۃً وَّاحِدَۃً تُوْتِرُ لَہٗ مَا قَدْ صَلّٰی ''فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تہجد کی نماز دو دو رکعت ہیں جب تم میں سے کوئی صبح ہو جانے کا خوف کرے تو ایک رکعت پڑھ لے یہ رکعت گزشتہ نماز کو وتر بنا دے گی۔''

اس سے چار مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو دو رکعت نفل ادا کرنی چاہئے دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں ہو صبح سے پہلے۔ تیسرے یہ کہ وتر تہجد کی نماز کے بعد افضل ہے چوتھے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے۔ حنفی لوگ پہلے تین مسئلے تو مانتے ہیں چوتھے کے انکاری ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے مانیں اگر صحیح نہیں تو چاروں نہ مانیں۔

جواب غیر مقلد وہابی تو اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو اکیلی ایک رکعت علیحدہ طور پر پڑھ لے اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہوگئی جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ناممکن ہوگیا حنفی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھ لے جن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی رکعۃً واحدۃ کے بعد مع الرکعتین پوشیدہ ہے کیونکہ پہلے مثنیٰ کا ذکر ہو چکا ہے اس صورت میں احادیث میں کوئی تعارض نہ رہا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہوگیا جیسے کہ رب فرماتا ہے۔

وَلَبِثُوْا فِیْ کَھْفِھِمْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْ ا تِسْعًا ''اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو سال ٹھرے تو بڑھا لیئے۔''

اس آیۃ میں یہ نو سال تین سو سال سے علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے کہ تین سو نو سال قیام کیا۔ چونکہ تین سے سال شمسی تھے اور تین سو نو سال قمری اس لئے رب تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ ایسے ہی وتر کی یہ رکعت علیحدہ اُن دو دو سے نہیں۔ بلکہ ان میں سے آخری مثنیٰ یعنی دو کے ساتھ ہے لیکن چونکہ وہ دو دو رکعتیں۔ تہجد کی تھیں اور نفل تھیں یہ تین رکعتیں وتر کی ہیں اور واجب ہیں اسی لیئے اس اعلم الاولین والآخرین افصح الخلق ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ کہو وہابی جی حدیثوں کو لڑانا اچھا۔ یا احادیث میں موافق پیدا کر کے سب پر عمل کرنا بہتر کاش کہ آپ نے کسی مقلد سے حدیث پڑھی ہوتی۔

اعتراض نمبر ۳ مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَلْوِتْرُ رَکْعَۃ'' مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ ''وتر آخر رات میں ایک رکعت ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

جواب اس کا جواب بھی دوسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہوگیا کہ وہابی اس کے معنی کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے اکیلی سب رکعتوں سے علیحدہ اس صورت میں یہ حدیث بہت احادیث کے مخالف ہوگی، اور احادیث کا جمع ناممکن ہوگا حنفی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے دو کے ساتھ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں یا اس حدیث میں وتر بمعنی اسم فاعل ہے۔ یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنانے والی ایک رکعت ہے کہ یہ دو سے مل کر ساری نماز کو طاق بنا دیتی ہے کہ نمازی نے آٹھ رکعت تہجد پڑھی، پھر جب وتروں کی نیت باندھی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز جفت ہی رہی۔ جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملا دی تو طاق یعنی گیارہ رکعتیں بن گئیں اس صورت میں یہ حدیث تمام دوسری حدیثوں سے موافق ہوگئی۔ احادیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ٤ ابوداؤد نسائی شریف نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَال قَال رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وِتْر'' یُحِبُّ الْوَتْرَ فاو تِرُوْ اَیَا اَھْلَ الْقُرْآنِ

''فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ وتر (بے جوڑ) ہے وتر کو پسند فرماتا ہے پس وتر پڑھا کرو اے قرآن ماننے والو۔''

حنفی بتائیں کہ اللہ ایک ہے یا تین، جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہیئے نہ کہ تین حضور ﷺ نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثال دی ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر وہابیوں کو چاہئے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں۔ نہ تین کیونکہ مغرب کے فرض دن کے وتر ہیں اور یہ وتر رات کے وتر۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں آگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے فرض تین پڑھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آگیا کہ حضور ﷺ نماز وتر بھی تین رکعت پڑھتے تھے دیکھو پہلی فصل تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کی محض وتریت یعنی طاق بے جوڑ ہونے میں مثال دی ہے نہ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے ایک بھی وتر تمثیل میں ادنے مناسب کافی ہوتی ہے ہر طرح مثل ہونا

ضروری نہیں اس لیئے حضور ﷺ نے وتر فرمایا۔ نہ فرمایا یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ایک رکعت کو پسند فرماتا ہے دیکھو رب فرماتا ہے۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ’’اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جسمیں چراغ ہے۔‘‘ یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی مطلقاً نورانیت میں اب اگر کوئی کہے کہ چراغ میں تیل بتی ہوتی ہے تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے نور میں بھی روغن بتی ہو تو اس کی حماقت ہے ہم کہتے ہیں فلاں شخص شیر ہے مطلب ہوتا ہے کہ صرف طاقت میں شیر کی طرح ہے یہ نہیں کہ اس کے دم اور پنجہ بھی ہے۔

اعتراض نمبر ۵ بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی۔

اَوْتَرَ مَعَاوِیَۃُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَکْعَۃٍ وَعِنْدَہٗ مَوْلیٰ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَاَتیٰ اِبْنَ عَبَّاسٍ فَاَخْبَرَہٗ فَقَالَ دَعْہُ فَنَّہٗ قَدْ صَحِبَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

’’سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی اس وقت ان کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حاضر تھے انہوں نے حضرت ابن عباس سے اسکا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو وہ صحابی رسول ہیں۔‘‘

معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔

جواب یہ حدیث تو احناف کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں کیونکہ جب امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھی تو سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کو حیرت ہوئی جس کی شکایت حضرت ابن عباس سے کی۔ حیرت و تعجب اس کام پر ہوتا ہے۔ جو نرالا اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ کوئی صحابی ایک رکعت وتر نہ پڑھتے تھے ورنہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ مجتہد فقیہہ صحابی ہیں فقیہہ مجتہد کی غلطی و خطا پر اعتراض جائز نہیں اسکا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قِیْلَ لَہٗ ھَلْ لَکَ فِیْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مَعَاوِیَۃَ مَااَوْتَرَ اِلَّا بِوَاحِدَۃٍ قَالَ اَصَابَ اِنَّہٗ فَقِیْہٌ‘‘

’’حضرت ابن عباس رسے عرض کیا گیا کہ کیا آپ کو حضرت امیر المؤمنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے وہ تو وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہد عالم فقیہہ ہیں۔‘‘

صاف معلوم ہوا کہ وتر تمام صحابہ اور خود سیدنا عبد اللہ ابن عباس تین رکعت پڑھا کرتے تھے اس ہی لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھنے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ سیدنا امیر معاویہ صحابی ہیں، عالم ہیں، مجتہد ہیں اور مجتہد فقیہہ کی خطا بھی درست ہوتی ہے ان پر اعتراضات نہ کرو۔ مہربان من یہ حدیث تو حنفیوں کی دلیل ہے آپ دھوکے سے اپنی دلیل سمجھ بیٹھے یہ تو آپ کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر ۶ حنفیوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت وتر پڑھیں تو اعتراض کرتے امیر معاویہ ایک رکعت وتر پڑھیں تو اُن پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم رفع یدین یا اونچی آمین کہیں تو ہم پر ملامت ہے۔ امام شافعی ہماری سی نماز پڑھیں تو نہ انہیں وہابی کہا جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دو رُخی پالیسی کیسی اور یہ فرق کیوں ہے۔ (عام وہابی)

جواب جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عالم فقیہہ مجتہد کی خطا پر بھی ثواب ہے، مگر جاہل جب دیدہ دانستہ عالموں سے منہ موڑ کر غلطی کرے تو سزا کا مستحق ہے اگر سول سرجن سند یافتہ ملازم سرکار کسی بیمار کو غلط دوا دے دے تو اس پر کوئی عتاب نہیں لیکن جاہل آدمی یوں ہی انگل پچو کسی کو غلط دوا کھلا دے تو شرعاً و قانوناً مجرم ہے۔ جج۔ حاکم کسی ملزم کو سزا دے حق ہے اگرچہ غلطی کرے مگر جوایرے غیر قانون ہاتھ میں لے کر خود ہی لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے جیل کا مستحق ہے۔

دیکھو حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں خونریز جنگ ہوئی جس میں یقیناً علی مُرتضیٰ برحق تھے اور امیر معاویہ خطا پر لیکن ان میں سے گنہگار کوئی نہیں جس کو بھی بُرا کہا جاوے تو بُرا کہنے والا بے ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن نے حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں کا ذکر فرمایا۔

اِذْ یَحْکُمَانِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْہِ غَنَمُ الْقَوْمِ کُنَّا لِحُکْمِھِمْ شَاھِدِیْنَ فَفَھَّمْنٰـھَا سُلَیْمٰنَ وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّ عِلْمًا ’’جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے متعلق فیصلہ فرماتے تھے جب اس میں قوم کی بکریاں پھیل گئیں۔ ہم انکا فیصلہ مشاہدہ فرما رہے تھے پس ہم نے حضرت سلیمان کو وہ سمجھا دیا اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو حکمت و علم بخشا۔‘‘

دیکھو کھیت کے اس مقدمہ میں داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے علیٰحدہ علیٰحدہ فیصلہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ برحق تھا جس کی رب تعالیٰ نے تائید فرمائی حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ خطاء اجتہادی تھی۔ لیکن ان پر کسی قسم کا عتاب ہوا ہرگز نہیں کیوں اس لیئے کہ آپ مجتہد مطلق

تھے اور مجتہد کی خطا پر عتاب نہیں۔ وہابیو اگر تم بھی رفع یدین یا اونچی آمین۔ شافی بن کر کرو تو تمہیں وہابی نہ کہا جاوے گا۔ نہ تم سے یہ شکایت ہو تو خود بے عمل ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لے لیتے ہو اور اپنی ذمہ داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتنہ واقع کرتے ہو اس پر تمہاری یہ درگت بنتی ہے۔

اعتراض نمبر ۷ تین رکعت وتر کی جتنی حدیثیں ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث حجت نہیں۔

جواب جی ہاں اس لیئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں یا اس لیئے کہ ساری حدیثیں ساڑھے تیرہ سو برس کی پرانی ہو چکیں آدمی تو ساٹھ برس میں بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے تو قریبا چودہ سو برس کی حدیثیں ضعیف کیوں نہ ہوں۔ آپ کی اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے نے لوگوں کو حدیث کا منکر کر دیا۔ آپ کے اس اعتراض کے جوابات ہم کتاب میں بارہا دے چکے ہیں۔

آٹھواں باب

قنوت نازلہ پڑھنا منع ہے

نماز وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت ہمیشہ پڑھنا سنت ہے اور فجر کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا سخت مکروہ اور خلاف سنت ہے مگر غیر مقلد وہابیوں کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعا قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ رمضان کی بعض تاریخوں میں لیکن فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دیوبندی وہابی جو دراصل درپردہ غیر مقلد ہیں بہانہ بنا کر فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں اس لیئے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

قنوت نازلہ کے معنی ہیں آفت ومصیبت کے وقت کی دعاء حضور سیّد عالم ﷺ نے ایک بار ایک خاص مصیبت پر چند روز یہ دعا قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیۃ قرآنی نے یہ دعا منسوخ فرمادی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کبھی نہ پڑھی دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱، ۲ بخاری ومسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عاصم احول کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم شَهْرًا اِنَّهُ‘ كَانَ بَعَثَ اُنَاسًا يُقَالُ اَنَّهُمُ الْقُرَاءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِيْبُوْ فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا يَدْعُوْ عَلَيْهِمْ

”حضور ﷺ نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی آپ نے ستر صحابہ کو جو قاری تھے ایک جگہ تبلیغ کے لے بھیجا وہ شہید کر دیئے گئے تو حضور علیہ السلام نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد ان کفار پر بددعا فرماتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔“

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا۔ عذر کی وجہ سے صرف ایک ماہ رہا پھر منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۳ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْعُوْ عَلٰى رِعْلٍ وَزَكْوَانَ فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوْتَ

”حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی قبیلہ رعل وذکوان پر بددعا فرمائی جب حضور ﷺ ان پر غالب آگئے تو چھوڑ دی۔“

اس حدیث میں چھوڑ دینے کا صراحۃً ذکر آگیا۔

حدیث نمبر ۴ تا ۷ ابو یعلیٰ موصلی۔ ابو بکر بزار طبرانی نے کبیر میں بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم شَهْرًا يَدْعُوْا عَلٰى عُصَيَّةَ وَذَكْوَانَ شَهْرًا فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوْتَ وَقَالَ الْبَزَّارُ فِىْ رِوَايَتِهٖ لَمْ يَقْنُتِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا لَمْ يَقْنُتْ قَبْلَهُ‘ وَلَا بَعْدَهُ‘

”حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی۔ جس میں قبیلہ عصیہ وذکوان پر بددعا فرمائی جب ان پر غلاب آگئے تو چھوڑ دی بزار نے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ پڑھی۔

حدیث نمبر ۸، ۹ ابوداؤد ونسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ‘

”یقیناً نبی ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔“

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۲ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت کی۔

قَالَ قُلْتُ لِاَبِىْ يَآبَتِ اِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِىْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِىٍّ هٰهُنَا بِالْكُوْفَةِ نَحْوًا مِنْ خَمْسِ سِنِيْنَ كَانُوْا يَقْنُتُوْنَ قَالَ يَا بُنَىَّ مُحْدَثٌ

”فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ابا جان آپ نے حضور ﷺ اور ابو بکر وعمر اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے کوفہ میں تقریباً پانچ سال نماز پڑھی کیا یہ حضرات قنوت نازلہ پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا اے بچے یہ بدعت ہے۔“

یعنی ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنا بالکل سنت کے خلاف ہے اور بدعت سیئہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۳، ۱۴ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث نقل کی جس میں آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا لِاَحْيَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْئٌ"

"حضور انور ﷺ اپنی بعض نمازوں میں فرمایا کرتے تھے کہ خدایا فلاں فلاں (عرب کے بعض قبیلے) پر لعنت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی " لیس لک الخ "

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دعاء قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے دوسرے یہ کہ حدیث شریف آیۃ قرآنی سے منسوخ ہو سکتی ہے کہ قنوت نازلہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قران کریم سے ثابت ہے تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بددعا یا لعنت جائز ہے۔ جن لوگوں پر حضور ﷺ نے بددعا فرمائی وہ حضور ﷺ کی ذات شریف کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے۔ جب ان پر جہاد کر سکتے ہیں۔ تو بددعا بھی کر سکتے ہیں ہاں حضور ﷺ نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافی دی ہیں لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔"

حدیث نمبر ۱۵ حافظ طلحہ ابن محمد محدث نے اپنی مسند میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کی ہے۔

عَنِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ عَنْ اَبَانِ ابْنِ عَيَّاشٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ يَقْنُتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفَجْرِ اِلَّا شَهْرًا وَّاحِدًا لِاَنَّهٗ حَارَبَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَنَتَ يَدْعُوْا عَلَيْهِمْ

"امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عیاش سے روایت فرماتے ہیں وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت علقمہ سے وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی سوا ایک مہینہ کے کیونکہ حضور نے مشرکین سے جنگ کی تھی تب ان پر ایک ماہ بد دعا فرمائی تھی۔"

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷ حافظ ابن خسرو نے اپنی مسند میں اور قاضی عمر ابن حسن اشنانی نے حضرت امام ابو حنیفہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے۔

قَالَ مَا قَنَتَ اَبُوْ بَكْرٍ وَّ عُمَرُ وَلَا عُثْمَانُ وَلَا عَلِيٌّ حَتّٰى حَارَبَ اَهْلَ الشَّامِ فَكَانَ يَقْنُتُ

"نہ حضرت ابوبکر و عمر نے نہ حضرت عثمان نے نہ علی مرتضیٰ نے قنوت نازلہ پڑھی۔ یہاں تک کہ حضرت علی نے اہل شام سے جنگ کی تو قنوت نازلہ پڑھی۔"

حدیث نمبر ۱۸ ابو محمد بخاری نے امام ابو حنیفہ سے انہوں نے عطیہ عوفی سے انہوں نے حضرت ابو سعید خدری صحابی سے روایت کی ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ لَمْ يَقْنُتْ اِلَّا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يَدْعُوْا عَلٰى عُصَيَّةَ وَذَكْوَانَ ثُمَّ لَمْ يَقْنُتْ اِلٰى مَاتَ

"انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ حضور نے چالیس دن کے سوا قنوت نازلہ نہ پڑھی۔ ان چالیس دن میں آپ نے عصیہ ذکوان پر بددعا فرمائی پھر وفات تک کبھی نہ پڑھی۔"

یہ اٹھارہ احادیث بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ قنوت نازلہ نہ پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث شریفہ موجود ہیں اگر شوق ہو تو طحاوی شریف۔ صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ قنوت نازلہ نماز میں نہ پڑھی جاوے۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ پنجگانہ فرائض کی رکعتیں مختلف نہیں۔ سب کے ارکان و دعائیں وغیرہ یکساں ہیں تو جب چار نمازوں میں قنوت نازلہ نہیں چاہئے کہ فجر کے فرضوں میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ با جماعت فرائض میں دعائیں اور ذکر مختصر ہیں نوافل میں ان کی آزادی ہے۔ دیکھو رکوع سے اُٹھتے وقت اکیلا نمازی سمع اللّٰہ لمن حمدہ بھی کہتا ہے اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ بھی۔ مگر جب جماعت سے پڑھتا ہے تو امام رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ نہیں کہتا صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے اور مقتدی اس کے برعکس کہ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ تو کہتا ہے مگر سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہتا۔ جب ان نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے تو فجر کے رکوع کے بعد اتنی دراز یعنی دعاء قنوت نازلہ پڑھنا مقصد شرح کے بالکل خلاف ہے تیسرے یہ کہ نماز خصوصاً فرائض پنجگانہ کے ارکان ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چاہئیں۔ قیام کے بعد فوراً سجدہ اور سجدہ کے بعد فوراً قیام یا جلسہ ان میں فاصلہ کرنا مقصد شرع کے خلاف ہے۔ رکوع فجر کے بعد جو قومہ ہے۔ اس میں صرف سمع اللہ لمن حمدہ کے بقدر ٹھہرنا چاہئے۔ اگر اس میں قنوت نازلہ پڑھی گئی تو

سجدہ جو نماز کا اعلیٰ رُکن ہے۔ دیر لگے گی۔ یا خیر فرض اگر بھول کر ہو تو سجدہ سہو واجب کرتی ہے اور اگر عمداً ہو تو نماز فاسد کر دیتی ہے لہذا اندرون نماز قنوت نازلہ نہ پڑھنا چاہئے تا کہ نماز کے ارکان میں اتصال رہے۔

مسئلہ فقہی مذہب حنفی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقعہ پر بہتر یہ ہی ہے کہ قنوت نازلہ خارج نماز پڑھے تا کہ صحابہ کرام کے اختلاف سے بچا رہے کیونکہ بعض صحابہ آفات وجنگوں کے موقعہ پر قنوت نازلہ پڑھتے تھے بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرضوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے قنوت نازلہ پڑھے تو اگر چہ اچھا نہ کیا۔ مگر جائز ہے۔ ضرورت سے ممنوعات مباح ہو جاتے ہیں۔ لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے فجر کے سواہ کسی اور نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جاوے گی۔ کیونکہ اس نے بلاوجہ عمداً سجدہ میں تاخیر کردی تاخیر فرض مفسد نماز ہے۔

ایک شبہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر ہر جہری نماز یعنی فجر۔ مغرب۔ عشاء میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہئے کیونکہ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں ہے۔

قَنَتَ الْاِمَامُ فِی صَلٰوۃِ الْجَھْرِ وَھُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیْ وَاَحْمَدُ

''اس موقعہ پر امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے امام ثوری واحمد کا یہ ہی قول ہے۔''

پنجاب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مغرب وعشاء فجر کی بلکہ نماز قنوت نازلہ پڑھ کر لوگوں کی نمازیں برباد کیں۔

شبہ کا ازالہ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطر میں یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر لکھ دیا ہے یعنی فؔ کو جیمؔ بنا دیا۔ چنانچہ اشباہ و النطائر میں اس جگہ بجائے صلوٰۃ الجہر کے صلوٰۃ الفجر ہے اور طحطاوی علی درالمختار اور علامہ ابن عابدین شامی نے منحۃ الخالق علی بحرالرائق میں فرمایا۔

وَلَعَلَّہٗ مُحَرَّفٌ'' عَنِ الْفَجْرِ ''شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کر بن دگیا ہے۔''

طحطاوی کی عبارت یوں ہے۔ وَالَّذِیْ یَظْھَرُلِیْ اَنَّ قَوْلَہٗ فِی الْبَحْرِوَاِنْ نَزَلَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ نَازِلَۃٌ'' قَنَتَ الْاِمَامُ فِی صَلٰوۃِ الْجَھْرِ تَحْرِیْف'' مِنَ النَّسَاخِ وَصَوَابُہٗ الْفَجْرَ بحرائق نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے تو امام جہر نماز میں قنوت نازلہ پڑھے میرا خیال ہے کہ یہ کاتبکی غلطی ہے صحیح یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔''

ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے اگر قنوت نازلہ کی زیادہ تحقیق کرنا ہوتا۔ ہمارا فتاویٰ نعیمیہ ملاحظہ فرمادیں۔ چونکہ اب دیوبندی بھی بعض جگہ قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں اس لیئے وہاں اس مسئلہ پر کچھ جم کر بحث کردی گئی ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دیانتداری سے مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی نیا شبہ نظر سے گزرا تو ان شاءاللہ اُس کا جواب بھی عرض کردیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱ تم نے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں اور ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ (پرانہ سبق)

جواب اس کے جوابات ہم بارہا دے چکے ہیں اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے ہم یہ آیت واحادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں احادیث یا آیات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں۔ ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ ان کی اسناد نہایت مختصر اور کھری ٹکسالی ہوتی ہے۔ جس میں دو تین راوی ہوتے ہیں وہ بھی نہایت ثقہ اس باب کی پہلی فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۵ میں صرف چار راوی ہیں۔ ابان ابن عیاش۔ ابراہیم نخعی۔ علقمہ ابن مسعود بتاؤ ان میں کون ضعیف ہے چونکہ امام صاحب کا زمانہ خیر القروں میں سے ہے۔ ان کی احادیث کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں۔ لہذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ضعف تدلیس وغیرہ بیماریاں بعد میں لگیں۔ ہاں تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے لئے قیامت ہے کہ یہ ہی روایتیں تمہاری دلیلیں ہیں جن پر تمہارے مذہب کا دارومدار ہے۔ اور تمہارا زمانہ حضور سے بہت دور تمہاری روایتوں کی اسنادیں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بیماریاں موجود ہیں۔ لہذا ضعیف ضعیف کی رٹ سے کسی غیر مقلد کو ڈراؤ۔ حنفی کے لیئے اس سے کچھ خطرہ نہیں باقی جوابات وہ ہیں۔ جو ہم پہلے بالوں میں عرض کرچکے ہیں ہم نے ہر حدیث کی بفضلہٖ تعالیٰ اتنی اسنادیں پیش کی ہیں کہ وہ وہ احادیث حسن ہوگئیں ضعف جاتا رہا۔

اعتراض نمبر ۲ تابن ماجہ نے روایت کی کہ کسی نہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضرت نے کب قنوت پڑھی تو جواب دیا۔

قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بَعْدَ الرُّکُوْعِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَبْلَ الرُّکُوْعِ وَبَعْدَہٗ

”حضور ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی اور بعد بھی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ پڑھنا سنّت رسول اللہ ﷺ ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس حدیث میں قنوت نازلہ کا ذکر نہیں اور صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث دعاء قنوت کے بحث میں لائے ہیں جو وتروں میں پڑھی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعاء قنوت مراد ہے۔ لہٰذا آپ کا استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ پڑھی اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضور نے قنوت نازلہ صرف ایک یا سواماہ پڑھی پھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔ لہٰذا یہ حدیث منسوخ ہے اور منسوخ سے دلیل پکڑنا سخت جُرم۔ تیسرے یہ کہ اگر اس حدیث میں قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو اس میں یہ فیصلہ نہ فرمایا گیا کہ رکوع سے پہلی یا بعد میں۔ تو تم نے بعد رکوع کا فیصلہ کیسے کرلیا۔ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے چوتھے یہ کہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے اس کی اسناد مجروح ہے۔ اس ہی لئے اسے مسلم و بخاری نے نہ لیا مسلم و بخاری کی روایتیں اس کی خلاف ہیں۔

جوہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث مجروح ہے غرضیکہ یہ حدیث تمہارے لئے کسی طرح حجت نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ طحاوی شریف نے بہت سی اسنادوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اتنی اسنادوں والی روایت ضعیف نہیں ہو سکتی۔

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ حِیْنَ یَفْرُغُ مِنْ صَلٰوۃِ الْفَجرِ مِنَ الْقَرَاءۃِ وَیُکَبِّرُ وَیَرْفَعُ رَاسَہٗ یَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ یَقُوْلُ وَھُوَ قَائِم ” اَللّٰھُمَّ اَنْجِ الْوَلِیْدَ ابْنَ الْوَلِیْدِ الخ

”حضور علیہ السلام جب نماز فجر کی قراۃ سے فارغ ہوتے اور تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے۔ اور سمع اللہ لمن حمدہ فرماتے تو کھڑے ہوئے یہ دعا پڑھتے اے اللہ ولید ابن ولید کو نجات دے الخ“

طحاوی شریف حنفیوں کی کتاب ہے اس سے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے۔

اعتراض نمبر ٤ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے زمانہ میں فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت نازلہ پڑھنا منقول ہے ایسے جلیل القدر صحابہ کا قنوت نازلہ پڑھنا اسکے سنت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں الزامی اور تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ روایت تمہارے بھی خلاف ہیں کیونکہ ان میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج یا بغاۃ کی جنگ میں یہ دعا پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ امن کے زمانہ میں نہیں پڑھتے مگر تم ہمیشہ پڑھتے ہو تم نے آج تک کفار سے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک بنانے اور مسلمانون سے لڑنے کے سواء کون سے جہاد کئے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قنوت نازلہ کے متعلق صحابہ کرام میں اختلاف رہا بعض صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے اور بدعت فرماتے ہیں جیسے حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ جیسا کہ ہم بحوالا نسائی و ابن ماجہ پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صحابہ کرام بحالتِ جنگ قنوت نازلہ پڑھتے تھے جیسے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہ اس لئے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں۔

کہ اب بھی بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں لیکن ہمیشہ پڑھنا کسی صحابی کا قول نہیں ہماری ساری گفتگو ہمیشہ پڑھنے کے متعلق ہے آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے دلیل کچھ اور تمام وہابیوں کو اعلان امام ہے کہ ایک حدیث مرفوع صحیح ایسی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنے کا حکم یا ذکر ہو ان شاء اللہ قیامت تک نہ ملے گی۔ لہٰذا کیوں ضد کرتے ہیں مقلد بن کر صحیح نمازیں پڑھا کرو۔

تتمّہ

وتر میں دعائے قنوت ہمیشہ پڑھو

چونکہ غیر مقلد وہابی وتروں میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ صرف آخری پندرہ رمضان میں دعا قنوت پڑھتے ہیں۔ ہم حنفی سال بھر تک پڑھتے ہیں۔ اس لیے بطور اختصار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں۔ ہمیشہ دعاء قنوت وتر کے آخر رکعت میں قراءۃ کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا سنّت ہے۔ اس کے خلوف کرنا سخت بُرا ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱، ۲ امام محمد نے آخر میں اور حافظ ابن خسرو محدث نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ ﷺ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یَقْنُتُ السَّنَۃَ کُلَّمَا فِے الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّکُوْعِ ''کہ آپ وتروں میں تمام سال رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھتے تھے۔''

حدیث نمبر ۳،۴ دار قطنی اور بیہقی نے حضرت سوید ابن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَابَکْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیًّا یَقُوْلُوْنَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فِیْ اٰخِرِ الْوِتْرِ وَکَانُوْ یَفْعَلُوْنَ ذَالِکَ ''وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی علی مرتضٰے سے سنا کہ وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور ﷺ وتر کی آخری رکعت میں دعا قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہ ہی کرتے تھے۔''

حدیث نمبر ۵ تا ۸ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت امیر المؤمنین علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ اٰخِرِ وِتْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ الخ

''یقیناً حضور ﷺ اپنی آخری وتر میں یہ دعا پڑھتے تھے۔'' اللّٰھم ان اعوذ بک الخ

خیال رہے۔ کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے۔ جو ابوداؤد نے حضرت حسن بصری سے روایت کی الفاظ یہ ہیں۔

اَنَّ عُمَرُ ابْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلیٰ اُبَیِّ ابْنِ کَعْب فَکَانَ یُصَلِّی بِھِمْ عِشْرِیْنَ لَیْلَۃً وَلاَ یَقْنُتُ بِھِمْ اِلاَّ فِی النِّصْفِ الْبَاقِی ''حضرت عمر ابن خطاب نے لوگوں کو ابی ابن کعب پر جمع کر دیا وہ انہیں بیس ارت تراویح پڑھاتے تھے۔ اور قنوت نہ پڑھتے تھے مگر باقی آدے رمضان میں۔''

غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اے وہابیو! تمہارا پورا حدیث پر ایمان ہے یا آدھی پر۔ اگر آدھی پر ہے تو کیوں۔ اور اگر پوری پر ہے تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی ابن کعب تمام صحابہ کو بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ تم آٹھ تراویح ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو۔ صرف بیس رات کیوں نہیں پڑھتے اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

اَفَتُؤمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ''کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔''

اگر اس حدیث سے پندرہ دن دعاء قنوت ثابت ہوتی ہے۔ تو بیس رکعت تراویح صرف بیس رات بھی ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعاء قنوت کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ یہ دعا کوئی اور ہوگی۔ جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا کی گئی ہو چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہوتے تھے تو صحابہ کرام آخر رمضان میں جس میں سب قدر بھی ہے۔ اعتکاف کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فتح کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ اگر اس سے دعاء قنوت مراد ہو تو یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہوگی۔ جو ہم پیش کر چکے ہیں جن میں فرمایا گیا کہ صحابہ کرام سارا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے۔ جہاں تک ہو سکے احادیث میں تعارض پیدا نہ ہونے دیا جاوے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی پندرہ دن دعاء قنوت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ابی ابن کعب نے بیس رات تروایح پڑھائیں جن میں سے آخری نصف میں دعاء قنوت پڑھی تو حساب سے کل دس دن یعنی دسویں رمضان سے بیس رمضان تک دعاء قنوت ہوئی تم پندرھویں سے تیس تک کیوں پڑھتے ہو۔

ھمارا اعلان ہم تمام دنیا کے وہابیوں کو اعلان کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح مسلم بخاری کی ایسی پیش کرو جس میں پندرہ دن دعاء قنوت کا حکم ہو آگے پیچھے پڑھنے کی ممانعت ہو۔ قیامت تک نہ لاسکو گے لہذا اپنے موجودہ عمل سے توبہ کرو اور ہمیشہ دعاء قنوت پڑھا کرو۔ ہمیشہ رب سے دعا مانگنے سے شرم نہ کرو۔

نواں باب

اَلتَّحیَّات میں بیٹھنے کی کیفیت

مرد کے لیے سنت یہ ہے کہ دونوں التحیات میں داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور زمین پر بیٹھے وہابی غیر مقلد پہلی التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں مگر دوسری میں عورتوں کی طرح یہ سنت کے خلاف ہے اور بہت بُرا اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

التحیات میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد داہنا پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سرا کعبہ کی طرف بایاں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھے اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ مسلم شریف نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَکَانَ یَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْیُسْریٰ وَیَنْصِبُ رِجْلَه‘ الْیُمْنیٰ

”آپ اپنا بایاں پاؤں شریف بچھاتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲، ۳ بخاری و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ اِنَّمَا السُّنَّةُ فِی الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَکَ الْیُمْنیٰ وَ تُثْنِیَ الْیُسْریٰ زَادَا لِنَّسَائِی وَاسْتِقْبَالُه‘ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ

”سنت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے نسائی میں یہ زائد ہے کہ داہنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرے۔“

حدیث نمبر ۴ تا ۷ بخاری شریف۔ مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی نے سیدنا عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کی۔

اَنَّه‘ کَانَ یَریٰ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ یَتَرَبَّعُ فِی الصَّلٰوةِ اِذَا جَلَسَ قَالَ فَعَلْتُه‘ وَاَنَا یَوْمَئِذٍ حَدِیْثُ السِّنِّ فَنَهَانِیْ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ وَقَالَ سُنَّةُ‘ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَکَ الْیُمنیٰ وَ تُثْنِیْ رِجْلَکَ الْیُسْریٰ فَقُلْتُ لَه‘ اِنَّکَ تَفْعَلُ ذَالِکَ فَقَالَ اِنَّ رِجْلَیَّ لَا تَحملَاَ نِیْ

”کہ وہ اپنے والد عبداللہ ابن عمر کو دیکھتے تھے کہ آپ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا اس وقت میں نو عمر تھا تو مجھے حضرت عبداللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ پاؤں بچھاؤ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں یعنی چہار زانو بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتے (یعنی معذوری ہے)۔“

حدیث نمبر ۸، ۹ ترمذی شریف اور طبرانی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِیْنَةَ قُلْتُ لَاَنْظُرَنَّ اِلیٰ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ فَلَمَّا جَلَسَ وَوَضَعَ یَدَهُ الْیُسْریٰ عَلیٰ فَخِذِهِ الْیُسْریٰ وَ نَصَبَ رِجْلَهُ الْیَمْنیٰ

”فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دل میں کہا کہ میں حضور ﷺ کی نماز دیکھوں گا۔ جب آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کر دیا۔“

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۳ امام احمد۔ ابن حبان۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَاِذَا جَلَسْتَ فَاجْلِسْ عَلیٰ فَخِذِکَ الْیُسْریٰ ”پھر جب تم بیٹھو تو اپنی بائیں ران پر بیٹھو۔“

حدیث نمبر ۱۴ طحاوی شریف نے حضرت ابواہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّه‘ کَانَ یُسْتَحَبُّ اِذَا جَاسَ الرَّجُلُ فِی الصَّلٰوةِ اَنْ یَفْتَرِشَ قَدَمَه‘ الْیُسْریٰ عَلیٰ الْاَرْضِ ثُمَّ یَجْلِسُ عَلَیْهَا

”آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا بایاں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر بیٹھے۔“

حدیث نمبر ۱۵ ابوداؤد شریف نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِذَا جَلَسَ فِى الصَّلٰوةِ اِفْتَرَشَ رِجْلَه' الْيُسْرٰى حَتّٰى اَسْوَدَّ ظَهْرُ قَدَمِه

"وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے یہاں تک کہ اس قدم شریف کی پشت سیاہ ہوگئی تھی۔"

حدیث نمبر ۱۶ بیہقی شریف نے سیدنا ابوسعید خدری سے ایک دراز حدیث نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَاِذَا جَلَسَ فَلْيَنْصِبْ رِجْلَه' الْيُمْنٰى وَلْيُخْفِضْ رِجْلَه' الْيُسْرٰى

"جب نماز میں بیٹھے تو اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے۔"

حدیث نمبر ۱۷ طحاوی شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتَ خَلْفَ لَاَحْفِظَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ قَالَ فَلَمَّا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ فَرَشَ رِجْلَه' الْيُسْرٰى ثُمَّ قَعَدَ عَلَيْهَا

"میں نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو دل میں کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یاد کروں گا۔ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ التحیات کے لیے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا پھر اسی پر بیٹھ گئے۔"

حدیث نمبر ۱۸ طحاوی شریف نے حضرت ابوحمید ساعدی سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَاِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ اِضْجَعَ رِجْلَه' الْيُسْرٰے وَنَصَبَ الْيُمْنٰى عَلٰى صَدْرِهَا وَيَتَشَهَّدُ

"جب حضور ﷺ التحیات کیلئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور داہنا پاؤں اس کے سینے پر کھڑا کیا اور التحیات پڑھتے تھے۔"

یہ اٹھارہ حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں میں مطلق التحیات کا ذکر ہے اول آخر کی قید نہیں معلوم ہوا کہ مرد التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے عورتوں کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دوسری التحیات میں بھی بائیں پاؤں پر بیٹھے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی التحیات میں مرد بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دو سجدوں کے درمیان میں اسی طرح بیٹھے آخری التحیات میں وہابیوں کا اختلاف ہے۔ پہلی التحیات میں بیٹھنا واجب ہے اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض۔ دوسری التحیات میں بیٹھنے کو اگر فرض مانتے ہو تو اسے سجدوں کی درمیانی نشست کی طرح ہونا چاہیے یعنی بائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو واجب مانا جاوے تو اسے پہلے التحیات کی نشست کی طرح ہونا چاہئے یعنی بائیں پاؤں پر یہ کیا کہ وہ دونوں نشستیں بائیں پاؤں پر ہوں اور یہ آخری نشست زمین پر دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی غرضیکہ بائیں پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر سرین رکھ کر بیٹھنا عقل و نقل سب کے ہی خلاف ہے اس سے بچنا چاہیے خیال رہے کہ عورت زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے مگر وہ پہلی التحیات میں بھی ایسے ہی بیٹھتی ہے اور دو سجدوں کے بیچ میں بھی اسی طرح لہٰذا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اوس کی ہر نشست اسی طرح ہے۔ غرضیکہ عورتوں کی ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست بائیں پاؤں پر نہ معلوم وہابیوں کی یہ دورنگی ابلقی نشست کس میں شامل ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں غیر مقلدوں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکے ہیں۔ ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین

اعتراض نمبر ۱ طحاوی شریف نے حضرت یحییٰ ابن سعید سے روایت کی۔

اَنَّ الْقَاسِمَ ابْنَ مُحَمَّدٍ اَرَاهُمُ الْجُلُوْسَ فَنَصَبَ رِجْلَه' الْيُمْنٰى وَثَنّٰى رِجْلَه' الْيُسْرٰى وَجَلَسَ عَلٰى وَرْكِهِ الْيُسْرٰى وَلَمْ يَجْلِسْ عَلٰى قَدَمَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَرَانِىْ هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَنِىْ اَنَّ اَبَاهُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَدْعَلُ ذَالِكَ

"کہ قاسم ابن محمد نے اُن لوگوں کو نماز میں بیٹھنا دکھایا تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کیا۔ اور بایاں پاؤں بچھایا اور اپنے بائیں سرین پر بیٹھے۔ آپ دونوں قدموں پر نہ بیٹھے پھر قاسم نے فرمایا کہ یہی مجھے عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر نے دکھایا اور مجھے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبداللہ ابن عمر ایسا ہی کرتے تھے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر زمین پر بیٹھنا سنت صحابہ ہے اور صحابہ کرام نے یہ عمل اسی لیئے کیا کہ حضور ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا ہوگا۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ سیّدنا عبداللہ ابن عمر نماز کی ہر التحیات میں اس ہی طرح بیٹھتے تھے مگر تم کہتے ہو کہ پہلی التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ دوسرے میں اس طرح بیٹھے۔ لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث اوس روایۃ کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں کہ سیّدنا عبداللہ ابن عمر دونوں التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے وہ حدیث نہایت قوی تھی۔ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے قیاس شرعی کے بھی خلاف اور جب حدیثوں میں تعارض ہو تو جو حدیث قیاس شرعی کے موافق ہوگی اُسے ترجیح ہوگی۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث سے تمہارا قول ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اس میں یہ تفریح نہیں۔ کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ زمین پر سرین رکھ کر بیٹھتے تھے یہ ہے دونوں قدموں پر نہ بیٹھتے تھے واقعی نمازی دونوں قدموں پر نہیں بیٹھتا۔ بلکہ صرف ایک قدم یعنی بائیں پر بیٹھتا ہے لہٰذا اس میں تمہاری کوئی دلیل نہیں۔

اعتراض نمبر ۲ طحاوی شریف اور ابوداؤ نے محمد ابن عمرو ابن عطاء سے ایک طویل حدیث روایۃ کی جس کا ملخص یہ ہے۔

سَمِعْتُ اَبَاحُمِیْدِ السَّاعِدِیُّ فِی عَشْرَۃٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فَذَکَرَاَنَّہ‘ کَانَ فِی الْجَلْسَۃِ الْاُوْلٰی یُثْنِیْ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی فَیَقْعُدُ عَلَیْھَا حَتّٰی اِذَا کَانَتْ السَّجْدَۃُ الَّتِیْ یَکُوْنُ فِی آخِرِہٖ اَلتَّسْلِیْمُ آخَرَ رِجْلَہ‘ اَلْیُسْرٰی وَقَعَدَ مُتَوَرِّکًا عَلٰی شِقِّہٖ اِلْاَیْسَرِفَقَالُوْا

’’میں نے ابوحمید ساعدی کو دس صحابہ کرام کی جماعت میں فرماتے ہوئے سُنا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سب میں حضور ﷺ کی نماز کو زیادہ جانتا ہوں۔ فرمایا کہ حضور ﷺ پہلی التحیات میں اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھتے تھے جب وہ سجدہ فرمالیتے جس کے آخر میں سلام ہے تو اپنا بایاں پاؤں ایک جانب نکال دیتے اور اپنے بائیں سرین پر زمین پر بیٹھتے تو صحابہ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔‘‘

اس حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا کہ پہلی التحیات میں پاؤں پر اور دوسری التحیات میں زمین پر بیٹھنا سنت ہے اور ابوحمید ساعدی نے یہ حدیث دس صحابہ کی جماعت میں ذکر کی اور ان سب نے اس کی تصدیق فرمائی معلوم ہوا کہ عام صحابہ کا وہ ہی طریقہ تھا جس پر ہم عامل ہیں۔

(یہ غیر مقلدو ہابیوں کی مایہ ناز حدیث ہے)

جواب یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض گڑھی ہوئی ہے کیونکہ اس کا راوی محمد ابن عمرو ابن عطاء ہے جو بہت جھوٹا ہے وہ کہتا تھا۔ میں نے ابوحمید اور ابوقتادہ سے سنا۔ حالانکہ حضرت ابوقتادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اونہی کے زمانہ میں شہید ہوئے۔ حضرت علی نے ہی ابوقتادہ کی نماز جنازہ پڑھی اور محمد ابن عمرو خلافت حیدری کے بعد پیدا ہوا۔ پھر ابوقتادہ سے کیسے ملا۔ ایسا جھوٹا آدمی ہرگز قابل اعتبار نہیں نہ اُس کی حدیث قابل عمل ہے دیکھو طحاوی شریف اسی باب کا آخر۔

ابوحمید ساعدی کی صحیح حدیث وہ ہے جو طحاوی شریف نے اسی باب میں بروایتہ عباس ابن سہیل روایت کی جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے جس میں فرمایا کہ حضور ﷺ بایاں پاؤں بچھا کر اوس پر بیٹھتے اور التحیات پڑھتے تھے۔ افسوس ہے کہ آپ ایسی واہی اور ضعیف بلکہ جھوٹے راویوں کی روایتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ اور جب حنفی اپنی تائید میں صحیح حدیث پیش کریں تو اس پر حیلوں بہانوں سے ضعیف ضعیف کی رٹ لگاتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تب بھی گذشتہ اُن احادیث کے خلاف ہوگی جو ہم عرض کر چکے ہیں ہماری تمام احادیث چونکہ قیاس شرعی کی تائید سے قوت حاصل کر چکیں لہٰذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث بالکل نا قابل عمل۔

اعتراض نمبر ۳ ترمذی شریف نے عباس ابن سہیل ساعدی سے روایت کی۔

قَالَ اِجْتَمَعَ اَبُوْ حُمَیْدٍ اَوبُواُسَیْدٍ وَسَھْلُ ابْنُ سعْدٍ وَمُحَمَّدُ ابْنُ مُسْلِمَۃَ فَذَکَرُوْا صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فَقَالَ اَبُوْ حُیْدٍ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّم جَلَسَ یَعْنِیْ لِلتَّشُھُّدِ فَافْتَرَشَ رِجْلَہ‘ اَلْیُسْرٰی وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْیُمْنٰی عَلٰی قِبْلَتِہٖ وَوَضَعَ کَفَّہُ الْیُمْنٰی عَلٰی رُکْبَتِہٖ الْیُمْنٰی وَکَفَّہُ الْیُسْرٰی عَلٰی رُکْبَتِہٖ الْیُسْرٰی وَاَشَارَبِاَصْبُعِہٖ یَعْنِی سَبَابَۃَ

”ایک بار ابو حمید ابو اسید سہیل ابن سعد ابو محمد ابن مسلمہ جمع ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابو حمید فرمانے لگے کہ تم سب سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کو میں جانتا ہوں حضور ﷺ التحیات کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھادیا اور داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کردیا اور اپنی داہنی ہتھیلی داہنے گھٹنے پر رکھی بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی (کلمے کی انگلی) سے اشارہ فرمایا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اس ہی طرح التحیات میں بیٹھتے تھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ ورنہ آپ کے داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا بلکہ یہ پاؤں کھڑا ہوتا۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ہر التحیات میں زمین پر بیٹھتے تھے تم پہلی التحیات میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہو دوسری میں زمین پر یہ کیوں جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہوگا اپنی فکر کرو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری التحیات میں تین کام ہوتے ہیں بائیں پائیں کا داہنی طرف نکلنا۔ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔ نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا تعجب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے سمجھ لیا یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ داہنے پاؤں کے سینے کا قبلہ کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے نیز خود انہی ابو سعید ساعدی سے اس کے خلاف بھی منقول ہے وہ تمام احادیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل اور خود اس فصل میں عرض کر چکے۔ لہٰذا وہ احادیث قابل عمل ہیں اور یہ نا قابل عمل۔

چوتھے یہ کہ اس ہی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابو وائل کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں حنفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے اس کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اکثر علماء کا اس پر عمل ہے آپ نے ایسی صحیح و صاف حدیث کو کیوں چھوڑا اور مجمل حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے متبع نہیں۔ اپنی رائے اتباع کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں بلکہ اہل رائے یا اہل ضد رکھیں۔

اعتراض نمبر٤ بائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں قابل حجت نہیں۔ (پرانہ سبق)

جواب کسی حنفی کو آپ اس منتر سے نہ ڈرایا کریں حنفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حنفی بحمدہ تعالیٰ اتنی حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ اگر بفرض محال وہ سب ضعیف بھی ہوں۔ تو بھی قوی ہو جاویں۔ نیز امام اعظم رحمۃ اللہ جیسے جلیل القدر مجتہد سراف امت کا قبول فرمالینا ہی اس کو قوی کرنے کے لئے کافی ہے۔ حنفی مذہب کی دلائل یہ روایات نہیں۔ یہ تو تائیدیں ہیں حنفیوں کی دلیل قول امام ہے ہمارا ایمان کتاب پر بھی ہے سنت پر بھی اور اجماع امت و قیاس مجتہد پر بھی ہمارے سامنے یہ آیت کریمہ ہے۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا لرَّسُوْلَ وَ اُوْلِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ

”اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں (مجتہدین امت) کی“

دسواں باب

بیس رکعت تراویح

ہم بیس رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے۔ ملعات المصابیح علی رکعات التراویح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لیے کچھ بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ ہمارا رسالہ ملاحظہ کرے۔ خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ ﷺ کا اس پر اتفاق ہے کہ وہابی وہ فرقہ ہے جسے نماز گراں ہے محض نفس پر بوجھ سمجھ کر تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر سو رہتے ہیں اور کچھ روایتوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس لیئے ہم اس مسئلہ کو دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں پہلی فصل میں بیس رکعت تراویح کے دلائل دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین

پہلی فصل

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

بیس رکعت تراویح سنّت رسول اللہ ﷺ صحابہ سنت عامۃ المسلمین ہے آٹھ رکعت تراویح خلاف سنت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۵ ابن ابی شیبہ طبرانی نے کبیر ہیں بیہقی۔ عبد ابن حمید اور امام بغوی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کَانَ یُصَلِّی فِی رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً سِوَی الْوِتْرِ وَ زَادَالْبَیْھِقِیُّ فِی غَیْرِ جَمَاعَۃٍ

”بیشک نبی ﷺ ماہ رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھتے تھے وتر کے علاوہ بیہقی نے یہ زیادہ فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور ﷺ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے صرف تین دن تراویح وہاں باجماعت پڑھنا مراد ہے یعنی بغیر جماعت تو ہمیشہ پڑھتے تھے جماعت سے صرف تین دن پڑھیں۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ علی العین ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رغبت بھی دی۔

حدیث نمبر ٦ امام مالک نے حضرت یزید ابن رومان سے روایت کی۔

کَانَ النَّاسُ یَقُوْمُوْنَ فِیْ زَمنِ عُمَرِ الْخَطَّابِ فِیْ رَمَضَانَ بِثَلٰثٍ وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں لوگ تیئس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔“

اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ وتر تین رکعت ہیں اس لیے کل تیئس رکعتیں ہوئیں۔

حدیث نمبر ۷ بیہقی نے معرفہ میں صحیح اسناد سے حضرات سائب ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ کُنَّا تَقُوْمُ فِیْ عَھْدِ عُمَرَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَالْوِتْرَ ”ہم صحابہ کرام عمر فاروق کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۸ ابن منیع نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَہٗ اَنْ تُصَلّٰی بِاللَّیْلِ فِیْ رَمَضَانَ قَالَ اِنَّ النَّاسَ یَصُوْمُوْنَ النَّھَارَ وَلَایَحْسِنُوْنَ اَنْ یَقْرَءُ وْا فَلَوْقَرَاتَ عَلَیْھِمْ بِالَّیْلِ قَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ھٰذَا شَیٌٔ‘‘ لَمْ یَکُنْ فَقَالَ فَقَدْ عَلِمْتُ وَلٰکِنَّہٗ حَسَنٌ‘‘ فَصَلّٰی بِھِمْ عِرِیْنَ رَکْعَۃً

”حضرت عمر نے انہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھا کرو رات میں حضرت ابی نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین یہ وہ کام ہے جو اس سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں۔ لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں۔“

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری ہی تھی۔ مگر باجماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا اصل تراویح سنّت رسول اللہ ﷺ ہے اور جماعت۔ اہتمام ہیشگی سنت فاروقی ہے۔

دوسرے یہ کہ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابی ابن کعب نے تمام صحابہ کو بیس رکعت پڑھائیں۔ صحابہ کرام نے پڑھیں کسی نے اعتراض نہ کیا۔

تیسرے یہ کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے کہ حضرت ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ جماعت تراویح باقاعدہ جماعت کا اہتمام سے بدعت ہے اس سے پہلے نہ ہوئی۔ فاروق اعظم نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے واقعی یہ بدعت ہے مگر اچھی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کام حضو ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ عہد صحابہ میں رائج ہو کہ تراویح کی جماعت اگرچہ زمانہ فاروقی میں ہوئی مگر اسے بدعت حسنہ فرمایا گیا۔

حدیث نمبر ۹ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمٰی سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ دَعَا الْقُرَاءَ فِیْ رَمَضَانَ رَجُلاً یُصَلِّی بِا النَّاسِ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَّ کَانَ عَلِیٌّ یوتِرُبِھِمْ

”کہ علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُنھیں وتر پڑھاتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۰ بیہقی نے اپنی حضرت ابوالحسناء سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَمَرَ رَجُلاً یُصَلِّی بِا النَّاسِ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت پڑھائیں۔“

بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں ورنہ بیس رکعت کی احادیث بہت ہیں۔ اگر شوق ہو تو ہماری لمعات المصابیح اور صحیح البہاری ملاحظہ کریں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وجوہ سے ایک یہ کہ دن رات میں بیس رکعت فرض و واجب ہیں۔ ۱۷ رکعت فرض تین رکعت واجب ماہ رمضان میں بیس تراویح پڑھی جاویں۔ ان رکعات کی تکمیل اور مدارج بڑھانے کے لیئے لہٰذا آٹھ رکعت تراویح بالکل خلاف قیاس ہیں۔

دوسری یہ کہ صحابہ کرام تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع کو رکوع اس ہی لیئے کہتے ہیں کہ اتنی آیات پر حضرت عمرو عثمان وصحابہ کرام رکوع میں رکوع کرتے تھے اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن ہوتا تھا۔ آٹھ رکعت ہوتیں تو چاہیئے تھا کہ قرآن کریم کے رکوع دل دوسو سولہ ہوتے۔ حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۵۵۷ ہیں بیس رکعت کے حساب سے ۵۴۰ رکوع ہوتے کوئی وہابی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر قرآن کریم کے رکوع کی تعداد کی وجہ بیان فرماویں۔

تیسرے یہ کہ تراویح کی جمع ہے۔ ترویحہ ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر راحت کرنے کو کہتے ہیں اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو بیچ میں ایک ترویحہ ہوتا۔ اس صورت میں اس کا نام تراویح جمع نہ ہوتا جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔

علماء اُمت کا عمل ہمیشہ سے قریباً ساری امت کا عمل بیش رکعت تراویح پر رہا اور آج بھی ہے۔ حرمین شریف اور ساری دنیا کے مسلمان بیس رعکت تراویح ہی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَاَکْثَرُ اَھْلِ الْعِلْمِ عَلیٰ مَارُوِیَ عَنْ عَلِیٍ و عُمَرَ وَ غَیْرِھِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَھُوَ قَوْلُ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ وَابْنِ الْمُبَارَکِ والشَّافِعِیُ وَ قَالَ الشَّافِعِیُ ھٰکَذَا اَدْرَکْتُ بِلَدَ مَکَّۃَ یُصَلُّوْنَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً

”اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت عمرو علی و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یعنی بیس رکعۃ تراویح اور یہ ہی سفیان ثوری۔ ابن مبارک اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا فرمان ہے امام شافعی نے فرمایا کہ ہم مکہ والوں کو بیس رکعۃ تراویح پڑھتے پایا۔“

عمدہ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۵ میں ارشاد فرمایا۔

قَالَ اِبْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَھُوَ قَوْلُ جَمْھُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَبِہٖ قَالَ الْکُوْفِیُوْنَ وَالشَّافِعِیُ وَاَکْثَرُ الْفُقَھَاءِ وَھُوَ الصَّحِیحُ عَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ مِنْ غَیْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَۃِ

”ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح ہی جمہور علماء کا قول ہے یہ ہی کوفی حضرات اور امام شافعی اور اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہ ہی صحیح ہے ابی ابن کعب سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔“

مولانا علی قاری شرح نقایہ میں بیس رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَصَارَ اِجْمَاعًا لِمَا رَوَی الْبَیْهِقِیُّ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ کَانُوْا یُقُمُوْنَ عَلٰی عَهْدِ عُمَرَ رَکْعَةً وَعَلٰے عَهْدِ عثمَانَ وَ عَلِیٍّ عِشْرِیْنَ

”بیس رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کی صحابہ کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔“

علامہ ابن حجر ہیثمی فرماتے ہیں۔

اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلٰی اَنَّ التَّرَاوِیْحَ عِشْرُوْنَ رَکْعَةً ”تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔“

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے بیس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے بیس رکعت تراویح حرمین شریفین میں پڑھی جاتی ہیں بیس رکعت تراویح عقل کے مطابق ہیں بیس رکعت تراویح قرآنی رکوعات کی تعداد کے مناسب ہیں بلکہ آج حرمین طیبین میں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر اب بھی وہاں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔ نہ معلوم ہمارے ہاں کے بابی غیر مقلد کس کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف سنت صحابہ کے خلاف سنت مسلمین کے خلاف سنت علماء مجتہدین کے خلاف سنت حرمین طیبین کے خلاف ہے ہاں ہوائے نفس کے مطابق ہے کہ نماز نفس امارہ پر بوجھ ہے۔ رب تعالیٰ نفس امارہ کے پھندوں سے نکالے اور سنت رسول ﷺ پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

دوسری فصل

بیس رکعت تراویح پر اعتراضات وجوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں کچھ اوہام رکیکہ اور کچھ شبات فاسدہ ہیں۔ دل تو نہیں چاہتا تھا کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث مکمل کرنے کے لیئے اُن کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔

اعتراض نمبر ۱ امام مالک نے سائب ابن یزین رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّه‘ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اُبَیُّ ابْنُ کَعْبٍ وَتَمِیْمُ الدَّارِیُ اَنْ یَّقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدیٰ عَشَرَةَ رَکْعَةً الخ

”وہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب اور تمیم واری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔ اگر تراویح بیس رکعت ہوتیں تو کل رکعات ۲۳ بنتیں مع وتر کے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی سخت خلاف ہے کیونکہ اس سے جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہوا وہاں ہی تین وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہونگی۔ آٹھ تراویح تین وتر۔ اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو کل نو رکعتیں ہوتیں۔ نہ کہ گیارہ۔ بتاؤ تم ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ لہٰذا اس روایت کا جو تم جواب دو گے وہ ہی جواب ہمارا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے روای محمد ابن یوسف ہیں۔ ان کی روایات میں سخت اضطراب ہے۔ موٗطا امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں۔ اور محمد ابن نصر مروزی نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبدالرزاق نے انہی سے اکیس نقل فرمائیں دیکھو فتح الںباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر۔ لہٰذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں تعجب ہے کہ آپ نفس امارہ کی خواہش پوری فرمانے کے لئے ایسی واہیات روایتوں کی آڑ پکڑتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ عہد فاروقی میں اوّلاً آٹھ رکعت تراویح کا حکم ہوا۔ پھر بارہ رکعت کا پھر آخر میں بیس رکعت پر ہمیشہ کے لئے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی موطا امام مالک میں حضرت اعرج سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

وَکَانَ الْقَارِیُ یَقْرَاءُ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِیْ عثمَاِ رَکْعَاتٍ فَاِذَا اَقَامَهَا فِیْ اِثْنی عَشْرَةَ رَکْعَةً رَایَ النَّاسُ اَنَّه‘ قَدْ خُفِّفَ

”قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقر پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر آسانی ہوگئی۔“

اس حدیث کی شرح میں مولانا قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَفِی الْمُوَطَّا رِوَایَۃٌ بِاِحْدٰی وعَشْرَۃَ رَکْعَۃً وَجُمِعَ بَیْنَہُمَا اَنَّہٗ وَقَعَ اَوَّلاً ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلیٰ الْعِشْرِیْنَ فَاِنَّہٗ الْمُتَوَارِثُ

”ہاں بیس کا حکم حضرت عمر کے زمانہ میں ثابت ہوا، موطا شریف میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے ان دونوں روایتوں کو اسطرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے تو آٹھ رکعت کا حکم تھا۔ پھر بیس رکعت پر تراویح کا قرار رہا یہ ہی مسلمانوں میں رائج ہے۔“

معلوم ہوا آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے۔ بیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں میں معمول۔

اعتراض نمبر ۲ تمہاری پیش کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور انور ﷺ بیس تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمر نے پہلے آٹھ رکعت کا حکم ہی کیوں دیا خلاف سنت حکم صحابہ کی شان سے بعید ہے۔

جواب حضور ﷺ نے خود تو بیس رکعات تراویح پڑھیں۔ مگر صحابہ کو اس تعداد کا صریحی حکم نہ دیا تھا۔ صرف رمضان کی راتوں میں نماز خصوصی کی رغبت دی تھی بلکہ خود جماعت بھی باقاعدہ ہمیشہ نہ کرائی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تراویح فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لیئے صحابہ کرام پر تراویح کی رکعات کی تعداد ظاہر نہ ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اوّلاً اپنے اجتہاد سے آٹھ پھر بارہ مقرر فرمائیں۔ بیس کی سند مل جانے پر بیس ہی کا دائمی حکم دے دیا۔ اس زمانہ میں آج کی طرح حدیث کتابوں میں جمع نہ تھی ایک ایک حدیث بہت کوشش و محنت سے حاصل کی جاتی تھی۔

اعتراض نمبر ۳ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوسلمہ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی ﷺ رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو ام المؤمنین نے ارشاد فرمایا۔

مَاکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یَزِیْدُ فِی رَمَضَانَ وَلاَ فِیْ غَیْرِہٖ عَلیٰ اِحْدٰی عَشَرَ رَکْعَاتٍ

”حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے اگر بیس پڑھتے تو کل رکعات ۲۳ ہوتیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے اس لیئے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئیں۔ تب ہی تو کل رکعت گیارہ ہوئیں بتاؤ تم وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو جواب دو کیا بعض حدیث پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المومنین یہاں نماز تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اس ہی لیئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرأت نہ کرتے اس ہی لیئے ترمذی شریف نے اس حدیث کو باب صلوٰۃ الیل یعنی تہجد کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اس ہی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ وتر سے پہلی کیوں سے جاتے ہیں تو فرمایا کہ اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز سرکار صلی اللہ علیہ وسلم آخر رات میں سو کر اُٹھ کر ادا فرماتے تھے تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتیں تہجد پڑھی جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس نماز سے مراد تراویح ہے اور آٹھ تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ نے یہ حکم کیوں قبول کیا اور خواہ ام المؤمنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ اعلان فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ تم بیس رکعت پڑھتے ہو۔ یہ خلاف سنت اور بدعت سیۂ ہے آپ کیوں خاموش رہیں ذرا ہوش کر و حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو۔

وہابیوں سے سوالات

تمام دنیا کے وہابیوں سے حسب ذیل سوالات ہیں سارے مل کر ان کے جوابات دیں

بتاؤ ۱ـ کہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت کا حکم کیوں دیا کیا اس سنت کی اُنہیں خبر نہ تھی، آج قریبا چودہ سو برس بعد تم کو پتہ لگا۔

۲ـ اگر نعوذ باللہ خلفاء راشدین نے بدعت سیۂ کا حکم دے دیا تھا تو تمام صحابہ نے بے چون و چرا قبول کیوں کر لیا گیا اُن میں کوئی بھی حق گو اور متبع سنت نہ تھا آج اتنے عرصے کے بعد تم حق گو بھی پیدا ہوئے اور متبع سنت بھی۔

۳ـ اگر تمام صحابہ بھی خاموش رہے تو امیر المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک سنت رسول ﷺ کے خلاف بدعت سیۂ کا رواج دیکھا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی یا نہیں جیسے آج تم آٹھ رکعت تراویح کے لیئے ایڑی چوٹی کا زبانی و قلبی بدنی و مالی زور لگا رہے ہو

انہوں نے یہ کیوں نہ کیا پھر توام المومنین سے تم افضل ہوئے۔

۴ وہ تمام خلفاء راشدین اور سارے صحابہ بلکہ خود حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم بیس رکعت تروایح پڑھ کر پڑھوا کر یا جاری ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر تھے یا نعوذ باللہ گمراہ۔ اگر آج حنفی بیس رکعت تراویح پڑھنے کی بناء پر گمارہ اور بدعتی ہیں تو ان حضرات پر تمہارا کیا فتویٰ ہے۔ جواب دو، جواب دو، جواب دو۔

۵ اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیۂ ہے اور آٹھ رکعت تراویح سنت اور تم بہادروں نے چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی تو بتاؤ حرمین طیبین کے تمام مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں یا نہیں اگر نہیں تو کیوں اور اگر ہیں تو تم آج نجدی وہابیوں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے تمہارے فتوے صرف ہندو پاکستان میں فساد پھیلانے ہی کے لیئے ہیں۔

۶ حضرت آئمہ مجتہدین اور اُن کے سارے متبعین جن میں لاکھوں اولیاء علماء محدث فقہاء مفسرین داخل ہیں جو سب بیس تراویح پڑھتے تھے وہ سب بدعتی اور گمراہ تھے یا نہیں۔

۷ اگر سارے یہ حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تمہاری مٹھی بھر جماعت ہے تو اُن گمراہوں کی کتابوں سے حدیث لینا حدیث پڑھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت حدیث صحیح ہے یا نہیں جب بدعمل کی روایت صحیح نہیں تو بدعقیدہ کی روایت صحیح کیوں ہو سکتی ہے۔

۸ تمام دنیا کے مسلمان جو بیس تروایح پڑھتے ہیں تمہارے نزدیک گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں اگر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

اِتَّبِعُوْ ا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ ”مسلمانوں کے بڑے گروہ کی اتباع کرو۔“

اور قرآن کریم نے عامۃ المسلمین کو خیر امت اور شہداء علی الناس کیوں فرمایا۔

امید ہے کہ حضرات وہابیہ نجد تک کے علماء سے مل کر ان سوالات کے جواب دیں ہم منتظر ہیں۔

ہمارا مطالبہ ہم ساری دنیا کے وہابیوں نجدیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحیح مرفوع حدیث مسلم بخاری یا کم از کم صحاح ستہ کی ایسی پیش کریں۔ جس میں صراحۃً مذکور ہو کر حضور ﷺ آٹھ رکعت تروایح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تراویح کا لفظ ہو یا صحابہ کرام نے آٹھ تراویح دائمی طور پر قائم فرمائیں۔

اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دکھا سکو گے صرف ضد پر ہو رب تعالیٰ توفیق بخشے آمین۔ بیس رکعت تراویح کا ثبوت الحمد للہ حضور ﷺ کے فعل شریف صحابہ کرام کے فرمان و عمل عامۃ المسلمین کے طریقہ شرعی اور عقل سے ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین

لطیفہ غیر مقلد وہابی جب کبھی حنفیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تراویح بیس رکعت پڑھ لیتے ہیں جس کا بار ہا مشاہدہ ہوا اور ہو رہا ہے معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی اپنے مذہب پر اعتماد نہیں۔

گیارہواں باب

ختم قرآن پر روشنی کرنا

عامتہ المسلمین کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لئے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان شریف یا شب قدر اور ختم قرآن کے دن خصوصیت سے مسجدوں میں چراغاں یعنی دھوم دھام سے روشنی کرتے ہیں۔ مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں وہابیوں کی مسجدیں بے رونق بے نور رہتی ہیں انہیں مسجدوں میں چراغان کرنے وہاں زینت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہابی مسلمانوں کے اس کارثواب کو بدعت حرام بلکہ شرک تک کہتے ہیں اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں ان مسائل کا ثبوت دوسری فصل میں ان مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ ناظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول ہے۔

پہلی فصل

روشنی کا ثبوت

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا۔ خصوصاً ماہ رمضان خصوصاً شب بقدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چراغاں کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس کا بہت ثواب ہے دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱) اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

”اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔“

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعاتِ نماز قائم کرنا، وہاں صفائی رکھنا، عمدہ چٹائیاں، فرش وغیرہ بچھانا وہاں روشنی چراغان کرنا وغیرہ سب مسجد کی آبادی میں داخل ہیں۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کبریت احمر کی روشنی فرماتے تھے جس کی روشنی میں میلوں تک عورتیں چرغہ کات لیتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں رونق و چراغاں کرنا ایمان کی علامت ہے تو ظاہر ہے کہ مسجدوں کو بے نور بے آباد رکھنا کفار کی نشانی۔

۲) ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اَوَّلُ مَنْ اَسْرَجَ فِی الْمَسَاجِدِ تَمِیْمُ الدَّارِیُ

”وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلے مسجدوں میں چراغ جلائے وہ تمیم داری صحابی ہیں۔ (رضی اللہ عنہ)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں روشنی کرنا سنّت صحابی ہے خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چراغ کا عام رواج نہ تھا بوقت جماعت کھجور کی لکڑیاں جلا کر روشنی کرلی جاتی تھی حضرت تمیم داری نے وہاں چراغاں کیا۔

۳) ابوداؤد شریف نے حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اَفْتِنَا فِیْ بَیْتِ الْمُقَدَّسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِیْتُوْہُ فَصَلُّوْفِیْہِ وَکَانَتِ الْبَلَادُ فِیْ ذٰلِکَ جَرْبًا فَاِنْ لَمْ تَاتُوْہُ وَفَصَلُّوْ فِیْہِ فَابْعَثُوْا بِزَیْتٍ یُسْرَجُ فِیْ قَنَادِیْلِہٖ

”انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہمیں مسجد بیت المقدس شریف کے متعلق حکم دیں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں جاؤ اور وہاں نماز پڑھو اس زمانہ میں شہروں میں جنگ تھی تو فرمایا کہ اگر تم وہاں نہ پہنچ سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو وہاں تیل بھیجو کہ وہاں کی قندیلوں میں جلایا جاوے۔“

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کرکے جانا سنّت ہے، ہمارے حضور ﷺ نے معراج میں تمام نبیوں کو نماز پڑھائی۔ خود حضور انور ﷺ اور سارے پیغمبر سفر کرکے وہاں نماز پڑھنے پہنچے، دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قندیلیں روشن جاتی تھیں۔ جیسا قنادیل جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرے یہ کہ مسجد روشنی کرنے کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے یعنی اعلیٰ درجہ کی عبادت اور باعث ثواب ہے چوتھے یہ کہ مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے دور سے تیل بھیجنا سنت صحابہ ہے۔

۴) حدیث امام رافعی محدث نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ مَنْ بَنیٰ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰهُ لَه' بَيْتًا فِی الْجَنَّةِ وَمَنْ عَلَقَ فِيْهِ قِنْدِيْلاً صَلَّی عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلفَ مَلَکٍ حَتّیٰ يَنْطَفِیَ ذَالِکَ الْقَنْدِيْلُ

”کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لیئے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا اور جو مسجد میں قندیل جلائے گا اس پر ستر ہزار فرشتے دعاءِ رحمت کریں گے جب تک کہ یہ چراغ بجھ نہ جائے۔“

معلوم ہوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا لینے کا ذریعہ ہے۔

۵) حدیث ابن بخاری نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ مَنْ عَلَقَ فِی مَسْجِدٍ قِنْدِيْلاً صَلَّی عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلفَ مَلَکٍ حَتّیٰ يَنْطَفِیَ ذَالِکَ الْقَنْدِيْلُ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو مسجد میں کوئی قندیل لٹکائے تو اس پر ستر ہزار فرشتے دعاءِ رحمت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ قندیل گل ہو۔“

معلوم ہو کہ جیسے مسجد میں چراغ جلانا ثواب ہے ایسے ہی مسجد میں چراغ یا تیل یا بتی دینا بھی ثواب ہے خواہ ایک چراغ ہو یا بہت۔

۶) حدیث ابن شاہین محدث نے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فِیْ اَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَالْقَنَادِيْلُ تَزْهَرُوْ كِتَابُ اللّٰهِ تُتْلیٰ فَقَالَ نَوَّرَ اللّٰهُ لَکَ يَا اِبْنَ الْخَطَّابِ فِیْ قَبْرِکَ كَمَا نَوَّرْتَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ تَعَالیٰ بِالْقُرْآنِ

”فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے مسجد نبوی میں قندیلیں جگمگا رہی تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا اے عمر ابن خطاب اللہ تعالیٰ تمہاری قبر روشنی کرے جیسے تم نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن کے وقت روشن کر دیا۔“

۷) حدیث صحیح البہاری شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ اُنہیں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی۔

اَنَّه' قَالَ نُوِّرَ لِلّٰهُ قَبْرَ عُمَرَ كَمَا نَوَّرَ عَلَيْنَا مَسَاجِدَنَا

”آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر روشن کرے جیسے اُنہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔“

ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغاں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مروج ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے اس پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں دعائیں دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے ان شاء اللہ قبر منور ہوگی، لہٰذا اب جو اس روشنی مسجد کو روکتا ہے وہ در پردہ سنت صحابہ پر اعتراض کرتا ہے اس چراغاں کے روکنے والے اپنی قبریں تاریک کر رہے ہیں۔

۸) قرآن میں رب تعالیٰ ان بند کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُه' وَسَعیٰ فِی خَرَابِهَا

”اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بے آبادی میں کوشش کرے۔“

اس آیت میں ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں نماز، ذکر الٰہی، تلاوت قران، نعت خوانی سے منع کریں اور ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں چٹائیاں ڈالنے فرش بچھانے روشنی کرنے چراغان وغیرہ
سے روکیں کہ آبادی میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔“

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسجدوں کو آراستہ کرنا وہاں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقعہ پر چراغاں کرنا اچھا ہے کیونکہ آج ہم اپنے مکانوں میں زیب و زینت کرتے ہیں بیاہ شادی وغیرہ پر خوب دل کھول کر روشنی و چراغاں کرتے ہیں، عمارتیں سجاتے ہیں جب ہمارے گھر آراستگی روشنی چراغاں کے مستحق ہیں تو اللہ کا گھر جو تما گھروں سے افضل ہے اسے عام گھروں سے زیادہ آراستہ کیا جاوے تاکہ مسجدون کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو، یہ کام احترام مسجد اور تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلدو ہابیوں کے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں وہ نہایت دیانتداری سے مع جوابات عرض کرتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی واسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں منع فرمایا گیا، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

”کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔“

جواب مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے، فضول خرچی اس خرچ کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو مسجد کے چراغاں میں مسجد کی زینت ہے جو عبادت اور باعث ثواب ہے۔

اعتراض نمبر ۲ جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہوسکتی ہے تو باقی چراغان بے کار ہیں اور بے کار خرچ فضول خرچی میں داخل ہے۔

جواب جب ایک قمیص و پائجامہ سے ستر حاصل ہو جاتا ہے تو چاہیئے کہ اچکن واسکٹ پہننا فضول خرچی اور حرام ہے۔ جب چھ آنہ گز کے گاڑھے سے ستر چھپ جاتا ہے تو چاہیئے کہ دو روپے گز کی ململ۔ لٹھا۔ چکن۔ وائل پہننا حرام ہو۔ جب گھر میں دو آنہ کے چراغ سے روشنی حاصل ہوسکتی ہے تو وہاں صدہا روپیہ خرچ کرکے بجلی فٹنگ کرانا اور گیس کی روشنی کرنا اسراف وحرام ہونا چاہیئے جب تھرڈ کلاس سے بھی راستہ طے ہو جاتا ہے تو انٹر بلکہ سیکنڈ۔ فسٹ میں روپیہ خرچ کرنا حرام ہونا چاہیے۔ جناب ایک دیئے سے تو روشنی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی زینت ورونق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی زینت بھی عبادت۔

اعتراض نمبر ۳ اگر مسجد میں چراغاں کرنا اچھی چیز ہے تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں چراغان کیوں نہ کیا، کیا تم حضور ﷺ سے افضل ہو یا دین کے زیادہ ہمدرد جو کام حضور نہ کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جواب اگر واسکٹ۔ اچکن اعلےٰ درجہ کی ململیں پہننا اچھا کام ہے تو حضور انور ﷺ نے کیوں نہ استعمال فرمائیں جو کام حضور ﷺ نے نہ کیا وہ اے وہابیو تم کیوں کرتے ہو تم اپنے گھروں میں بجلی کی فٹنگ کیوں کرتے ہو تم اپنے گھر میں بجلی گیس کیوں جلاتے ہو جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں لوگوں کے گھر بھی سارے معمولی تھے۔ جہادوں کا زمانہ تھا اس طرف توجہ فرمانے کا موقعہ ہی نہ تھا جب صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے گھر اچھے بنائے، تو فقہاء صحابہ نے سوچا کہ دین تو دنیا سے اعلےٰ ہے اور اللہ کا گھر یعنی مسجد نبوی شریف ہمارے گھروں سے افضل ہے جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہئے یہ سوچ کر حضرت عثمان نے مسجد نبوی شریف بہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب و زینت کی، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ ”تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت مضبوطی سے پکڑو۔“

جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے ایسے ہی حضور ﷺ کے صحابہ کرام کی سنت لائق عمل حضور کے صحابہ نے مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا بلکہ خود حضور انور ﷺ نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کرنے کے لیئے تیل بھیجنے کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ٤ ابوداؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِ فُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارىٰ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ مجھے مسجدیں سجانے کا حکم نہیں دیا گیا، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح آراستہ کروگے۔“

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدیں سجانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے سجانا یہود و نصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلمانوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی سجاوٹ ہی ہے لہٰذا یہ بھی منع ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی زینت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے تو انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو مسجدوں کی زینت دیتے وہاں چراغاں کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود ہی اپنی روایت کی مخالفت کی نیز کیا تمام صحابہ کرام اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھے نیز اس صورت میں یہ حدیث قرآن کے مخالف ہوگی کہ رب تعالیٰ نے مسجد کی زینت و

آبادی کو ایمان کی علامت قرار دیا کہ فرمایا۔ إِنَّمَا يعمرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ الخ پتہ لگا کہ تم نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔

دوسرے یہ کہ جہاں ہر زینت کی ممانعت نہیں بلکہ ناجائز ٹیپ ٹاپ پر عتاب ہے جیسے فوٹو تصویروں سے سجانا اس ہی لیئے یہود نصاریٰ سے تشبیہ دی گئی، ان کے عبادت خانے تصاویر و فوٹو سے سجائے جاتے ہیں یا وہ زینت مراد ہے جو اللہ کے لیئے نہ ہو دکھلاوے اور نام و نمود ریاکاری کے لیئے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے مگر جو زینت و چراغاں صرف مسجد کے احترام اور رب تعالیٰ کی رضا کے لیئے وہ بہتر ہے رب تعالیٰ اپنے اور اپنے محبوب کے کلام کی صحیح فہم نصیب فرمائے۔

اعتراض نمبر ۵ ابوداؤد۔ نسائی۔ دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَتَبَا هَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ

''وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہا یقیناً علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں فخر کریں گے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے۔ اس سے اللہ بچائے۔

جواب اس حدیث کے وہ ہی معنی ہیں۔ جو ہم اعتراض نمبر ۴ کے جواب میں عرض کر چکے یعنی فخریہ مسجدیں بنانا اور شیخی کے طور پر مسجدیں سجانا علامت قیامت ہے کہ ایک محلے والے دوسرے محلّہ والوں کے مقابلہ میں مسجد کو زینت دے کر انہیں طعنہ دیں کہ ہماری مسجد تمہاری مسجد سے زیادہ آراستہ ہے جناب فخر و ریا کے لیئے پڑھنا ممنوع ہے تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ اخلاص کی نماز بھی منع ہو جاوے۔

یا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قریب قیامت لوگ مسجدوں میں جا کر بجائے ذکر اللہ کرنے کے دنیاوی باتیں ایک دوسرے کے مقابل شیخی مارا کریں گے، یہ سخت گناہ ہے اور اگر حدیث کے وہ ہی معنے ہوں جو تم سمجھے یعنی مسجدوں کی زینت علامات قیامت ہے تو بھی اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی قیامت کی ہر علامت بُری نہیں۔ جیسے علیہ السلام کا نزول، امام مہدی کا ظہور بھی علامت قیامت ہے، مگر بُرا نہیں بلکہ بہت بابرکت ہے۔

اعتراض نمبر ٦ مسجدوں میں چراغاں کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

جواب یہ غلط ہے یہ تو سنت صحابہ ہے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور اگر یہ بدعت بھی تو تو ہر بدعت نہ حرام ہے نہ گمراہی۔ بخاری شریف چھاپنا بدعت ہے مگر حرام نہیں بلکہ ثواب ہے حدیث کا فن اسکی قسمیں بدعت ہیں مگر حرام نہیں بدعت کی نفیس تحقیقی اسی جاء الحق کے پہلے حصے میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ آج کلمہ و نماز بلکہ ساری عبادتوں میں بہت بدعتیں شامل ہیں ان بدعتوں پر ثواب ہے۔

بارھواں باب

شبینہ پڑھنا ثواب ہے

ہمیشہ سے صالح مسلمانوں کا دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں شبینہ کرتے ہیں کبھی ایک رات میں، کبھی دو میں، کبھی تین راتوں میں پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرتے ہیں، بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ ماہ رمضان کے علاوہ بھی روزانہ ایک قرآن شریف پڑھ لیتے تھے یہ سب کچھ جائز اور ثواب ہے۔ بشرطیکہ اتنی جلدی نہ پڑھے کہ حروف قرآن درست ادا نہ ہوں، نہ سستی اور کسل سے پڑھے مگر غیر مقلد وہابی اسے بھی حرام کہتے ہیں رات بھی سینما دیکھنے والوں کو بُرا نہیں کہتے مگر تمام رات قرآن پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں اُن پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں شبینہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

شبینہ کا ثبوت

ایک شب میں قرآن ختم کرنا باعث ثواب ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث عقل بلکہ خود وہابیوں کی کتابوں سے ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱) قرآن کریم اپنے محبوب ﷺ سے فرماتا ہے۔

يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً نِصْفَه' اَوِانْقُصْ مِنْهُ اَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً

”اے چادر اوڑھنے والے محبوب رات بھر قیام فرماؤ سوا کچھ رات کے آدھی رات یا اُس سے کچھ کم کرو یا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔“

اس آیت کریمہ میں حضور ﷺ کو قریباً تمام رات نماز پڑھنے کا حکم دیا اور شروع اسلام میں رات بھر عبادت کرنا فرض تھا کچھ تھوڑا حصہ آرام کے لئے رکھا گیا تھا، پھر ایک سال کے بعد یہ فرضیت منسوخ ہوگئی مگر استحباب اب بھی باقی ہے اب جو شخص شبینہ میں تمام رات جاگے بہت کم سوئے وہ اس آیت پر عامل ہے مگر چاہئے یہ کہ شبینہ وہ پڑھے جو قرآن صحیح پڑھ سکے، جیسا کہ ترتیل کے حکم سے معلوم ہو رہا ہے۔

۲) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایۃ کی جس میں نماز خسوف کا ذکر ہے۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلاً نَحْوًا مِنْ قِرْءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ

”حضور ﷺ نے گرہن کی نماز میں بہت دراز قیام فرمایا قریباً سورہ بقرہ کی بقدر۔“

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے گرہن کی نماز میں سورۃ بقر یعنی ڈھائی پارہ کی برابر قرأت کی شیبہ میں فی رکعۃ ڈیڑھ پارہ آتا ہے جب ایک رکعۃ میں ڈھائی پارہ پڑھنا ثابت ہے تو ڈیڑھ پارہ پڑھنا بدرجہ اولےٰ جائز ہے۔

۳) حدیث ابوداؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی نماز تہجد کے متعلق ایک بہت دراز حدیث نقل فرمائی، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ قَرَاءَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ وَالْاَنْعَامَ

”حضور ﷺ نے نماز تہجد میں چار رکعت پڑھیں، جن میں سورۃ بقرہ اور آل عمران اور سورہ نسا اور مائدہ و سورہ انعام پڑھیں۔“

دیکھو نبی ﷺ نے تہجد کی چار رکعتوں میں قریباً آٹھ چارے پڑھے یعنی فی رکعت قریباً دو پارے شبینہ میں ہر رکعت میں اتنی قرأۃ نہیں ہوتی، ڈیڑھ پارہ فی رکعت ہوتا ہے تو یہ کیوں حرام ہوگا۔

۴) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَه' لِمَا تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَلَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا

”حضور ﷺ نے نماز شب میں اتنا قیام فرمایا کہ قدم مبارک پر ورم آگیا تو عرض کیا گیا کہ آپ ایسی مشقت کیوں کرتے ہیں آپ کی بدولت آپ کی اُمت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے تو فرمایا کہ کیا میں بندہ شکر گزار نہ ہوں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت میں مشقت اٹھانا سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اگر کسی شبینہ میں کسی مؤمن کے پاؤں پر ورم آجاوے تو اس خوش نصیب کو یہ سنت نصیب ہوگئی، وہابیوں کو خود تو عبادت کی توفیق نہیں ملتی دوسروں کو بھی عبادت سے روکتے ہیں۔

۵) حدیث طحاوی شریف نے حضرت ابن سیرین سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ تَمِیْمُ الدَّارِیَ یُحیِیْ الَّیلَ کُلَّہٗ بِالْقُرْآنِ کُلِّہٖ فِیْ رَکْعَۃِ

”فرماتے ہیں کہ حضرت تمیم داری تمام رات جاگتے تھے اور ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھتے تھے۔“

شبینہ میں تو بیش رکعت تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ حضرت تمیم داری صحابی رسول تو ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

۶) حدیث طحاوی شریف نے حضرت اسحاق ابن سعید سے روایت کی۔

عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنِ الزُّبَیْرِ اَنَّہٗ قَرَءَ الْقُرْآنَ فِیْ رَکْعَۃِ

”وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے ءایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔“

۷) حدیث ابونعیم نے حلیہ میں حضرت عثمان ابن عبدالرحمٰن تیمی سے روایت کی۔

قَالَ لِیْ اَبِیْ اَغْلَبَنَّ الَّیْلَۃَ عَلَی الْمَقَامِ فَلَمَّا صَلَّیْتُ الْعَتَمَۃَ تَخَلَّصْتُ اِلَی الْمَقَامِ حَتّٰی قُمْتُ فِیْہِ فَبَیْنَا اَنَا قَائِم“ اِذَا رَجُل“ وَضَعَ یَدَہٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَاِذَا ھُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ فَبَدَأَ بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَقَرَاءَ حَتّٰی خَتَمَ الْقُرْآنَ فَرَکَعَ وَ سَجَدَ ثُمَّ اَخَذَ نَعْلَیْہِ فَلَا اَدْرِیْ اَصَلّٰی قَبْلَ ذَالِکَ شَیْئًا اَمْ لَا

”مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ آج تمام رات مقام ابراہیم پر جاگوں گا جب میں نماز عشاء پڑھ چکا تو مقام ابراہیم پر پہنچا میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ اچانک ایک صاحب نے میری پشت پر ہاتھ رکھا۔ وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ تھے آپ نے سورۂ فاتحہ سے قرآن شروع کیا باس پڑھتے رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کر لیا پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا پھر اپنے نعلین شریف اٹھائے یہ مجھے خبر نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھی یا نہیں۔“

۸) حدیث ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

کَانَ اَسْوَدُ یَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِیْ رَمَضَانَ فِیْ کُلِّ لَیْلَتَیْنِ وَکَانَ یَنَامُ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ

”کہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں ہر دو رات میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور مغرب وعشاء کے درمیان سوتے تھے۔“

۹) حدیث طحاوی شریف نے حضرت حماد سے روایت کی۔

عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ جُبَیْرٍ اَنَّہٗ قَرَاءَ الْقُرْاٰنَ فِیْ رَکْعَۃِ فِیق الْبَیْتِ

”حضرت سعید ابن جبیر صحابی نے بیت اللہ شریف میں ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔“

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اکثر رات جاگنا نماز پڑھنا، روزانہ قیام فرمانا حتیٰ کہ پاؤں پر ورم آجاوے، ایک رکعت میں ڈھائی پارے پڑھنا سنت رسول ﷺ ہے اور ایک رات دو رات بلکہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھنا سنت صحابہ ہے، جو شبینہ کو حرام یا شرک یا فسق کہے وہ نرا جاہل ہے۔

۱۰) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب تلاوت القرآن میں صفحہ ۶۱۵ پر صحابہ کرام کا دستور اس طرح بیان فرمایا۔

فَخَتَمَہٗ جَمَاعَۃ“ فِیْ یَوْمٍ وَّ لَیْلَۃٍ مَرَّۃً وَآخِرُوْنَ مَرَّتَیْنِ وَاٰخِرُوْنَ ثَلٰث مَرَّاتٍ وَخَتَمَہٗ فِیْ رَکْعَۃٍ مَنْ لَّا یُحْصُوْنَ کَثْرَۃً

”ایک جماعت نے دن رات میں ایک ختم کیا ایک نے دو بار بعضوں نے تین بار اور ایک رکعت میں قرآن پڑھنے والے تو بے شمار ہیں۔“

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ شبینہ عبادت ہے نہ کہ حرام کیونکہ عبادت کا ثواب بقدر مشقت ملتا ہے گرمیوں کے روزے، تلوار کا جہاد، مشقت کے حج پر ثواب ملے گا، عذاب نہ ہوگا، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان رب کی رضا کے لیئے تمام رات نماز بھی پڑھے۔ قرآن شریف کی تلاوت بھی کرے اور بجائے ثواب کے عذاب پائے، قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ہیں تو تعجب ہے کہ سارے قرآن پڑھنے پر بجائے نیکیوں کے اُلٹا عذاب ہو حضرت داؤد علیہ السلام بطور معجزہ تھوڑی دیر میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک سب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہوتو پھر نعوذ باللہ ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک سب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہوتو پھر نعذ باللہ حضرت داؤد علیہ السلام بقول وہابیہ پوری زبور پڑھنا پر گنہگار ہوتے ہوں گے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

لطیفہ وہابیوں نے اپنی کتاب ارواح ثلثہ میں اپنے بانی مذہب مولوی اسمٰعیل صاحب کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے لوگوں نے خود اُن سے اتنی دیر میں سارا قرآن سنا۔ اب میں وہابیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم مارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس لیئے لعن طعن کرتے اور اُن کی جناب میں گالیاں بکتے ہو کہ وہ جناب ماہ رمضان میں روزانہ دن کو ایک قرآن شریف اور شب کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ بولو تمہارے اسمٰعیل تو عصر سے مغرب تک ایک قرآن ختم کر لیتے تھے وہ بھی اسی لعن طعن کے مستحق ہیں یا نہیں، وہ بھی فاسق وفاجر ہوئے یا نہیں یا تمہارا امام جو کرے وہ مباح ہے، جواب دو۔

دوسری فصل

شبینہ پر اعتراضات وجوابات

شبینہ کے متعلق ہم وہ اعتراضات بھی نقل کرتے ہیں جو غیر مقلد وہابی کرتے ہیں، اور وہ اعتراضات بھی بیان کرتے ہیں جو آج تک ان کو سُوجھے نہیں، ہم ان کی وکالت میں عرض کرتے ہیں مع جوابات کے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ”قرآن شریف کی تلاوت ٹھیر ٹھیر کر کرو۔“

اور ظاہر ہے کہ جب ہر رکعت میں ڈیڑھ پارہ پڑھ کر سارا قرآن ایک رات میں ختم کیا جاوے گا تو حافظ کو بہت تیز پڑھنا پڑے گا۔ جس سے سواء یعلمون، تعلمون سمجھ میں نہ آوے گا، لہٰذا شبینہ پڑھنا حکم قرآن کے خلاف ہے۔

جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ تمہارے بانی مذہب مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک پورا قرآن پڑھ لیتے تھے، بتاؤ وہ ٹھیر ٹھیر کر پڑھتے تھے یا یعلمون تعملون وہ حرام کے مرتکب تھے یا نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام بہت جلد ساری زبور پڑھ لیتے تھے، حضرت عثمان غنی، تمیم داری، عبداللہ ابن زبیر وغیرہم اکابر صحابہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا ہے۔ خود حضور ﷺ تہجد کی ایک رکعت میں دو پارے اور نماز خوف میں ایک رکعت میں ڈھائی پارے تلاوت فرماتے تھے جن کے حوالے پہلی فصل میں گزر گئے کیا آپ کا یہ اعتراض ان ہستیوں پر بھی جاری ہوگا۔ اگر نہیں تو کیوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض کو قوت لسانی ایسی بخشی ہے کہ وہ بہت تیز پڑھ کر بھی صاف اور واضح پڑھ سکتے ہیں، بعض میں یہ قوت نہیں، وہ اگر تیز پڑھیں تو صرف یعلمون تعملون ہی سمجھ میں آوے گا، شبینہ صرف پہلی قسم کے حفاظ پڑھیں دوسری قسم کے حفاظ ہرگز نہ پڑھیں اس آیت کریمہ کا یہ ہی منشا ہے آیت کریمہ اپنی جگہ حق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان بزرک صحابہ کرام کا عمل شریف جنہوں نے ایک رکعت میں بہت دراز تلاوت کی اپنی جگہ حق ہے۔

اعتراض نمبر ۲ حدیث ترمذی، ابوداؤد، وارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی۔ (مشکوٰۃ باب تلاوۃ القرآن)

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَالَ لَمْ یَفْقَہْ مَنْ قَرَاءَ الْقُرْاٰنَ فِیْ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثٍ

”بیشک فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو تین دن سے کم میں قرآن پڑھے، وہ قرآن نہ سمجھے گا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ہرگز نہ پڑھنا چاہیئے کیونکہ پھر قرآن سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہٰذا شبینہ بالکل منع ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تم تو تین شب کا شبینہ بھی حرام کہتے ہو اور اس حدیث میں اس کی اجازت آگئی، دوسرے یہ کہ تمہارے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے، وہ بھی اس زد میں آجاتے ہیں ان کی صفائی پیش کرو جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا۔

تیسرے یہ کہ سرکار عالم ﷺ نے اس حدیث میں عام لوگوں کی بیان فرمائی کہ علے العموم حفاظ اگر ایک یا دو دن میں ختم قرآن کریں، تو سمجھ نہ سکیں گے بعض بندے جو اس پر قادر ہیں وہ اس حکم سے علیحدہ رہیں، جیسے حضرت عثمان وغیرہ ہم صحابہ کرام ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے اس ہی لیئے اس حدیث کی شرح میں مرقات ولمعات شریف میں ہے کہ بعض بزرگ ایک دن ورات میں تین ختم کرتے تھے، بعض حضرات آٹھ ختم فرما لیتے تھے اور شیخ ابو مدین مغربی ایک دن ورات میں ستر ہزار قرآن پڑھ لیتے تھے انہوں نے ایک دفعہ حجر اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر آتے آتے ختم قرآن کر لیا۔ اور لوگوں نے حرف بحرف سُنا (مرقات جلد صفحہ ۲۱۶ باب تلاوت القرآن میں ہے)

وَالْحَقُّ اَنَّ ذَالِکَ تختلف باشخاص ”حق یہ ہے کہ حکم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے۔“

اعتراض نمبر ۳ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَاقْرَأْفِی کُلِّ سَبْعِ لَیَالٍ وَلاَ تَزِدْ (مشکوٰۃ۔ صوم تطوع) ’’ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرو۔ اس پر زیادہ نہ کرو۔‘‘

دیکھو حضرت عبداللہ ابن عمرو نے حضور سے جلد ختم کرنے کی اجازت مانگی حضور ﷺ نے اوّلاً تو حکم دیا کہ ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہیئے لہٰذا شبینہ منع ہے۔

جواب سرکار ﷺ کا یہ جواب عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی حالت کے لحاظ سے ہے، وہ ایک دورات میں ختم کرنے پر صاف نہ پڑھ سکتے ہوں گے یا یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ اگر روزانہ ہر انسان ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کاروبار معطل ہو جاویں گے اگر سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جاوے تو کوئی حرج نہیں جن صحابہ نے ایک ایک رکعت میں ایک ایک قرآن پڑھا ہے اُنہیں یہ حدیث معلوم تھی پھر بھی ایک رکعت میں ختم کرتے تھے۔

اعتراض نمبر ٤ حضور ﷺ نے کبھی ایک دورات میں پورا قرآن نہ پڑھا لہٰذا شبینہ بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہیئے۔

جواب حضور ﷺ کا ایک سب میں پورا قرآن پڑھنا دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ آپ کی اوّل حیات شریف میں پورا قرآن اُترا ہی نہ تھا، وفات سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل ہوئی، لہٰذا وہاں ختم قرآن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی امت پر رحم فرمایا، تا کہ شبینہ پڑھنا ان پر ضروری سنت نہ ہو جائے، پھر صحابہ نے شبینہ پڑھا، جیسے حضور ﷺ نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی، پھر صحابہ نے باقاعدہ جماعت سے پڑھی۔ (شبینہ سنت صحابہ ہے) جس پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ وہ ہی ثواب ملے گا، جو سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے سے ملتا ہے سنت صحابہ کو بدعت کہہ کر منع کرنا وہابیوں کو ہی بجتا ہے ہم اہل سنت یہ نہیں کہہ سکتے۔

اعتراض نمبر ٥ آج کل شبینہ کا یہ حال ہے کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے، مقتدیوں میں کوئی سو رہا ہے، کوئی اونگھ رہا ہے، کوئی سُست بیٹھا ہے، اس میں قرآن کریم کی بے ادبی ہے اس لیئے شبینہ بند ہو جانا چاہیئے۔

جواب: یہ محض جھوٹا الزام ہے، شبینہ میں بعض لوگ باقاعدہ شبینہ سننے آتے ہیں وہ کھڑے ہو کر خوب شوق سے سنتے ہیں، بعض محض شبینہ دیکھنے آتے ہیں وہ لیٹے بیٹھے رہتے ہیں، جس میں کوئی حرج نہیں، قرآن سننا فرض کفایہ ہے، بعض کا سننا کافی ہے اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ سارے مسلمان سُستی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سُستی دور کرو، شبینہ بند نہ کرو، آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کیئے جاتے ہیں، ناچ تماشے، باجے آتشبازی سب ہی کچھ ہوتی ہے، براہ مہربانی نکاح بند نہ کرو، بلکہ ان چیزوں کو روکنے کی کوشش کرو، حضور ﷺ کے زمانہ میں کعبہ شریف میں بت تھے، تو حضور ﷺ نے کعبہ نہ ڈھایا بلکہ جب رب نے قوت دی، تب بتوں کو نکال دیا، اگر مسجد میں کتا گھس جاوے تو مسجد کو نہ گراؤ، کُتّے کو نکالو، اگر چارپائی میں کھٹمل کپڑوں یا سر کے بالوں میں جوئیں ہو جاویں، تو یہ کیڑے مار دو، چارپائی یا کپڑے یا بالوں کو آگ نہ لگا دو، وہابیوں کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے خرابیاں دور کرنے کی بجائے خوب عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے سارے امور خیر کو روکتے ہیں، جیسے میلاد شریف، ختم بزرگاں وغیرہ اگر سنی بھائیوں نے ہمارا یہ جواب یاد رکھا تو ان شاء اللہ وہابیوں کے فتنوں سے بچے رہینگے ہم نے شبینہ کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو اس لیئے کر دی کہ آج کل عام طور سے وہابی اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، جہاں رمضان شریف میں کسی جگہ شبینہ کا اہتمام ہوا جھٹ دیو بندی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرام و شرک کے فتوے جڑے۔

تیرہواں باب

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے، کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہیئے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ لے بشرطیکہ جماعت مل جانیکی قوی اُمید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھ لے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے ہم نہایت دیانتداری سے اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

۱) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

عَنْ اَبِیْہِ حِیْنَ دَعَاھُمْ سَعِیْدُ ابْنُ الْعَاصِ دَعَا اَبَامُوْسیٰ وَحُذَیْفَۃَ وَعَبْدَ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَبْلَ اَنْ یُصَلّی الْغَدَاۃَ ثُمَّ خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِہٖ وَقَدْ اُقِیْمَتِ الصَّلوٰۃُ فَجَلَسَ عَبْدُ اللّٰہِ اِلیٰ اُسْطُوَانَۃٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَصَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِی الصَّلوٰۃِ

''وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں، جب انہیں سعید ابن عاص نے بلایا اس نے حضرت ابوموسیٰ حضرت حذیفہ اور عبداللہ ابن مسعود کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرت سعید ابن عاص کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے، پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔''

دیکھو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے جو فقیہہ صحابی ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں، پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے اور صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے۔

۲) اسی طحاوی نے حضرت ابومجلز سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِی صَلوٰۃِ الْغَدَاۃِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَبْنِ عَبَّاسٍ وَالْاِمَامُ یُصَلِّیْ فَاَمَّا اِبْنُ عُمَرَ فَدَخَلَ فِی الصَّفِّ وَاَمَّا اِبْنُ عَبَّاسٍ فَصَلّیٰ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قَعَدَ اِبْنُ عُمَرَ مَکَانَہٗ حَتّٰی، طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَرَکَعَ رَکْعَتَیْنِ

''وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس کے ساتھ مسجد میں گیا حالانکہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر تو صف میں داخل ہو گئے، لیکن حضرت ابن عباس نے اوّلاً دو سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر وہاں ہی بیٹھے رہے جب سورج نکل آیا تو دو رکعت نفل پڑھیں۔''

حضرت عبداللہ ابن عباس نے جو بڑے فقیہہ صحابی اور حضور ﷺ کے اہل بیت اطہار میں سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

۳) اس طحاوی نے حضرت ابوعثمان انصاری سے روایت کی۔

قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْاِمَامُ فِیْ صَلوٰۃِ الْغَدَاۃِ وَلَمْ یَکُنْ صَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ فَصَلّٰی اِبْنُ عَبَّاسٍ اَلرَّکْعَتَیْنِ خَلْفَ الْاِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَھُمْ

''کہ حضرت عبداللہ ابن عباس مسجد میں اس حال میں آئے، کہ امام نماز فجر میں تھے اور حضرت ابن عباس نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں، تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سے کے ساتھ شامل ہوئے۔''

۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ اِبْنُ عُمَرَ مِنْ بَیْتِهٖ فَاُقِیْمَتْ صَلوٰةُ الصُّبْحِ فَرَکَعَ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ فِی الطَّرِیْقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّی الصُّبْحَ مَعَ النَّاسِ

”فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنے گھر سے نکلے ادھر نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ مسجد میں آنے سے پہلے ہی دوسنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔“

۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبید اللہ سے روایت کی۔

عَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ اَنَّهٗ کَانَ یَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوْف“ فِیْ صَلوٰةِ الْفَجْرِ فَیُصَلِّی الرَّکْعَتَیْنِ فِی ناحِیَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ یَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِی الصَّلوٰةِ

”کہ حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے، حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔“

۶) طحاوی شریف نے حضرت ابوعثمان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ کُنَّا نَاتِیْ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّیَ الرَّکْعَتَیْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ فِی الصَّلوٰةِ فَنُصَلِّی رْکُعَتَیْنِ فِی آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَدْ خُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِی صَلوٰتِ هِمْ

”فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر نماز میں ہوتے تھے تو ہم مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔“

۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ الْحَسَنُ یَقُوْلُ یُصَلِّیْهِمَا فِیْ نَاحِیَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ یَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِیْ صَلوٰتِهِمْ

”کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے۔“

۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

یَقُوْلُ اَیْقَظْتُ اِبْنَ عُمَرَ لِصَلوٰةِ الفَجْرِ وَقَدْ اُقِیْمَتِ الصَّلوٰةُ فَقَامَ فَصَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدا ابن عمر کو نماز فجر کے لیئے بیدار کیا حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔“

۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی سے روایت کی۔

کَانَ مَسْرُوْق“ یَجِیُٔ اِلَی الْقَوْمِ وَهُمْ فِی الصَّلوٰةِ وَلَمْ یَکُنْ رَکَعَ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَیُصَلِّیُ الرَّکْعَتَیْنِ فِیْ الْمَسْجِدِ ثُمَّ یَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِیْ صَلوٰتِهِمْ

”حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں پہلے دوسنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کیساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔“

۱۰) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْاِمَامُ فِی الصَّلوٰةِ فَصَلّٰی رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ

”کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا، آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔“

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں، اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے، پھر جماعت میں شریک ہو، کیونکہ تمام مؤکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے، حتی کہ مسلم بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

۱۱تا۱۵) لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم عَلیٰ شَیْئٍ مِنَ النَّوَافِلَ اَشَدُّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلیٰ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ

”حضور ﷺ جتنی نگہبانی و پابندی سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت کی نہ فرماتے تھے۔“

اور احمد۔ طحاوی، ابوداؤد شریف نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

۱۶تا۱۸) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لَا تَدْعُوْا رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ وَاِنْ طَرَدَتْکُمُ الْخَیْلُ

"فرمایا نبی ﷺ نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو، اگرچہ تمہیں دشمن کا لشکر بھگا رہا ہو۔"

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رہ جائیں فرض پڑھ لیئے جاویں تو ان کی قضا نہیں ہوتی، سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لیئے جاتے ہیں، ادھر جماعت بھی واجب ہے اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے، تو واجب کا تارک ہوا، اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے، تو اتنی اہم سنت مؤکدہ کا تارک ہوا۔ لہٰذا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے، پھر جماعت میں شامل ہو جاوے دو عبادتیں کرنا بہتر ہے، ایک کو چھوڑنا بہت نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو، وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے، لہٰذا ایسی جگہ کھڑا ہو، جہاں جماعت میں شامل نہ معلوم ہو، مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، مگر بعد فرض پڑھی جاسکتی ہیں اور سنت عصر وعشاء مؤکدہ نہیں غیر مؤکدہ ہیں اس لیئے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکتے سنت فجر مؤکدہ بھی ہیں اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں، اس لیئے اگر جماعت مل جانے کی اُمید ہو، تو پڑھ لے لیکن اگر جماعت نہ مل سکے تو پھر سنت فجر چھوڑ دے، کہ جماعت واجب ہے، واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اب تک اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کیئے دیتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاءاللہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کردیں گے۔

اعتراض نمبر ۱ طحاوی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ

"آپ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں۔"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے، کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہیئے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اگر گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے، اگر وہ وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرأت کی آواز جاری ہو، اور جماعت وہاں سے نظر آرہی ہو تو جو تم جواب دے گے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہٰذا یہ حدیث گویا مجمل ہے، جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے لہٰذا ان کا عمل وقول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتی نماز فرض ہے اگر اس کی عشاء قضاء ہوگئی ہو اور جماعت فجر قائم ہو جاوے تو وہ اوّلاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو، تب اس کے معنے یہ ہی ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے، بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیٰحدہ پڑھے، تاکہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں، حنفی یہ ہے کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ بیہقی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ اِلَّا رَکْعَتِی الْفَجْرِ

"جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں، بجز سنت فجر کے۔"

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا۔ بیہقی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی، عمل صحابہ پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفل پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں بلکہ مؤکدہ سنت ہے یہی تاویل اس لیئے ہے تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۲ طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن بحینہ سے روایت کی۔

قَالَ اُقِیْمَتْ صَلٰوۃُ الْفَجْرِ فَاَتٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَجُلٍ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَقَامَ عَلَیْہِ وَلَاثَ بِہِ النَّاسُ فَقَالَ اَتُصَلِّیْھَا اَرْبَعًا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ

"کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور ﷺ ایک شخص پر گزرے جو سنت فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔"

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحۃً ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے۔

جواب یہ صاحب مالک ابن بحینہ کے صاحبزادے عبداللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے جہاں جماعت ہو رہی تھی یعنی صف سے متصل، یہ واقعی مکروہ ہے، اسی پر حضور ﷺ نے عتاب فرمایا، چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اس حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِعَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَالِکِ ابْنِ بُحَیْنَۃَ وَھُوَ مُنْتَصِبٌ" ثَمَّۃَ بَیْنَ یَدَیْ نِدَاءِ الصُّبْحِ فَقَالَ لَا تَجْعَلُوْا ھٰذِہِ الصَّلٰوۃَ کَصَلٰوۃِ اَبَیْنَھُمَا فَصْلًا

"محمد ابن عبدالرحمان سے وایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کو طرح نہ بناؤ، سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔"

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا، کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے، جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے، یہ ہی ہم کہتے ہیں لٰہذا آپ کا اعترض اصل سے ہے غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳ جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی اس لیئے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیئے، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، لٰہذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لیئے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں، کیا قرأۃ خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ کہ قرآن کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں، مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی، ایک شخص کی تلاوت جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو، وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے، آج سائنس کا زور ہے، ریڈیو پر تلاوتِ قرآن ہوتی ہے، جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے اگر سننا خاموش رہنا فرضِ عین ہو تو مصیبت آ جاوے بہرحال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

اعتراض نمبر ٤ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کے مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں، یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بُری چیز ہے۔

جواب یہ مخالفت جب ہوگی جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاویں اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں، بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے، دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے، اور وہ وضو کر کے واپس آئے اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلی اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا، پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا، ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرورتاً جائز ہے سنت فجر بھی ضروری ہیں اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کر لی جاویں تو کوئی حرج نہیں۔

چودھواں باب

نمازیں جمع کرنا منع ہے

ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرے، مقیم ہو یا مسافر، بیمار ہو یا تندرست، مگر غیر مقلد وہابی بحالت سفر ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء جمع کر کے پڑھتے ہیں، یعنی عصر کے وقت میں ظہر و عصر ملا کر اور عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل قرآن شریف کے بھی خلاف ہے، اور احادیث صحیحہ کے بھی مخالف، ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

نمازیں جمع کرنا منع ہے

ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنا فرض ہے اور عمدًا کسی نماز کو اپنے وقت کے بعد پڑھنا بلا عذر سخت گناہ اور منع ہے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱ رب تعالے نماز کے اوقات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْ قُوْتًا ”مسلمانوں پر نماز فرض ہے اپنے وقت میں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی ہر نماز کا اپنے وقت میں پڑھنا بھی فرض ہے، جیسے نماز کا تارک گنہگار ہے، ایسے ہی بلا عذر نماز کو بے وقت پڑھنے والا بھی مجرم ہے، اس آیت میں مقیم و مسافر کا کوئی فرق نہیں، ہر مومن ہو یہ حکم ہے کوئی ہو۔

نمبر ۲ رب تعالے ارشاد فرماتا ہے۔

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلٰوتِھِمْ سَاھُوْنَ ”خراب ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں میں سُستی کرتے ہیں۔“

اس آیت میں نماز سُستی سے پڑھنے والوں پر عتاب ہے، بلا عذر وقت گزار کر نماز پڑھنا بھی سُست میں داخل ہے بلکہ اول درجہ کی سُستی ہے۔

نمبر ۳ رب تعالے ارشاد فرماتا ہے۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰ تُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْ مَعَ الرَّاکِعِیْنَ ”نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

قرآن کریم نے کہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہر جگہ نماز قائم کرنیکا حکم دیا ہے، نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھے، صحیح پڑھے، وقت پر پڑھے، نماز کا وقت گزار کر پڑھنا نماز قائم کرنے کے خلاف ہے۔

نمبر ٤ رب تعالے متقیوں کی تعریف اس طرح فرماتا ہے۔

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْ مِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ

”قرآن ان متقی لوگوں کے لیئے ہادی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ متقی و پرہیزگار وہ مومن ہے، جو نماز قائم کرے، یعنی ہر نماز اسکے وقت پر پڑھے، اور ہمیشہ پڑھے، خواہ مقیم ہو یا مسافر، سفر میں ظہر یا عصر کا وقت نکال کر نماز پڑھنا ان آیات کریمہ کے صریح خلاف ہے۔

نمبر ٥،٦ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ“ قَالَ بِرُّالْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ“ قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بِھِنَّ وَلَوِاسْتَزَدْتُہٗ لَزَادَنِیْ

”فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کونسا عمل سب سے اچھا ہے فرمایا وقت پر نماز پڑھنی میں نے کہا پھر کونسا عمل فرمایا، ماں باپ کی

خدمت میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے یہ باتیں فرمائیں اگر زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے۔

نمبر ۷ تا ۱۰ احمد، ابوداؤد۔ مالک، نسائی نے حضرت عباد۔ ابن صامت سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَھُنَّ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَ ھُنَّ وَصَلَّا ھُنَّ لِوَقْتِھِنَّ وَاَتَمَّ رُکُوْعَ ھُنَّ وَخُشُوْعَھُنَّ کَانَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدٌ'' اَنْ یَغْفِرَلَہٗ الخ

''فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے رب نے پانچ نمازیں فرض کیں جو مسلمان ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ان کے وقت پر ادا کرے اور ان کا رکوع اور حضور قلبی پورا کرے تو اس کے متعلق اللہ کے کرم پر وعدہ ہے کہ اسے بخش دے۔''

نمبر ۱۱ ترمذی شریف نے حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَلِیُّ ثَلٰث'' لَا تُؤَخِّرْھَا اَلصَّلٰوۃُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَت وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَا کُفُوًا

''بیشک نبی ﷺ نے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر مت لگاؤ نماز جب آجاوے اور جنازہ جب موجود ہو، لڑکی جب تم اس کا کفو پاؤ۔

نمبر ۱۲ تا ۱۴ احمد، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ام فروہ سے روایت کی۔

قَالَتْ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَلصَّلٰوۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِھَا

''فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے فرمایا نماز پڑھنا اس کے اول وقت مستحب میں۔''

نمبر ۱۵ مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ یَجْلِسُ وَیَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰی اِذَا اَصْفَرَّتْ وَکَانَتْ بَیْنَ قَرْن۔ یِ الشَّیْطٰنِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا یَذْکُرُ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا

''فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب زرد ہو جائے اور سُورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچ جاوے تو چار چونچ مارے جن میں رب کا ذکر تھوڑا کرے۔''

اس قسم کی احادیث بیشمار ہیں، جن میں نماز کو وقت پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دیر سے یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنے پر سخت عتاب فرمایا، اسے منافقوں کا عمل قرار دیا گیا، یہاں بطور نمونہ چند احدیث پیش کی گئیں، افسوس ہے ان وہابی غیر مقلدوں پر، جو گھر سے دو میل جا کر، سفر کا بہانہ بنا کر، وقت نکال کر نماز پڑھتے ہیں، نہ کوئی مجبوری ہوتی ہے، نہ کوئی عذر، صرف نفس امرہ کا دھوکہ ہے، کھانا وقت پر کھائیں، دنیاوی تمام کام خوب سنبھال کر کریں، مگر نمازیں بگاڑیں، جو اسلام کا پہلا فریضہ اور اعلےٰ رکن ہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہابیوں کی صحبت سے بچیں، اور سفر و حضر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھیں، عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جاوے، ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں نہ پڑھے، کیوں کہ شریعت نے پانچوں نمازیں اور نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت سب کے اوقات علیٰحدہ علیٰحدہ مقرر فرمائے کہ ان میں سے کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا جاتا، مسافر بحالتِ سفر نماز فجر، نماز عصر، نماز عشاء کو اپنے وقت میں ہی پڑھتا ہے، ایسے ہی اگر مسافر نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت، نمز جمعہ پڑھے، تو ان کے مقرر وقتوں ہی میں پڑھے گا، یہ نہیں کر سکتا کہ نماز تہجد سورج نکلنے کے بعد یا نماز جمعہ عصر کے وقت میں یا نماز فجر آفتاب نکلنے یا نماز عشاء صبح صادق ہو جانے پر پڑھے، تو ظہر اور مغرب نے کیا قصور کیا ہے کہ مسافر صاحب ظہر کو عصر کے وقت میں پڑھیں، اور مغرب عشاء کے وقت میں، حالانکہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے وہ ہی وقت ہیں، جو حضر میں ہیں، دوسرے یہ کہ وہابی صاحبان بتائیں کہ جب وہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ ظہر اور مغرب ادا ہوتی ہے، یا قضاء اگر قضاء ہوتی ہے تو دیدہ و دانستہ نماز قضا کرنا سخت گناہ ہے اور اگر ادا ہوتی ہے تو کیوں حضرت جبریل امین نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نمازوں کے اوقات عرض کیئے تو یہ نہ فرمایا کہ مسافر کے لیئے ظہر کا وقت آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت صبح صادق تک ہوگا۔ بلکہ ہر مسلمان کے لیئے وقت ظہر عصر سے پہلے ختم ہونے اور وقتِ مغرب عشاء سے پہلے ختم ہونے کا حکم دیا تھا، پھر تم نے مسافر کے لیئے ان دو نمازوں میں یہ وقت کی گنجائش کہاں سے نکالی، اور مسلمانوں کی نمازیں کیوں خراب کیں، بہرحال پانچوں نمازوں کے اوقات مسافر و مقیم ہر ایک کے لیئے یکسان ہیں، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ہر حال میں نماز اس کے وقت میں پڑھے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلدوہابی اب تک اس مسئلے کے متعلق جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم وہ تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں، آئندہ اگر کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْمَعُ بَیْنَ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ وَ الْعَصْرِ اِذَا کَانَ عَلٰی ظَھْرِ سَیْرٍ وَّ یَجْمَعُ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعَشَآءِ

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر میں ہوتے تو نماز ظہر وعصر جمع فرمالیتے تھے اور مغرب وعشاء بھی جمع فرماتے تھے۔“

یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف وغیرہ بہت محدثین نے مختلف روایوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہے۔ یہ ہی حدیث وہابیوں کی انتہائی دلیل ہے۔ جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، بغور ملاحظہ فرماؤ۔

ایک یہ کہ ابوداؤد شریف اور طحاوی شریف وغیرہ ہم نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کی کہ حضور ﷺ بغیر سفر بغیر خوف کے مدینہ منورہ میں بھی ظہر وعصر ایسے ہی مغرب وعشاء جمع فرمالیتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ بِالْمَدِیْنَۃِ مِنْ غَیْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ

”ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ ظہر وعصر مغرب وعشاء مدینہ منورہ میں بغیر بارش اور بغیر خوف کے جمع فرمالیتے تھے۔“

چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ صَلّٰے بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّٰے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَۃِ ثَمَانِیًا وَّ سَبْعًا اَلظُّھْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءِ

”حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں سات نمازیں آٹھ نمازیں جمع کر کے ہم کو پڑھائیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء۔“

تو اے وہابیو! تم صرف سفر میں، صرف ظہر وعصر یا مغرب وعشاء پر ہی مہربانی کیوں کرتے ہو؟ تمہیں چاہیئے کہ روافض کی طرح سات آٹھ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ کر آرام کیا کرو، سفر میں بھی، اور گھر میں بھی، کیا بعض احادیث کو مانتے ہو، بعض کے انکاری ہو؟

دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ بخاری کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر جمع فرمائی، مگر یہ تفصیل نہیں، کہ کیسے جمع فرمائی، آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھا یا ظہر کو عصر کے وقت میں، ایسے ہی مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی، یا عشاء مغرب کے وقت میں، لہٰذا یہ حدیث مجمل ہے، اور مجمل حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرمانا عذر سفر کی وجہ سے تھا، ضرورت پر بہت سی ممنوع چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، اور جمع بھی صرف صورۃً تھا، حقیقۃً نہ تھا، یعنی حضور علیہ السلام نے ظہر عصر کے وقت میں نہ پڑھی، بلکہ سفر کرتے کرتے ظہر کے آخر وقت میں قیام فرمایا، ظہر آخرت وقت میں ادا فرمائی، اور عصر اول وقت میں، بظاہر معلوم یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام نے دو نمازیں ایک وقت میں ادا فرمائیں، لیکن حقیقۃً ہر نماز اپنے وقت میں کوئی ظہر یا مغرب آپ نے آخر وقت میں پڑھی، عصر یا عشاء اوّل وقت میں اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ دوسری ان احادیث کے جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں۔ یہ جمع بالکل جائز ہے، یہ ہی ہمارا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کی وہ حدیث جو طحاوی وابوداؤد نے روایت کی جس میں فرمایا گیا کہ حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر بارش سات آٹھ نمازیں جمع فرمالیتے تھے وہاں سات آٹھ نمازیں مراد نہیں، بلکہ سات آٹھ رکعتیں مراد ہیں کہ اگر مغرب وعشاء صورۃً جمع فرمائیں تو فرض کی سات رکعتیں جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر وعصر جمع فرمائیں۔ تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر وعصر جمع فرمائیں، تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، چار ظہر کی چار عصر کی، چونکہ یہ جمع صورۃً تھی نہ کہ حقیقۃً لہٰذا سفر بھی جائز تھی، بیان جواز کے لیئے، حدیث سمجھنے کے لیئے شرعی عقل اور حدیث والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ غلامی چاہیئے جس سے وہابی بے بہرہ ہیں۔

اس معنی کی تائید

نمازیں جمع کرنے کے جو معنی ہم نے بیان کئے اس معنے کی تائید بہت سی احدیث سے ہوتی ہے، جس میں سے بعض احادیث نقل کی جاتی ہیں، سنو اور عبرت پکڑو۔

حدیث نمبر ۱ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ یُؤَخِّرُ هٰذِهٖ فِیْ اٰخِرِ وَقْتِهَا وَیُعَجِّلُ هٰذِهٖ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِهَا

”بیشک نبی ﷺ مغرب وعشاء اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے اور عشاء اس کے اول وقت میں۔“

حدیث نمبر ۲ بخاری شریف میں حضرت سالم سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

وَکَانَ عَبْدُا للّٰهِ ابْنُ عُمَرَ یَفْعَلُهٗ اِذَا اَعْجَلَهُ السَّیْرُ یُقِیْمُ الْمَغْرِبَ فَیُصَلِّیْهَا ثَلٰثًا ثُمَّ یُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَّمَا یَلْبِثُ حَتّٰی یُقِیْمَ الْعِشَآءَ فَیُصَلِّیْهَا رَکْعَتَیْنِ

”عبداللہ ابن عمر بھی حضور ﷺ کا سا عمل کرتے تھے، کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی تکبیر کہتے اور تین رکعت پڑھتے پھر سلام پھیرتے پھر تھوڑی دیر ٹھہرتے پھر عشاء کی تکبیر فرماتے اور دو رکعت عشاء پڑھتے۔“

حدیث نمبر ۳ نسائی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ اِبْنِ عُمَرَ مِنْ مَکَّةَ فَلَمَّا کَانَ تِلْکَ اللَّیْلَةُ سَارَبِنَا حَتّٰی اَمْسَیْنَا فَظَنَنَّا اَنَّهٗ نَسِیَ الصَّلٰوۃَ فَقُلْنَا لَهُ الصَّلٰوۃُ فَسَکَتَ وَسَارَ حَتّٰی کَادَا لشَّفَقُ اَنْ یَغِیْبَ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّی الْعِشَآءَ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا فَقَالَ هٰکَذَا کُنَّا نَصْنَعُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَدَّهٖ السَّیْرُ

”فرماتے ہیں، کہ ہم مکہ معظمہ سے حضرت ابن عمر کے ساتھ آئے، جب یہ رات ہوئی تو آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہوگئی، ہم سمجھے کہ حضرت عبداللہ نماز بھول گئے ہم نے ان سے کہا کہ نماز پڑھ لیجئے مگر آپ چلتے ہی رہے یہاںتک کہ شفق ڈوبنے کے قریب ہوگئی تو اترے اور مغرب پڑھی، پھر شفق غائب ہوگئی تو نماز عشاء پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم حضور ﷺ کیساتھ بھی ایسا ہی کرتے تھے، جب سفر میں جلدی ہوتی۔“

اس قسم کی بیشمار حدیثیں ہیں، جن میں صراحتہً ارشاد ہوا ہے کہ سفر میں عصر وظہر یا مغرب وعشاء صرف صورۃً جمع کی جاویں گی، کہ مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھی جاوے، عشاء اپنے اول وقت ہیں، نہ تو ظہر عصر کے وقت میں پڑھی جاوے نہ مغرب عشاء کے وقت میں اگر ان احادیث کی تفصیل دیکھنی ہو؟ تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ہم نے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کی، لہٰذا حنفیوں کی توجیہہ بالکل درست ہے، اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے، اور دیگر احادیث بھی وہابیوں کی توجیہہ محض باطل ہے، قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔

اے وھابیہ ! اگر تم ان احادیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی مانتے ہو تو حضرت ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے بحالتِ اقامت سات بلکہ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ لیا کرو یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، جب تم اس حدیث میں جمع صوری مراد لیتے ہو، تو یہاں جمع حقیقی کیوں مراد لیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے، بعض کا انکار۔

اعتراض نمبر ۲ بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت کی، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِیْغَ الشَّمْسُ اَخَّعَ الظُّهْرَ اِلٰی وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَیْنَهُمَا

”فرماتے ہیں، کہ اگر حضور ﷺ سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک موخر کرتے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔“

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر کے وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اِلٰی لعَصْرِ سے ظاہر ہے۔

جواب آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا، اِلٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے نزول فرماتے تھے، غایت مغیا سے خارج ہے، نہ کہ داخل عصر تک مؤخر فرمانے کے معنے یہ ہیں، کہ عصر کے قریب تک مؤخر فرماتے تھے۔ جیسا کہ اعتراض نمبر ۱ کے جواب کی حدیث سے معلوم ہوا، لہٰذا جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی۔

اعتراض نمبر ۳ طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

حَتّىٰ اِذَا كَانَ عِنْدَ غَيْبُوْبَةِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا وَقَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا اِذَا جَدَّبِهِ السَّيْرُ

’’حضرت ابن عمر چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہونے کا وقت آ گیا تو اترے، پس مغرب وعشاء جمع فرمائیں اور فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جب سفر میں جلدی ہوتی۔‘‘

اس حدیث میں صراحۃً مذکور ہے، کہ حضرت عبداللہ ابن عمر شفق غائب ہونیکے وقت اترے یقیناً آپ نے مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی۔

جواب یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے، اس کے معنے یہ کب ہیں کہ شفق غائب ہونے کے بعد اترے معنے بالکل ظاہر ہیں کہ جب شفق غائب ہونے لگی یعنی غائب ہونے کے قریب ہوئی تب اترے، نماز مغرب پڑھتے ہیں شفق غائب ہوگئی اور وقت عشاء آ گیا، عشاء پڑھ لی، ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ان ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل شریف بیان کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں وہ حدیث تمہاری اس حدیث کی تفسیر ہے۔

اعتراض نمبر ٤ اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہیے اور سفر وغیرہ عذر کی حالت میں بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا گناہ ہے تو حاجی لوگ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو ظہر وعصر ملا کر کیوں پڑھتے ہیں، ظہر کے وقت میں عصر اور دسویں ذی الحجہ کی شب کو مزدلفہ میں مغرب و عشاء ملا کر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں، حنفی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز کہتے ہیں، جب حج کے موقعہ پر نماز ظہر وعصر ایسے ہی مغرب و عشاء حقیقی طور پر ایک ہی وقت میں جمع ہوگئیں، تو اگر سفر میں جمع ہو جاویں تو کیا حرج ہے۔ اے حنفیو! تم قرآنی آیت اور یہ احادیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہ وہابیوں کا انتہائی اعتراض ہے)

جواب جناب نہ تو عرفہ میں عصر ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے نہ مزدلفہ میں مغرب عشاء کے وقت میں بلکہ وہاں حجاج کے لئے عصر کا وقت ظہر کی طرف اور مغرب کا وقت عشاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے، یعنی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور عصر کا وقت ظہر پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے جیسے وتر کا وقت عشاء کے فرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے لہٰذا وہاں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹ گئے نمازیں اپنے وقت ہی میں ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو وقت ہٹ جانے اور نماز ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے۔

اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر امام عرفہ میں ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت، تو سخت گنہگار ہوگا، گویا اس نے عصر قضا کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی، اور عشاء اپنے معمولی وقت میں تو نماز مغرب ہوگی ہی نہیں اور ایسا کرنے والا سخت گنہگار رہوگا گویا اس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی، معلوم ہوا کہ آج ان نمازوں کے وقت ہی بدل دیئے گئے ہیں۔

لیکن اگر مسافر ظہر وعصر جمع نہ کرے بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے اور عصر اپنے وقت میں ایسے ہی مغرب اپنے وقت میں پڑھے اور عشاء اپنے وقت میں تو تم بھی اسے گنہگار نہیں مانتے، بلا کراہت جائز کہتے ہو معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا، بلکہ نماز دوسرے وقت میں ادا کی جاتی ہے لہٰذا حاجیوں کی عرفہ ومزدلفہ والی نمازیں۔ نہ قرآنی آیات کے خلاف ہیں نہ احادیث کے مخالف۔ وہاں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا حقیقی طور پر نمازوں کا جمع کرنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، احادیث کے بھی۔ حج میں اوقات نماز میں تبدیلی۔ حدیث مشہور بلکہ حدیث صحیح متواتر معنوی سے ثابت ہے اس پر اسی طرح عمل واجب ہے۔ جیسے آیت قرآنیہ پر عمل ضروری ہے۔

ہم نے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور سے عرض کر دیا ہے اگر اس کی پوری تحقیق دیکھنا ہو تو ہمارا حاشیۂ بخاری نعیم الباری میں یہ ہی بحث ملاحظہ کرو، ان شاء اللہ وہاں لطف آ جاوے گا۔

ناظرین کو ان بحثوں سے پتہ لگ گیا ہوگا کہ مذہب حنفی بفضلہٖ تعالیٰ نہایت مضبوط مدلل اور بہت ہی قوی اور قرآن مجید واحادیث کے بالکل مطابق ہے۔ وہابی غلط فہمی میں مبتلا ہیں اُن کے مذہب کی بنیاد محض غلط فہمی پر قائم ہے رب تعالیٰ ہم کو ای مذہب حنفی پر قائم رکھے۔

ہمارا دین حنفی ہے۔ مذہب حنفی یعنی ملت ابراہیمی اور مذہب نعمانی۔

پندرہواں باب

سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے

شریعت اسلامیہ نے مسافر کو یہ سہولت دی ہے کہ اس پر چار رکعت فرض میں بجائے چار کے دو واجب فرمائی ہیں، لیکن وہابیوں غیر مقلدوں نے محض نفسانی خواہش سے نماز میں کمی کرنے کے لئے سفر کو ایسا عام کردیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ گھر سے کھیت دیکھنے گئے مسافر بن گئے، ایک آدھ میل سیرو تفریح کرنے شہر سے باہر نکلے۔ مسافر بن بیٹھے اور نماز میں کمی کردی۔ شرعاً سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے کہ جب انسان اپنے وطن سے تین دن کی مسافت کا ارادہ کرکے نکلے تو وہ مسافر ہے اس پر صرف چار رکعت والی فرضوں میں قصر واجب ہے یعنی بجائے چار کے دو پڑھے۔

یہ تین دن کی مسافت عام اچھے راستوں پر تقریباً ستاون میل انگریزی بنتے ہیں ہر منزل ۱۹ میل کی کل تین منزلیں ۵۷ میل اور ریتیلے یا پہاڑی راستہ اس سے کم بنے گا، غرضیکہ تین دن کے راہ کا اعتبار ہے۔

حاجیوں کو ضروری ہدایت

آج کل حرمین طیبین میں نجدیوں کی حکومت ہے، نجدی امام حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے منٰی و عرفات میں آکر قصر نماز ادا کرتا ہے حالانکہ منٰی کا فاصلہ مکہ معظمہ سے صرف تین میل ہے اور عرفات کا فاصلہ نو میل۔ حنفی مذہب کی رو سے وہ امام قصر نہیں کرسکتا اس لئے حنفی لوگ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔

شافعی یا حنبلی امام کو ایسے موقعہ پر یہ چاہئے کہ ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے ۵۷ میل دور نکل جاوے پھر واپس ہوتے ہوئے منٰی و عرفات میں قصر پڑھے تاکہ حنفیوں کی نمازیں بھی اُس کے پیچھے درست ہوں حاجیوں کو بہت احتیاط چاہئے، اس باب کی بھی ہم دو فصل کرتے ہیں، پہلی فصل میں سفر کی اس مسافت کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

مسافت سفر تین دن کا ثبوت

سفر کی مسافت کم از کم تین دن راہ ہے، اس سے کم فاصلہ شرعاً سفر نہیں نہ ایسے شخص پر سفر کے احکام جاری ہوں، دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث ۱ بخاری شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَالَ لاَ تُسَافِرِ الْمراۃُ ثَلٰثَۃَ اَیَامٍ اِلَّا مَعَ ذِی رَحْمٍ

”بیشک نبی ﷺ نے فرمایا کہ عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر قریبی رشتہ دار کے نہ کرے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو اکیلے سفر کرنا حرام ہے، ذی رحم قرابتہ دار کے ساتھ سفر کرسکتی ہے اسی سفر کی مدت حضور ﷺ نے تین دن فرمائی معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن ہے۔

حدیث ۲ مسلم شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ثَلٰثَۃَ اَیَامٍ وَلَیَا لِیْھِنَّ لِلْمُسَافِرِ وَ یَوْمًا وَلَیْلَۃً لِلْمُقِیْم

”حضور ﷺ نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کیلئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم کے لئے ایک دن رات۔“

حدیث۳ تا۹ ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، طحاوی، ابوداؤد، طیالسی طبرانی، ترمذی نے خزیمہ ابن ثابت انصاری وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اَنَّہٗ قَالَ فِی الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنَ لِلْمُقِیْمِ یَوْمٌ“ وَلَیْلَۃٌ“ وَلِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَۃُ اَیَّامٍ وَلَیَا لِیْھِنَّ

”وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مقیم کیلئے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن تین راتیں ہیں۔

حدیث۱۰ تا ۱۲ اثرم نے اپنی سنن میں، ابن خزیمہ دار قطنی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ اَنَّهُ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَّلَیَا لِیْهِنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَّلَیْلَةً اِذَا تَطَهَّرَ فَلَبِسَ خُفَّیْهِ اِنْ یَمْسَحَ عَلَیْهَا وَقَالَ الْخِطَابِیُّ وَهُوَ صَحِیْحُ الْاَسْنَادِ (المشکوۃ)

’’وہ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ سے کہ حضور ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن تین رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات جب کہ وضو کر کے موزے پہنے ہوں۔‘‘

خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

حدیث۱۳ تا ۱۵ ترمذی۔ نسائی نے حضرت صفوان ابن عسال سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ یَاْمُرُنَا اِذَا کُنَّا سَفْرًا اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَّلَیَا لِیْهِنَّ الخ (المشکوۃ)

’’حضور ﷺ ہم حکم دیتے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں اپنے موزے تین دن تین رات نہ اتاریں۔ الخ

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسافر کو تین دن موزے پر مسح کرنے کی اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے علیٰحدہ نہیں، اگر تین دن سے کم مسافت بھی سفر بن جاوے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے، مثلاً اگر وہابی صاحب اپنے کھیت پر سیر کرنے ایک میل کے فاصلہ پر جا کر مسافر بن جاویں، تو تین دن مسح کر کے دکھاویں، ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچ جاوے، وہ اس اجازت سے کیسے فائدہ اٹھائے، لہٰذا تین دن سے کم سفر بن سکتا ہی نہیں ورنہ موزوں پر مسح کی یہ احادیث عمومی طور پر قابل عمل نہ رہیں گی، اس دلیل پر اچھی طرح غور کر لیا جاوے۔

حدیث۱۶ امام محمد نے آثار میں حضرت علی ابن ربیعہ والبی سے روایت کی۔

قَالَ سَاَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ اِلٰی کَمْ تُقْصَرُ الصَّلٰوۃُ فَقَالَ اَتَعْرِفُ السُّوَیْدَاءَ قُلْتُ لَا وَلٰکِنِّیْ قَدْ سَمِعْتُ بِهَا قَالَ هِیَ ثَلٰثُ لَیَالٍ فَوَاصِله فَاِذَا اَخْرَجْنَا اِلَیْهَا قَصَرْنَا الصَّلٰوۃَ

’’فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ ابن عمر سے پوچھا کہ کتنی مسافت پر نماز کا قصر ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے مقام سویداء دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا تو نہیں سُنا ہے، فرمایا وہ یہاں سے تین رات کے (قاصد کی رفتار سے) فاصلہ پر ہے ہم جب وہاں تک جائیں تو قصر کر سکتے ہیں۔‘‘

حدیث۱۷ دار قطنی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ قَالَ یَا اَهْلَ مَکَّةَ لَا تَقْصُرُوْا الصَّلٰوۃَ فِیْ اَدْنٰی مِنْ اَرْبَعَةِ بُرُدٍ مِنْ مَکَّةَ اِلٰی عَسْفَانَ

’’بیشک حضور ﷺ نے فرمایا کہ مکہ والو چار برید سے کم سفر میں نماز قصر نہ کرنا، یہ فاصلہ مکہ معظمہ سے عسفان کا ہے۔‘‘

حدیث۱۸ موطا امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهُ کَانَ یُقْصِرُ الصَّلٰوۃَ فِیْ مِثْلِ مَابَیْنَ مَکَّةُ وَالطَّائِفِ وَفِیْ مِثْلِ مَابَیْنَ مَکَّةُ وَعُسْفَانَ وَفِیْ مِثْلِ مَا بَیْنَ مَکَّةَ وَجَدَّةَ قَالَ یَحْیٰ قَالَ مَالِکٌ‘‘ وَذَالِکَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ

’’کہ آپ نماز قصر کرتے تھے مکہ اور طائف اور مکہ عسفان اور مکہ اور جدہ کی برابر فاصلہ میں یحیےٰ فرماتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا یہ فاصلہ چار برید ہے۔‘‘

حدیث۱۹ امام شافعی نے با سناد صحیح حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی۔

اَنَّهُ سُئِلَ اَتُقْصَرُ الصَّلٰوۃُ اِلٰی عرفة قَالَ لَا وَلٰکِنْ اِلٰی عُسْفَانَ وَاِلٰی جَدَّةَ وَاِلَی الطَّائِفِ رَوَاهُ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ وَقَالَ اِسْنَادُه صَحِیْح‘‘

’’حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا عرفات تک (۹ میل) جانے میں نماز قصر کی جاوے گی فرمایا نہیں لیکن قصر کی جاوے گی عسفان یا جدہ یا طاعف تک اسے امام شافعی نے نقل فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔‘‘

حدیث ۲۰ امام محمد نے موطا شریف میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یُسَافِرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ اَلْبَرِیْ فَلَا یَقْصِرُ الصَّلٰوۃَ

''کہ آپ حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ ایک برید سفر کرتے تھے تو قصر نہ فرماتے تھے۔''

خیال رہے کہ ۴ برید انگریزی میل کے حساب سے قریباً ۵۷ میل ہوتا ہے یعنی ۳۶ کوس تین منزلیں۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں۔ جس کو شوق ہو وہ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرے ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہیں نہ اس پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ سفر کے لئے چار برید فاصلہ یعنی تین منزلیں چاہئیں، صحابہ کرام کا اس ہی پر عمل تھا۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہ ہو کیونکہ شہر کے آس پاس کی زمین شہر کی فنا کہلاتی ہے۔ جس سے شہری ضروریات پوری ہوتی ہیں، جیسے قبرستان عیدگاہ چراگاہیں، گھوڑ دوڑ کے میدان یہاں پہنچ جانا شہر میں پہنچ جانا سمجھا جاتا ہے کوئی شخص اس جگہ سیر و تفریح کے لئے جا کر اپنے کو مسافر نہیں سمجھتا، نیز اگر اس جیسی مسافت کو سفر کہا جاوے تو چاہئے کو کوئی عورت بغیر محرم کے مطلقاً شہر سے باہر نہ جا سکے، کیونکہ عورت کو بغیر محرم سفر کرنا حرام ہے، نیز اسلامی قانون ہے کہ مسافر تین دن رات موزوں پر مسح کر سکتا ہے یہ قانون ہر مسافر کو عام نہ ہو سکے گا جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں تو چاہئے کہ سفر کی کم از کم کوئی حد مقرر ہو جسے عقل شرعی بھی سفر مانے اور جس سے یہ اسلامی قانون بھی ہر مسلمان پر جاری ہو۔ وہ حد تین دن ہی ہے۔

نیز تین دن کی مسافت کا سفر ہونا تو یقینی ہے اس سے کم مسافت سفر کرنا مشکوک نماز کی چار رکعتیں یقین سے ثابت ہیں تو یقینی چیز کو مشکوک سے نہیں چھوڑ سکتے یقین کو یقین ہی زائل کر سکتا ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر وہابیوں کو صرف ایک ہی حدیث مل سکی ہے جو مختلف کتب حدیث میں مختلف راویوں سے منقول ہے چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صَلَّی الظُّھْرَ بِالْمَدِیْنَۃِ اَرْبَعًا وَصَلّٰی بِذِی الْحُلَیْفَۃِ رَکْعَتَیْنِ

''کہ نبی ﷺ نے نماز ظہر مدینہ منورہ میں چار رکعت پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں نماز عصر دو رکعتیں ادا فرمائیں۔''

دیکھو ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے صرف ۳ میل فاصلہ پر ہے، جسے آج کل بیر علی کہا جاتا ہے، یہ ہی اہل مدینہ کے لئے حج کا میقات ہے جب حضور ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو صرف ۳ میل فاصلے پر پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔

جواب اس حدیث میں سیر و تفریح کیلئے صرف ذوالحلیفہ تک جانے کا ذکر نہیں ہے، بلکہ یہاں حضور ﷺ کے حجۃ الوداع کا واقعہ کا بیان ہو رہا ہے کہ سرکار بہ ارادہ حج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ذوالحلیفہ پہنچ کر وقت عصر آ گیا تو چونکہ آپ آگے جا رہے تھے لہٰذا یہاں قصر فرمایا اس لئے یہاں فرمایا گیا، صلّی الظہر ایک بار یہ واقعہ ہوا، کانَ یصلّی نہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے اس حدیث کی تفسیر وہ حدیث ہے جو موطا امام مالک اور موطا امام محمد میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ عُمَرَ کَانَ اِذَا خَرَجَ حَاجًّا اَوْمُعْتَمِرًا قصرَ الصَّلٰوۃَ بِذِی الْحَلِیْفَۃِ

''کہ حضرت عبداللہ ابن عمر جب حج یا عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر پڑھتے تھے۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل شریف تمہاری پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہے اس سے مسئلہ فقہی یہ معلوم ہوا کہ جو شخص سفر کے ارادے سے اپنے وطن روانہ ہو جاوے تو آبادی سے نکلتے ہی قصر پڑھے گا، اور واپسی میں داخل ہونے پر وہ مقیم بنے گا یہ حدیث ہمارے بالکل موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم و بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لَایَحِلُّ لِاَمْرَأَۃٍ تُوْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تَسَافِرَ مَسِیْرَۃَ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ لَیْسَ مَعَھَا حُرْمَۃٌ''

''فرمایا کہ نبی ﷺ نے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اُسے یہ حلال نہیں کہ ایک دن رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کرے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن و رات کی مسافت طے کرنا سفر ہے کہ اسے حضور ﷺ نے سفر فرمایا اور اس پر سفر کے احکام جاری کئے کہ عورت کو بغیر محرم کے اتنی دُور جانا حرام فرما دیا گیا، معلوم ہوا کہ سفر کے لئے تین دن کی مسافت ضروری نہیں ایک دن کا بھی ہو جاتا ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ تمہارا مذہب اس حدیث سے بھی ثابت نہ ہوا، تمہارا مذہب تو یہ ہے کہ شہر سے میل دو میل سیر و تفریح کے لئے جانا بھی سفر ہے اور اس حدیث میں ایک دن و رات مسافت کی قید ہے، لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں تین دن کی روایت اسی بخاری شریف کی پیش کر چکے ہیں ہم کو دو روایتیں ملیں، تین دن والی اور ایک دن والی، اگر ایک دن کی حدیث پہلی ہو اور تین دن کی حدیث بعد کی، تو ایک دن کی حدیث منسوخ ہے اور اگر تین دن والی حدیث پہلی ہے ایک دن والی حدیث پیچھے تو تین دن کی حدیث ایک دن والی حدیث سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تین دن میں ایک دن بھی آجاتا ہے، اور جب ایک دن کی مسافت پر عورت کو اکیلے سفر حرام ہے تو تین دن کا سفر بھی حرام ہوگا، لہٰذا تین دن کی روایت بہر حال قابل عمل ہے اور ایک دن کی حدیث پر عمل مشکوک اس لئے ایک دن کی حدیث قابل عمل نہیں، تین دن کی حدیث قابل عمل ہے کہ حرمت شک سے ثابت نہیں ہوتی، نہ بہر حال سفر کی مدت تین دن کی مسافت ہی ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۳ آج کل موٹر اور ریل وغیرہ سے تین دن کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے، تو بتاؤ موزوں پر مسح کی مدت تین دن یہ مسافر کیسے پوری کرے گا، تمہارے قول پر بھی یہ حدیث علی العموم قابل عمل نہیں ہوئی۔

جواب یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ ایک ہے قانون کا اپنا سقم کہ قانون خود ہر جگہ جاری نہ ہو سکے یہ قانون کا عیب ہے ایک ہے کسی عارضہ کی وجہ سے قانون جاری نہ ہونا یہ قانون کا اپنا سقم نہیں شریعت میں سفر پیدل یا اونٹ کی رفتار معتبر ہے اگر وہ تین دن کی ہے تو سفر ہے اسی رفتار میں ہر مسافر پر یہ مسح کا قانون حاوی اور جاری ہونا چاہئے اگر شخص ایک گھنٹہ میں اتنا سفر کر لیتا ہو تو یہ ایک خارجی عارضہ ہے جس کی وجہ سے یہ قانون کی زد سے بچ گیا۔ قانون اپنی جگہ درست ہے تمہارے قول کی وجہ سے قانون میں سقم لازم آتا ہے، لہٰذا تمہارا قول باطل ہے۔ ہمارا قول درست۔

سولھواں باب

سفر میں سنت ونفل

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے کہ چار رکعت فرض دو پڑھے، فرض کے علاوہ تمام نفل وسُنّت، وتر گھر کی طرح پورے پڑھے، ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے وہ ہی سفر میں ہے نہ تو ان میں قصر ہے نہ یہ منع ہیں نہ بالکل معاف مگر غیر مقلد وہابی سفر میں نفل نہ خود پڑھتے ہیں نہ اوروں کو پڑھنے دیتے ہیں بعض تو اس میں بہت سخت ہیں اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا شرعی ثبوت، دوسری فصل میں اس پر وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات حق تعالےٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

سفر میں سنّت ووتر، نفل پوری پڑھو

مسافر صرف چار رکعت فرض میں قصر کرے، باقی ساری نماز پوری پڑھے اسے روکنا یا منع کرنا سخت جرم ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھیٰ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی "کیا آپ نے اُس مردود کو دیکھا جو بندہ مومن کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔"

حدیث نمبر ۲ رب تعالیٰ کفار مکہ کے عیوب اس طرح بیان فرماتا ہے۔"

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مُّهِيْنٍ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ

"اس کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل، چغل خور، بھلائی سے روکنے والا حد سے آگے بڑھنے والا سخت گنہگار ہے۔"

معلوم ہوا کہ لوگوں کو بھلائی سے روکنا کفار کا طریقہ ہے، ان کی بات ہر گز نہ ماننا چاہیئے مسلمانوں کو بھلائیوں سے روکنا وہابیوں کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے، سنیما، جوئے اور شراب سے نہیں چڑتے۔ چڑتے ہیں تو کس سے؟ سفر میں سنّت، نفل نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان ان کی بات ہر گز نہ مانے، اس آیت پر عمل کرے۔

حدیث نمبر ۳ رب تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

"مومن وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت دے دیں تو نمازیں قائم کریں اچھی باتوں کا حکم دیں بُری باتوں سے روکیں۔"

اگر خدا نہ کرے زمین میں وہابیوں کی سلطنت ہو جاوے تو لوگوں کو کس چیز سے روکیں گے، سفر میں سنت ونفل نماز پڑھنے سے، اللہ کے ذکر کی مجلسوں سے، میلاد شریف ختم وفاتحہ وتلاوتِ قرآن سے۔ کن چیز کا حکم دیں؟ گندے کنوؤں سے وضو کرنے کا۔ کوّے خصیے کھانے کا لڑکے پیشاب اور منی کے پاک سمجھنے کا، اپنے نطفے کی زنا کی لڑکی سے نکاح کر لینے کا۔ جیسا کہ ہم آخر کتاب میں وہابیوں کے خصوصی مسائل بیان کریں گے۔

حدیث نمبر ۴، ۵ ترمذی شریف اور طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ مگر قدرے لفظی اختلاف ہے۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ اَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهٗ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَ لَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلٰثَ رَكَعَاتٍ وَلَا يَنْقُصُ فِيْ حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وِتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ وطن اور سفر میں نمازیں پڑھی ہیں پس میں نے آپ کے ساتھ وطن میں ظہر چار رکعت پڑھی اسکے بعد دو رکعت سنت اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں، اس کے بعد دو رکعتیں سنت عصر دو رکعت اس کے بعد کچھ نہ پڑھا اور مغرب وطن سفر میں برابر تین رکعتیں اس میں کمی نہ فرماتے تھے وطن میں نہ سفر میں وہ دن کے وتر ہیں اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھیں۔"

طحاوی شریف میں یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔

وَصَلَّى الْعِشَآءَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ "حضور ﷺ نے عشاء کی نماز دو رکعتیں پڑھیں اسکے بعد دو رکعتیں۔"

دیکھو نبی ﷺ نے سفر میں ظہر کے فرض دو اور بعد میں سنت دو مغرب کے فرض تین اور بعد میں سنتیں دو، عشاء کے فرض دو اور بعد میں سنتیں دو پڑھیں

اگر سفر میں سنت یا نفل پڑھنا ممنوع ہوتا تو سرکارِ انوار صلی اللہ علیہ وسلم کیوں پڑھتے یہ وہابی سنت سے چڑتے ہیں۔

حدیث نمبر ٦،٧ ابوداؤد ترمذی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفْرًا فَمَا رَاَيْتُه‘ تَرَکَ رَكْعَتَيْنِ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ اٹھارہ سفر کیئے میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر کے پہلے کی دو نفل چھوڑے ہوں۔“

حدیث نمبر ٨ ابوداؤد شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ وَاَرَادَ اَنْ يَّتَطَوَّعَ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهٖ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰی

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی ناقہ کو کعبہ کی طرف متوجہ فرمادیتے پھر تکبیر کہہ کر نفل پڑھتے۔“

حدیث نمبر ۹، ۱۰ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ فِی السَّفَرِ عَلٰی رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِیْ اِيْمَاءً صَلٰوةَ اللَّيْلِ اِلَّا الْفَرَائِضِ وَيُوْتِرُ عَلٰی رَاحِلَتِهٖ

”فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سفر میں اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے۔ جدھر بھی اس کا منہ ہوتا آپ اشارے سے نماز پڑھتے، تہجد کی نماز سوائے فرض کے۔ وتر بھی سورای پر پڑھتے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سفر میں راستہ طے کرتے ہوئے، نماز تہجد بھی پڑھا کرتے تھے اور یہ لوگ ٹھرے ہوئے مسافر کو سنت مؤکدہ تک سے روکتے ہیں۔

حدیث نمبر ١١ مؤطا امام مالک میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَرٰی اِبْنَه‘ عُبَيْدَ اللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِیْ السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ

”فرماتے ہیں کہ بے شک عبداللہ ابن عمر اپنے فرزند عبیداللہ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تھے تو آپ منع نہ فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ١٢ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلظُّهْرَ فِی السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حِدِيْثٌ“ حَسَنٌ“

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اسکے بعد دو رکعت سنت اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔“

حدیث نمبر ١٣، ١٤ مسلم و ابوداؤد نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے سفر میں تعریس کی رات نماز صبح قضاء ہوجانے کی بہت دراز حدیث روایت کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

صَلّٰی رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ ثُمَّ صَلَّی الصُّبْحَ كَمَا كَانَ يُصَلِّیْ

”حضور علیہ السلام نے فجر کی سنتیں فرض سے پہلے پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھے جیسے ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ١٥ تا ١٨ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ مَا اَخْبَرَنَا اَحَدٌ“ اَنَّه‘ رَاٰیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی الضُّحٰی غَيْرُ اُمِّ هَانِیْ ذَكَرَتْ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اِغْتَسَلَ فِیْ بَيْتِهَا فَصَلّٰی ثَمَانَ رَكْعَاتٍ

”فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ام ہانی کے سواء اور کسی نے یہ خبر نہ دی کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز چاشت پڑھے دیکھا، ام ہانی فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے ان کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نفل نماز چاشت پڑھیں۔“

دیکھو فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں مسافر ہیں اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں نماز چاشت آٹھ رکعت پڑھی، حالانکہ نماز چاشت نفل ہے۔

حدیث نمبر ۱۹ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْحَضَرِ وَصَلٰوةَ السَّفَرِ فَكُنَّا نُصَلِّيْ فِي الْحَضَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا وَكُنَّا نُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ قَبْلَهَاوَبَعْدَهَا

”فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وطن میں بھی نماز فرض ادا فرمائی اور سفر میں بھی ہم وطن میں فرض نماز سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے اور سفر میں بھی فرض سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۰ بخاری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ وَهُوَ رَاكِب“ فِيْ غَيْرِ الْقِبْلَةِ

”نبی کریم ﷺ سواری پر غیر قبلہ کی طرف نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔“

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں سنت و نفل کی نہ تو معافی ہو اور نہ قصر چند وجہ سے۔

ایک یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نمازیں دو دو رکعت فرض کی گئیں، پھر سفر میں تو وہ ہی دو رہیں، حضر میں بعض نمازوں میں زیادتی کردی گئی اور ظاہر ہے کہ معراج میں فرض نمازیں ہی لازم کی گئیں تھیں نہ کہ سنت و نوافل وغیرہ لہٰذا قصر صرف فرض میں ہوا نہ کہ نفل سنت میں دوسرے یہ کہ بحالتِ سفر فرض نماز میں بہت پابندی ہے کہ سواری پر چلتی ریل میں، غیر قبلہ کی طرف ادا نہیں ہوسکتی، سنت و نفل میں یہ کوئی پابندی نہیں، سواری پر، غیر قبلہ کی طرف بھی ادا ہوجاتی ہیں، فرض کے لیئے مسافر کو سفر توڑنا پڑتا ہے جس سے دیر لگتی ہے اس لیئے وہ نماز آدھی کردی گئی چونکہ سنت و نفل کے لیئے سفر توڑنا نہیں پڑتا ہے۔ سورای پر ادا ہوجاتی ہیں، اس لیئے نہ تو ان میں قصر کی ضروت ہے نہ معافی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ سمجھنا کہ جب سفر میں فرض کم ہوگئے تو سنتیں کوئی کم نہیں ہوئی، فرض علیٰحدہ نماز ہے اور سنت و نفل علیٰحدہ یعنی سنت و نفل فرض کی ایسی تابع نہیں کہ اگر فرض پوتے پڑھے جاویں تو سنتیں بھی پوری ہوں اور اگر فرض میں قصر ہو تو سنتوں میں بھی قصر ہو یا بالکل معاف ہوجاویں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلد وہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر بہت ہی تھوڑے دلائل ہیں جنہیں وہ ہر جگہ الفاظ بدل کر بیان کرتے ہیں ہم ان کی وکالت میں ان کے سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ مسلم و بخاری وغیرہ نے حضرت حفص ابن عاصم سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ اِبْنَ عُمَرَ فِيْ فَرِيْقِ مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا الظُّهْعَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَآءَ رِحْلَه‘ وَجَلَسَ فَرَاٰى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هٰؤُلَاءِ قُلْتُ يُسَبِّحُوْنَ قَالَ لَوْكُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلٰوتِيْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَ عُثْمَانَ كَذٰلِكَ

”فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے راستہ میں تھا تو آپ نے ہم کو نماز ظہر دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنی منزل پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو کچھ لوگوں کو کھڑا ہوا دیکھا۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر نفل پڑھتا تو نماز ہی پوری پڑھتا میں حضور ﷺ کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور میں نے حضرت ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ایسے ہی دیکھا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نفل وسنت پڑھنا سنت رسول علیہ السلام وسنت خلفائے راشدین کے خلاف ہے اس لیے مسافر دو رکعت فرض پڑھے باقی کچھ نہ پڑھے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین نے سفر میں کبھی دو فرض سے زیادہ نہ پڑھے، اور تم کہتے ہو کہ مسافر چاہے قصر پڑھے یا پوری۔ تم نے پوری نماز پڑھنے کا حکم اس حدیث کے خلاف کیوں دیا۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اس حدیث سے نفل نہ پڑھنا ثابت ہے اور ہماری پیش کردہ بہت سی احادیث سے نفل پڑھنا ثابت ہوا، تو آپ ان بہت سی احادیث کے مقابل صرف اس ایک حدیث پر کیوں عمل کرتے ہو۔ ان احادیث پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ صرف نفسانی خواہش کی وجہ سے کہ نفس امارہ پر نماز بھاری ہے۔

تیسرے یہ کہ خود سیّدنا عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ کی وہ احادیث ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے جن میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پُر نور ﷺ کو سفر میں سواری پر نفل پڑھتے دیکھا، پھر ان ثبوت کی احادیث کو آپ نے کیوں نہ قبول کیا؟ صرف ایک اسی حدیث پر ہی کیوں عمل کیا؟ کیا نماز کم کرنے کا شوق ہے۔

چوتھے یہ کہ جب ثبوت و نفی میں تعارض ہو، تو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ہیں، ثبوت نفل کی بھی اور نفی کی بھی، تو ثبوت کی روایت قابل عمل ہوگی نہ نفی کی۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کو جسمانی معراج نہیں ہوئی۔ دیگر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہوئی، آج تمام دنیا معراج جسمانی کے قائل ہے؟ کیوں؟ اس لیئے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہے۔

پانچویں یہ کہ جب احادیث میں تعارض نظر آئے، تو ان کے ایسے معنے کیئے جاویں، جن سے تعارض دور ہو جاوے، جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات میں تعارض ہے، تو تمہاری اس حدیث کے معنے یہ ہیں، کہ نفل نماز اہتمام سے پڑھنا، ان کے لئے سفر توڑنا باقعدہ اتر کر، زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا، چلتی سواری پر نفل درست نہ سمجھنا، یہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نہ ان خلفائے راشدین سے رضی اللہ عنہم، چنانچہ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی یہ ہی بتا رہے ہیں، راوی فرماتے ہیں، کہ آپ نے بعض لوگوں کو ڈیرے پر کھڑے ہوئے نفل پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا حالت بھی سفر کی تھی سفر بھی حج کا تھا راستہ بہت تھا جلد پہنچنا تھا۔ ان حضرات کے اس طریقہ عمل سے سفر میں دشواری ہوتی تھی، اس لیئے آپ نے یہ فرمایا لہٰذا یہ حدیث نہ تو دوسری احادیث کے خلاف ہے نہ خود حضرت ابن عمر کی دوسری رواتیوں کے مخالف حدیث میں مقابلہ پیدا نہ کرو بلکہ موافقت کی کوشش کرو۔

چھٹے یہ کہ تمہاری اس حدیث میں بھی سفر میں نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف قیاس فرما کر یہ فرمایا کہ اگر نفل کا ایسا اہتمام ضروری ہوتا، تو نماز فرض ہی پوری کیوں نہ پڑھی جاتی۔

اعتراض نمبر ۲ جب سفر میں فرض نماز ہی بجائے چار کے دو رکعت ہوگئی، تو سنت و نفل تو فرض سے درجہ میں کم ہیں چاہیئے کہ وہ بھی یا تو بجائے چار کے دو ہو جاویں یا بالکل معاف ہو جاویں۔

جواب **الحمدللہ** کہ آپ قیاس کے قائل ہو گئے کہ سنت کو فرض پر قیاس کرنے لگے لیکن جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس بہتر تھا۔ کہ مجتہدین آئمہ کی تقلید کر لی ہوتی تا کہ آپ کو ایسے قیاسات نہ کرے پڑتے۔ جناب سنت و نفل کو فرج پر قیاس نہیں کر سکتے، فرض نماز میں صرف دو رکعتیں بھری پڑھی جاتی ہیں، باقی خالی مگر سنت و نفل کی چاروں رکعت بھری ہیں، فرمایئے، وہاں سنت و نفل فرض کی طرح کیوں نہ ہوئیں۔ وہاں بھی کہدو کہ جب فرض میں دو رکعت خالی ہوں تو چاہیئے سنتیں و نفل کی چاروں رکعت خالی ہوں۔ جمعہ کی نماز میں فرض نماز بجائے چار کے دو رکعت ہو جاتی ہیں، مگر سنتیں بجائے گھٹنے کے بڑھ جاتی ہیں، کہ بعد فرض جمعہ چار سنتیں موکدہ ہیں، چاہیئے کہ وہاں بھی قیاس کرو کہ جب جمعہ کے فرض بجائے چار کے دو رہ گئے تو چاہیئے کہ جمعہ کے بعد کی سنتیں بجائے دو کے ایک رکعت ہی رہ جاوے سنت و نفل میں قصر نہ ہونے کی وجہ ہم پہلی فصل کی عقلیل دلیلوں میں عرض کر چکے کہ مسافر کو سنت کے لیئے سفر توڑنا نہیں پڑھا، سواری پر ہی پڑھ سکتا ہے اس لیئے اس میں قصر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نوٹ ضروری۔ یہ جو کہا گیا کہ نفل و سنت سواری پر پڑھی جا سکتی ہیں، سواری کا رُخ کدھر ہی ہو، یہ مسافر کے لیئے راستہ طے کرنے کی حالت میں ہے جبکہ وہ جنگل میں ہو شہر میں یا کسی جگہ ٹھرنے کی حالت کا یہ حکم نہیں، اگر مسافر کسی بستی میں دو چار دن کے لیے ٹھرا ہوا ہو تو سنت و نفل بھی فرض کی طرح تمام شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کرے گا غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک مسافر خواہ راستہ طے کر رہا ہو یا کہیں دو چار دن کے لیئے ٹھرا ہوا ہو سنت و نفل نہ پڑھے۔

اعتراض نمبر ۳ حضور ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں، جب رب تعالیٰ نے سفر میں اپنی فرض نماز میں رعایت کردی تو چاہیے کہ حضور ﷺ بھی اپنی سنتوں میں کمی کر دیں، سنت کا اسی طرح رہنا حضور کی رحمت کے خلاف ہے۔

جواب جی ہاں۔ چونکہ حضور ﷺ رحمت عالم ہیں، اس لیئے حضور نے اپنی سنتیں کم نہ فرمائیں نماز رحمت ہے، بوجھ نہیں شاید وہابیوں کے نفس پر نماز بوجھ ہوگی، اس لیئے انہیں ایسے سوالات سوجھتے ہیں، جناب اللہ کے فرض مومن کے بالغ ہونے پر لگتے ہیں اور مرنے سے پہلے چھوڑ دیتے ہیں مگر سنت رسول اللہ ﷺ کسی وقت اور کسی حالت میں مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتی، مومن سنت رسول ﷺ کی آغوش میں پیدا ہوتا ہے سنت کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔ سنت کے دامن میں مرتا ہے اور ان شاء اللہ سنت والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت دنیا ہی میں قیامت میں اٹھے گا، دیکھو ختنہ، عقیقہ بچے کو دو سال تک دودھ پلانا سنت ہی تو ہیں۔ پھر مرتے وقت وضو۔ کعبہ کو رُخ ہونا مرد کا کفن تین کپڑے عورت کا کفن پانچ کپڑے یہ سب سنتیں ہی ہیں، اس لیئے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب نہیں اہل سنت ہے، ہمارے حضور ﷺ کی سنت رحمت ہے، بوجھ نہیں رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا رب تعالےٰ مالک الملک ہے، جب چاہے جتنی چاہے رحمت دے، اس کی رحمتیں یکساں نہیں ہوتیں، کبھی کم کبھی زیادہ، ایسے ہی فرض نماز مقیم کے لیئے پوری مسافر کے لیئے آدھی۔

سترہواں باب

سفر میں قصر واجب ہے

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر فرض ہے۔ مسافر یہ نماز پوری نہیں پڑھ سکتا، اگر بھول کر بجائے دو کے چار پڑھ لے تو اس کا وہ ہی حکم ہوگا، جو کوئی فجر کے فرض چار پڑھ لے کہ اگر پہلی التحیات پڑھ کر تیسری رکعت میں کھڑا ہوا تو سجدہ سہو کرے ورنہ نماز کا اعادہ کرے، لیکن اگر دیدہ دانستہ بجائے دو کے چار پڑھے تو نہ ہوگی، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ مسافر کو اختیار ہے خواہ قصر پڑھے یا پوری مسافر کسی چیز کا پابند نہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اپنے دلائل دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات وجوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

سفر میں قصر ضروری ہے

سفر میں قصر ضروری ہونے پر احناف کے پاس بہت دلائل ہیں جن میں سے کچھ پیش کیئے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ١ تا ٤ بخاری۔ مسلم۔ مؤطا امام محمد۔ موطا امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت کی یہ لفظ مسلم و بخاری کے ہیں۔

قَالَتْ فَرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُرِضَتْ اَرْبَعًا و تُرِكَتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَتِهِ الْاُوْلىٰ

”فرماتی ہیں کہ اوّلاً نماز دو دو رکعتیں فرض ہوئیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو نمازیں چار رکعت فرض کی گئیں اور نماز سفر پہلے ہی فریضہ پر رہی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے ہر نماز کی دو رکعتیں تھیں بعد ہجرت بعض کی چار رکعتیں کردی گئیں مگر سفر کی نماز ویسے ہی رہی تو جیسے ہجرت سے پہلے اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھ لیتا تو اس کی نماز نہ ہوتی، ایسے ہی اب بھی جو مسافر سفر میں چار فرض پڑھ لے تو بھی نماز نہ ہوگی، لفظ فرض، اور فریضہ کو غور سے ملاحظہ کرو۔

مؤطا امام محمد و امام مال کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِے الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَاُقِرَّتْ صَلٰوةَ السَّفَرِ وَزِيْدَ فِىْ صَلٰوةِ الْحَضَرِ

”اوّلاً سفر و حضر میں نمازیں دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر نماز سفر تو ویسے ہی رہی اور نماز حضر میں زیادتی کردی گئی۔“

حدیث نمبر ٥ تا ٧ مسلم شریف۔ نسائی۔ طبرانی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ عَلىٰ لِسَانِ نَبِيِّكُمْ فِى الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَفِى السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِى الْخَوْفِ رَكْعَةً

”فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان شریف پر وطن میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں خوف میں ایک رکعت فرض کیں۔ (یعنی جماعت سے ایک رکعت)“

اس میں صراحۃً ہوا کہ سفر میں دو رکعت ہی فرض ہیں۔ جیسے وطن میں فجر کی نماز۔

حدیث نمبر ٨ تا ١٣ مسلم بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلىٰ مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ

”فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرح گئے تو حضور انور ﷺ دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے،“

حدیث نمبر ١٤ تا ١٦ بخاری۔ مسلم۔ نسائی نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنىٰ رَكْعَتَيْنِ وَاَبِىْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ اِمَارَتِهٖ ثُمَّ اَتَمَّهَا

”فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ میں حضور ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں اور خلافت عثمانی کے شروع میں بھی پھر حضرت عثمان نے پوری پڑھنا شروع کردی۔“

حدیث نمبر ۱۷ طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اِفْتَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَکْعَتَیْنِ فِی السَّفَرِ کَمَا افْتَرَضَ فِی الْحَضَرِ اَرْبَعًا

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سفر میں دو رکعت ہی فرض فرمائیں جیسے وطن میں چار رکعت فرض کیں۔“

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۰ نسائی ابن ماجہ۔ ابن حبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلٰوۃُ السَّفَرِ رَکْعَتَانِ وَ صَلٰوۃَ الضُّحٰے رَکْعَتَانِ وصَلٰوۃُ الْفِطْرِ رَکْعَتَانِ وَصَلٰوۃُ الْجُمُعَۃِ رَکْعَتَانِ تَمَام“ غَیْرُ قَصْرٍ عَلٰی لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

”فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، چاشت کی نماز دو رکعتیں عیدالفطر کی نماد و رکعتیں ہیں، جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں، ہی دو رکعتیں پوری ہی ناقص نہیں، حضور محمد مصطفٰے ﷺ کی زبان شریف پر۔“

حدیث نمبر ۲۱ مسلم شریف نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کچھ دراز حدیث نقل کی، جس کے آخری الفاظ شریفہ یہ ہیں۔

فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدْقَۃ“ تَصَدَّقَ اللّٰہُ بِہٖ فَاقْبَلُوْا صَدْقَتَہ‘

”میں نے حضور ﷺ سے نماز قصر کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا صدقہ ہے جو صدقہ فرمایا اس صدقہ کو قبول کرو۔“

اس حدیث میں فاقبلوصغیہ امر ہے۔ امر وجوب کے لیے آتا ہے معلوم ہوا کہ جو شخص سفر میں چار رکعت پڑھے، وہ خدا تعالےٰ کے صدقہ سے منہ پھیرتا ہے، رب کا صدقہ قبول کرنا اور سفر میں قصر کرنا فرض ہے۔

حدیث نمبر ۲۲ طبرانی نے معجم صغیر میں سیّدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّیْتَ مَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی السَّفَرِ رَکْعَتَیْنِ وَمَعَ اَبِیْ بَکْرٍ رَکْعَتَیْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِکُمُ السُّبُلَ فَوَاللّٰہِ لَوَدِدْتُ اَنْ اُحْطیٰ مَنْ اَرْبَعِ رَکْعَاتٍ رَکْعَتَیْنِ مُتَقَبَّلَتَیْنِ

”میں نے سفر میں حضور ﷺ کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور ابو بکر صدیق عمر فاروق کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں پھر تم لوگوں کو مختلف راہوں نے متفرق کر دیا۔ قسم رب کی میں تمنا کرتا ہوں کہ مجھے بجائے چار رکعتوں کے دو مقبول رکعتوں کا حصّہ ملے۔“

ہم نے بطور نمونہ صرف بائیس حدیثیں پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بے شمار احادیث ہیں، اُن پیش کردہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں قصر ہی فرض ہے حضور ﷺ وخلفاء راشدین نے قصر ہی پڑھی، چار رکعت پڑھنے سے صحابہ نے منع فرمایا، یا اس پر ناراضی کا اظہار کیا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ سفر میں قصر فرض ہے مسافر کو قصر و اتمام دنوں کا اختیار دینا عقل شرعی کے بالکل خلاف ہے اس لیئے کہ سفر میں ہر چار رکعت والی نماز کی پہلی دو رکعتیں بالاتفاق فرض ہیں آخری دو رکعتوں کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ وہ بھی مسافر پر فرض ہیں یا نہیں اگر فرض ہیں تو ان کے نہ پڑھنے کا اختیار کیوں فرض ہیں، اختیار نہیں ہوگا، فرض واختیار جمع نہیں ہوتے اور اگر فرض نہیں بلکہ نفل ہیں، تو ایک ایک تحریمہ سے فرض و نفل کی تکبیر تحریمہ علیحدہ ہوتی ہے، نفل کی علیحدہ ایک تحریمہ سے ایک ہی نماز ہو سکتی ہے نہ کہ دو۔

یہ ہر حال یہ اختیار کہ چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار شرعی عقل کے بالکل خلاف ہے نیز جیسے وطن میں چار رکعت ہی فرض ہیں، کم وبیش کا اختیار نہیں ایسے ہی سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں، اختیار نہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر ہم غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اتنے اعتراضات معہ جوابات عرض کیئے دیتے ہیں، جو ان شاء اللہ خود انہیں بھی یاد نہ ہوں گے، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ رب تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاح“ اَنْ تَقْصُرُوْ مِنَ الصَّلٰوۃِ اَنْ یَفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

”اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر فرض نہیں، بلکہ اس کی اجازت ہے کیونکہ ارشاد باری ہوا کہ تم پر قصر میں گناہ نہیں، نہ قصر پڑھنے میں گناہ ہے، نہ قصر نہ پڑھنے میں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت ظاہری معنی سے تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں قصر کے لیئے کفار کے خوف کی شرط ہے، کہ اگر تمہیں کفار سے خوف ہو تو قصر میں گناہ نہیں، اور تم کہتے ہو کہ امن کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے، اب جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ **لَاجُنَاحَ** حاجی کے صفا مروہ کی سعی کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے رب فرماتا ہے۔

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا

”تو جو بیت اللہ کی حج یا عمرہ کرے، اس پر اس میں گناہ نہیں کہ صفا و مروہ کا طواف کرے۔“

حالانکہ صفا مروہ کا طواف حج میں واجب ہے عمرہ میں فرض ایسے ہی سفر میں قصر فرض ہے لاجناح فرضیت کے خلاف نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر سفر میں قصر مباح ہوتا تو قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا کہ تم پر قصر نہ کرنے میں گناہ نہیں، کیونکہ مباح کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کرنے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں ورنہ فرض کام کرنے میں گناہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے لہٰذا کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح ہونے کی دلیل نہیں، فرض واجب بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ زمانہ نبوی ﷺ میں صحابہ کرام کو خیال ہوا کہ بجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھنا گناہ ہوگا کہ یہ نماز ناقص ہے انہیں سمجھانے کے لیئے یہ ارشاد ہوا لہٰذا آیت بالکل واضح ہے تمہارے لیئے مفید نہیں۔

اعتراض نمبر ۲ شرح سنہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قَالَتْ كُلُّ ذَالِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلٰوةَ وَاَتَمَّ

”فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے سب کچھ کیا، قصر بھی کیا اور پوری نماز بھی پڑھی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی سنت ہے اور پوری پڑھنی بھی سنت، صرف قصر فرض نہیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔

ایک یہ کہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن یحیٰی ہے، جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، لہٰذا یہ حدیث بالکل قابل عمل نہیں، دیکھو مرقات شرح مشکوٰۃ اسی حدیث کی شرح۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مخالف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ جلیل القدر صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث خود ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بھی خلاف ہے، جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کی، آپ فرماتی ہیں کہ اولاً نماز دو رکعت فرض ہوئی پھر سفر میں وہ ہی دو رکعتیں فرض رہیں وطن میں بعض نمازوں میں زیادتی کردی گئی، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سفر میں دو رکعتیں فرض بھی ہوں اور کبھی حضور علیہ السلام نے چار رکعت بھی پڑھ لی ہوں، لہٰذا یہ حدیث واجب التاویل ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں لفظ سفر نہیں، یعنی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور ﷺ نے سفر میں قصر و اتمام فرمایا۔ لہٰذا حدیث کے معنے یہ ہیں کہ حضور انور ﷺ نے شروع اسلام میں اولاً قصر یعنی ہر نماز دو دو رکعت پڑھی، پھر جب فرمایا یعنی دو سے زیادہ بعض چار رکعت کردی گئیں اور بعض تین تو حضور ﷺ نے اتمام فرمایا یعنی دو سے زیادہ پڑھیں، اس صورت میں یہ حدیث بالکل واضح بھی ہوگئی اور گذشتہ احادیث کے خلاف بھی نہ رہی۔

پانچویں یہ کہ اگر یہاں حالت سفر میں قصر و اتمام مراد تب بھی مطلب یہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام نے بحالت سفر قصر پڑھی، اور جب کہیں پندرہ دن ٹھرنے کی نیت فرمائی تو اتمام فرمایا اب بھی حدیث بالکل واضح ہے۔

لطیفہ عجیبہ غیر مقلد وہابی ہمیشہ حنفیوں سے مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، مگر جب انہیں خود حدیث پیش کرنا پڑھے تو بخاری مسلم کی ہو یا نہ ہو صحیح ہو یا ضعیف ہر قسم کی حدیث پیش کردینے سے شرم نہیں کرتے۔

یہ حدیث ایسی ضعیف ہے کہ اسے صحاح ستہ نے روایت نہ کیا، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ قصر تو حضور ﷺ اور حضرات خلفائے راشدین سے ثابت ہے اتمام صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنا فعل ہے، چنانچہ امام ترمذی قصر نماز کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقْصُرُ فِى السَّفَرِ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ صَدْرًا

مَنْ خِلاَفَتِهٖ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَكْثَرَ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ

”حضور ﷺ سے صحیح حدیث یہ ہی ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ سفر میں قصر کرتے تھے اور ابوبکر صدیق بھی عمر فاروق بھی حضرت عثمان بھی اپنی شروع خلاف میں اور اس پر ہی اکثر علماء صحابہ وغیرہ کا عمل ہے۔“

اور سفر میں اتمام کے متعلق امام ترمذی نہایت ضعیف طریقے سے فرماتے ہیں۔

وَقَدْ رُوِیَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تُتِمُّ الصَّلٰوةَ فِی السَّفَرِ

”ہاں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔“

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ مرفوع حدیث قابلِ اعتبار ہوتی جو تم نے پیش کی۔ تو امام ترمذی حدیث مرفوع کو چھوڑ کو صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عمل شریف کا ذکر نہ فرماتے۔

پُر لطف بات وہ ہے جو آگے فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلٰى مَا رُوِیَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ

”عمل اس پر ہے جو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے یعنی (قصر)۔“

امام ترمذی کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی قصر واتمام دونوں کا اختیار نہ دیتی تھیں، بلکہ آپ ہمیشہ سفر اتمام فرماتی تھیں، اہل علم نے حضور علیہ السلام کے فعل شریف پر عمل کیا یعنی ہمیشہ قصر پڑھنا۔

اعتراض نمبر۳ نسائی ودار قطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ عُمْرَةِ رَمَضَانَ فَطَرَ وَصُمْتُ وَقَصَرَ وَ اَتْمَمْتُ وَافْطَرْتُ وَصُمْتُ قَالَ اَحْسَنْتِ ی. ا عَائِشَةُ وَمَاعَابَ عَلَیَّ

”فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ رمضان کے عمرہ میں گئی تو آپ نے روزہ نہ رکھا میں نے رکھا آپ نے نماز قصر پڑھی میں نے پوری پڑھی یعنی اتمام کیا، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے قصر کیا، میں نے پوری پڑھی، آپ نے افطار کیا ن، میں نے روزہ رکھا فرمایا اے عائشہ تم نے اچھا کیا مجھ پر اعتراض نہ کیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی جائز ہے اور اتمام بھی۔

جواب یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض غلط اور بناوٹی ہے، کیونکہ حضور انور ﷺ نے کوئی عمرہ رمضان میں نہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے کل چار عمرے کیئے ہیں، جو سب کے سب ذی قعدہ میں تھے، البتہ حجۃ الوداع کے عمرہ کا ۱۱حرام تو ذی قعدہ میں تھا۔ اور افعال عمرہ ذی الحجہ میں ادا ہوئے، خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رمضان کے عمرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا ایسا عجیب اور پیچیدہ مسئلہ ہے جسے وہابی صاحبان ہی حل فرما سکتے ہیں، وہابیو! پہلے اپنے بات عقل کی ترازو میں تولو، بعد کو بولو۔

اعتراض نمبر۴ مسلم وبخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلّٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ بَعْدَ اَبِیْ بَكْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلاَفَتِهٖ ثُمَّ اَنَّ عُثْمَانَ صَلّٰى بِعْدُ اَرْبَعًا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ صَلّٰى اَرْبَعًا وَاِذَا صَلّٰى وَحدَهٗ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ

”فرماتے ہیں حضور ﷺ نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں، ابوبکر صدیق نے ان کے بعد عمر فاروق نے اور عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں، پھر حضرت عثمان نے چار رکعتیں منیٰ میں پڑھیں، حضرت ابن عمر جب امام کے ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے، جب اکیلے پڑھتے تو دو پڑھتے تھے۔“

اگر سفر میں قصر فرض اور اتمام ناجائز ہوتا، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ منیٰ شریف میں اتمام کیوں کرتے؟

جواب اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث آپکے بالکل خلاف ہے، آپ نے تو مسافر کو قصر واتمام کا اختیار دیا ہے، کہ چاہے قصر کرے، چاہے پوری پڑھے، مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے اور حضرت صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما نے ہمیشہ قصر پڑھی حضرت عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں جب قصر پڑھی تو

اتمام نہ کیا پھر جب پوری پڑھنے لگے تو کبھی قصر نہ پڑھی اختیار کسی بزرگ نے نہ دیا، آپ کا یہ اختیار کہاں سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منیٰ شریف میں اتمام کیا عام سفروں میں نہیں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی سفر میں اتمام کے قائل نہ تھے، کسی وجہ خاص سے صرف منیٰ شریف میں اتمام فرماتے تھے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا منیٰ میں اتمام فرمانا اس لیئے نہ تھا کہ آپ قصر و اتمام دونوں جائز مانتے تھے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور تھی، کیا وجہ تھی، اس کے متعلق دو روایتیں ہیں امام ابن حنبل نے روایت کی کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ میں اہل والا ہو گیا ہوں، اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو کوئی کسی شہر میں گھر والا ہو جاوے وہ وہاں مقیم کی نماز پڑھے، چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

اَنَّہٗ صَلّٰی بِمِنٰی اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ فَاَنْکَرَ النَّاسُ عَلَیْہِ فَقَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ تَاَھَّلْتُ بِمَکَّۃَ مُنْذُ قَدِمْتُ وَاِنِّیْ سَمِعْتُ الخ (مرقاۃ. فتح القدیر)

”حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منیٰ شریف میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب سے میں مکہ معظمہ میں آیا، میں گھر والا ہو گیا ہوں۔“

اس روایت سے تین مسئلہ معلوم ہوئے، ایک یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں، ہر سفر میں نہیں، دوسرے یہ کہ عام صحابہ نے آپ کے اس فعل پر اعتراض کیا، جس سے پتہ لگا کہ تمام صحابہ ہمیشہ سفر میں قصر ہی کرتے تھے، اتمام کبھی نہ کرتے تھے، ورنہ آپ پر اعتراض نہ کرتے، تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ آپ کا ایک قسم کا وطن بن گیا، اور اپنے وطن میں اگر کوئی ایک دن کے لیئے بھی جائے تو مقیم ہوگا، اور قصر نہ پڑھے گا، پوری نماز پڑھے گا، لہٰذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل وہابیوں کے اس مسئلہ اختیار سے کوسوں دور ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ زمانہ عثمانی کے نومسلم لوگوں نے حج میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر سمجھا، کہ اسلام میں نمازیں دو دو رکعتیں ہی فرض ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس غلط فہمی کا علم ہوا، تو آپ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیئے صرف منیٰ میں اتمام کیا یعنی چار رکعتیں پڑھیں، چنانچہ عبدالرزاق اور دار قطنی نے ابن جریج سے روایت کی۔

بَلَغَنِیْ اَنَّہٗ اَوْفٰی اَرْبَعًا بِمَعْنٰی فَقَطْ مِنْ اَجَلِ اَنَّ اَعْرَابِیًّا نَادَاہُ فِیْ مَسْجِدِ خَیْفٍ بِمِنٰی یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ مَا زِلْتُ اُصَلِّیْھَا رَکْعَتَیْنِ مُنْذُ بِرَاَیْتُکَ عَامَ الْاَوَّلَ صَلَّیْتُھَا رَکْعَتَیْنِ فَخَشِیَ عُثْمَانُ اَنْ یَظُنَّ جُھَّالُ النَّاسِ الصَّلٰوۃَ رَکْعَتَیْنِ وَاِنَّھَا کَانَ اَوْ فَاھَا بِمِنٰی

”مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منیٰ میں ہی چار رکعتیں پڑھیں کیونکہ ایک دیہاتی نے مسجد خیف میں آپ کو پکار کر کہا کہ میں تو برابر دو رکعتیں ہی پڑھ رہا ہوں جب سے کہ سال گذشتہ میں نے آپ کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا، تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خطرہ پیدا ہوا، کہ جہلاء نماز کی دو رکعتیں ہی سمجھ لیں گے اس لیئے آپ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں۔“

امام احمد اور عبدالرزاق کی یہ دونوں روایتیں اس طرح جمع کی جا سکتی ہیں کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی اس غلط فہمی کا علم ہوا تو آپ نے مکہ معظمہ میں بھی اپنا گھر بار بنا لیا تا کہ آپ یہاں آ کر مقیم ہوا کریں اور نماز پوری پڑھا کریں۔

لہٰذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس فعل شریف سے وہابی غیر مقلد کسی طرح دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵ جیسے شریعت نے مسافر کو روزہ کا اختیار دیا ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مسافر پر سفر میں نہ روزہ رکھنا فرض ہے نہ قضا کرنا فرض ہے ایسے ہی چاہیئے کہ مسافر کو سفر میں نماز کا اختیار ہو کہ چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے، اس پر قصر لازم کر دینا روزے کے اختیار کے خلاف ہے۔

جواب شکر ہے کہ آپ بھی قیاس کے قائل ہو گئے، کہ نماز کے قصر کو روزے کی قضاء پر قیاس کرنے لگے، مقلد حنفی قیاس کو مانیں تو تمہارے نزدیک مشرک ہو جائیں اور آپ قیاس کریں تو پکے توحیدیئے رہیں، افسوس۔

جناب روزہ سفر میں معاف نہیں ہوا، بلکہ مسافر کو روزہ قضا کر دینے کی اجازت ملی ہے اگر سفر میں رکھے تو پورا، اگر قضا کرے تو پورے کی، لیکن فرض نماز سفر میں آدھی معاف ہو گئی ہے کہ چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت باقی رہ گئیں، باقی دو رکعتیں نہ اب پڑھیئے نہ وطن پہنچ کر، معافی اور چیز ہے، تاخیر کی اجازت کچھ اور، لہٰذا نماز کے قصر کو روزے کی، تاخیر پر قیاس کرنا مع الفارق ہے، مسافر پر روزہ معاف نہ ہوا ورنہ اس کی قضا واجب نہ ہوتی، اس پر

روزہ فرض ہے۔

مگر یہ دو رکعتیں اسے معاف ہیں، اس لیئے ان کی قضاء نہیں لہذا یہ رکعتیں اس کے لیئے نفل نہیں، اور نفل نماز فرض کے تحریمہ سے ادا ہونا خلاف قاعدہ شرعیہ ہے۔

مسئلہ مسافر پر فرض ہے کہ وطن میں پہنچتے ہی سفر کے رہے ہوئے روزوں کی قضاء شروع کردے، اگر سفر میں آٹھ روزے قضا ہوگئے پھر وطن پہنچ کر چار دن بعد فوت ہوگیا تو قیامت میں ان چاروں روزوں کی پکڑ ہوگی، باقی چار روزوں کی پکڑ نہیں کہ ان کے قضا کرنے کا وقت ہی نہ پایا، یہ ہی بیمار اور حائضہ عورت کا حکم ہے، کہ شفا پاتے ہی روزوں کی قضاء شروع کردیں۔

اٹھارہواں باب

نماز فجر اوجیالے میں پڑھو

حنفیوں کے نزدیک بہتر یہ ہے، کہ نماز فجر خوب اوراجیالے میں پڑھی جاوے، جب سورج طلوع ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی ہو، تو جماعت کھڑی ہو، مگر غیر مقلدوہابیوں کے نزدیک نماز جفر بالکل اوّل وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہئے، اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

نوٹ ضروری خیال رہے کہ مذہب حنفی میں دو نمازوں یعنی نماز مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سوا تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا افضل ہیں، نماز مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ ایسے ہی سردی کے موسم میں نماز ظہر میں، اگر ہم کو اس کتاب کے طویل ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ہر نماز کی تاخیر پر دلائل قائم کرتے، صرف نماز فجر کی تاخیر پر مکمل بحث کرتے ہیں، تاکہ ناظرین غور کریں، کہ مذہب حنفی کتنا مختار اور مدلل ہے۔

پہلی فصل

نماز فجر میں اوجیالا باعث ثواب ہے

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے، کہ نماز فجر خوب روشنی ہو جانے پر پڑھی جاوے البتہ دسویں ذی الحجہ کو حاجی لوگ مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھیں، اس پر بہت احادیث شاہد ہیں جن میں سے بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا۸ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن حبان، ابوداؤد طیاسی وطبرانی نے کچھ فرق سے حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُ وابالْفَجْرِ فَاِنَّہ' اَعْظَمُ لِلَاجْرِ وَقَالَ التِّرْمَذِیُّ ھٰذَا حَدِیْث'' صَحِیْح''

''وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ نماز فجر خوب اوجیالا کر کے پڑھو، کہ اس کا ثواب زیادہ ہے ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔''

خیال رہے کہ اس حدیث میں اوجیالے کرنے سے مراد خوب اوجیالا کرنا ہے جب کہ روشنی پھیل جاوے، یہ مطلب نہیں کہ فجر یقینا ہو جاوے کیونکہ اس کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں جس اوجیالے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے وہ یہ ہی روشنی ہے جو ہم نے عرض کی۔

حدیث نمبر ۹، ۱۰ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی صَلوٰۃً بِغَیْرِ وَقْتِھَا اِلَّا بِجَمْعٍ وَیُصَلِّیْ صَلوٰۃَ الصُّبْحِ مِنَ الْغَدِ قَبْلَ وَقْتِھَا

''میں نے حضور ﷺ کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سواء مزدلفہ کے کہ وہاں حضور ﷺ نے مغرب وعشاء جمع فرمائی اور اس کی صبح نماز فجر اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ ہمیشہ فجر خوب روشنی میں پڑھتے تھے، مگر مزدلفہ میں دسویں ذوالحجہ کو اندھیرے میں یعنی وقت معتاد سے پہلے اگر حضور ﷺ ہمیشہ ہی اوّل وقت فجر پڑھتے ہوتے تو مزدلفہ میں پہلے پڑھنے کے کیا معنی، کیونکہ اس سے پہلے تو فجر کا وقت ہوتا ہی نہیں۔

خیال رہے کہ مزدلفہ میں کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی، ہاں نماز مغرب عشاء کے وقت میں ادا ہوتی ہے، اور نماز فجر اپنے وقت میں اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ حضور نے نماز فجر وقت سے پہلے یعنی رات میں پڑھی بلکہ روزانہ کے وقت معہود سے پہلے پڑھی اس معنی پر حدیث بالکل واضح ہے۔

حدیث نمبر ۱۱ تا۱۴ ابوداؤد۔ طیالسی، ابن ابی شیبہ، اسحاق ابن رواہویہ، طبرانی نے معجم میں حضرت رافع ابن خدیج سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ یَا بِلَالُ نَوِّرْ بِصَلوٰۃِ الصُّبْحِ حَتّٰی یُبْصِرَ الْقَوْمُ مَوَاقِعَ نَبْلِھِمْ مِنْ الْاِسْفَارِ

''فرماتے ہیں کہ حکم دیا حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے بلال نماز صبح میں اوجیالے کر لیا کرو، یہاں تک کو لوگ اوجیالے کی وجہ

سے اپنے پھینکے ہوئے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے نماز فجر ایسے وقت پڑھنے کا حکم دیا جبکہ تیز انداز اپنے تیر گرنے کی جگہ کا مشاہدہ کر سکے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب خوب روشنی پھیل جاوے۔

حدیث نمبر ۱۵ دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَوَّرَ بِالْفَجْرِ نَوَّرَ اللّٰہُ فِیْ قَبْرِہٖ وقَلْبِہٖ وَقِیْلَ فِیق صَلٰوتِہٖ

"فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جو نماز فجر روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل میں روشنی کرے ایک روایت میں ہے کہ اس کی نماز میں روشنی کرے۔"

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷ طبرانی نے اوسط میں اور بزار ان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ عَلَی الْفِطْرَۃِ مَا اَسْفَرُ بِصَلٰوۃِ الْفَجْرِ

"فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے میری اُمت دین فطرت پر رہے گی جب تک کہ نماز فرج اوجیالے میں پڑھے۔"

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۳ طحاوی۔ بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے تھوڑے فرق سے حضرت یسار ابن سلامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ عَلیٰ اَبِیْ بَرْزَۃَ یَسْئَلُ لَہٗ اَبِیْ عَنْ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَال کَانَ یَنْصَرِزُ مِنْ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ وَالرَّجُلُ یَعْرِفُ وَجْہَ جَلِیْسِہٖ وَکَانَ یَقْرَاءُ فِیْھَا بِالسَّتِّیْنَ اِلَی الْمَائِتِہ

"میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو بزرہ صحابی کے پاس گیا، میرے والد ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز متعلق پوچھتے تے تو انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نماز صبح سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب ہر شخص اپنے ساتھی کا چہرہ پہچان لیتا تھا حالانکہ حضور انور ﷺ ساٹھ سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔"

حدیث نمبر ۲۴ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمٰن ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ کُنَّا نُصَلِّی مَعَ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ فَکَانَ یُسْفِرُ بِصَلٰوۃِ الصُّبْحِ

"فرماتے ہیں کہ ہم عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتے تھے آپ خوب اجیالے میں نماز پڑھتے تھے۔"

حدیث نمبر ۲۵ بیہقی نے سنن کبریٰ میں ابو عثمان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّیْتَ خَلْفَ عُمَرَ اَلْفَجْرَ فَمَا سَلَّمَ حَتّٰی ظَنَّ الرِّجَالُ ذُوْ والْعُقُوْلِ اَنَّ الشَّمْسَ طَلَعَتْ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالُوْا یَا اَمِیْرَالْمُؤْمِنِیْنَ کَاوَتِ الشَّمْس، تَطْلَعُ قَالَ فَتَکَلَّمَ شَیٌٔ لَمْ اَفْھَمْہ، فَقُلْتُ اَیَّ شَیٌٔ قَالَ قَالُوْ لَوا طَّلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِیْنَ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز فجر پڑھی، تو آپ نے نہ سلام پھیرا یہاں تک کہ عقل والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین سورج نکلنے ہی والا ہے، آپ نے کچھ فرمایا جو میں نہ سمجھ سکا میں نے لوگوں سے پوچھا کہ حضرت عمر نے کیا فرمایا لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔"

حدیث نمبر ۲۶ بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلّٰی بِنَا اَبُوْبَکْرٍ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ فَقَرَاءَ آلَ عِمْرَانَ فَقَالُوْا کَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ لَوْطَلَعَتْ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِیْنَ

"فرماتے ہیں کہ ہم کو ابو بکر صدیق نے نماز فجر پڑھائی اس میں سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ سورج نکلنے کے قریب ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔"

حدیث نمبر ۲۷، ۲۸ طحاوی اور ملا خسرو محدث نے اپنی مسند میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا اجْتَمَعَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلیٰ شَیٌٔ کَاِجْتِمَاعِھِمْ عَلَی التَّنْوِیْرِ فِی الْفَجْرِ والتَّعْجِیْلِ فِی الْمَغْرِبِ قَالَ الطَّحَاوِیْ لَا یَصِحُّ اَنْ یَجْتَمِعُوْا عَلیٰ خِلَافِ مَاکَانَ عَلَیْہِ رَسُوْلِ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

''فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق خوب اوجیالاے میں نماز فجر پڑھتے تھے، حتیٰ کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام کا متفقہ عمل اس پر تھا، کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جاوے۔

حدیث نمبر ۲۹ طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ عَلِیًّا یَقُوْلُ یا قَنْبَرُ اَسْفِرْ اَسْفِرْ

''فرماتے ہیں میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے اے قنبر اوجیالا کرو اوجیالا کرو۔''

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب اوجیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ **اَسْفِر** دو بار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ انتیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، اگر زیادہ تحقیق مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ، بہ ہر حال پتہ لگا کہ اوجیالے میں فجر پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ سنتِ صحابہ کرام کا اتفاقی عمل ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اوجیالے میں پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اوجیالا اور روشنی، لہٰذا نماز فجر اوجیالے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہوگا اور اندھیرے میں پڑھنا، نام کے مخالف ہے۔

دوسرے یہ کہ اوجیالے میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے، کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت استنجاء بعض کو غسل وضو کرنا، سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں اوّل وقت فجر کی جماعت کر لینے میں بہت سے لوگ جماعت سے یا تکبیر اولیٰ سے رہ جاتے ہیں اوجیالے میں پڑھنے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکبیر اولیٰ میں شرکت کر سکتے ہیں دیکھو نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ کو دراز قرأت سے اس لیئے منع فرما دیا تھا کہ ان کے مقتدیوں پر بار ہوتی تھی، جس چیز سے جماعت گھٹ جاوے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو، وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ لہٰذا اسفار بہتر ہے۔

تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہوگا۔ اوجیالے میں آسان چنانچہ حضرت عمر کو جب اندھیرے میں عین نماز کی حالت میں شہید کیا گیا تو صحابہ نے فجر میں بہت اوجیالا کرنے کا اہتمام کیا، دیکھو طحاوی شریف صحیح البہاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے، مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر کے دن کی پہلی نماز، مغرب کاروبار بند ہونے کا وقت ہے، فجر کا کاروبار کھلنے کا وقت مغرب نیند کا فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے، ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہوگا اتنا ہی فجر کا جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی، تو جیسے نماز مغرب اوجیالے میں پڑھنا افضل ہے، ایسے ہی نماز فجر اوجیالے میں پڑھنا بہتر ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض وجواب

تاخیر فجر پر اب تک وہابیوں غیر مقلدوں کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہم کو معلوم ہو سکے، وہ ہم تفصیل وار مع جواب عرض کرتے ہیں، اگر بعد میں اور کوئی اعتراض معلوم ہوا تو ان شاء اللہ تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَلِیُّ ثَلٰث'' لَا تُؤَخِّرْھَا اَلصَّلٰوۃُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَھَا کُفُوًا

''کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ، نماز جب اس کا وقت آجاوے، جنازہ جب حاضر ہو، لڑکی کا نکاح جب اس کے لیئے کفو مل جاوے۔''

نیز اسی ترمذی میں سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلٰوةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ وَالْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُ اللّٰهِ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا حضور ﷺ نے کہ نماز کا اوّل وقت رب کی رضا و خوشنودی ہے اور نماز کا آخر وقت اللہ تعالیٰ کی معافی ہے۔“

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اوّل وقت پڑھنی چاہیے، حنفی لوگ فجر دیر میں پڑھ کر رب تعالیٰ کی رضامندی سے محروم ہیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی نماز عشاء اور گرمیوں کی ظہر میں تاخیر مستحب و بہتر جانتے ہو تم بھی خدا کی خوشنودی سے محروم ہو جو تمہارا جواب ہے، وہ ہی ہمارا۔

دوسرے یہ کہ ان حدیثوں میں اوّل وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے نہ کہ مطلق وقت کا اوّل یعنی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہو جاوے تب دیر نہ لگاؤ۔ نماز فجر میں روشنی ہی اوّل وقت ہے جیسے نماز عشاء کے لیئے تہائی رات اول وقت ہے۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم بخاری اور تمام محدثین نے روایت کی کہ حضور ﷺ ہمیشہ نماز فجر غلس یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، لہٰذا حنفیوں کا دیر سے فجر پڑھنا سنّت کے خلاف ہے۔

جواب اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں، ایک یہ کہ غلس کے معنی ہیں، اندھیرا خواہ وقت کے اعتبار سے اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا حضور ﷺ نماز فجر روشنی میں ہی پڑھتے تھے۔ مگر مسجد میں اندھیرا ہوتا تھا، کیونکہ مسجد نبوی شریف ﷺ بہت گہری بنی ہوئی تھی، چھت میں روشندان وغیرہ نہ تھے، اب بھی اگر مسجد میں روشنداں نہ ہوں تو اندر بہت اندھیرا ہے کیونکہ بہت گہری بنی ہوئی ہے صحن دور ہے، اس صورت میں یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔

دوسرے یہ کہ اگر غلس سے صبح کا اندھیرا ہی مراد ہو تو یہ حضور ﷺ کا فعل شریف ہے۔ اور قول شریف وہ ہے، جو ہم پہلی فصل میں بتا چکے ہیں، یعنی حضور ﷺ نے اندھیرے میں فجر پڑھی مگر ہم کو اوجیالے میں پڑھنے کا حکم دیا، اور جب حدیث قولی و فعلی میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قولی کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ فعلی حدیث میں خصوصیت کا احتمال ہے دیکھو سرکار ﷺ نے خود نو بیویاں نکاح میں رکھیں مگر ہم کو چار بیویوں کی اجازت دی۔ ہم حکم پر عمل کر کے صرف چار بیویاں رکھ سکتے ہیں، آپ کے فعل پر عمل نہ کریں گے یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیئے، کہ قول عمل پر راجح ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ عام صحابہ کرام اوجیالے میں فجر پڑھتے تھے حالانکہ انہوں نے حضور ﷺ کا یہ عمل شریف دیکھا تھا، معلوم ہوا کہ حدیث قولی کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتے تھے، دوسری حدیث کو لائق عمل نہ سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کا اندھیرے میں ہونا قیاس شرعی کے خلاف ہے، اوجیالے میں ہونا قیاس کے مطابق لہٰذا اوجیالے والی حدیث کو ترجیح ہوگی، کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے جو مطابق قیاس ہو۔

دیکھو ایک حدیث میں ہے۔ اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ ' آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو واجب ہوتا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے کھانا کھا کر نماز پڑھ لی وضو نہ کیا، پہلی حدیث خلاف قیاس ہے، دوسری مطابق قیاس لہٰذا دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی پہلی حدیث کی تاویل کی گئی کہ وہاں وضو سے مراد کھانا کھا کر ہاتھ دھونا، کلی کرنا ہے، ایسے ہی یہاں تاویل کی جاوے کہ غلس سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے، نہ کہ وقت کا بہر حال ترجیح روشنی کی حدیث کو ہے۔

ھمارا اعلان ہے کہ کوئی وہابی صاحب ایسی مرفوع حدیث پیش کریں جس میں فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو، جیسے ہم نے اوجیالے میں فجر پڑھنے کی ایک دو نہیں، بہت احادیث پیش کر دیں، جن میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

پانچویں یہ کہ اندھیرے کی تمام احادیث بیان جواز کے لیے ہیں اور اوجیالے کی تمام احادیث بیان استحباب کے لیئے، لہٰذا دونوں حدیثیں موافق ہیں، مخالف نہیں، یعنی اندھیرے میں فجر پرھنا جائز ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر عمل فرمایا اور اوجیالے میں فجر پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۳ مسلم و بخاری نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّفَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَایُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ

”فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز صبح سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی مسجد سے واپس ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔“

معلوم ہوا کہ نماز فجر اتنی جلدی شروع کرنا سنت ہے کہ جب ساٹھ یا سو آیتیں پڑھ کر نماز سے فارغ ہو، تو کوئی نمازی اندھیرے کی وجہ سے پہچانا نہ جا

سکے، حنفی اتنا اوجیالا کر کے فجر پڑھتے ہیں، کہ شروع نماز کے وقت ہی لوگ پہچانے جاتے ہیں، ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔

جواب اس کے جوابات اعتراض ۲ کے جواب میں گذر چکے کہ یا تو یہ مسجد کا اندھیرا ہوتا تھا نہ کہ وقت کا، یا اس عمل شریف پر حضور علیہ السلام کے فرمان اور حکم کو ترجیح ہے، وغیرہ، یہاں ایک جواب اور بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ شریف میں عورتوں کو جماعتِ نماز میں حاضری کا حکم تھا، ان کے لحاظ سے نماز فجر جلدی پڑھی جاتی تھی، کہ وہ بیویاں پردہ سے گھر چلی جاویں، پھر عہد فاروقی میں عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا، تو یہ رعایت بھی ختم ہوگئی، عورتوں کو جماعت سے روکنے کی پوری تحقیق اور اس کی وجہ ہماری کتاب اسلامی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

اعتراض نمبر ۴ ترمذی شریف نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ مَا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً لِوَقْتِھَا الْاٰخِرِ مَرَّتَیْنِ حَتّٰی قَبَضَہُ اللّٰہُ

’’فرماتی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے دو دفعہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہ پڑھی یہاں تک کہ رب نے آپ کو وفات دی۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازیں خصوصاً نمازِ فجر اوّل وقت پڑھنا حضور ﷺ کی دائمی سنت ہے، یہ حکم منسوخ نہ ہوا، حضور علیہ السلام نے آخر حیات شریف تک اس پر عمل کیا افسوس کہ حنفی ایسی دائمی سنت سے محروم ہیں، جو حضور علیہ السلام نے ہمیشہ کی۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح بھی نہیں، اور اس کی اسناد متصل بھی نہیں کیونکہ اس حدیث کو اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، اور اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کبھی ملاقات نہ کی، لہٰذا درمیان میں راوی رہ گیا ہے۔ اس لیئے امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ فرمایا۔

قَالَ اَبُوْعِیْسٰی ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَلَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِمُتَّصِلٍ

’’ابو عیسےٰ نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں۔‘‘

اس کے حاشیہ میں ہے۔

لِاَنَّہٗ لَمْ یَثْبُتْ مُلَاقَاۃُ اِسْحٰقَ مَعَ عَائِشَۃَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

’’کیونکہ اسحاق کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہ ہوئی۔‘‘

لہٰذا یہ حدیث قابلِ عمل نہیں، افسوس ہے کہ وہابی ہم سے تو بالکل صحیح اور ٹکسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود ایسی ضعیف اور نا قابل عمل حدیثیں پیش کر دینے میں تامل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے بہت دفعہ نمازیں آخر وقت پڑھی ہیں۔ جب حضرت جبریل نماز کے اوقات عرض کرنے آئے، تو انہوں نے دو دن حضور ﷺ کو نمازیں پڑھائیں، پہلے دن تمام نمازیں اوّل وقت میں، دوسرے دن آخر وقت میں ایک دفعہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے نماز کے اوقات پوچھے تو آپ نے اسے دو دن اپنے پاس ٹھہرایا، ایک دن نمازیں اوّل وقت میں پڑھائیں دوسرے دن آخر وقت، تعریس کی رات میں حضور ﷺ نے فجر کی نماز قضا پڑھی، غزوہ خندق میں حضور علیہ السلام نے کئی نمازیں قضا کر کے پڑھیں، عام طور پر سفر میں حضور ﷺ نماز ظہر آخر وقت اور عصر اوّل وقت پڑھتے تھے، ایسے ہی مغرب آخر وقت عشاء اوّل وقت پڑھتے تھے۔ ایک حضور ﷺ نماز فجر کے لیئے بالکل آخر وقت تشریف لائے، اور بہت جلد فجر پڑھائی، بعد میں فرمایا کہ آج ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے کہ رب تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت ہمارے سینہ اقدس پر رکھا۔ (مشکوٰۃ باب المساجد)

غرضیکہ حضور علیہ السلام نے بارہا نمازیں آخر وقت میں پڑھیں اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کوئی نماز آخر وقت میں دو بار بھی نہ پڑھی لہٰذا یہ روایت نا قابل عمل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے پھر تم عشاء آ کر وقت یعنی تہائی رات گئے پڑھنا مستحب کیوں کہتے ہو اور گرمیوں میں ظہر آخر وقت میں مستحب کیوں۔

اعتراض نمبر ۵ تم نے جو حدیث پیش کی تھی کہ فجر کو اوجیالے میں پڑھو، اس میں اوجیالے سے مراد صبح صادق کی وہ روشنی ہے جس سے وقت فجر آ جانا، یقینی ہو جاوے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر شک کی حالت میں نہ پڑھو، بلکہ یقین ہو جاوے کہ وقت ہو گیا، تب پڑھو، وہاں اسفار سے وہ روشنی مراد نہیں جو حنفیوں نے سمجھی یعنی خوب اوجیالا بہت سے محدثین نے اس حدیث کا یہ ہی مطلب بیان کیا۔

جواب ہر گز نہیں کیونکہ اتنا اوجیالا کرنا تو فرض ہے، شک کی حالت میں نماز فجر پڑھنا جائز ہی نہیں، اور یہاں فرمایا گیا کہ اس اوجیالے کا ثواب زیادہ ہے یعنی یہ اوجیالا مستحب ہے نہ کہ فرض، لہٰذا اس اجالے سے مراد وہ ہی روشنی صبح ہے جس میں فجر پڑھنا مستحب ہے اور جو ہم نے معنے کیئے وہ ہی درست ہیں حدیث سمجھنے کے لیئے تفقہ ضروری ہے۔

انیسواں باب

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

وقت ظہر سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے نصف النہار کے سایہ کے علاوہ دو گنا ہو جاوے، سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ دیر سے پڑھنا، کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہے کچھ ٹھنڈک ہو جاوے سنت ہے مگر غیر مقلد وہابی نماز ظہر چلچلاتی دوپہر میں پڑھ لیتے ہیں اور ایک مثل سایہ کے بعد عصر پڑھ لیتے ہیں، طرح طرح حنفیوں کو بہکاتے ہیں کہ تمہارا مذہب حدیث کے خلاف ہے اس لیئے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات، حنفیوں کو چاہیے کہ اپنے دلائل اور وہابیوں کے جوابات یاد رکھیں۔

پہلی فصل

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

سردیوں میں چونکہ دوپہر ٹھنڈی ہوتی ہے لہذا اس زمانہ میں سورج ڈھلتے ہی ظہر پڑھنی سنت ہے لیکن گرمیوں میں دیر سے پڑھنی سنت جبکہ ٹھنڈک ہو جاوے اور دوپہر کا جوش کم ہو جاوے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۵ بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّا الْحَرُّ فَابْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ وَقَالَ التِّرْمَذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ "حَسَنٌ" صَحِيْحٌ"

"فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

حدیث نمبر ۶ تا ۱۰ ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسلم بخاری نسائی بیہقی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَابْرِدُوْا بِالظُّهْرِ وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ الخ

"فرمایا نبی ﷺ نے گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے، لہذا ظہر ٹھنڈی کرو آگ نے رب کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کیا کہ مولا میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا تو رب نے اس دو سانسوں کی اجازت دی ایک سانس سردی میں ایک سانس گرمی میں۔"

حدیث نمبر ۱۱ نسائی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ

"فرماتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی تھی تو حضور ﷺ ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تھی تو جلد پڑھ لیتے تھے۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ظہر جلد پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۱۲ تا ۱۹ بخاری۔ ابوداؤد۔ ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابوداؤد طیالسی، طحاوی، ابوعوانہ بیہقی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَاَرَادَ الْمُؤَذِّنُ اَنْ يُّؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يُّؤَذِّنَ فَقَالَ اَبْرِدْ حَتّٰى رَاَيْنَا فَيْئَ التُّلُوْلِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ شِدَّ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَابْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ" حسن" صَحِيْحٌ"

"فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے، مؤذن نے ظہر کی اذان دینی چاہی تو حضور ﷺ نے فرمایا ٹھنڈا کرو، پھر انہوں نے اذان کا قصد کیا تو فرمایا ٹھنڈا کرو یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا تو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے، پس جب گرمی تیز ہو تو نماز ٹھنڈی کیا کرو، ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن و صحیح ہے۔"

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی شریف نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ رَایَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَجِّلُھَا فِی الشِّتَاءِ وَیُؤَخِّرُ ھَافِی الصَّیْفِ

''انہوں نے دیکھا نبی ﷺ کو ظہر کی نماز سردیوں میں جلدی پڑھتے تھے اور گرمیوں میں دیر سے پڑھتے تھے۔''

اس کے متعلق اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً انہیں بیس حدیثوں پر اکتفا کرتا ہوں، اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح البہاری، طحاوی وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ۔

خیال رھے کہ نماز جمعہ کا وقت بھی ظہر کی طرح کہ گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے پڑھی جاوے بعض لوگ سخت گرمی میں بھی جمعہ کی نماز بالکل اوّل وقت پڑھ لیتے ہیں یہ خلافِ سنّت ہے غیر مقلد وہابی تو زوال سے پہلے بھی جمع پڑھ لینے سے گریز نہیں کرتے۔

بخاری شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَکَّرَ بِالصَّلٰوۃِ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوۃِ یَعْنِی الْجُمُعَۃُ

''فرماتے ہیں کہ جب سخت ٹھنڈک ہوتی تو حضور ﷺ نماز جلد پڑھتے تھے اور جب گرمی تیز ہوتی تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے یعنی نماز جمعہ۔''

غرضیکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی طرح سردیوں میں جلد اور گرمیوں میں کچھ دیر کر کے گرمی کی تیزی ٹوٹ جانے پر پڑھنی چاہیئے۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نماز ظہر گرمیوں میں ٹھنڈی کر کے پڑھنا چاہیئے کہ تیز گرمی میں ظہر پڑھنا مسلمانوں کی تکلیف کا باعث ہے اس سے جماعت گھٹ جانیکا اندیشہ ہے، کیونکہ گرمیوں میں عام کاروباری لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ یعنی دوپہر کو آرام کرتے ہیں اور دوپہر کی تپش گھر میں گذارنا چاہتے ہیں اگر اس حالت میں نماز ظہر پڑھی جاوے تو وہ لوگ سنت قیلولہ سے بھی محروم رہیں گے اور ان پر اس وقت مسجد کی حاضری گراں بھی پڑے گی ایسے مقعے پر شریعت مطہرہ آسانی کر دیتی ہے۔

ایک یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ تمام جگہ خصوصًا ملک عرب میں ایک مثل سایہ کے بعد دوپہر کی تپش ٹوٹتی ہے ایک مثل تک سخت بھڑک رہتی ہے اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے تو یہ احادیث غلط ہوں گی۔

دوسرے یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز ظہر پڑھی جب ٹیلوں کا سایہ نمودار ہو گیا ایک مثل سایہ کے وقت ٹیلے کے سایہ نمودار نہیں ہوتا کیونکہ پھیلاؤ ے کی وجہ سے اس کا سایہ ایک مثل کے بعد ظاہر ہو سکتا ہے اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے تو یہ حدیث بھی غلط ہوگی۔

تیسرے یہ کہ نماز عصر کا وقت ہمیشہ ظہر کے وقت سے کم ہونا چاہئے اگر ایک مثل پر وقت عصر ہو جایا کرے تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی ظہر سے بڑھ جاوے گا یہ قانون شرعی کے خلاف ہے کیونکہ بخاری شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مرفوع نقل فرمائی کہ حضور انور ﷺ نے اپنے اُمت کی مثال یہود و نصارے کے مقابل اس طرح دی، کہ کوئی شخص کسی مزدور کو صبح سے دوپہر تک ایک قیراط پر رکھے دوسرے کو دوپہر سے نماز عصر تک ایک قیراط پر رکھے تیسرے کو نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک دو قیراط اجرت پر رکھے، پہلے مزدور یہود ہیں دوسرے مزدور نصارٰی اور تیسرے مزدور مسلمان کہ ان کے عمل کا وقت تھوڑا، مزدوری دوگنی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

اَلَا فَاَنْتُمُ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ اِلٰی مَغْرِبِ الشَّمْسِ اَلَا لَکُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ

''خبردار ہو کہ تم ہی وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک کام کرتے ہو تمہاری مزدوری دوگنی ہے۔''

اگر عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا، تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی اس سے زیادہ ہوتا اس صورت میں مسلمانوں کی یہ مثال بیان نہ فرمائی جاتی، لہٰذا نماز عصر کا وقت ظہر سے کم ہونا چاہیئے یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب وہ دو مثل سایہ سے شروع ہو اگر ایک مثل پر عصر شروع ہو جاوے تو بخاری شریف کی یہ حدیث بھی غلط ہو جاتی ہے، اس لیئے ماننا پڑے گا کہ عصر دو مثل پر شروع ہو جاتی ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلدو ہابیوں کے بعض اعتراضات تو وہ ہیں جن کے جوابات ہم اس سے پہلے باب میں دے چکے ہیں، جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز اوّل وقت میں پڑھنا افضل ہے یا جیسے تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ۔ نماز، توبہ، لڑکی کا نکاح بعض اعتراضات ان کے علاوہ ہیں، ہم وہ اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ ابوداؤد۔ ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ایک دراز حدیث روایت کی جس میں ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل نے مجھے دو دو نماز پڑھائی ایک دن ہر نماز اول وقت پڑھی دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

وَصَلّٰی بِیَ الْعَصَرَ حِیْنَ صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٌ مِثْلَہٗ

’’حضرت جبریل نے مجھے پہلے دن عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہوگیا۔‘‘

اس حدیث سے معلوم ہوا کے عصر کا وقت ایک مثل سایہ پر شروع ہو جاتا ہے اور ظہر کا وقت اس سے پہلے نکل جاتا ہے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اسی حدیث میں ایک جگہ یہ بھی ہے

فَلَمَّا کَانَ الْغَدُ صَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلُہٗ

’’جب دوسرا دن ہوا تو مجھے حضرت جبریل نے نماز ظہر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہوگیا۔‘‘

فرمایئے پہلے دن ایک سایہ پر نماز عصر پڑھائی اور دوسرے دن خاص اس ہی وقت نماز ظہر پڑھائی، حالانکہ وقت عصر، ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے اگر ایک مثل سایہ پر وقت عصر داخل ہو جاتا ہے تو دوسرے دن اسی وقت نماز ظہر کیوں پڑھائی گئی، دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اسی جگہ یہ الفاظ ہیں۔

وَصَلَّ بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلَیْہِ ’’اور دوسرے دن مجھے نماز عصر جب پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہوگیا۔‘‘

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر کا آخری وقت دو مثل سایہ ہے حالانکہ آخری وقت سورج کا غروب ہے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث میں اوّل دن کی نماز عصر میں صرف ایک مثل سایہ کا ذکر ہے اور دوسرے دن کے آخر عصر میں دو مثل سایہ کا ذکر ہے اصل سایہ کے علاوہ ہونا چاہیئے تو جو تمہارا جواب ہے، وہ ہمارا۔ چوتھے یہ کہ اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضور کو ایک مثل سایہ پر نماز عصر پڑھادی گئی اور جو حدیثیں ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں ان میں ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے گرمی میں نماز ظہر ٹھنڈی کر کے اور ٹیلے کا سایہ پڑ جانے پر ادا فرمائی جو ایک مثل کے بعد ہوتا ہے تو حدیثیں آپس میں متعارض ہوئیں لہٰذا ہماری پیش کردہ حدیثوں کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہ قیاس شرعی کے مطابق ہیں اور یہ حدیث قابل عمل نہیں کیونکہ قیاس شرعی کے خلاف ہے تعارض کے وقت حدیث کو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ حضرت جبریل کا یہ عمل پہلے واقع ہوا کیونکہ شب معراج کی صبح کو ہوا جب کہ نماز فرض ہی ہوئی تھی اور حضور ﷺ کا عمل جو ہم ثابت کر چکے ہیں یعنی ٹھنڈک میں نماز پڑھنا بعد کا عمل ہے لہٰذا تمہاری پیش کردہ حدیث منسوخ ہے ہماری پیش کردہ احادیث اس کی ناسخ اس لیئے یہ حدیث قابل عمل نہیں۔

چھٹے یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ یقینی چیز شک سے زائل نہیں ہوسکتی یقین کو یقین ہی دفعہ کرسکتا ہے اس قاعدہ پر صدہا مسائل نکالے گئے ہیں، سورج ڈھلنے سے وقت ظہر یقیناً آگیا اور ایک مثل سایہ پر اس وقت کا نکلنا مشکوک ہے، تو اس شک سے وقت ظہر نہ نکلے گا اور وقت عصر داخل نہ ہوگا دو مثل پر ظہر کا نکل جانا یقینی ہے لہٰذا یہ ہی حکم قابل عمل ہے نہ کہ تمہارا قول۔

اعتراض نمبر ۲ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ نماز ظہر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ فرش بہت گرم ہوتا تھا ہم اس پر سجدہ نہ کرسکتے تھے اسی لیئے سجدے کی جگہ کپڑا یا ٹھنڈی بجری رکھتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر گرمیوں میں بھی اوّل وقت ہی پڑھنی چاہیے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک ہی کہ یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جن میں گرمیوں کی ظہر کی تاخیر کرنے ٹھنڈی کرنے کا حکم ہے، اور وہ حدیثیں قیاس شرعی کے مطابق لہٰذا وہ ہی قابل عمل ہیں یہ حدیث ناقابل عمل یا منسوخ ہے۔

دوسرے یہ کہ فرش کی گرمی خصوصاً ملک عرب میں بہت دیر تک یعنی ایک مثل سایہ کے بعد تک رہتی ہے، یہ گرمی پہلے کی ہوتی تھی وقت ٹھنڈا ہو چکا تھا لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے بالکل خلاف نہیں جن میں ٹھنڈک کا حکم ہے، جہاں تک ہوسکے احادیث میں مطابقت کی جاوے۔

اعتراض نمبر ۳ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ عصر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ بعد نماز عصر اونٹ ذبح کرکے بوٹیاں بنا کر بھون کر آفتاب ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ نماز عصر کے بعد تین میل مسافت طے کر کے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے اور ابھی سورج چمکتا ہوتا تھا جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے پڑھی جاتی تھی کیونکہ دو مثل کے بعد اتنا وقت نہیں بچتا کہ یہ کام کیئے جاویں۔ (عام وہابی)

جواب یہ تمام حدیثیں درست ہیں مگر آپ کا یہ مذکورہ نتیجہ نکالنا غلط۔ دو مثل کے بعد عصر پڑھ کر تین میل فاصلہ بخوبی طے ہوسکتا ہے اہل عرب بہت تیز رفتار ہیں ہمارے ہاں بھی بعض لوگ دس منٹ میں ایک میل چل لیتے ہیں تین میل آدھ گھنٹے میں چلے جاتے ہیں، عصر کا وقت بعض زمانہ میں دو گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے ایسے ہی اونٹ کا ذبح کرلینا اور بھون کر کھالینا غروب آفتاب سے پہلے ہوسکتا ہے اہل عرب ذبح اور گوشت صاف کرنے پکانے میں بہت ہی پھرتیلے ہوتے ہیں جیسا کہ تجربہ ہے۔

اعتراض نمبر ٤ مسلم بخاری میں حضرت سہل ابن سعد سے روایت ہے۔

قَالَ مَاکُنَّا نَقِیْلُ وَلَا نَتَغَدّٰی اِلَّا بَعْدَالْجُمْعَۃِ ”ہم صحابہ نہیں قیلولہ کرتے تھے، نہ ناشتہ کھاتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سخت گرمی میں بہت جلد پڑھنی چاہیئے کہ دوپہر کا آرام بلکہ صبح کا ناشتہ بھی بعد نماز کا جاوے، پھر تم کیسے کہتے ہو کہ گرمیوں میں جمعہ ٹھنڈا کر کے پڑھو۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ نماز جمعہ ناشتہ اور قیلولہ یعنی دوپہر کے آرام سے پہلے پڑھی جاوے تو چاہیئے کہ فجر کے بعد فوراً جمعہ پڑھ لیا جاوے کیونکہ ناشتہ تو بالکل سویرے ہوتا ہے تم بھی اتنی جلدی جمعہ پڑھ لینے کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ کے دن جمعہ کی تیاری کی وجہ سے نماز سے پہلے نہ ناشتہ کرتے تھے نہ دوپہر کا آرام بعد نماز یہ سب کچھ کرتے تھے یعنی نماز کی وجہ سے ناشتہ اور آرام پیچھے کر دیتے تھے، نہ کرنا ناشتہ اور آرام کی وجہ سے جمعہ پہلے پڑھ لیتے تھے جیسا کہ تم سمجھے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث میں سردیوں کے جمعہ کا ذکر ہے کہ اس زمانہ میں دن چھوٹا ہوتا ہے دوپہر میں گرمی نہیں ہوتی اس لیئے سورج ڈھلتے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے دوپہر کھانا اور آرام بعد جمعہ کرتے تھے اب بھی مدینہ والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ الْجُمْعَۃَ حِیْنَ تَزُوْلُ الشَّمْسُ

”حضور ﷺ آفتاب ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔“

لہٰذا اس مذکورہ حدیث کے معنی یہ نہیں کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے پڑھ لی جاتی تھی چونکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی نائب ہے لہٰذا ظہر کے وقت میں ہی ادا ہوگی اور گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے سردیوں میں سورج ڈھلتے ہی پڑھی جاویگی ظہر کی طرح اب احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

بیسواں باب

آذان وتکبیر کے الفاظ

شریعت میں آذان واقامت کے (تکبیر) الفاظ اور احکام تقریباً یکساں ہیں' جو الفاظ آذان کے ہیں' وہ ہی تکبیر کے صرف حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ دوبار زیادہ' ترجیع نہ آذان میں ہے' نہ اقامت میں' آذان کے کل پندرہ کلمے ہیں، اور اقامت کے سترہ کلمے جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کی آذان بھی اس آذان سے علیحدہ ہے اور اقامت بھی اس اقامت کے سوا ہے، وہ اذان کی دونوں شہادتوں کو دو دو بار کی بجائے بجائے چار چار بار کہتے ہیں، اولاً دو بار آہستہ پھر بلند آواز سے اسے ترجیع کہتے ہیں' یعنی پہلے **اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ** آہستہ کہتے ہیں پھر چیخ کر ایسے ہی **اشهدان محمد رسول الله** کو اس حساب سے ان کے نزدیک اذان کے کلمات پندرہ کے بجائے انیس ہیں اور اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک بار کہتے ہیں اس طرح کہ دونوں شہادتیں اور **حی علی الصلوٰۃ** اور **حی علی الفلاح** ایک ایک بار ان کے نزدیک اقامت کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہیں' اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی اذان و اقامت وہ ہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے لعن طعن کرتے ہیں اور اس ذات کریم کو گالیاں دیتے ہیں، پہلی فصل میں اس مروجہ اسلامی اذان کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات اللہ رسول قبول فرماوے۔

پہلی فصل

موجودہ آذان واقامت کا ثبوت

حق یہ ہے کہ آذان اقامت کے کلمات دو دو ہیں، نہ آذان میں ترجیع ہے، نہ اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک پہلی تکبیر چار بار آخر میں کلمہ **لا اله الا الله** ایک بار باقی تمام الفاظ دو دو دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ا تا ٦ ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان بیہقی۔ دار قطنی نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی

اَنَّه قَالَ كَانَ الاَذَانُ عَلٰى عَهدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ مَرَّتَين مَرَّتَين. وَالاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيرَ اَنَّه يَقُولُ قَد قَامتِ الصَّلوٰة الخ

''وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور تکبیر ایک ایک بار اس کے سواء کے تکبیر میں **قد قامت الصلوٰۃ** بھی کہتے تھے۔''

اس حدیث کے متعلق ابن جوزی جیسے ناقد فرماتے ہیں۔

هٰذااِسنَادٌ'' صَحِيحٌ'' سَعِيدُ المُقبَرِىُّ وَ ثَّقَه اِبنُ حَبَّانٍ وَغَيرُه (بهارى)

''یہ اسناد صحیح ہے۔ سعید المقبر ای کی ابن حبان نے توثیق کی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں ترجیع نہیں ورنہ اذان کے کلمات دو دو نہ ہوتے شہادتیں چار چار بار ہوتیں، اقامت کے ایک بار ہونے کا جواب دوسری فصل میں عرض کیا جاویگا۔

حدیث نمبر ۷ طبرانی نے معجم اوسط میں ابو محذورہ موذن رسول اللہ ﷺ کے پوتہ حضرت ابراہیم بن اسماعیل ابن عبدالمالک ابن ابی محذورزہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعتُ جَدِّى عَبدَ المَلِكِ ابنَ اَبِى مَحذُورَةَ يَقُولُ اَنَّه سَمِعَ اَبَاه اَبَا مَحذُورَةَ يَقُولُ اَلْقَى عَلَىَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ الاَذَانَ حَرفاً حَرفاً اَللهُ اَكبَرُ اللهُ اَكبَرُ اِلىٰ آخِرِهٖ وَلَم يَذكُر فِيهِ تَرجِيعاً .

''فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا عبدالملک ابن ابی محذورہ کو سنا وہ فرماتے ہیں تھے' کہ انہوں نے اپنے والد ابو محذ فرماتے سنا کہ حضور انور ﷺ نے مجھے اذان کا ایک ایک لفظ بتایا' **اللہ اکبر اللہ اکبر** آخر تک اس میں ترجیع کا ذکر نہ فرمایا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے' کہ آذان میں ترجیع کا حکم حضور ﷺ نے دیا لہذا ترجیع سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۸، ۹ ابن ابی شیبہ۔ ترمذی نے حضرت ابن ابی یسلی تابعی سے کچھ اختلاف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ عَبْدُ ا للهِ ابْنُ زَيْدِ الْا نْصَارِىّ مُؤذّنُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يَشْفَعُ الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ ،

فرماتے ہیں، کہ عبداللہ ابن زید انصاری حضور ﷺ کے مؤذن اذان اور تکبیر دو۲ دو۲ بار کہتے تھے۔

اس حدیث سے مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ اذان ترجیع نہیں، دوسرے یہ کہ اقامت یعنی تکبیر کے کلمات دو۲ دو۲ بار کہے جاویں، نہ کہ ایک ایک بار۔

حدیث نمبر ۱۰ بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنّہٗ كَانَ يَقُوْلُ الْاَذَانُ مَثْنىٰ مَثْنىٰ وَالْاِقَامَةُ مَثْنىٰ مَثْنىٰ وَمَرَّ بِرَجُلٍ يُقِيْمُ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ اجْعَلْهَا مَثْنىٰ مَثْنىٰ لَا اُمَّ لَكَ

”آپ فرماتے تھے کہ آذان بھی دو دو بار ہے تکبیر بھی دو دو بار اور آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ایک شخص پر گذرے جو اقامت ایک ایک بار کہہ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا اسے دو دو بار کر تیری ماں نہ رہے۔“

حدیث نمبر ۱۱ ابوداؤد شریف نے حضرت معاذ ابن جبل سے ایک طویل حدیث بیان فرمائی جس میں عبداللہ ابن زید انصاری کی خواب کا واقعہ مذکور ہے‘ جو انہوں نے اذان کے متعلق دیکھی تھی‘ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا، کہ میں نے فرشتے کو خواب میں دیکھا جس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے اَللهُ اَكْبَرُ اَللهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ الخ کہا پھر کچھ ٹھہر کر آذان کی طرح تکبیر بھی کہی الخ

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَقِّنْهَا بِلَالاً فَاَذَّنَ بِهَا

راوی کہتے ہیں، کہ حضور نے عبداللہ سے فرمایا کہ یہ آذان حضرت بلال پر تلقین کرو، پس حضرت بلال نے اذان انہی کلمات سے دی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ تو خواب والے فرشتے نے آذان میں ترجیع کی تعلیم دی نہ اسلام کی پہلی اذان میں ترجیع تھی جو حضرت بلال نے حضور کی موجودگی میں عبداللہ ابن زید کی تعلیم سے کہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اقامت بھی آذان کی طرح دو دو بار ہے۔ لیکن اس میں **قد قامت الصلوٰۃ** بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲، ۱۳ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی سے روایت کی۔

قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ اَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ زَيْدِ الْاَنْصَارِىَّ جَاءَ اِلَى النَّبِىِّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ رَاَيْتُ فِى الْمَنَامِ كَاَنَّ رَجُلاً قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ فَقَامَ عَلٰى حَائِطٍ فَاَذَّنَ مَثْنىٰ مَثْنىٰ وَاَقَامَ مَثْنىٰ مَثْنىٰ

”فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور ﷺ کے بہت صحابہ نے خبر دی کہ عبداللہ ابن زید انصاری حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا، جیسے ایک مرد کھڑا ہوا اس پر دو سبز کپڑے ہیں۔ پس وہ دیوار پر کھڑا ہوا اور اذان بھی دو دو بار دی، تکبیر بھی دو دو بار کہی۔“

خیال رہے کہ اذان کی تعلیم رب تعالیٰ نے صحابہ کرام کو خواب میں فرشتہ کے ذریعہ دی اس خواب میں نہ تو اذان میں ترجیع ہے، نہ اقامت ایک ایک بار معلوم ہوا کہ حنفی آذان و تکبیر وہ ہے، جس کی رب نے تعلیم دی۔

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۶ دار قطنی، عبدالرزاق، طحاوی شریف نے حضرت اسود ابن یزید سے روایت کی۔

اَنَّ بِلَالاً كَانَ يُثَنِّى الْاَذَانَ وَيُثَنِّى الْاِقَامَةَ وَكَانَ يَبْدَاءُ بِالتَّكْبِيْرِ وَيَخْتِمُ بِالتَّكْبِيْرِ

”بے شک حضرت بلال اذان بھی دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت بھی دو دو بار ان دونوں کو تکبیر سے ہی شروع کرتے تھے تکبیر پر ہی ختم کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۷ طبرانی نے اپنی کتاب مسند الشامین میں حضرت جنادہ ابن ابی امیہ سے روایت کی۔

عَنْ بِلَالٍ اَنَّہٗ كَانَ يَجْعَلُ الْاَذَانَ وَ الْاِقَامَةَ سَوَاءً“ مَثْنىٰ مَثْنىٰ

”وہ حضرت بلال سے روایت کرتے ہیں، کہ وہ آذان و اقامت دونوں برابر کہتے تھے یعنی دو دو بار۔“

حدیث نمبر ۱۸ دار قطنی نے حضرت ابو جحیفہ سے روایت کی۔

اَنَّ بِلَالًا کَانَ یُؤَذِّنُ لِلنَّبِیِّ ﷺ مَثْنٰی مَثْنٰی وَیُقِیْمُ مَثْنٰی مَثْنٰی

حضرت بلال حضور انور ﷺ کے سامنے اذان دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت دو دو بار۔

حدیث نمبر ۱۹ طحاوی نے حضرت حماد ابن ابراہیم سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ ثَوْبَانُ یُؤَذِّنُ مَثْنٰی مَثْنٰی ”حضرت ثوبان اذان دو دو بار بلکہ تھے۔“

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی نے حضرت عبید مولیٰ سلمہ ابن اکوع سے روایت کی۔

اَنَّ سَلْمَةَ ابْنَ الْاَکْوَعِ کَانَ یُثَنِّی الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ ”واقامت دو۲ دو۲ بار کہتے تھے۔“

ہم نے یہ بیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح البہاری، طحاوی شریف وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ ان احادیث سے حسب ذیل چیزیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ عبداللہ ابن زید ابن عبداللہ ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی خواب جو اسلامی اذان کی اصل ہے اس میں نہ تو ترجیع کا ذکر ہے نہ اقامت ایک ایک بار کا، بلکہ وہ ہی اذان وتکبیر مذکور ہے۔ جو عام طور پر رائج ہے۔

۲۔ فرشتے نے جو اذان کی تعلیم دی، اس میں ترجیع بھی نہیں، اور اقامت ایک ایک بار بھی نہیں، وہ ہی ہماری اذان ہے۔

۳۔ حضور ﷺ کے مشہور موذن حضرت بلال، حضرت ثوبان وغیرہم ہمیشہ وہ ہی اذان واقامت دیتے تھے جو عام مسلمانوں میں مروج ہے یعنی حنفی اذان واقامت۔

۴۔ جلیل القدر صحابہ وتابعین جیسے حضرت علی، عبداللہ ابن عمر، سلمہا بن اکوع، عبد ابن زید ابراہیم نخعی، حضرت عبید، ابو جحیفہ وغیرہم رضی اللہ عنہم یہ ہی اذان کہتے اور کہلواتے تھے جو مروجہ ہے، ترجیع یا اقامت ایک ایک بار کے قائل نہ تھے۔

۵۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک ایک اقامت کہنے والے پر ناراض ہوتے تھے دو دو بار کہلواتے تھے، اگر ترجیع یا اقامت ایک بار سنت ہوتی، تو یہ حضرات جو مزاج شناس رسول سنت کے متبع، بدعت سے متنفر تھے، انہوں نے اس کو کیوں ترک کیا، اور کرنے والوں کو کیوں روکا اور ان پر کیوں ملامت کی۔

عقل کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ اذان کی شہادتوں میں ترجیع نہ ہو، کیونکہ اذان میں اصل چیز **صلوٰۃ** اور **فلاح** ہے، کہ اذان نمازی کے ارکان ودعوت کے لئے ہے، باقی کلمات تکبیر وشہادت وغیرہ برکت یا تمہید یا نمازی ترغیب کے لئے ہیں، جب صلوٰۃ اور فلاح میں تکرار اور ترجیع نہیں جو اصل اذان ہے تو ان کلمات میں بھی ترجیع نہ ہونی چاہیے۔ جو اس کے تابع ہیں۔

دوسرے یہ کہ آذان کا مقصد ہے، نماز کی عام اطلاع اس لئے اذان بلند مقام پر اونچی آواز سے کہنی چاہئے، مقصد اذان کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا ہر کلمہ بلند آواز سے چاہئے دیکھو اذان کے اوّل میں تکبیر چار دفعہ کہی جاتی ہے۔ مگر چاروں بار خوب اونچی سے اگر شہادتیں بھی چار دفعہ ہوتیں تو چاروں بار اونچی آواز سے ہوتیں۔

تیسرے یہ کہ اقامت اذان ہی کی طرح ہے، حتیٰ کہ اسے بعض احادیث میں اذان فرمایا گیا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **بَیْنَ کُلِّ اَذَانَیْنِ صَلٰوۃٌ**“ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی آذان واقامت کے درمیان ہاں فرق صرف **قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ** کا ہے، کہ اقامت میں ہے اذان میں نہیں، تو چاہیئے کہ اقامۃ کے الفاظ بھی اذان کی طرح دو دو بار ہوں۔ چوتھے یہ کہ اذان میں بعض الفاظ مکرر آئے ہیں، کہ اوّل میں بھی میں آخر میں بھی جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں، کہ اوّل میں بھی میں آخر میں جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں، کہ صرف ایک جگہ آئے جیسے **صلوۃ فلاح**، جو الفاظ مکرر ہیں وہ پہلی بار دو گنے ہیں، دوسری بار اس کے نصف تکبیر پہلی چار دفعہ ہے اور پچھلی بار دو دفعہ، شہادت توحید پہلی بار دو دو دفعہ ہے تو آخر بار ایک دفعہ۔ تو چاہیئے کہ تکبیر میں بھی ایسا ہی ہو۔ لہذا حنفی اذان واقامت جو آج عام مسلمانوں میں رائج ہے بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہے۔ اس پر طعن کرنا جہالت اور حماقت ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات

حنفی اذان واقامت پر غیر مقلد وہابی اب تک جو اعتراضات کر سکے ہیں اور جن کی اطلاع ہم کو پہنچی ہے' وہ تمام مع جوابات عرض کرتے ہیں' اگر آئندہ اور نئے اعتراضات ہمارے علم میں آئے تو انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں ان کے جوابات میں عرض کر دیئے جائیں گے۔

اعتراض نمبر ۱ مسلم شریف نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے پوری اذان کی حدیث نقل کی' کہ حضور ﷺ نے انہیں بنفس نفیس اذان کی تلقین فرمائی' اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ : اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

''دونوں شہادتوں کے بعد پھر بولو اور کہو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الخ''

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور ﷺ نے حضرت ابو محذورہ کو اذان کی شہادتیں میں ترجیع سکھائی، اذان میں ترجیع سنت ہے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایات سخت متعارض ہیں اس حدیث میں تو وہ ترجیع کا ذکر فرماتے ہیں، اور ان ہی کی جو روایت ہم پہلی فصل میں بحوالہ طبرانی پیش کر چکے ہیں اس میں ترجیع کا ذکر بالکل نہیں، طحاوی شریف نے انہیں ابی محذورہ سے جو حدیث نقل کی اس میں اول اذان میں بجائے چار کے دوبار تکبیر کا ذکر ہے۔ لہذا ابو محذورہ کی روایت تعارض کی وجہ سے نا قابل عمل ہے جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابو محذورہ کی یہ ترجیع والی حدیث تمام ان مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، جن میں ترجیع کا ذکر نہیں، لہذا وہ احادیث مشہورہ قابل عمل ہیں۔ نہ کہ یہ حدیث واحد۔

تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کے مشہور مؤذن حضرت بلال اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں انہوں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں اور بعد میں کبھی اذان میں ترجیع نہ فرمائی۔ لہذا ان کا عمل زیادہ قابل قبول ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں ابو محذورہ کو عام صحابہ نے ترک کر دیا۔ ان کا عمل ترجیع پر نہ تھا۔ بلکہ ترجیع کے خلاف تھا۔ لہذا وہ ہی زیادہ قوی ہے۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث ابو محذورہ قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے مطابق، لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

چھٹے وہ جواب ہے جو عنائیہ شرح ہدایہ نے دیا کہ سیدنا ابو محذورہ کو زمانہ کفر میں توحید و رسالت سے سخت نفرت تھی اور حضور ﷺ کی بہت مخالفت، جب یہ اسلام لائے اور حضور ﷺ نے انہیں اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے شرم کی وجہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ آہستہ آہستہ کہا۔ بلند آواز سے نہ کہا، تو حضور ﷺ نے انہیں دوبارہ بلند آواز سے یہ کلمات ادا کرنے کا حکم دیا یہ دوبارہ کہلوانا، اس وقت تھا۔ تعلیم کے لئے اور شرم دور کرنے کے لئے، لہذا یہ حکم عارضی ہے۔ جیسے اگر آج کوئی شخص آہستہ آہستہ اذان کہدے۔ تو دوبارہ بلند آواز سے کہلوائی جاتی ہے۔ اس صورت میں ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہماری پہلی فصل کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

ساتویں وہ جواب ہے جو فتح القدیر نے دیا کہ حضرت ابو محذورہ نے یہ دونوں شہادتیں بغیر مدّ کے کہدی تھیں، اس لئے دوبار مد کے ساتھ کہلوائیں۔

بہر حال یہ ترجیع ایک خصوصی واقعہ تھا۔ نہ کہ سنّتِ اسلام۔

اعتراض نمبر۲ ابوداؤد، نسائی اور دارمی نے حضرت ابو محذورہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ عَلَّمَہٗ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشْرَۃَ کَلِمَۃً وَّالْاِقَامَۃَ سَبْعَ عَشْرَۃَ کَلِمَۃً

”بے شک نبی ﷺ نے انہیں اذان ۱۹ کلمے اور تکبیر ۱۷ کلمے سکھائے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمے انیس ہیں، یہ ترجیع سے ہی بنتے ہیں، اگر اذان میں ترجیع نہ ہو، تو کل پندرہ کلمے ہیں۔ لہذا ترجیع اذان میں چاہیے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ جبکہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس حدیث سے اذان میں ترجیع ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت کے کلمات دو دو بار ہیں۔ اگر تمہاری طرح ایک ایک بار کلمات ہوتے تو اس کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہوتے، کیا آدھی حدیث پر ایمان لاتے ہو آدھی کے انکاری ہو۔

ترجیع اذان کے تمام وہ جوابات ہیں جو اعتراض ۱ کے ماتحت گذر گئے، کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو محذورہ کو ترجیع ایک خاص وجہ سے تعلیم دی تھی وغیرہ۔

اعتراض نمبر۳ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ذَکَرُوْا النَّاقُوْسَ فَنَکَرُوْا الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰی فَاُمِرَ بِلَال" اَنْ یُّشْفَعَ الْاَذَانَ وَ یُوْتِرَ الْاِقَامَۃَ

”فرماتے ہیں کہ صحابہ نے اعلانِ نماز کے لئے آگ اور ناقوس کی تجویز کی تو یہود و عیسائیوں کا ذکر بھی کیا کہ وہ بھی ان چیزوں سے اعلان عبادت کرتے ہیں تو حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان دو دو بار کہیں اور اقامت ایک ایک بار۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاویں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ اقامت کے سارے کلمات ایک ایک بار ہوں۔ مگر تم کہتے ہو کہ اقامت میں اوّلاً تکبیر چار بار ہو۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ دو بار ہو، پھر تکبیر دو بار ہو لہذا جو جواب تمہارا ہے وہ ہی ہمارا۔ اگر کہو کہ دوسری حدیثوں میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کو دو بار کہنے کا حکم ہے حنفی کہینگے کہ دوسری احادیث میں یہ بھی ہے کہ اقامت کے تمامی کلمات دو بار کہے جاویں وہ احادیث قابل ذکر نہیں بلکہ فرمایا گیا کہ جب صحابہ نے آگ یا ناقوس کے ذریعہ اعلان نماز کا مشورہ کیا اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ اس میں یہود و نصارے سے مشابہت ہے۔ اسلامی اعلان ان کے خلاف چاہیے تو فوراً ہی حضرت بلال کو اذان یعنی اعلانِ نماز مراد ہے جو محلّہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جماعت مسجد والوں کو جمع کرنے کے لئے کیا جاوے کہ آ جاؤ جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلان ایک ہی بار کافی تھا۔ اس لئے بار کا ذکر ہوا، پھر اس کے بعد عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا، جس سے مروجہ اذان شرعی اذان مراد نہیں بلکہ لغوی اذان یعنی اعلانِ نماز مراد ہے جو محلّہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جماعت مسجد والوں کو جمع کرنے کے لئے کیا جاوے کہ آ جاؤ جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلان ایک ہی بار کافی تھا۔ اس لئے ایک بار کا ذکر ہوا، پھر اس کے بعد عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مروجہ اذان و اقامت قائم کی گئی۔ وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے۔ تیسرے یہ کہ حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مروجہ اذان و اقامت قائم کی گئی وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب میں فرشتے نے جو اقامت کی تعلیم دی اس میں الفاظ و اقامت دو دو بار ہیں۔ اور وہ خواب ہی اذان و اقامت کی اصل ہے۔ لہذا وہ ہی روایت قابلِ عمل ہے۔ دوسری روایات جو اسکے خلاف ہیں واجب التاویل ہیں یا نا قابل عمل۔ خیال رہے کہ یہ خواب صرف حضرت عبداللہ کی نہیں بلکہ ان کے علاوہ سات صحابہ نے یہ ہی خواب دیکھا۔ گویا یہ حدیث متواتر کے حکم میں ہوگئی۔

چوتھے یہ کہ روایات کا اسی پر اتفاق ہے، کہ حضرت بلال اور ابن ام مکتوم نے اذان میں ترجیع اپنے آخر دم تک نہ کی۔ دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، نیز ان بزرگوں کی اقامت میں اقامت کے کلمات دو دو ہی رہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت بلال جیسے مشہور مؤذن حضرت ابن ام مکتوم اپنی ساری عمر نہ تو میں ترجیع کریں نہ تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہیں، حالانکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حکم دیا ہو۔ لہذا ترجیع وغیرہ کی ساری روایتیں واجب التاویل ہیں۔ پانچویں یہ کہ یہ روایات قیاس شرعی کے مخالف ہیں اور ہماری پیش کردہ احادیث کے موافق، لہذا انہیں کو ترجیع ہوگی جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیع ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْہُ النَّارُ آگ کی پکی چیز استعمالنے سے وضوء واجب ہے۔ دوسری روایت میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر نماز پڑھی، وضو نہ فرمایا ان احادیث میں تعارض ہوا، تو قیاس کی وجہ سے دوسری حدیث کو ترجیع ہوئی اب کوئی نہیں کہتا کہ کھانا کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ کلّی قانون ہے۔

اکیسواں باب

متنفل کے پیچھے فرض نماز

مسئلہ شرعی یہ ہے نفل والے کے پیچھے فرض نماز ادا نہیں ہوتی، ہاں فرض والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے، فرض نماز میں یہ بھی ضروری ہے کہ امام بھی فرض پڑھ رہا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ امام و مقتدی دونوں ایک ہی نماز پڑھیں، ظہر والا عصر والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔

نوٹ ضروری۔ بالغ مسلمان کی کوئی نماز نابالغ بچے کے پیچھے جائز نہیں، نہ فرض نہ تراویح نہ نفل، کیونکہ بچے پر نماز فرض نہیں محض نفل ہے، اور بچے کی نفل شروع کرنے کے بعد بھی نفل ہی رہتی ہے۔ اگر بچہ نفل شروع کر کے توڑ دے تو اس پر اس کی قضا ضرور نہیں لیکن بالغ کی شروع ہو کر ضروری ہو جاتی ہے۔ کہ اگر توڑ دے تو قضاء لازمی ہے، اس لئے بالغ کوئی نماز بچہ کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا، مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک یہ سب جائز ہے۔
اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز ناجائز ہے

فرض نماز نفل والے کے پیچھے ادا نہیں ہو سکتی، اس پر بہت احادیث شریفہ اور قیاس شرعی شاہد ہیں، جن میں سے کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۴ ترمذی، احمد، ابوداؤد (شافعی، مشکوۃ نے باب الاذان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ ” وَ الْمُؤَذِّنُ مُؤْ تَمِنٌ “ اَللّٰھُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ اے اللہ اماموں کو ہدایت دے، اور موذنوں کو بخش دے۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سارے مقتدیوں کی نمازوں کو اپنی نماز کے ضمن میں لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے، کہ اعلیٰ شئے ادنی کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے نہ کہ ادنیٰ شئے اعلیٰ کو فرض نفل کو اپنے اندر لے سکتا ہے، کہ نفل سے اعلیٰ ہے، نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ فرض کو لہذا اگر امام نماز عصر پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے ظہر کی قضا نہیں پڑھی جا سکتی کہ نماز عصر نماز ظہر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ یہ دونوں نمازیں علیحدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۵ امام احمد نے حضرت سلیم سلمٰی سے روایت کی۔

اَنَّہٗ اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ یَارَسُوْ لَ اللہِ ﷺ اَنَّ مَعَاذَ ابْنَ جَبَلٍ یَا تِیْنَا بَعْدَ مَا نَنَا مُ وَنَکُوْنُ فِیْ اَعْمَالِنَا بِالنَّھَارِ فَیُنَادِیْ بِالصَّلٰوۃِ فَنَخْرُجُ اِلَیْہِ فَیُطَوِّلُ عَلَیْنَا فَقَالَ لَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَامَعَاذُ لَا تَکُنْ فَتَّانًا اِمَّا تُصَلِّیَ مَعِیَ وَاِمَّا اَنْ تُخَفِّفِ عَلٰی قَوْ مِکَ

حضرت سلیم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یارسول ﷺ حضرت معاذ ابن جبل ہمارے پاس ہمارے سو جانے کے بعد آتے ہیں۔ ہم لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر نماز کی اذان دیتے ہیں۔ ہم نکل کر ان کے پاس آتے ہیں وہ نماز بہت دراز پڑھاتے ہیں تو ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ فتنہ کا باعث نہ بنو یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔

خیال رہے کہ حضرت معاذ ابن جبل نماز عشاء حضور انور ﷺ کے پیچھے پڑھ کر اپنی قوم میں پہنچ کر انہیں پڑھاتے اور دراز پڑھاتے تھے، جس کی شکایت بارگاہ نبوی ﷺ میں ہوئی۔ جس کا واقع یہاں ذکر ہوا۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبل کو اس کی اجازت نہ دی کہ حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنی قوم کو پڑھائیں۔ کیونکہ نفل والے کے پیچھے فرض جائز نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ یا میرے پیچھے پڑھو، تو قوم کو نہ پڑھاؤ۔ یا قوم کو پڑھاؤ تو میرے پیچھے نہ پڑھو۔

حدیث نمبر ۶ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ اِذَا دَخَلْتَ فِی صَلٰوۃِ الْقَوْمِ وَاَنْتَ لَاتَنْوِیْ صَلٰوتَھُمْ لَا تُجْزِکَ وَاِنْ صَلَّ الْاِمَامُ صَلٰوتَہٗ وَنَوَی الَّذِیْ خَلْفَہٗ غَیْرَھَا اَ جْزَاتِ الْاِمَامَ وَ لَمْ تُجْزِھِمْ رَوَاہُ الْاِمَامُ مُحَمَّدٌ “ فِی الْاٰثَارِ

فرماتے ہیں، کہ جب تم قوم کی نماز میں شامل ہو اور تم ان کی نماز کی نیت نہ کرو۔ تو تمہیں یہ نماز کافی نہیں اور اگر امام ایک نماز کی نیت کرے اور پیچھے والا مقتدی دوسری نماز کی نیت کرے تو امام کی نماز تو ہو جاویگی اور پیچھے والے کی نہ ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ علماء ملت کا بھی یہ ہی مسلک ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ ایسے ہی ایک فرض کے پیچھے دوسرا فرض ادا نہیں ہو سکتا۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا نہ ہو، کیونکہ امام پیشوا ہے مقتدی اس کا تابعدار امام کی نماز اصل ہے مقتدی کی نماز اس پر متفرع، اس لئے امام کے سہو سے مقتدی پر سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن مقتدی کے سہو سے نہ امام پر سجدہ سہو واجب نہ خود اس مقتدی پر امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ مگر مقتدی کی قراءت امام کے لئے کافی نہیں۔ حنفیوں نزدیک تو مطلقاً وہابیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کے سوا میں۔ اگر امام بے وضو نماز پڑھاوے تو مقتدی کی نماز بھی نہ ہوگی۔ لیکن اگر مقتدی بے وضو نماز پڑھ لے تو امام کی نماز درست ہوگی۔ امام سجدہ کی آیت آیۃ تلاوت کرے تو مقتدی پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔ مقتدی سنے یا نہ سنے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے پیچھے سجدہ کی آیت تلاوت کرے، تو نہ امام پر سجدہ تلاوت واجب ہو نہ خود اس مقتدی پر۔ اگر امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر تو مقتدی کو پوری نماز پڑھنی پڑے گا۔ لیکن اگر امام ہو اور مقتدی مقیم تو امام پوری نماز نہ پڑھے گا۔ بلکہ قصر کرے گا۔ اس قسم کے بہت مسائل ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مقتدی اور اس کی نماز تابع ہے امام اور امام کی نماز اصل و متبوع ہے متبوع تابع سے یا تو برابر ہو یا اعلیٰ و افضل ادنی کے تابع نہ ہو جاوے اسی طرح ایک فرض دوسرے فرض کے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کے تابع نہیں ہو سکتی۔ جب نماز عید پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز فجر نہیں ہو سکتی غرضکہ ضروری یہ ہے کہ یا تو امام و مقتدی کی نماز اور امام کی نماز سے ادنیٰ ہو کہ امام فرض پڑھ رہا ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

ہم اس پر غیر مقلد وہابیوں کی وکالت میں ان کی طرف سے وہ اعتراضات بھی عرض کئے دیتے ہیں، جو وہ کیا کرتے ہیں، اور وہ بھی جواب تک ان کو سوجھے بھی نہ ہوں گے اور ان تمام کے جوابات دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ عام محدثین نے حدیث روایت کی کہ معراج کی رات نماز پنجگانہ فرض ہوئیں۔ اس کے بعد دو دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور کو پانچوں نمازیں پڑھائیں پہلے دن ہر نماز اول وقت میں اور دوسرے دن آخر وقت میں اور پھر عرض کیا کہ حضور ﷺ ان وقتوں کے درمیان ان نمازوں کے اوقات ہیں۔ دیکھو حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے لئے نفل کیونکہ نماز پنجگانہ فرشتوں پر فرض نہیں مگر اس کے باوجود جبریل علیہ السلام امام ہیں اور حضور ﷺ مقتدی معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے بلکہ اسلام میں پہلی نماز ایسی ہی ہوئی۔ یعنی نفل کے پیچھے فرض اور یہ فعل سنت نبوی ﷺ بھی ہے اور سنت جبریلی علیہ السلام بھی۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ بتاؤ جبریل علیہ السلام یہ نمازیں پڑھانے رب کے حکم سے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے آ گئے بغیر حکم الہٰی۔ دوسری بات تو باطل ہے کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام بغیر حکم الہٰی کبھی نہیں آتے رب فرماتا ہے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ "ہم رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے"

لہذا ماننا پڑے گا۔ کہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئے۔ جب حضرت جبریل کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو ان پر فرض ہو گئیں۔ رب کا حکم ہی فرض بنانے والی چیز ہے۔ لہذا ان نمازوں میں نفل کے پیچھے فرض نہ پڑھے گئے۔

دوسرے یہ کہ ان دو دنوں میں نہ حضور ﷺ پر یہ نمازیں فرض تھیں نہ صحابہ پر کیونکہ اگرچہ معراج کی رات میں نمازیں فرض کر دی گئیں۔ لیکن ابھی ان کا طریقہ ادا اور وقت کی تعلیم نہ دی گئی قانون تشریح سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لئے تمام مسلمانوں نے نہ تو حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے یہ نمازیں پڑھیں نہ ان دنوں کی نمازیں قضا کیں۔ لہذا حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھے الحمدللہ کہ تمہارا اعتراض جڑ سے اُکھڑ گیا۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم و بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ مَعَاذُ ابْنُ جَبَلٍ یُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ یَاتِیْ قَوْمَہٗ فَیُصَلِّیْ بِھِمْ

فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم میں آتے اور انہیں نماز پڑھاتے تھے۔

دیکھو حضرت معاذ عشاء کے فرض حضور کے پیچھے پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم میں آ کر پڑھاتے تھے آپ کی نماز نفل تھی اور سارے مقتدیوں کی نماز فرض۔ معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں اور قوم کے ساتھ

فرض ادا کرتے ہوں حضرت معاذ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں حضور ﷺ کے پیچھے فرض پڑھ لیا کرتا ہوں اور مقتدیوں کے آگے نفل کی نیت کرتا ہوں لہذا آپ کے لئے یہ حدیث بالکل بے فائدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ نے یہ کام حضور کی اجازت سے کیا کہ انہیں حضور ﷺ نے اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو اور نفل مقتدیوں کے ساتھ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، جو کہ واقعہ میں درست نہ تھا۔ بارہا صحابہ کرام سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں، کہ جب حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں حضرت معاذ کے اس عمل کی اطلاع دی گئی، تو حضور نے انہیں اس سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا کرو یا مقتدیوں کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔ معلوم ہوا۔ کہ حضرت معاذ کا یہ اجتہاد سنت نبوی کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابل عمل ہے۔

اعتراض نمبر۳ بیہقی اور بخاری نے انہی حضرت جابر سے حضرت معاذ کا یہی واقعہ روایت کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ کَانَ مَعَا ذ" یُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ اَلْعِشَاءَ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلیٰ قَوْمِهٖ فَیُصَلِّیْ بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِیَ لَهٗ نَافِلَةٌ"

"فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ حضور ﷺ کے ساتھ نماز عشاء پڑھ لیتے تھے۔ پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تھے تو انہیں عشاء پڑھاتے تھے یہ نماز ان کی نفل ہوتی تھی۔"

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ کے ساتھ نفل نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ فرض ہی پڑھتے تھے اور مقتدیوں کے آگے نفل ادا کرتے تھے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ حضور کے پیچھے نفل اور مقتدیوں کے ساتھ فرض پڑھتے تھے۔

جواب آپ کی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ حضرت معاذ کا یہ واقعہ نقل کر کے اپنے اندازے اور قیاس سے فرماتے ہیں، کہ حضور ﷺ کے ساتھ فرض پڑھتے تھے، اس میں یہ نہیں کہ حضرت معاذ نے اپنی نیت وارادے کا پتہ دیا ہو۔ دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے بغیر پوچھے، یقین سے نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس میں یہ ہے کہ انہیں حضور ﷺ نے اس کی اجازت دی۔ لہذا یہ حدیث کسی طرح آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراض نمبر٤ بخاری شریف نے حضرت عمرو ابن سلمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہماری قوم ایک گھاٹ پر رہتی تھی۔ جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے۔ میں حجازی قافلوں سے نبی کریم ﷺ کے حالات اور قرآنی آیات پوچھتا رہتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد میرے والد مدینہ منورہ حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے اسلام لائے وہاں سے نماز کے احکام معلوم کیئے ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اذان کوئی دے دیا کرے مگر نماز وہ پڑھائے جسے زیادہ قرآن کریم یاد ہو۔ جب واپس ہوئے تو انہیں پتہ لگا، کہ مجھے قرآن کریم سب سے زیادہ یاد تھا۔ مجھے امام بنادیا۔ اس وقت میری عمر چھ سال تھی، میں قوم کو نماز پڑھاتا تھا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَکَانَتْ عَلَیَّ بُرْدَةٌ" کُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ قَلَصَتْ عَنِّیْ فَقَالَتْ اِمْرَاءَ ةٌ" مِنَ الْحَیِّ اَلَا تُغَطُّوْ نَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِکُمْ فَاشْتَرُوْا فَقَطَعُوْ لِیْ قَمِیْصاً (مشکوٰة باب امامه)

"مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی، کہ جب میں سجدہ کرتا تو کھل جاتی تو قبیلے کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے قاری صاحب کے چوتڑ کیوں نہیں ڈھکتے تو لوگوں نے میرے لئے کپڑا خرید کر قمیض سی دی۔"

دیکھو عمرو ابن سلمہ صحابہ ہیں، اور تمام صحابہ ان کے پیچھے نماز فرض پڑھتے ہیں، عمرو ابن سلمہ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف چھ سال ہے ان پر کوئی نماز فرض نہیں بچے کی نفل بھی بہت ادنیٰ ہوتی ہے لیکن جوان بڈھے ان کے پیچھے فرض ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا ہو جاتے ہیں۔

جواب اس کے وہ ہی جوابات ہیں جو اعتراض۲ کے ماتحت گزر گئے کہ ان کا یہ عمل اپنی رائے سے تھا نہ کہ حضور ﷺ کے فرمانے سے چونکہ یہ حضرات تازہ اسلام لائے تھے۔ احکام شرعی کی خبر نہ تھی بے خبری میں ایسا کیا۔ اگر آپ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہو تو یہ بھی مان لو کہ ننگے امام کے پیچھے بھی نماز جائز ہے۔ کیونکہ عمرو ابن سلمہ خود فرماتے ہیں کہ میرا کپڑا اتنا چھوٹا تھا۔ کہ سجدہ میں چادر ہٹ جاتی اور چوتڑ ننگے ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود یہ حضرات نمازیں پڑھتے رہے، کسی نے نماز نہ لوٹائی۔ کیوں مسائل شرعیہ سے بے خبری کی وجہ سے افسوس کہ آپ حضرات آنکھ بند کر کے حدیث پڑھتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں کے پاس صریح مرفوع حدیث موجود نہیں نہ حدیث قولی نہ فعلی یوں ہی چند شبہات کی بنا پر اس مسئلہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر محض عداوت سے تبرا کرتے اور ان جناب میں گستاخیاں گالی گلوچ بکتے ہیں۔

بائیسواں باب

خون اور قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ آٹھ چیزیں وضو توڑ دیتی ہیں۔ جو چیز پیشاب پاخانہ کی راہ سے نکلے۔ غفلت کی نیند، غشی، جنون، نماز میں ٹھٹھہ لگا کر ہنسنا، بہتا ہوا خون، منہ بھر قے ان کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نہ تو بہتا ہوا خون وضو توڑے، نہ منہ بھر کر قے، لہذا کوئی حنفی کسی غیر مقلد کے پیچھے نماز نہ پڑھے، کیونکہ یہ لوگ بد عقیدہ بھی ہیں اور ان کے وضو کا بھی اعتبار نہیں، کیا خبر ہے کہ قے کر کے یا نکسیر وغیرہ کر کے آئیں اور بغیر وضو کئے مصلے پر کھڑے ہو جائیں، چونکہ غیر مقلد اس مسئلے پر بھی بہت شور مچاتے ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

قے اور بہتا خون بھی وضو توڑتا ہے

حنفیوں کے نزدیک منہ بھر قے اور جسم سے خون کا نکل کر ظاہر بدن پر بہ کر پہنچ جانا وضو توڑ دیتا ہے، ظاہر بدن وہ ہے، جس کا دھونا غسل میں فرض ہے، دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱ دار قطنی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوُضوءُ مِنْ كُلِّ دمٍ سَائِلٍ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ وضو واجب ہے ہر بہتے ہوئے خون سے۔“

حدیث نمبر ۲ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَهٗ قَيْءٌ ” اَوْرُعَافٌ“ اَوْ قَلْسٌ ” اَوْ مَذْىٌ“ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّا

”فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جس کسی کو قے یا نکسیر یا مذی آجاوے تو نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔“

حدیث نمبر ۳ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں فاطمہ بنت ابی جیش حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ مجھے استحاضہ کا خون اتنا ہے کہ میں کبھی پاک نہیں ہوتی، کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے رگ کا خون ہے لہذا۔ اِجْتَنِبِى الصَّلٰوةَ اَيَّامَ مَحِيْضِكِ ثُمَّ اغْتَسِلِىْ وَتَوَضَّئِىْ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَاِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَى الْحَصِيْرِ

”حیض کے زمانہ میں نماز سے بچو۔ پھر غسل کرو اور ہر نماز کے لیئے وضو کرو پھر نماز پڑھو، اگر چہ خون چٹائی پر ٹپکتا رہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون وضو توڑ دیتا ہے، ورنہ حضور علیہ السلام ان بی بی صاحبہ پر معذور کے احکام جاری نہ فرماتے اور ہر نماز کے وقت ان پر وضو لازم نہ فرماتے دیکھو جسے ریح یا قطرے کی بیماری ہو وہ ہر نماز کے وقت ایک وضو کر کے نماز پڑھتا رہے کیونکہ ریح اور پیشاب وضو توڑنے والی چیز ہے۔

حدیث نمبر ٤ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَاءَ اَوْ رَعُفَ فِى صَلٰوتِهٖ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّاءْ وَلْيَبْنِ عَلٰى صَلٰوتِهٖ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ

”آپ نبی ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے وہ نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو۔“

حدیث نمبر ٦،٥ ترمذی وابوداؤد نے حضرت طلق ابن علی سے روایت کی۔

قَالَ اِعْرَابِیٌّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الرَّجُلُ مِنَّا یَکُوْنُ فِی الْفَلَاةِ فَتَکُوْنُ مِنْهُ رُوَیْحَة" وَیَکُوْنَ فِی الْمَاءِ قِلَّةٌ فَقَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَآءَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّا مُلَخَّصًا

"ایک بدوی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم میں سے کوئی شخص جنگل میں ہوتا ہے اسکی ریح نکل جاتی ہے اور پانی میں تنگی ہوتی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قے کرے تو وضو کرے۔ (ملخصا)"

کذافِی جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد

حدیث نمبر ۷ ترمذی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَتَوَضَّاءَ فَلَقِیْتُ ثَوْبَانَ فِیْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَذَکَرْتُ ذَالِکَ لَهٗ فَقَالَ صَدَقَ اَنَا صَبَبْتُ لَهٗ وَضُوْئَهٗ وَحَدِیْثُ حُسَیْنٍ اَصَحُّ شَیْءٍ" فِیْ هٰذَا الْبَابِ

ایک بار نبی ﷺ کو قے آئی تو آپ نے وضو کیا پھر میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا تو ابوالدرداء کی یہ حدیث بیان کی آپ نے فرمایا ابوالدرداء نے سچ کہا پانی میں نے ہی ڈالا تھا یعنی میں نے ہی وضو کرایا تھا۔"

حدیث نمبر ۸ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

رَفَعَهٗ قَالَ اِذَا رَعَفَ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوتِهٖ فَلْیَنْصَرِفْ فَلْیَغْسِلْ عَنْهُ الدَّمَ ثُمَّ لِیُعِدْ وُضُوْءَهٗ

"آپ مرفوع فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں نکسیر آجاوے تو علیحدہ ہو جاوے اور خون کو دھو دے پھر وضو لوٹائے۔"

حدیث نمبر ۹ دار قطنی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاءَ اَحَدُکُمْ اَوْرَعُفَ وَهُوَ فِی الصَّلٰوةِ اَوْ اَحْدَثَ فَلْیَنْصَرِفْ وَلْیَتَوَضَّاءُ

"فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے یا اور کوئی حدث کرے، تو علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔"

حدیث نمبر ۱۰ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَنْ رَعُفَ فِیْ صَلٰوةٍ فَلْیَنْصَرِفْ فَلْیَتَوَضَّاء فَاِنْ لَّمْ یَتَکَلَّمْ بَنٰی عَلٰی صَلٰوتِهٖ وَاِنْ تَکَلَّمَ اِسْتَاْنَفَ

"فرماتے ہیں کہ جسے نماز میں نکسیر آجاوے تو وہ علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے پھر اگر کلام نہ کیا ہو تو باقی نماز پوری کرے اور اگر کلام کرلیا ہو تو نئے سرے سے پڑھے۔"

حدیث نمبر ۱۱ امام مالک نے حضرت یزید ابن قسیط لیثی سے روایت کی۔

اِنَّهٗ رَاٰی سَعِیْدَ ابْنَ الْمُسَیِّبِ رَعُفَ وَهُوَ یُصَلِّیْ فَاَتٰی حُجْرَةَ اُمِّ سَلْمَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاُتِیَ الْوَضُوْءُ فَتَوَضَّاء ثُمَّ رَجَعَ فَبَنٰی عَلٰی مَا قَدْ صَلّٰی

"انہوں نے حضرت سعید ابن میسب کو دیکھا کہ انہیں نماز میں نکسیر آگئی تو آپ حضرت ام سلمہ زوجہ رسول ﷺ کے گھر آئے تو انہیں پانی دیا گیا انہوں نے وضو کیا، پھر واپس ہوئے اور بقیہ نماز پوری کی۔"

حدیث نمبر ۱۲ ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوتِهٖ فَلْیَاْخُذْ بِاَنْفِهٖ ثُمَّ لِیَنْصَرِفْ

"فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب نماز میں کسی کا وضو ٹوٹ جاوے تو وہ اپنی ناک پکڑے پھر چلا جاوے۔"

اس حدیث میں حضور ﷺ نے نمازی کو تدبیر یہ بتائی کہ اگر نماز میں کسی کی ریح نکل جاوے تو اپنے عیب کو چھپانے کے لیئے ناک پر ہاتھ رکھ لے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی پھر مسجد سے نکل کر وضو کی جگہ جاکر وضو کرلے، گر نکسیر سے وضو نہ ٹوٹتا ہوتا تو یہ تدبیر بے فائدہ ہوتی ہم نے بطور نمونہ بارہ حدیثیں پیش کردیں، ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث موجود ہیں اگر شوقت ہو تو صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔

عقل کا تقاضا بھی وہی ہے کہ بہتا خون اور منہ بھرتے قے وضو توڑ دے کیونکہ وضو طہارت اور پاکی ہے، ناپاکی نکلنے سے وضو ٹوٹ جانا چاہیئے، اسی لیئے پیشاب م، پاخانہ اور ریح سے وضو جاتا رہتا ہے، بہتا خون، منہ بھرتے قے ناپاک ہے، قرآن کریم فرماتا ہے۔ **اَوْدَمًا مُّسْفُوْحًا** اسی لیئے بہتے خون والا جانور ذبح سے حلال ہوتا ہے تاکہ ناپاک خون اللہ کے نام پر نکل جاوے تو جیسے پیشاب پاخانہ اور ریح نکلنے پر وضو جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لیئے کہ ناپاک چیز نکلی، ایسے ہی بہتا ہوا خون اور قے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جانا چاہیئے، کیونکہ یہ بھی نجس ہے، جو جسم سے نکلا، نیز استحاضہ اور بواسیر کے خون سے اور مرد کی پیشاب کی جگہ سے خون نکلنے سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے، استحاضہ کے خون کے متعلق تو حدیث مرفوع بھی وارد ہے، جیسا کہ ہم اس فصل میں عرض کر چکے، جب یہ تین قسم کے خون وضو توڑ دیتے ہیں تو لامحالا دوسری جگہ سے خون نکل کر بھی وضو توڑے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر کوئی قوی دلیل نہیں، صرف کچھ شبہات اور وھمیات ہیں، مگر تکمیل بحث کے لیئے ہم ان کے جوابات بھی دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ احمد و ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ صَوْتٍ اَوْرِیْحٍ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ نہیں ہے وضو مگر آواز سے یا آہستہ ریح سے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ وضو صرف ریح سے ٹوٹتا ہے، خون قے اس کے علاوہ ہے لہٰذا اس سے وضو نہیں ٹوٹنا چاہیئے الا حصر کے لیئے ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ پیشاب، پاخانہ، بلکہ عورت کی شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور الا کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ریح کے کسی چیز سے وضو نہ جاوے تو جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ریح نکلنے کا شبہ ہو تو بغیر آواز یا بدبو یا یقینی احساس ہوئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اس کی تفسیر وہ حدیث ہے، جو مسلم شریف نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِذَا فَجَدَ اَحَدُکُمْ فِیْ بَطْنِہٖ شَیْئًا فَاَشْکَلَ عَلَیْہِ اَخْرَجَ مِنْہُ شَیْءٌ“ اَمْ لَا فَلَا یُخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتًا یَجِدَرِیْحًا

”جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ حرکت پائے اس لیئے اسے شبہ ہو جاوے کہ کچھ ہوا نکلی یا نہیں تو مسجد سے نکلے یہاں تک کہ آواز سنے، یا بُو پائے۔“

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جسے ریح نکلنے کا شبہ ہو حدیث کا منشاء کچھ اور ہے اور آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ حاکم نے حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ فِیْ غَزْوَۃِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَرُمِیَ رَجُلٌ“ مِنْہُ فَنَزَفَہٗ الدَّمُ فَرَکَعَ وَسَجَدَ وَمَضٰی فِیْ صَلٰوتِہٖ

”کہ آپ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک صحابی کے تیر لگا ان کے خون نکلا مگر انہوں نے رکوع کیا سجدہ کیا اور نماز پوری کر لی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کو عین نماز کی حالت میں تیر لگا خون نکلا، مگر انہوں نے نماز نہ توڑی بلکہ رکوع سجدہ کر کے نماز مکمل کر لی، اگر خون نکلنا وضو توڑتا تو اسی وقت آپ نماز توڑ کر وضو کرتے پھر نماز یا نئے سرے سے پڑھتے یا وہ ہی پوری فرماتے معلوم ہوا کہ خون وضو نہیں توڑتا۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب ان صحابی کے تیر لگا خون بہا تو یقیناً ان کے کپڑے اور جسم خون آلودہ ہو گئے لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھتے ہی رہے تو چاہیے کہ آپ خون، پیشاب پاخانہ سے بھرے ہوئے کپڑوں میں نماز جائز کہو، حالانکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ نمازی کا بدن و کپڑا پاک ہونا چاہیئے لہٰذا یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

دوسرے یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ان اصحابی نے حضور ﷺ کی اجازت سے یہ عمل کیا معلوم ہوتا ہے دوسری واقفیت انہیں نہ تھی، اس لیئے ایسا کر گزرے۔

تیسرے یہ کہ حدیث تمام ان مرفوع وموقوف حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے لہٰذا نا قابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے بدن و کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالرُّجْزَفَا هْجُرْ ”گندگی سے دور رہو“ اور فرماتا ہے۔ **وَثِيَا بَكَ فَطَهِّرْ** ”اپنے کپڑے پاک رکھو“ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان بزرگ نے گندے جسم اور گندے کپڑوں میں نماز پڑھ لی، لہٰذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ صحابی جن کا یہ واقعہ ہے، کون ہیں فقیہ ہیں یا غیر فقیہ اگر فقیہ ہیں تو انہوں نے اجتہاد سے یہ کام کیا جو وہ واجب تارک ہے اور اگر غیر فقیہ ہیں تو ان سے یہ ہوا بہر حال حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ اگر خون وضو توڑتا ہے تو چاہیے کہ تھوڑا خون بہتا نہ ہو وہ بھی وضو توڑ دے جیسے پیشاب ناقص وضو ہے، بہے یا صرف ایک قطرہ ہی نکلے، جب تھوڑا خون یعنی نہ بہنے والا وضو نہیں توڑتا، تو زیادہ خون بھی ناقص وضو نہیں، ایسے ہی قے، اگر ناقص وضو ہے تو خواہ منہ بھر کر یا تھوڑی، وضو توڑ دیتی ہے، یہ فرق تم نے کہاں سے نکالا؟

جواب الحمد اللہ آپ قیاس کے قائل تو ہوئے کہ زیادہ خون کو تھوڑے خون پر اور خون کو پیشاب پر قیاس کرنے لگے مگر جیسے آپ ہیں ایسے ہی آپ کا قیاس جناب گندگی کا نکلنا وضو توڑتا ہے پیشاب مطلقاً گندا ہے، تھوڑا ہو زیادہ، خون بہنے والا گندہ ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَوْدَمًا مَّسْفُوْحًا ”نہ بہنے والا گندا نہیں، آپ کا یہ قیاس قرآنی آیت کے خلاف ہے نیز ہر گندگی اپنے معدن میں جہاں وہ پیدا ہو پاک ہوتی ہے، معدن سے نکل کر ناپاک ہوتی ہے دیکھو آنتوں میں پاخانہ اور مثانہ میں پیشاب بھرا ہے، مگر پاک ہے اس لیئے آپ کی نماز درست ہوتی ہے اگر یہ ناپاک ہوتے تو نماز کسی طرح جائز نہ ہوتی کہ گندگی اٹھائے ہوئے کی نماز نہیں ہوتی ایسے ہی گندا انڈا جو اندر سے خون ہو گیا جیب میں ڈال کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے اندر کا خون چونکہ اپنے معدن میں ہے پاک ہے جب ہی سمجھ لیا، تو اب پیشاب اور خون نکلنے میں فرق سمجھو پیشاب کی جگہ نہ ہے، وہ مثانہ سے ہٹ کر پیشاب کی نالی میں آ کر سمکتا ہے، لہٰذا نجس ہے اگر چہ ایک بوند ہو مگر خون سارے جسم میں دوڑ رہا ہے اور کھال کے نیچے اس کا معدن ہے اگر کہیں سوئی چبھ گئی اور خون چمک گیا مگر بہا نہیں تو وہ اپنی معدن میں رہ کر چکا ہے ناپاک نہیں ہاں جب بہے تو سمجھو کہ اپنے معدن سے علیحدہ ہو گیا اور ناپاک، اس فرق کی بنا پر پیشاب تو چمک کر بھی وضو توڑ دیتا ہے مگر خون بہ کر توڑے گا، غرضکہ خون کا نکلنا اور ہے چمکنا کچھ اور لہٰذا خون کو پیشاب پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔

اعتراض نمبر ٤ عینی شرح بخاری نے اسی بہت سی حدیثیں نقل کیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ قَاءَ وَلَمْ یَتَوَضَّا ”بے شک نبی ﷺ نے قے کی اور وضو نہ کیا۔“

اگر قے وضو توڑتی، تو حضور قے کر کے وضو کیوں نہ فرماتے؟

جواب ماشاء اللہ کیا نفیس اعتراض ہے، جناب یہ بھی احادیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے تشریف لائے اور وضو کے لیئے پانی پیش کیا گیا، مگر حضور علیہ السلام نے وضو نہ کیا تو کہہ دینا کہ پیشاب پاخانہ بھی وضو نہیں توڑتا۔ جناب وضو نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی، وضو ٹوٹ جانے پر فوراً وضو کرنا واجب نہیں، وہاں اگر حضور ﷺ فرماتے کہ قے وضو نہیں توڑتی، تو آپ پیش کر سکتے تھے، اگر یہ احادیث اس مسئلہ کی دلیل ہو سکتیں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضرور پیش فرماتے امام ترمذی نے خون و قے کے ناقص وضو ہونے پر نہایت صحیح حدیث پیش کی اور ناقص نہ ہونے پر کوئی حدیث بیان نہ کی، صرف علماء کا مذہب بیان فرمایا، معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں قے و خون کے وضو نہ توڑنے کی کوئی حدیث نہیں، کیونکہ وہ رمسئلہ پر حدیث پیش ہیں۔

اعتراض نمبر ٥ قے و خون کے متعلق آپ نے جو احادیث پیش کیں، جن میں ارشاد ہوا کہ جس نمازی کو نماز میں قے یا نکسیر آ جاوے تو وضو کرے، وہاں وضو سے مراد خون و قے سے کپڑا دھو لینا ہے، نہ کہ شرعی وضو جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ۔

اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ ”آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو ہے۔“ وہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا، کلی کرنا ہے نہ کہ شرعی وضو، کیونکہ کھا کر ہاتھ دھونا، کلی کرنا سنت ہے، یہ ناقص وضو نہیں، ایسے ہی یہاں ہے لہٰذا تمہارے دلائل غلط ہیں۔

جواب واقعی آپ کا یہ سوال ایسا ہے جو آپ تک کسی کو نہ سوجھا ہوگا، ذہن نے بہت رسائی کی، اسی کا نام تحریف ہے، اولاً تو آپ نے یہ غور نہ کیا کہ وہاں وضو کے عرفی معنے خود حضور ﷺ نے بیان فرما دیئے، کہ ایک بار کھانا تناول کر کے ہاتھ دھوئے کلی کی اور فرمایا،

هٰذَا وَضُوْءٌ مِّمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ ”آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو یہ ہے۔“ یہاں آپ یہ معنے چھوڑ کر غیر معروف معنے کیوں مراد لے رہے ہو، نیز اس حدیث میں یہ ہے، کہ جس کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے تو وضو کرے اور نماز کی بنا کرے یعنی باقی نماز پوری کرے، اگر کپڑا دھونا مراد ہوتا تو نماز کی بنا جائز نہ ہوتی بلکہ دوبارہ پڑھنی پڑھی، جس کا کپڑا نماز میں نجس ہو جاوے اور وہ دھوئے، وہ بنا نہیں کر سکتا دوبارہ پڑھے گا، لہٰذا آپ کی یہ توجیہہ محض باطل ہے۔

تیئسواں باب

ناپاک کنواں پاک کرنا

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ ارکنوئیں، حوض یا حوضے وغیرہ میں تھوڑی سی بھی ناپاکی رجاوے تو ان کا پانی نجس ہوجاوے گا، کہ نہ پیا جاسکتا ہے، نہ اس سے وجو وغیرہ جائز ایک قطرہ پیشاب کنویں کو ندا کر دیتا ہے، سمندر، تالاب یا بہتا پانی اُن کے احکام جداگانہ ہیں۔ مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جب پانی دو مٹکے ہو تو اس میں خواہ کتنی ہی نجاست پڑ جاوے ناپاک نہ ہوا، جب تک کہ اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے، لہٰذا ان کے نزدیک کنویں میں خوب ہو مو تو کنواں پاک ہے شوق سے اس کا پانی پیو۔ وضو کرو، پھر طرہ یہ ہے کہ اس مسئلہ پر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو الیاں دیتے ہیں، کہ انہوں نے ندی رجانے پر کنویں کو پاک کیوں نہیں قرار دیا، مسلمانوں کو پیشاب کیوں نہ پینے دیا، حنفیوں کو چاہیئے کہ نہ تو غیر مقلد وہابیوں کے پیچھے نمازیں پڑھیں نہ ان کے کنووں کا پانی بے تحقیق پئیں۔ ان کے کنویں اکثر ندے ہوتے ہیں جن سے یہ لوکپڑے دھوتے، نہاتے اور وضو کرتے ہیں، نہ ان کے بدن پاک، نہ کپڑے پاک چونکہ اس مسئلہ کا یہ لو بہت مذاق اڑاتے اور آواز کستے ہیں اور کہتے ہیں، کہ یہ مسئلہ احادیث کے بالکل خلاف ہے، اس لیے ہم اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس مسئلہ کے دلائل، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

کنوئیں کا ناپاک ہونا

کنوآں خواہ کتنا ہی ہرا ہو اور اس میں کتنا ہی پانی ہو اراسمیں ایک قطرہ شراب یا پیشاب یا چوہا بلی وغیرہ رکر مرجاوے تو ناپاک ہے بغیر کیئے اس کا پانی باستعمال کے قابل نہیں اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں، جن میں سے ہم بطور نمونہ چند پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۴ مسلم، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّه‘ نَهیٰ اَنْ يُبَالِی فِی الْمَآءِ الرَّاكِدِ ثُمَّ يَتَوَضَّافِيْهِ

”منع فرمایا نبی ﷺ نے اس سے کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب کیا جاوے، پھر اس سے وضو کیا جاوے۔“

حدیث نمبر ۵ تا ۹ مسلم وطحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِیِّ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ اَحَدُكُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ“ فَقَالَ كَيْفَ يَفْعَلُ يَااَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ يَتَنَاوَلَه‘ تَنَاوُلاً

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ کوئی شخص ٹھہرے پانی میں جنابت سے غسل نہ کرے ابو سائب نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہ پھر جنبی کیا کرے، فرمایا علیحدہ پانی لے لے۔“

یہ حدیث احمد۔ ابن حبان، عبدالرزاق وغیرہم ہم بہت محدثین نے مختلف راویوں سے بالفاظ مختلفہ روایت فرمائی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حوضے، کنوئیں اور تمام ٹھہرے ہوئے پانیوں میں نہ پیشاب کرے نہ جنابت کا غسل ارا ایسا کرلیا یا تو پانی ندا ہو کر قابل استعمال نہ رہے اار دو مٹکے پانی ندی کرنے سے ناپاک نہ ہوتا تو حضور ﷺ یہ ممانعت نہ فرماتے۔

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۲ ترمذی حاکم (مستدرک) ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِی الْاَنَاءِ غُسِلَ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَوْلُهُنَّ بِالتُّرَابِ وَاِذَا وَلَغَ الْهِرَّةُ غُسِلَ مَرَّةً اَللَّفْظُ لِابْنِ عَسَاكِرٍ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب برتن میں کتا چاٹ جاوے تو سات بار دھویا جارے پہلی بار مٹی سے مانجھا جاوے اور جب بلی چاٹ جاوے تو ایک بار دھویا جاوے۔“

ان احادیث سے پتہ لاکہ ار برتن میں کتا منہ ڈال دے تو برتن سات بار دھویا جاوے اور ایک بار مٹی سے بھی مانجھا جاوے اور ار بلی برتن سے پی لے تو ایک بار ہی دھویا جاوے، برتن خواہ چھوٹا ہو، جیسے ہانڈی، لوٹا یا بڑا جس میں دو چار مٹکے پانی آجاوے ار دو مٹکے پانی کسی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا، تو وہ برتن کیوں ناپاک ہو جاتا ہے جس میں یہ پانی ہے، کتے کا منہ تو پانی میں پڑا اور پانی برتن سے لاہوا ہے جب برتن نجس ہو یا خواہ دو مٹکے ہو یا کم وبیش۔

حدیث نمبر ۱۳ تا 15 دارقطنی، طحاوی نے ابوالطفیل سے اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ غُلَامًا وَقَعَ فِی بِیرِ زَمْزَم فَنُزِحَتْ

”زمانہ صحابہ میں چاہ زمزم میں ایک لڑکا ریا، تو کنویں کا پانی نکالا یا۔“

حدیث نمبر ۱۶، 17 ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت عطاء سے روایت کی، عطاء تابعی ہیں۔

اَنَّ حَبْشِیًّا وَقَعَ فِی زَمْزَمَ فَمَات فَاَمَرَ بِهٖ اِبْنُ الزُّبیْرِ فَنُزِحَ مَاءُ هَا فَجَعَلَ الْماءُ لاَ یَنْقَطِعُ فَنَظرَ فَاذَا عَیْن" تَجْرِیْ مِنْ قبلِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَقَالَ ابْنُ الزُّبَیْرِ حَسْبُکُمْ

”کہ ایک حبشی چاہ زمزم میں رکر مریا حضرت عبداللہ ابن زبیر نے حکم دیا، پانی نکالا یا، پانی ختم نہ ہوتا تھا اندر دیکھا تو ایک چشمۂ آب سنِ اسود کی طرف سے آرہا تھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کافی ہے۔“

حدیث نمبر ۱۸ بیہقی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ حَبْشِیًّا وَقَعَ فِیْ زَمْزَمَ فَمَاتَ فَاَنْزَلَ رَجُلاً اِلَیْهِ فَاَخْرَجَه' ثُمَّ قَالَ انْزِحُوْا مَا فِیْهَامِنْ مَاءٍ

”وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ چاہ زمزم میں ایک حبشی رکر مریا تو آپ نے ایک آدمی کو اتارا جس نے اسے نکالا، پھر ابن عباس نے فرمایا کہ جو پانی کنویں میں ہے اسے نکال دو۔“

ان احادیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ ارکنوئیں میں کوئی خون والا جاندار مرجاوے تو کنواں نجس ہوجاوے ا۔ دوسرے یہ کہ ناپاک کنوئیں کے پاک کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ اس کا پانی نکال دیا جاوے اسکی دیواریں وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں۔ تیسرے یہ کہ ارکنوئیں کا پانی ٹوٹ نہ سکے تو پرواہ نہ کی جاوے، جو پانی فی الحال موجود ہے وہ ہی نکال دیا جاوے، جو بعد میں آتا رہے اس کا مضائقہ نہیں۔ چوتھے یہ کہ جس ڈول و رسی سے ناپاک کنوئیں کا پانی نکالا جاوے اسے دھونا ضروری نہیں، کنوئیں کیساتھ وہ بھی پاک ہوجاویں ے، ارغیر مقلد وہابی ان احادیث میں غور فرمالیں، تو امام صاحب کوالیاں دینا، حنفیوں کا مذاق اُڑانا آواز سے کسنا چھوڑ دیں۔

حدیث نمبر ۱۹ طحاوی شریف نے امام شعبی تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی

عَنِ الشَّعْبِیِّ فِی الطَّیْرِ وَالسَّنُّوْرِ وَنَحْعِ هِمَا یَقَعُ فِی البِئْرِ قَالَ یُنْزَحُ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ دَلْوًا

”امام شعبی چڑیا، بلی وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ار یہ کنوئیں میں مرجاویں تو چالیس ڈول پانی نکالا جاوے۔“

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی شریف نے حضرت حماد ابن سلیمان تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّه' قَالَ فِیْ زُجَاجَةٍ وَقَعَتْ فِیْ بِیْرٍ فَمَا تَتْ قَالَ یُنْزَحُ قَدْ رُاَرْبَعِیْنَ دَلْوًا او خَمْسِیْنَ ثُمَّ یُتَوَضَّاءُ مِنْهَا

”آپ فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں مرغی رکر مرجائے تو اس سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جاویں پھر اس سے وضو کیا جاوے۔“

حدیث نمبر ۲۱ طحاوی شریف نے حضرت میسرہ اور زادان سے روایت کی۔

عَنْ عَلِی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْه قَالَ اِذَا سَقَطَتِ الْفَارَةُ اَوِالدَّابَّه فِی الْبِیْرِ فَاخْرَجْهُمَا حَتّیٰ یَغْلِبَکَ الْمَآءُ

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب چوہا یا کوئی اور جانور کنوئیں میں مرجائے تو اس کا پانی نکالو یہاں تک کہ پانی تم پر غالب آجائے۔“

نمبر ۲۲ طحاوی نے حضرت ابراہیم نخعی تابعی سے روایت کی۔

عَنْ اِبْرَاهِیْمَ فِی الْبِیْرِ تَقَعُ فِیْهَا الفَارةُ قَالُ یُنْزَحُ مِنْهَا دِلاَءَ"

”ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں چوہا رجاوے تو اس سے کچھ ڈول نکال جاویں۔“

حدیث نمبر ۲۳ شیخ علاؤالدین محدث نے بحوالہ طحاوی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ (واللہ اعلم)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّه' قَالَ فِی الْفَارَةِ اِذَا مَاتَتْ فِی الْبِیْرِوَ اُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَتِهَا یُنْزَحُ مِنْهَا عِشْرُوْنَ دَلْوًا

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ جب چوہا کنوئیں میں رجاوے اور فوراً نکال لیا جائے تو بیس ڈول نکالے جاویں۔“

حدیث نمبر ۲٤ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حضرت خالد ابن مسلمہ سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِیًّا سُئِلَ عَمَّنْ بَالَ فِیْ بِیْرٍ قَالَ یُنْزَحُ (انتصار الحق صہ ۲۵۷)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اس بارے میں کہ کوئی کنوئیں میں پیشاب کر دے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی نکالا جائے۔“

یہ چوبیں روایتیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، جن سے معلوم ہوا کہ گندی چیز گر جانے سے کنواں نجس ہو جاتا، اور پانی کا نکالنا اس کی پاکی ہے، اگر زیادہ تحقیق دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست پڑنے سے نجس ہو جاویں، کیونکہ جب نجاست لگ جانے سے کپڑا جسم برتن وغیرہ تمام چیزیں نجس ہو جاتی ہیں، تو پانی جو پتلی چیز ہے جس میں نجاست بہت زیادہ سرایت کر جاتی ہے، بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو جانا چاہیئے نیز جب دو مٹکے دودھ، تیل، پتلا گھی، شہد، لسی نجاست پڑنے سے نجس ہو جاتے ہیں تو پانی ان چیزوں سے زیادہ پتلا ہے، وہ بھی ضرور ناپاک ہو جانا چاہیئے ورنہ فرق بیان کرو کہ دو مٹکے دودھ کیوں ناپاک ہو جاتا ہے اور اتنا پانی کیوں نہیں نجس ہوتا اس لیئے سرکار محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سو کر جاؤ تو بغیر ہاتھ دھوئے پانی میں نہ ڈال دو (مسلم وبخاری) پانی خواہ دو قلّے ہو یا کم وبیش، دیکھو بے وضو آدمی کو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا، ہاں ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں تانبے، شیشے کے برتن صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتے ہیں، ناپاک جوتا صرف چلنے پھرنے اور مٹی سے رگڑ جانے سے پاک ہو جاتا ہے، نجس زمین صرف سوکھ جانے اور اثر نجاست جاتے رہنے سے پاک ہو جاتی ہے، نجس کپڑا اور جسم دھونے سے پاک ہوتے ہیں، ایسے ہی ناپاک کنوں پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے ناپاک دودھ، تیل پاک دودھ وتیل کے ساتھ مل کر بہ جانے سے پاک ہو جاتا ہے پھر ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اب تک غیر مقلد وہابی اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم ان کے جوابات تفصیل وار عرض کرتے ہیں، اگر اس کے بعد کوئی اور اعتراض ہمارے عمل میں آیا تو ان شاءاللہ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱ ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قِيْلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَتَوَضَّاءُ مِنْ بِيْرِبُضَاعَةَ وَهِيَ بِيْر“ يُلْقٰى فِيْهَا الْحِيَضُ وَلُحُوْمُ الْكِلَابِ وَلَانْتِنُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَآءَ طُهُوْر“ لَايُنَجِّسُهٗ شَيْءٌ“

”فرماتے ہیں، عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم بضاعہ کنوئیں سے وضو کر سکتے ہیں، بضاعہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کے گوشت اور بدبودار چیزیں ڈالی جاتی تھیں تو حضور نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔“

بضاعہ مدینہ پاک میں ایک کنواں تھا، جس میں ہر قسم کی گندی حتیٰ کہ مرے کتے بھی پھینک دیئے جاتے تھے، مگر اس کے باوجود سرکار ﷺ نے کنوئیں کی گندی گرنے پر بھی ناپاک نہیں فرماتے، مگر امام ابو حنیفہ ایک قطرہ پیشاب گر جانے پر بھی سارا کنواں ناپاک کہہ دیتے ہیں، حنفیوں کا یہ مسئلہ حدیث کے بالکل خلاف ہے کیا ابو حنیفہ حضور ﷺ سے زیادہ پاک وستھرے تھے۔

جواب اس اعتراض کے چند جوابات ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں پانی میں کوئی قید نہیں، کہ کتنا پانی ناپاک نہیں، تو چاہیئے کہ گھڑے لوٹے میں بھی حیض کے کپڑے کتوں کے گوشت ڈال کر پیا کرو، کیونکہ پانی کو کوئی چیز ناپاک کرتی ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہاں پانی سے کنوئیں کا پانی ہی مراد ہو اور مطلب یہ ہو کہ کنوئیں کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتے، تو بھی آپ کے خلاف ہے، کیونکہ تم کہتے ہو کہ اگر نجاست سے کنوئیں کے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ بدل جاوے تو نجس ہو جاوے گا، وہ کونسا کنواں ہے جو مرے کتوں، حیض کپڑوں اور بدبودار چیزوں کے گرنے کے باوجود ان کا رنگ بو، مزہ نہ بدلے، دن رات کا تجربہ ہے کہ اگر ایک مرغی بھی کنوئیں میں پھول پھٹ جاوے تو پانی میں سخت تعفن آ جاتا ہے اس حدیث کی رو سے آپ کو فتویٰ دینا چاہیئے کہ وہابیوں کے کنوں میں مردار، کتے، سور، حیض کے کپڑے خوب ڈالے جاویں اور تم اسی بدبودار پانی کو پیتے رہو، تم نے بو اور مزہ بدلنے کی قید کہاں سے لائی۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، تعجب ہے کہ حضور علیہ السلام ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے کو بھی منع فرماتے ہیں اور یہاں مردار کتے ڈالنے سے ممانعت نہیں فرماتے، لہٰذا یہ حدیث قابل عمل نہیں تمام مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔

چوتھے یہ کہ حدیث قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور جب احادیث میں تعارض ہو تو جو حدیث خلاف قیاس ہو، وہ واجب الترک ہے اور جو مطابق قیاس ہو وہ واجب العمل ہے لہٰذا ان احادیث پر عمل کرو جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ بضاعہ کنواں ہمارے ملک کے کنوؤں کی طرح نہ تھا، بلکہ اس کے نیچے پانی جاری تھا جیسا کہ مکہ معظمہ کے کنوئیں بہر زبیدہ پر بنے ہوئے

ہیں اور مدینہ منورہ کے کنوئیں نہر زرقا پر واقع ہیں، بظاہر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں مر در حقیقت وہ آب رواں کی نہریں ہیں چونکہ پانی جاری تھا اس لیئے جو ندی رہی بہ گئی، پاک وصاف پانی آیا نہ اس میں بوتھی نہ کوئی ندی جاری نہر اور جاری دریا کا حکم یہ ہی ہے۔

چنانچہ طحاوی نے امام واقدی سے نقل کیا۔

اَنَّ بِیْرَ بُضَاعَۃَ كَانَتْ طَرِيْقًا لِلْمَآءِ اِلَى الْبَسَاطِيْنَ فَكَانَ الْمَاءُ لَايَسْتَقِرُّ فِيْهَا

''بضاعۃ کنواں پانی کا راستہ تھا جو باغوں میں جاتا تھا، اس میں پانی ٹھرتا نہ تھا۔''

اس صورت میں تمام احادیث متفق ہوئیں اور مسئلہ بالکل حل ہو یا، لہٰذا کنواں ندی رنے سے نجس ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُسْئَالُ عَنِ الْمَآءِ يَكُوْنُ فِى الْفَلَاةِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا يَنُوْبُهٗ مِنَ السِّبَاعِ وَالدَّوَابِّ قَالَ اِذَا كَانَ الْمَآءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخُبْثَ

''فرماتے ہیں کہ میں نے سنا نبی ﷺ کو حالانکہ آپ سے اس پانی کے متعلق سوال ہوا جو جنگلوں میں ہوتا ہے جس پر درندے اور جانور وارد ہوتے ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب پانی دو مٹکے ہو تو نجاست کو نہیں اٹھاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو مٹکے پانی نجاست رنے سے نجس نہیں ہوتا، امام ترمذی نے محمد ابن اسحاق سے روایت کی کہ دو قُلّے پانچ مشکیزہ ہوتے ہیں، جب پانچ مشکیزے پانی نجس نہیں ہوتا تو کنوئیں میں تو سینکڑوں مشکیزے پانی ہوتا ہے وہ کیسے نجس ہو سکتا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مٹکے پانی کبھی ناپاک نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی نجاست رنے خبث میں مقدار نجاست کی قید نہیں تو چاہیئے کہ ار دو مٹکے پانی میں چار مٹکے پیشاب پڑ جاوے اور اس کا بو، مزہ، رن سب پیشاب کا سا ہو جاوے تب بھی وہابی پیتے رہیں، رن و بو نہ بدلنے کی قید تم نے کہاں سے لائی؟ یہ بھی حدیث کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ لَمْ يَحْمِلِ الْخُبْثَ کے یہ معنے کیسے ہوئے کہ نجس نہیں ہوتا اس کے معنے ہیں نجاست برداشت نہیں کرتا۔ یعنی نجس ہو جاتا ہے جب یہ احتمال بھی موجود ہے تو تمہارا استدلال باطل ہے۔

تیسرے یہ کہ ار یہ معنے کیئے جائیں کہ دو مٹکے پانی کبھی نجس نہیں ہوتا، تو یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ نے ٹھرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا خواہ دو مٹکے پانی ہو یا کم وبیش اور سیّدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے چاہ زمزم میں ایک حبشی رنے پر اس کا پانی نکلوایا، یہ کیوں وہاں تو ہزاروں مٹکے پانی تھا۔ لہٰذا یہ حدیث لائق عمل نہیں۔

چوتھے یہ کہ قلتین قلۃ کا تثنیہ ہے، قلہ مٹکے کو بھی کہتے ہیں اور انسان کی قد وقامت کو بھی اور پہاڑ کی چوٹی کو بھی یہاں قلہ کے معنے انسانی قد وقامت ہے اور اس سے ہرائی کا اندازہ بتانا مقصود نہیں بلکہ لمبائی کا اندازہ بیان کرنا مقصود ہے یعنی جب پانی بہہ رہا ہو اور دو قامت انسان کی بقدر اسے بہنے کیلئے فاصلہ مل جاوے تو اب کسی چیز سے نجس نہ ہوا کیونکہ وہ پانی نہروں کی طرح رواں جاری ہے ندی کو بہالے جاویا، فوراً دوسرا پانی آوے ا، اس معنی سے احادیث میں تعارض بھی نہیں ہوا، اور ہر حدیث واجب العمل بھی ہوی، یہ وجہ بہت بہتر ہے، کیونکہ ار قلہ کے معنی ہوں مٹکا تو پتہ نہ چلے ا۔ کہ کتنا بڑا مٹکا کہاں کا مٹکا اور پانچ مشک مقدار مقرر کرنا بھی درست نہیں کہ حدیث میں یہ مقدار مذکور نہیں، نیز یہ خبر نہیں کو مشکیرہ کتنا بڑا اور کہاں کا، غرضکہ حدیث مجمل ہوی، مجمل پر عمل ناممکن ہے۔

پانچویں یہ کہ اس حدیث میں وہ صورت مرا ہے کہ دو قُلّے پانی زمین پر خوب پھیلا ہوا بڑے حوض کی مقدار میں ہو یعنی سو ہاتھ سطح ہوی۔ تو چونکہ یہ پانی تالاب کے حکم میں ہو یا، لہٰذا معمولی ندی رنے سے ناپاک نہ ہوا اس صورت میں بھی احدیث میں تعارض نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ حنفیوں کا ڈول بڑے کمال والا ہے کہ ناپاک کنوئیں سے صرف ناپاک پانی چھانٹ کر نکال لاتا ہے، پاک پانی چھوڑ آتا ہے حیرت ہے، کہ جب کنوئیں میں چڑیا مری جس سے سارا کنارا کنواں ناپاک ہوا اور حنفیوں نے اس میں سے صرف تیس ڈول نکالے تو یا تو کہو کہ سارا کنواں ناپاک ہو یا تھا تو تیس ڈول نکل جانے سے سارا پانی پاک کیسے ہو یا۔

جواب یہ کرامت وہابیوں کے ڈول میں بھی ظاہر ہوتی ہے جب کنوئیں کا پانی بو مزہ رن بدل جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جاوے اور کنواں چشمہ والا ہو، جس کا پانی ٹوٹ نہ سکے اب وہابی صاحبان اسے پاک کریں، بتاؤ اس صورت میں کل کنواں ناپاک ہوا ہے یا کچھ ڈول ار کچھ ڈول پانی ناپاک ہوا ہے تو وہابیوں کا ڈول واقعی کراماتی ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر صرف ندا پانی نکال لایا، اور پاک پانی کو ہاتھ نہ لایا اور ار کل کنواں ناپاک ہوا تھا تو

کنوئیں کا کل پانی نکالا بھی نہیں، پانی کے آس پاس کی دیواریں دھوئی بھی نہ گئیں اور کنواں پاک ہو یا یہ کیسے ہوا اس کا جواب وہابی دیں یا وہ بھی ہماری طرف سے سمجھ لیں۔ جناب عالی چڑیا مر جانے سے سارا ہی کنواں ناپاک ہو جاتا ہے مرنا پاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں کوئی چیز سوکھ کر کوئی جل کر کوئی بہہ کر کوئی صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتی ہے ایسے ہی اس کنوئیں کا پانی صرف آسانی کیلیے چالیس ڈول نکال دینے سے پاک ہو جاتا ہے، دیکھو منی ناپاک ہے لیکن جب کپڑے میں ل کر خشک ہو جاوے تو صرف مل کر جھاڑ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے تمہارا بھی یہ عقیدہ ہے کہیے یہ کپڑا بغیر دھوئے پاک کیسے ہوا، صرف آسانی کیل یے ایسے ہی آسانی کے لیے صرف چالیس ڈول نکال دینے سے سارا کنواں پاک ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۶ ار چڑیا چوہا مرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے تو ناپاک پانی کی وجہ سے کنوئیں کی دیوار بھی نجس ہوئی اور جب اسے پاک کرنے کے لیئے ڈول ڈالا یا تو وہ ڈول رسی بھی نجس ہوئی تو چاہیئے تھا کہ اسے پاک کرنے کو دیوار بھی دھوئی جاتی اور ڈول رسی بھی پاک کی جاتی۔

جواب اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر ۳ کے جواب میں ذریا کہ ایسے موقعہ پر شریعت آسانی کرتی ہے، کنوئیں کی دیواریں اور ڈول و رسی دھونے میں سخت دشواری تھی، اس لیے اس کی معافی دی ئی تم بھی اپنے ندے کنوئیں پاک کرتے وقت نہ کنوئیں کی دیواریں دھوتے ہو نہ ڈول و رسی آپ کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے اور لفس کے مقابل قیاس دوڑانا جائز نہیں ہم پہلی فصل میں بتا چکے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس وغیرہم صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہ زمزم پاک کیا، مگر نہ اس کی دیواریں دھوئیں نہ ڈول و رسی۔

چوبیسواں باب

نماز جمعہ و عیدین گاؤں میں نہیں ہوتی

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ نماز جمعہ و نماز عید و بقر گاؤں میں نہیں ہوتی، ان تینوں نمازوں کیلیئے شہر یا شہر کی ملحقہ جگہ میں ہونا شرط ہے نہ گاؤں والوں پر جمعہ و عیدین لازم ہے نہ وہاں گاؤں میں یہ نمازیں جائز ہیں۔ ہاں اگر گاؤں والے شہر آ کر یہ نمازیں پڑھ جائیں تو ثواب پائیں گے مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جمعہ و عیدین ہر جگہ جائز ہے نماز ظہر کی طرح ہر گاؤں شہر میں ہوسکتی ہیں، اس لیئے اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کی ممانعت کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

نوٹ ضروری خیال رہے کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کوچے و بازار ہوں ضروریات کی چیزیں مل جاتی ہوں اور وہاں کوئی حاکم بھی رہتا ہو جہاں یہ نہ ہو وہ گاؤں ہے۔

پہلی فصل

نماز جمعہ و عیدین کیلیے دوسری شرائط جماعت، خطبہ وغیرہ کی طرح شہر یا فضاء شہر بھی شرف ہے کہ یہ نمازیں صرف شہر میں ہوں گی، گاؤں میں نہیں ہوسکتیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

نمبر ۱ یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ

”اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہوجائے، تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارتیں چھوڑ دو۔“

اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو اذان جمعہ ہوجانے پر دو حکم دیئے جمعہ کے لیئے حاضر ہونا دوسرے تجارتی کاروبار چھوڑ دینا جس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا، جہاں تجارتی کاروبار ہوں اور ظاہر ہے کہ تجارتی کاروبار بازاروں منڈیوں میں ہی ہوتے ہیں اور بازار و منڈیاں شہروں ہی میں ہوتی ہیں۔

نمبر ۲، ۳ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ابوعبید نے غریب میں مروزی نے کتاب الجمعہ میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَاجُمُعَۃَ وَلَا تَشْرِیْقَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ ”آپ نے فرمایا کہ جمعہ اور تکبیر تشریق نہیں ہوسکتے مگر بڑے شہر میں۔“

نمبر ٤ ابن ابی شیبہ نے ان ہی امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَاجُمُعَتَ وَلَا تَشْرِیْقَ وَلَا صَلٰوۃَ فِطْرٍ وَلَا اَضْحیٰ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْمَدِیْنَۃٍ عَظِیْمَۃٍ

”آپ نے فرمایا کہ نہ تو جمعہ ہوتا ہے، نہ تکبیر تشریق نہ عید بقر عید کی نماز مگر بڑے شہر میں۔“

نمبر ٥ بیہقی نے عرفہ میں انہی حضرت علی سے روایت کی۔

قَالَ لَاتَشْرِیْقَ وَلَا جُمُعَۃَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ ”آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے جمعہ اور نہ تکبیر تشریق مگر بڑے شہر میں۔“

نمبر ٦ فتح الباری شرح بخاری جلد ۲۔ صہ ۳۱۶ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَیْسَ عَلٰی اَھْلِ الْقُرٰی جُمُعَۃ“ اِنَّمَا الْجُمُعَۃُ عَلٰی اَھْلِ الْاَمْصَارِ مِثْلِ الْمدآئِنِ

”آپ نے فرمایا گاؤں والوں پر نماز جمعہ فرض نہیں جمعہ مدائن جیسے شہر والوں پر فرض ہے۔“

نمبر ۷ تا ۹ مسلم۔ بخاری، ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

کَانَ النَّاسُ یَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَۃَ مِنْ مَّنَازِلِھِمْ وَالْعَوَالِیْ فَیَاتُوْنَ فِی الْغُبَارِ وَالْعَرْقِ الخ

”لوگ نماز جمعہ کے لیئے اپنی منزلوں اور گاؤں سے مدینہ منورہ آتے تھے انہیں غبار لگ جاتا تھا اور پسینہ آجاتا تھا۔“

نمبر ۱۰ ترمذی نے حضرت ثوید سے انہوں نے قباوالوں میں سے ایک صاحب سے انہوں نے اپنے والد سے جو صحابی رسول اللہ ﷺ ہیں روایت کیا۔

قَالَ اَمَرَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اَنْ نَشْھَدَ الْجُمُعَۃَ مِنْ قُبَا

''فرمایا ہم قباوالوں کو ﷺ نے حکم دیا کہ نماز جمعہ کیلئے قبا سے چل کر مدینہ آئیں۔''

نمبر ۱۱ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ نبی ﷺ سے روای۔

قَالَ الْجُمُعَۃُ عَلٰی مَنْ اٰوَاہُ اللَّیْلُ اِلٰی اَھْلِہٖ

''فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو جمعہ پڑھ کر رات تک اپنے گھر واپس پہنچ جائے۔''

نمبر ۱۲ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کیا۔

اَنَّ اَھْلَ قُبَاءَ کَانُوْا یَجْمَعُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّم یَوْمَ الْجُمُعَۃِ

''قباوالے لوگ جمعہ کے دن نبی ﷺ کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔''

نمبر ۱۳، ۱۴ مؤطا امام مالک بَابُ لَا جُمُعَۃَ فِی الْعَوَالِیْ اور مؤطا امام محمد بَابُ صَلٰوۃِ الْعِیْدَیْنِ وَاَمْرِ الْخُطْبَۃِ میں بروایت ابن شہاب عن ابی عبید موسیٰ ابن ازہر ہے۔

قَالَ شَھِدْتُ الْعِیْدَ مَعَ عُثْمَانَ فَصَلّٰی ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَالَ اِنَّہٗ قَدِ اجْتَمَعَ لَکُمْ فِیْ یَوْمِکُمْ ھٰذَا عِیْدَ اِنِ یَنْتَظِرَ الْجُمُعَۃَ فَیَنْتَظِرْھَا وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَرْجِعَ فَقَدْ اَذِنْتُ لَہٗ

''فرمایا میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز عیدیں میں حاضر ہوا آپ نے نماز پڑھی پھر لوٹے اور فرمایا کہ آج کے دن میں دو عیدین جمع ہو گئی ہیں، تو گاؤں والوں میں سے جو صاحب جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں وہ کریں اور جو واپس جانا چاہیں میں انہیں اجازت دیتا ہوں۔''

ان آخری احادیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی ﷺ اور زمانہ صحابہ میں قبا اور دیگر گاؤں سے لوگ نماز جمعہ و عیدین پڑھنے کے لیئے مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے خواہ وہ اپنے گاؤں میں یہ نمازیں نہ پڑھ لیتے تھے اگر گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہوتی تو یہ حضرات وہاں ہی پڑھ لیا کرتے، گرد و غبار تپش اور پسینہ کی زحمتیں اٹھا کر جمعہ و عیدین کے لیئے مدینہ طیبہ نہ آیا کرتے۔ بخاری کے لفظ یَنْتَابُوْنَ اور مؤطا کے لفظ اَنْ یَّرْجِعَ سے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمع فرض نہیں، ورنہ ان کے باری باری آنے کے کیا معنی اور صرف عید پڑھ کر جو جمعہ کے دن تھی بغیر جمعہ پڑھ لوٹ جانیکا کیا مطلب؟

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور جنگلوں میں ہو نہ کہ صرف شہر میں ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج الوداع بروز جمعہ ہوا یعنی ۹ ذی الحجہ عرفہ کے دن جمعہ تھا، جس میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کا اجتماع تھا مگر حضور ﷺ نے نہ تو خود میدان عرفات میں جمعہ پڑھا نہ مکہ کے حاجیوں کو اس کا حکم دیا نیز صحابہ کرام نے بہت ملک فتح کیئے مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات نے گاؤں میں جمعے قائم کیئے ہوں چنانچہ فتح القدیر باب الجمعہ میں ہے۔

وَلِھٰذَا لَمْ یُنْقَلُ عَنِ الصَّحَابَۃِ حِیْنَ فَتَحُوْ الْبَلَادَ دَوَاشْتَغَلُوْ بِنَصْبِ الْمَنَابِرِوَالْجُمَعِ اِلَّا فِی الْاَمْصَارِ

''صحابہ کرام سے کہیں منقول نہیں کہ جب انہوں نے علاقے فتح کیئے تو انہوں نے شہروں کے سوا کہیں اور عید اور جمعے قائم کیئے ہوں۔''

اگر جمعہ ظہر کی طرح ہر جگہ ہو جایا کرتا تو یہ حضرت ہر جگہ ہی جمعہ قائم کرتے جیسے جمعہ کیلئے خطبہ جماعت وغیرہ شرط ہے جو نماز ظہر کے لیئے شرط نہیں نیز جمعہ مسافر اور عورت و بیمار پر فرض نہیں، ظہر سب پر فرض ہے ایسے ہی اگر جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے غرضکہ جمعہ سارے احکام میں ظہر کی طرح نہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

اعتراض نمبر ۱ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق اطلاق ثابت ہے، وہاں شہر کی قید نہیں تو تم مذکورہ احادیث کی وجہ سے قرآن میں قید کیسے لگا سکتے ہو، قرآن مطلق حدیث واحد سے مقید نہیں ہو سکتا۔

جواب اس کے چند جوابات ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے، کہ قرآن شریف میں نماز جمعہ کے لیئے کوئی شرط نہیں لگائی گئی نہ وقت کی، نہ خطبہ کی، نہ جماعت کی، نہ جگہ کی تو چاہیئے کہ نماز جمعہ دن رات فجر مغرب ہر وقت میں پڑھالیا کرو، نیز خطبہ کی بھی پابندی نہ ہو جنگل اور گھر میں اکیلا آدمی بھی جمعہ پڑھ سکے حالانکہ آپ لوگ بھی اس کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ آیت جمعہ مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور مجمل کی تفصیل حدیث واحد سے بھی ہو سکتی ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ احادیث واحد نہیں عرفات میں حضور ﷺ کا جمعہ نہ پڑھنا تمام ان حاجی صاحبان نے دیکھا، جنگی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی جس فعل شریف کو اتنے صحابہ دیکھیں، وہ خبر واحد کیونکہ ہوگی۔

چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں شہر کے شرط ہونے کی طرف اشارہ موجود ہے کہ رب نے حکم جمعہ کے ساتھ فرمایا **وَذَرُوا الْبَيْعَ** جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ بخاری وغیرہ میں سیّدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف ﷺ کے بعد سب سے پہلا جمعہ عبدالقیس میں ہوا جو بحرین کے ایک قریہ جواثی میں واقع ہے معلوم ہوا کہ قریہ یعنی گاؤں میں جمعہ ہوسکتا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ عربی میں قریہ صرف گاؤں کو نہیں کہتے مطلقاً بستی کو کہتے ہیں گاؤں ہو یا شہر قرآن کریم میں بہت جگہ شہر کو قریہ کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ

”کفار بولے کہ یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔“

دیکھو اس آیت میں مکہ معظمہ و طائف کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ یہ بڑے شہر ہیں، مکہ معظمہ کی شہریت تو قرآن سے ثابت ہے۔

وهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ اور فرماتا ہے۔

وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِىْ كُنَّا فِيْهَا ”آپ پوچھیں اس شہر سے جس میں ہم تھے۔“

حَتّٰىٓ اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ نِ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا ”یہ دنوں (موسیٰ و خضر علیہ السلام) ایک بستی میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا۔“

اس آیت میں انطاکیہ کو قریہ فرمایا گیا، حالانکہ بڑا شہر ہے، بہرحال قریہ شہر کو بھی کہتے ہیں جواثی گاؤں نہ تھا، بلکہ شہر تھا، چنانچہ صحاح میں ہے۔

اَنَّ جَوَاثىٰ حِصْنٌ“ بِالْبَحْرَيْنِ ”جواثی بحریں میں ایک قلعہ ہے۔“

اور ظاہر ہے کہ قلعہ شہروں میں ہوتا ہے، (فتح القدیر) مبسوط میں ہے۔

اِنَّهَا مَدِيْنَةٌ“ بِالْبَحْرَيْنِ ”وہ بحرین میں ایک شہر ہے۔“

بہرحال جب لوگوں نے کہا کہ جواثی قریہ ہے انکی مراد قریہ سے شہر ہے، دوسرے یہ کہ اگر یہاں قریہ بمعنی گاؤں ہو تو اس کی پہلی حالت مراد ہے یعنی پہلے وہ گاؤں تھا، جمعہ قائم ہونے کے وقت شہر بن چکا تھا، لہٰذا شہر والی روایتیں بھی درست ہیں گاؤں والی بھی۔ تیسرے یہ کہ اگر جمعہ قائم ہونے کے وقت بھی گاؤں تھا تو وہاں جمعہ پڑھنا صحابہ کرام کے اپنے اجتہاد سے نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان بزرگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔

(از فتح القدیر وغیرہ)

اعتراض نمبر ۳ بیہقی شریف میں بروایتہ عبدالرحمٰن ابن کعب عن کعب ابن مالک ہے فرماتے ہیں سب سے پہلے جمعہ ہم کو سعد ابن زارہ نے مقام حرہ بنی بیاضہ پر پڑھایا، پوچھا گیا کہ وہاں کتنے آدمی رہتے تھے تو فرمایا صرف چالیس آدمی تھے حضرت کعب جب بھی اذان سنتے تو حضرت سعد کو دعائیں دیتے تھے دیکھو سعد بن زارہ بھی صحابی ہیں اور حضرت کعب ابن مالک بھی ان بزرگوں نے مع دوسرے صحابہ کرام ایسی جگہ جمعہ پڑھایا جہاں صرف چالیس کی بستی تھی معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔

جواب یہ واقعہ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے کا ہے جب کہ جمعہ ابھی فرض بھی نہ ہُوا تھا۔ بیعت عقبہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلا اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جیسے یہود ہفتہ کے دن اور عیسائی اتوار کے دن اپنے عبادت خانوں میں جمع ہو کر عبادتیں کرتے ہیں ہم بھی عروبہ کے دن جمع ہو کر عبادات کیا کریں۔ چنانچہ حضرت سعد ابن زارہ نے حرہ بنی بیاضہ میں ایک خاص جگہ مسجد کی شکل کی بنائی اور وہاں عروبہ کے دن جمع ہو نا نماز وعظ کرنا شروع کر دیا اور اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا مسلمانوں کے اجتماع کا دن یہ نماز ان بزرگوں کی اجتہادی نماز تھی۔ نہ کہ موجودہ اسلامی جمعہ پھر رب تعالیٰ نے اسی دن میں نماز جمعہ فرض فرمائی اس کی تحقیق بیہقی میں اسی مقام پر اور فتح القدر میں جمعہ کی بحث میں ملاحظہ کرو اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ نماز مروجہ جمع ہی کی نماز تھی۔ تو حرہ بنی بیاضی مستقل گاؤں نہ تھا بلکہ مدینہ منورہ کے مضافات میں

سے تھا یعنی فنائے شہر اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فنائے شہر کے جنگلوں میں بھی جمعہ و عیدین جائز ہیں۔

اعتراض نمبر ۴ بخاری شریف میں حضرت یونس سے مروی ہے کہ جناب رزیق ابن حکیم نے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین ایلہ میں جمعہ پڑھ لیا کروں جہاں چند سوڈانی وغیرہ مسلمان رہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا ضرور دیکھو، محمد ابن شہاب نے رُزیق کو ایک بہت چھوٹے سے گاؤں ایلہ میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا معلوم ہوا کہ جمعہ گاؤں میں جائز ہے۔

جواب اس کا جواب بخاری شریف کے اسی مقام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد ابن مسلم ابن سہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا ہے نہ کہ کسی حدیث کی بنا پر انہیں مسئلہ معلوم نہ تھا وہ سمجھے کہ ظہر کی طرح جمعہ ہر جگہ ہو جاتا ہوگا لہٰذا یہ حکم دے دیا چنانچہ بخاری میں اس جگہ اس شہاب کا پورا خط نقل کیا ہے جس میں اس فتوے کی یہ دلیل نقل فرمائی ہے کہ مجھ سے سالم نے ان سے عبداللہ ابن عمر نے ان سے نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اس سے قیامت میں اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب کو گاؤں میں جواز جمعہ کی کوئی حدیث نہ ملی صرف اس حدیث سے استنباط کیا۔

اعتراض نمبر ۵ تمہاری پیش کردہ حدیثیں سب حضرت علی کے اقوال ہیں نہ کہ نبی ﷺ کے فرمان ایک صحابی کے قول سے قرآنی آیت کے خلاف فتویٰ کیونکر دیا جا سکتا ہے۔

جواب صحابہ کرام کے اقوال بھی حدیث ہیں جنہیں حدیث موقوف کہا جاتا ہے، اور یہ حدیثیں اگر قیاسات کی قسم کی نہ ہوں تو حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ قرآن شریف میں جمعہ کی نماز کے لیئے شہر کی صراحۃً قید نہ لگائی گئی اور پھر آپ نے فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی رائے سے یہ کلام نہیں فرمایا ہے، بلکہ حضور ﷺ سے سن کر فرمایا اسی لیئے صاحب ہدایہ نے یہ حدیث مرفوعاً نقل فرمائی کیونکہ ایسی حدیثیں مرفوع کے حکم میں ہی ہوتی ہیں۔

اعتراض نمبر ۶ جمعہ کی نماز نماز ظہر کے قائم مقام ہے اسی لیئے جمعہ کے دن ظہر نہیں پڑھی جاتی صرف جمعہ ہی پڑھا جاتا ہے جب ظہر گاؤں وشہر ہر جگہ ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ہف جگہ ہو جانا چاہیئے۔

جواب یہ اعتراض تم پر بھی پڑ سکتا ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی اکیلے جماعت سے جنگل میں، گھر میں، مسجد میں ہر جگہ ہو جانا چاہیے۔ اللہ کے بندو جب جمعہ اور ظہر میں بہت سے فرق ہیں کہ ظہر کی رکعتیں چار جمعہ کی دو ظہر میں سنت مؤکدہ چھ چار تو فرضوں سے پہلے اور دو بعد میں جمعہ میں آٹھ چار فرض سے پہلے اور چار بعد میں جماعت شرط نہیں اور جمعہ میں شرط ہے۔ ظہر میں خطبہ شرط نہیں جمعہ میں شرط ظہر میں ایک اذان جمعہ میں ۲ ظہر گھر میں بھی جائز مگر جمعہ کے لیئے اذان عامل کی جگہ ہونا ضروری ظہر سارے مسلمانوں پر فرض مگر جمعہ عورت و مسافر پر فرض نہیں، جب جمعہ اور ظہر میں اتنے فرق موجود ہیں تو اگر یہ فرق بھی ہو جائے کہ جمعہ کے لیئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے تحقیق یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوا تھا مگر نبی ﷺ نے نہ تو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں جمعہ پڑھا اور نہ ہجرت کے بعد قبا کے قیام کے دوران میں کیونکہ اس وقت مکہ معظمہ دارالاسلام نہ تھا اور قبا شریف شہر نہ تھا، جمعہ کے لیئے دونوں چیزیں شرط ہیں۔

اعتراض نمبر ۷ حنفی کہتے ہیں کہ موسم حج میں منیٰ میں جمعہ پڑھا جائے، منیٰ تو گاؤں بھی نہیں محض جنگل ہے اگر جمعہ کے لیئے شہر شرط تھا تو منیٰ میں جمعہ جائز کیوں ہو گیا۔

جواب حج کے زمانہ میں منیٰ شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر قسم کی عمارتیں گلی کوچے بازار تو پہلے ہی بنے ہوئے ہیں، حج کے موسم میں وہ سب آباد ہو جاتے ہیں اور وہاں حاکم بھی موجود ہوتا ہے، اس لیے وہاں جمعہ جائز ہے۔ اس زمانہ میں دہلی و کانپور کے مقابلہ کا شہر بن جاتا ہے عرفات محض میدان ہے چاہیئے تو تھا کہ وہاں نماز عید بھی پڑھی جاتی مگر چونکہ اُس دن حج کے مشاغل بہت زیادہ ہیں اس لیے حجاج پر عید معاف ہے۔ رمی، قربانی، حجامت، طوائف زیارت یہ سب دسویں تاریخ کو کئے جاتے ہیں ان کی ادا میں شام ہو جاتی ہے خیال رہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے نہ عد واجب اور اکثر حجاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔

نوٹ ضروری جہاں مسلمانوں گاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہوں، وہاں ان کو ظہر احتیاطی پڑھنے کا تاکیدی حکم دیا جائے ورنہ ان کا فرض ادا نہ ہوگا نماز ظہر رہ جائے گی۔

پچیسواں باب

نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تلاوت قرآن مطلقاً خلاف سنت ہے اس میں نہ تو سورۃ فاتحہ پڑھی جاوے نہ کوئی اور سورت کہ اگر اس نماز میں صرف حمد الٰہی درود شریف اور دعا پڑھی جاوے ہاں اگر الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت ثناء الٰہی یا دعا کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے تلاوت کی نیت سے جائز نہیں، تلاوت اور دعا کی نیتوں کے احکام مختلف ہیں دیکھو ناپاکی (جنابت) کی حالت میں آیۃ قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام ہے، دعا کی نیت سے پڑھنا درست کسی نے پوچھا، آپ کا مزاج کیسا ہے، ہم نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اگر ہم ناپاکی کی حالت میں ہوں تب بھی یہ کہہ دینا جائز ہے لیکن اگر تلاوت قرآن کی نیت سے یہ آیت پڑھی تو سخت جرم ہے، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن کی نیت سے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اپنے دلائل، دوسری فصل میں اسی پر سوال و جواب۔

پہلی فصل

اس مسئلہ پر دلائل

نمبر ۱ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ ''منافقین میں سے کوئی مرجائے تو آپ اُس پر جنازہ نہ پڑھیں۔''

آیت کریمہ میں نماز جنازہ کو صلوٰۃ فرمایا مگر ساتھ میں عَلٰی ارشاد فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے۔ عرفی نماز نہیں جیسے رب فرماتا ہے۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ''اے مسلمانو تم نبی پر درود و سلام پڑھو۔''

یہاں صلّوا علیہ میں نماز مراد نہیں بلکہ درود و دعا مراد ہے کیونکہ اس کے بعد عَلٰی ارشاد ہے جب صلوٰۃ کے بعد عَلٰی ہو تو وہ بمعنی دعاء رحمت ہوتی ہے نہ کہ عرفی نماز اور ظاہر ہے کہ سورۃ فاتحہ و تلاوت قرآنی عرفی نماز کا رکن ہے نہ کہ دعا کا۔ دعا کے لیے حمد الٰہی درود شریف چاہیے چونکہ جنازہ درحقیقت دعا ہے نہ کہ عرفی نماز لہٰذا اس میں تلاوت قرآن کیسی اسی لیے اس میں رکوع سجدہ نہیں اور اس میں میت کو آگے رکھا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱ مؤطا امام مالک میں بروایۃ نافع عن ابن عمر ہے۔

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَاءُ فِی الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ ''سیّدنا عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔''

حدیث نمبر ۲ اسی مؤطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَمَّنْ سَئَلَ اَبَاهُرَيْرَةَ كَيْفَ يُصَلِّیْ عَلَى الْجَنَازَةِ فَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اَنَا لَعُمْرِكَ اُخْبِرُكَ اَتَّبِعُهَا مِنْ عِنْدِ اَهْلِهَا فَاِذَا وَضِعَتْ كَبَّرْتُ وَحَمِدْتُ اللّٰهَ وَصَلَّيْتُ عَلٰی نَبِيِّهٖ ثُمَّ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ الخ (فتح)

''روایت ہے اس سے جس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ وہ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا تمہاری عمر کی قسم میں بتاتا ہوں میں میت کے گھر سے اس کے ساتھ جاتا ہوں جب میت رکھی جاتی ہے تو تکبیر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد اس کے نبی ﷺ پر درود عرض کرتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں الٰہی تیرا یہ بندہ تیرے فلانے بندے فلانی بندی کا لڑکا توحید و رسالت کی گواہی دیتا تھا الخ۔''

غور کرو، کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی نماز جنازہ میں حمد، درود، دعا کا ذکر تو ہے مگر تلاوت قرآن کا بالکل ذکر نہیں، معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام جنازہ میں تلاوتِ قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳ ابوداؤد و ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ

''فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خاص دعا کرو۔''

ہم لوگ اس حدیث کے معنی کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھلو تو خلوص دل سے اس کے لیئے دعا مانگو اس سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہے مگر حضرات وہابی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو نماز میں خالص دعا کرو۔

ان کے اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں صرف دعا ہے کہ خالص اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں اور چیز کی ملاوٹ نہ ہو تو ان کے ہاں مطلب یہ ہے کہ جیسے نمازوں میں تلاوت، رکوع، سجدہ، التحیات ودعا وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے اس جنازہ کی نماز میں جبز دعا کے کچھ نہ ہو رہی، حمد ودرود یہ دعا کے توابع سے ہے کہ دعا کے اداب میں سے ہے بہر حال یہ حدیث ان کے معنے سے ہی انہی کے خلاف ہے اور احناف کی تائید کرتی ہے۔

حدیث نمبر ٤ تا ١٦ عینی شرح بخاری جلد دوم صہ ۱۵۴ باب قرائۃ الفاتحہ علی الجنازہ میں حسب ذیل احادیث ہیں۔

وَمِمَّنْ كَانَ لَا يَقْرَاءُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ وَيُنكِر عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّاب وَعَلِيٌّ ابْنُ اَبِيْ طَالَبٍ وَابْنِ عُمَرَ وَاَبُوْهُرَيْرَةَ وَمِنَ التَّابِعِيْنَ عَطَاء" وَ طَاؤُس" وَسَعِيْدُ وَابْنُ الْمُسَيّبِ وَابْنُ سِيْرِيْنَ وَسَعِيْدُ ابن جبَيْرٍ وَالْشَعْبِىُّ وَالْحَكَمُ قَالَ اِبْنُ الْمُنْذِرِ وَبِهٖ قَالَ مُجَاهِد" وَحَمَّاد" وَ الثورِىُّ وَقَالَ مَالِک" قِرْأَةُ الْفَاتِحَةِ لَيْسَتْ مَعْمُوْلاً بِهَا فِيْ بَلَدِ نَافِيْ صَلوٰةِ الْجَنَازَةِ

"اور جو حضرات نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے، ان میں حضرت عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، ابن عمر اور ابو ہریرہ ہیں اور تابعین میں سے حضرت عطاء طاؤس۔ سعید ابن مسیب، محمد ابن سیرین، سعید ابن جبیر، امام شعبی اور حکم ہیں، ابن منذر کہتے ہیں کہ یہ ہی قول مجاہد اور حماد ثوری کا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنے کا رواج نہیں۔"

عقل کا تقاضا بھی یہ ہی ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ ہو کیونکہ عام نمازوں میں جیسے تلاوت قرآن رکن ہے ویسے ہی انہیں رکوع، سجدہ، التحیات میں بیٹھنا بھی رکن ہے، اور ان نمازوں میں قبر یا میت یا کسی زندہ آدمی کا منہ اپنے سامنے ہونا حرام ہے نماز جنازہ میں نہ تو رکوع، نہ سجود التحیات ہے اور یہ نماز میت کو آگے رکھ کر ادا کی جاتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے اور دعا میں حمد، درود تو ہے مگر تلاوت قرآن نہیں لہذا جنازہ میں تلاوت بھی نہیں، وہابی حضرات کو چاہیئے کہ جب نماز جنازہ میں تلاوت کرتے ہیں تو رکوع سجدہ بھی کیا کریں ہمارے ہاں پنجاب میں نماز جنازہ شروع ہوتے وقت پکار کر ایک آدمی نیت کی یوں تلقین کرتا ہے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا واسطے حاضر میت کے منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے اس امام کے، اس سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان نماز جنازہ کو حمد، درود ودعا کا مجموعہ ہی سمجھتے ہیں اسے مروجہ پنجگانہ نماز نہیں سمجھتے، بہ ہر حال نماز جنازہ میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اب تک ہم کو جس قدر اعتراضات مل سکے ہیں، ان کے جوابات عرض کرتے ہیں اگر بعد میں کوئی نیا اعتراض ملا تو ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دی جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ مشکوۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔

عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَاءَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَقَالَ لِتَعْلَمُوْ اَنَّهَا سُنَّةٌ"

"روایت ہے طلحہ ابن عبداللہ ابن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے پیچھے ایک نماز پر نماز پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس لیے پڑھی کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا عمل ہے۔

جواب اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بعد میت کو ایصال ثواب کے لیئے پڑھی ہو جیسا کہ فقرَاءَ کی ف سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ ف تعقیب کی ہے، دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ بہ نیت حمد وثناء پڑھی یا بہ نیت

تلاوت، میت دعاء وتلاوت پڑھنا ہم بھی جائز کہتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ وتابعین کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے یہ عمل اس لیئے کیا تاکہ تم جان لو یہ سنت ہے پتہ چلا کہ صحابہ کرام نہ تو پڑھتے تھے اور نہ اسے سنت جانتے تھے اسی لیے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑھی۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ ہے بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے دوسری ثناء اور دعاء کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ چھٹے ہی کہ نبی ﷺ سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی ہو۔ ساتویں یہ کہ بجز سیّدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں، بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم فصل اوّل میں عرض کر چکے ہیں، چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

وَلَمْ تَثْبُتِ الْقِرْاَئَةُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''نبی ﷺ سے جنازہ میں قرأت ثابت نہیں۔''

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بالکل مجمل ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ مشکوٰۃ شریف، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ عَلَی الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ''کہ نبی ﷺ نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔''

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰی حَدِيْثُ اِبْنِ عَبَّاسٍ حَدِيْث'' لَيْسَ اِسْنَادُه' بِذَاكَ الْقَوِیِّ اِبْرَاهِيْمُ ابْنُ عُثْمَانَ هُوَ اَبُوْ شَيْبَةَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ

''ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس کی یہ حدیث اسناذ اقوی نہیں، ابراہیم ابن عثمان منکر حدیث ہیں۔''

دوسرے یہ کہ ابوداؤد نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ غلطی سے ابوداؤد کا نام لے گئے (مرقاۃ)۔ تیسرے یہ کہ اگر حدیث صحیح بھی مان لو تو بھی اس سے نماز جنازہ کے اندر سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لیئے سورۃ فاتحہ پڑھی ہو، یہاں اس کا بیان ہے چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔

واحتمال دارد کہ ہر جنازہ بعد ان نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ آلان متعارف است

''یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ سے پہلے یا بعد، جنازہ پر برکت کیلئے پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔''

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جواز یا استحباب ثابت کرنے کے لیئے نہایت کھری صحیح ٹکسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود وجوب ثابت کرنے کے لیئے ایسی مجمل اور منکر وضعیف حدیثیں پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے۔

اعتراض نمبر ۳ جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔

حدیث شریف میں ہے۔ لَاصَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ''(بغیر سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی'' نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورۃ فاتحہ نہ ہونی چاہیئے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ میں رکوع سجدہ بھی کیا کریں، کیونکہ نمازوں میں یہ بھی فرض ہے، تحقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہنا صرف اس لیئے ہے کہ اس میں نماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں، جیسے وضو قبلہ کو رُخ، اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو کبھی آگے نہ رکھا جاتا۔

خاتمہ

آخر کتاب میں ہم چند اہم مسائل عرض کرتے ہیں، جن سے اہلسنت احناف کے دل باغ باغ ہو جاویں، گلشن تقلید کے ایسے پھول سنگھاتے ہیں، جن سے ان کے دل دماغ ایمان مہک جاویں، کیونکہ وہابی غیر مقلدین کی خشک گفتگو سنتے سنتے دل گھبرا گیا۔

پہلا مسئلہ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب

غیر مقلد وہابی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے سخت دشمن ہیں، ان کے مسائل پر پھبتیاں کستے اور مذاق اڑاتے ہیں، ان میں سے بعض نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت سگ، اور تاریخ وفات کو کم جہاں پاک لکھی ہے۔ نعوذ باللہ اسی کے جواب میں بعض احناف نے کہا اور گد کے عدد ایک ہی ہیں یعنی ۲۴ گد بھی مردار خور ہے اور یہ لوگ بھی گزرے ہوئے بزرگوں کے تبرائی، غیبت کو قرآن کریم نے مرے بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے۔ خیال رہے کہ وہابی کے عدد چوبیں، چوہے کے عدد چوبیں، وہابی چوہے کی طرح دین کترتے ہیں، گدکی طرح غیبت کر کے مردار کھاتے ہیں۔ مجھے اس سے صدمہ ہوا، دل نے چاہا کہ اس عالی جناب کے کچھ حالات اور مناقب مسلمانوں کو سناؤں اور بتاؤں کہ حضرت امام کا اسلام میں کیا درجہ و منزلت ہے، شائد رب تعالیٰ ان بزرگوں کی مدح خوانی کو میرے لیئے کفارہ سیّات بنادے اور مجھے ان بزرگوں کے غلاموں میں حشر نصیب فرماوے مسلمان اپنے امام کے مناقب سنیں اور ایمان تازہ کریں۔

امام اعظم کا نام و نسب حضرت امام ابو حنیفہ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوطی ہے۔ حضرت زوطی یعنی امام کے دادا فارسی النسل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار اور آپ کے خاص مقربین بارگاہ میں سے تھے آپ ہی کی محبت سے کوفہ میں قیام اختیار کیا، جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس کا دار الخلافہ تھا، حضرت زوطی اپنے فرزند حضرت ثابت کو جو بچہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دعا کیلئے لے گئے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ثابت کے لیئے دعا فرمائی اور بہت برکت کی بشارت دی، حضرت امام حضور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کرامت و بشارت ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ سنہ ۷۰ ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۰ ہجری میں بغداد میں وفات پائی، خیزران قبرستان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ستر سال عمر شریف ہوئی۔

حضرت امام نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا، جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی، انس بن مالک جو بصرے میں تھے، عبداللہ ابن ابی اوفیٰ جو کوفہ میں تھے، سہیل ابن سعد ساعدی جو مدینہ منورہ میں تھے۔ ابو طفیل عامر ابن ساصلہ جو مکہ معظمہ میں تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں، مگر یہ قول راجح ہے۔ امام اعظم حضرت حماد کے شاگرد رشید اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص اور مخصوص صحبت یافتہ ہیں۔ دو سال تک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی معیت نصیب ہوئی، حضرات امام کو منصور بادشاہ کوفہ سے بغداد لایا، پھر آپ سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنیکی درخواست کی آپ نے انکار کیا اس پر آپ کو قید کر دیا اور قید میں ہی یہ آفتاب و عمل غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

امام اعظم کے مناقب حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے فضائل و مناقب ہماری حد و عدّ سے باہر ہیں۔ حضرت امام حضور ﷺ کا زندہ جاوید معجزہ اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی نہ مٹنے والی کرامت ہیں، امت مصطفویہ کے چراغ دینی مشکلات کو حل فرمانے والے ہیں۔ الحمد اللہ اہل سنت احناف بڑے خوش نصیب ہیں ہمارا رسول رسول اعظم ﷺ ہمارا پیر غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہمارا امام اعظم عظمت و عزت ہمارے ہی نصیب میں ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ و کرمہ، ہم تبرک کے لیئے چند مناقب عرض کرتے ہیں، حنفی سنیں اور باغ باغ ہوں۔

۱ حضور سیّد عالم ﷺ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پیشگوئی اور فضیلت نہایت اہتمام سے بیان فرمائی چنانچہ مسلم و بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم، شیرازی، طبرانی نے قیس ابن ثابت ابن عبادہ سے روایت کی۔

لَوْكَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ" مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ وَفِیْ رِوَايَةِ الْبُخَارِیْ وَالْمُسْلِمِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْكَانَ الدِّيْنُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهٗ رَجُلٌ" مِنْ فَارِسٍ

”اگر ایمان ثریا تارے کے پاس ہوتا تو فارسی اولاد میں سے بعض لوگ وہاں سے لے آتے مسلم بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ قسم اسکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر دین ثریا تارے میں لٹکا ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا۔“

بتاؤ فارسی النسل میں اس شان کا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا کون ہوا؟

۲ علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم کے فضائل میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے، خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان اس میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

تُرْفَعُ زِيْنَتُ الدُّنْيَا سَنَةَ خَمْسِيْنَ وَمِائَةٌ ”سنہ ڈیڑھ سو میں دنیا کی زینت اٹھالی جاوے گی۔“

سنہ ڈیڑھ سو میں حضرت امام اعظم کی وفات شریف ہے معلوم ہوا کہ امام اعظم دنیائے شریعت کی زینت، شریعت کی رونق علم وعمل کی زیبائش تھے، امام کروری نے فرمایا کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف ہی اشارہ ہے۔

۳ حضرت امام اعظم دنیائے اسلام میں پہلے وہ عالم دین ہیں جنہوں نے فقہ اور اجتہاد کی بنیاد رکھ کر ساری امت رسول ﷺ پر احسانِ عظیم فرمایا باقی تمام ائمہ جیسے امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل وغیرہم رضی اللہ عنہم نے اسی بنیاد پر عمارت قائم کی، حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں جو اچھا و نیک طریقہ ایجاد کرے اسے اپنا بھی ثواب ملے گا اور تمام عمل کرنے والوں کا بھی۔

۴ حضرت امام اعظم تمام فقہاء، تمام فقہاء و محدثین کے بلاواسطہ یا بالواسطہ استاد ہیں، یہ تمام حضرات امام اعظم کے شاگرد چنانچہ امام شافعی حضرت امام محمد کے سوتیلے بیٹے اور شاگرد ہیں، ایسے ہی امام مالک نے حضرت امام کی تصنیفات سے فیض حاصل کیا، نیز امام بخاری محدثین کے استاد ہیں اور امام بخاری کے بہت استاذ و شیخ حنفی ہیں۔ گویا آسمانِ علم کے سورج امام اعظم ہین باقی علماء تارے۔

۵ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بلاواسطہ شاگرد ایک لاکھ سے زیادہ ہیں، جن میں سے اکثر مجتہد ہیں، جیسے امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر، امام ابن مبارک جو دنیائے علم کے چمکتے ہوئے تارے ہیں حضرت امام محمد صاحب نے نوسو نوے دینی شاندار کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چھ کتابیں بڑے پائے کی ہیں، جنہیں کتب ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے اور یہ تمام کتب فقہ کی اصل مانی جاتی ہیں۔

۶ تمام نبیوں کے سردار نبی ہیں آسمانی صحیفوں کی سردار چار کتب، فرشتوں کے سردار چار فرشتے، صحابہ میں افضل و اعلےٰ چار یار، علمائے مجتہدین میں افضل چار امام پھر ان چار نبیوں میں حضور افضل، چار کتابوں میں قرآن افضل، چار فرشتوں میں حضرت جبریل افضل، چار یار میں ابوبکر صدیق، افضل چار اماموں میں امام اعظم افضل، اسی لیے امام شافعی نے فرمایا کہ فقہاء ابوحنیفہ کی اولاد ہیں، وہ ان سے کے والد۔

۷ امام اعظم جیسے آسمان علم کے سورج ہیں ویسے ہی میدان عمل کے شہ سوار چنانچہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، چالیس سال ایسے روزے رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی، گھر سے کھانا لائے، باہر طلباء کو کھلا دیا، گھر والے سمجھے کہ باہر جا کر کھایا، باہر والے سمجھے کہ گھر میں کھا کر تشریف لائے۔ ہمیشہ ماہ رمضان میں اکسٹھ قرآن کریم ختم کرتے تھے، ایک قرآن دن میں، ایک رات میں ایک سارے مہینے میں تراویح میں مقتدیوں کیساتھ، پچپن حج کیئے۔

۸ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار قبول دعا کے لیئے اکسیر اعظم ہے، چنانچہ حضرت امام شافعی قدس سرہٗ فرماتے ہیں، کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے، تو میں بغداد شریف امام اعظم کے مزار شریف پر حاضر ہوتا ہوں، دو رکعت نفل پڑھ کر امام اعظم کی قبر شریف کی برکت سے دعا کرتا ہوں، بہت ہی جلد حاجت پوری ہوتی ہے امام شافعی جب امام اعظم قدس سرہٗ کی قبر انور پر حاضر ہوتے تو حنفی نماز پڑھتے تھے، کہ قنوت نازلہ نہ پڑھتے تھے کسی نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے فرمایا کہ اس قبر والے کا احترام و ادب کرتا ہوں۔ شامی۔

خیال رہے کہ اس کہ کا مطلب یہ نہیں کہ امام شافعی بغداد شریف میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار کے ادب میں سنت ترک فرما دیتے تھے، مطلب یہ کہ کوئی امام یا مقلد یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق ہوں، دوسرے آئمہ غلطی پر بلکہ اپنے حق ہونے کا ظن غالب کرتا ہے یہ بھی کہتا ہے کہ شاید دوسرے امام کا قول حق ہو، عقائد میں یقین ہے اور آئمہ کے اختلافی مسائل میں ہر ایک کو ظن غالب ہے تو گویا حضرت امام شافعی نے یہاں حاضر ہو کر اس پر عمل کیا جسے امام اعظم سنت سمجھتے ہیں اس میں ایک سنت کا ترک دوسری سنت پر عمل ہے لہٰذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۹ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سو بار رب تعالیٰ کا خواب میں دیکھا، آخری بار جو دعا رب سے پوچھی اور رب نے جو جواب دیا وہ رد المختار میں تفصیل وار درج ہے۔

۱۰ امت محمدیہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ، غوث و قطب، ابدال، اوتاد حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ کے مقلد ہیں، جس قدر اولیاء مذہب حنفی میں ہیں دوسرے مذہب میں نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم ابن ادھم، شقیق بلخی، معروف کرخی، حضرت بایزید بسطامی فضیل ابن عیاض خراسانی، داؤد ابن نصر، ابن نصیر ابن سلیمانی طائی، ابو عامد لفاف خزروی بلخی، خلف ابن ایوب، عبداللہ ابن مبارک ولی، فقیہ، محدث، وکیع ابن جراح شیخ الاسلام ابوبکر ابن وراق ترمذی جیسے سردارانِ اولیاء حنفی ہی ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں، غرضیکہ مذہب حنفی مذہب اولیاء ہے، آج بھی تقریباً سارے اولیاء حنفی ہی ہیں، فخر پاک و ہند حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جن کا آستانہ مرجع خلائق ہے، حنفی تھے آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کے بڑے فضائل کشف سے بیان فرمائے اسی طرح تمام چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی مشائخ سب حنفی ہیں۔

۱۱۔ حضرت امام اعظم کا مذہب حنفی عالم میں اتنا شائع ہوا، اتنا پھیلا کہ جہاں اسلام ہے، وہاں مذہب حنفی ہے، اکثر مسلمان حنفی ہیں، حرمین طیبین میں اکثر حنفی بلکہ دنیائے اسلام کے بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں صرف حنفی مذہب ہی ہیں، دوسرے مذہب کو عوام جانتے بھی نہیں، جیسے بلخ بخارا، کابل قندھار اور تقریباً سارا ہندوستان اور پاکستان کہ یہاں شافعی، حنبلی، مالکی دیکھنے میں نہیں آئے کچھ غیر مقلد وہابی جو کہیں کہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ مٹھی بھر جماعت ایسی گم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اس مقبولیت عامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم مقبول بارگاہ الٰہی ہیں اور مذہب حنفی عند اللہ محبوب ہے۔

۱۲۔ امام اعظم کے مخالفین نے بھی امام اعظم کے فضائل و مناقب ہیں بہت عظیم الشان کتابیں لکھیں چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان لکھی اور سبط ابن جوزی نے کتاب الانتصار الامام آئمۃ المصار دو جلدوں میں لکھی، امام جلال الدین سیوطی شافعی نے تبیض الصحیفہ فی المناقب ابی حنیفہ لکھی، علامہ یوسف ابن عبد الہادی حنبلی نے تنویر الصحیفہ فی تفرجمۃ ابی حنیفہ تحریر فرمائی، جس مین ابن عبد اللہ کا قول نقل فرمایا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ جیسا عالم، فقیہ متقی بہترین نہ دیکھا۔

غرضکہ امتِ مرحومہ حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے فضل و کمال کے گواہ ہیں، اگر مٹھی بھر وہابی ان کی شان میں بکواس کریں، تو کیا اعتبار، اگر چکادڑ سورج کو بُرا کہتے تو سورج سیاہ نہیں ہوجاتا، جیسے آج روافض حضراتِ صحابہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ایسے ہی وہابی غیر مقلد حضرت امام پر۔ رضی اللہ عنہ۔

۱۳۔ تمام آئمہ مجتہدین میں حضرت امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ حضور ﷺ سے نہایت قریب ہے کہ آپ کی ولادت پاک سنہ ۸۰ ہجری میں ہے آپ تابعی ہیں آپ نے چار صحابہ سے ملاقات روایت کی۔ جنہوں نے آپ تابعیت کا انکار کیا محض تعصب سے کیا، یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ سیّدنا عبد اللہ ابن ابی اوفیٰ جیسے صحابی امام اعظم کے زمانہ میں کوفہ میں ہوں اور حضرت امام ان سے نہ ملیں، آج بزرگوں سے ملنے دنیا کھچی آتی ہے، صحابہ کی شان کا کیا پوچھنا، بہرحال آپ تابعی ہیں اور آپ کو صحیح حدیثیں حضور سے ملیں، خیر القروٗن میں ہوئے۔

خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ۸۰ ہجری میں وفات سنہ ۱۷۹ھ میں عمر شریف ۸۹ سال، مزار شریف بغداد، مدینہ منورہ میں امام شافعی کی ولادت شریف سنہ ۱۵۰ھ میں وفات سنہ ۲۰۴ھ عمر شریف ۴۵ سال، آپ امام اعظم کی وفات کے دن پیدا ہوئے، امام احمد ابن حنبل کی ولادت شریف سنہ ۱۶۴ھ میں وفات سنہ ۲۴۱ھ میں عمر شریف ۷۷ سال۔

۱۴۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل بیت نبوت سے خاص فیوض و برکات حاصل کیئے جو دوسرے آئمہ کو حاصل نہ ہوئے، کیونکہ امام اعظم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مجلس پاک میں دو سال حاضر رہے خود فرماتے ہیں۔

لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَکَ النُّعْمَانُ ”اگر وہ دو سال نہ ملتے تو نعمان یعنی میں ہلاک ہوجاتا۔“

۱۵۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مظہر اتم ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے خلیفہ اول ہیں اور امام اعظم حضور ﷺ کی امت کے مجتہد اول صدیق اکبر جامع قرآن ہیں امام اعظم جامع مسائل فقہ اور قواعد دینیہ ہیں حضرت صدیق اکبر نے حضور ﷺ کے بعد پہلے عدل و انصاف کے قوانین خلافت کی بنیاد رکھی، امام اعظم نے اجتہاد اور تفقہ کی بنیاد رکھی، ابوبکر صدیق نے امت مصطفوی کی بروقت مدد و اعانت کی کہ انہیں اختلاف سے بچالیا، شیرازہ بکھرنے نہ دیا۔ امام اعظم نے مسلماوں کی اتنی بڑی مدد کی کہ انہیں کفر الحاد زندقہ کی آندھیوں سے بچالیا، آج ان کے اجتہاد علمی کی برکت سے امت کفار و مرتدین کے فتنوں سے محفوظ ہے۔

۱۶۔ جیسے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ سب کی گردن پر حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا قدم ہے، آپ طریقت کے امام اوّل ہیں کسی نے کیا خوب کہا۔

غوثِ اعظم درمیان اولیاء چوں جنابِ مصطفےٰ در انبیاء

ایسے ہی امام اعظم تمام علماء کے سردار ہیں کہ تمام علماء شریف آپ کے زیر سایہ ہیں اسی لیئے طریقت کے امام اوّل لقب غوثِ اعظم ہوا اور شریعت کے امام اوّل لقب امام اعظم بغداد شریف مجمع بحرین ہے کہ دونوں امام وہاں آرام فرما ہیں۔

دوسرا مسئلہ

تقلید کی اہمیت

ہم نے رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے جاء الحق حصہ اوّل میں مسئلہ تقلید تفصیل سے لکھ دیا ہے، جس کا جواب آج تک وہابی غیر مقلدین سے نہ بن سکا اگر شوق ہو تو وہاں مطالعہ فرماویں، اس جگہ کتاب کی تکمیل کے لیئے کچھ بطور اختصار تقلید کی ضرورت تقلید کے فوائد تقلید نہ کرنے کے نقصانات عرض کیے جاتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے، آمین۔

خیال رہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ واکمل التحیۃ میں بعض وہ خوش نصیب لوگ ہیں، جنہیں حضور سیّد عالم ﷺ کی صحبت میسر ہوئی، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیدار یار کیا وہ حضرت آسمان نبوت کے تارے ساری امت کے ہادی وامام ہیں ان کے حق میں خود حضور انور ﷺ نے بشارت دی۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ

”میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔“

بدعقیدگی فسق وفجور سے محفوظ و مامون رکھا، خود ارشاد فرماتا ہے۔

وَاَلْزَمَهُمْ کَلِمَةَ التَّقْوٰی وَکَانُوْ اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا

”رب تعالیٰ نے ان صحابہ پر پرہیزگاری کا کلمہ لازم فرمایا اور وہ اس کے مستحق ہیں۔“

دوسری جگہ صحابہ کرام کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وَکَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ

”اے صحابہ کرام رب نے کفر وفسق اور گناہوں سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈالدی۔“

اور تمام صحابہ سے رب نے جنتی ہونے کا وعدہ فرمالیا کہ ارشاد فرمایا۔

وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ”رب نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمالیا۔“

بلکہ رب تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو تمام جہاں کے ایمان کا معیار بتایا کہ جسکا ایمان ان کی طرح ہو وہ مؤمن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ بے دین ہے، کہ فرمایا۔

فَاِنْ آمِنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ”اگر یہ لوگ تمہارے ایمان کی طرح ایمان لاویں، تو ہدایت پر ہوں گے۔“

اگر صحابہ کرام کے فضائل ومراتب دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر مطالعہ کرو۔ بہر حال حضور ﷺ کی صحبت شریف کی ایک برکت سے صحابہ کے دل روشن سینے نورانی تھے، وہ حضرات فرش پر قدسی صفات کے حامل تھے، نہ ان میں دینی جھگڑے تھے نہ بہت سے فرقے نہ مذہبی اختلاف نہ فتنے وفساد لہٰذا اس خیر القرون کو باقاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی، وہ تمام جہاں کے امام تھے وہ کس کو تقلید کرتے۔

بعد میں مسلمانوں میں مذاہب کا اختلاف خیالات انتشار مسائل کی فراوانی فلسفہ ومنطق کا الحاق پیدا ہوا، تب علماء ملت نے قرآن وحدیث سے مسائل استنباط فرمائے دین محمدی ﷺ کے جزئیات کو آئینہ کی طرح صاف فرمادیا امت نے محسوس کیا کہ اب تقلید ائمہ کے بغیر چارہ نہیں غرضکہ بعد کے مسلمان تین قسم کے ہوگئے، عوام، علماء، مجتہدین، عوام نے علماء کی پیروی اور علماء نے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو لازمی ضروری سمجھا، یہ تقلید واجتہاد ضروریات زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ اوّلاً جب تک ضرورت پیش نہ آئی صحابہ کرام نے قرآن کریم بھی کتابی شکل میں جمع نہ فرمایا، عہد عثمانی میں جب ضرورت پڑی تو قرآن کتابی شکل میں جمع ہوا، پھر بہت عرصہ کے بعد قرآن میں زیر زبر لگائے پھر بہت عرصہ کے بعد اس میں رکوع سپارے مرتب کیئے گئے کسی صحابی نے جمع حدیث اور حدیث کے اقسام واحکام بنانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، بخاری مسلم وغیرہ عہد صحابہ کے بہت بعد کی کتابیں ہیں، غرضکہ دینی ضرورتیں بڑھتی گئیں، یہ چیزیں بنتی گئیں، یہ ہی حال آئمہ کی تقلید کا ہے، جیسے آج یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ قرآن کا جمع، اعراب سپارے بنانا، علم حدیث اور کتب حدیث، بدعت ہیں، عہد نبوی یا عہد صحابہ میں نہ تھے ایسے ہی یہ بھی کہنا حماقت ہے کہ تقلید آئمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا آج اگر جمع شدہ قرآن اور مسلم بخاری ضروری ہیں تو اماموں کی تقلید بھی لازم ہے ہم اس جگہ نہایت اختصار سے تقلید کی اہمیت قرآن، حدیث عمل امت، عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں، سنیئے اور ایمان تازہ کیجئے رب فرماتا ہے۔

۱۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ”پھر اگر تم نہ جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھو۔“

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دینی بات میں اپنی اٹکل نہ لگائے ناواقف کو ضروری ہے کہ واقف سے پوچھے جاہل عالم سے نہ پوچھے، غیر مجتہد عالم مجتہد علماء سے دریافت کریں، اس ہی کا نام تقلید ہے۔

۲۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ

”اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے امر والے علماء کی۔“

قرآن کریم پر عمل کی اطاعت ہے حدیث شریف پر عمل حضور کی فرمانبرداری اور فقہ پر عمل اولی الامر کی اطاعت ہے، یہ تینوں اطاعتیں ضروری ہیں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہاں اولوالامر سے مراد علماء دین ہیں نہ کہ سلاطین، کیوں کہ بادشاہوں پر علماء کی اطاعت بہر حال ضروری ہے۔ مگر علماء پر بادشاہوں کی اطاعت ہر حال میں واجب نہیں، صرف انہیں احکام میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں ایسے ہی حکام وسلاطین علماء سے احکام حاصل کریں گے۔

۳۔ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ”اول سبقت کرنیوالے مہاجرین اور انصار اور وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہوا، یہ اللہ سے راضی۔“

اس سے پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تین جماعتوں سے راضی ہے، مہاجرین، انصار اور تا قیامت ان کی اتباع و تقلید کرنے والے مسلمان غیر مقلد ان تینوں جماعتوں سے خارج کیونکہ نہ تو وہ مہاجر صحابی ہیں نہ انصاری، اور نہ ان کے مقلد ان کے نزدیک تقلید شرک ہے۔

۴۔ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَىَّ ”اس کی راہ چلو جو میری طرف رجوع لایا۔“

اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے چاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بندی ہیں اور تمام اولیاء علماء صالحین مومنین ان کے مقلد لہٰذا تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدیت وہابیت مردودوں کا راستہ ہے۔

۵۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ ”اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔“

معلوم ہوا کہ صرف ہمارا تقویٰ و پرہیزگاری بخشش کے لیئے کافی نہیں، پرہیزگاری کے ساتھ اچھوں کی سنگت بھی لازم ہے ورنہ راستہ میں ڈکیتی کا اندیشہ ہے چاروں امام اچھے ہیں اور امت کے سارے اچھوں نے تقلید کی سارے اولیاء محدثین مفسرین مقلد گزرے، غیر مقلدوں میں اگر کوئی ولی گزرا ہو تو دکھادو، جس شاخ میں پھل پھول پتے نہ لگیں وہ چولھے کے لائق ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا ہے ایسے ہی فرقہ میں اولیاء اللہ نہ ہوں وہ دوزخ کے قابل ہے، کیونکہ اس کا تعلق حضور ﷺ سے ٹوٹ چکا ہے۔

۶۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ”ہم کو ہدایت دے سیدھے، راستے کی انکا ر راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستہ کی پہچان یہ ہے کہ اس پر اولیاء اللہ علماء صالحین ہوں دیکھ لو سارے اولیاء صالحین مقلد ہیں، حضور غوث پاک، خواجہ اجمیری خواجہ بہاؤالدین نقشبند امام ترمذی وغیرہ جیسے پایہ کے بزرگ مقلدین گزرے لہٰذا تقلید سیدھا جنت کا راستہ ہے اور وہابیت غیر مقلدیت ٹیڑھا راستہ جو دوزخ تک پہنچائے گا۔

۷۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ

”جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے جدھر وہ پھرے گا ہم ادھر ہی پھر دینگے اور اسے دوزخ میں پہونچا ئینگے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو سزا حضور کی مخالفت کرنیوالے کفار کی ہے وہ ہی سزا ان کلمہ گو بے دینوں کی بھی ہے جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائیں، تقلید عام مسلمانوں کا راستہ ہے، غیر مقلد ان سب سے علیحدہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔

۸۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

”اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور نبی تمہارے گواہ۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان رب تعالیٰ کے دنیا و آخرت میں گواہ ہیں، جس آدمی یا جس راستہ یا جس مسئلہ کو عام مسلمان اچھا کہیں واقعی اچھا ہے اور جس کو بُرا کہیں وہ واقعہ میں بُرا ہے دیکھ لو۔ مسلمان تقلید کو اچھا کہتے ہیں اور مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو بُرا جانتے ہیں، لہٰذا تقلید ہی اچھا راستہ ہے اور مقلدیں اچھی جماعت۔

احادیث شریفہ

اس بارے میں احادیث بہت ہیں کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہ، مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ

''بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمان کی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں علیحدہ ہی جاویگا۔''

معلوم ہوا کہ مومن کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا چاہئے، جماعت سے علیحدگی دوزخ میں جانے کا راستہ ہے، عام مسلمین مقلد ہیں، غیر مقلد اپنا انجام سوچ لیں۔

حدیث نمبر ۲ تا ۴ مسلم۔ ترمذی۔ احمد نے حضرت حارث اشعری سے روایت کی۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ (مشکوۃ کتاب الامارۃ)

''جو شخص بالشت برابر جماعت سے نکل گیا، اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔''

حدیث نمبر ۵ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْاِيْمَانَ لَيَارِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَارِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا

(مشکوۃ باب الاعتصام)

''فرمایا نبی ﷺ نے کہ ایمان مدینہ منورہ کی طرف ایسا سمٹ آوے گا، جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۔''

معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے اور رہیگا۔ وہاں ان شاء اللہ کبھی شرک نہ ہوگا۔ الحمد اللہ کہ سارے حجاز خصوصًا مکہ معظمہ و مدینہ میں سارے مسلمان مقلد تھے اور مقلد ہیں وہاں غیر مقلد ایک بھی نہیں، نذیر حسین دہلوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے، غیر مقلدیت کی وجہ سے گرفتار کر لیئے گئے وہاں تقیہ کر کے مقلد بن کر جان چھڑائی، پھر ہندوستان آ کر غیر مقلد بن گئے، نذیر حسین غیر مقلدوں کے سرگردہ گزرے ہیں۔ اب اگرچہ وہاں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر نجدی بھی اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہوئے ڈرتے ہیں، اپنے کو حنبلی کہتے ہیں اگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طیبین اس سے پاک وصاف رہتے۔

حدیث نمبر ۶ امام احمد نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّے اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَاخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ اِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ (مشکوۃ باب الاعتصام)

''فرمایا نبی ﷺ نے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے، جیسے بھیڑیا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والی یا کنارہ والی یا بچھڑ جانیوالی کا شکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والے کا شکار کرتا ہے تم گھاٹیوں سے بچو جماعت اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔''

لَا يَجْتَمِعُ اُمَّتِىْ عَلَى الضَّلَالَةِ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ فَاِنَّ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِى النَّارِ (مشکوۃ)

''میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی، جماعت پر اللہ کی رحمت ہے، جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہر کر جاوے گا۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے نجات کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آ گیا، عام جماعت مسلمین مقلد ہے، لہٰذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمین سے علیحدگی ہے۔

عمل مسلمین ہمیشہ سے ہر طبقہ کے مسلمان غیر مقلد ہوئے، محدثین، مفسرین، فقہا، اولیاء اللہ ان میں کوئی غیر مقلد وہابی نہیں، چنانچہ امام قسطانی اور تاج الدین سبکی نے صراحۃً امام نووی نے اشارۃً فرمایا کہ امام بخاری شافعی ہیں، ترمذی ابوداؤد، نسائی، دار قطنی وغیرہ تمام محدثین شافعی ہیں۔ طحاوی و امام زیلعی، عینی شارح، بخاری، طیبی، علی قاری، عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ ہم تمام محدثین حنفی ہیں۔

تفسیر کبیر، تفسیر خازن، بیضاوی، جلالین، تنویر المقیاس والے سارے مفسرین شافعی ہیں۔ تفسیر مدارک، تفسیر صاوی والے سارے مفسرین حنفی، فقہاء اور اولیاء اللہ سارے کے سارے مقلد ہیں اور عام اولیاء حنفی ہیں جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، غیر مقلد وہابی سوچیں، کہ ان میں کتنے محدث، کتنے مفسر، کتنے فقہاء کتنے اولیاء ہیں، ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے اور وہ کس درخت کی شاخ یا کس کا پھل ہیں۔

عقل کا تقاضاء بھی یہ ہے کہ تقلید اشد ضروری فریضہ ہے اور غیر مقلدیت نجدیت زہر قاتل ہے، ایمان کے لیئے سخت خطرناک ہے چندوجوہ سے ایک یہ کہ قرآن و حدیث مسائل نکالنے کے لیئے آسان نہیں، اس نے مسائل کا استنباط سخت دشوار ہے، اس ہی لیئے رب تعالیٰ نے قرآن سکھانے کے لیئے اتنے بڑے رسول ﷺ کو بھیجا اگر اسے سمجھنے کے لیئے صرف عقل انسانی کافی ہوتی تو اس کی تعلیم کے لیئے حضور ﷺ نے بھیجے جاتے، فرماتا ہے۔

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ''وہ رسول مسلمانوں کو قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔''

جیسے قرآن سمجھانے کے لیئے حضور بھیجے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کیلیئے آئمہ مجتہدین پیدا فرمائے گئے جو لوگ آج تقلید سے منہ پھرے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث میں ایسی ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ خدا کی پناہ میں نے بڑے بڑے غیر مقلد وہابیوں کو بارہا اعلان کیا کہ حدیث سمجھنا تو کیا تم صرف یہ ہی بتادو کہ حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے، حدیث کسے کہتے ہیں، اور سنت کسے تم اپنے کو اہل حدیث کہتے ہو، ہم اہل سنت ہیں بتاؤ تم میں ہم میں فرق کیا ہے؟ مگر یہ فرق کے حدیث سے ثابت کیا جاوے، آج تک نہ بتا سکے اور ان شاء اللہ قیامت تک نہ بتا سکیں گے، ہمارا اعلان عام ہے کہ آج بھی کوئی وہابی صاحب تکلیف کر کے جواب دیں، حدیث سمجھنا اس سے مسائل نکالنا تو ان بیچاروں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کی چار حدیثیں بے سمجھے رٹ لیں اور اہل حدیث بن گئے حدیث سمجھنا تو خدا کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے اگر فہم حدیث کا لطف اٹھانا ہے تو ہمارا حاشیہ بخاری عربی یعنی نعیم الباری کا مطالعہ فرماؤ جس میں بفضلہٖ تعالیٰ ایک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ایمان تازہ ہوجاتا ہے، بطور مثال ایک عام مشہور مختصر سی حدیث پیش کرتا ہوں۔

اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ ''اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''

ہم نے حسب ذیل مسائل شریعت و طریقت کے مستنبط کیئے۔

۱۔ حضور ﷺ کی محبوبیت صرف انسانوں سے خاص نہیں کہ بے عقل جانور بے جان لکڑی پتھر بھی حضور ﷺ کے چاہنے والے ہیں، حسن یوسف لاکھوں نے دیکھا، مگر عاشق صرف زلیخا، حسن محمدی آج کسی نے نہ دیکھا مگر عاشق کروڑوں۔ حضور ساری مخلوق کے محبوب ہیں، کیوں نہ ہوں، کہ خالق کے محبوب ہیں۔

۲۔ جس انسان کو حضور ﷺ سے محبت نہ ہو وہ پتھروں سے زیادہ سخت اور جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے۔

۳۔ جب حضور ﷺ پتھر کے دل کا حال جانتے ہیں کہ فرماتے ہیں اُحد ہم سے محبت کرتا ہے تو انسانوں کے دل کے راز کیوں نہ جانیں ان سے کوئی غیب چھپا نہیں۔

۴۔ حضور ﷺ کی بارگاہ میں عشق و محبت اور دلی کیفیت زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ دل کی گہرائیوں کو جانتے ہیں، احد نے منہ سے کچھ نہ کہا، مگر اس کے دل کا حال حضور ﷺ پر روشن تھا۔ اگر حضور ﷺ انسانوں کے دلی حالات نہ جانیں تو کل قیامت میں شفاعت کیسے کریں گے جو بھی حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں کہ مجھے خبر نہیں مومن تھا یا کافر شفاعت کیسے کروں کیونکہ بعض وہ بھی ہوں گے جو بغیر وضو کیئے فوت ہوئے ان کے چہروں پر آثار وضو کی چمک نہ ہوگی۔

۵۔ تمام عبادتوں کا بدل جنت ہے مگر محبت مصطفوی کا نتیجہ محبت ہے کہ فرمایا احد ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں، لہٰذا عشق رسول عبادات سے اعلیٰ ہے کہ اس کا بدلہ جنت والا محبوب ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث سنو اور اس سے ایمانی و عرفانی مسائل کا استنباط ملاحظہ کرو ایمان تازہ کرو۔

حدیث حضور دراز گوش پر سوار جارہے ہیں سامنے دو قبریں نمودار ہوئیں ورنہ گوش دو پاؤں سے کھڑا ہوگیا، حضور اتر پڑے اور فرمایا کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے جسے دیکھ کر خچر گھبرا گیا، ان میں سے ایک تو انوٹوں کا چرواہا تھا جو انٹوں کے پیشاب کے چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا اس لیئے عذاب قبر میں گرفتار ہوئے، یہ فرما کر کھجور کی شاخ کی دو چریں فرما کر دونوں پر گاڑدیں اور فرمایا کہ جب تک یہ تر ہیں، عذاب قبر میں تخفیف ہوگی۔

فوائد اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ حضور ﷺ کی چشم مبارک کے لیئے کوئی چیز آڑ نہیں، آپ پس پردہ بھی دیکھتے ہیں، دیکھو عذاب ہزاروں من مٹی کے نیچے یعنی قبر کے اندر ہو رہا ہے، مگر نگاہ پاک مصطفی ﷺ قبر کے اوپر سے ملاحظہ فرما رہی ہے۔

۲۔ جس جانور پر حضور سوار ہوجاویں، اس جانور کی آنکھ سے بھی حجاب اٹھادیئے جاتے ہیں کہ خچر نے حضور ﷺ کی برکت سے قبر کا عذاب دیکھ لیا اور بھڑک گیا ورنہ ہمارے خچر دن رات قبرستان سے گزرتے ہیں، نہیں بھڑکتے، لہٰذا اگر حضور ﷺ کسی ولی پر نظر کرم فرمادیں تو اس کی نگاہ سے بھی

غیبی حجاب اٹھا جائیں گے۔

۳۔ حضور ﷺ کے ظاہر و خفیہ اگلے پچھلے تمام اعمال جانتے ہیں، کہ فرمایا کہ ایک چغل خور تھا، دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا، حالانکہ ان دونوں نے یہ اعمال حضور ﷺ کے سامنے نہ کئے تھے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں۔

۴۔ حضور ﷺ عذاب الٰہی سے بچانا عذاب دور کرانا بھی جانتے ہیں، گویا روحانی بیماریوں اور ان کے علاج سے خبردار ہیں، کہ ان قبر والوں کا عذاب دفع کرنے کے لیئے تر شاخیں قبروں پر گاڑھ کر فرمایا کہ اس سے عذاب ہلکا ہوگا۔

۵۔ تر سبزہ کی تسبیح کی برکت سے مومن کا عذاب قبر ہلکا ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر قبر پر تلاوت قرآن یا ذکر اللہ کیا جاوے تو میت کو فائدہ ہوگا۔ کیونکہ مومن کی تسبیح وتہلیل سے تر سبزہ کی تسبیح سے اعلیٰ ہے۔

۶۔ اگرچہ خشک چیزیں بھی تسبیح پڑھتی ہیں، اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ''مگر انکی تسبیح سے عذاب قبر دفع نہیں ہوتا۔'' ذکر کی تاثیر کے لیے زبان بھی تاثیر والی چاہیئے، لہٰذا وہابی وغیرہ خشکوں کی تلاوت قرآن وغیرہ بے فائدہ ہے، مومن جسکے دل میں محبت مصطفیٰ ﷺ کی تری وسبزی ہے اس کا ذکر تاثیر والا ہے۔

۷۔ مومن کی قبر پر سبزہ وغیرہ ڈالنا مفید ہے کہ اس سے قبر والے کو فائدہ ہے حضور ﷺ نے سبز شاخ قبر پر لگائی اور فرمایا جب تک کہ یہ تر رہیگی تب تک عذاب میں تخفیف ہوگی۔

۸۔ حلال جانور کا پیشاب نجس ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہیں دیکھو اونٹ حلال ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہوئیں۔

یہاں تک تو ہم نے آپ کو اپنے حاشیہ بخاری کی کچھ سیر کرائی۔ اب ہمارے حاشیہ القرآن کی بھی کچھ سیر کرلو، صرف ایک آیت کے فوائد عرض کرتا ہوں۔

فَمَادَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ

''جنات کو حضرت سلیمان کی وفات نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے جو آپ کا عصا کھاتی تھی۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بحالت نماز ہوئی بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی، آپ اسی طرح لکڑی کے سہارے کھڑے رہے چھ ماہ کے بعد دیمک نے لاٹھی کھالی۔ لاٹھی گرنیکی وجہ سے آپ کا جسم شریف زمین پر آرہا۔ تب جنات جو بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے، کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فائدے اس آیت اور واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

۱۔ انبیاء کرام کے اجسام وفات کے بعد گلنے یا بگڑنے سے محفوظ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم شریف چھ ماہ تک قائم رہا، مگر کوئی فرق نہ آیا۔

۲۔ انبیاء کرام کے اجسام شریفہ کو کیڑا نہیں کھا سکتا۔ دیکھو دیمک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی کھائی پاؤں شریف نہ کھایا لہٰذا یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ یوسف کو بھیڑیے نے نہ کھایا، یہ فرزند غلط کہہ رہے ہیں۔

۳۔ پیغمبر کا کفن بھی گلنے میلا ہونے سے محفوظ ہے، دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کا لباس شریف ان چھ ماہ میں نہ گلا نہ میلا ہوا، ورنہ جنات کو آپ کی وفات کا پتہ چل جاتا۔

۴۔ انبیاء کرام بعد وفات بھی دنیاوی دینی حاجتیں پوری کرتے ہیں، دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بعد وفات مسجد بیت المقدس کی تکمیل کرادی۔

۵۔ دینی ضرورت کی وجہ سے پیغمبر کے دفن وکفن میں دیر لگانا سنت الٰہیہ ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے تکمیل مسجد کے لیئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بعد وفات چھ ماہ تک بغیر کفن دفن رکھا، لہٰذا اصحابہ کرام کا تکمیل خلافت کے لیئے حضور کے کفن ودفن میں تاخیر کرنا بالکل صحیح تھا کیونکہ تکمیل خلافت تکمیل مسجد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

۶۔ ہاٹ فیل یعنی اچانک موت اللہ کے نیک بندوں کے لیئے عتاب نہیں بلکہ رحمت ہے۔ دیکھے حضور سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی، مگر رحمت تھی ہاں غافل کے لیئے عذاب ہے کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملتا، لہٰذا حدیث شریف واضح ہے۔

ایک اور آیۃ کریمہ کے فوائد ومسائل سنو جو ہم نے اپنے حاشیہ قرآن میں بیان کیئے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے اپنی دو خاص نعمتوں کا ذکر فرمایا اور ان کے شکریہ میں رب کی تسبیح وحمد کا حکم دیا ایک تو فتح مکہ دوسرے فتح کے دن اور اس کے بعد لوگوں کا جوق در جوق فوج در فوج اسلام قبول کرنا۔

اس آیت سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے۔

۱ صحابہ کرام کی تعداد دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ ہزارہا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں افواج یعنی فوجیں فرمایا دو چار آدمیوں کی فوجیں نہیں ہوتیں جیسے حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار میں جس میں تین سو تیرہ رسول ہیں اور چار مرسل ایسے ہی صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ بدر والے اور چار خلفاء راشدین جو کہے کہ مومن صحابہ کل چار پانچ تھے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔

۲ فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان رب تعالیٰ کے ہاں قبول ہوا کہ انہیں رب نے فرمایا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہوگئے، ان کا داخل فی الدین ہوجانا قرآن سے ثابت ہوا لہٰذا ابوسفیان، ہند، عکرمہ، امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سچے پکے، مخلص مومن ہیں، جو ان کے ایمان کا انکار کرے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔

۳ فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مرتد نہ ہوا یہ حضرات ایمان پر قائم رہے اُن کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ ان کے ایمان میں داخل ہونے کی یہ صریح آیت موجود ہے، اسلام سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں نیز رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کا ذکر بطور نعمت الٰہیہ کیا اگر یہ لوگ آئندہ ایمان سے نکل جانے والے ہوتے تو رب تعالیٰ بجائے تسبیح وتحمید کے حکم کے یوں فرماتا کہ محبوب ان کے ایمان کا اعتبار نہ کریں یہ لوگ پھر جائیں گے، اب جو تاریخی واقعہ ان کا کفر ثابت کرے، وہ جھوٹا ہے کہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔

وهابیو بولو آج تک قرآن وحدیث کے ایسے ایمان افروز عارفانہ مسائل کسی وہابی صاحب کے ذہن شریف میں بھی آئی یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے، تم نے صرف غلط سلط ترجمے کرنا ہی سیکھے ہیں۔

حنفی بھائیو اگر تمہیں اس جیسے صدہا عارفانہ، عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو تو ہمارا حاشیہ القرآن اُردو اور حاشیہ بخاری انشراح بخاری عربی کا مطالعہ کرو۔

دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث طب ایمانی کی دوائیں ہیں جب طب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی رائے سے نہیں کرسکتا اگر کریگا تو جان سے ہاتھ دھوئیگا، ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، اگر نکالے گا تو وہابیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوئے گا۔

تیسرے یہ کہ قرآن وحدیث سمندر ہیں، جیسے سمندر سے ہر شخص موتی نہیں نکال سکتا ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلے نہیں نکال سکتا، تمہیں موتی سمندر سے نہیں ملیں گے بلکہ جوہری کی دوکان سے ایسے ہی تمہیں مسائل قرآن وحدیث سے نہ ملیں گے، بلکہ امام ابوحنیفہ وشافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دوکانوں سے ملیں گے۔

چوتھے یہ کہ دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے، کھانا پکانا، کپڑا سینا پہننا، غرضکہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کے ماہروں کی تقلید نہ کی جاوے، دین تو دنیا سے کہیں اہم ہے اگر اس میں ہر شخص بے نکیلے اونٹ کی طرح بے قید ہو کہ جس کا جس طرف منہ اٹھا ادھر چل دیا تو دین تباہ ہو جائیگا غیر مقلد وہابیوں کے چاہیئے کہ پاؤں میں ٹوپی، سر پر جوتہ ٹانگوں میں کرتہ اور کندھے پر پائجامہ پہنا کریں، کیونکہ عام لوگوں کی طرح لباس پہننے میں تقلید ہے یہ ہیں، غیر مقلد یہ کیا بات ہے کہ آپ ہر کام میں ہر طرح مقلد اور صرف تین چار مسئلے، قرأت خلف الامام رفع یدین وغیرہ ہیں، غیر مقلد اگر غیر مقلد ہو تو پورے بنو ہر کام انوکھا کرو، ہر بات نرالی کہو۔

پانچویں یہ کہ بظاہر احادیث دیکھی جاویں تو چکر آجاتا ہے اگر تقلید نہ کی جاوے، صرف حدیثیں دیکھی جاویں، تو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ کیا کریں کدھر جائیں کوئی وہابی صاحب دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھاویں، جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو، ایک ایک مسئلہ پر دس دس قسم کی روایتیں موجود ہیں حضور ﷺ وتر ایک رکعت پڑھتے تھے تین یا پانچ پڑھتے تھے، سات پڑھتے تھے، تو گیارہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، اب غیر مقلد ایسی وتر پڑھ کر دکھائیں، کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جاوے ایک وہابی صاحب نے آمین بالجہر کی ایک حدیث پڑھی میں نے آمین بالاخفاء کی پانچ پڑھ دیں بیچارے منہ تکتے رہ گئے یہ کام مجتہد کا ہے کہ دیکھے کون حدیث ناسخ ہے کون منسوخ کون حدیث ظاہری معنیٰ پر ہے کون واجب التاویل، حدیث پر وہ عمل کرے جو مزاج شناس رسول ہو، اور راز دار پیغمبر یہ مزاج شناسی رازداری ہرایرے غیرے کا کام نہیں۔

وہابی اور حدیث

غیر مقلدوں کا اصلی نام وہابی ہے، لقب نجدی کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمد ابن عبدالوہاب ہے جو نجد کا رہنے والا تھا، اگر انہیں مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاوے تو وہابی کہا جاتا ہے اور اگر جائے پیدائش کی طرف نسبت دی جائے تو نجدی جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کو مرزائی بھی کہتے ہیں اور قادیانی بھی پہلی نسبت مورث کی طرف ہے، دوسری نسبت جائے پیدائش کی طرف اسی جماعت کی پیشن گوئی خود حضور ﷺ نے کی تھی کہ

نجد کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

هُنَاکَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا یَطْلُعُ قَرْنُ الشَّیْطَانِ ’’نجد میں زلزلے اور فتنے میں ہوں گے، اور وہاں سے ایک شیطانی فرقہ نکلے گا۔‘‘

غرض کہ اس جماعت کا بانی محمد ابن عبدالوہاب نجدی ہے اور اس کا ہندوستان میں پرورش کرنے والا اسماعیل دہلوی ہے، اس فرقہ کے حالات ہماری کتاب جاءالحق حصہ اوّل میں لاحظہ فرماؤ یہ لوگ عام مسلمانوں کو مشرک اور صرف اپنی جماعت کو موحد کہتے ہیں، مقلدوں کے جانی دشمن اور ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان اقدس میں تبرے کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں، یہ لوگ پہلے تو اپنے کو فخریہ طور پر وہابی کہتے تھے، چنانچہ ان کی بہت کتب کے نام تحفۂ وہابیہ وغیرہ ہیں، مگر اب وہابی کے نام سے چڑتے ہیں، ان کے عقائد و اعمال نہایت ہی گندے اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ ہیں، ہم یہاں اہل حدیث نام پر مختصر تبصرہ کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ ان کا نام بھی درست نہیں، مسلمانوں سے امید انصاف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ سے امید قبول ہے۔

خیال رہے کہ دنیا کوئی شخص اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہو سکتا ہی نہیں، کسی کا اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے، جیسے دو نقیضین یا دو ضدیں کا جمع ہونا غیر ممکن کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات، گفتگو یا کلام رب فرماتا ہے۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ’’قرآن کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ ’’اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا۔‘‘

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَہْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

’’بعض لوگ وہ ہیں، جو کھیل کی باتیں وناول، قصے خریدتے ہیں، تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔‘‘

اس تیسری آیت میں ناول قصے کہانیوں کو حدیث فرمایا گیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام وعبارت کا نام ہے، جس میں حضور سیّد عالم ﷺ کے اقوال یا اعمال اسی طرح صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بیان کیے جاویں، اس عامل بالحدیث فرقے سے سوال ہے کہ تم کونسی حدیث پر عامل ہو، لغوپر یا اصطلاحی پر ہو اگر لغوی حدیث پر عامل ہو تو چاہئے کہ ہر ناول گو قصہ خواں اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر سچی جھوٹی بات پر عمل کرتا ہے، اگر اصطلاحی حدیث پر عامل ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ ہر حدیث پر عامل ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے کیونکہ حضور کے کسی نہ کسی فرمان پر ہر شخص ہی عامل ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ سچ نجات دیتا ہے جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہر مشرک وکافر اس کا قائل ہے، وہ سب ہی اہل حدیث ہوگئے، تم حنفی، شافعی۔ مالکی۔ حنبلی مسلمانوں کو اہل حدیث کیوں نہیں مانتے یہ تو ہزارہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، اگر حدیث کے معنی ہیں حضور کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ نہ ممکن ہے کیونکہ حضور کی بعض حدیثوں منسوخ ہیں، بعض حدیثوں میں حضور کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور کے لیئے مباح یا فرض تھے، ہمارے لیے حرام ہے، جیسے منبر پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمایا، حضرت حسین سیّد الشہداء خاتم آل عبا رضی اللہ عنہ کے لیئے سجدہ دراز فرمایا، حضرت امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر لے کر نماز پڑھنا، نو بیویاں نکاح میں رکھنا، بغیر مہر نکاح ہونا ازواج میں عدل ومہر واجب نہ ہونا۔ بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کلمہ یوں پڑھتے تھے، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ الخ

’’اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔‘‘

یہ حضرات اسی حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے، غرضکہ حدیث میں حضور ﷺ کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور کے لئے کمال ہیں، ہمارے لیئے کفر۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کے وہ افعال کریمہ جو نسیان یا اجتہادی خطاء سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں، عامل بالحدیث صاحبان کو چاہیے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں۔ ہر حدیث پر جو عامل ہوئے بہر حال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکتا، جو اس معنی سے اپنے کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہے، وہ غلط کہتا ہے جب ہی نام جھوٹ ہے، تو اللہ کے فضل سے کام بھی سارے کھوٹے ہی ہوں گے، اسی لیئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ ’’لازم پکڑو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔‘‘

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو، کیونکہ ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سنت لائق عمل ہے، حضور کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں، حضور سے خاص بھی نہ ہوں خطاء انسیانا بھی سرزد نہ ہوں، بلکہ امت کے لیئے لائق عمل ہوں، انہیں سنت کہا جاتا ہے، لہٰذا ہمارا نام اہل سنت بالکل حق

و درست ہے، کہ ہم بفضلہٖ تعالیٰ حضور ﷺ کی ہر سنت پر عامل ہیں، مگر وہابیوں کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن۔

اب حدیثوں کی یہ چھانٹ کہ کون سی حدیث منسوخ ہے کون محکم کون حدیث حضور ﷺ کی خصائص میں سے ہے، کون سب کی اتباع کے لیئے کون فعل شریف اقتداء کے لیئے ہے، کون نہیں کس فرمان کا کیا منشاء ہے، کس حدیث سے کیا مسئلہ صراحۃً ثابت ہے اور کون مسئلہ اشارۃً کون دلالۃً کون اقتضاء یہ سب کچھ امام مجتہد ہی بتا سکتے ہیں ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے، جیسے قرآن عمل کرانا حدیث کا کام ہے، ایسے ہی حدیث پر عمل کرانا امام مجتہد کا کام یوں سمجھو کہ حدیث شریف رب تک پہنچنے کا راستہ ہے اور امام مجتہد اس راستہ کا نور جیسے بغیر روشنی راہ طے نہیں ہوتا، بغیر امام و مجتہد حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل ناممکن ہے، اسی لیئے علماء فرماتے ہیں۔

اَلْقُرْاٰنُ وَالْحَدِیْثُ یُضِلَّانِ اِلَّا بِالْمُجْتَھِد ”بغیر مجتہد قرآن وحدیث گمراہی کا باعث ہیں۔“

رب تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے۔

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ”اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے بہت کو ہدایت دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کر دیتا ہے۔“

چکڑالوی اس ہی لیئے گمراہ ہیں کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے ہیں، وہابی غیر مقلد اسی لئے راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں کہ یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، مقلدین اہل سنت کا ان شاء اللہ بیڑا پار ہے، کہ ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہے سنت رسول اللہ بھی اور سراج امت امام مجتہد کا نور بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حدیث بنان ناممکن اور جھوٹ ہے، اہل سنت بننا حق و درست ہے، اہل سنت وہ ہی ہو سکے گا جو کسی امام کا مقلد ہوگا، قیامت میں رب تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلُّ اُنَاسٍ بِاِمَا مِھِمْ ”اس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کیساتھ بلائیں گے۔“

خیال رکھو کہ قرآن وسنت کا سمندر ہم مقلد بھی عبور کرتے ہیں، اور غیر مقلد وہابی بھی، لیکن ہم تقلید کے جہاز کے ذریعہ جس کے ناخدا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی ذمہ داری پر سفر کر رہے ہیں، غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔

ان شاء اللہ مقلدوں کا بیڑا پار ہے، اور وہابیوں کا انجام غرقابی ہے۔

آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے، براہ مہربانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتادیں کہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ تحریمی اور حرام میں کیا فرق ہے، اور نماز میں کتنے فرض ہیں، کتنے واجب، کتنی سنتیں، کتنے مستحبات، کتنے مکروہ تنزیہی، کتنے مکروہ تحریمی اور کتنے حرام، ان شاء اللہ تا قیامت یہ تمام مسائل یہ حضرات حدیث سے نہیں بتا سکتے، حالانکہ دن رات ان مسائل سے واسطہ ہوتا ہے تو دوستو ضد کیوں کرتے ہو، تقلید اختیار کرو، جس میں دینی و دنیا کی بھلائی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب یکم رمضان سنہ ۱۳۷۶ھ اپریل سنہ ۱۹۵۷ء روز دوشنبہ کو شروع ہوکر ۳ ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۶ء بروز شنبہ یعنی دو ماہ دو دن میں اختتام کو پہنچی۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اسے قبول فرمائے، میرے لیئے کفارہ سیآت اور صدقہ جاریہ بنائے، مسلمانوں کے لئے اسے نافع بنائے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ بے کس گناہگار کے لیئے حسن خاتمہ او رمعافی سیآت کی دعا کرے کہ اس ہی لالچ میں میں نے یہ محنت کی ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ اٰمِیْن بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ

مُحَمَّدَنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اُوْلِی الصِّدْقِ وَالصَّفَا

وجۂ تصنیف

جاننا چاہیئے کہ موجودہ دور بہت فتنہ وفساد کا زمانہ ہے۔ کفر والحاد بے دینی کی ہوس ربا آندھیاں چل رہی ہیں بد مذہبی لا دینی نئی نئی صورتوں میں نمودار ہورہی ہے۔ مسلمان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہوگیا ہے وہ ہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول بارگاہ بندے کے دامن سے وابستہ ہے۔ ان فتنوں میں سے ایک خطرناک فتنہ غیر مقلّدیت کا ہے جو اتباع سنّت کے پردہ میں نمودار ہوا ہے یہ لوگ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سواء سب کو مشرک سمجھتے ہیں۔ تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ حدیث کیا ہے اور سنّت کیا۔ بلکہ جنہیں عربی عبارت پڑھنا نہیں آتی وہ آمین بالجہر ورفع یدین کی چار حدیثیں یاد کر کے اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ فقیر نے اپنی کتاب جاء الحق اول میں مسئلہ تقلید اور ضمیمہ جاء الحق میں بیس رکعت تراویح اور تین طلاق پر معرکۃ الآرا بحث کی جاء الحق میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اس کا حِصّہ دوم بھی تحریر کریں گے۔ بہت عرصہ تک یہ وعدہ پورا کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ دوسرے حصّہ میں غیر مقلد وہابیوں کی پرزور تردید کی جاوے اور احناف کے دلائل غیر مقلدوں کے دندانِ شکن جواب دیئے جاویں۔ مگر اس حکم کی تعمیل میں دی ہی ہوتی چلی گئی۔ نیز ہم نے ان مسائل پر اپنے ”فتاوٰی نعیمیہ“ اور حاشیہ بخاری نعیم الباری عربی میں مفصل گفتگو کی خیال تھا کہ اب علیٰحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر بزرگوں کا اصرار ہوا کہ ان مسائل پر مستقل کتاب اردو زبان میں لکھی جاوے۔ تو کلاعلیٰ للہ ادھر توجہ کی اس حصہ کا طریقہ وہ ہی ہوگا۔ جو جاء الحق حصّہ اوّل کا ہے۔ کہ ہر مسئلہ علیٰحدہ باب میں بیان ہوگا۔ اور ہر باب میں دو فصلیں ہوں گی۔ پہلی فصل میں حنفیوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے سوالات وجوابات غیر مقلدوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالف ہر حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی معقول نامعقول حوالہ کی آڑ لیتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز اگر جرح وتعدیل میں مقابلہ ہو تو تعدیل مقدم ہے۔ نیز کسی استاد کے ضعیف ہونے سے متین حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ نیز بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔ یہ تمام بحثیں ان شاء اللہ مقدمہ کی جائیں گی۔ مگر انہیں ان سے کیا غرض۔ انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے ان کے اس ضعیف ضعیف کے رٹ لگانے نے آج مسلمانوں میں منکرین حدیث کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں۔ صرف قرآن کو مانو۔

نیز مقام تعجب ہے کہ غیر مقلد ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کی تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ مگر ابن جوزی وغیرہ ناقدین حدیث کے ایسے مقلد ہیں کہ جس حدیث کو وہ ضعیف کہہ دیں۔ آ سے بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہ فتنہ بڑھ رہا ہے اس لیئے فقیر نے ان کے جواب میں قلم اٹھایا۔ قلم تو اٹھا دیا۔ مگر مجھے اپنی بے بضاعتی وکم علمی کا اعتراف واقرار ہے۔ اپنے رب کریم کے کرم اور اس کے حبیب ﷺ کے فضل پر بھروسہ ہے رب تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمادے۔ میرے لیئے اسے کفارہ سیئات وصدقہ جاریہ بنائے اس کا نام جاء الحق حصّہ دوم رکھتا ہوں۔ جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے۔ وہ مجھ فقیر بے نوا کے حسن خاتمہ کی دعا کرے اللہ اسے جزائے خیر دے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

احمد یار خاں نعیمی اشرفی بدایونی خطیب جامع
مسجد غوثیہ چوک پاکستان گجرات
یکم ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ دوم اپریل ۵۷ء
دوشنبہ مبارکہ